ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون (یونس)

مجدّد اعظم

یعنی

سوانحعمری حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ

مسیح موعود و مہدی معہود مجدّد صد چہاردھم

حصّۂ اوّل

از ابتدا تا جون سنہ ۱۹۰۰ء

مؤلفہ

جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

جسے

بماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے

شائع کیا

تعداد اشاعت تین ہزار | بار اوّل | قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے (ہے)

www.aaiil.org

ہمارے یعنی جماعت احمدیہ فریق لاہور کے عقائد

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب:۔

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نیا ہو یا پرانا"

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بیدین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہوگئی۔" "ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

۳۔ ہم قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں۔ جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجددین کا آنا مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس اُمت کے اولیا سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

۵۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے۔ اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد یا ولی کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"۔

۶۔ ہم ہر اس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے مسلمان کہتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

۷۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں مانتے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:۔ "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے"۔ "میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ اور اُن لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے"۔

فہرست مضامین مجدد اعظم حصہ اوّل

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
تمہید	ارتاد
نام و نسب و حالات خاندانی وجائے سکونت از صفحہ ۱ تا ۱۶	
نام و نسب	۱
قومیت	″
شجرۂ قوم برلاس	″
تیمور بھی قوم برلاس میں سے تھا تیمور کے شجرہ نسب کو چنگیز خاں سے ملانا غلطی ہے	″
سیتھین قوم کا ہی دوسرا نام برلاس تھا	۳
ایرانی قوم کی ہجرت ترکستان میں۔ سوغدیانہ یعنی سمرقند کے لوگ ایرانی الاصل تھے	۴
تیمور کا قومی نشان ایرانی تھا	۶
مرزا کا لقب خالص ایرانی ہے۔	″
ایردم جی برلاس میں جی کا لفظ۔	″
خلاصۂ دلائل	″
مرزا ہادی بیگ کا موروث اعلیٰ حاجی برلاس تھا	۷
حضرت مرزا صاحب کا بذریعہ الہام فارسی الاصل ہونے کا دعویٰ۔	۸

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
حدیث شریف میں رجل من ابنا فارس کی پیشگوئی	۹
جائے سکونت قادیان ...	″
شجرۂ نسب	۱۰
اس خاندان پر سکھوں کے وقت کے ظلم و ستم	۱۱
سر لیپل گریفن کی شہادت ...	۱۴
ننھال	۱۵
بہن بھائی	۱۶
ولادت و طفولیت اور تعلیم از صفحہ ۱۶ تا ۲۴	
سنہ ولادت	۱۶
یوم ولادت	۱۷
نام کا اسم بامسمّٰی ہونا	۱۸
طفولیت	″
تعلیم	۱۹
قادیان میں تعلیمی زمانہ	۲۰
آپ کا مرغوب خاطر شوق اور ورزش	۲۱
ٹبالہ میں تعلیمی زمانہ	″
طب کی تعلیم	۲۳
مطالعہ کی کثرت	″
قرآن شریف کے علم کیلئے تڑپ۔	۲۴

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
بلوغت اور انقطاع الی اللہ از صفحہ ۲۴ تا ۲۹	
خلوت پسندی اور یاد الٰہی	۲۴
شادی	۲۵
استغراق میں فرق نہیں آیا	″
غذا	″
عبادت	۲۶
آپ کی خلوت نشینی پر آپ کے والد ماجد کے ریمارکس ...	۲۷
تدریس	۲۸
مقدمات کی پیروی اور استبازی پر استقامت از صفحہ ۲۹ تا ۴۱	
مقدمات سے نفرت	۲۹
والد صاحب کی اطاعت کیلئے مقدمات کی پیروی	۳۲
دلموزی کا سفر	″
سفر میں طریق عمل	۳۳
پیدل چلنے کی عادت ...	″
ٹبالہ کا قیام	۳۴
مقدمات کے لئے تیاری ...	۳۵
دعا اور راستی پسندی ...	″
مقدمات میں استبازی کی ایک مثال	۳۶

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
مقدمات میں راستبازی کی دوسری مثال	۳۷
مقدمات میں راستبازی کی تیسری مثال	۳۸
مقدمات آپکے تعلق باللہ میں حارج نہ ہوسکتے تھے	۳۹
مقدمات سے بالطبع نفرت تھی	۴۰
ملازمت از صفحہ ۴۱ تا ۵۶	
جموں کا سفر	۴۱
سیالکوٹ میں ملازمت	۴۲
سید میر حسن صاحب کا خط	"
تمہ خط جناب شمس العلماء سید میر حسن صاحب	۴۶
مقام سیالکوٹ کے زمانہ کے متعلق ایک اور شہادت	۴۷
ملازمت بھی عبادت کا رنگ رکھتی تھی	۴۸
امتحان مختاری کی تیاری	"
لالہ بھیم سین کی کامیابی کا نظارہ قبل از وقت	۴۹
راجہ تیج سنگھ کی وفات کی خبر قبل از وقت	"
سیالکوٹ میں حفاظت آلہی کے نظائر اور حضرت ابراہیمؑ کے برد و سلام کی تشریح	۵۰
پنڈت سیجرام سے مقابلہ اور خودداری کا اظہار	۵۱
لالہ بھیم سین صاحب کو تبلیغ اسلام	۵۳
آپ ملازمت کو قید خانہ سمجھتے تھے	"
سیالکوٹ سے رخصت ہوتے ہیں	۵۴
کپورتھلہ کے صیغہ تعلیم کی افسری سے انکار	"
سشن جج کی اسیسری سے انکار	۵۵
حضرت مرزا صاحب بطور ایک کمیشن کے	"
سیالکوٹ سے واپسی کے بعد آپکے مشاغل از صفحہ ۵۶ تا ۶۳	
حدیثوں میں حارث کی پیشگوئی کا آپ میں پورا ہونا	۵۶
حضرت مرزا صاحب کی شاعری والد صاحب کی خدمت میں گوشہ گزینی کی عرضی	"
شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی	۵۷
روزہ کا مجاہدہ	۵۸
صحبت صادقین کا شوق	۶۰
مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے ملاقات	"
آپ کا مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے دعا کرانا	۶۱
مولوی عبداللہ صاحب کے مکاشفات اور الہامات حضرت مرزا صاحب کی تائید میں	۶۱
حافظ محمد یوسف صاحب کی شہادت	۶۲
حافظ محمد یوسف صاحب کے بھائی منشی محمد یعقوب صاحب کی شہادت	"
مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد ان سے حضرت مرزا صاحب کی کشفی حالات میں ملاقات	۶۳
حضرت مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی وفات از صفحہ ۶۴ تا ۶۵	
وفات کی خبر	۶۴
آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی از صفحہ ۶۵ تا ۶۶	
ایمان اور توکل کا امتحان	۶۵
کثرت مکالمات آلہیہ کا آغاز از صفحہ ۶۷ تا ۷۸	
الہامات کب سے شروع ہوئے	۶۷
الہامات آلہیہ کا سلسلہ کیوں اسقدر زور سے جاری ہوا	"
وحی ولایت	۶۸

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
قرآن و سنت کے اتباع کے ثمرات	
کا ثبوت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۸
منکرین الہام پر اتمام حجت ۔	۶۹
اسلام کی صداقت پر بعض نشانات	
جنہیں آپ غیر مسلموں کے سامنے	
پیش کرتے رہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
نشان ۱ لالہ ملاوامل پر اتمام حجت	۷۰
نشان ۲ لالہ شرمپت رائے پر اتمام حجت	〃
نشان ۳ لالہ شرمپت رائے اور	
دیگر لوگوں پر ایک اور اتمام حجت	۷۳
حضرت مرزا صاحب کی دعوت و تبلیغ	
از صفحہ ۷۵ تا ۹۴	
وعظ و تبلیغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷۵
(۱) اسلام کی تبلیغ کیلئے تعلیم ۔	〃
مولوی قدرت اللہ صاحب کو	
مسلمان کرنے کا جوش ۔ ۔	۷۶
(۲) تقریر کے ذریعہ تبلیغ اسلام	〃
لالہ ملاوامل کو تبلیغ ۔ ۔ ۔	〃
کشن سنگھ کا عیسائی ہونے	
سے بچ جانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷۷
قادیان میں بعض عیسائی مشنری	〃
مناظرات ۔ ۔ ۔ ۔	〃
بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب	
سے مباحثہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷۸

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
(۳) تحریر کے ذریعہ تبلیغ ۔ ۔	۷۹
مناظروں میں آپ آنحضرت صلعم	
یا قرآن کی توہین برداشت نہ	
کر سکتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۸۱
سرار سنت سنگھ صاحب کا	
مسلمان ہونا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
پنڈت کھڑک سنگھ صاحب	
سے مناظرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۸۲
دیانند سرسوتی پر گرفت ۔ ۔	۸۴
ارواح کے بے انت ہونے کا عقیدہ	۸۵
آریہ سماج میں کھلبلی ۔ ۔ ۔	۸۶
پنڈت دیانند صاحب کا مطاع الکل	
کی حیثیت سے گر جانا ۔ ۔	〃
پنڈت دیانند سرسوتی کا مباحثہ	
سے گریز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۸۹
باوا نرائن سنگھ صاحب سے مباحثہ	۹۰
حضرت مرزا صاحب کی جرأت ایمانی	۹۱
روحوں کے نادی اور بے انت	
ہونے پر چودہ دلائل ۔ ۔ ۔	〃
منشی گوردیال صاحب سے مباحثہ	〃
لالہ شرمپت رائے صاحب	
میدان مناظرہ میں کودے ۔	۹۲
عیسائیوں سے مباحثہ ۔ ۔	〃
برہمو سماج سے مباحثہ ۔ ۔	〃

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
ایک برہمو کی قادیان میں آمد	
برائے تحقیقات ۔ ۔ ۔	۹۳
براہین احمدیہ میں برہمو سماج پر	
اچھی طرح حجت تمام کی ۔ ۔ ۔	〃
نعتہ الباری یا آلا راتمکی تصنیف	
کا ارادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
تصنیف براہین احمدیہ	
از صفحہ ۹۴ تا ۱۰۹	
آپ کی غیرت دینی	۹۴
آپکی حیرت انگیز علم لدنی ۔ ۔	۹۵
براہین احمدیہ کی تصنیف کی تحریک	〃
براہین احمدیہ کے ساتھ اعلامی تبلیغ	۹۶
اس کتاب کی تصنیف کے متعلق	
قبل از وقت اشارۂ الٰہی ۔ ۔ ۔	۹۷
براہین احمدیہ کی تصنیف اور	
اشاعت کا زمانہ ۔ ۔ ۔ ۔	۹۹
براہین احمدیہ کی تصنیف میں	
طرز عمل کیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔	〃
براہین احمدیہ کس پریس میں چھپی	〃
طباعت میں احتیاط ۔ ۔ ۔	۱۰۰
براہین احمدیہ کی ڈاک کی روانگی	
میں احتیاط ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
براہین احمدیہ کی طبع و اشاعت	
میں مالی مشکلات ۔ ۔ ۔ ۔	〃

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
نواب صدیق حسن خاں صاحب	
کا واقعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۰۲
آپ کا مقصد تجارت نہ تھا	
بلکہ خدمت دین تھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۰۴
براہین احمدیہ کی مخالفت ۔ ۔	۱۰۵
غیر مسلموں کی مخالفت ۔ ۔ ۔	۱۰۷
الہام کے خارج سے ہونے پر سائنس	
کی دلیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۰۸
دعویٔ مجددیت از صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۲	
مجددین کی بعثت پر قرآن و	
حدیث کی شہادت ۔ ۔ ۔ ۔	۱۰۹
حدیث مجدد کی صحت ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۰
محدث ہونے کا دعویٰ	۱۱۱
دعویٔ مجددیت کا اعلان	۱۱۳
رجوع خلائق! ہالیان لودھیانہ	
کی دعوت۔ اور شہرت سے آپ	
کی نفرت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۴
خواہش ہجرت اور آپ کا انکار	۱۱۵
لدھیانہ کا پہلا سفر ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۶
سفر مالیر کوٹلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۷
مخالفت کی ابتدا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۸
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی	
کی شہادت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
لدھیانہ کا دوسرا سفر	۱۱۹

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
براہین احمدیہ میں معترضین زمانہ	
کے بھی جوابات ساتھ ساتھ دیئے	
جاتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۹
پادریوں کے اعتراضات پر بحث	〃
آریوں کے اعتراضات پر بحث اور	
پنڈت دیانند پر اتمام حجت ۔	۱۲۰
پنڈت لیکھرام میدان تکذیب میں	۱۲۳
غیر مذاہب والوں کو نشان نمائی کی دعوت عام از صفحہ ۱۲۴ تا ۱۳۱	
لیکھرام کا مقابل میں آنا ۔ ۔	۱۲۷
مرزا امام الدین صاحب لیکھرام	
کو قادیان میں لانا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۲۸
مرزا غلام قادر صاحب کی وفات از صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۴	
مسجد مبارک کی تعمیر از صفحہ ۱۳۴ تا ۱۳۵	
قادیان کی طرف رجوع خلائق از ۱۳۵ تا ۱۳۹	
مولوی نورالدین صاحب کی آمد	۱۳۵
سرخ چھینٹوں کا نشان ۔ ۔	۱۳۸
نکاح ثانی از صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۵	
حضرت اقدس کا اپنی بیبیوں	
سے اعلیٰ درجہ کا سلوک	۱۴۴
حضرت مرزا صاحب کی اولاد صفحہ ۱۴۵	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
پہلی بی بی سے اولاد ۔ ۔ ۔	۱۴۵
دوسری بی بی سے اولاد ۔ ۔	〃
ایک عظیم الشان لڑکے کی بشارت از صفحہ ۱۴۵ تا ۱۶۵	
ایک عظیم الشان لڑکے کی	
ولادت کا اشتہار ۔ ۔	۱۴۵
بشیر احمد اول کی ولادت اور	
وفات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴۶
اس ابتلاء میں آپکے ایمان اور	
استقامت کا اعلیٰ نمونہ ۔ ۔	۱۴۷
حقانی تقریر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴۸
موعود لڑکے کا علم سوا خدا کے	
کسی کو نہیں اجتہاداً مبارک احمد	
پر حضرت صاحب نے مصلح موعود	
کی پیشگوئی کو چسپاں کیا ۔ ۔ ۔	۱۵۱
پیشگوئیوں کے بارہ میں اجتہادی	
غلطی ہر ایک نبی اور ولی سے	
ہوتی رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵۴
مصلح موعود کسی آئندہ زمانہ	
میں پیدا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵۶
اجتہاد میں غلطی کی وجہ پیشگوئی	
کے پورا ہونے میں عجلت کی خواہش تھی	۱۵۷
مصلح موعود کا زمانہ تین صدی	
سے قبل نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔	۱۵۹

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
غلب ہی کہ مصلح موعود روحانی بیٹا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵۹
پیشگوئی کی اصل حقیقت کا علم اللہ کو ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۵
سرمہ چشم آریہ کی تصنیف از صفحہ ۱۶۵ تا ۱۷۰	
ہوشیارپور میں چلہ کشی ۔	۱۶۵
کشف قبور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۶
ہوشیارپور میں مباحثہ مرلی دھر سے مناظرہ ۔ ۔	۱۶۷
سرمہ چشم آریہ کی تصنیف ۔	۱۶۹
اندرمن مراد آبادی کا فرار	۱۷۰
کتاب شحنۂ حق کی تصنیف از صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۱	
مسٹر الگزینڈر رسل وب سے خط و کتابت اور اس کا اسلام قبول کرنا از صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۸	
مسٹر وب کے ابتدائی حالات ۔	۱۷۱
حضرت اقدس سے خط و کتابت	۱۷۲
مولوی حسن علی مرحوم کی شہادت	۱۷۳
وب صاحب کے مزید حالات	۱۷۶
پیشگوئی دربارۂ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری و نکاح محمدی بیگم از صفحہ ۱۷۸ تا ۲۱۴	
پیشگوئی صفات الٰہیہ علیم و قدیر کے ماتحت ہوتی ہے ۔ ۔ ۔	۱۷۸
تقدیر مبرم اور تقدیر معلق	″
عبداللہ آتھم کا رجوع ۔ ۔ ۔	۱۸۱
احمد بیگ اور محمدی بیگم کی پیشگوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۲
اس خاندان کی بیدینی کی اصلاح کی صورت محض نشان نمائی ہی ہو سکتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۳
اس خاندان کی بیدینی اور نشان طلبی کا ماجرا ۔ ۔ ۔ ۔	″
نشان نمائی کا وقت آن پہنچا	۱۸۵
پیشگوئی کی اصل غرض خاندان کی اصلاح تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	″
ان قرابتیوں نے عذاب کا نشان چاہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۸
اس پرائیویٹ پیشگوئی کو پبلک کرنیوالا فریق ثانی تھا ۔	۱۸۹
اس پیشگوئی کی حیثیت ایک پبلک پیشگوئی کی ہوگئی ۔ ۔	۱۹۰
پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کرنا کیوں جائز نہیں؟	۱۹۲
تمام اعزا و اقارب سے قطع تعلق	″
مرزا احمد بیگ کی موت ۔ ۔	۱۹۶
مرزا احمد بیگ کی موت کے علاوہ دوسرے مصائب ۔	۱۹۷
مرزا سلطان محمد کے متعلق وعید کیوں ٹل گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۹۸
عذاب کے نشان سے اصلاح ہوگئی	۱۹۹
اصل الہام پر بحث ۔ ۔ ۔	۲۰۰
مخالف مولویوں کا انکار محل تعجب ہے ۔ ۔ ۔ ۔	۲۰۱
محمدی بیگم کا نکاح سلطان محمد کی موت پر مبنی تھا ۔ ۔ ۔	۲۰۲
اس نشان نمائی کا نتیجہ ۔ ۔	۲۰۳
سلطان محمد کا رجوع ۔ ۔ ۔	″
خود محمدی بیگم کا رجوع ۔ ۔	۲۰۵
نکاح کو تقدیر مبرم لکھنا اجتہاد تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	″
تقدیر مبرم دو قسم کی ہوتی ہے	۲۰۶
حضرت مجدد سرہندی صاحب کا ارشاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۰۷
حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ۔ ۔ ۔	۲۱۱
حضرت امام شافعی کا ارشاد ۔	۲۱۲
تقدیر مبرم فرمانیکی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں موت طرف ایک کیلئے مقدر تھی ۔	۲۱۳

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
اعلان دربارۂ بیعت از صفحہ ۲۱۴ تا ۲۲۳	
بیعت کی ضرورت	۲۱۵
بیعت کا طریق	〃
دس شرائط بیعت	۲۱۶
بیعت بمقام لدھیانہ شروع ہوئی	۲۱۷
فیضان بیعت کا ایک پہلو	۲۱۸
حضرت مرزا صاحب کے مسلک کا وظیفہ جہاد تھا	〃
جہاد کی مخالفت کا الزام غلط ہے	۲۲۱
سفر علی گڑھ	۲۲۲
دعوئ مسیحیت از صفحہ ۲۲۳ تا ۲۴۰	
دعوئ مسیحیت	۲۲۳
مشابہت اولیاء بہ انبیاء	〃
اس مسئلہ پر جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا ارشاد	۲۲۶
یہ زمانہ کسی مجدد اعظم کی ضرورت کو پکار پکار کر بیان کر رہا ہے	۲۳۲
اس زمانہ میں تمام وہ فتن پیدا ہو چکے تھے جن کیلئے مسیح موعود و مہدی معہود کے آنیکا وعدہ تھا	۲۳۳
بعض اکابر اولیاء کے اقوال حمایت ابن مریم کے	۲۳۵
تشبیہ اور استعارہ	۲۳۹
ابن مریم کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے	〃
امامکم منکم کی حدیث	۲۴۰
فتح اسلام اور توضیح مرام کی تصنیف از صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۲	
قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تائید کے بعد دعوی کی اشاعت کی	۲۴۰
مسیح موعود کی پیشگوئی کا بہترین حل	۲۴۳
مولوی محمد حسین بٹالوی کی مخالفت	۲۴۴
دعوت مباحثہ بنام مخالف علما	〃
قیام لدھیانہ از صفحہ ۲۴۴ تا ۲۶۱	
مولویوں کا شور و شر	۲۴۴
مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کا مباحثہ سے فرار	۲۴۶
دو سجادہ نشینوں کو دعوت	۲۵۰
حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہی	۲۵۱
مولوی غلام نبی صاحب خوشابی	۲۵۲
نواب علی محمد خاں آف جھجھر	۲۵۵
لاہور سے ایک خط	۲۵۷
غزنویوں کا درود لدھیانہ میں	〃
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ورود لدھیانہ	۲۵۹
مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت	〃
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ اور کتاب الحق مباحثہ لدھیانہ کی اشاعت از صفحہ ۲۶۱ تا ۲۷۱	
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ	۲۶۱
میر عباس علی کا ارتداد	۲۶۶
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آخر لدھیانہ سے نکالے گئے	۲۶۸
قیام امرتسر	〃
سائیں گلاب شاہ صاحب کی شہادت	۲۶۹
ازالۂ اوہام کی تصنیف و اشاعت از صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۲	
ازالۂ اوہام کی اشاعت	۲۷۱
توفّی کے معنے پر ہزار روپے کا انعام	〃
دجال پر بحث از صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۵	
دجال کی تشریح	۲۷۲
دجال کی پیشگوئی کو خود صحابہ نے کیا سمجھا	۲۷۳

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
فتنہ دجال سے مراد فتنہ مسیحیت ہے	۲۷۳
دجال کا حلیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
دجال کی سواری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۷۴
دعویٔ مہدویت	
از صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۷	
دعویٔ نبوت سے انکار	
از صفحہ ۲۷۷ تا ۲۸۸	
دعویٔ مسیحیت و مہدویت کی ضرورت کیا تھی از صفحہ ۲۸۸ تا ۲۹۶	
وجہ اول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۸۸
وجہ ثانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۰
اشاعت اسلام آپ کا فرض منصبی تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۳
اشاعت اسلام کی راہ سے پہلی روک کس طرح اٹھائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
اشاعت اسلام کی راہ سے دوسری روک کس طرح اٹھائی ۔	۲۹۴
دعویٰ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا	〃
اِس زمانہ کے علما کی عامہ ذہنیت کو بدلنا چاہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۵
اشاعت اسلام کو اس زمانہ کا جہاد قرار دیا ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۶
ملہم من اللہ ہونے پر کیوں زور دیا از صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۸	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
الہام معرفت الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۶
قیام دہلی ۔ از صفحہ ۲۹۸ تا ۳۱۴	
ورود دہلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۹۸
شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب دہلوی کی چالاکی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۰۰
مولوی سید نذیر حسین صاحب سے ایک فرضی مباحثہ کا انعقاد ۔	۳۰۱
مرزا حیرت دہلوی صاحب کا افسوسناک رویہ	۳۰۴
مولویوں کا بدنام کن پروپاگنڈا	۳۰۵
مولوی محمد احمد صاحب کی فتنہ انگیزیاں ۔ ۔ ۔ ۔	۳۰۶
اشتہاروں کی کتابت اور طباعت کا مقاطعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۰۷
مولوی سید نذیر حسین صاحب کا مباحثہ سے گریز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۰۸
جامع مسجد دہلی کا واقعہ ۔	۳۰۹
مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی ثم بھوپالی سے مباحثہ اور الحق کی تصنیف	
از صفحہ ۳۱۴ تا ۳۲۴	
تمہید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۱۴
دلی والوں کا کتابیں دینے کا مقاطعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۱۵

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی سے مباحثہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۱۹
نصرت الٰہی کا ظہور عجیب و غریب رنگ میں ۔ ۔ ۔	۳۲۲
سفر پٹیالہ اور قادیان کو واپسی ۔ از صفحہ ۳۲۴ تا ۳۲۵	
سفر پٹیالہ	۳۲۴
مولویوں کا فتویٔ کفر اور فیصلہ آسمانی کی تصنیف	
از صفحہ ۳۲۵ تا ۳۲۷	
علما کی طرف سے فتویٔ کفر	۳۲۵
فیصلہ آسمانی کی تصنیف ۔ ۔	〃
قرآن و حدیث کے مطابق ایمان ثابت کرنے کا چیلنج ۔ ۔ ۔	۳۲۶
جلسۂ سالانہ کی بنیاد	
از صفحہ ۳۲۷ تا ۳۲۸	
پہلا سالانہ جلسہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۲۷
ابتدائی جلسہ کی کیفیت ۔ ۔ ۔	۳۲۸
قیام لاہور ۔ از صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۱	
مباحثہ لاہور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۲۹
ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور مرزا ایوب بیگ صاحب کی بیعت	۳۳۰
قیام سیالکوٹ از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۳	
ورود سیالکوٹ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۳۱

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
نشان آسمانی از صفحہ ۳۳۳ تا ۳۳۴	
سفر جالندھر و لدھیانہ	۳۳۳
نشان آسمانی کی تصنیف	۳۳۴
بعض معزز احباب کی قادیان کی طرف ہجرت۔ از صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۸	
مولانا محمد احسن صاحب امروہی کی قادیان کی طرف ہجرت	۳۳۵
مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی ہجرت	″
مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ کی قادیان کی طرف ہجرت	۳۳۶
جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء از صفحہ ۳۳۸ تا ۳۳۹	
میر ناصر نواب صاحب	۳۳۹
آئینہ کمالات اسلام از صفحہ ۳۴۰ تا ۳۴۳	
تمام مذاہب باطلہ کے علما کو چیلنج	۳۴۰
التبلیغ کی اشاعت	۳۴۱
مکفرین علما کو مباہلہ کا چیلنج از صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۸	
مباہلہ کن حالات میں ہونا چاہیئے تھا	۳۴۳
مکفرین علما کو مباہلہ کا چیلنج	۳۴۵
لیکھرام پشاوری کی نسبت پیشگوئی	۳۴۶
برکات الدعا۔ از صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۰	
نیچریت کی تردید	۳۴۸
برکات الدعا کی تصنیف	۳۴۹
قادیان میں مطبع کا قیام	۳۵۰
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو عربی تفسیر لکھنے کی دعوت	″
حجۃ الاسلام از صفحہ ۳۵۰ تا ۳۵۳	
عیسائیوں پر اتمام حجت	۳۵۰
جنگ مقدس کی تمہید	۳۵۱
عیسائیوں کو دعوت مباہلہ	۳۵۲
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے بارے میں ایک پیشگوئی	″
سچائی کا اظہار از صفحہ ۳۵۳ تا ۳۵۶	
رسالہ سچائی کے اظہار کی وجہ تصنیف	۳۵۳
ڈاکٹر کلارک کو خطاب	۳۵۴
اعلان مباہلہ بجواب اشتہار مولوی عبدالحق غزنوی	″
جنگ مقدس از صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۴	
شرائط مباحثہ	۳۵۶
مباحثہ کا پہلا زمانہ	۳۵۷
کامل کتاب وہ ہے جو دعوے کے ساتھ دلائل بھی خود ہی دے	۳۵۸
پہلا زمانہ سات دن میں ختم ہوا	۳۵۹
مباحثہ کا دوسرا زمانہ	″
لطیفہ	۳۶۰
ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی	۳۶۱
اس مباحثہ کا نتیجہ	۳۶۳
مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ	″
تصنیف و اشاعت کرامات الصادقین اور تحفہ بغداد۔ از صفحہ ۳۶۴ تا ۳۶۶	
کرامات الصادقین	۳۶۴
تحفہ بغداد	۳۶۶
شہادت القرآن از صفحہ ۳۶۶ تا ۳۷۱	
پہلا امر تنقیح طلب	۳۶۷
دوسرا امر تنقیح طلب	۳۶۹
تیسرا امر تنقیح طلب	″
گورنمنٹ سے غداری کے الزام سے بریت	″
التوائے جلسہ ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۳ء	۳۷۱

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
حضرت اقدس کی کثیر الاشغال زندگی بجائے خود ایک اعجاز تھی۔ از صفحہ ۳۷۱ تا ۳۷۴	
دو مشہور مسلم مشنریوں کی بیعت از صفحہ ۳۷۷ تا ۳۸۶	
مولوی حسن علی صاحب مسلم مشنری	۳۷۴
خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری انگلستان	۳۸۵
حمامۃ البشریٰ بر صفحہ ۳۸۶	
تصنیف و اشاعت	۳۸۶
رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان از صفحہ ۳۸۶ تا ۳۸۸	
آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کا پورا ہونا	۳۸۶
نور الحق حصہ اوّل و دوم از صفحہ ۳۸۸ تا ۳۹۱	
وجہ تصنیف	۳۸۸
نور الحق حصہ اوّل	۳۸۹
نور الحق حصہ دوم	۳۹۰
اتمام الحجۃ از صفحہ ۳۹۱ تا ۳۹۲	
وجہ تصنیف	۳۹۱
سر الخلافہ از صفحہ ۳۹۳ تا ۳۹۴	
آیت استخلاف کے صحیح و کامل مصداق حضرت ابوبکر تھے۔	۳۹۳
تبرّے بازی خلاف قرآن ہے	〃
حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا مقصود دنیا پرستی نہ تھا۔	۳۹۴
ڈپٹی عبداللہ آتھم کا رجوع الی الحق سے فائدہ اٹھانا اور حضرت مرزا صاحب کا اس کو مباہلہ اور قسم کے لئے چیلنج دینا۔ انوار الاسلام۔ ضیاء الحق۔ کتاب انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم۔ از صفحہ ۳۹۵ تا ۴۱۴	
عبداللہ آتھم کا رجوع الی الحق سے فائدہ اٹھانا	۳۹۵
انوار الاسلام کی اشاعت اور آتھم صاحب اور عیسائیوں پر اتمام حجت	۴۰۰
مکفر مولویوں کا نہایت بے غیرتی سے عیسائیوں کا ساتھ دینا۔	۴۰۲
آتھم صاحب اور عیسائیوں پر مزید اتمام حجت	۴۰۶
کتاب ضیاء الحق کی اشاعت	۴۰۷
قسم کھانے سے ڈپٹی عبداللہ آتھم کے انکار پر اس کی موت کے متعلق حضرت اقدس کی پیشگوئی۔	〃
اس پیشگوئی میں ایک اور اشارہ اور عیسائی فریق کا حشر	۴۰۸
قرآن کریم اور حدیث سے اس پیشگوئی کی صداقت پر استدلال۔	۴۰۹
آنحضرت صلعم کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا	۴۱۱
کتاب انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم کی اشاعت	۴۱۳
تمام پادریوں کو مباہلہ کا چیلنج	〃
تصنیف کتاب منن الرحمٰن از صفحہ ۴۱۴ تا ۴۱۸	
عربی زبان ام الالسنہ ہے	۴۱۴
عربی ہی کامل زبان ہے	۴۱۷
تحقیقات کو کمال تک پہنچایا گیا تھا	〃
منن الرحمٰن کی اشاعت	〃
نور القرآن حصہ اوّل و دوم از صفحہ ۴۱۸ تا ۴۲۲	
وجہ تصنیف	۴۱۸
حضرت عیسیٰ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی گئی	۴۱۹
حضرت عیسیٰ کی قبر سرینگر کشمیر میں	۴۲۱
دو فریق برائے تحقیقات قبر مسیح	۴۲۲
سکھوں پر اتمام حجت۔ کتاب ست بچن کی تصنیف۔ چولا صاحب کی شہادت بابا نانک صاحب کے اسلام پر۔ از صفحہ ۴۲۲ تا ۴۳۲	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
بابا نانک صاحب کی اسلام پر مختلف شہادتیں	۴۲۲
چولا صاحب	۴۲۳
سفر ڈیرہ نانک	۴۲۴
چولا صاحب کے درشن	۴۲۵
کتاب ست بچن کا شائع ہونا	۴۲۸
ملتان کے چلّہ کی کیفیت	۴۲۹
سرسہ کے چلّہ کی کیفیت	۴۳۰
پرتھی صاحب	〃
مریم حواریین یا مریم عیسیٰ کی تحقیقات۔ برصفحہ ۴۳۲	
مریم عیسیٰ	۴۳۲
کتاب آریہ دھرم کی تصنیف از صفحہ ۴۳۳ تا ۴۳۸	
سوروپے کا انعام	۴۳۴
اشتہار باعث تالیف آریہ دھرم و ست بچن	۴۳۵
مذہبی مباحثات کی اصلاح کیلئے نوٹس اور گورنمنٹ کو میموریل از صفحہ ۴۳۸ تا ۴۴۱	
نوٹس	۴۳۸
میموریل	۴۴۰
قانون دکھائی کے خلاف آواز اٹھائی	۴۴۱

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
تحریک تعطیل جمعہ از صفحہ ۴۴۱ تا ۴۴۳	
وائسرائے کی خدمت میں میموریل	۴۴۱
سبت کی بے حرمتی	۴۴۳
جلسۂ اعظم تحقیق مذاہب لاہور اور تصنیف واشاعت "اسلامی اصول کی فلاسفی" از صفحہ ۴۴۳ تا ۴۵۱	
جلسہ کی تجویز	۴۴۳
وہ مضامین جن پر مختلف مذاہب نے روشنی ڈالنی تھی	۴۴۴
حالاتِ جلسہ	〃
حضرت اقدس کے مضمون کا جلسہ میں پڑھا جانا	۴۴۶
"مضمون بالا رہا"	۴۴۸
اسلامی اصول کی فلاسفی	۴۴۹
اسلام کا تمام مذاہب پر غلبہ	〃
مولوی نورالدین صاحب عدر جلسہ کی آخری تقریر	〃
الاشتہار مستقیماً بوحی اللہ القہار از صفحہ ۴۵۱ تا ۴۵۲	
تمام دنیا کے پادریوں کو چیلنج	۴۵۱

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کی بددعا اور اس کا اثر از صفحہ ۴۵۲ تا ۴۵۳	
مسنون مباہلہ کا چیلنج	۴۵۲
مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کی ہلاکت	۴۵۳
مخالف علما کا نام لے کر مباہلہ کی دعوت از صفحہ ۴۵۴ تا ۴۵۵	
علماء مکفرین کو دوسری بار دعوت مباہلہ	۴۵۵
خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے بزرگ کی طرف سے تصدیق از صفحہ ۴۵۷ تا ۴۶۲	
خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے بزرگ کا خط	۴۵۷
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا چاچڑاں پہنچنا	۴۵۹
ملفوظات خواجہ غلام فرید صاحب	۴۶۰
دو صوفیوں کا قادیان آنا	۴۶۳
تیسری بار علما و مشائخ کے نام مباہلہ کی دعوت۔ از صفحہ ۴۶۴ تا ۴۶۶	
مولویوں کا مباہلہ سے گریز اور اُن پر اتمام حجت	۴۶۶

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
سید اشہد الدین صاحب پیر صاحب العلم کی تصدیق از صفحہ ۴۶۶ تا ۴۶۷	
سید اشہد الدین صاحب کا تصدیقی خط	۴۶۶
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پُرشوکت اعلان اور اُس پر زبردست تحدی۔ از صفحہ ۴۶۷ تا ۴۶۸	
غیر مسلموں اور عیسائیوں پر اتمام حجت	۴۶۷
ہزار روپے کے انعام کا اشتہار مقابلہ در بارہ معجزات یسوع انجیلی و مسیح محمدی از صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۰	
یسوع انجیلی اور مسیح محمدی کے مقابلہ کے متعلق انعامی اشتہار	۴۶۹
شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی طرف سے مخالفت از صفحہ ۴۷۰ تا ۴۷۱	
شیخ محمد رضا طہرانی کے مخالفانہ اشتہار کا جواب	۴۷۰
چالیس دن کے اندر خدائی نشان کا ظہور	۴۷۱
اشتہار چندہ برائے مہمانخانہ جدید از صفحہ ۴۷۱ تا ۴۷۲	
مہمانخانہ جدید کے لئے تحریک چندہ	۴۷۱

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
خدا کی لعنت اور کسر صلیب از صفحہ ۴۷۲ تا ۴۷۳	
اشتہار کسر صلیب	۴۷۲
لیکھرام کی ہلاکت اور اسکے متعلق پیشگوئی کا پورا ہونا اور رسالہ استفتا کی اشاعت از صفحہ ۴۷۳ تا ۴۹۰	
لیکھرام کا خدائی نشان مانگنا	۴۷۴
معاہدہ مابین حضرت مرزا صاحب اور لیکھرام	۴۷۵
لیکھرام کے متعلق پیشگوئی	۴۷۶
نمونہ تحریر پیشگوئی	〃
لیکھرام کے متعلق دوسری الہامی پیشگوئی	۴۷۷
لیکھرام کے متعلق تیسری الہامی پیشگوئی	۴۷۸
لیکھرام کی میعاد کے اندر ہلاکت	〃
واقعہ قتل	۴۷۹
الہام کے لطائف	۴۸۲
خیر الماکرین سے نشان مانگنے پر ویسا ہی نشان ملا	۴۸۳
حضرت اقدس مرزا صاحب کی خانہ تلاشی	۴۸۴
سر سید احمد خاں صاحب کے خطاب اور انکے متعلق ایک پیشگوئی۔	۴۸۵
لیکھرام کے قتل کے بارے میں آریوں کی افترا پردازیوں پر حضرت مرزا صاحب کا چیلنج	۴۸۶
گنگا بشن کا فرار	۴۸۷
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا گریز	۴۸۹

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
رسالہ استفتا	۴۸۹
مولانا مولوی محمد علی صاحب کی بیعت	۴۹۰
حضرت اقدس مرزا صاحب کو قتل کی دھمکیاں از صفحہ ۴۹۰ تا ۴۹۴	
حضرت اقدس کے قتل کی سازشیں ہوتی تھیں مگر آپ کوئی پہرہ نہ رکھتے تھے	۴۹۰
فرنگستان لوگوں کے ہاتھوں سے بچانے کا خدائی وعدہ	۴۹۲
سراج منیر کی اشاعت بر صفحہ ۴۹۴	
سراج منیر کی تصنیف و اشاعت	۴۹۴
سکھوں پر ایک اور اتمام حجت از صفحہ ۴۹۴ تا ۴۹۹	
راجندر سنگھ صاحب کو چیلنج	۴۹۵
مسلمانوں میں تکفیر بازی کو روکنے کی کوشش از صفحہ ۴۹۹ تا ۵۰۰	
"آخری قطعی فیصلہ کے لئے"	۴۹۹
قادیان میں ترکی قونصل کی آمد اور سلطنت ٹرکی کی نسبت بعض پیشگوئیاں از صفحہ ۵۰۰ تا ۵۰۴	
حسین کامی کا ورود لاہور میں۔	۵۰۰
اخبار چودھویں صدی کی ہرزہ سرائی اور اس کا جواب	۵۰۳
حسین کامی کی پردہ دری۔	۵۰۴

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
رومی سلطنت کے شیرازہ کے	
دھاگے ٹوٹنے اور غداروں کی	
سرشت ظاہر ہونے کی پیش گوئی	۵۰۷
سلطنت ٹرکی کیلئے دردِ دل سے	
دعا اور اسکے غالب ہونیکی پیشگوئی	۵۰۸
چودھویں صدی والے بزرگ کی تویہ	۵۱۰
ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کو تبلیغ تحفۂ قیصریہ وستارۂ قیصریہ کی تصنیف و اشاعت از صفحہ ۵۱۵ تا ۵۲۰	
کتاب تحفۂ قیصریہ کی اشاعت	۵۱۶
جلسۂ ڈائمنڈ جوبلی اور کتاب	
تحفۂ قیصریہ کا پیشکش	۵۱۹
ستارۂ قیصریہ کی تصنیف	″
ولیم قیصر جرمنی کی تصدیق	″
بادشاہِ افغانستان کو تبلیغ	۵۲۰
کتاب حجۃ اللہ کی تصنیف از صفحہ ۵۲۰ تا ۵۲۴	
حضرت مرزا صاحب کا عربی میں	
مباحثہ کا چیلنج منظور کرنا اور	
مولوی عبدالحق غزنوی کا فرار	۵۲۰
حجۃ اللہ کی اشاعت	۵۲۱
محمد حسین بٹالوی کو پکڑنیکا نیا طریق	۵۲۲
فقیر محمد صاحب مجذوب کی شہادت حقہ	۵۲۳

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب از صفحہ ۵۲۴ تا ۵۲۵	
وجہ تصنیف	۵۲۴
عیسائیوں کو چیلنج ...	″
میاں محمود احمد صاحب کی آمین - ۵۲۵	
حضرت اقدس کا قرآن کریم سے عشق	۵۲۵
پنجاب اور ہندوستان کے مشائخ اور صلحا اور اہل اللہ باصفا سے حضرت عزت اللہ جل شانہٗ کی قسم دیکر ایک درخواست از صفحہ ۵۲۵ تا ۵۲۸	
حضرت مرزا صاحب کو تکفیر بازی سخت ناپسند تھی ...	۵۲۵
فیصلہ کا ایک آسان طریق	″
مسجد مبارک کی توسیع کیلئے چندہ کا اشتہار - بر صفحہ ۵۲۸	
مسجد مبارک کی توسیع کیلئے چندہ کا اشتہار ...	۵۲۸
حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقدمہ اقدام قتل منجانب پادری ہنری مارٹن کلارک اور کتاب البریہ کی اشاعت از صفحہ ۵۲۸ تا ۵۶۰	
مقدمہ کی وجہ	۵۲۸

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
عبدالحمید کا فتنہ	۵۲۹
عیسائیوں کی سازش ...	۵۳۰
امرتسر میں مقدمہ کا دائر کیا جانا	۵۳۱
وارنٹ کا اجرا اور اس کا گم ہو جانا	۵۳۵
حضرت اقدس کو جناب الٰہی کی طرف سے اطلاع	۵۳۶
پہلا خدائی نشان وارنٹ کا گم ہو جانا	۵۳۷
دوسرا خدائی نشان مقدمہ کا انتقال	
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے پاس	۵۳۸
حالات مقدمہ	″
بیانِ مستغیث	۵۳۹
بیانِ عبدالحمید	″
بیانِ گواہانِ استغاثہ ..	۵۴۰
مولوی محمد حسین صاحب کی گواہی وزارت	″
تیسرا خدائی نشان - مجسٹریٹ کے قلب پر تصرف الٰہی ..	۵۴۴
عبدالحمید کا سچا بیان ...	۵۴۵
چوتھا خدائی نشان - ڈپٹی کمشنر کا فیصلہ اور حضرت اقدس کی بریت	۵۵
وجوہاتِ بریت	۵۵۱
مسٹر ڈگلس کی پلاطوس سے بڑھکر اخلاقی جرأت ...	۵۵۳
حضرت اقدس کی استبازی کا نمونہ	۵۵۴
پانچواں خدائی نشان فیصلہ شتگی کا الہام پورا ہوا ...	۵۵۷

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
اشتہار واجب الاظہار کی اشاعت	۵۵۷
وائسرائے ہند کی خدمت میں مذہبی مناقشات کی اصلاح کیلئے ایک میموریل	۵۵۸
کتاب البریّہ کی اشاعت -	۵۵۹
مدرسۂ تعلیم الاسلام قادیان کا قیام - برصفحہ ۵۶۰	
تحریک برائے قیام مدرسہ	۵۶۰
ملتان کا سفر از صفحہ ۵۶۰ تا ۵۶۲	
مقدمہ میں شہادت - - -	۵۶۰
لاہور کا قیام - - - -	۵۶۱
روزمرہ کے چند حالات از صفحہ ۵۶۲ تا ۵۶۳	
خطوط اور ڈاک - - - - -	۵۶۲
مہمانوں کی آمد و رفت - - -	〃
مہمان خانہ اور مہمانداری - -	۵۶۳
۱۸۹۷ء کا سالانہ جلسہ از صفحہ ۵۶۳ تا ۵۶۵	
اخبار "الحکم" کا اجرا	۵۶۳
جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء کے کوائف	۵۶۴
مسیح کے آسمان سے نزول ثابت ہونے پر بیس ہزار روپے تاوان کا اعلان از صفحہ ۵۶۵ تا ۵۶۶	
نزول مسیح کے متعلق ایک زبردست اعلان	۵۶۵

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
طاعون کے متعلق پیش گوئی از صفحہ ۵۶۶ تا ۵۶۹	
طاعون کے پنجاب میں پھیلنے کی پیشگوئی	۵۶۶
مکذبین کا استہزا - - -	۵۶۷
پنجاب میں طاعون کا پھیلنا۔	〃
قادیان میں جلسۂ انسداد طاعون	۵۶۸
تریاق الٰہی یعنی دوائے طاعون	۵۶۹
دو میموریل بخدمت لفٹننٹ گورنر پنجاب از صفحہ ۵۶۹ تا ۵۷۳	
پہلا میموریل - - - - -	۵۶۹
دوسرا میموریل - - - - -	۵۷۰
اپنی جماعت کیلئے چند اشتہارات برصفحہ ۵۷۳	
اخلاق کی اصلاح سب پر مقدم ہے	۵۷۳
آپس میں رشتہ کرنے کی تحریک	〃
کتاب ضرورۃ الامام کی اشاعت از صفحہ ۵۷۴ تا ۵۷۸	
امام الزمان کی شناخت کا طریق	۵۷۴
اس زمانہ کے امام کو چار امتیازی نشانوں کا دیا جانا - -	۵۷۶
اس کتاب کی تصنیف کی وجہ	〃
حقیقتِ بیعت - - - -	۵۷۷
مقدمہ انکم ٹیکس از صفحہ ۵۷۸ تا ۵۸۲	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
آپ پر انکم ٹیکس لگایا گیا - -	۵۷۸
ٹیکس کے متعلق ایک پیشگوئی	〃
انکم ٹیکس کی معافی - - - -	۵۸۰
حضرت مرزا صاحب کی صفائی معاملہ	۵۸۱
نجم الہدیٰ کی تصنیف و اشاعت از صفحہ ۵۸۲ تا ۵۸۳	
آنحضرت صلعم کے ہر دو نام محمدؐ و احمدؐ کی وجہ تسمیہ	۵۸۲
راز حقیقت کی اشاعت از صفحہ ۵۸۳ تا ۵۸۴	
حضرت عیسیٰ کی مختصر سوانح	۵۸۳
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کی فتنہ پردازیاں اور حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق اُنکی ذلت اور آخرکار ان کا تکفیر سے رجوع۔ کشف الخطا اور حقیقت المہدی کی اشاعت از صفحہ ۵۸۴ تا ۶۱۹	
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی فتنہ انگیزیاں - -	۵۸۴
مباہلہ پر انعام پیش کیا گیا - -	۵۸۶
ابوالحسن تبتی اور جعفر زٹلی کی گندہ دہنی	۵۸۷
حضرت مرزا صاحب کا اشتہار بعنوان "ہم فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں"	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کا اشتہار	۵۸۹
خدائی فیصلہ کس طرح وقوع میں آیا	〃
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی	
کی گورنمنٹ میں مخبری۔ ۔ ۔	〃
پولیس کا چھاپہ مارنا ۔ ۔ ۔	۵۹۰
مولوی عبدالکریم صاحب کی	
قرآن خوانی اور اُس کا اثر۔	۵۹۱
کشف الغطا کی اشاعت۔	۵۹۲
رسالہ کشف الخطا کے متعلق	
حضرت اقدس کے ریمارکس۔	۵۹۴
اشتہار ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۸ء ۔ ۔	۵۹۵
حضرت مرزا صاحب کے واجب القتل	
ہونے کا فتویٰ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
پیشگوئی جزاء سیئۃ بمثلھا	
کا بڑی صفائی سے پورا ہونا۔	۵۹۶
استفتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۹۷
۷۔ جنوری ۱۸۹۹ء کا اشتہار	۶۰۰
ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب	
کی طرف سے اشتہار۔ ۔	۶۰۱
ایک اور استفتا ۔ ۔ ۔	〃
استفتا کی نسبت منصفانہ	
گواہیاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۰۲
علمی پردہ دری کی ذلت ۔ ۔	۶۰۳
مقدمہ حفظ امن وضمانت	۶۰۵
سفر پٹھانکوٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۰۶
سفر دھاریوال ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۰۷
مقدمہ کی پیشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
حضرت مرزا صاحب کا ڈیفنس	
انگریزی زبان میں ۔ ۔ ۔	〃
مقدمہ کے فیصلہ سے قبل اُس کے	
انجام کے متعلق پیش گوئی۔	۶۰۹
مسٹر ڈوئی کا فیصلہ۔ مقدمہ	
خارج ہوگیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۱۰
مولوی محمد حسین صاحب کے	
ہاتھ باندھے گئے۔ ۔ ۔ ۔	〃
اشتہار اپنے مریدوں کی اطلاع کیلئے	۶۱۱
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی ذلت	
ہر پہلو سے مکمل ہوگئی ۔ ۔ ۔	〃
کتاب حقیقۃ المہدی کی اشاعت	۶۱۳
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب	
کی ذلت کی انتہا ۔ ۔ ۔ ۔	۶۱۵
مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب	
کا فتویٰ تکفیر سے رجوع ۔	۶۱۶
البلاغ یا فریاد درد	
از صفحہ ۶۲۰ تا ۶۲۴	
مسلمانوں کی خدمت میں اپیل	۶۲۰
حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں	
اور آریوں کے مقابلہ میں پیل نہیں کی	۶۲۳
کتاب ایام الصلح کی اشاعت	
فارسی اور اُردو میں	
از صفحہ ۶۲۴ تا ۶۳۶	
اجابت دعا کا فلسفہ ۔ ۔ ۔	۶۲۵
سورۂ فاتحہ کی تفسیر ۔ ۔ ۔	۶۲۷
اپنے دعوے کی صداقت پر بحث	〃
قرآن کی حفاظت پر بحث ۔ ۔	〃
حضرت اقدس زاعنا کا مذہب	۶۲۸
طاعون سے بچنے کی ہدایات	۶۲۹
چند وساوس کا ازالہ ۔ ۔	۶۳۰
ختم نبوت پر ایک فیصلہ کن تحریر	〃
نبی کی شہادت کیلئے نبی کا آنا غلط ہے	۶۳۱
نبی کے مثیل کیلئے نبی ہونا ضروری نہیں	〃
حج نہ کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب	۶۳۳
براہین احمدیہ کا بقیہ نہ چھاپنے	
پر اعتراض اور اس کا جواب	۶۳۵
مولوی محمد علی صاحب کی قادیان	
کو ہجرت۔ از صفحہ ۶۳۶ تا ۶۳۸	
مولوی محمد علی صاحب کے رشتہ کیلئے	
حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اشتہار	۶۳۶
ہجرت کی تکمیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۳۷
گورنمنٹ برطانیہ سے ایک فیصلہ کن	
مذہبی جلسہ کے انعقاد کے لئے	
درخواست از صفحہ ۶۳۸ تا ۶۴۰	

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
گورنمنٹ برطانیہ کو تبلیغ اسلام	۶۳۸
مسیح ہندوستان میں از صفحہ ۶۴۰ تا ۶۴۵	
فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ ..	۶۴۴
وفد کا جانا ملتوی ہوگیا ..	۶۴۵
۱۸۹۹ء کے بعض اشتہارات وخطوط۔ از صفحہ ۶۴۵ تا ۶۴۹	
ایک الہامی پیشگوئی کا اشتہار	۶۴۵
آسمانی فیصلہ کیلئے دعا ..	۶۴۶
جماعت کیلئے اطلاع ..	〃
حسین کامی کی خیانت کا ظاہر ہونا	〃
ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا	۶۴۷
جنگ ٹرانسوال ..	〃
مسئلہ نبوت پر ایک فیصلہ کن خط	〃
عربی سیکھنے کیلئے حضرت مرزا صاحب کی ہدایت۔ بر صفحہ ۶۴۹	
مسلمانوں کیلئے عربی سیکھنا آپ ضروری سمجھتے تھے ..	۶۴۹
مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کا ہائی اسکول بننا۔ بر صفحہ ۶۵۰	
ہائی اسکول کا قیام ..	۶۵۰
جامع مسجد قادیان کی توسیع	〃
مسجد مبارک کے رستہ میں مخالفین کی طرف سے دیوار کا کھڑا کیا جانا۔ اور مقدمہ ہدم دیوار از صفحہ ۶۵۰ تا ۶۶۰	
آپکے مشن کی فتنہ انگیزیاں	۶۵۰
مسجد کے رستہ میں دیوار کا کھڑا کیا جانا	۶۵۱
سفر گورداسپور ..	۶۵۴
عدالت میں حضرت اقدس کی پیشی	۶۵۵
مقدمہ دیوار کا فیصلہ ..	〃
دیوار گرائی گئی ..	〃
مقدمہ میں خدائی نشان کا ظہور	۶۵۶
خطبۂ الہامیہ از صفحہ ۶۶۰ تا ۶۷۶	
عرفہ کا دن ..	۶۶۰
عید کا دن ..	۶۶۱
نماز عید ..	〃
خطبہ الہامیہ ..	۶۶۲
مولوی عبدالکریم صاحب کا اس خطبہ کا اُردو ترجمہ سنانا۔	〃
سجدۂ شکر ..	〃
نماز ظہر وعصر ..	۶۶۳
جناب الٰہی کی طرف سے یہ ایک عظیم الشان نشان تھا	〃
یہ خطبہ وحی الٰہی نہ تھا ..	۶۶۴
خطبۂ الہامیہ کی اشاعت	۶۶۶
بشپ لیفرائے صاحب لاہور کو چیلنج۔ از صفحہ ۶۶۶ تا ۶۸۳	
بشپ لاہور کو "نبی معصوم" پر مباحثہ کے لئے چیلنج ..	۶۶۸
"زندہ رسول" پر مناظرہ	۶۷۱
"زندہ رسول" پر حضرت مرزا صاحب کا مضمون۔	۶۷۲
حضرت مرزا صاحب کا چیلنج	۶۷۴
اس چیلنج پر انگریزی اخبارات کی آرا	۶۷۷
عیسائیوں کو حضرت مرزا صاحب اور ان کے مریدوں سے مباحثہ کرنے کی ممانعت ..	۶۸۰
آنحضرت صلعم کے "زندہ رسول" ہونے اور آپ کے زندہ معجزات پر تقریر ..	۶۸۲
معیار الاخیار از صفحہ ۶۸۳ تا ۶۸۸	
بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور	۶۸۳
حافظ محمد یوسف امرتسری کی شہادت حقہ ..	۶۸۴
منشی محمد یعقوب صاحب کی شہادت حقہ	۶۸۵
بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ کے نام حضرت مرزا صاحب کا ایک خط	〃
اشتہار معیار الاخیار ..	۶۸۶

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
الٰہی بخش کی کتاب عصائے موسیٰ	۶۸۶
خدا کی فعلی شہادت کہ سچا علم اور	
اصلی موسیٰ کون ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۸۷
لجۃ النور۔ بر صفحہ ۶۸۸	
منارۃ المسیح	
از صفحہ ۶۸۸ تا ۶۹۳	
اشتہار برائے منارۃ المسیح	۶۸۹
ہزار روپے انعام ۔ ۔ ۔ ۔	۶۹۰
منارۃ المسیح کا سنگ بنیاد رکھا جانا	〃
منارۂ روحانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۹۱
ظاہری اور باطنی مناروں کا ورثہ	۶۹۲
گورنمنٹ انگریزی اور جہاد	
از صفحہ ۶۹۳ تا ۷۲۰	
حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ	
انگریزی سے اظہار وفاداری کیوں کیا	۶۹۳
سرسید احمد خاں کا طریق کار ۔	۶۹۵
سرسید مرحوم اور حضرت مرزا صاحب	
کا طریق اس معاملہ میں ایک تھا	〃
اظہار وفاداری میں خوشامد	
مقصود نہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۹۶
آپ کا قول و فعل منافقانہ رنگ	
میں نہیں ہوا کرتا تھا ۔ ۔ ۔	۶۹۸

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
ڈاکٹر اقبال مرحوم کا انگریزوں سے	
اظہار وفاداری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۹۹
حضرت مرزا صاحب کا مسلک خوشامد نہ تھا	۷۰۰
حضرت مرزا صاحب گورنمنٹ	
انگریزی سے کسی نفع کے متوقع نہ تھے	〃
حضرت مرزا صاحب انگریزوں سے ڈرتے نہ تھے	۷۰۱
آپکے جہاد انگریزوں کے مذہب سے تھا	
انگریزوں کی حکومت سے نہ تھا ۔ ۔ ۔	۷۰۳
جہاد کا صحیح مفہوم ۔ ۔ ۔	۷۰۵
حضرت مرزا صاحب نے جہاد کا حکم	
منسوخ نہیں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷۰۷
حضرت مرزا صاحب نے مسئلہ جہاد	
میں غلط فہمی کو رفع کیا ۔ ۔ ۔	۷۰۹
حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ انگریزی	
سے جہاد بالسیف کے کیونکر تین وجوہ سے روکا	۷۱۰
سید احمد بریلوی صاحب کا طرز عمل ۔	۷۱۳
حرمت جہاد بالسیف کا فتویٰ وقتی ہے	۷۱۴
صرف دین کیلئے لڑنے سے وکاد دینوی	
لڑائیوں کیلئے کوئی فتویٰ نہیں دیا	۷۱۵
مہدی معہود پر سے بھی قتل و غارت کا	
الزام ہٹایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
حضرت مرزا صاحب نے اصل اسلامی	
جہاد کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ۔	۷۱۷

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ
حضرت اقدس مرزا صاحب نے مسلمانوں کے سامنے کیا نصب العین رکھا ۔ از صفحہ ۷۲۰ تا ۷۳۶	
مسیح کے بارے میں تاریخ نے	
اپنے تئیں دُہرایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۷۲۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ	۷۲۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمونہ	۷۲۲
خدا کے رسولوں اور ماموروں کا	
نصب العین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	〃
خدا کی بادشاہت قلوب پر قائم ہوتی ہے	۷۲۳
حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ	〃
خدا کی بادشاہی قائم کرنیکا ذریعہ	۷۲۴
حضرت مرزا صاحب نے خدا کی بادشاہت	
قائم کرنے کیلئے کیا طرز عمل اختیار کیا	۷۲۵
زندہ خدا پر ایمان سے	
قومی کیریکٹر پیدا کیا ۔ ۔ ۔ ۔	〃
مسلمانوں کے سیاسی انحطاط اور	
تنزل کے زمانہ میں ان کے ایمان کو	
زندہ کر کے انہیں اسلام کی ترقی	
اور روحانی غلبہ کی بشارت دی	۷۲۹
مسلمانوں کا نصب العین بلند کر دینے	
سے قوم میں اتحاد پیدا کیا ۔ ۔	۷۳۴
جماعت کے بنانے کی اصل وجہ	۷۳۶

تمہید

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے نوع انسان کی ہدایت کیلئے کتابوں اور رسولوں کو بھیجا اور سب سے آخر میں ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور قرآن جیسی کامل کتاب ہمیں عطا فرمائی۔ اور اس خاتم الانبیا صلعم کی دین کی حفاظت اور اشاعت اور خدمت کیلئے مجددینِ اُمت کا سلسلہ چلایا۔ جن میں سے ایک مگر بہت عظیم الشان مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ ان کے دعویٰ مجددیت و مسیحیت کا زمانہ ہماری نظروں سے گزرا۔ اور وہ ایسا خدا نما زمانہ تھا جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں ایام اللہ کہا جاتا ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر زندہ خدا پر ایسا ایمان پیدا ہوتا تھا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ایک حقیقت بنکر محسوس ہوتا تھا۔ افسوس کہ دنیا کے لوگوں نے اس شخص کی قدر نہ کی۔ وہ خود بھی ایک شعر میں فرماتے ہیں:-

؎ امروز قوم من نشناسد مقام من ✻ روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

مجدد اعظم کی وجہ تالیف

خدا پر زندہ ایمان۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق۔ قرآن کریم سے محبت اور دین کی خدمت و حفاظت و اشاعت میں بے انتہا جوش کا جو نظارہ ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے ناممکن ہے کہ کوئی قلم اس کو دکھا سکے۔ لیکن تاہم جب میں نے دیکھا کہ وہ مقدس زمانہ تاریخ کے لحاظ سے ہم سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے دیکھنے والے بھی سفر کرتے جاتے ہیں۔ اور پبلک میں دشمنوں نے بہ وجہ تعصب و عناد اور غالی دوستوں نے بہ وجہ غلو اور خوش عقیدگی اس راستباز انسان کی تصویر اس قدر غلط اور مکروہ بنا کر پیش کی ہے جس سے ایک حق پرست انسان کا دل غم اور رنج سے خون ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس برگزیدۂ الٰہی کی حتی المقدور صحیح تصویر اس کتاب کے ذریعہ جس کا نام "مجدد اعظم" ہے پیش کروں۔ کیا عجب ہے جو سعید روحیں اس کتاب کو پڑھکر اصل حقیقت کو پالیں اور اس مجددِ وقت کی صحیح معرفت اُنہیں حاصل ہو کر وہ خدمتِ اسلام کے لئے کمربستہ ہو جائیں کہ یہی مشن حضرت مجددِ وقت کا تھا اور اسی مقصد کیلئے آپ نے ایک جماعت کی بنیاد ڈالی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہی نے توفیق بخشی جو پہلی دو جلدیں اس سوانحعمری کی تکمیل کو پہنچ گئیں ورنہ میری خرابی صحت اور اس عظیم الشان کام کیلئے نااہلی کو دیکھتے ہوئے یہ توقع نہ ہو سکتی تھی۔ تین سال ہوئے جو میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی درمیان میں مسلسل کئی ماہ ایسا بیمار رہا کہ قلم پکڑنے کی ہمت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دوبارہ زندگی بخشی اور دو جلدوں کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ اُسی رحیم و کریم رب سے دعا ہو کہ تیسری جلد کی تکمیل کی بھی توفیق بخشے

پہلی جلد۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے خاندانی حالات اور ولادت سے شروع کر کے جون ۱۹۰۰ء تک کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے

دوسری جلد۔ جون ۱۹۰۰ء سے شروع کر کے آپ کی وفات تک کے حالات پر ختم ہوتی ہے۔

تیسری جلد میں جو زیرِ تالیف ہے انشاء اللہ الرحمٰن بشرطِ زندگی و صحت و توفیق الٰہی حضرت اقدس مرزا صاحب کے سیرت و اخلاق کا ذکر اور آپ کی خدماتِ دینیہ پر تبصرہ ہوگا۔

اس سوانحعمری کے ماخذ

اس سوانحعمری کے ماخذ کے متعلق میں کچھ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ میں نے اس سلسلہ میں سب سے مقدم حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی اپنی تحریروں کو رکھا ہے جو کتابوں اور اشتہاروں کی صورت میں موجود ہیں۔ انکے علاوہ اخبار الحکم۔ البدر۔ بدر۔ ریویو آف ریلیجنز کے فائلوں کی ورق گردانی بھی کی ہے اور ان میں سے حالات اخذ کئے ہیں۔ سوانحعمری تاریخ کی کتاب ہوا کرتی ہے۔ اور تاریخی واقعات دل سے گھڑے نہیں جاتے۔ ان کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ سوانحعمری زیرِ تالیف کے متعلق جو کتابیں اور تحریریں پہلے سے موجود ہوں انکو بھی پڑھا جائے۔ اور جو بات ان میں مستند اور صحیح اور معقول نظر آئے اُسے لے لیا جائے یعنی کانٹوں میں سے پھول چُن لئے جائیں۔ میں نے اس کے لئے ان کتب کو بھی جو قادیان اور لاہور سے حضرت اقدس مرزا صاحب کے متعلق شائع ہوئی ہیں پڑھا ہے اور ان کے جمع شدہ مواد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ شیخ یعقوب علی تراب صاحب کی کتب سیرۃ النبی اور سیرۃ احمد اور سیرۃ مسیح موعود سے جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھیں حضرت اقدس کے بعض ابتدائی حالات مثلاً تعلیم و مقدمات و ملازمت سیالکوٹ و بعض مناظرات وغیرہ کے حالات اخذ کئے ہیں۔ مرزا بشیر احمد صاحب کی کتاب سیرت المہدی حصہ اول و دوم سے آپکا شجرہ اور بعض خاندانی حالات وغیرہ لئے ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت کی بحث مرزا بشیر احمد صاحب موصوف کی تحقیقات سے ماخوذ ہے جو بہت صحیح نظر آئی۔ پیر سراج الحق صاحب کی کتاب تذکرۃ المہدی سے بھی ابتدائی حالات میں مدد لی ہے۔ اور بھی بعض قادیان سے شائع شدہ کتب سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اسی طرح لاہور سے شائع شدہ کتب سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے۔ ان میں مولانا محمد علی صاحب کی کتب تحریک احمدیت اور مصلح موعود اور آیت اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے بارے میں جو حضرت اقدس نے آخری فیصلہ کے نام سے اشتہار شائع فرمایا تھا اس جھگڑے کے متعلق جو کچھ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے اور آیت اللہ کے نام سے شائع شدہ موجود ہے وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اسی طرح مصلح موعود پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی نہایت معقول ہے۔ ان دو تو امور میں میں نے مولانا صاحب موصوف کی تصنیفات سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ اسی طرح اور کتابوں سے بھی کہیں کہیں مدد لی گئی ہے۔ ان سب کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اس کتاب کی تالیف پر جنابِ الٰہی کا شکریہ

میرے پاس اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور احسان کا شکر کرنے کیلئے الفاظ نہیں ہیں کہ باوجود میری خرابیٔ صحت و ضعف اور میری بے مائگی و کم علمی کے اس سوانحعمری کی تالیف کے اوقات

میں جناب الٰہی نے محض اپنے فضل اور رحمت سے مجھے قوت اور روشنی بخشی۔ یہاں تک کہ میں گھنٹوں لکھتا تھا اور تکان بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ بلکہ مجھے ایک قسم کی فرحت ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روحانیت کا ایک چمن ہے جس کے اندر میں گلگشت میں مصروف ہوں یا علم و حکمت کے موتی ہیں جنہیں میں لوٹ رہا ہوں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے قادیان کے اُس نقشہ کو جو کبھی جیتا جاگتا بولتا چالتا پیش نظر ہوا کرتا تھا اس سوانح کے ذریعہ باطن کی آنکھ نے دوبارہ ایک رُوحانی فلم کی طرح سامنے سے گزرتے دیکھا۔ دل کی آنکھ نے اُن مقدس بزرگوں کی پھر زیارت کی جو اس تحریک کی روح رواں تھے۔ اُن کی علم و معرفت سے پُر باتیں دل کے کانوں نے پھر سُنیں۔ خواب کی طرح اس فلم کے دیکھنے میں میں مصروف تھا جو ڈراپ سین گرا اور مجھے پتہ لگا کہ وہ پیکر قدس پھر چلا گیا جس کو میرے دل کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ اور جس کی توحید و حکمت کی باتیں میرے دل کے کان سُن رہے تھے یعنی کتاب ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کا وہ زخم جو حضرت اقدس کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر لگا تھا پھر ہرا ہوگیا اور بے اختیار ایک آہ کے ساتھ وہ شعر پھر زبان سے نکل گیا جو اکثر زبانِ حال سے پڑھتا رہتا ہوں کہ ؎ حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد ✦ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

حضرت اقدس کے زمانہ کا روح افزا اور دلکش سماں ایسا نہ تھا جس پر اس قدر جلد ڈراپ سین گر جاتا۔ مگر ہماری محرومی قسمت ہمیں پتہ ہی نہ لگا اور وہ خدا کا پیارا چلدیا۔ گو اس نے پہلے سے اعلان کر دیا تھا کہ میں جانیوالا ہوں مگر ہمیں کب یقین آتا تھا۔ اب جو سوانحعمری ختم ہوئی تو پھر وہی رنج تازہ ہوگیا۔ لیکن ساتھ ہی اس فرض کی ادائیگی پر میری روح نے آستانۂ الٰہی پر یہ عرض کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کیا کہ مولا یہ تیرا فضل تھا جو یہ کتاب لکھی گئی اور اب تو ہی ہے جو اپنے دربار میں اسے قبول فرما کر محض اپنے فضل سے اسکی قبولیت اور نیک اثر لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور حق کو واضح کر دے اور دین کی خدمت کیلئے مسلمانوں کے دلوں کو گرما دے۔ اللّٰھم انصر من نصر دین محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم۔ اللّٰھم اخذل من خذل دین محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم۔ آمین یا ربّ العالمین ✦

قارئین کرام کی خدمت میں ایک مؤدبانہ التماس

قرآن کریم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی صداقت پر جہاں صدہا دلائل دیئے ہیں وہاں ایک بڑی زبردست دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖ افلا تعقلون (یونس) کہ اے رسول کہدے کہ میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ میرے دعوے سے قبل کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرے حالات۔ میرے اعمال میرے اخلاق تم سے مخفی نہیں۔ کبھی میری راستبازی دیانت امانت میں تم نے کوئی خطا دیکھی؟ میری نیت اور میرے اخلاص سے تم خوب واقف ہو۔ پھر جب میں نے کسی انسان پر افترا نہیں کیا تو خدا پر کیسے افترا کروں گا کہ اس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں ہوسکتا۔ پس میری پہلی زندگی پر ٹھنڈے دل

سے غور کرو اور عقل سے کام لو اور پھر میرے دعوے کی صداقت کو پرکھو۔ آج میں اسی سنت اللہ اور خدائی دلیل کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے حالات پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں اور التماس کرتا ہوں کہ پڑھنے والے خدا کیلئے قرآن کریم کی اس ہدایت کے ماتحت غور و فکر سے کام لیں جو ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ج ان تقوموا للہ مثنٰی وفرادٰی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ ط ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ۝ (سبا) کہدے کہ میں نصیحت کے طور پر تم سے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ خدا کیلئے دو دو مل کر اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر اس معاملہ میں خوب غور کرو۔ آخر تمہارا ساتھی پاگل تو نہیں ہے۔ وہ تو نذیر ہے یعنی تمہارا خیر خواہ ہے جو تمہیں ایک سخت عذاب سے قبل از وقت ڈراتا اور خبردار کرتا ہے۔"

پس میں بھی یہی کہتا ہوں کہ خدا کیلئے مل مل کر اور اکیلے اکیلے ٹھنڈے دل سے ہر ایک قسم کے تعصب اور ضد کو دل سے دور کر کے غور و فکر کرو کہ ایسا شخص جس کی تمام عمر راستبازی اور یاد الٰہی اور خدا اور رسولؐ کے دین کی محبت و تبلیغ میں گزری ہو وہ مفتری علی اللہ تو نہیں ہو سکتا۔ جس نے انسان پر کبھی افترا نہیں کیا وہ خدا پر کیسے افترا کرے گا۔ اور وہ الہام کیسے افترا ہو سکتا ہے جو قدم قدم پر اسلام کی تائید کرتا اور نصرت الٰہی کے نشانات اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ وہ شخص پاگل نہیں ہو سکتا جس نے دین حق یعنی اسلام کی تائید میں علم و حکمت کے دریا بہا دیئے ہوں۔ پس حق یہی ہے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب موصوف کو الہام ہوا تھا کہ "دنیا میں ایک نذیر آیا مگر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ مگر خدا اسے قبول کریگا اور زور آور حملوں سے اُسکی سچائی کو ظاہر کریگا۔"

برادرانِ اسلام! خوب غور کر کے دیکھو کہ جس شخص کی عمر کا بہت بڑا حصہ عشق الٰہی، عشق رسولؐ، عشق قرآن، عشق اسلام میں گزرا ہو اس پر بدظنی کرتے رہنا اور مخالفوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس کے پیغام اور اس کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کرنا کس قدر محرومی اور نہ صرف اپنی جان پر بلکہ اسلام پر ظلم ہے۔ کہ مسلمانوں کی اس بے توجہی سے جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ خود مذہب اسلام کا اور اپنے نتیجہ میں تمام مسلمانوں کا نقصان ہے۔ مبارک ہے وہ آنکھ جو اس مردِ حق پرست کو شناخت کرے۔ اور مبارک ہے وہ شخص جو اس مجدد وقت کے ساتھ ہو کر خدا کے دین کی خدمت میں لگ جائے۔

تو یک قطرہ داری ز عقل و خرد ۔۔۔ مگر قدر تش بحر بے حد و عد

اگر بشنوی قصۂ سار قاں ۔۔۔ مجنباں سر خود چو مستہزیاں

تو خود را خرد مند فہمیدۂ

مقاماتِ مرداں کجا دیدۂ

خاکسار بشارت احمد

لاہور۔ ۷۔ اپریل ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یک زمانے صحبتے با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (مولانا رومؒ)

نام ونسب وحالات خاندانی وجائے سکونت

نام ونسب بمطابق حدیث نبوی ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس اُمت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہیگا جو دین کی تجدید کرتا رہیگا۔ چودھویں صدی ہجری کے سر پر جن صاحب نے دعویٰ مجددیت کیا ان کا نام غلام احمد تھا۔ ان کے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا کا نام عطا محمدؒ اور پردادا کا نام گل محمدؒ تھا۔ انکی قومیت مغل برلاس اور جائے سکونت قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب ملک ہندوستان تھی ۔

قومیت عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ برلاس ایک مشہور اور معزز قوم مغل کی ہے۔ لیکن اس قوم کا نام مغل رکھنا صحیح نہیں کیونکہ دراصل یہ ایرانی النسل ایک قوم تھی جو سمرقند اور اس کے نواح میں آباد تھی۔ تیمور اسی قوم میں سے تھا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں تیمور کے نیچے لکھا ہے کہ تیمور کا باپ قبیلہ برلاس کا رئیس تھا۔ تزک تیموری میں تیمور کا باپ دعا مانگتا ہے کہ خدایا مجھے ایسا لڑکا دے جو قبیلہ برلاس کی عزت وشہرت کو دوبالا کرے۔ غرضکہ تمام تاریخیں اس امر پر متفق نظر آتی ہیں کہ تیمور قبیلہ برلاس سے تھا۔ اور تیمور کا قبیلہ کش اور سمرقند میں آباد تھا۔ جیسا کہ تزک تیموری میں لکھا ہے کہ قراچار نے اپنے قبیلہ برلاس کو کش کے میدانوں میں آباد کیا تھا قراچار چھٹی پشت میں تیمور کا دادا تھا) حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھی قوم برلاس میں سے تھے ۔

شجرہ قوم برلاس اس لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے شجرہ کے ذریعہ سے تیمور اور حضرت مرزا غلام احمد

صاحب کے بزرگوں کے تعلقات رشتہ داری کو ظاہر کردوں :-

ایروم جی برلاس
سوغنجن
قراچار
ایچل
ایلنگر
برکل

حاجی برلاس
مورث اعلیٰ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

طراغائے
امیر تیمور گورگان

تیمور بھی قوم برلاس میں سے تھا

اس شجرہ پر نگاہ ڈالنے سے صاف نظر آتا ہے کہ تیمور حاجی برلاس کا جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مورث اعلیٰ ہیں بھتیجا تھا۔ اور قراچار ساری قوم برلاس کے جدّ امجد ایروم جی برلاس کا پوتا تھا۔ اور قراچار پہلا وہ شخص ہے جو چنگیزی حملہ کے وقت فارس یعنی ایران سے ہجرت کرکے توران میں آکر آباد ہوا۔ وہ کثیر الاولاد تھا اور اپنی ذاتی قابلیت اور شرافت نسب کی وجہ سے تمام برلاسوں پر فائق تھا۔ چنگیز خاں اسے عزت افزائی کے طور پر اپنا ابن عم کہا کرتا تھا۔ اور اپنے جانشین چغتائی خاں کو وصیت کی کہ میرے بعد اسے میری جگہ سمجھنا۔ قراچار ابتدا میں تو چغتائی خاں کا وزیر رہا مگر چونکہ اس کا داماد بھی تھا اس لئے چغتائی کے مرنے پر صاحب حکومت ہوگیا۔ یہ واقعہ ۶۵۳ھ ہجری کا ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ یہی پہلا شخص ہے جو برلاس قوم میں سے مسلمان ہوا۔ اور اس نے اپنی قوم کو سمرقند کے جنوب کی طرف ۴۰ میل کے فاصلہ پر شہرکش اور اس کے گرد و نواح میں آباد کیا۔ قراچار کی چھٹی پشت میں امیر تیمور گورگان پیدا ہوا۔ وہ گورگان اس لئے کہلایا کہ وہ خضر خواجہ خان کا جو تمام مغولستان کا بادشاہ تھا داماد تھا اور مغلی زبان میں گورگان کے معنے داماد کے ہیں۔ مغل بادشاہ کا داماد ہونا اس زمانہ میں جبکہ مغلوں کا عروج اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوا تھا بہت بڑی بات تھی۔ چنانچہ گورگان کا لقب اس نے فخریہ طور پر اختیار کیا تھا جو بعد میں تیموریوں کا خاندانی لقب بن گیا۔

تیمور کے شجرہ نسب کو چنگیز خاں سے ملانا غلطی ہے

چونکہ اس زمانہ میں مغلوں سے رشتہ داری اور نسب ملانے کو بڑا فخر سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے بعض خوشامدی مؤرخین تیمور کے شجرۂ نسب کو

چنگیز خاں سے ملانے لگ گئے حالانکہ تیمور برلاس قوم میں سے تھا اور برلاس فارسی النسل تھے۔ چنانچہ ہاورتھ صاحب انگریزی ہسٹری آف منگولز (تاریخ مغلاں) کے صفحہ ۴۱ پر لکھتے ہیں کہ "چودھویں صدی عیسوی میں تیمور کی زبردست فتوحات کے بعد اس کے خوشامدیوں کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ اس کے شجرۂ نسب کو چنگیز خاں سے ملانے لگ گئے تھے"۔ ملکم صاحب بھی اپنی تاریخ میں اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تیمور کے خوشامدیوں نے اس قسم کی روایات بنالی ہیں۔ ویلیمرے۔ راس۔ اور اسکرائن جیسے مشہور مؤرخین نے صاف طور پر لکھا ہے کہ تیمور کا چنگیز خاں کے ساتھ تعلق ایک ایسا افسانۂ باطل ہے جس کا غلط ہونا مدت ہوئی منکشف ہو چکا ہے"۔ سوویٹ یعنی روسی مؤرخین کی بھی یہی رائے ہے کہ چنگیز خاں کے ساتھ جو تیمور کا شجرۂ نسب ملایا گیا ہے وہ صریح جھوٹ ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ چھٹی پشت میں تیمور کی دادی جو چغتائی کی بیٹی اور قراچار کی بیوی تھی وہ مغل تھی۔ لیکن اس کے علاوہ تیمور کو مغلوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ برلاس قوم میں سے تھا جو ایرانی الاصل تھی۔ اسکن صاحب جو ایک مشہور مؤرخ ہیں لکھتے ہیں کہ تیمور کا قبیلہ دو سو سال تک ترکوں کے درمیان میں آباد رہا تھا۔ اس لئے ان کی زبان، وضع، قطع، اطوار اختیار کر چکا تھا اس لئے بظاہر ترک بن گیا۔ لیکن حقیقت میں ترک نہ تھا۔

سیتھین قوم کا ہی دوسرا نام برلاس تھا

مسٹر لیمب نے اپنی کتاب تاریخ تیموریں جو ۱۹۲۸ء میں امریکہ سے شائع ہوئی ہے لکھا ہے کہ برلاس قوم کو پرانے زمانہ میں (Scythians) سیتھین کہتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ سیتھین کونسی قوم ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں سیتھیا پر جو مضمون ہے وہ مسٹر ایس ہاول منز کا لکھا ہوا ہے جو کیمبرج یونیورسٹی کا پروفیسر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ رائے عامہ یہی ہے کہ سیتھین ایرانی لوگ تھے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ لیمب صاحب کی یہ تحقیقات ہے کہ قدیم میں یہی برلاس لوگ ہی سیتھین کہلاتے تھے۔ پس اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ برلاس قوم ایرانی قوم تھی۔

ایرانی قوم کی ہجرت ترکستان میں

طبقات ناصری مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۴ء میں صاف طور پر لکھا ہے کہ امام محمد علی ابو القاسم حماوی تاریخ مجدول میں اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ "یزدجرد جو ایران کے ساسانی قوم کا شہزادہ تھا حضرت عثمان امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں بلاد مرو کے ایک گاؤں میں مارا گیا تھا۔ اور اس کے اتباع و اولاد اس کے بعد ترکستان ہی میں رہ پڑے اور وہاں کے لوگوں سے رشتہ و قرابت پیدا کر لیا۔ اور جب دو تین پشتیں گزر گئیں تو ترکوں میں شمار ہو کر ترک کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اور ان کے محلات ان کے ممالک میں ابتک موجود ہیں۔ پھر معجم البلدان یاقوت حموی جلد ۴ صفحہ ۴۰۰

میں بھی یہی لکھا ہے کہ یزدجرد بن شہریار بادشاہ فارس عربوں کے خوف سے بھاگ کر ترکوں کے بادشاہ خاقان کے پاس ماوراء النہر کی طرف چلا گیا۔ تاریخ فرشتہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ بیانات کس قدر ارسکن صاحب کے بیان سے ملتے ہیں کہ "تیمور کا قبیلہ دو سو سال تک ترکوں کے درمیان آباد رہا۔ اس لئے ان کی زبان و وضع قطع، اطوار اختیار کر چکا تھا۔ اس سے بظاہر ترک بن گیا لیکن حقیقت میں ترک نہ تھا"۔ اور یہ فقرہ کہ "ان کے محلات ان ممالک میں اب تک موجود ہیں"۔ یہ کس قدر ای شوارصاحب کی کتاب ترکستان جلد اول صفحہ ۳۴۶ کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "افراسیاب (جو ایرانی الاصل تھا) کے ہاتھوں شہر سمرقند کی بنیاد رکھی گئی۔ خود سمرقند کا نام فارسی ہے ترکی نہیں۔ اور سمرقند کی تمام بڑی بڑی عمارتیں ایرانی معماروں یا ان کے شاگردوں کی بنائی ہوئی ہیں"۔ اب خواہ ساسانیوں اور سیتھین قوم کو ایک مانو خواہ الگ الگ۔ یہ صاف نظر آتا ہے کہ عربوں کے خوف سے ایرانی شہزادے اور امیرزادے بعد اپنے قبائل کے بھاگ بھاگ کر ماوراء النہر و توران یعنی سمرقند و بخارا میں آباد ہو رہے تھے۔ اور وہاں رشتے ناطے کر کے ترک کہلانے لگے تھے۔ اسی طرح برلاس قوم میں سے قراچار بھی ہجرت کر کے چنگیز خاں کے ساتھ توران پہنچا اور سمرقند اور کش میں آباد ہوا +

سوغدیانہ یعنی سمرقند کے لوگ ایرانی الاصل تھے

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سمرقند اور اس کے قریب کے علاقہ کو پرانے زمانہ میں سوغدیانہ کہتے تھے۔ اب انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا فتویٰ سنو۔ وہ یہ ہے کہ سوغدیانہ کے لوگ ایرانی قوم میں سے تھے۔ اور ای شوارصاحب مشہور مؤرخ اپنی کتاب جلد اول صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ "ایرانی لوگ فقط دریائے آمو (جیحوں) اور سر (سیحوں) کے درمیانی علاقہ میں ہی جسے قدیم زمانہ میں ماوراء النہر کہتے تھے آباد نہ تھے بلکہ دریائے سر (سیحوں) کے دائیں کنارے فرقند اور کاشغر میں بھی بستے تھے۔ فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں پہلی دفعہ ایران اور توران کے درمیان دریائے آمو (جیحوں) کو حد فاصل قرار دیا ہے۔ لیکن پروفیسر گریف نے صاف لکھا ہے کہ یہ اصطلاحیں فقط جغرافیائی معنوں میں اس نے استعمال کی ہیں نہ کہ علم الانساب کے رُو سے (یعنی دونوں طرف ایرانی ہی آباد تھے نہ کہ ایرانی اور ترکی) اور ایران اور توران کے درمیان جو جنگ تھی وہ دو مختلف قوموں کے درمیان نہ تھی بلکہ ایک ہی نسل کے دو قبائل کے درمیان تھی۔ بعد کے زمانہ میں توران کے معنے ترک کے ہو گئے۔ اور یہ لفظ نہ صرف تمام ترکی نسل کے لوگوں کے لئے عام طور پر بولا جانے لگا بلکہ ہر ایک اس قوم کے لئے اور اس چیز کے لئے جس کی اصل زبان دانوں اور علم انساب کے ماہروں کو معلوم نہ ہو سکتی تھی"۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ سچ ہے کہ فردوسی نے دریائے جیحوں کو ایران اور توران کی حد قرار دیا ہے مگر شاہنامہ میں صاف لکھا ہے کہ فریدوں نے ملک فارس کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنے بیٹے ایرج کو دیا جو اس کے نام سے ایران کہلایا۔ اور دوسرا حصہ اپنے بیٹے تور کو دیا جو اس کے نام سے توران کہلایا۔ ورنہ سارا ملک ایک تھا اور قوم ایک ہی تھی یعنی ایرانی ہی دونو ملکوں میں آباد تھے۔ فریدوں کے دو بیٹوں کی وجہ سے ایران کی سلطنت دو حصوں میں منقسم ہوگئی اور دو نام ہوگئے۔ ورنہ ملک ایک تھا قوم ایک تھی۔ کتاب ایریانہ انٹی کا کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے :۔ کہ

"ہم نے پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ بحیرۂ خزر کے میدان میں رہنے والی وحشی قوموں کے حملے سے بہت پیشتر ماوراء النہر میں (یعنی سمرقند اور کش کے علاقہ میں) ایرانی لوگ بود و باش رکھتے تھے۔ اور اس بات کے باور کرنے کی پختہ وجوہات موجود ہیں"۔

پروفیسر گیبل صاحب اپنی کتاب "وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات" میں جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی ہے صفحہ اوّل پر ہی لکھتے ہیں :۔

"دریائے جیحوں فقط ایک رسمی سرحد ہے تاریخی سرحد نہیں ..... صرف ساسانیوں کے افسانوں میں اور فردوسی کے شاہنامہ میں دریائے جیحوں ایران اور توران کی سرحد قرار دیدیا گیا (یعنی تاریخی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں) عربوں کی فتوحات کے زمانہ میں بھی سغدیانہ (یعنی سمرقند و کش کا علاقہ) اور دریائے جیحوں کی وادی کے رہنے والوں نے ایرانی زبان اور ایرانی اداؤں کو برابر قائم رکھا اور انہوں نے اپنے ایرانی الاصل ہونے کو کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا"۔

پھر ہسٹینگز صاحب انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس میں ترک کے ماتحت لکھتے ہیں :۔

"یہ بات ذکر کرنے کے قابل ہے کہ اگرچہ ہم پہلی صدی مسیحی میں بھی جنوبی روس میں ترکوں کا نام سنتے ہیں۔ مگر وہ صرف چوتھی صدی عیسوی میں ترکستان میں آباد ہونے تھے اور اسی لئے یہ ملک اس نام سے مشہور ہوا حالانکہ اس سے پہلے اس کا نام ایران تھا اور ایرستان بھی کہتے تھے یعنی ایرانیوں کا ملک اور مغرب میں اس کی آخری حد موجودہ ایران تک پھیلی ہوئی تھی"۔

ویمبرے صاحب نے اپنی کتاب "تاریخ بخارا" میں تمہید کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ :۔

"ماوراء النہر کے اکثر باشندے ایرانی تھے۔ اور عرب۔ سامانی۔ سلجوقی اور خوارزم بادشاہوں کے زمانہ میں بخارا۔ فرغانہ اور خوارزم کی عام زبان فارسی تھی"۔

پھر صفحہ ۵ پر لکھتا ہے :۔

"یہ بات کہ دریائے جیحوں کے دوسری طرف کے ممالک میں قدیم زمانہ میں خالص ایرانی النسل لوگ آباد تھے۔ ایرانیوں کی نہایت قدیمی یادگار روندی داد سے بھی ظاہر ہوتی ہے"

پھر گبل صاحب لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں (عربوں) نے جب ماوراء النہر پر حملہ کیا تو جن لوگوں نے مقابلہ کیا وہ ایرانی لوگوں کی ہی فوجیں تھیں"

عربوں کا سب سے زیادہ سخت اور آخری مقابلہ کش میں برلاس کے شہزادوں نے ہی کیا تھا۔ لیکن چونکہ ان کو مغلوں کی طرف سے کوئی مدد نہ ملی اس لئے شکست کھا کر مغلوب ہو جانا پڑا۔

تیمور کا قومی نشان ایرانی تھا

ویمبرے صاحب کی تاریخ میں لکھا ہے کہ تیمور نے جو قومی نشان اختیار کیا تھا وہ تین دائرے تھے۔ اس طرح ○○○ اور ان کے اوپر راستی کا نشان تھا یعنی "انصاف ہی طاقت ہے" یہ نشان خالص ایرانی قومی نشان تھا۔ ویمبرے صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ کش میں جو محل تیار کرایا گیا تھا وہ خالص ایرانی ساخت کا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے سامنے کے دروازہ پر سورج اور شیر ببر کے ایرانی قومی نشان بنے ہوئے تھے۔ [1]

مرزا کا لقب خالص ایرانی ہے

پھر ایک اور بات توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ تمام قوم برلاس میں مرزا کا لقب نام کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ تاتاریوں میں نہ یہ لقب کبھی استعمال ہوا اور نہ یہ لفظ ہی ان کی زبان میں موجود ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے نام کے آخر میں خان لگایا کرتے تھے۔ مثلاً چنگیز خان ہلاکو خان۔ منقو خان۔ وہ کبھی مرزا نہیں کہلاتے تھے۔ مرزا کا لفظ خالص ایرانی ہے اور صرف ایرانیوں کے نام کے ساتھ ہی لگایا جاتا تھا۔ یہ امیرزادہ سے نکلا ہے۔ جسکے معنے ہیں امیرزادہ۔ پس مرزا کو اعزازی لقب کے طور پر اپنے نام کے ساتھ لگانیوالے خالص ایرانی لوگ تھے۔ تاتاری اسے کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔

ایرو م جی برلاس میں جی کا لفظ

ایرو م جی برلاس جو قوم برلاس کا مورث اعلیٰ ہے جس سے اس قوم نے برلاس کا نام لیا۔ اس کے نام میں جی کا لفظ خالص ایرانی ہے۔ سہراب جی۔ رستم جی۔ بہرام جی یہ سب فارسیوں۔ ایرانیوں کے نام ہیں۔ تاتاریوں کے نام جی کے ساتھ قطعاً نہیں ہوتے۔

خلاصہ دلائل

الغرض برلاس قوم کا ایرانی الاصل ہونا تحقیقات سے ثابت ہے۔ ان دلائل کو میں مختصراً یہاں دُہرا دیتا ہوں۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ:-

[1] تیمور اور سیتھین قوم کے ایرانی النسل ہونے کے بارے میں میں نے دسمبر ۱۹۳۳ء کے ریویو آف ریلیجنز اُردو سے بھی فائدہ اٹھایا ہے جس میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی تحقیقات شائع ہوئی تھی جو انہوں نے لنڈن لائبریری کی تاریخی کتب اور دیگر محقق پروفیسران تاریخ کے ذریعہ کی تھی۔

۱- تیمور چنگیز خاں کی نسل میں سے نہ تھا جن لوگوں نے اس کا شجرہ چنگیز خاں سے ملانے کی کوشش کی ہے وہ لوگ اہل تحقیق کے نزدیک جھوٹے اور خوشامدی تھے۔

۲- تیمور سیتھین قوم میں سے تھا جو ایرانی تھے۔

۳- یہی سیتھین قوم ایرو م جی برلاس کی اہم شخصیت کی وجہ سے بعد میں قوم برلاس کہلائی۔

۴- تمام توران۔ ماوراء النہر۔ سمرقند اور کش کے علاقہ میں ایرانی آباد تھے جن میں برلاس بھی شامل تھے ان لوگوں نے آخر تک اپنی زبان اور اداروں کو ایرانی ہی رہنے دیا۔ اور اپنے ایرانی الاصل ہونے کو نہ بھولے۔ اور یہ سارا ملک ترکستان جنوبی روس تک چوتھی صدی عیسوی تک برابر ایران ہی کہلاتا رہا۔ جب ان میں تاتاری لوگ آکر آباد ہونے لگے تو پھر اُسے ترکستان کہا جانے لگا۔ ورنہ دراصل یہ سارا ملک ایران ہی ہے۔

۵ تیمور کا قبیلہ ترکوں کے درمیان دو سو برس رہنے کے بعد ترک کہلانے لگا۔ والّا وہ ترک نہ تھے بلکہ ایرانی تھے۔ اور یہ تیمور کا قبیلہ برلاس ہی تھا جو سمرقند اور کش کے علاقہ میں آباد تھا۔

۶- تیمور نے اپنے قومی نشان ایرانی رکھے۔ اس کے محلات ایرانی طرز کے تھے۔ اس کی قوم میں لقب مرزا کا خالص ایرانی تھا۔ اس کے جدّ امجد کا نام ایرو م جی برلاس خالص ایرانی نام تھا۔

۷- حاجی برلاس حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا مورث اعلیٰ تیمور کا حقیقی چچا تھا۔ لہٰذا یہ اسی قوم برلاس میں سے تھا جو سمرقند اور کش اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھی۔

مرزا ہادی بیگ کا مورث اعلیٰ حاجی برلاس تھا

حاجی برلاس کی نسل میں سے مرزا ہادی بیگ صاحب حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے وہ جدّ امجد ہیں جو سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے۔ چنانچہ سر لیپل گریفن نے تاریخ پنجاب میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے خاندان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب سمرقند سے ہندوستان آئے تھے۔ خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب ازالہ اوہام جلد اول میں صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں:۔

"ان کاغذات اور پرانی تحریرات سے کہ جو اکابر اس خاندان کے چھوڑ گئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ بابر بادشاہ کے وقت میں جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا۔ بزرگ اجداد اس نیازمند آلی کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو نہیں بیان کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دہلی میں پہنچے۔ اور دراصل یہ بات ان کاغذات سے اچھی طرح واضح نہیں ہوتی کہ کیا وہ بابر کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئے تھے یا بعد اس کے بلا توقف اس ملک میں پہنچ گئے۔ لیکن

یہ امر اکثر کاغذات کے دیکھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساتھ پہنچے ہوں یا کچھ دن پیچھے سے آئے ہوں۔ مگر انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا تعلق خاص تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز سرداروں میں شمار کئے گئے۔ چنانچہ بادشاہ وقت سے بہت سے دیہات جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلق دار ٹھیرائے گئے۔"

پھر اپنی کتاب البریہ صفحہ ۱۳۴ حاشیہ میں حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے۔ اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشۂ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا جو بعد میں اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ پر قاضی رہا پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔"

حضرت مرزا صاحب کا بذریعہ الہام فارسی الاصل ہونے کا دعوے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو خود اس تازہ تحقیقات کا کہ برلاس مغل نہیں ہیں بلکہ ایرانی الاصل ہیں کچھ علم نہ تھا کیونکہ اس تازہ تحقیقات کا علم ان کی وفات کے بہت سالوں کے بعد ہم تک پہنچا لیکن اسی کتاب البریہ میں صفحہ ۱۳۴ پر حاشیہ میں یہ لکھ کر کہ ان کے بزرگ سمرقند سے ہندوستان آئے تھے آپ حاشیہ در حاشیہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادا فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے انہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے جن میں سے میری نسبت ایک یہ الہام ہے۔ خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس۔ یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اس کو لے لیتا۔ اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے۔ ان الذین کفروا ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اس کی کوشش کا شکر گزار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد فارسی تھے والحق ما اظہرہ اللہ۔"

اور وہی سچ ثابت ہوا جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا تھا۔ آپ فارسی الاصل تھے۔ کیونکہ برلاس کی قوم دراصل فارسی یا ایرانی ہے مغل ہرگز نہیں +

حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۷ و ۷۸ پر آپ فرماتے ہیں "اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے" "نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا" پھر حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱ پر لکھا ہے کہ "اس پیشگوئی کو شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی اپنی کتاب فصوص میں لکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حسینی الاصل ہوگا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اس کے خاندان میں ترک کا خون ملا ہوا ہوگا" آپ کی قوم برلاس تو فارسی الاصل تھی مگر چونکہ آپ کے جدامجد قراچار کی شادی چغتائی خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے ترکی حسینی خون کی آمیزش آپ کے خاندان میں ہوگئی +

حدیث شریف میں رجل من ابناء فارس کی پیشگوئی

یہ جو حضرت مرزا صاحب نے اپنا الہام لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس پیش کیا ہے۔ یہ دراصل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ٹکڑا ہے جو بطور الہام آپ پر نازل ہوا۔ حضرت مرزا صاحب کی مختلف کتب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس الہام کے ذریعہ درحقیقت آپ کو اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلائی گئی جو آنحضرت صلعم نے فرمائی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ جمعہ کی آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کی تفسیر کرتے ہوئے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من ھؤلاء۔ اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے ایک شخص ہوگا جو اسے وہیں جا کر لے لیتا۔ پس جناب الٰہی کی طرف سے اس حدیث کو بطور الہام نازل فرما کر آپ کو توجہ دلائی گئی کہ آپ ہی وہ کامل الایمان فارسی الاصل مرد ہیں جس کے متعلق آنحضرت صلعم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور دہریت کے زمانہ میں بذریعہ دلائل بیّنہ و حجج نیّرہ اور نشانات سماوی آپ ہی کے ذریعہ ثریا سے ایمان واپس لانا مقدر تھا +

جائے سکونت قادیان

حاصل کلام یہ کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب قریب دو سو آدمیوں کے ساتھ جو ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال تھے۔ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے بابر بادشاہ کے وقت میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور بادشاہ دہلی سے اعزاز اور جاگیریں حاصل کر کے اس قصبہ کی جگہ میں جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تقریباً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے اور جو اب ضلع گورداسپور میں شامل ہے فروکش ہو گئے اور جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا جو بعد میں اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ ماجھی

کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ یہ سب علاقہ جہاں اب قادیان آباد ہے اور جو امرتسر اور لاہور کے اضلاع میں بھی پھیلا ہوا ہے ماجھ کہلاتا تھا۔ اس لئے ماجھی کا لفظ امتیاز کے لئے لوگوں نے لگا دیا۔ یعنی وہ اسلام پور جو ماجھ کے علاقہ میں ہے۔ اور قاضی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے بزرگوں کو دیہات کی جاگیرداری کے علاوہ اس تمام علاقہ کی حکومت اور قضا بھی ملی تھی اس لئے قاضی کے نام سے یہ جگہ مشہور ہوگئی یعنی وہ اسلام پور جو قاضی کا مقام ہے۔ قاعدہ ہے کہ لمبا نام عوام کے حافظہ میں قائم نہیں رہتا۔ اس لئے رفتہ رفتہ اسلام پور اور ماجھی تو اڑ گیا اور صرف قاضی رہ گیا۔ چونکہ عام طور پر بالخصوص حنفیوں میں ض کو زواد نہیں بولتے بلکہ دواد بولتے ہیں۔ اس لئے قاضی کو قادی کہا جانے لگا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ خاکسار مؤلف نے تو عرصہ تک بٹالہ کے ریلوے اسٹیشن پر یکہ والوں کو کادیں ہی کہتے سنا ہے۔ اور دیہات کے لوگ تو کادی ہی کہتے ہیں۔ اس سے اس حدیث کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ یخرج المہدی من قریۃ یقال لہ کدعۃ کہ مہدی ایک گاؤں میں پیدا ہوگا جس کو کدعہ کے نام سے پکارا جائے گا۔ کدعہ کا لفظ کادی کا ہی معرب ہے۔[1]

شجرہ نسب الغرض مرزا ہادی بیگ صاحب کی اس نواح میں ایک مستقل ریاست بن گئی۔ اور نہایت عزت اور حکومت کے ساتھ یہ خاندان یہاں آباد رہا۔ اس خاندان کی جو پشتیں یہاں گزریں ان کا ذکر خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کتاب البریہ میں اس طرح کیا ہے۔ فرماتے ہیں ہمارا شجرہ نسب یہ ہے:۔

"میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا محمد قائم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب ابن مرزا محمد ذلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا محمد بیگ صاحب ابن مرزا عبدالباقی صاحب ابن مرزا محمد سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورث اعلیٰ" (مکمل شجرہ نقل کرتا ہوں)

---

[1] بلکہ کیا عجب ہے کہ حدیث میں بھی اصل لفظ کادی ہی ہو۔ ابتدا میں حدیثیں تو زبانی ہی روایت ہوتی تھیں۔ جب اس حدیث کو لکھنے لگے ہوں تو پرانی طرز املا کے مطابق وہ کدہ لکھا گیا ہو بعد میں الف کی زبر زیر کی علامتیں رہ گئی ہوں اور صرف کدہ رہ گیا ہو۔ اور کدہ کو عربی شکل دینے کے لئے کاتب نے کدعہ لکھ دیا ہو تو عجب نہیں بہرحال جو کچھ بھی ہو کادی اور کدعہ کی اصل ایک ہی معلوم ہوتی ہے ایک پنجابی ہے تو دوسرا عربی۔

شجرہ نسب حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ

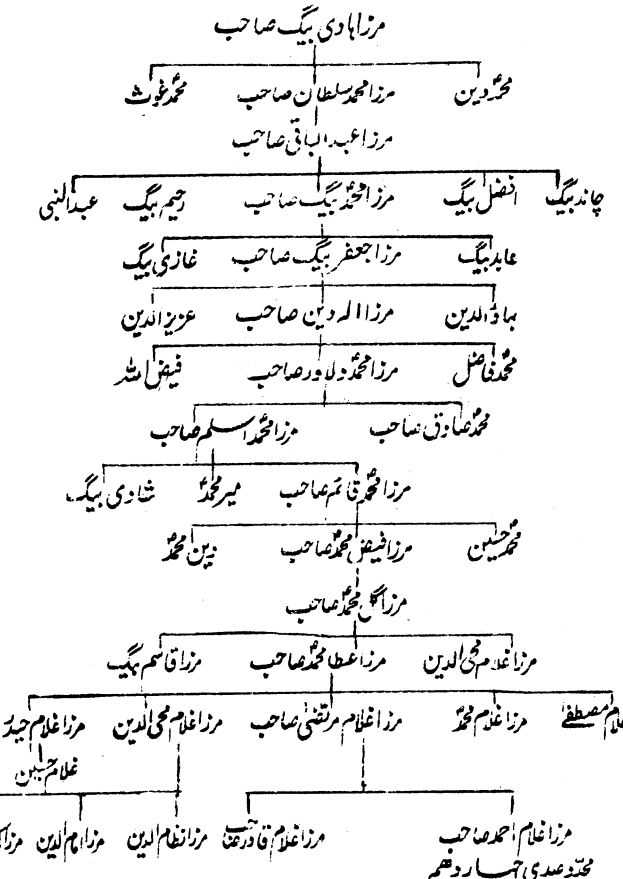

اس خاندان پر سکھوں کے وقت کے ظلم وستم

سکھوں کا زمانہ جب آیا اس وقت حضرت مرزا عطا صاحب کے پردادا مرزا گل محمد صاحب اس جگہ کے رئیس تھے۔ اس وقت اس ریاست کی کیا حالت تھی اور سکھوں کے ہاتھ سے اس خاندان پر کیا کیا ظلم وستم ہوئے وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ہی قلم سے لکھے ہوئے نقل کر دیتا ہوں۔ البریہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے

جن کے پاس اسوقت پچاسی گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروّت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دسترخوان پر روٹی کھاتے تھے اور ایک سو کے قریب علما اور صلحا اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے جن کے کافی وظیفے مقرر تھے اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر رہتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ حقہ پینے والی عورتیں بھی پنجوقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں..... اس پرآشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کیلئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیانِ دین اور صلحا اور علما اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے اور اس نواح میں یہ واقعات مشہور ہیں کہ مرزا گل محمدؐ صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق وکرامات تھے جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحا اور فضلا قادیان میں جمع ہو گئے تھے..... غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانان کی صفت میں نہایت مشہور تھے..... میرے پردادا صاحب موصوف یعنی مرزا گل محمدؐ نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطبا نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نے تقریر میں عرض کر دیا تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہوگی تو اس کی پیدا کردہ اور بھی بہت سی دوائیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں۔ اور میں خدا کے قضا و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اس مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر ان کا یہ طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے

لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا..... اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمدؐ فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں مگر جبکہ قضا و قدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گیا۔ اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار برج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فیٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور امرتسیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کے مانند پکڑے گئے اور ان کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے ہر سال یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں پانسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لودھیانہ تک اس کی ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں مل کر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے

والد غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمتگزاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجلدوے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے اپنی کتاب "رئیسان پنجاب" میں اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر اُن کے مکان پر آکر ان کی ملاقات کرتے تھے"۔

الغرض حضرت مرزا غلام احمد صاحب ایک بہت پرانے معزز اور شریف خاندان سے تھے جو نہ صرف ظاہری وجاہت اور حکومت کے لحاظ سے ایک ممتاز خاندان تھا۔ بلکہ اس خاندان میں ایسے لوگ بھی گزر چکے تھے جو زیور علم وتقویٰ سے آراستہ تھے۔

سر لیپل گریفن کی شہادت

چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے اپنی کتاب رئیسان پنجاب (Punjab Chiefs) میں بھی اس خاندان کا مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

"شہنشاہ بابر کی عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود وباش اختیار کی۔ یہ کسی قدر پڑھا لکھا آدمی تھا[1] اور قادیان کے گرد ونواح کے ۷۰ مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بدلتے بدلتے قادیان ہو گیا۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہو گیا تھا گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنہیا مسلوں سے جن کے قبضہ میں قادیان کے گرد ونواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کو کھو کر عطا محمد بیگو وال میں سردار فتح سنگھ آہلوالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور بارہ سال تک امن وامان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا غلام مرتضیٰ کو واپس قادیان بلا لیا تھا۔ اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دیدیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت

[1] وہ دراصل ایک نہایت ذی علم بزرگ تھے۔ (ناقل)

مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں نونہال سنگھ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمات پر مامور رہا ۱۸۴۱ء میں کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج کے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جا رہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداروں لنگر خاں ساہی وال اور صاحب خاں ٹوانہ نے مسلمانوں کو اکسایا اور میجر صاحبڈل کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا رستہ نہ تھا۔ جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔ الحاق کے موقعہ پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ مگر ۷۰۰ روپے کی ایک پنشن غلام مرتضیٰ اور اسکے بھائیوں کو عطا کی گئی۔ اور قادیان اور اس کے گرد و نواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ ہیں۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر مذکور نے ترمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفینٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا تھا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے نمک حلال رہا۔ غلام مرتضیٰ جو ایک لائق حکیم تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا۔ اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سارٹیفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصہ تک گورداسپور میں دفتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کم سنی میں فوت ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنیٰ کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا ہے۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت کی۔ اور اب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ یہ قادیان کا نمبردار بھی ہے۔

نونہال حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی والدہ محترمہ کا نام چراغ بی بی صاحبہ تھا۔ ان کا خاندان موضع آئمہ ضلع ہوشیار پور میں ایک معزز صحیح النسب مغل خاندان تھا۔ چراغ بی بی صاحبہ کی طبیعت

میں جود وسخا اور مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے شہر کے غربا و ضعفا کا خصوصیت سے خیال رکھتی تھیں۔ اور غربا کے مُردوں کو کفن اُن کے ہاں سے ملتا تھا۔

بہن بھائی حضرت مرزا غلام احمد صاحب سب ملا کر پانچ بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی آپ کی ہمشیرہ مراد بی بی صاحبہ تھیں جن کی شادی مرزا محمد بیگ ہوشیار پوری سے ہوئی تھی۔ مگر وہ عین جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ وہ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں اور تمام عمر یادِ الٰہی میں گزار دی۔ ان سے بعض خوارق و کرامات کا ظہور بھی ہوا۔ مراد بی بی صاحبہ سے چھوٹے مرزا غلام قادر صاحب تھے ان سے چھوٹا ایک اور لڑکا تھا جو بچپن میں ہی فوت ہوگیا۔ اُن سے چھوٹی جنت بی بی تھی جو حضرت صاحب کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں اور پیدا ہوتے ہی فوت ہوگئی تھیں۔ گویا بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے۔

ولادت۔ طفولیّت اور تعلیم

سنہ ولادت حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی سنہ ولادت کے متعلق کوئی تحریری یادداشت تو ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ اس لئے اس امر میں اختلاف ہونا لازمی امر تھا۔ مگر تحقیقات سے سنہ ولادت ۱۸۳۵ء صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آپ نے کتاب البریہ میں اپنی پیدائش کا سنہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء لکھا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ نے یہ کسی تحریری یادداشت کی بنا پر نہیں لکھا محض تخمینہ یا اندازہ سے قیاس کرکے ایسا لکھ دیا۔ اسی لئے کوئی سنہ متعیّن نہیں کیا۔ ورنہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کیا معنی؟ آپ کو ایک سنہ متعین کرکے لکھنا چاہئے تھا۔ اور پھر اسی کتاب البریہ میں اسی سلسلہ مضمون میں آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں: "غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیرِ سایہ والد بزرگوار کے گزری"۔ اب یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کی وفات ۱۸۷۶ء میں ہوئی تو اس سے پھر یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کا سنہ ولادت تخمیناً ۱۸۳۶ء تھا۔ دوم حضرت اقدس مرزا صاحب نے کتاب التبلیغ آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی والدہ محترمہ آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کرتی تھیں کہ "تمہارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے تھے اور فراخی میسر آگئی تھی"۔ اور اسی لئے وہ آپ کی پیدائش کو مبارک سمجھا کرتی تھیں۔ اب یہ قطعی طور پر یقینی بات ہے کہ راجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس خاندان کے مصائب کے دن دور ہوکر فراخی شروع ہوئی تھی۔ اور قادیان اور اس کے اردگرد کے بعض مواضعات

غلام مرتضیٰ صاحب کو راجہ رنجیت سنگھ نے بحال کر دیئے تھے اور ان کو اپنے ماتحت ایک معزز فوجی عہدہ دیا تھا۔ اور انہوں نے راجہ مذکور کے ماتحت بعض فوجی خدمات بھی سرانجام دی تھیں اور یہ امر تاریخی طور پر مسلم ہے کہ راجہ رنجیت سنگھ ۱۸۳۹ء میں فوت ہو گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب کی پیدائش راجہ رنجیت سنگھ کی وفات سے کم سے کم تین چار سال قبل تو ضرور ہوئی ہو گی کیونکہ آخر کو اس بات کے لئے کچھ مدت چاہیئے جس میں آپ کے والد صاحب کو فوجی عہدہ بھی ملا ہو اور انہوں نے رنجیت سنگھ کی سرکار میں فوجی خدمات بھی کی ہوں اور راجہ کی خوشنودی کے بعد جائداد بھی بحال ہو گئی ہو جس سے خاندان کو فراخی میسر آئی ہو۔ اس طرح سنہ ولادت وہی ۱۸۳۵ء یا ۱۸۳۶ء پر جا پہنچتا ہے۔ سوم جو امر سب سے یقینی ہے وہ یہ ہے کہ میاں معراج الدین عمر صاحب کی پچھلی صد سالہ جنتری تقویم عمری طبع شدہ موجود ہے۔ اس میں گذشتہ ۱۲۵ برس یعنی ۱۷۸۳ء سے ۱۹۰۷ء تک کی جنتری مرقوم ہے۔ اب ہم حضرت اقدس مرزا صاحب کی تحریریں دیکھتے ہیں تو آپ نے تحفہ گولڑویہ میں صاف طور پر تحریر فرمایا ہے کہ میری ولادت جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی۔ اور مفتی محمد صادق صاحب سے آپ نے زبانی فرمایا تھا کہ میری پیدائش پھاگن کے مہینہ میں ہوئی تھی۔ اب مذکورہ بالا پچھلی صد سالہ جنتری کو دیکھتے ہیں تو پھاگن کے مہینہ میں چاند کی چودھویں اور جمعہ کا دن ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء کو پڑتا ہے اس دن ۱۴۔ شوال سنہ ۱۲۵۰ ہجری اور یکم پھاگن سمت ۱۸۹۱ بکرمی تھا۔ اگرچہ ۱۷۔ فروری ۱۸۳۳ء کو بھی جمعہ کا دن ۱۴۔ رمضان سنہ ۱۲۴۸ ہجری (چاند کی چودھویں) اور یکم پھاگن سمت ۱۸۸۸ بکرمی پڑتا ہے۔ مگر ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴۔ شوال سنہ ۱۲۵۰ ہجری اور یکم پھاگن سمت ۱۸۹۱ بکرمی آپ کی تحریرات کے ساتھ تطبیق کھاتا ہے کیونکہ ۱۹۰۵ء میں ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں آپ نے اپنی عمر ستر سال لکھی ہے جس سے سنہ ولادت ۱۸۳۵ء بنتا ہے۔ اسی طرح آپ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹ پر لکھا ہے کہ ۱۲۹۰ ہجری میں شرف مکالمہ پایا۔ اور یہ امر آپ نے اپنی متعدد تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ۴۰ سال کی عمر میں شرف مکالمہ پایا تو ۱۲۹۰ ہجری میں آپ کی عمر جب ۴۰ سال ہوئی تو سن ولادت ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۸۳۵ء ٹھیک بیٹھتا ہے۔ پس جب آپ کی ولادت کی تاریخ جنتری کے حساب سے ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء بنتی ہے تو جو چیز حساب کے رو سے ٹھیک بیٹھے وہی سب سے زیادہ صحیح اور یقینی ہوا کرتی ہے۔

یوم ولادت حضرت مرزا غلام احمد صاحب جمعہ کے دن بوقت صبح پیدا ہوئے تھے۔ آپ توام پیدا

ہوئے تھے۔ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت رکھا گیا اور جو پیدا ہوتے ہی فوت ہوگئی۔ اس لڑکی کے بعد آپ پیدا ہوئے اور یہ اس پیشگوئی کے مطابق تھا جو شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں لکھی ہے کہ آنیوالے مسیح کی ولادت جو خاتم الولایت ہوگا توام ہوگی۔ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوگی اور اس کے بعد آپ کی ولادت ہوگی۔[1]

نام کا اسم بامسمّٰی ہونا آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام **غلام احمد** رکھا جو نہایت ہی اسم بامسمّٰی ثابت ہوا یعنی آپ نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کر دیا۔ اور اگر غلام احمد کے ساتھ **قادیانی** کا لفظ ملا دیا جائے تو بحساب جمل **غلام احمد قادیانی** کے عدد تیرہ سو[1300] بنتے ہیں گویا قدرت نے آپ کے والد سے نام ہی ایسا رکھوا دیا جس میں یہ اشارہ تھا کہ ہجرت کے تیرہ سو[1300] سال کے بعد تیرھویں صدی کے آخر میں جس مبارک وجود نے خلعت مجددیت سے سرفراز ہونا تھا وہ آپ ہی ہیں۔ چنانچہ جب آپ منصب مجددیّت پر کھڑے کئے گئے تو جناب الٰہی سے **غلام احمد قادیانی** کے الفاظ آپ پر الہاماً نازل ہوئے اور ان کے اعداد کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرائی گئی۔ اسی طرح مسیحیت کا لقب پانے پر جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو یہ شعر الہام ہوا ؎

برترگمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

گویا قدرت کی طرف سے غلام احمد کو مسیحیت کا مقام ملنے میں یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آنحضرت صلعم کا مقام کس قدر وہم و گمان سے بڑھ کر ہے کہ آپ کا غلام مسیح زمان کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب آنحضرت صلعم کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھتے ہوئے یہ دو شعر نہایت حسب حال لکھتے ہیں:- ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن — وال مسیح ناصری شد از دم او دم شمار
راغب اندر رحمتت یا رحمۃ اللعالمیں — ایکہ چوں ما بر درت صد ہزار آید وار

طفولیت آپ کی طفولیت کا زمانہ نہایت پاکیزہ اور معجز نما زمانہ تھا۔ آپ کے پیدا ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پنجاب میں سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کو اس دور تشدد و ابتلا سے نجات حاصل ہوئی جو سکھوں کی طوائف الملوکی میں ان پر جاری تھا اور مدت کے بعد مسلمانوں نے

[1] شرح فصوص الحکم صفحہ ۸۳ پر لکھا ہے کہ آخری مولود جو بنی نوع انسان میں پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کا حامل ہوگا اور اس کے بعد کوئی ایسا لڑکا اس قسم کا پیدا نہ ہوگا۔ اور وہ خاتم الاولاد ہوگا۔ اس کے ساتھ اسکی بہن پیدا ہوگی جو اس سے پہلے پیدا ہوگی اور وہ اس کے بعد پیدا ہوگا اور اس کا سر اپنی بہن کے پاؤں کے پاس ہوگا۔

مذہبی آزادی کا سانس لیا۔ خود آپ کے خاندان اور گھر میں جو عسرت اور تنگی کی حالت تھی وہ فراخی اور راحت سے بدل گئی۔ اور روز بروز حالت سدھرتی چلی گئی۔ اگرچہ وہ سابقہ حکومت و ریاست دوبارہ نہ ملی لیکن خاندانی حالت نہایت عمدہ ہوگئی۔ آپ کی طفولیت کے زمانہ میں جو اوصاف آپ سے ظاہر ہوئے وہ بڑے بڑے صاحب عقل انسانوں کو حیران کرنیوالے تھے۔ ایام شیرخوارگی سے نکل کر جب آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو والد ماجد نے آپ کے بہلانے کے لئے خاص طور پر کھلونے فراہم کئے اور قصبہ کے بچوں کو اپنے گھر میں لاکر رکھا کہ آپ اُن سے مل کر کھیلیں کودیں اور خوش رہیں لیکن قدرت نے آپ کو شروع سے ہی ایسی طبیعت عنایت فرمائی تھی کہ اس دنیا اور دنیا کی چیزوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور بچپن سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی عظیم الشان کام کی تیاری میں مستغرق ہیں۔

تعلیم چھ سات سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم کیلئے ایک فارسی خوان معلم نوکر رکھا جن کا نام فضل الٰہی تھا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں آپ کو پڑھائیں۔ جب آپ کی عمر قریباً دس سال کی ہوئی تو ایک عربی خوان مولوی صاحب آپ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام مولوی فضل احمد تھا۔ یہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کے والد تھے اور نہایت متقی اور دیندار بزرگ تھے۔ ان کے تقوی کا ایک واقعہ مجھے (یعنی خاکسار مؤلف کو) بھی یاد ہے جو قابل ذکر ہے۔ لڑکپن میں جن دنوں میں صدر بازار سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ مولوی صاحب موصوف وہاں کی سب سے بڑی مسجد کے امام تھے۔ سخت سردیوں میں بارش ہو رہی تھی کہ ایک صاحب نے جو سررشتہ دار تھے اور جن کا نام عبدالغفار تھا مولوی فضل احمد صاحب کو بھیگتے ہوئے ہاتھ میں گیلی مٹی کا ایک ڈھیلا لئے ہوئے جاتے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا کہ اس سخت بارش اور ہوا میں آپ کہاں جا رہے ہیں۔ اور یہ گیلی مٹی کیسی ہے۔ فرمانے لگے کل میں کوتوال محمد ناظم صاحب کے ہاں گیا تھا وہاں ان کے احاطہ کی کچی دیوار سے استنجے کے لئے ایک مٹی کا ڈھیلا توڑ لیا تھا۔ چونکہ ان کی بلا اجازت توڑا تھا اس لئے مجھے آج خیال ہوا کہ موت زندگی کا کوئی اعتبار نہیں خدا جانے کب دم نکل جائے میں نے بغیر اجازت مالک کے یہ ڈھیلا توڑ لیا ہے کہیں قیامت میں باز پرس نہ ہو۔ اس لئے جہاں سے ڈھیلا توڑا تھا وہاں یہ مٹی لگانے جا رہا ہوں۔ اس متقی بزرگ کا خاتمہ بھی عجیب ہوا۔ رمضان میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں دم دیدیا۔ مثل ہے کہ ولی را ولی مے شناسد۔ یہ بزرگ باوجود استاد ہونے کے حضرت مرزا صاحب کی خاطر و مدارات بہت ملحوظ رکھتے اور آپ کا ادب کرتے تھے۔ اور بعد میں جب آپ نے دعوئ مجددیت کیا تو انہوں نے بلا تامل شہادت دی اور بتایا کہ زمانہ طالبعلمی میں ہی حضرت

مرزا صاحب کے حیرت انگیز کرشموں کو دیکھ دیکھ کر اور بصیرت افروز نکات کو سن سن کر مجھے نظر آتا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑا آدمی ہونیوالا ہے۔ یہ بزرگ حضرت مرزا صاحب کو بڑی توجّہ سے پڑھاتے تھے اور جیسا کہ خود حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ان بزرگ سے آپ نے صرف کی بعض کتابیں اور نحو کے کچھ قواعد پڑھے۔ اس کے بعد جب آپ سترہ یا اٹھارہ سال کے ہوئے تو ایک اور مولوی صاحب جن کا نام **سیّد گل علی شاہ** صاحب تھا آپ کی تعلیم کے لئے قادیان بلوائے گئے۔ یہ مولوی صاحب مذہب کے شیعہ تھے اور بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ ان سے آپ نے علم نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو حاصل کیا۔ یہ مولوی صاحب پہلے تو قادیان ہی میں پڑھایا کرتے تھے۔ مرزا نظام الدین صاحب والے دیوان خانہ کے جنوبی حصّہ میں رہا کرتے تھے۔ بعد میں بٹالہ چلے گئے۔ اور حضرت مرزا صاحب کو بھی تعلیم کے لئے وہیں جانا پڑا +

قادیان میں تعلیمی زمانہ قادیان میں جب مولوی گل علی شاہ صاحب حضرت مرزا صاحب کو پڑھایا کرتے تھے تو وہ کچا دیوان خانہ جہاں آجکل نواب محمد علی خاں صاحب کے مکانات بنے ہوئے ہیں تعلیم گاہ تھا۔ چونکہ آپ کے والد ماجد اپنے بچّوں کی تعلیم کے لئے جب کسی استاد کو مقرر کرتے تو اُسے خود تو پوری تنخواہ دیتے اور دوسرے بچّوں کو مفت تعلیم دینے کی اجازت دیدیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اور بھی بچّے اس خاندان کے پڑھنے آیا کرتے تھے اور حسب معمول کھیل کود ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوا کرتی تھیں مگر حضرت مرزا صاحب مطالعہ میں ہی مصروف رہتے اور بچّوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کا آپ کو کوئی شوق نہ تھا۔ آپ جب استاد سے پڑھتے تو قرأت خود کرتے یعنی اپنا سبق آپ پڑھتے۔ اور دو یا تین دفعہ کہہ لینے کے بعد جماعت سے اُٹھ جاتے اور اوپر بالاخانہ میں چلے جاتے اور وہاں جا کر اکیلے اس کو یاد کرتے۔ اگر کچھ بھول جاتا تو پھر نیچے آتے اور استاد سے براہ راست پوچھتے اور پوچھ کر اوپر چلے جاتے۔ ان لڑکوں کے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں کبھی شریک نہ ہوتے تھے۔ البتہ ان بچّوں اور لڑکوں میں سے اگر کسی کو سبق بھول جاتا یا نہ آتا تو اس کو بتلا دینے اور یاد کرا دینے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ ان کے مکتب کے بعض طالبعلم اپنے استاد سیّد گل علی شاہ صاحب سے کوئی مذاق بھی کر بیٹھتے ان کو حقہ پینے کی بہت عادت تھی اور اسی سلسلہ میں بعض شوخ طالبعلم مذاق کر لیتے مگر حضرت مرزا صاحب ہمیشہ ان کا ادب و احترام کرتے اور ایسی شرارتوں سے بیزار اور الگ رہتے۔ اس زمانہ میں کُشتی کبڈی۔ مگدر اور موگری کا عام رواج تھا۔ بٹیر بازی اور مرغ بازی بھی عام تھی۔ تاش اور چوسر بھی لڑکے کھیلا کرتے تھے۔ لیکن آپ کو ان تمام کھیلوں سے طبعًا نفرت تھی۔ کوئی شخص بیان نہیں کرتا کہ اس نے

کبھی ان کو لڑکوں میں کھیلتے ہوئے یا کسی کے ساتھ لڑتے جھگڑتے کبھی دیکھا ۔

آپ کا مرغوب خاطر شوق اور ورزش

آپ کو اگر کوئی چیز مرغوب خاطر تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف تھا۔ مسجد سے باہر اور مسجد کے اندر آپ اکثر ٹہلتے رہتے۔ لے دیکے ورزش اگر کوئی تھی تو یہی ٹہلنا تھا مگر آپ اس قدر ٹہلتے تھے کہ اس سے آپ کی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت کافی ورزش ہو جاتی تھی۔ آپ اپنی محویت کے عالم میں یہاں تک ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر ٹہلتے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی ۔

بٹالہ میں تعلیمی زمانہ

جب مولوی گل علی شاہ صاحب کسی وجہ سے بٹالہ چلے گئے تو حضرت مرزا صاحب کو بھی تعلیم کے لئے بٹالہ جانا پڑا۔ آپ کا بٹالہ میں بہت بڑا عالیشان مکان تھا۔ اس مکان میں ہی آپ کا قیام ہوتا تھا۔ اور تعلیم مولوی گل علی شاہ صاحب سے حاصل کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کے ہم مکتبوں میں سے دو طالبعلموں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک تو لالہ بھیم سین صاحب جو بعد میں سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے۔ ان کے نانا ڈپٹی مکھن لعل صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے۔ چونکہ وہ ذات کے کائستھ تھے اور کائستھوں میں بہت عرصہ سے فارسی کی تعلیم کا رواج تھا اس لئے ڈپٹی صاحب نے اپنے نواسہ بھیم سین کو بھی مولوی گل علی شاہ صاحب کے تلمذ میں دیا اور اس طرح وہ بھی حضرت مرزا صاحب کے ہم مکتب تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی اس زمانہ کی پاکیزہ اور زاہدانہ طرز زندگی اور شریفانہ اور غیور طبیعت اور اخلاق فاضلہ سے لالہ صاحب کے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ سیالکوٹ میں جب حضرت مرزا صاحب بسلسلہ ملازمت تشریف لے گئے تو لالہ صاحب نے آپ سے دوستی اور اتحاد کا کامل نمونہ دکھایا اور آپ کی نہایت عزت اور احترام کرتے تھے۔ اور وہ آپ کے بہت سے خوارق کے شاہد عینی تھے۔ یہ وہی لالہ بھیم سین صاحب ہیں جن کے بیٹے لالہ کنور سین صاحب لا کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ دوسرے طالب علم مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ہیں انہوں نے بھی حضرت مرزا صاحب کی طرز زندگی اور پاکیزہ اخلاق کا خوب مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ اشاعت السنۃ جلد ۷ میں ایک شہادت حقہ ان کی قلم سے شائع شدہ اب تک موجود ہے لکھتے ہیں :-

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔ اس زمانہ سے آجتک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے

بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے"۔

اپنی رائے کی اہمیت کے اس طرح اظہار کے بعد وہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے"۔

پھر آگے چل کر اپنے ان الفاظ کو تحدّی کے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتائے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی و قلمی ولسانی کے علاوہ **نصرت حالی** کا بیڑہ اٹھالیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کرے اور **اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھادیا ہو**"۔

مکتب میں جو طلبا پڑھتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کیریکٹر اور چال چلن اور اخلاق سے اسقدر واقف ہوتے ہیں کہ اگر ذرا بھی عیب اُن کی نظر میں ہو تو بعد کے زمانہ میں ان میں سے کسی ایک کے مقدس اور منجانب اللہ بننے کا جادو اُن پر اثر نہیں کرتا۔ لالہ بھیم سین حضرت مرزا صاحب کے ہم مکتب تھے۔ آپ کی زندگی کا وہ زمانہ دیکھ چکے تھے جب ناتجربہ کاری اور جوش جوانی سے کسی غلط کاری میں مبتلا ہو جانا بعید نہیں ہوا کرتا۔ آپ خوبصورت اور وجیہ جوان تھے۔ آپ کا عنفوان شباب تھا۔ طالب علم تھے۔ دنیا میں ابھی کسی دعوے کو لیکر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان بے تکلفی کے ایام میں اگر آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ نہ ہوتی تو مدۃ العمر کے لئے وہ آپ کے مدح خوان اور مخلص دوست نہ رہ سکتے تھے۔ اور آپ کا احترام ان کے قلب میں نہ ہو سکتا تھا۔ خود مولوی محمد حسین بٹالوی باوجود اس قدر بڑا عالم اور محدث ہونے کے اس قدر آپ کی عزت و احترام کرتا تھا کہ آپ کا جوتا اُٹھا کر آپ کے سامنے سیدھا کر کے رکھ دیتا تھا اور اپنے ہاتھ سے آپ کو وضو کرانا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے وہ آپ کے اعلیٰ کیریکٹر اخلاق فاضلہ اور نامردین اسلام ہونے کا جس قدر قائل نظر آتا ہے وہ اوپر کے حوالجات سے ظاہر ہے۔ یہانتک کہ وہ نصرت حالی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے علم ربانی اور صاحب حال ہونے پر بھی ایمان رکھتا ہے

لیکن تعصب اور قدامت پرستی کا مارا ہوا وہ آپ کے دعوئے مسیحیت پر بھڑک جاتا ہے اور مخالفت میں پھر اس درجہ حد سے گزر جاتا ہے کہ فتویٰ کفر تیار کر کے ہندوستان بھر کے علما سے دستخط کرواتا ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی اعتراض نہ کر سکا اور باوجود اس کے کہ حضرت مرزا صاحب کی طرف سے چیلنج بھی دیا گیا مگر وہ آپ کی پاکیزہ زندگی پر کوئی الزام نہ لگا سکا۔ وہ چیلنج شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کے نام ایک کھلی چٹھی کی صورت میں شائع ہوا جس میں حضرت مرزا صاحب بٹالوی صاحب موصوف کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی تحدی سے فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرہ میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی لیکن اللہ جل شانہ کی توفیق سے میں سچ کیلئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کیلئے بڑے بڑے نقصان اُٹھائے۔ اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں اور نیز بٹالہ میں میری ایک عمر گزر گئی ہے مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ میرے مُنہ سے جھوٹ نکلا ہے؟ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا۔ تو پھر میں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا"۔

مقام غور ہے کہ ایک شخص اپنے وطن اور اپنے واقف کار لوگوں اور ہم مکتبوں میں اپنی راستبازی کا ایسا متحدیانہ دعویٰ کرتا ہے اور کوئی شخص اس کے دعوے کو باطل نہیں کر سکتا۔ بیشک کافر کہہ لو اپنے دعوے میں جھوٹا کہہ لو لیکن قد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ (یعنی میں نے اس سے قبل ایک عمر تمہارے درمیان گزاری ہے) کیا کوئی عیب بتا سکتے ہو کوئی الزام لگا سکتے ہو کے قرآنی معیار کے ماتحت آپ کے دعوے سے قبل کی زندگی کا کوئی کذب یا کمزوری کوئی مخالف بھی نہ بتا سکا۔

طب کی تعلیم حضرت مرزا صاحب کے والد ماجد نہایت حاذق طبیب تھے۔ فن طبابت میں بہت ماہر تھے۔ بعض طب کی کتابیں حضرت مرزا صاحب نے اپنے والد سے پڑھیں۔

مطالعہ کی کثرت حضرت مرزا صاحب کو مطالعہ کی بہت عادت تھی۔ علاوہ اپنی درسی کتابوں کے جو کتابیں آپ کے اکثر زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں وہ تھیں قرآن شریف۔ صحیح بخاری۔ فتوح الغیب مثنوی مولانا روم

دلائل الخیرات۔ تذکرۃ الاولیا۔ سفر السعادت۔ کتابوں کے اس انتخاب سے آپ کے مذاق دینی و اخلاقی کا پتہ لگتا ہے کہ کس قدر پاکیزہ تھا ✦

قرآن شریف کے علم کیلئے تڑپ قرآن شریف سے تو اس قدر عشق تھا کہ وہ جزو زندگی بن چکا تھا۔ دن رات میں اکثر حصہ وقت کا قرآن مجید کی ہی تلاوت کا شغل رہتا تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے ٹہلتے قرآن مجید پڑھنے کا شغل جاری رہتا اور قرآن شریف پڑھتے جاتے اور زار زار روتے جاتے۔ قرآن شریف کا علم حاصل ہونے کے لئے بہت دعائیں کرتے۔ سجدوں میں جناب الٰہی میں گریہ وزاری کرتے۔ کوئی آیت اگر مشکل ہوتی تو اس کے معارف و حقائق کا علم پانے کیلئے ہمہ وقت اس آیت کو سامنے رکھتے اور نہایت عجز و الحاح سے دعائیں کرتے یہانتک کہ اس کا علم آپ کو مل جاتا۔ نئے معارف جب کھلتے تو یادداشت کے طور پر انہیں نوٹ کر لیتے۔ خدا جانے کتنی دفعہ قرآن شریف ختم کیا جس کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے۔ آپ کا ایک قرآن شریف مولانا محمد علی صاحب کے پاس بھی ہے جسے آپ نے سترہ سال پڑھا تھا۔ اور پڑھ پڑھ کر جس کے ورق بھی گھس گئے ہیں۔ اس کے حاشیہ پر اپنی قلم سے اوامر و نواہی کے نمبر بھی دیئے ہیں۔ مرزا سلطان احمد مرحوم کا بیان تھا کہ قرآن شریف ہزار دفعہ سے زیادہ ضرور پڑھا اور ختم کیا ہوگا حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب اس خیال سے کہ مبادا آپ کی صحت پر برا اثر پڑے زیادہ مطالعہ سے روکتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ آپ زمینداری کے کاموں میں لگ جائیں اور ان مقدمات میں ہاتھ بٹاویں جن کے ذریعہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دیہات کو واپس لینے کی کوشش کر رہے تھے مگر آپ کو قطعاً ان باتوں سے دلچسپی نہ تھی ✦

بلوغت اور انقطاع الی اللہ

خلوت پسندی اور یاد الٰہی حضرت مرزا صاحب کو خلوت پسندی کی عادت ابتدا سے تھی۔ لڑکپن میں سبق لیا بالاخانہ پر سب سے الگ جا بیٹھے اور پڑھتے رہے۔ لہو و لعب سے سخت نفرت تھی۔ اس کے ساتھ کچھ ایسا جذب جناب الٰہی کی طرف سے تھا کہ اس خلوت میں سوائے یاد الٰہی کے آپ کو کسی اور شغلہ سے دلچسپی نہ تھی۔ مطالعہ بھی تھا تو اسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس سے معرفت الٰہی میں کتنی ترقی ہو سکتی ہے یا مخلوق الٰہی کو کس قدر نفع پہنچ سکتا ہے یا دین کی کس قدر خدمت ہو سکتی ہے۔ جوانی میں انسان کے تمام جذبات حیوانی جوش اور ہیجان میں ہوتے ہیں مگر یہاں جوانی آئی اور ترقی اور جوش پیدا ہوا تو اسی محبت الٰہی میں جو آپ کی فطرت میں بطور بیج کے بوئی گئی تھی۔ جیسے جیسے جوانی آتی گئی ویسے ویسے

محبت اور عبادت الٰہی میں انہماک اور استغراق بڑھتا گیا اور قرآن کے علم کے حصول کا شوق ترقی کرتا گیا

شادی حضرت مرزا صاحب کی شادی اُنیس[1] سال کی عمر میں آپ کے والد صاحب نے کر دی۔ آپ کی شادی اپنے ماموں مرزا جمعیت بیگ صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔ جس سے دو لڑکے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد پیدا ہوئے دوسری شادی کا ذکر بعد میں آئیگا خدا کی شان آپ کی شادی خاندانی رسم و رواج کے خلاف نہایت سادگی سے ہوئی اور ہر ایک بدعت سے محفوظ رہی حالانکہ آپ کے بڑے بھائی غلام قادر صاحب کی شادی بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئی تھی اور ہر ایک قسم کی بدعت کا ارتکاب ہوا تھا +

استغراق میں فرق نہیں آیا جوانی کی عمر میں نئی شادی اکثر اپنی طرف جاذب ہوا کرتی ہے مگر آپ کیلئے جناب الٰہی کی طرف سے اس قدر جذب تھا کہ اگرچہ آپ بی بی کے ساتھ نہایت نیک سلوک کرتے اور حسن معاشرت برتتے تھے مگر خلوت پسندی اور عبادت الٰہی میں جو استغراق تھا اس میں دنیا کی کوئی کشش مخل نہ ہو سکتی تھی۔ آپ مسجد میں یا مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اس میں اکثر عبادت اور یاد الٰہی میں اپنا وقت گزارتے یہاں تک کہ کھانا بھی اپنے حجرہ میں ہی منگوا لیتے +

غذا آپ کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ اور جو کھانا بھی گھر سے آتا تھا اس کو چند یتیم اور مسکین بچوں میں تقسیم کر کے کھاتے تھے۔ کھانے کو چار پانچ حصوں میں تقسیم کر لیتے اور ہر ایک بچہ کو ایک ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن دیتے جاتے یہاں تک کہ آپ کے لئے صرف ایک روٹی بچتی اور بعض دفعہ ایک بھی نہ بچتی تو آپ فقط شوربا پینے پر اکتفا کرتے۔ یہ لوگ جو آپ کے کھانے میں حصہ بٹانے والے تھے علی العموم کھانے کے وقت آموجود ہوتے اور کبھی ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو آپ اس کا حصہ رکھ لیتے تھے۔ اس طرح پر کسی کو یہ فکر نہ ہوتا تھا کہ اگر وقت پر نہ گئے تو کھانا نہیں ملے گا بلکہ ہر ایک شخص مطمئن تھا کہ میرا حصہ جب بھی جاؤں گا محفوظ ملے گا۔ تیسرے پہر کو اگر بھوک لگتی تو آپ کابلی چنے بازار سے منگوا کر کھا لیتے۔ کبھی چائے بھی بنوا کر پی لیتے۔ غذا اس طرح کم ہوتے ہوتے اتنی قلیل رہ گئی تھی کہ آپ خود ہی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو عادہ فریہی کے پہلوان بھی ہو

[1] کسی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہوئی مگر اس خیال کے ماتحت ہے کہ آپ کے سنہ ولادت کو ۱۸۳۹ء قرار دیا جائے۔ لیکن جب میں ثابت کر آیا ہوں کہ سنہ ولادت ۱۸۳۵ء ہے تو پھر لازماً آپ کی عمر شادی کے وقت انیس سال کی ہونی چاہئے اور یہی صحیح ہے + (مؤلف)

میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جاوے تو نہیں اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جاوے۔" (البریہ)

عبادت آپ کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلعم سے عشق تھا اور آپ کی جو کچھ عبادات تھیں قرآن اور سنت سے کبھی متجاوز نہ ہوتی تھیں۔ پانچ وقت نماز کے علاوہ تہجد کی نماز کا بہت التزام تھا۔ اشراق کی نماز بھی پڑھ لیتے تھے مگر تہجد کی نماز سے بہت محبت تھی۔ نماز میں آپ کی توجہ الی اللہ اسقدر زبردست اور انہماک یہاں تک ہوتا تھا کہ گویا آپ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ نماز تہجد میں سورۃ فاتحہ کو بہت درد سے اور توجہ سے پڑھتے تھے اور بہت دعائیں کرتے تھے۔ ابتدا میں بعض دفعہ اگر نماز میں توجہ نہ ہوتی تھی تو آپ نماز بار بار پڑھتے تھے فرماتے تھے یہ نسخہ میں نے ایک شرابی سے سیکھا ہے ایک مرتبہ مجھے نماز میں حضوری قلب نہ ہوتی تھی تو میں جنگل کی طرف نکلا کہ وہاں جا کر نماز پڑھوں رستہ میں بازار پڑتا تھا وہاں ایک ہندو اپنے کسی دوست سے کہہ رہا تھا کہ رات ہم نے شراب کا ایک پیگ پیا مگر نشہ نہ ہوا تو پھر ہم نے دوسرا پیگ پیا۔ جب اس سے بھی نشہ نہ ہوا تو پھر تیسرا پیگ پیا۔ غرضکہ اسی طرح بار بار پیتا رہا یہاں تک کہ نشہ ہو گیا۔ فرماتے تھے کہ میں نے سوچا کہ میں بھی بار بار نماز پڑھوں گا یہاں تک کہ روحانی نشہ ہو جائے یعنی حضوری قلب حاصل ہو جائے۔ نماز کے علاوہ آپ کا وظیفہ قرآن شریف کی تلاوت۔ درود شریف اور استغفار رہتا تھا۔ قرآن کریم سے تو عشق تھا وہ تو دن رات اٹھتے بیٹھتے ٹٹولتے پڑھا کرتے اور زار زار رویا کرتے۔ درود شریف کثرت سے پڑھتے تھے اور سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اور اس درد سے پڑھتے کہ بعض دفعہ اس کے ساتھ گریہ و بکا بھی شامل ہوتا۔ اپنی عبادات کے متعلق ایک جگہ خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میں نے کبھی ریاضت شاقہ بھی نہیں کی ہیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔" (البریہ)

آپ آجکل کے صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے وظائف کو جو قرآن و سنت سے متجاوز ہیں بدعت سمجھتے تھے۔ بلکہ انہیں ایک نئی شریعت کے مترادف قرار دیتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ شعر رہتا تھا کہ:۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفٰے

آپ کی خلوت نشینی پر آپ کے والد ماجد کے ریمارکس

شروع شروع میں تو آپ کے والد ماجد کو آپ کی یہ خلوت نشینی بہت شاق گزری وہ چاہتے تھے کہ زمینداری میں لگیں۔ ان مقدمات کی پیروی کریں جن میں وہ خود لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کو دن رات مطالعہ میں مستغرق اور مسجد میں عبادت الٰہی میں مصروف دیکھتے تو کبھی کبھی چڑ کر فرماتے "یہ ہمارے گھر میں ملاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے"۔ کوئی حضرت مزاج صاحب سے ملنے آتا اور آپ کے متعلق دریافت کرتا تو فرماتے کہ:۔

"مسجد کے سقاوہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو۔ اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کہ کسی صف میں کوئی لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا۔ کیونکہ وہ زندگی میں ہی مرا ہوا ہے"۔

آپ کے والد صاحب کے یہ ریمارکس کس قدر معنی خیز ہیں۔ ایک باپ جو دن رات چاہتا ہے کہ بیٹا میرے مسلک پر لگے اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ میرا بیٹا دن رات عبادت الٰہی کا دلدادہ ہے۔ اور اس میں اسے اس قدر شغف ہے کہ وہ جیتے جی مر چکا ہے۔ یعنی اپنی تمام خواہشات وجذبات اور تمناؤں پر موت وارد کر کے وہ منقطع الی اللہ ہو چکا ہے۔ گویا خود باپ اس بات پر گواہ تھا کہ بیٹا موتوا قبل ان تموتوا (کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ) کا پورا پورا مصداق بن چکا ہے۔

آپ کی اس بڑھی ہوئی عبادت گزاری کے متعلق ایک دفعہ آپ کے والد صاحب کے ریمارکس سننے کے قابل ہیں۔ مرزا اسماعیل بیگ مرزا غلام اللہ مرحوم کے چچازاد بھائی تھے اس وقت لڑکے سے تھے۔ حضرت مزا صاحب کے پاس ملازم تھے۔ کام فقط یہ تھا کہ آپ کے گھر سے روٹی لے آیا کریں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے جایا کریں۔ سردیوں میں تہجد کے وقت گرم پانی لے آویں اور خود بھی تہجد پڑھیں دوسرے لفظوں میں یہ نماز اور تہجد پڑھنے کی نوکری ہوئی یا روٹی لانے اور کھانے کی۔ کیونکہ کھانے میں دوسرے یتیم بچوں کے ساتھ انہیں بھی حصہ ملتا تھا۔ تہجد کے وقت مرزا اسماعیل نہ جاگتے تو حضرت خود انہیں جگا لیتے۔ جگانے میں معمول یہ تھا کہ ہلا کر جگاتے۔ آواز نہ دیتے غالباً اس لئے کہ پچھلی رات کو زور کی آواز سے دوسروں کی نیند میں خلل نہ آوے۔ خیر تو ان کا بیان ہے کہ کبھی کبھی بڑے مرزا صاحب یعنی حضرت کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مجھے بلا لیتے۔ وہ آپ چارپائی پر لیٹے ہوتے۔ پاس دو کرسیاں پڑی ہوتیں ان میں سے ایک پر مجھے بٹھا کر دریافت کرتے کہ "سناتیرا مرزا کیا کرتا ہے"؟ میں کہتا کہ "قرآن دیکھتے رہتے ہیں"۔ اس پر وہ فرماتے کہ "کبھی سانس بھی لیتا ہے"۔ (یعنی کبھی قرآن پڑھتے پڑھتے درمیان میں وقفہ بھی کرتا ہے یا پڑھے ہی جاتا ہے بس ہی نہیں کرتا) پھر یہ پوچھتے کہ "رات کو سوتا بھی ہے"؟ میں جواب

دیتا کہ "ہاں سوتے بھی ہیں اور اُٹھ کر نماز بھی پڑھتے ہیں" اس پر فرماتے کہ "اس نے سارے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں۔ مَیں اوروں سے کام لیتا ہوں۔ دوسرا بھائی کیسا لائق ہے مگر یہ معذور ہے"

یہاں باپ تین باتوں کا گواہ نظر آتا ہے:۔ اوّل یہ کہ بیٹے کو قرآن سے وہ عشق ہے کہ اُس کے پڑھنے سے تھکتا ہی نہیں۔ دوم رات کو اس قدر عبادت کرتا ہے کہ شک ہے کہ رات کو سوتا بھی ہے یا نہیں۔ سوم سارے تعلقات دنیوی چھوڑ دیئے ہیں اور خدا کا ہو گیا ہے۔

باپ باپ ہی ہوتا ہے۔ بیٹا جوان ہو جائے مگر پدری شفقت ہر وقت جوش مارتی ہے۔ آپ سے جو کچھ ناراضگی تھی فقط اس وجہ سے تھی کہ آپ زمینداری اور مقدمات کی پیروی میں انکے حسب منشا دلچسپی نہیں لیتے تھے لیکن دل میں یہ جانتے تھے کہ بیٹا جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ صاف طور پر فرمایا:۔

"مَیں عرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ مَیں جانتا ہوں کہ کس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) اور سچ بات تو یہی ہے کہ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں" (البدر)

گویا بیٹے کا عبادت میں انہماک اور زہد اور دنیا سے قطع تعلّقی شفقت پدری کو ابھارتا تھا اور باپ چاہتا تھا کہ کسی طرح دنیا کے تلذّذ و تنعم سے یہ بھی حصّہ لے۔ علاوہ ازیں آپ کے مستقبل کا بھی فکر تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی یہ بھی نہایت رنج سے فرمایا کرتے تھے کہ "میرے بعد اس لڑکے کا گزارہ کس طرح ہوگا" یہ سب کچھ تھا لیکن ان کا ضمیر خوب محسوس کرتا تھا کہ صحیح راہ یہی ہے جس پر میرا یہ بیٹا پڑا ہوا ہے اور جس راہ پر ہم پڑے ہوئے ہیں وہ عمر کے ضائع کر دینے کے مترادف ہے۔ بعض دفعہ کھانے کے وقت فرمایا کرتے کہ "کسی نے اس میسیتڑ (پنجابی لفظ ہے جس کے معنے ہیں جو شب و روز مسجد میں پڑا رہے۔ مؤلف) کو بھی روٹی بھیجی ہے یا نہیں"؟ اللہ اللہ اس فقرہ کے اندر کس قدر شفقت پدری اور ترحم پنہاں ہے۔ اور آپ کے انقطاع الی اللہ پر خود باپ کی یہ گواہی کس قدر زبردست ہے۔

تدریس انہی ایام میں جبکہ آپ قادیان میں زاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے باوجود خلوت نشینی کے آپ کو اپنے والد صاحب کے ارشاد اور حکم کی تعمیل میں مقدمات کیلئے باہر بھی نکلنا پڑتا تھا۔ لیکن تاہم جو وقت بھی بچتا تھا اس میں اپنے مشاغل دینیہ کے بعد تعلیم و تدریس سے بھی مضائقہ نہ فرماتے تھے ایک طریقہ تعلیم کا تو یہ تھا کہ اپنے پاس آنے والے بچوں کو جن میں وہ کھانا کھانیوالے یتامیٰ بھی شامل تھے نماز۔ درود شریف اور دوسرے احکام اسلامی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو ملازم پاس ہوتا اُسے بھی

نماز پڑھواتے اور دین سکھاتے۔ کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو اسے استغفار اور درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے اور فرماتے کہ یہ ردّ بلا کا مؤثر نسخہ ہے۔ لیکن اس طریق کے علاوہ بعض لوگوں کو متعارف کتب کے سبق بھی پڑھا دیا کرتے۔ ان پڑھنے والوں میں مرزا سلطان احمد صاحب (آپ کے سب سے بڑے فرزند) بھی ہیں۔ وہ ایک وقت تک آپ سے بعض درسی کتب عربیہ پڑھا کرتے تھے۔ میاں علی محمد صاحب کو آپ نے گلستان بوستان پڑھائیں۔ بھائی کشن سنگھ جی قادیان کے مشہور لمبے کیسوں والے آریہ نے آپ سے طب پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے باوجود اپنی مصروفیتوں کے رد نہیں فرمایا۔ چنانچہ بھائی کشن سنگھ جی نے طب کے سبق شروع کر دیئے۔ ان کا بیان ہے کہ چونکہ عموماً دروازہ بند ہوتا تھا میری آہٹ پا کر آپ دروازہ کھول دیتے۔ اس ساری تدریس کے زمانہ میں میرا تجربہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ ان کی خدمت میں جاتے ہوئے ہم کو ذرا بھی جھجک اور حجاب نہ ہوتا تھا۔ ہم بے تکلف جس وقت چاہتے چلے جاتے۔ اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ نے اپنی مصروفیت یا آرام کرنے کا عذر کر کے ٹالدیا ہو۔ بعض اوقات آپ نے سوتے سے اُٹھ کر دروازہ کھولا ہے مگر برا نہیں منایا کہ تم نے آکر میرے آرام میں خلل ڈالا۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا کہ وہ کھانا کھاتے جاتے تھے اور پڑھاتے بھی جاتے تھے۔ اسی حالت میں بعض اوقات میری کتاب میں کوئی غلطی نکلی ہے تو آپ کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مستند کتاب نکال کر لائے اور اس غلطی کی اصلاح یا مشکوک امر کو درست کر دیا۔ میں نے ہر چند عرض کیا کہ آپ تکلیف نہ اُٹھائیں کھانا کھالیں بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر آپ نے میری اس درخواست کو نہ مانا اور فرمایا کہ "تمہارا ہرج ہوگا یہ ٹھیک نہیں"۔ غرضکہ آپ فقط عبادت الٰہی میں ہی مصروف نہ تھے بلکہ آپکا وجود مخلوق کے لئے ایک نافع وجود تھا جو ہمیشہ دوسروں کے کام آتا اور مخلوق کو فیض پہنچاتا رہتا تھا۔

مقدمات کی پیروی اور استبازی پر استقامت

مقدمات سے نفرت میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کو زمینداری اور اس کے متعلقہ مقدمات سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ سخت نفرت تھی۔ اور اسے آپ اپنے محبوب مشاغل ذکر الٰہی وغیرہ میں ہارج سمجھتے تھے لیکن اپنے والد ماجد کے حکم کی تعمیل میں انہیں یہ کام بھی کرنے پڑے۔ خود اپنی قلم سے کتاب البریہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں

میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا اسلئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا تھا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیا داروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے مجھ کو بار بار کہا کہ انکی پیشوائی کیلئے دو تین کوس جانا چاہئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کیلئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے ہر بالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف۔ صحیح اور سچی بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں" ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی حکومت کی ملازمت میں بسر ہوئی۔ چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشا کے موافق تھا میں نے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم اور صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلا کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ اُن کے منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالےٰ کی

عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردیٔ مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اسلئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔ ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم	جفت خوشی لان و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظنّ خود شد یارِ من	وز درونِ من نجست اسرارِ من

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور انہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصّہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور محزون رہتے تھے انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جس کا انجام آخر ناکامی تھا کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب (یعنی آپکے والد صاحب مرحوم) کے چند دیہات ملکیت باقی تھے۔ اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر میں نے اس پلید دنیا کیلئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کیلئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر گذشت و نماز دست جوانے چند
بہ کہ ز یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر قت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے:۔

ے ازدرِ تو اے کسِ ہر بیکسے ✦ نیست امیدم کہ رَوَم ناامید

اور کبھی دردِ دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے:۔ ے

بہ آبِ دیدۂ عشاق وخاکپائے کسے ✦ مرا دلے ست کہ در خون تپد بجائے کسے

حضرت عزّت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بہ روز آخری عمر میں اُن پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کردی..... اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخری حصّہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گزرا۔ اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے اور وہ سرایہ ہے: ع "کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا (یعنی حضرت مرزا صاحب کے والد مرحوم کا۔ ناقل) پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہوگئی اور شائد فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہوگئے۔ اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے اللّٰھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ آمین قریباً اسّی یا پچاسی برس کے عمر پائی ✦

والد صاحب کی اطاعت کیلئے مقدمات کی پیروی

الغرض حضرت مرزا صاحب اپنی طبیعت کے خلاف محض اپنے والد بزرگوار کے حکم کی اطاعت کے لئے مقدمات وغیرہ کی پیروی کے لئے جہاں کہیں وہ فرماتے چلے جاتے۔ اور اس کام میں بعض دفعہ بڑی بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے ✦

دلموزی کا سفر

متعدد مرتبہ آپ کو امرتسر اور لاہور اور گورداسپور اور دلموزی تک کے سفر کرنے پڑے۔ بعض مرتبہ قادیان سے دلموزی تک پاپیادہ سفر کیا۔ آج سے قریباً پچاس سال قبل راستوں اور سڑکوں کا ایسا اہتمام نہ تھا اور نہ سفر کی سہولتیں حاصل تھیں۔ پھر پہاڑوں کا دشوار گزار راستہ اور اُسے پاپیادہ طے کرنا آسان کام نہ تھا۔ مگر آپ نہایت ہمت اور جفاکشی سے کام لیکر ان پہاڑوں کی چڑھائی

اور اُترائی اور اکثر اوقات سفر اکثر پیدل طے فرماتے۔ کئی مرتبہ آپ نے ان ایام کے عجائبات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزہ آتا۔ میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقعہ ملتا تھا۔"

ایک دفعہ ڈلہوزی کے سفر کا ایک واقعہ سنایا کہ کسی مقدمہ کے واسطے میں ڈلہوزی جا رہا تھا۔ رستہ میں بارش آگئی۔ میں اور میرا ساتھی یکہ سے اُتر آئے اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی طرف گئے جو رستہ کے پاس تھا۔ میرے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اس نے روکا۔ اس پر ان کی باہم تکرار ہوگئی۔ اور مالک مکان تیز ہوگیا اور گالیاں دینے لگا۔ میں یہ تکرار سن کر آگے بڑھا۔ جونہی میری اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اس کے کہ کچھ بولوں اس نے اپنا سر نیچے ڈھال لیا اور کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ میری ایک جوان لڑکی ہے اس لئے میں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا۔ مگر آپ بے شک اندر آجائیں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ وہ ایک اجنبی آدمی تھا نہ میں اسے جانتا تھا اور نہ وہ مجھے جانتا تھا۔ خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ آپ کے چہرہ پر تقدس و طہارت کے نشانات ایسے ظاہر تھے کہ انہوں نے اُسے مطمئن کر دیا اور اس کا ڈر جاتا رہا۔

سفر میں طریق عمل مقدمات کے لئے بٹالہ اور گورداسپور اکثر جانا پڑتا۔ آپ کا طریق عمل یہ ہوتا تھا کہ آپ سواری کے لئے گھوڑا[1] لے لیا کرتے اور جو بھی رفیق یا خادم ساتھ ہوتا گاؤں سے باہر نکل کر اُسے گھوڑے پر سوار کرا دیتے اور خود پیدل چلتے۔ نصف رستہ تک پیدل چل کر پھر خود سوار ہوتے اور خادم پیدل چلتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ سارے رستہ خادم ہی گھوڑے پر سوار رہتا اور آپ پیدل ہی چلتے رہتے۔ یہی طریق واپسی پر آپ کا ہوا کرتا تھا۔ مرزا اسماعیل بیگ جو اس زمانہ میں آپ کے خادم تھے بیان کرتے ہیں کہ میں جب کبھی عذر کرتا اور کہتا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں تو گھوڑے پر سوار چلوں اور آپ پیدل چلیں تو آپ مسکرا کر فرماتے کہ "ہم کو پیدل چلتے شرم نہیں آتی تو تم کو سوار چلتے کیوں شرم آتی ہے"۔

پیدل چلنے کی عادت اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کا خود کارساز ہوا کرتا ہے۔ آپ کی دماغی محنت اور رات دن کی عبادت اور توجہ الی اللہ سے جو کوفت ہوتی تھی اس کی تلافی کے لئے جناب الٰہی نے خود جو ورزش

[1] کبھی آپ کے والد صاحب یکہ کرایہ پر دے دیتے جس پر آپ سوار ہو جاتے لیکن گاؤں سے باہر نکل کر اس سے اتر پڑتے اور ملازم یا جو کوئی رفیق سفر ہوتا اسے فرما دیتے کہ یکہ میں بیٹھے رہو۔ اور خود یکہ کے ساتھ ساتھ کتاب پڑھتے چلے جاتے۔ اور ملازم یکہ میں بیٹھا رہتا۔

آپ کے لئے تجویز کردی تھی وہ یہی پیدل چلنا تھا۔ سفر ہو یا حضر آپ کو پیدل چلنے یا ٹہلتے رہنے کی ایسی عادت تھی کہ کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ مسجد ہو یا مکان عبادت کے بعد اکثر ٹہلتے رہتے اور قرآن شریف پڑھتے جاتے۔ صبح کو سیر کرنے کی عادت تھی۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات تہجد کی نماز پڑھ کر سیر کو نکل پڑتے تو وڈالہ پہنچ کر جو بٹالہ کی سڑک پر قادیان سے قریباً ۵ میل پر ایک گاؤں ہے۔ صبح کی نماز کا وقت ہوتا۔ اس بڑھاپے میں جب آپ کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی اور بعض سخت بیماریاں آپ کے لاحق حال تھیں۔ آپ اکثر صبح کی سیر کو نکلا کرتے اور چار پانچ میل پھر آتے۔ اس خاکسار کو بھی آپ کے ہمراہ سیر کو جانے کا موقعہ ملا ہے۔ خاصہ تیز چلا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ مشکل سے آپ کا ساتھ دے سکتے تھے۔ بالخصوص حضرت مولانا نورالدین مرحوم تو بہت تھک جایا کرتے تھے تصنیف کا کام آپ کو بہت کرنا پڑتا تھا اور عام طور پر قاعدہ تو یہی ہے کہ بیٹھ کر ہی لوگ لکھا کرتے ہیں ورنہ توجہ قائم نہیں رہتی۔ لیکن آپ کی اس میں بھی خصوصیت قائم تھی کہ بیٹھے بیٹھے بھی لکھتے تھے اور صحن میں ٹہل ٹہل کر بھی لکھتے تھے۔ صحن کے ایک سرے پر ایک دوات اور دوسرے پر دوسری دوات رکھی ہوتی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے جب ایک سرے پر پہنچے تو وہاں سے سیاہی کا ڈوبا لے لیا۔ دوسرے سرے پر پہنچے تو دوسری دوات سے سیاہی کا ڈوبا لے لیا۔ انسان کو حیرت ہو جاتی ہے کہ کس بلا کی آمد تھی اور تحریر میں کس قیامت کا ہاتھ چلتا تھا کہ اتنی اتنی عظیم الشان تصانیف میں وہ حصہ بھی ہے جو ٹہلتے ہوئے لکھا ہے۔ ٹہلنے سے نہ دماغ کی آمد میں کوئی خلل واقع ہوتا تھا نہ تحریر میں کوئی خامی پیدا ہوتی تھی۔

بٹالہ کا قیام بٹالہ میں حضرت مرزا صاحب کے خاندان کی غیر منقولہ جائداد کچھ دوکانیں اور ایک بہت بڑی حویلی تھی جو آخر انہی مقدمات کے نتیجہ میں فروخت ہو گئیں۔ اس حویلی میں ایک بالاخانہ تھا۔ جب کبھی حضرت مرزا صاحب کو مقدمہ کی پیروی میں بٹالہ جانے کا اتفاق ہوتا تو اسی بالاخانہ میں قیام فرماتے۔ اس مکان کے دیکھ بھال کی خدمت ایک جولاہے کے سپرد تھی جو ایک غریب آدمی تھا۔ آپ وہاں پہنچکر اپنے لئے دو پیسے کی روٹی منگواتے۔ اس میں سے ایک روٹی کی چوتھائی کے ریزے پانی کے ساتھ کھا لیتے۔ باقی روٹی اور دال وغیرہ جو ساتھ ہوتی وہ اس جولاہے کو دیدیتے۔ مرزا دین محمد صاحب لنگڑال کے رہنے والے چونکہ عدم دعلوۃ کے پابند اور شریعت کے بہت دلدادہ تھے اور اسی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ بٹالہ جاتے ہوئے جب کبھی میں آپ کے ساتھ ہوتا تو آپ اپنے پیچھے مجھے گھوڑے پر سوار کرا لیتے۔ بٹالہ پہنچکر خود تو

دو پیسے کی روٹی منگاتے جس میں سے چوتھائی روٹی پانی کے ساتھ کھا کر باقی اس جولاہے کو دیدیتے اور مجھے الگ چار آنے روٹی کے لئے دیدیتے۔ آپ خود بہت کم کھایا کرتے تھے۔ کسی قسم کے چسکے کی عادت نہ تھی۔

غرض ان مقدمات کی پیروی میں آپ خدام کے ساتھ بہترین سلوک کرتے اور اپنے سے زیادہ ان کے کھانے اور آرام کا فکر فرماتے۔

مقدمات کیلئے تیاری اگرچہ مقدمات کی پیروی آپ کی طبیعت کے سراسر خلاف تھی اور ان باتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ لیکن اس کے یہ معنے نہ تھے کہ آپ نے لاپروائی سے مقدمہ بگاڑ دیا ہو۔ اور صحیح طور پر پیروی نہ کرنے سے عدالت میں شکست کھائی ہو۔ نہیں آپ تمسک بالاسباب پورا پورا کرتے اور ہر ایک جائز طریق پر ہر مقدمہ کے لئے پورا پورا تیار ہو کر جاتے۔ ہر مقدمہ کے متعلق ضروری کاغذات و شواہد کا خلاصہ تحریر کر لیتے۔ اور ہر ایک قسم کے کاغذات کی جو شامل مثل کرتے یا عرضی دعویٰ وغیرہ جو ہوتا تو ان کی نقول رکھتے تاکہ عند الضرورت مقدمہ کے سمجھنے یا سمجھانے میں آسانی ہو۔ اور ان مقدمات میں اگرچہ آپ کے والد صاحب آپ سے پوچھتے نہ تھے مگر آپ خرچ کی ہر ایک تفصیل ساتھ ساتھ لکھتے جاتے۔

دعا اور راستی پسندی باوجود اس کے کہ آپ تیاری مقدمہ میں پوری محنت اور کوشش فرماتے تھے۔ مگر کبھی جھوٹ اور ناجائز ذرائع سے کام نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے مقدمات کے متعلق دعائیں بھی کرتے تو اس میں بھی ہر وقت جناب الٰہی کی رضا مدنظر رہتی تھی۔ اور دعا بھی یہی کرتے تھے کہ جو بات حق اور عدل پر مبنی ہو اُسی پر مقدمہ فیصلہ ہو۔ جس رات کی صبح آپ کو تاریخ مقدمہ پر جانا ہوتا تو عشا کی نماز مسجد میں پڑھ چکنے کے بعد نمازیوں سے کہتے کہ "مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے۔ میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جائے اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ حق کس طرف ہے پس جو اس کے علم میں حق ہے اس کی تائید اور فتح ہو" دعا کے لئے آپ خود بھی ہاتھوں کو خوب پھیلاتے اور دیر تک دعا مانگتے اور تمام حاضرین بھی دعا میں شریک رہتے۔ غرضکہ ان مقدمات میں یہ دعا نہ کرتے کہ ہمیں ہی فتح ہو بلکہ یہی دعا کرتے تھے کہ حق کی فتح ہو۔ جھوٹ اور جھوٹی گواہیوں سے اس قدر نفرت تھی کہ بعض دفعہ وکلا آپ کا مقدمہ چھوڑ دیتے اور کہدیتے کہ آپ اگر جھوٹ نہ بولیں گے تو مقدمہ نہ جیت سکیں گے۔ مگر آپ صریح نقصان کو دیکھتے ہوئے بھی کبھی راستی کو نہ چھوڑتے اور وکلا کو صاف طور پر کہدیتے کہ چونکہ اسباب سے کام لینے کا حکم ہے اس لئے تمسک بالاسباب کے طور پر ہم آپ کو وکیل بناتے ہیں۔ والا ہم جانتے ہیں کہ کوئی امر

دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوتا جب تک پہلے اس کا فیصلہ آسمان پر نہ ہو۔ پس ہم آپ کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کر سکتے"۔ دنیا دار لوگ حیران ہوتے مگر آپ ذرا بھی نہ پرواکرتے اور خدا کی شان ہے ایسے موقعوں پر جناب الٰہی کی طرف سے آپ کی حفاظت خارق عادت طور پر ہوتی۔

مقدمات میں راستبازی کی ایک مثال

مقدمات میں راستبازی پر استقامت کا ایک واقعہ حضرت مرزا صاحب کا بہت دلچسپ ہے جو اگرچہ ۱۸۷۷ء یا ۱۸۷۸ء کا ہے یعنی آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے بعد کا ہے اور وہ مقدمہ بھی خاص آپ کی ذات سے ہی تعلق رکھتا ہے مگر اس جگہ آپ کی راستبازی کے نمونہ کے طور پر بیان کرنا نہایت مناسب ہے۔ آپ کے ہی قلم سے یہ واقعہ سنیں۔ فرماتے ہیں:۔

"تخمیناً پندرہ یا سولہ سال (۱۸۷۷ء یا ۱۸۷۸ء کا واقعہ ہے) کا عرصہ گزرا ہوگا یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام رلیا رام تھا اور وہ وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار "وکیل ہندوستان" بھی نکلتا تھا۔ ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دو طرف کھلی تھیں بھیجا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جس میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کیلئے تاکید بھی تھی۔ اس لئے وہ عیسائی مخالفت مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا۔ اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کیلئے یہ موقعہ ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا جس کی اس عاجز کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ایسے جرم کی سزا میں قوانین ڈاک کے رو سے پانچ سو روپے جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اس نے مخبر بن کر افسرانِ ڈاک سے اس عاجز پر مقدمہ دائر کر دیا۔ اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی کچھ اطلاع ہو۔ رویا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے اسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیجدیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آسکتی ہے۔ غرض میں اس جرم میں صدر ضلع گورداسپور میں طلب کیا گیا اور جن جن وکلا سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجز دروغ گوئی اور کوئی راہ نہیں۔ اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دیدو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔ رلیا رام نے خود ڈال دیا ہوگا۔ اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان

کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جانے گا۔ اور دو چار جھوٹے گواہ دیکر بریت ہو جائے گی۔ ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر میں نے ان سب کا جواب دیا کہ میں کسی حالت میں راستی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جو ہوگا۔ سو ہوگا۔ تب اسی دن یا دوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانجات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا۔ اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا۔ اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے۔ تب میں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے۔ اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کیلئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی ہیچ کی بات تھی۔ اس بات کے سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا۔ اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانجات نے بہت شور مچایا۔ اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو میں نہیں سمجھتا تھا مگر اس قدر میں سمجھتا تھا کہ ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو نو کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنے تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی۔ اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ سے کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت۔ یہ سن کر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجالایا جس نے ایک انگریز افسر کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی برکت سے ہی خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اتارنے کے لئے ہاتھ مارا۔ میں نے کہا کیا کرنے لگا ہے۔ تب اس نے ٹوپی کو میرے سر پر رہنے دیا۔ اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے"۔

مقدمات میں استبازی کی دوسری مثال

دوسری مثال بھی خود حضرت مرزا صاحب کے قلم سے ہی سنو۔ فرماتے ہیں:۔

"میرے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو پر بدیں بنیاد نالش کی کہ اس نے ہماری زمین پر مکان بنالیا ہے اور مسماری مکان کا دعویٰ تھا۔ اور ترتیب مقدمہ میں ایک امر خلاف واقعہ تھا جس کے ثبوت سے وہ مقدمہ ڈسمس ہونے کے لائق ٹھیرتا تھا۔ اور مقدمہ کے ڈسمس ہونیکی حالت میں نہ صرف سلطان احمد کو بلکہ مجھ کو بھی نقصان تلف ملکیت اٹھانا پڑتا تھا۔ تب فریق مخالف نے موقعہ پا کر میری گواہی لکھوا دی۔ اور میں بٹالہ میں گیا اور بابو فتح دین سب پوسٹماسٹر

کے مکان پر جو تحصیل بٹالہ کے پاس ہے جا ٹھہرا۔ اور مقدمہ ایک ہندو منصف کے پاس تھا جس کا اب نام یاد نہیں رہا مگر ایک پاؤں سے وہ لنگڑا بھی تھا۔ اس وقت سلطان احمد کا وکیل میرے پاس آیا کہ اب وقت پیشی مقدمہ ہے آپ کیا اظہار دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ اظہار دوں گا جو واقعی امر اور سچ ہے۔ تب اس نے کہا کہ پھر آپ کے کچہری جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں جاتا ہوں تا مقدمہ سے دست بردار ہو جاؤں۔ سو وہ مقدمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے محض رعایت صدق کی وجہ سے آپ خراب کیا۔ اور راست گوئی کو ابتغاء لمرضات اللہ مقدم رکھ کر مالی نقصان کو ہیچ سمجھا۔ یہ آخری دو نمونے بھی بے ثبوت نہیں۔ پہلے واقعہ کا گواہ شیخ علی احمد وکیل گورداسپور[۱] اور سردار محمد حیات خاں صاحب سی۔ ایس۔ آئی ہیں۔ اور نیز مثل مقدمہ دفتر گورداسپور میں موجود ہوگی اور دوسرے[۲] واقعہ کا گواہ بابو فتح دین اور خود وکیل جس کا اس وقت مجھ کو نام یاد نہیں۔ اور نیز وہ منصف جس کا ذکر کر چکا ہوں ..... اس مقدمہ کا ایک گواہ نبی بخش پٹواری بٹالہ بھی ہے۔"

مقدمات میں راستبازی کی تیسری مثال

ایک اور واقعہ جو حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کی وفات کے بعد کا ہے وہ بھی سن لو۔ ان دنوں آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر ابھی زندہ تھے۔ یہ قصہ بھی حضرت صاحب کے ہی قلم سے سنو:۔

"میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ صاحب لاہوری نے شرکاء ملکیت قادیان سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر صاحب پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر

---

[۱] ڈاک خانہ والے مقدمہ میں شیخ علی احمد مرحوم پلیڈر آپ کے پیروکار تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب انکے کہنے کے مطابق عمل کرنے کو تیار نہیں تو انہوں نے مقدمہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس لئے کہ ان کے خیال میں ان حالات میں حضرت مرزا صاحب کی بریت ناممکن تھی۔ کیونکہ ۱۸۶۶ء کے ایکٹ ۱۴ دفعہ ۱۲ و ۵۶۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا کے نوٹیفکیشن نمبر ۲۴۴۲ مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۷۶ء کے رو سے فیصل جرم تھا جسکی سزا وہی ہے جو حضرت مرزا صاحب نے لکھی ہے۔ مگر خدا نے جس کی رضا کیلئے حضرت مرزا صاحب نے اپنے تئیں خطرہ میں ڈالا تھا اپنی قدرت کاملہ دکھلا دی اور آپ بری ہو گئے۔ آپ اکیلے ہی پیش ہوتے تھے مگر خدا آپ کے ساتھ تھا حسبنا اللہ ونعم الوکیل اللہ سے بہتر اور کون وکیل ہو سکتا ہے۔ فانی فی اللہ لوگوں کا وکیل خود خدا ہوا کرتا ہے۔ [۲] مرزا سلطان احمد صاحب والے مقدمہ میں جو مکان متنازعہ فیہ تھا وہ وہی مکان ہے جو اکثر احباب نے جامع مسجد کے پاس ایک بڑی پختہ حویلی کی صورت میں بمقام قادیان دیکھا ہے۔ اس مکان کا مالک ایک ہندو ڈاکٹر اسسٹنٹ کمشنر تھا جب پنشن لیکر آیا تو اپنے مکان کے سامنے بڑے دماغ اور تکبر سے بیٹھا رہا کرتا تھا اور مسجد آتے جاتے لوگوں کو کبھی ٹوکا بھی کرتا تھا۔ سلسلہ کا بڑا دشمن تھا۔ سنا ہے جب اس مکان کو بلند کرنے لگا تھا تو حضرت نے کہلا بھیجا تھا کہ مسجد سامنے ہے ایسا نہ کرو۔ شاہی خیمہ کے پاس مکان بلند کرنا اچھا نہیں۔ اس بے ادبی سے باز آجاؤ مگر وہ متکبر انسان کب باز آتا تھا۔ خدا کی قدرت! اس گھر میں ہی مہینہ دیکھتے ہی دیکھتے فوتی بھی نہ دیا۔ صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی۔ حضرت مولانا نور الدین مرحوم نے حضرت مرزا صاحب سے عرض کیا کہ وہ مکان بکتا ہے حضور اگر چاہیں تو خرید لیں۔ فرمایا کہ میں اس مکان کو دس روپے پر بھی نہیں خریدتا۔" (مؤلف)

کرا دیا۔ اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکاء کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد صاحب نے تن تنہا مقدمات کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کے بازیافت کے لئے آٹھ ہزار کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا جس میں وہ شرکاء ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔ سو ان مقدمات کے اثناء میں جب میں نے فتح کے لئے دعا کی تو یہ الہام ہوا۔ اجیب کل دعائک الا فی شرکائک[1] یعنی تیری ہر ایک دعا قبول کروں گا۔ مگر شرکاء کے بارے میں نہیں۔ سو میں نے اس الہام کو پا کر اپنے بھائی اور تمام زن و مرد و عزیزوں کو جمع کیا جو ان میں سے بعض اب تک زندہ ہیں اور کھول کر کہہ دیا کہ شرکاء کے ساتھ مقدمہ مت کرو۔ یہ خلاف مرضیٔ حق ہے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور آخر ناکام ہوئے۔ لیکن میری طرف سے ہزار ہا روپے کا نقصان اٹھانے کیلئے استقامت ظاہر ہوئی اس کے وہ سب جو اب دشمن ہیں گواہ ہیں۔ چونکہ تمام کاروبار زمینداری میرے بھائی کے ہاتھ میں تھا اس لئے میں نے بار بار ان کو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور آخر نقصان اُٹھایا"۔

مقدمات آپ کے تعلق باللہ میں مانع نہ ہو سکتے تھے

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ آپ کے والد صاحب نے جو آباؤ اجداد کی کھوئی ہوئی جاگیر حاصل کرنے کے لئے مقدمات کر رکھے تھے ان کا سلسلہ بڑا لمبا تھا اور ان کے علاوہ مختلف مقدمات زمینداری کے بھی چلے چلتے تھے۔ ان مقدمات کی پیروی کے لئے آپ کو بٹالہ گورداسپور، ڈلہوزی، امرتسر اور لاہور تک جانا پڑتا تھا اور بعض مقدمات کی آپ کو چیفکورٹ پنجاب میں بھی پیروی کرنی پڑی۔ لیکن اس تمام تگ و دو کے اندر حضرت مرزا صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ دست بہ کار و دل بہ یار۔ توجہ الی اللہ میں خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں کبھی

---

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہاں اجیب کل دعائک کے یہ معنے نہیں کہ میں ہمیشہ تیری ہر ایک عاسنوں گا خدا قادر ہے۔ بندہ کی جس دعا کو چاہے سنے اور جس دعا کو نہ چاہے نہ سنے اور اپنے علم و حکمت کے ماتحت رد کر دے۔ پس یہاں کل کا لفظ نسبتی ہے یعنی آپ ان دنوں میں جتنی دعائیں کر رہے تھے ان میں سے ہر ایک کی قبولیت کی خوشخبری دی گئی سوائے ان کے جو آپ کے شرکاء کے متعلق تھیں۔ یہ الہامی فقرہ قاعدہ کلیہ کے طور پر نہیں تھا بلکہ اسوقت کے حالات کے مطابق تھا۔ لطف یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا فائدہ تھا کہ مقدمات میں عام طور پر ہی دعا کیا کرتے تھے کہ جدھر حق ہو اُدھر فیصلہ ہو مگر اس مقدمہ میں اپنی طرف حق کا سقد یقین تھا کہ اپنی فتح کیلئے دعا کی لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی مقدر تھا کہ اس معاملہ میں ابتلا کے طور پر آپ کو ایک زبردست مالی نقصان اٹھانا پڑے گا سو آپ اس قربانی کیلئے اسقدر تیار پائے گئے کہ اس الہام کے ہوتے ہی کہ اس معاملہ میں میں تیری دعائیں قبول کروں گا آپ نے فوراً مقدمہ سے دستبردار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا اور ہزار ہا روپے کی ذرا بھی تو پروا نہ کی۔ کوئی دوسرا ہوتا تو الہام کی تاویلیں کر لیتا۔ مگر کیا ایمان تھا اور کس قدر رضا بالقضا کیلئے آپ کے اندر آمادگی تھی۔ کہ جناب الٰہی کے طرف سے اشارہ پاتے ہی آپ ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اپنے مالی فوائد پر چھری پھیرنے میں ذرا بھی تو تامل نہیں کیا۔

ایں چنیں باید خدا را بندۂ ✦ سر بپائے دلدار خود افگندۂ

فرق نہ آتا تھا۔ عام طور پر فریقین مقدمہ میں خواہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ایک اضطراب و بیقراری کی حالت نظر آتی ہے مگر حضرت مرزا صاحب کی طبیعت میں کبھی بے چینی اور گھبراہٹ نہ ہوتی تھی۔ وہ جو قرآن مجید میں لکھا ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ یعنی سن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی قلوب اطمینان پکڑتے ہیں وہ آپ میں نمایاں نظر آتا تھا۔ آپ نے مقدمہ کے دوران میں کبھی کوئی نماز قضا نہیں کی عین کچہری کے احاطہ میں آپ نماز کے وقت نماز میں اس طرح مشغول ہو جاتے گویا آپ کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور اُدھر مقدمہ میں طلبی ہو گئی مگر آپ اسی طرح اطمینانِ قلب سے نماز میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر فرماتے تھے کہ:۔

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا چپڑاسی نے آواز دی مگر میں نماز میں تھا۔ فریق ثانی پیش ہو گیا۔ اور اس نے یک طرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور بہت زور اس بات پر دیا مگر عدالت نے پروانہ کی۔ اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دیدی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اُس نے کہا کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں"۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ کی زندگی میں ملتی ہیں:۔

مقدمات سے بالطبع نفرت تھی

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ محض اپنے والد صاحب کی اطاعت کی خاطر آپ نے مقدمات کی پیروی کا بار اپنے سر لیا ہوا تھا ورنہ آپ کو ان چیزوں سے سخت نفرت اور کراہیت تھی۔ مقدمہ ہار جائے یا جیت جائے آپ کو اس سے غرض نہ تھی۔ آپ اپنی طرف سے جس قدر تیاری مقدمہ کے لئے ہو سکتی تھی کرتے تھے۔ جائز سعی اور تدبیر میں کمی نہ کرتے تھے۔ اس کے بعد نتیجہ کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔ آپ کا توکل اور رضا بالقضا کا مقام اس امر سے بہت ارفع و اعلیٰ تھا کہ مقدمہ کے ہارنے سے کوئی غم ہو یا جیتنے سے کوئی خوشی ہو۔ البتہ جب ایک مقدمہ ختم ہوتا خواہ اس میں شکست ہی ہوئی ہو تو اس بات سے آپ کو ضرور خوشی ہوتی تھی کہ مفت کے ایک دنیوی جھنجٹ سے نجات ملی۔ میں ایک مثال سے اپنے بیان کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ لاہور آپ ایک مقدمہ کی پیروی کے واسطے تشریف لے گئے تو وہاں سید محمد علی شاہ صاحب کے مکان پر ٹھیرے۔ سید محمد علی شاہ صاحب قادیان کے معززین میں سے تھے اور ان دنوں وہ محکمہ جنگلات میں ملازم تھے اور لاہور میں رہتے تھے۔ چونکہ اس دوران قیام میں حضرت مرزا صاحب کو دن کا بیشتر حصہ چیفکورٹ میں ہی گزارنا پڑتا تھا۔ اسلئے ایسا ہوا کرتا تھا

کہ شاہ صاحب موصوف کا ملازم حضرت مرزا صاحب کیلئے کھانا چیفکورٹ ہی میں لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ کھانا اپنے ساتھ ہی واپس لیکر آگیا۔ شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے کھانا نہیں کھایا تو نوکر نے جواب دیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ گھر پر ہی آکر کھانا کھاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مرزا صاحب بہت خوش اور بشاش آپہنچے۔ شاہ صاحب نے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں؟ کیا فیصلہ ہوا؟ تو فرمایا کہ "مقدمہ تو خارج ہوگیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہوگیا"۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ گو اس مقدمہ کا نتیجہ حضرت مرزا صاحب نے پہلے سے بتا دیا ہوا تھا۔ مگر مجھے تو فیصلہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ مگر حضرت مرزا صاحب نہایت مطمئن اور بشاش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ "مقدمہ ہارنا کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لئے غم کیا جائے"۔ یہ ہوتا ہے نفس مطمئنہ۔ آپ کے والد صاحب نے اپنے آباؤ اجداد کی جاگیر واپس لینے کے لئے مقدمہ کیا ہوا تھا۔ آخری مرحلہ چیف کورٹ میں طے ہونا تھا۔ وہاں مقدمہ خارج ہوتا ہے یوں سمجھو کہ ہزاروں لاکھوں روپے کی جاگیر پر پانی پھر جاتا ہے اس جائداد کے وارث آخر کو اپنے بھائی کے ساتھ حضرت مرزا صاحب بھی ہوتے مگر یہاں کوئی فکر ہی نہیں بلکہ خوشی ہے کہ روز روز کے دردسر سے نجات ملی۔ یاد الٰہی کے لئے اب موقعہ اچھا ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کیسی رگ وپے میں رچی ہوئی ہے! کہ ہر چیز اس پر سے قربان ہے +

ملازمت

جموں کا سفر آپ کے والد صاحب نے جب دیکھا کہ زمینداری اور اس کے لوازمات مقدمات میں آپ کا دل نہیں لگتا تو ملازمت کی طرف توجہ کی۔ آپ کے والد صاحب ریاست کشمیر میں ایک معزز عہدہ پر رہ چکے تھے۔ ریاست پر آپ کے حقوق تھے۔ ایک برادر زادہ کی تحریک پر آپ نے حضرت مرزا صاحب کو جموں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ملازمت کے لئے حضرت مرزا صاحب اور سید محمد علی شاہ صاحب کلانور کے رستہ جموں تشریف لے گئے۔ رستہ میں بھی آپ کی توجہ الی اللہ اور استغراق اور محویت کا یہ عالم تھا کہ کلانور کے نالے سے گزرتے ہوئے آپ کی جوتی کا ایک پاؤں نکل گیا مگر آپ کو پتہ بھی نہ لگا جب تک دُور جاکر آپ کو یاد نہیں کرایا گیا۔ آخر جموں پہنچے۔ مگر ریاستوں کی نوکریوں میں خوشامد اور خوشامد کا رنگ بہت غالب ہوتا ہے۔ اور ان باتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ اس لئے وہاں ملازمت کرنے کو دل نہ چاہا۔ جتنے دن رہے نماز اور قرآن شریف کی تلاوت میں وقت گزارا۔ آپ کے والد صاحب کو پتہ لگا تو چند روز کے بعد ایک رشتہ دار کو بھیج کر بلوالیا +

سیالکوٹ میں ملازمت اب آپ کے والد صاحب کو خیال ہوا کہ سرکاری نوکری کرائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کر کے آپ کو سیالکوٹ میں اہلمد متفرقات کی آسامی پر ملازم کروا دیا۔ جہاں آپ چار برس رہے۔ یہ ۱۸۶۴ء کا واقعہ ہے۔ آپ نے دوران ملازمت میں اللہ تعالیٰ اور اپنے افسران بالا اور دیگر مخلوق کے حقوق و فرائض کو احسن طریق پر ادا کیا۔ اور آپ کی راستبازی دیانت اور امانت تقویٰ وطہارت اور نیک روش نے ہر ایک دوست دشمن سے خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ کے قیام سیالکوٹ کے حالات شمس العلماء جناب سید میر حسن صاحب مرحوم نے جو خاکسار مؤلف کے فارسی اور عربی کے اُستاد تھے اور بہت بڑے ادیب اور فاضل اجل تھے ایک خط میں تحریر فرمائے ہیں جسے شیخ یعقوب علی تراب صاحب ایڈیٹر "الحکم" نے شائع کیا تھا۔ میں اُس خط کو بجنسہٖ یہاں نقل کئے دیتا ہوں کیونکہ وہ ایک ایسے بزرگ کی شہادت ہے جو اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے مرید نہ تھے مگر اُن کی انصاف پسندی اخفائے حق کی متحمل نہ ہو سکتی تھی:۔

سید میر حسن صاحب کا خط حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول اور لغو سے مجتنب اور محترز تھے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ لالہ بھیم سین وکیل جن کے نانا ڈپٹی مٹھن لعل صاحب بٹالہ میں اسسٹنٹ تھے ان کے بڑے رفیق تھے۔ اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے اس لئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا۔ پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے تو لالہ صاحب ہی تھے۔ اور چونکہ لالہ صاحب طبع سلیم اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔ مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور اُن پر جاسوسی کا شبہ ہوا تو ڈپٹی کمشنر صاحب جن کا نام پرکنسن تھا اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے۔ اس واسطے مرزا صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ جو جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب وہ دیں اُردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کما حقہٗ ادا کیا۔

تب آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔

اس زمانہ میں مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے (اب اس عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس مشہور ہے) کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم ہوا کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں۔ مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک یا دو وقت میں انگریزی کی پڑھیں[1]

"مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الایشہ صاحب جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے۔ مباحثہ ہوا پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی" مرزا صاحب نے فرمایا "نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجئے" پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے۔ اور کہا۔ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری ٹیلر صاحب ایم۔ اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہدپور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسی۔ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درختِ ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

---

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ مولوی میر حسن صاحب کا علم اس بارہ میں یقینی نہیں حضرت مرزا صاحب نے انگریزی شروع کی ہوگی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذکر الٰہی کے مشاغل نے آگے چلنے نہ دیا کیونکہ بعد میں ہم نے خود جس زمانہ میں انہیں دیکھا ہے وہ انگریزی قطعاً نہ جانتے تھے جو کچھ شد بد پڑھی ہوگی وہ قطعاً بھول چکے تھے۔ ایک مرتبہ اس زمانہ میں جبکہ آپ کے مریدہزاروں کی تعداد کو پہنچ چکے تھے اور آپ خود دائم المریض تھے۔ آپنے مفتی محمد صادق صاحب سے اس خیال سے انگریزی پڑھنی چاہی تھی کہ اس زبان میں یورپین اقوام میں تبلیغ کر سکیں مگر کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ فرماتے تھے "انگریزی چالیس تجدد کی دعاؤں میں آجاتی ہے" آپ کو یہ تجربہ عربی زبان میں ہو چکا تھا کہ دعاؤں سے خدا نے وہ عربی کا علم دیا کہ عربی لکھنے میں عرب عجم کو چیلنج دیدیا مگر آپنے انگریزی پڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ فرمانے لگے۔ اگر اس زبان میں تبلیغ کا کام بھی میں ہی کروں تو پھر میرے دوستوں کے لئے کیا رہے۔ اس لئے یہ حصہ میں جماعت کے لئے چھوڑتا ہوں تاکہ وہ بھی اس جہاد کے ثواب میں شامل ہو سکیں۔

"پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ جب پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے کچہری میں تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانیوالا ہوں اس واسطے ان سے آخری ملاقات کروں گا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے۔ اسواسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں متوحد تخلص کیا کرتے تھے اور مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔

کچہریوں کے منشیوں سے شیخ الہ داد مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت انس تھا اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزت گزین اور عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے مرزا صاحب کو دلی محبت تھی۔

چونکہ جس بیٹھک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے اور وہ سربازار تھی اور اس دکان کے بہت قریب تھی جس میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم سامان دواسازی اور دوا فروشی اور مطب رکھتے تھے اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہوگیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا کچھ حصہ بھی پڑھا۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتب کا مطالعہ شروع کیا پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے۔ وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے۔ سچ ہے:۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ان دنوں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی اُستاد کی ضرورت تھی جس کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی میں نے (یعنی مولانا سید میر حسن صاحب نے) عرض کی آپ درخواست بھیج دیں۔ چونکہ آپ کی لیاقت عربی زباندانی کی نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر

ہو جائیں گے۔ فرمایا "میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بنا لیتے ہیں۔ اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم" اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیا کو احتلام کیوں نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ انبیا سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے۔ اسواسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا"

ایک مرتبہ لباس کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ "بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے۔ اور اس میں پردہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے" سب نے اس کو پسند کیا۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفا دے کر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

اسی سال سرسید احمد خاں صاحب غفرلہٗ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ الہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثنار گفتگو میں سرسید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا "کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں"۔ جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونو مقام آپ نے سنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی غرضیکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سے متجاوز نہ تھی"

(راقم۔ میر حسن)

تتمہ خط جناب شمس العلما سید میر حسن صاحب

شمس العلما سید میر حسن صاحب کا ایک اور خط بطور تتمہ کے جو شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے شائع کیا ہے وہ بھی نقل کئے دیتا ہوں:۔

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرانا می کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حسب عادتِ زمانہ صاحب حاجات جیسا کہ اہل کاروں کے پاس جاتے ہیں ان کی خدمت میں بھی آجایا کرتے تھے۔ اسی عمرانا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو قاضی احمد محلہ میں موقر تھا آپ بلا کر فرماتے "میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حاکم نہیں ہوں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کرآتا ہوں" فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے۔ جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بعہ منصب علی حکیم کے رہا کرتے تھے جو وثیقہ نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل دین نام بوڑھے دکاندار تھے جو رات کو بھی دکان پر ہی رہا کرتے تھے۔ ان کے اکثر احباب شام کے بعد ان کی دکان پر آجاتے تھے۔ چونکہ شیخ صاحب پارسا آدمی تھے اس لئے جو وہاں شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے اور گاہ گاہ نصراللہ نام عیسائی جو ایک مشن اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے آجایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔ مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے۔ کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا

فینا لنھدینھم سبلنا۔ مولوی محبوب عالم صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیشروی تو عیاں ہے مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔ اس کا مفصل حال یوں ہے کہ ایک دفعہ کچہری برخاست ہونے کے بعد جب اہل کار گھروں کو واپس ہونے لگے تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں آخر ایک شخص بلا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لیجاتا ہوں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔ آخر شیخ الہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو۔ جوتیاں ایک آدمی نے اُٹھالیں۔ اور پہلے ایک شخص اس پل پر بھیجا گیا تا کہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پل پر پہنچا۔ مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے جب پل پر پہنچے تو ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا"۔

(راقم۔ میر حسن)

مقام سیالکوٹ کے زمانہ کے متعلق ایک اور شہادت

سیالکوٹ کے قیام کے زمانہ میں آپ کا عنفوان شباب تھا۔ آپ نہایت وجیہ اور مردانہ حسن کا نمونہ تھے مگر آپ کی زندگی نہایت پاکیزہ اور بے لوث تھی جس کے معترف وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے کسی وجہ سے آپ کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا۔ ان میں سے ایک مولوی سراج الدین احمد صاحب بانی اخبار زمیندار ہیں۔ وہ منشی ظفر علی خاں صاحب موجودہ مالک زمیندار اخبار کے والد تھے۔ انہوں نے قیام سیالکوٹ کے بارے میں اپنے "اخبار زمیندار" میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ:-

مرزا غلام احمد صاحب سنہ ۱۸۶۰ء یا سنہ ۱۸۶۱ء[1] کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۴ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے"۔

[1] سن کے متعلق مولوی سراج الدین احمد صاحب کی یادداشت نے غلطی کی ہوگی کیونکہ حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ تشریف

ملازمت بھی عبادت کا رنگ رکھتی تھی

آپ سیالکوٹ میں سرکاری ملازم تھے مگر ملازمت تھی تو وہ بھی عبادت تھی۔ کیونکہ کوئی معاملہ جناب الٰہی کی رضا کے خلاف نہ کرتے تھے۔ گھر میں تو خیر سوائے ذکر الٰہی اور قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ کے اور کسی بات سے سروکار ہی نہ تھا ہاں نہ ہبی مباحثوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں پادری بٹلر کے دل پر جو ایک قابل یورپین پادری تھا اس قدر اثر پڑا کہ وہ حضرت مرزا صاحب سے ملنے آپ کے مکان پر بھی آیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا حضرت مرزا صاحب کے پاس اس طرح آنا جانا دوسرے پادریوں کو ناگوار گزرا اور انہوں نے اسے کہنہ یا کہ اس میں آپ کی اوورشن کی ہتک ہے۔ آپ وہاں نہ جایا کریں۔ اس پر اس نے بڑی نرمی سے جواب دیا کہ یہ ایک عظیم الشان آدمی ہے تم اس کو نہیں سمجھتے میں سمجھتا ہوں"۔ چنانچہ اس کی عقیدت یہاں تک بڑھ گئی کہ جب وہ سیالکوٹ سے رخصت ہونے لگا تو خاص طور پر کچہری جا کر حضرت مرزا صاحب سے ملا اور دیر تک ان کے پاس فرش پر بیٹھا رہا۔ اور جب صاحب ڈپٹی کمشنر نے آنے کی غرض دریافت کی تو صاف کہہ دیا کہ میں مرزا غلام احمد سے ملنے آیا تھا۔

امتحان مختاری کی تیاری

سیالکوٹ کے ایام بود و باش میں آپ نے ایک مرتبہ امتحان مختاری کا ارادہ کیا یہ ۱۸۶۸ء کا واقعہ ہے۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل کاروں کی زندگی جو پیش نظر تھی وہ بہت کچھ قابل اعتراض اور لائق اصلاح تھی۔ جیسا کہ انہوں نے خود اپنی قلم سے لکھا ہے جو میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ اس لئے آپ کو خیال پیدا ہوا کہ وکالت جیسے آزاد پیشہ کی طرف توجہ کرنا مفید ہوگا۔ اور اس پیشہ کے ذریعہ مظلوموں کی حمایت کی جا سکے گی۔ پنجاب میں چیفکورٹ کا نیا نیا افتتاح ہوا تھا اور امتحان وکالت کے لئے ابتدائی آسانیاں میسر تھیں اور اہل کار امتحان وکالت یا مختاری دے کر وکیل یا مختار بن سکتے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کا کئی مرتبہ ذکر آچکا ہے اس زمانہ میں خود بھی اہل کار تھے اور وکیل نہ تھے وہ لوکل بورڈ میں اہلمد تھے۔ ان کے نانا ڈپٹی مٹھن لعل صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے کہہ سن کر ان کیلئے وکالت کی اجازت منگوا دی تھی مگر شرط یہ تھی کہ ان کو وکالت کا امتحان دینا ہوگا۔ اگر پاس نہ ہوئے تو واپس اپنی ملازمت پر جانا پڑے گا۔ انہوں نے امتحان کی تیاری کیلئے رخصت لے رکھی تھی۔ چونکہ وہ حضرت مرزا صاحب کے دوست یکرنگ تھے انہوں نے آپ کو بھی تحریک کی غرض اس تحریک یا دیگر اسباب کی بنا پر حضرت مرزا صاحب بھی شامل امتحان ہوئے مگر فیل ہو گئے۔ پاس کیسے ہوتے۔ آپ کو قرآن کی مفارقت تو ایک لمحہ برداشت نہ ہو سکتی تھی۔ لوگ امتحان سے قبل راتوں کو قانون کی کتابیں پڑھا کرتے آپ قرآن کریم پڑھا کرتے۔ آپ اپنے اس عشق سے مجبور تھے عین اس

رات کو جس کی صبح کو امتحان تھا آپ تمام رات قرآن پڑھتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی گورنمنٹ کے قانون میں فیل ہو گئے اور آسمان کی گورنمنٹ کے قانون میں پاس ہو گئے جس کے لئے خدا نے ان کو بنایا تھا۔ بعد میں وکالت کے خیال کو بھی آپ نے ترک کر دیا۔ آپ کا اصل مقصد وکالت سے غریبوں کی امداد تھی۔ مگر جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ بعض اوقات اہل مقدمات محض جھوٹے اور فرضی بیانات پیش کرتے ہیں اور اول سے آخر تک ساری کارروائی جھوٹی ہوتی ہے اور وکیل مقدمہ کو اس کی تائید کرنی پڑتی ہے۔ کبھی گواہ جھوٹے پیش ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ ایک وکیل کو تقویٰ پر چلنے کے لئے بہت سی مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ اس لئے تقویٰ کی باریک در باریک رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے دل سے یہ خیال ہمیشہ کے لئے نکل گیا +

لالہ بھیم سین کی کامیابی کا نظارہ قبل از وقت

ابھی امتحان کا نتیجہ نہیں نکلا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے رویا میں دیکھا کہ امتحان کے جو پرچے تقسیم ہوئے ہیں وہ دو قسم کے کاغذات پر ہیں۔ زرد اور سُرخ۔ تمام امیدواروں کو زرد رنگ کے پرچے تقسیم ہوئے ہیں اور لالہ بھیم سین کو سرخ رنگ کا پرچہ حضرت مرزا صاحب نے اس کی تعبیر یوں کی کہ لالہ بھیم سین پاس ہو جائیں گے گویا سُرخ رُو ہونگے اور زرد رنگ سے ناکامی کی تعبیر کی۔ امتحان کے کمرہ میں بعض حالات اور واقعات ایسے پیش آئے تھے کہ قریب تھا کہ وہ امتحان منسوخ ہو جائے۔ لیکن آخر جب نتیجہ نکلا تو وہ عین خواب کے مطابق تھا۔ لالہ بھیم سین پاس ہو گئے اور باقی سب امیدوار فیل ہو گئے۔ لالہ بھیم سین اور قریباً تیس آدمیوں کو آپ نے پہلے سے یہ رویا اور اس کی تعبیر سنا دی تھی۔ اسی وجہ سے لالہ بھیم سین صاحب کو حضرت مرزا صاحب سے بڑی عقیدت تھی وہ آپ کی پاکیزہ اور مرتاض زندگی کے عینی شاہد تھے۔ اور لڑکپن سے جوانی تک کے تمام حالات ان کے زیر نظر تھے۔ وہ جسقدر بھی حضرت مرزا صاحب کی پارسائی اور تقویٰ کے گرویدہ ہوتے کم تھا۔

راجہ تیجا سنگھ کی وفات کی خبر قبل از وقت

بہت سی باتیں حضرت مرزا صاحب سے قبل از وقت لالہ بھیم سین صاحب نے سنیں اور انہیں پورا ہوتا ہوا دیکھا۔ ان میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ یہاں نقل کرتا ہوں حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"انہی وکیل صاحب یعنی لالہ بھیم سین کو جو سیالکوٹ میں وکیل ہیں (اب فوت ہو چکے ہیں۔ ناقل) ایک مرتبہ میں نے خواب کے ذریعہ سے راجہ تیجا سنگھ کی موت کی خبر پا کر ان کو اطلاع دی کہ وہ راجہ تیجا سنگھ جن کو سیالکوٹ کے دیہات جاگیر کے عوض میں تحصیل بٹالہ میں دیہات مع اس کے علاقہ کی حکومت کے ملے تھے فوت ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے اس خواب کو سن کر بہت تعجب کیا۔ اور

جب قریب دو بجے بعد دوپہر کا وقت ہوا تو مسٹر پرنسپ صاحب کمشنر امرتسر ناگہانی طور پر سیالکوٹ میں آگئے (اس زمانہ میں سیالکوٹ امرتسر کی کمشنری میں تھا۔ ناقل) اور انہوں نے آتے ہی مسٹر مکنیب صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کو ہدایت کی کہ راجا تیجا سنگھ کے باغات وغیرہ کی جو ضلع سیالکوٹ وغیرہ میں ہیں بہت جلد ایک فہرست تیار ہونی چاہیئے کیونکہ وہ کل ٹہا میں فوت ہوگئے تب لالہ بھیم سین نے اس خبر موت پر اطلاع پا کر نہایت تعجب کیا کہ کیونکر قبل از وقت سکے مرنے کی خبر ہوگئی"

سیالکوٹ میں حفاظت الٰہی کے نظائر اور حضرت ابراہیمؑ کے بردنار کی تشریح

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی ہو جانے کے متعلق ایک دوست نے اپنے خط میں استفسار کیا کہ آیا وہ فی الواقع آتش ہیزم تھی یا اس سے مراد فتنہ وفساد کی آگ تھی۔ فرمایا:-

"فتنہ وفساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل پر ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ ایسا رنگ پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ ظاہری آتش کا حضرت ابراہیم پر فرو کر دینا اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں۔ اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ ہزاروں سال کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہوگیا اور گندک کی سی بو آتی تھی لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا۔ اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا بجلی تمام چکروں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہوگیا۔ دیکھو وہی بجلی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔ ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کوئی چوہا ہوگا خوف کی بات نہیں۔ اور یہ کہکر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب میں نے ان کو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا۔ جب

سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری۔ اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لیکر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی معجزانہ حفاظت ہے جب تک ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔[۱]

ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا۔ اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار خدا نے مجھ کو ان کے ضرر سے محفوظ رکھا۔

ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور آگ کو بجھا دیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ بہت راہ ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں۔ اور بعض اسباب مخفی در مخفی ہیں جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور وہ اسباب خدا تعالیٰ نے اب تک دنیا پر ظاہر نہیں کئے جن سے انکی سوزش کی تاثیر جاتی رہے پس اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم پر آگ ٹھنڈی ہو گئی"۔

پنڈت سہج رام سے مقابلہ اور خودداری کا اظہار

سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران میں اگرچہ آپ معمولی اہلکار تھے مگر سلف رسپکٹ (خودداری) اور استغنا کا آپ ایک نمونہ تھے۔ آپ کی قابلیت مسلّم تھی اور ڈپٹی کمشنر تک آپ کو عزت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ ان دنوں ضلع سیالکوٹ کے دفاتر کا سپرنٹنڈنٹ ایک شخص پنڈت سہج رام نام تھا۔ وہ ایک متعصب ہندو دشمن اسلام تھا۔ اور حضرت مرزا صاحب سے وہ ہمیشہ مذہبی مباحثہ کیا کرتا تھا۔ اُسے یہ دھوکا لگا ہوا تھا کہ حضرت مرزا صاحب میرے ماتحت ایک سررشتہ میں اہل کار ہیں اس لئے مذہبی مباحثات میں وہ مجھ سے دب جائیں گے اور میری وجاہت کی وجہ سے وہ حق گوئی سے باز رہیں گے لیکن حضرت مرزا صاحب جو اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے اور جن کا اپنا یہ شعر ان کے ٹھیک حسب حال تھا وہ بھلا کب دبنے والے تھے کیا خوب فرماتے ہیں:۔

بکار دیں نہ ترسم از جہانے ✤ کہ دارم رنگِ ایمان محمدؐ

مذہب کے معاملہ میں جب گفتگو ہوتی تو آپ نہایت دلیری اور آزادی سے ایسے دندان شکن جواب

[۱] اس واقعہ سے ہمدردیٔ مخلوق اور آپ کی شہامت اور قربانی ظاہر ہوتی ہے کہ کس طرح جب تک سب لوگ اس کمرہ سے باہر نہیں نکل گئے آپ بھی نہیں نکلے۔ دوسرا شخص ہوتا تو جب اس نے ایک دو بار لوگوں کو جگایا تھا اور وہ نہیں مانے تھے تو خود اپنی جان لیکر نکل جاتا یا جب سب بھاگے تھے تو سب سے پہلے آپ نکل بھاگتا لیکن نہیں آپ نہیں نکلے جبتک سب نہیں نکل گئے۔ یہ محمدی اخلاق ہیں جس طرح آنحضرت صلعم مکہ سے نہیں نکلے جبتک سب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ کو نہیں نکل گئے۔ اسی طرح آپ نے کیا پس یہ نمونہ اتباع سنت کا اسی شخص میں پایا جاتا ہے جو آنحضرت صلعم کی اتباع کامل کی وجہ سے آپ کے اخلاق فاضلہ سے حصہ لیتا ہے۔ (مؤلف)

دیتے کہ اسے نادم اور لاجواب ہونا پڑتا۔ اپنی لاجوابی اور ندامت کا بخار وہ سررشتہ کے کاموں میں تعصب کے اظہار سے نکالتا۔ اور آپ پر وہ کمینہ سے کمینہ حملہ کرنے سے نہ ٹلتا۔ لیکن جس کا خدا حافظ ہو اُس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر تک نوبت پہنچتی تو وہ ایسی منہ کی کھاتا اور ایسے دندان شکن جواب پاتا کہ وہاں بھی ندامت کے سوائے اُسے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ حضرت مرزا صاحب اپنے فرض منصبی کو نہایت دیانتداری اور محنت سے ادا کرتے لیکن اپنے افسران بالا کی بیہودہ خوشامد اور درباداری کو ہمیشہ اپنی وضعداری اور مومنانہ غیرت کے خلاف سمجھا۔ آپ کے مخلص دوست لالہ بھیم سین صاحب نے مشورہ بھی دیا کہ مذہبی مباحثوں میں سیج رام کا مقابلہ نہ کیا کرو بلکہ طرح دے جایا کرو۔ کہ ترقی و کامیابی بظاہر اس شخص کے ہاتھ میں ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب جیسا موحد اور خدا پرست انسان جو جانتا ہو کہ ہر قسم کا نفع و نقصان جناب الٰہی کی ہی مشیت پر منحصر ہے وہ ایسی کمزوری نہیں دکھا سکتا تھا۔ آپ کو اسلام کے لئے وہ غیرت تھی جو اس زمانہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ پھر ایسا غیور آدمی ایک دشمن اسلام سے ڈر جائے یہ ناممکن تھا۔ اور بات بھی سچ یہی ہے کہ جو خالق سے ڈرتا ہے اُس نے مخلوق سے کیا ڈرنا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ وقت گزر گیا اور آپ نہایت عزت کے ساتھ ملازمت سے خود استعفا دیکر قادیان واپس تشریف لے آئے اور لالہ سیج رام جی کمشنری امرتسر میں سررشتہ دار ہو کر لگ گئے۔ کہ ایک دن عجیب عبرت خیز واقعہ رونما ہوا۔ وہ خود حضرت مرزا صاحب کی قلم سے ہی سنو۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے ایک بڑے بھائی تھے انہوں نے تحصیلداری کا امتحان دیا تھا اور امتحان میں پاس ہو گئے تھے اور وہ ابھی گھر میں قادیان میں تھے اور نوکری کے امیدوار تھے۔ ایک دن میں اپنے چوبارہ میں عصر کے وقت قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ جب میں نے قرآن شریف کا دوسرا صفحہ اٹھانا چاہا تو اسی حالت میں میری آنکھ کشفی رنگ پکڑ گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ سیج رام سیاہ کپڑے پہنے ہوئے اور عاجزی کرنیوالوں کی طرح دانت نکالے ہوئے میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جیسا کہ کوئی کہتا ہے کہ میرے پر رحم کرا دو۔ میں نے اسکو کہا کہ اب رحم کا وقت نہیں۔ اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اسی وقت یہ شخص فوت ہو گیا ہے۔ اور کچھ خبر نہ تھی۔ بعد اسکے میں نیچے اُترا اور میرے بھائی کے پاس چھ سات آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور انکی نوکری کے بارہ میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اگر پنڈت سیج رام فوت ہو جائے تو وہ عہدہ بھی غنڈہ ہے ان سب نے میری بات سن کر قہقہہ مار کر ہنسی کی کہ کیا چنگے بھلے کو مارتے ہو۔ دوسرے دن یا تیسرے دن خبر آ گئی کہ اُسی گھڑی سیج رام ناگہانی موت سے اس دنیا سے گزر گیا۔"

لالہ بھیم سین صاحب کو تبلیغ اسلام

حضرت مرزا صاحب سچے دل سے اور اپنے تجربہ سے اسلام کو اس زمانہ میں ایک ہی سچا مذہب یقین کرتے تھے اس لئے ناممکن تھا کہ کسی غیر مسلم سے محبت ہو۔ اور آپ اسے اسلام جیسی نعمت کی دعوت نہ دیں۔ لالہ بھیم سین صاحب سے نہایت محبت اور دوستی کا تعلق تھا۔ اور وہ آپ کی نیکی اور تقویٰ کے بیحد معتقد تھے۔ ویسے تو روزانہ ہی مذہبی تذکرہ رہا کرتا تھا مگر آخر ایک دن آپ نے ایک بہت طول طویل فارسی زبان میں خط لکھا۔ فارسی میں اس لئے لکھا کہ لالہ بھیم سین صاحب فارسی کا بہت ذوق رکھتے تھے۔ اور پرانے لوگ جو اہل علم ہوتے تھے آپس میں فارسی میں خط لکھا کرتے تھے جیسے آجکل لوگ انگریزی میں خط لکھا کرتے ہیں۔ اس خط میں آپ نے ہندو مذہب کے مسئلہ ویدانت و بت پرستی کی تردید سورۂ فاتحہ سے کی ہے اور اس طرح ہندو مذہب کی کمزوریاں اور اسلام کی خوبیاں بتا کر ان کو توحید اور قرآن و سنت کی طرف بلایا ہے۔ پورا خط شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے حضرت مرزا صاحب کی سوانح میں شائع کیا ہے۔ یہ خط لالہ کنور سین صاحب ایم اے سابق پرنسپل لا کالج لاہور سے جو لالہ بھیم سین صاحب کے فرزند ہیں شیخ صاحب موصوف کو ملا تھا۔ لالہ کنور سین صاحب نے اس خط کو بھیجتے ہوئے جو الفاظ لکھے ہیں وہ بھی سننے کے قابل ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ مضمون بقول قبلہ والد ماجد مرزا صاحب نے ان ایام میں اپنے دوست میرے والد صاحب کی خاطر لکھا تھا جبکہ ہر دو صاحب سیالکوٹ میں مقیم تھے اور علاوہ مشاغل قانونی و علمی کے اخلاقی و روحانی مسائل پر بھی غور و بحث کیا کرتے تھے"

لالہ بھیم سین صاحب نے باوجود حضرت مرزا صاحب کے اسقدر معتقد ہونے کے بظاہر اسلام کیوں قبول نہ کیا اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ مگر کچھ شک نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی طرف نہایت معقول رنگ میں ان کو دعوت دے کر اپنی طرف سے حق دوستی ادا کر دیا۔

آپ ملازمت کو قید خانہ سمجھتے تھے

قادیان سے حجام حضرت مرزا صاحب کے لئے ایک مرتبہ پارچات پوشیدنی لیکر سیالکوٹ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کو خود تو یہ شوق ہی نہ تھا کہ اپنے لباس و خوراک کی طرف توجہ کریں۔ جو مل گیا کھا لیا۔ اور جو کپڑا گھر والوں نے بنا دیا پہن لیا۔ اسی واسطے سالہا سال تک آپ کو اتنا بھی نہ معلوم ہوا کہ کرتے کو کتنا کپڑا لگتا ہے۔ اکثر آپ کہدیا کرتے تھے کہ میرے لئے اتنے کرتے بنا دو۔ درزی نے یا بنانیوالے نے جو قیمت کہہ دی دیدی۔ اور بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا کرتے یعنی قیمت سے زیادہ رقم جھوٹ بول کر لیجاتے۔ حضرت مرزا صاحب کی والدہ ماجدہ کو آپ کا بڑا خیال تھا۔ قادیان میں بھی وہ ہر معاملہ میں آپ کیلئے سپر کا کام دیتی تھیں۔ اور آپ کے کھانے

اور پہننے کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کو جانتی تھیں کہ خدا کے سوا اسے کسی بات کا خیال نہیں۔ اسی مامتا کے تقاضہ سے اُنہوں نے اُس زمانہ کے حالات کے مطابق آپ کے لئے چار عمدہ جوڑے۔ نئے سلوا کر حیات حجام کے ہاتھ سیالکوٹ بھیجے۔ آپ کی طبیعت چونکہ نہایت فیاض واقع ہوئی تھی انہی۔ نئے جوڑوں میں سے ایک تو اسی حجام کو دیدیا۔ باقی تین رکھ لئے۔ اثنائے گفتگو میں حجام نے دریافت کیا کہ سنایئے کیا حال ہے۔ ملازمت آپ کو پسند ہے فرمایا "قید خانہ ہی ہے"۔

سیالکوٹ سے رخصت ہوتے ہیں

غرضکہ ادھر تو حضرت مرزا صاحب کو ملازمت سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اُدھر آپ کے والد صاحب اور بالخصوص والدہ صاحبہ کو بیٹے کی مفارقت نے ستایا۔ اتنے میں آپ کی والدہ بہت سخت بیمار ہوگئیں اور امید زیست کی باقی نہ رہی۔ آپ کے والد صاحب نے لکھا کہ ملازمت ترک کر کے چلے آؤ۔ دوسرے لفظوں میں مشیت الٰہی نے یہی چاہا کہ جو سبق ملازمت کے ذریعہ پڑھانا تھا وہ اب تکمیل کو پہنچ چکا۔ نتیجہ یہ کہ والد صاحب کے فرمانے پر آپ استعفاء دیکر قادیان واپس تشریف لے آئے مگر افسوس کہ آپ کے قادیان پہنچنے سے قبل آپ کی والدہ محترمہ رحلت فرما چکی تھیں +

کپورتھلہ کی صیغہ تعلیم کی افسری سے انکار

سیالکوٹ سے واپس آجانے کے بعد ریاست کپورتھلہ کی طرف سے وہاں کے صیغہ تعلیم کی افسری کے لئے آپ کو بلایا گیا۔ اُس ریاست سے آپ کے والد صاحب کے پرانے تعلقات تھے۔ وہ اس خاندان سے کسی اڑ کے کو ریاست میں لینا چاہتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے بڑے بھائی تو گورنمنٹ انگریزی میں ملازم ہوگئے تھے اس لئے آپ کو اس عہدہ کیلئے دعوت دی گئی۔ اس وقت آپ نے اپنے والد صاحب کی خدمت میں جو تحریر لکھ کر دی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں کس قدر دنیا سے تنفر تھا۔ وہ تحریر یہ ہے:۔

"میں کوئی نوکری کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ دو جوڑے کھدر کے کپڑوں کے بنا دیا کرو۔ اور روٹی جیسی بھی ہو بھیجدیا کرو"۔

اللہ اللہ جوانی بعد اپنی کل اُمنگوں کے عروج پر ہے۔ دوسری طرف ہر ایک جذبہ اور خواہش پر یہ موت طاری ہے کہ بس سال میں دو جوڑے کھدر کے چاہئیں اور روٹی جیسی بھی مل جائے۔ اور پھر یہ کم خستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی جگہ حد درجہ کی محنت شب و روز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت قرآن شریف کے مطالعہ اور خدمتِ دین سے کوئی گھڑی خالی ہی نہیں ہے۔ مگر جو کچھ ہو رہا ہے خدا کے لئے ہو رہا ہے۔ دین کے لئے ہو رہا ہے۔ اگر کوئی دلچسپی ہے تو انہی چیزوں سے ہے۔ لذت ہے تو اسی میں ہے۔

اسی کا نام ہوتا ہے ماسوی اللہ سے انقطاع اور فنا فی اللہ۔ جسے قرآن کریم نے بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ کامل مسلم وہی ہے جو اپنا سارا منہ خدا کی طرف کر دیتا ہے اور عمل سے اپنے ایمان اور اخلاص کو ثابت کر کے دکھاتا ہے۔

آپ کے والد صاحب نے جب اس تحریر کو پڑھا تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور ایک شخص میاں غلام نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "میاں غلام نبی میں خوش تو اسی پر ہوں بچی راہ تو یہی ہے جس پر یہ چل رہا ہے"۔

سشن ججی کی اسیسری سے انکار

ملازمت کے باب کو ختم کرنے سے پہلے میں اس بات کا ذکر بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ بعد میں ایک مرتبہ آپ کو سشن ججی کی اسیسری بھی پیش ہوئی مگر آپ نے انکار کر دیا۔ گویا دنیا نے جب کبھی بھی اپنی کسی بخشش کو پیش کیا تو آپ نے اُسے ہمیشہ ٹھکرا دیا۔ اور ان غذائی امتحانوں میں ہمیشہ کامیاب اور سرخرو ثابت ہوئے۔ آپ کو ان دنیوی اعزاز سے نہ کوئی دلچسپی تھی اور نہ کوئی تمنّا تھی۔ اپنے ایک شعر میں کس خوبصورتی سے اپنے اندرونہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

نے باید مرا یک ذرّہ عزّ تمنائے ایں دنیا + منہ از بہر ما کرسی کہ ما موریم خدمت را

حضرت مرزا صاحب بطور ایک کمیشن کے

ایک مرتبہ جب اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں آپ زمینداری کے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ناطہ کے مقدمہ میں آپ کو کمیشن مقرر کیا گیا اور مجبوراً آپ کو جانا پڑا۔ تو میراں بخش نام ایک مغل آپ کے ساتھ تحقیقات کے لئے موقعہ پر گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے سواری کا گھوڑا اور اس کیلئے دانہ بھی ساتھ لے لیا۔ اور اپنی روٹی بھی ساتھ لے لی۔ خود تو پیدل چلے اور میراں بخش گھوڑا پکڑے ہوئے ساتھ چلا۔ رستہ میں اس کو کہہ دیا کہ تم سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گیا۔ رستہ بھر وہ سواری پر گیا اور آپ پیدل چلتے رہے۔ جب موقعہ پر پہنچے تو فریقین نے ہر طرح آپ کی مدارات کی کوشش کی۔ فقط اس لئے نہیں کہ آپ اُن کے مقدمہ میں کمیشن تھے بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ آپ قادیان کے مشہور معزز رئیس کے بیٹے تھے۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ میں کھانے کے واسطے روٹی ساتھ لایا ہوں اور میرے گھوڑے کے لئے دانہ بھی موجود ہے۔ مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ مجھے مقدمہ کے واقعات صحیح صحیح بتا دیئے جائیں۔ غرضکہ آپ فقط عابد و زاہد ہی نہ تھے بلکہ معاملات میں آپ کی دیانت و امانت۔ عدالت اور راستبازی اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

سیالکوٹ سے واپسی کے بعد آپ کے مشاغل

حدیثوں میں حارث کی پیشگوئی کا آپ میں پورا ہونا

بعض دفعہ قدرت کوئی کام پکڑ پکڑ کر کرواتی ہے۔ حدیث شریف میں دمری کے حارث یعنی زمیندار ہونے کی پیشگوئی کیا تھی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو قدرت خود پکڑ پکڑ کر زمینداری پر لگاتی تھی تا وہ پیشگوئی پوری ہو۔ چنانچہ سیالکوٹ سے واپسی پر آپ پھر زمینداری کے کاموں پر لگائے گئے۔ مگر اکثر وقت کا حصہ قرآن شریف میں تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا اور بسا اوقات وہ کتابیں اپنے والد بزرگوار کو بھی سنایا کرتے تھے۔ اب وہ زمانہ تھا کہ آپ کو رویا اور کشوف فلق صبح کی طرح آتے تھے۔ اور آپ کے اندر اشاعت اسلام اور خدمت دین کا جوش روز بہ روز بڑھتا جاتا تھا +

حضرت مرزا صاحب کی شاعری

شاعری انسان کے جذبات کا صحیح آئینہ ہوتی ہے جس قسم کے جذبات شاعر کے اندر ہوتے ہیں وہی زبان اور قلم سے اشعار کے رنگ میں نکلتے ہیں۔ آج سے ستر یا اسی برس پہلے ہر ایک تعلیم یافتہ اور لٹریری آدمی کے لئے شعر کہنا اس کے ادیب ہونے پر ایک دلیل ہوا کرتا تھا اسلئے اکثر لوگ تھوڑا یا بہت شعر کہنے کی ضرور کوشش کرتے۔ حضرت مرزا صاحب بھی شعر کہا کرتے تھے۔ اور فرخ تخلص کیا کرتے تھے گو مقطع میں تخلص کے اظہار کی عادت نہ تھی۔ آپ زیادہ تر فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ کبھی کسی مشاعرہ میں نہیں سنائے۔ فقط دل کے جذبات تھے جو قلم کے ذریعہ صفحہ قرطاس پر آجایا کرتے تھے۔ اردو میں بہت کم شعر کہتے تھے۔ میں یہاں آپ کی شاعری پر تنقید نہیں کر رہا بلکہ فقط اتنا بتانا مقصود ہے کہ اس زمانہ کے اشعار پڑھو سب کے سب محبت الٰہی معرفت الٰہی اور خوف عقبیٰ سے لبریز نظر آتے ہیں کہیں محمد رسول اللہ صلعم کی تعریف ہے جس میں آپ کے حسن ظاہری پر طبع آزمائی نہیں ہے بلکہ اشعار میں باطنی حسن اور کمالات پر دلائل دیتے چلے جا رہے ہیں۔ کہیں قرآن سے تعشق ہو رہا ہے جو اسلام کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کے عشق میں بڑے بڑے بزرگوں اور شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں مگر قرآن کے عشق میں نظم لکھنا ساری اُمت مسلمہ میں فقط حضرت مرزا صاحب کی ہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ غرضکہ اس زمانہ میں آپ کی شاعری بھی آپ کے ان پاک جذبات پر دلالت کرتی ہے جو آپ کے سینہ میں موجزن تھے +

والد صاحب کی خدمت میں گوشہ گزینی کی عرضی

آخر محبت الٰہی اور جوش خدمت دینی نے آپ کو مجبور کر دیا کہ آپ اپنے والد صاحب کی خدمت میں ایک عرضی لکھ کر اپنے آپ کو ان تمام دنیاوی جھگڑوں

سے الگ کرلیں۔ وہ عرضی اصل الفاظ میں اس طرح ہے:۔

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ وقواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند۔ چونکہ دریں ایام برای العین مے بینم وبچشم سر مشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک و بلاد ہر سال چناں وبلائے مے افتد کہ دوستاں را از دوستاں وخویشاں را از خویشاں جدا میکند۔ وہیچ سالے نہ بینم کہ ایں نائرۂ عظیم وچنیں حادثۂ الیم دراں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر براں دل از دنیا سرد شدہ است وزُواز خوفِ جان زرد۔ واکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین شیرازی بیاد مے آیند۔ واشک حسرت ریختہ مے شود:۔ ؎

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار ✦ مباش ایمن از بازیٔ روزگار[1]

ونیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل مے شود:۔ ؎

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں ✦ کہ وقتِ اجل مے رسد ناگہاں

لہذا مے خواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم۔ ودامن از صحبت مردم بچینم وبیاد او سبحانہٗ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے وما فات را تدارکے شود:۔ ؎

عمر بگذشت ونماند ست جز ایامے چند ✦ پہ کہ در یادِ کسے صبح کنم شامے چند

کہ دنیا را اساسے محکم نیست وزندگی را اعتبارے نے۔ والسلام من خاف علیٰ نفسہٖ من الفتہ غیرہٖ والسلام ✦

شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی

چنانچہ اس عرضی پر آپ کے والد صاحب نے اجازت دے دی کہ آپ تمام کاموں سے الگ ہو کر یاد الٰہی کرتے رہیں۔ اور یہی آپ کے دل کی مراد تھی۔ آپ کو شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی۔ اور خلوت اور گوشہ گزینی سے بے انتہا پیار تھا چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے تو اُس پاک ذات کی قسم ہے کہ مَیں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں اُنہوں نے نکالا ہے۔ جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔ مَیں قریباً ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربارِ شہرت کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت رہی کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے

[1] اللہ کی شان۔ آپ کو اپنی وفات کے متعلق جو الہامات ہوئے اُن میں اسی شعر کے دو مصرعے یکے بعد دیگرے الہام ہوئے پہلے الہام ہوا۔ مباش ایمن از بازیٔ روزگار۔ چند روز بعد الہام ہوا۔ مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار ✦ (مؤلف)

مجبور ہوں" پھر فرمایا:-

"میں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے کو جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے"

اب آپ کا کام یہ تھا کہ اطمینان سے یاد الٰہی اور قرآن کریم اور دیگر کتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے کہ اسی اثنا میں ایک خاص مجاہدہ کے لئے جناب الٰہی کی طرف سے اشارہ ہوا +

روزہ کا مجاہدہ اس خاص مجاہدہ کی تفصیل خود حضرت مرزا صاحب کی قلم سے سنئے۔ البریہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع و اقسام کے بدعات میں مبتلا ہوں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس **سنت اہل بیت رسالت** کو بجا لاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دیدیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گزارتا۔ اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کر دوں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔ اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے

تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس اُمت میں گزر چکے ہیں اُن سے ملاقات ہوئی ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی۔ غرض اس طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب طوالت ہے۔ اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سُرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سُرخ تھے ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت ہوتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔ غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کس حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا متنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ میں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں۔ اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہو گئے۔ اور بقیہ عمر ان کی دیوانہ پن میں گزری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جن کے فطرتاً قویٰ ضعیف

ہیں اُن کو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ ٹھیک نہیں پڑ سکتا۔ اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے۔ اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غراء اسلام سے منافی نہ ہو تو اس کو بجا لانا ضروری ہے لیکن آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

صحبت صادقین کا شوق

قرآن کریم کے حکم کونوا مع الصادقین کے ماتحت جس کا مطلب ہے کہ صادقوں اور راستبازوں کی صحبت اختیار کرو۔ آپ ہمیشہ اہل اللہ اور راستباز لوگوں سے ملنے کے لئے خاص اہتمام سے جایا کرتے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے۔ سیالکوٹ کے مولوی محبوب عالم صاحب کا جو ایک پارسا اور نقشبندی طریقہ کے صوفی منش بزرگ تھے ذکر اوپر گزر چکا۔ حضرت مرزا صاحب اکثر ان کے پاس جایا کرتے۔ اسی طرح ضلع گورداسپور میں طالب پور کے متصل ایک مقام سم شریف کہلاتا ہے وہاں میاں شرف الدین صاحب ایک بزرگ رہتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب اُن کے پاس بھی چند مرتبہ تشریف لیگئے۔ اور جہاں بھی گئے کسی ذاتی غرض یا دنیوی مفاد کیلئے نہیں گئے بلکہ محض صحبت نیک حاصل کرنے کیلئے۔ اور اگر دعا کرائی بھی تو ترقی اسلام کیلئے کرائی اور قطعاً کسی چیز کے لئے نہیں۔ اسی طرح مولوی عبداللہ غزنوی کے پاس کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے ملاقات

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب ایک نہایت عالم و فاضل اور متقی اور متبع سنت اور اہل دل بزرگ تھے۔ غزنی کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ مگر وہاں سے ظالم طبع مولویوں کی ریشہ دوانیوں اور فتاویٰ تکفیر کے باعث نکالے گئے۔ اور جس طرح پر دوسرے راستبازوں کو ناقدر شناس لوگوں نے ہمیشہ دُکھ دیا ہے اس بزرگ کو بھی ان نااہلوں نے اپنے خیال میں ہر طرح ذلیل کر کے نکال دیا۔ مگر جو خدا تعالیٰ کے حضور معزز و مکرم ہو دنیا کی یہ ذلتیں اس کے سامنے ہیچ اور ناقابل التفات ہیں۔ اُن بزرگ کی نسبت خود حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"ایک بزرگ غایت درجہ صالح جو مردانِ خدا میں سے تھے اور مکالمہ الٰہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور بمرتبہ کمال اتباع سنت کرنیوالے اور تقوی اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے۔ اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے جس کا نام عبداللہ غزنوی تھا۔"

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب جب امرتسر تشریف لائے تو لوگوں نے اُنہیں وہابی مشہور کر کے حکام کو اُن سے بدظن کر دیا جس پر وہ خیر دی میں جا رہے۔ حضرت مرزا صاحب اُن سے خیر دی میں بھی ملے اور امرتسر میں بھی۔ اور جب بھی اُن کی خدمت میں جاتے تو خالی ہاتھ کبھی نہ جاتے۔ کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لیجاتے اور عموماً وہ اعلیٰ درجہ کا گوشت کا ٹکڑا ہوتا۔

آپ کا مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے دعا کرانا

حضرت مرزا صاحب اُن سے ملاقات کا ایک واقعہ خود اپنی قلم سے تحریر فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

"جب وہ زندہ تھے ایک دفعہ مقام خیر دی میں اور دوسری دفعہ مقام امرتسر میں اُن سے میری ملاقات ہوئی میں نے اُنہیں کہا کہ آپ ملہم ہیں۔ ہمارا ایک مدعا ہے اس کے لئے آپ دعا کریں مگر میں آپ کو نہیں بتلاؤں گا کہ کیا مدعا ہے۔ اُنہوں نے کہا "در پوشیدہ داشتن برکت است و من انشاء اللہ دعا خواہم کرد۔ والہام امر اختیاری نیست"۔ اور میرا مدعا یہ تھا کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز بہ روز تنزل میں ہے خدا اس کا مددگار ہو۔ بعد اس کے میں قادیان چلا آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک اُن کا خط مجھے ملا جس میں لکھا تھا کہ "ایں عاجز برائے شما دعا کردہ بود۔ القاشد وانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ فقیر الہام القاء مے افتد کہ بدیں جلدی القاشود۔ ایں از اخلاص شما می بینم"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰)

حضرت مرزا صاحب کی خواہش اور تمنا اور زندگی کے مدعا کا اس درخواست دعا سے پتہ لگتا ہے اگر کسی بات کی تڑپ آپ کے دل میں تھی تو وہ ترقی اسلام کی تھی کسی بزرگ سے ملتے ہیں تو اسی غرض سے۔ اس سے دعا کراتے ہیں تو اسی مقصد کے حاصل ہونے کیلئے۔ غرضکہ ایک لگن تھی جو دل کو لگی ہوئی تھی۔ اور ایک عشق تھا جو دن رات دل و دماغ پر مستولی تھا۔

مولوی عبداللہ صاحب کے مکاشفات اور الہامات حضرت مرزا صاحب کی تائید میں

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے اسی سلسلہ میں خط و کتابت چلتی رہی۔ اور اُنہوں نے اپنے اور بھی الہامات آپ کو لکھ بھیجے۔ چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھوکے والے کو خطاب کر کے ایک موقعہ پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی عبدالرحمٰن صاحب براہ مہربانی فرماویں کہ جبکہ سلف صالح کے برخلاف قرآن شریف کے معنے کرنے سے انسان ملحد ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ عاجز بھی اُن کی نظر میں ملحد ہے کہ خدا تعالیٰ کے الہام سے بعض آیات کے معنے مخفی ظاہر کرتا ہے تو پھر مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی کی نسبت جو اُن کے مرشد ہیں کیا فتویٰ ہے جن کو ایسے ایسے الہام بھی ہو گئے کہ جو آیتیں خاص

پیغمبروں کے حق میں تھیں وہ اُمتی لوگوں کے حق میں قرار دیدیں۔ چنانچہ دو دفعہ بعض وہ آیتیں جو صحابہ کبار کے حق میں قرآن کریم میں تھیں اس عاجز کی طرف اپنے خط میں لکھ کر بھیجدیں کہ آپ کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ اُنہیں میں سے یہ آیات بھی ہیں (۱) قد افلح من زکّٰھا (۲) انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ اور یہ عاجز کہ مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے محبت اور حُسن ظن رکھتا ہے تو درحقیقت اس کی یہی وجہ ہے کہ اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ عاجز منجانب اللہ مامور ہونے والا ہے اور انہوں نے کئی خط لکھے۔ اور اپنے الہامات معتبر کر ظاہر کئے۔ اور بعض لوگوں کے پاس اس بارے میں بیان بھی کیا اور عالم کشف میں بھی اپنی یہ مراد ظاہر کی"۔

حافظ محمد یوسف صاحب کی شہادت

حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر امرتسر میں رہتے تھے اور ان کو مولوی عبداللہ غزنوی صاحب سے بہت محبت اور اخلاص تھا اُنہوں نے حضرت مرزا صاحب سے یہ بیان کیا کہ:۔

"مولوی عبداللہ غزنوی صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف کی بنا پر یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا۔ مگر افسوس میری اولاد اس سے محروم رہ گئی"۔

حافظ محمد یوسف صاحب کو حضرت مرزا صاحب سے بھی بڑی ارادت اور عقیدت تھی مگر بعد میں انہیں منشی الٰہی بخش صاحب کی مخالفت کے سلسلہ میں ابتلا آیا اور وہ حضرت مرزا صاحب کے مخالف ہو گئے۔ مگر اپنے بیان کی جو احمدی اخباروں میں شائع ہوتا رہا کبھی اُنہوں نے تردید نہیں کی۔

حافظ محمد یوسف صاحب کے بھائی منشی محمد یعقوب صاحب کی شہادت

حافظ محمد یوسف صاحب کے بڑے بھائی منشی محمد یعقوب صاحب تھے انہوں نے ۱۸۹۳ء میں عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کے دن امرتسر کی عیدگاہ میں مباہلہ کے بعد بیعت کی تھی۔ مگر اپنی بیعت سے سات سال قبل ۱۸۸۶ء میں جب حضرت مرزا صاحب ابھی بیعت لینے کیلئے مامور نہ تھے انہوں نے مقام ہوشیارپور جبکہ حضرت مرزا صاحب شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ اور بعض دوسرے لوگوں کے سامنے جو بیان دیا اس کا مفہوم حضرت مرزا صاحب اپنی قلم سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولوی عبداللہ غزنوی صاحب مرحوم سے ایک دن میں نے (یعنی محمد یعقوب صاحب نے۔ ناقل) سُنا کہ وہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے"۔

منشی محمد یعقوب صاحب کا یہ بیان ۱۸۹۱ء میں شائع ہو گیا جس وقت وہ بیعت میں شامل نہ تھے اور

اُنہوں نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ بلکہ مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی اس شہادت کی بنا پر آخر اُنہوں نے ۱۸۹۳ء میں حضرت مرزا صاحب کی بیعت بھی کر لی۔

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد اُن حضرت مرزا صاحب کی کشفی حالت میں ملاقات

مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد اُن سے حضرت مرزا صاحب کی عالم رویا میں ایک دفعہ ملاقات ہوئی جس کی کیفیت خود حضرت مرزا صاحب اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ میں نے اس بزرگ باصفا کو خواب میں اُن کی وفات کے بعد دیکھا کہ سپاہیوں کی صورت پر بڑی عظمت اور شان کے ساتھ بڑے پہلوانوں کی مانند مسلح ہونے کی صورت میں کھڑے ہیں۔ تب میں نے اپنے الہامات کا ذکر کر کے اُن سے پوچھا کہ مجھے ایک خواب آئی ہے اس کی تعبیر فرمائیے۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ جب میں اُس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے ہیں، اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزارہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں۔ تب حضرت عبداللہ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میری خواب کو سُن کر بہت خوش ہوئے۔ اور بشاشت اور انبساط اور انشراح صدر کے علامات و آثارات اُن کے چہرہ میں نمودار ہو گئے۔ اور فرمانے لگے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا۔ اور یہ جو دیکھا کہ دائیں طرف تلوار چلا کر مخالفوں کو قتل کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ اتمام حجت کا کام ہے کہ جو روحانی طور پر انوار و برکات کے ذریعہ سے انجام پذیر ہوگا۔ اور یہ جو دیکھا کہ بائیں طرف تلوار چلا کر ہزارہا دشمنوں کو مارا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ سے عقلی طور پر خدا تعالیٰ الزام و اسکات خصم کرے گا۔ اور دنیا پر دونوں طور سے اپنی حجت پوری کر دے گا۔ پھر بعد اس کے انہوں نے فرمایا کہ جب میں دنیا میں تھا تو میں اُمیدوار تھا کہ خدا تعالیٰ ضرور کوئی آدمی ایسا پیدا کرے گا۔ پھر حضرت عبداللہ صاحب مرحوم مجھ کو ایک وسیع مکان کی طرف لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کاملوں کی بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن سب کے سب مسلح اور سپاہیانہ صورت میں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی جنگی خدمت بجا لانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں جو بہت جلد آنیوالا ہے پھر اس کے بعد آنکھ کھل گئی"۔

حضرت مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی وفات

وفات کی خبر ۱۸۷۶ء میں آپ کے والد یک مرتبہ ہی بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ ان کی بیماری اور وفات کا تذکرہ خود حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب البریہ میں فرمایا ہے اسلئے انکی قلم سے ہی یہ واقعہ سُن لیجئے:۔

"مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہنچا اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیزاں کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب (یعنی آپکے والد صاحب) نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کر لو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا۔ کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا والسماء والطارق یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبدأ ہے۔ اور قسم ہے اُس حادثہ کی جو آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا..... اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن کے حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں (وہ سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن پاتے تھے اور نیز ایک رقم کثیر انعام کی پاتے تھے جو اُن کی حیات سے مشروط تھی۔ ناقل) پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا۔ تب اسی وقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا پس مجھے اس خدائے عزّ وجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر کے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں اُن کا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب

آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو مَیں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت مَیں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ مَیں نے اس الہام کو اُنہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھُدوا کر اُس کی انگشتری بنائی جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گزری۔ ایک طرف اُن کا دنیا سے اُٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ مَیں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے نہیں رُک سکتی۔ سو یہ اُسی کی عنایت ہے۔"

آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی

ایمان اور توکل کا امتحان

الیس اللہ بکاف عبدہٗ کی قرآنی آیت بھی کس قدر جامع ہے۔ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس میں ایک پہلو امتحان کا ہے اور دوسرا انعام کا۔ امتحان کا تو یوں کہ جب ایک بندہ کے لئے اللہ کافی ہے تو ماسوی اللہ کی اُسے کیا پروا رہ گئی۔ دنیا کی تمام مصیبتیں اس کے لئے ہیچ ہیں اور ہر ایک قسم کا نقصان اور دُکھ اس کی نظر میں ہیچ ہے۔ اُسے خدا جیسا خزانہ مل گیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ پس وہ بندہ جو خدا کو پانے کا مدعی ہے اگر تمام دنیا بھی اُس سے چھین لی جائے تو اُس کے صدق اور استقامت میں فرق نہیں آ سکتا کیونکہ اُس کے لئے اُس کا خدا کافی ہے جو اُس کا اصل مقصود اور محبوب ہے۔ اور انعام کا پہلو یوں ہے کہ جب اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے تو پھر اس کی کل ضروریات کا وہ خود متکفل ہو جاتا ہے۔ زمین و آسمان اس کا ہو جاتا ہے۔ غیب سے اُسے رزق ملتا ہے اور آسمان سے اس کے لئے سامان جمع ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کا کوئی فرد بھی اس کی مدد نہ کرے تو بھی خدا اس کی مدد کے لئے کافی ہے۔ پس جب حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ الیس اللہ بکاف عبدہٗ تو اس الہام کے دونو پہلو کا ظہور ہوا۔ یعنی شروع میں امتحان کا اور بعد میں انعام کا۔ امتحان کا تو یوں کہ آپ کے والد صاحب کی وفات کے بعد مرزا غلام قادر صاحب آپ کے بڑے بھائی والد کے جانشین قرار پائے۔ آپ کے والد صاحب کی جائداد کچھ مکانات اور دوکانیں اور زمین قادیان میں تھی۔ چونکہ آپ دو بھائی تھے اس لئے شرعاً

وقا فوقاً وہ جائداد آپ دونو کے حصّہ میں آتی تھی۔ اور آپ کا حصّہ آپ کے گزارہ کے لئے کافی تھا لیکن آپ نے اپنے بڑے بھائی سے وہ جائداد تقسیم نہیں کرائی بلکہ اپنے والد صاحب کے زمانہ کی طرح اپنی جائداد سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ اور بڑے بھائی کو اپنے والد کا قائم مقام سمجھا۔ جو کچھ وہ دیدیتے اس پر گزارہ کر لیتے۔ مگر اس معاملہ میں اُن کا سلوک کچھ قابل تعریف نہ تھا کیونکہ ان کا مقصد فقط حصولِ دنیا تھا۔ وہ خود تو گورداسپور رہتے تھے کیونکہ وہاں ملازم تھے۔ اُن کی غیر حاضری میں ان کے عیال اور منتظمین کے ہاتھوں آپ کو بہت تنگی اور تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی حتّٰی کہ ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں بھی آپ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اور بعض دفعہ آپ کو فاقہ بھی کرنا پڑجاتا۔ آپ کا یہ امتحان آپ کے بھائی کی وفات تک برابر جاری رہا۔ مگر آپ کے صبر اور توکل میں بال برابر بھی تو فرق نہ آیا۔ اور یہ آزمائش کے سال آپ نے بڑے صدق اور استقامت سے گزارے۔ باوجود اس کے کہ آپ کا اپنے والد مرحوم کی متروکہ جائداد میں برابر کا حصّہ تھا۔ پھر بھی آپ نے اپنے بھائی میں دنیا کی رغبت دیکھکر اُن سے حصّہ طلب نہ کیا اور محض کھانے کپڑے پر اکتفا کیا۔ گو آپ کے بھائی اپنی سمجھ کے مطابق آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور آپ سے ایک حد تک محبّت بھی رکھتے تھے لیکن باوجود اس کے چونکہ وہ ایک سخت دنیا دار آدمی تھے اور حضرت مرزا صاحب دنیا سے بالکل متنفر تھے اس لئے وہ حضرت مرزا صاحب کو ضرورتِ زمانہ سے ناواقف اور سُست اور نکما سمجھتے تھے۔ اور بعض دفعہ اظہار ناراضگی بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب نے کسی اخبار کے منگوانے کے لئے اُن سے ایک نہایت قلیل رقم منگوائی تو اُنہوں نے باوجود اس کے کہ آپ کی جائداد پر قابض تھے انکار کر دیا اور کہا کہ "یہ اسراف ہے کام کاج تو کچھ کرتے نہیں اور یونہی بیٹھے کتب و اخبار کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں"۔ یہ خدائی امتحان آپ کے بھائی کی وفات تک جاری رہا۔ اس کے بعد انعام کا پہلو شروع ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے وہ مالی فتوحات عطا فرمائیں کہ لاکھوں روپے غیب سے آئے اور لاکھوں ہی خدا کی راہ میں خرچ ہوئے۔ آپ کی ضروریات کو اللہ تعالیٰ غیب سے پورا کرتا اور دین و دنیا کے سامان آپ کے لئے اپنی جناب سے جمع کرتا۔ اس کے بعد کبھی کسی چیز کی کمی نہ ہوئی۔ اور کیوں ہوتی۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ من کان للہ فکان اللہ لہٗ۔ خود حضرت مرزا صاحب کیا خوب فرماتے ہیں:۔

عاشقانِ رخِ خود را ہر دو عالم میدہی
ہر دو عالم ہیچ پیشِ دیدۂ غلمان تو

کثرت مکالمات الٰہیہ کا آغاز

الہامات کب سے شروع ہوئے

آپ کی فطرت صحیحہ اور قلب سلیم اور آپ کے زہد اور عبادت اور تقویٰ اور اتباع قرآن و سنت نے اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کیا اور جناب الٰہی نے اپنے قرب سے نوازا اور اپنی پاک باتوں سے مشرف فرمایا۔ آپ کو رویائے صالحہ اور کشوف وغیرہ تو ابتدائی عمر سے شروع ہو گئے تھے مگر الہامات کے متعلق آپ کی تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر مکالمات الٰہیہ کا شرف آپ کو ۱۸۶۸-۶۹ء سے حاصل ہو گیا تھا۔ جب آپ کو یہ الہام ہوا تھا کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ شرف حاصل ہو۔ لیکن الہامات کا سلسلہ بڑے زور و شور سے آپ کے والد صاحب کی وفات سے شروع ہوا جو ۱۸۷۶ء میں ہوئی تھی۔

مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ کیوں اسقدر زور شور سے ہوا

مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا شرف اولیاء اللہ کو ہمیشہ حاصل ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مگر جس قدر کثرت سے اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مکالمہ ہوا وہ اس اُمت کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ اور اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں خدا اور اس کے کلام کا جس شدت سے انکار ہوا ویسا دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اس لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں جس مجدد کو ہدایت خلق کے لئے کھڑا کرتا اسے اپنے مکالمات سے بکثرت نوازتا تا مادہ پرستوں اور دہریوں پر اتمام حجت ہو۔ چنانچہ اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے اپنی رویا اور کشوف اور الہامات کو دیگر بزرگوں کی طرح مخفی نہیں رکھا بلکہ اس کی بڑی زور شور سے اشاعت کی تا اس کے منکروں پر حجت تمام ہو۔ ایک طرف لامذہب خدا اور اس کے کلام سے منکر تھے تو دوسری طرف اہل مذاہب میں بھی برہمو سماج اور دیو سماج الہام الٰہی کے منکر تھے۔ آریہ سماج جس کا ہندوستان میں اس وقت بڑا زور تھا الہام الٰہی کو ابتدائے دنیا میں محدود کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ عیسائیت اور یہودیت نے بھی الہام کو گزشتہ زمانہ میں محدود کر کے اس کے دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر چھوڑا تھا۔ اور مسلمانوں میں نیچریوں کا ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو وحی الٰہی کے خارج سے نزول کا قائل نہ تھا بلکہ یہ ماننے لگا تھا کہ الہام قلب سے اُٹھتا ہے اور قلب پر ہی پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں وحی و الہام کے مسئلہ کو صفائی سے اہل عالم پر ظاہر کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس زمانہ کے مجدد کو الہام الٰہی کے شرف سے پوری طرح صاحب حال بنایا جاتا اور اس کے ذریعہ اس رُوحانی مسئلہ کی کیفیت کو ہر ایک طالب حق پر ایسا روشن کیا

کیا جاتا کہ کوئی دقیقہ شک شبہ کا باقی نہ رہ جاتا +

وحی ولایت حدیث شریف میں ایسے لوگوں کا نام محدّث آیا ہے جو انبیا تو نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ لقد کان فی من کان قبلکم رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء فان یکن فی اُمتی احدٌ فعمر۔ تم سے پہلے لوگوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتا تھا گو وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ میری اُمت میں اگر کوئی شخص ایسا ہے تو عمر ہے۔ قرآن کریم بھی مومنین مقربین کی نسبت فرماتا ہے۔ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا (یونس۔۶۴) کہ مومنوں کو اس دنیا کی زندگی میں بشارتیں دی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا۔ تتنزل علیھم الملٰئکۃ (حم السجدہ۔۳۰) کہ ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا مومنین مقربین سے کلام کرنا اور ملائکہ کا ان پر نزول قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور تمام اولیائے اُمت کم وبیش اس کے مدعی نظر آتے ہیں۔ البتہ نزول جبریل بہ پیرایہ وحی رسالت چونکہ وحی نبوّت سے مختص ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہو چکی اس لئے اب جو وحی والہام محدثین اور اولیائے اُمت سے ہوتا ہے وہ خواہ دیگر ملائکہ کی وساطت سے ہو مگر جبریل کی وساطت سے نہیں ہوتا اور ان الہامات کو وحی ولایت کہا جاتا ہے نہ کہ وحی نبوّت +

قرآن وسنت کی اتباع کے ثمرات کا ثبوت اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ومخاطبہ جو مومنین ومقربین کو حاصل ہوتا ہے وہ دراصل قرآن اور سنت کی اتباع کے ثمرات ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن کریم کی اطاعت اور محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع سے انسان اس مقام قرب الٰہی تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان کو مکالمات الٰہیہ کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا نشان ہے کہ ہر زمانہ میں اور آج بھی قرآن وسنت کی پیروی سے ایسے کامل لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ سنتا اور اپنے مکالمات ومخاطبات سے انہیں مشرف فرماتا ہے۔ اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کی پیروی سے اب یہ ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وہ مذاہب خواہ ابتدا میں منجانب اللہ ہی ہوں مگر اسلام کے آنے کے بعد چونکہ ان کی ضرورت نہ رہی اس لئے وہ مذاہب مردہ ہو گئے اور ان کے ثمرات پیچھے رہ گئے۔ گویا اُن میں جو کچھ تھا وہ زمانۂ ماضی میں گزر چکا اور اب کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ اب زندہ مذہب نہیں رہے۔ مگر اسلام چونکہ ایک زندہ مذہب ہے اس لئے اس کے ثمرات آج بھی تو تی اکلھا کل حین کے مطابق اسی طرح ملتے ہیں جس طرح پہلے ملتے تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ بھی انہی کاملین اُمت میں سے ایک ہونے کا تھا جو سلوک کے

تمام مدارج کو طے کر کے جناب الٰہی کے مقربین میں شامل ہو کر مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہؤا کرتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس نعمت سے حصّہ وافر دیا تھا اس لئے اس پہلو کو خاص طور پر آپ نے اس مادیت کے زمانہ میں جب وحی اور الہام سے عام طور پر انکار ہو رہا تھا بڑے زور اور تحدی سے اہل عالم کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی صداقت اور اس کے تمام دنیا میں واحد زندہ مذہب ہونے کے ثبوت میں اس امر میں اپنے حالی تجربات کو پیش کیا اور بتایا کہ مَیں نے اسلام کو خود تجربہ کر کے اُسے سچّا اور زندہ مذہب پایا کیونکہ اس کے ذریعہ مَیں نے زندہ خدا کو پایا اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہؤا اور اسلام کے باہر کسی مذہب میں زندگی اور قوت رُوحانی باقی نہیں۔ اگر کوئی اس کا مدعی ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ چنانچہ ایک نظم میں بھی اسی بات کو کس خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں:۔ ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طُورِ تجلّی کا بتایا ہم نے

منکرین الہام پر اتمام حجّت

الغرض آپ نے ایک طرف تو دہریوں اور لامذہبوں پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں صدہا دلائل عقلیہ دیتے ہوئے یوں حجت تمام کی کہ مشاہدہ اور تجربہ سے بڑھکر اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اسلام ہی وہ زندہ مذہب ہے کہ اس پر عمل کرنے سے وہ حیّ و قیوم خدا انسان کو ملتا اور اس سے بولتا ہے۔ اور مَیں اس میں صاحب تجربہ و مشاہدہ ہوں جس کا دل چاہے میرے پاس آ کر امتحان کرے۔ اور دوسری طرف اہل مذاہب پر یوں حجت تمام کی کہ اگر مذہب کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کو خدا سے ملا دے تو پھر اسلام کے سوا اب کوئی سچّا اور زندہ مذہب نہیں جس کے ذریعہ بندہ خدا کو پاتا اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوتا ہے اور مَیں اس میں صاحب تجربہ اور صاحب حال ہوں جس کا دل چاہے میرے مقابلہ پر آ جائے۔

اسلام کی صداقت پر بعض نشانات جنہیں آپ غیر مسلموں کے سامنے پیش کرتے رہے

غیر مسلموں اور منکرین الہام و وحی پر حجّت تمام کرنے کیلئے ابتدا سے آپ کا یہ طریق تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی خبر ملتی خواہ بذریعہ الہام ہو

یا بذریعہ کشف تو آپ قادیان کے ان تمام آریوں وغیرہ کو جن سے اسلام کی صداقت پر دن رات گفتگو و مباحثے ہوتے رہتے تھے سنا دیتے تا ان پر حجت تمام ہو۔ لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے قادیان کے دو آریہ آپ کے اکثر ملنے والوں میں سے تھے۔ آپ کے والد صاحب کی وفات کے بعد جب سلسلۂ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ نہایت زور سے شروع ہوا تو جو نئی خبر ملتی تو ان دو آریوں کو بالخصوص اور بہت سے آدمیوں کو بالعموم سنا دیتے تا اسلام کی صداقت پر وہ گواہ ٹھیر جائیں۔ چنانچہ بعد میں حضرت مرزا صاحب نے ان نشانات کو اپنی کتابوں میں درج کر کے لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے کو چیلنج دیا کہ وہ اپنے بیٹوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر اور اُن کی قسم کھا کر ان نشانوں کا انکار کر جائیں لیکن ان دونوں کو کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ انکار کریں۔ مَیں اُن میں سے دو تین نشانات بطور نمونہ درج کرتا ہوں:۔

نشان نمبر ۱
لالہ ملاوامل پر اتمام حجّت

لالہ ملاوامل جب بیس۲۰ یا بائیس۲۲ برس کی عمر کے تھے تپ دق میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"رفتہ رفتہ اس کی مرض انتہا کو پہنچ گئی اور آثار مایوسی کے ظاہر ہو گئے۔ ایک دن وہ میرے پاس آکر اور اپنی زندگی سے نا اُمید ہو کر بہت بیقراری سے رویا۔ میرا دل اس کی عاجزانہ حالت پر گھل گیا۔ اور مَیں نے حضرت احدیت میں اس کیلئے دعا کی۔ چونکہ حضرت احدیت میں اس کی صحت مقدر تھی اس لئے دعا کرنے کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ قلنا یا نار کونی بردًا وسلامًا یعنی ہم نے تپ کی آگ کو کہا کہ تو سرد اور سلامتی والی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت اس ہندو اور نیز کئی اور ہندوؤں کو جو اب تک اس قصبہ میں موجود ہیں اور اس جگہ کے باشندے ہیں اس الہام سے اطلاع دی گئی۔ اور خدا پر کامل بھروسہ کر کے دعویٰ کیا گیا کہ وہ ہندو ضرور صحت پائے گا۔ اور اس بیماری سے ہرگز نہیں مرے گا۔ چنانچہ اس الہام کے بعد ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر وہ شفا پا گیا" (براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۷ و ۲۲۸)

نشان نمبر ۲
لالہ شرمپت رائے پر اتمام حجّت

یہ ۱۸۷۰ء کا واقعہ ہے۔ جس ہندو کا اس نشان میں ذکر آئے گا وہ لالہ شرمپت رائے ہے۔ اور اس میں پیشگوئی اس کے بھائی لالہ بشمبر داس کے متعلق ہے۔ حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"عرصہ تخمیناً بارہ برس کا ہوا کہ ایک ہندو صاحب جو آب آریہ سماج قادیان کا ممبر اور صحیح سلامت موجود ہے اور جو حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آنحضرت صلعم

کی پیشگوئیوں سے سخت منکر تھا۔ اور اس کا پادریوں کی طرح شدّتِ عناد سے یہ خیال تھا کہ یہ پیشگوئیاں مسلمانوں نے آپ بنائی ہیں ورنہ آنحضرتؐ پر خدا نے کوئی امر غیب ظاہر نہیں کیا۔ اور اُن میں یہ علامت نبوّت موجود ہی نہیں تھی۔ مگر سبحان اللہ کیا فضل خدا کا اپنے نبیؐ پر ہے اور کیا بلند شان اس معصوم اور مقدس نبی صلعم کی ہے کہ جس کی صداقت کی شعاعیں اب بھی ایسی ہی چمکتی ہیں کہ جیسی قدیم سے چمکتی آئی ہیں۔ کچھ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ اس ہندو کا ایک عزیز کسی ناگہانی پیچ میں آکر قید ہو گیا اور اس کے ہمراہ ایک اور ہندو بھی قید ہوا۔ اور ان دونو کا چیفکورٹ میں اپیل گزرا۔ اس حیرانی اور سرگردانی کی حالت میں ایک دن اس آریہ صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی کہ غیبی خبر اسے کہتے ہیں کہ آج کوئی یہ بتلا سکے کہ اس ہمارے مقدمہ کا انجام کیا ہے۔ تب مَیں نے جواب دیا کہ غیب تو خاصہ خدا کا ہے۔ اور خدا کے پوشیدہ بھیدوں سے نہ کوئی نجومی واقف ہے نہ رمّال۔ نہ فال گیر اور نہ کوئی مخلوق۔ ہاں خدا جو زمین و آسمان کی ہر ایک شدنی بات سے واقف ہے۔ اپنے کامل اور مقدس رسولوں کو اپنے ارادہ اور اختیار سے بعض اسرار غیبیہ پر مطلع کرتا ہے۔ اور نیز کبھی کبھی جب چاہتا ہے تو اپنے سچے رسول کے کامل تابعین پر جو اہل اسلام ہیں ان کی تابعداری کی وجہ سے اور نیز اس باعث سے کہ وہ اپنے رسول کے علوم کے وارث ہیں بعض اسرار پوشیدہ ان پر بھی کھولتا ہے تا ان کے صدق مذہب پر ایک نشان ہو۔ لیکن دوسری قومیں جو باطل پر ہیں جیسے ہندو اور اُن کے پنڈت اور عیسائی اور اُن کے پادری وہ سب ان کامل برکتوں سے بے نصیب ہیں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ وہ شخص اس بات پر اصرار ہو گیا کہ اگر اسلام کے متبعین کو دوسری قوموں پر ترجیح ہے تو اسی موقعہ پر اُس ترجیح کو دکھلانا چاہیئے۔ اس کے جواب میں ہر چند کہا گیا کہ اس میں خدا کا اختیار ہے انسان کا اُس پر حکم نہیں۔ مگر اس آریہ نے انکار پر بہت اصرار کیا۔ غرض جب مَیں نے دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور دین اسلام کی عظمتوں سے سخت منکر ہے تب میرے دل میں خدا کی طرف سے جوش ڈالا گیا کہ خدا اس کو اس مقدمہ میں شرمندہ اور لاجواب کرے۔ اور مَیں نے دعا کی کہ اے خداوند کریم تیرے نبیؐ کی عزّت اور عظمت سے یہ شخص سخت منکر ہے اور تیرے نشانوں اور پیشگوئیوں سے جو تو نے اپنے رسولؐ پر ظاہر فرمائیں سخت انکاری ہے۔ اور اس مقدمہ کی آخری حقیقت کھلنے سے یہ لاجواب ہو سکتا ہے اور تو ہر بات پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کوئی امر تیرے علم محیط سے مخفی نہیں۔ تب خدا نے جو اپنے سچے

دین کا حامی ہے اور اپنے رسولؐ کی عزت اور عظمت چاہتا ہے۔ رات کے وقت رویا میں کل حقیقت مجھ پر کھول دی۔ اور ظاہر کیا کہ تقدیر الٰہی یوں مقدر ہے کہ اس کی مسل چیفکورٹ سے عدالت ماتحت میں پھر واپس آئے گی اور پھر اس عدالت ماتحت میں نصف قید اس کی تخفیف ہو جائے گی مگر بری نہیں ہوگا۔ اور جو اُس کا دوسرا رفیق ہے وہ پوری قید بھگت کر خلاصی پا جائے گا۔ اور بری وہ بھی نہیں ہوگا۔ پس میں نے اس خواب سے بیدار ہو کر اپنے خداوند کریم کا شکر کیا جس نے مخالف کے سامنے مجھ کو مجبور ہونے نہ دیا۔ اور اسی وقت میں نے یہ رویا ایک جماعت کثیر کو سنا دیا اور اس ہندو صاحب کو بھی اُسی دن خبر کر دی۔"

(براہین احمدیہ جلد سوم صفحہ ۲۵۰-۲۵۱)

"اس مقام میں یاد آیا کہ جو رویا صادقہ حصہ سوم (مندرجہ بالا) میں ایک ہندو کے مقدمہ کے بارے میں لکھی گئی ہے اس میں بھی ایک عجیب نزاع و انکار کے موقعہ پر الہام ہوا تھا۔ جس سے ایک بڑا قلق اور کرب دور ہوا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس رویا صادقہ میں کہ ایک کشف صریح کی قسم تھی۔ یہ معلوم کرایا گیا کہ ایک کھتری ہندو **بشمبر داس** نامی جو اب تک قادیان میں بقید حیات موجود ہے (اب فوت ہو چکا ہے۔ ناقل) مقدمہ فوجداری سے بری نہیں ہوگا۔ مگر آدھی قید تخفیف ہو جائے گی۔ لیکن اس کا دوسرا ہم قید **خوشحال** نامی کہ وہ بھی اب تک قادیان میں زندہ موجود ہے (یہ بھی اب فوت ہو چکا ہے۔ ناقل) ساری قید بھگتے گا۔ سو اس جزو کشف کی نسبت یہ ابتلا پیش آیا کہ جب چیفکورٹ سے حسب پیشگوئی اس عاجز کے مسل مقدمہ مذکورہ واپس آئی تو متعلقین مقدمہ نے اس واپسی کو بریت پر حمل کر کے گاؤں میں یہ مشہور کر دیا کہ دونو ملزم جرم سے بری ہو گئے ہیں۔ مجھ کو یاد ہے کہ رات کے وقت میں یہ خبر مشہور ہوئی۔ اور یہ عاجز مسجد میں عشا کی نماز پڑھنے کو تیار تھا کہ ایک نمازیوں میں سے بیان کیا کہ یہ خبر بازار میں پھیل رہی ہے اور ملزمان گاؤں میں آ گئے ہیں۔ سو چونکہ یہ عاجز علانیہ لوگوں میں کہہ چکا تھا کہ دونو مجرم ہرگز جرم سے بری نہیں ہوں گے۔ اس لئے جو کچھ غم اور قلق اور کرب اس وقت گزرا سو گزرا۔ تب خدا نے جو اس عاجز بندہ کا ہر ایک حال میں حامی ہے نماز کے اوّل یا عین نماز میں بذریعہ الہام یہ بشارت دی **لا تخف انک انت الاعلیٰ**۔ اور پھر فجر کو ظاہر ہو گیا کہ وہ خبر بری ہونے کی سراسر جھوٹی تھی۔ اور انجام کار وہی ظہور میں آیا کہ جو اس عاجز کو خبر دی گئی تھی جس کو شرمپت ایک آریہ اور چند دوسرے لوگوں

کے پاس قبل از وقوع بیان کیا گیا تھا۔ کہ جو اب تک قادیان میں موجود ہیں"۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۴۹ تا ۵۵۱)

نشان نمبر ۳
اللہ شرمپت رائے اور دیگر لوگوں پر ایک اور اتمام حجت

جن دنوں حضرت مرزا صاحب اپنے والد صاحب کے حکم سے زمینداری مقدمات کی پیروی میں لگے ہوئے تھے۔ جھنڈا سنگھ وغیرہ دخیلکار پر جو دفعہ ۵ ایکٹ مزارعان کے ماتحت دخیلکار تھے بلا اجازت مالکان درخت کاٹنے پر نالش کی گئی تھی اور حضرت مرزا صاحب ہی اس مقدمہ کے پیروکار تھے۔ آپ کو قبل از وقت اس مقدمہ کے نتیجہ اور انجام سے اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تھی کہ ڈگری ہوگئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ہمارا ایک مقدمہ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں چند موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں بتلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہوگی۔ میں نے کئی لوگوں کے آگے وہ خواب بیان کی منجملہ ان کے ایک ہندو بھی تھا جو میرے پاس آمد و رفت رکھتا تھا۔ اس کا نام شرمپت ہے جو زندہ موجود ہے۔ اس کے پاس بھی میں نے یہ پیشگوئی بیان کر دی تھی کہ اس مقدمہ میں ہماری فتح ہوگی۔ بعد اس کے ایسا اتفاق ہوا کہ جس روز اس مقدمہ کا اخیر حکم سنایا جانا تھا ہماری طرف سے کوئی شخص حاضر نہ ہوا۔ اور فریق ثانی جو شاید پندرہ یا سولہ آدمی تھے حاضر ہوئے۔ عصر کے وقت ان سب نے واپس آکر بازار میں بیان کیا کہ مقدمہ خارج ہوگیا۔ تب وہی شخص مسجد میں میرے پاس دوڑتا آیا اور طنزاً کہا کہ لو صاحب آپ کا مقدمہ خارج ہوگیا۔ میں نے کہا کہ کس نے بیان کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ سب مدعا علیہم آگئے ہیں اور بازار میں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں حیرت میں پڑ گیا کیونکہ خبر دینے والے پندرہ آدمی سے کم نہ تھے اور بعض ان میں سے مسلمان اور بعض ہندو تھے۔ تب جو کچھ مجھ کو فکر اور غم لاحق ہوا اس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ ہندو تو یہ بات کہہ کر خوش خوش بازار کی طرف چلا گیا۔ گویا اسلام پر حملہ کرنے کا ایک موقعہ اس کو مل گیا مگر جو کچھ میرا حال ہوا اس کا بیان کرنا طاقت سے باہر ہے۔ عصر کا وقت تھا میں مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور دل سخت پریشان تھا کہ اب یہ ہندو ہمیشہ کیلئے یہ کہتا رہے گا کہ کس قدر دعوے سے ڈگری ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور وہ جھوٹی نکلی۔ اتنے میں غیب سے ایک آواز گونج کر آئی۔ اور آواز اس قدر بلند تھی کہ میں نے خیال کیا کہ باہر سے کسی آدمی نے آواز دی ہے۔ آواز کے یہ لفظ تھے کہ "ڈگری ہوگئی ہے مسلمان ہے"۔ یعنی کیا تو باور نہیں کرتا۔ تب میں نے اُٹھ کر مسجد کے چاروں طرف دیکھا تو کوئی آدمی نہ پایا۔

تب یقین ہوگیا کہ فرشتہ کی آواز ہے۔ مَیں نے اُس ہندو کو پھر اُسی وقت بلایا اور فرشتہ کی آواز سے اُس کو اطلاع دی مگر اُس کو باور نہ آیا۔ صبح مَیں خود بٹالہ کی تحصیل میں گیا اور تحصیلدار حافظ ہدایت علی نام ایک شخص تھا وہ اُس وقت ابھی تحصیل میں نہیں آیا تھا۔ اُس کا مسلخواں متھرا داس نامی ایک ہندو موجود تھا۔ مَیں نے اُس سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا مقدمہ خارج ہوگیا؟ اُس نے کہا کہ نہیں بلکہ ڈگری ہوگئی۔ مَیں نے کہا کہ فریق مخالف نے قادیان میں جا کر یہ مشہور کر دیا ہے کہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک طور سے اُنہوں نے بھی سچ کہا ہے بات یہ ہے کہ جب تحصیلدار فیصلہ لکھ رہا تھا تو مَیں ایک ضروری حاجت کے لئے اُس کی پیشی سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ تحصیلدار نیا تھا۔ اُس کو مقدمہ کے پیش و پس کی خبر نہ تھی۔ فریق مخالف نے ایک فیصلہ اُس کے روبرو پیش کیا جس میں موروثی اسامیوں کو بلا اجازت مالک کے اپنے کھیتوں سے درخت کاٹنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ تحصیلدار نے اس فیصلہ کو دیکھ کر مقدمہ خارج کر دیا۔ جب میں آیا تو تحصیلدار نے وہ فیصلہ مجھے دیا کہ شامل مسل کرو۔ جب مَیں نے اُس کو پڑھا تو مَیں نے تحصیلدار کو کہا کہ یہ تو آپ نے بڑی بھاری غلطی کی کیونکہ جس فیصلہ کی بنا پر آپ نے یہ حکم لکھا ہے وہ تو اپیل کے محکمہ سے منسوخ ہو چکا ہے۔ مدعا علیہم نے شرارت سے آپ کو دھوکا دیا ہے۔ اور مَیں نے اُسی وقت محکمہ اپیل کا فیصلہ جو مسل سے شامل تھا اُن کو دکھلا دیا تب تحصیلدار نے بلا توقف اپنا پہلا فیصلہ چاک کر دیا اور ڈگری کر دی۔ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ ایک ہندوؤں کی جماعت اور کئی مسلمان اس کے گواہ ہیں۔ اور وہی شرمپت اس کا گواہ ہے جو بہت خوشی سے یہ خبر لیکر میرے پاس آیا تھا کہ مقدمہ خارج ہوگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ خدا کے کام عجیب قدرتوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس پیشگوئی کی تمام وقعت اس سے پیدا ہوئی کہ ہماری طرف سے کوئی حاضر نہ ہوا اور تحصیلدار نے غلط فیصلہ فریق ثانی کو سنا دیا۔ دراصل یہ سب کچھ خدا نے کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خاص عظمت اور وقعت پیشگوئی میں پیدا نہ ہوتی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۱ و ۲۶۲)

مَیں نے یہ چند نشانات مشتے نمونہ از خروارے بیان کر دیئے ہیں۔ ایسے سینکڑوں نشانات تھے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ اور حضرت مرزا صاحب کا قاعدہ تھا کہ لوگوں کو جہاں اسلام کی تبلیغ و دعوت کرتے تھے وہاں ان کے سامنے اسلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے اپنے حالی تجربات اور مشاہدات کو بھی اسلام کی پیروی کے ثمرات کے طور پر پیش کر دیا کرتے

تھے۔ اور اس طرح ایک بہت بڑی جماعت قادیان میں ہندو اور مسلمانوں کی ان نشانات پر گواہ بن گئی۔

حضرت مرزا صاحب کی دعوت و تبلیغ

وعظ و تبلیغ سیالکوٹ سے واپسی پر آپ کا کام شب و روز تبلیغ و دعوت اسلام تھا۔ مسلمان جو آپ کے پاس آتا آپ اُسے دین سکھاتے اور عبادت اور تقویٰ کی تلقین کرتے۔ غیر مسلم جو آتا اُسے آپ اسلام کی تبلیغ کرتے۔ اور کسی طرف سے بھی کوئی اعتراض اگر اسلام پر ہوتا تو آپ اُس کے لئے سینہ سپر ہو جاتے۔ آپ کا یہ طریق تعلیم اور تقریر اور تحریر تینوں رنگ میں جاری تھا۔

(۱) اسلام کی تبلیغ کیلئے تعلیم اسلام کی تبلیغ کے لئے آپ مختلف اشخاص کو اس علم کلام کی تعلیم دیتے رہتے تھے جو خاص آپ کے وجود کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا تھا (اس پر مفصل بحث بعد میں آئے گی) اور جو اس قدر مؤثر تھا کہ پادری ٹلر جیسا قابل اور فاضل انگریز اُس کا لوہا مان گیا۔ اور پادریوں اور آریوں کا تو ناطقہ ہی بند ہو گیا۔ سیالکوٹ میں ایک صاحب مراد بیگ نام جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں تو مرزا شکستہ تخلص کرتے تھے مگر بعد میں موحد تخلص اختیار کر لیا تھا۔ اُن کو پادریوں سے مباحثہ کرنے کا شوق تھا وہ اکثر حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف سوالات کر کے آپ کے علم کلام سے مستفیض ہوتے۔ اور پادریوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں اُس سے فائدہ اُٹھاتے۔ بٹالہ میں نبی بخش پٹواری تھے جو اکثر پادریوں سے مباحثہ کیا کرتے تھے وہ حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں اکثر قادیان آتے اور آپ کے علم کلام سے مستفیض ہو کر پادریوں کا قافیہ تنگ کیا کرتے۔ وہ اُن اعتراضات کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے جو پادری اسلام پر کیا کرتے تھے اور ان کے جوابات آپ سے سنتے۔ حضرت مرزا صاحب فرمایا کرتے کہ مجھ سے خوب بحث کر لو تاکہ تمہیں پادریوں کے سامنے کسی وقت کا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ وہ بار بار اعتراض کر کے مسئلہ کو خوب صاف کر لیتے اور پھر واپس جا کر پادریوں کی خوب خبر لیتے میاں نبی بخش صاحب کا بیان ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے پاس مرزا پور کی چھپی ہوئی بائیبل تھی۔ آپ نے کئی مرتبہ اُس کو پڑھا تھا۔ بعض اوقات حضرت صاحب بائیبل پر نشان لگا لیتے یا الگ حوالجات لکھ لیتے تھے۔ میں اُن حوالجات کو خوب یاد کر لیتا یا لکھ لیتا۔ حضرت صاحب ایک نہایت ہوشیار اسلام کے پہرہ دار کی طرح تمام غیر مسلم معترضین کے اعتراضات کو نوٹ کرتے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ عیسائی پادریوں سے بڑھ کر اسلام پر اور کوئی ہرزہ سرائی نہ کرتا تھا اس لئے آپ نے مختلف عیسائی پادریوں کے

اعتراضات تین ہزار کی تعداد میں جمع کئے تھے جو بعد میں نہ معلوم کس طرح جل گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا قلم دوسرے مذاہب کی نسبت عیسویت کے خلاف بہت تیز چلتا تھا۔ کیونکہ جس قدر ان لوگوں نے آنحضرت صلعم کے شان میں گستاخیاں کی ہیں اور کسی نے کیا کرنی ہیں ۔

مولوی قدرت اللہ صاحب کو مسلمان کرنے کا جوش

انہی ایام میں بٹالہ کے ایک شخص مولوی قدرت اللہ نام عیسائی ہوگئے۔ منشی نبی بخش صاحب نے آکر خبر دی تو آپ کو اس کے سننے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور منشی نبی بخش صاحب کو کہا کہ اُسے سمجھاؤ۔ اور اگر میری ضرورت ہو تو میں خود وہاں چلنے کو تیار ہوں منشی صاحب نے کہا کہ یہ قبول عیسائیت حق پژوہی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تہ میں بعض دنیوی اغراض ہیں۔ تو فرمایا کہ "اگر کوئی مالی مدد دینی پڑے تو چندہ کر لو میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ اس کے نام کے ساتھ مولوی کا لفظ ہے عوام پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے"۔ منشی نبی بخش صاحب نے عرض کیا کہ "اگر اُن سے مباحثہ کرنے میں سختی کرنی پڑے تو کیا کچھ سخت الفاظ بھی استعمال کر لئے جائیں"۔ فرمایا کہ "سختی کرنے سے بعض اوقات دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے نرمی اور تالیف قلوب کا سلوک کرو۔ مولوی ضدی طبع ہوتے ہیں۔ اپنی ضد میں آکر وہ حق اور ناحق کی پروا نہیں کرتے"۔ غرض مولوی قدرت اللہ کو اسلام میں واپس لانے کے لئے آپ نے بہت تاکید کی اور آپ کو اس کا بہت رنج تھا۔ اور فرمایا کہ "اسلام سے کسی کا مرتد ہو جانا بہت بڑا امر ہے۔ اس کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہم کو تو دوسروں کو اسلام میں لانا چاہئے۔ اگر ہماری غفلت سے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو ہم سب خدا تعالیٰ کے حضور اس کے لئے جوابدہ ہوں گے"۔ قصہ کوتاہ یہ کہ منشی نبی بخش صاحب ہر طرح سے تیار ہو کر گئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "تم جا کر کوشش کرو۔ میں دعا کروں گا۔ اور تم اس سے تنہائی میں ملو۔ لوگوں کے سامنے نہ ملنا اور نہ بحث کرنا۔ انسان کو اس سے اپنی بات کی پچ پڑ جاتی ہے"۔ منشی نبی بخش صاحب کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی نصیحت اور ہدایت پر عمل کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی قدرت اللہ صاحب واپس اسلام میں آگئے اور اس سے حضرت کو بہت خوشی ہوئی ۔

(۲) تقریر کے ذریعہ تبلیغ اسلام

آپ سے جو کوئی ملنے آتا آپ اُس سے اسلام کی خوبیاں ضرور بیان کرتے مسلم ہو یا غیر مسلم سب کے سامنے اپنے محبوب یعنی اسلام کی خوبیاں بیان کرنا اور وعظ و تبلیغ کرنا آپ کا وطیرہ بن گیا تھا ۔

لالہ ملاوامل کو تبلیغ

لالہ ملاوامل جو قادیان کا ہندو آریہ تھا۔ اور جس کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے۔ جب پہلی مرتبہ

آپ سے ملنے آیا تو عشا کی نماز کا وقت تھا۔ آپ نے نماز سے پہلے اُس کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرنی شروع کر دیں اور نہایت خوبصورتی سے تبلیغ کرتے رہے۔ بعد میں نماز پڑھی۔ ملاوامل کا بیان ہے کہ مَیں نے اس وقت یہ سمجھا تھا کہ شاید مسلمانوں کے ہاں عشاء کی نماز سے پہلے کسی دوسرے کو تبلیغ اسلام کرنا ایک ضروری فرض ہے۔

بعد میں انہی لالہ ملاوامل سے تعلقات زیادہ بڑھ گئے اور یہ صاحب آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے۔ لالہ ملاوامل کا بیان ہے کہ حضرت مرزا صاحب چونکہ علم دوست اور صاحب اخلاق آدمی تھے مجھے ان کی صحبت بہت پسند آئی۔ حضرت مرزا صاحب بعد نماز ظہر ٹہلنا شروع کرتے اور عصر تک ٹہلتے رہتے مَیں بھی اُن کی خدمت میں جا حاضر ہوتا۔ یا صبح جب وہ سیر کے لئے نکلتے تو مَیں بھی ساتھ ہو لیتا۔ دو اڑھائی میل کی سیر ہوتی مگر اس تمام اثنا میں علمی یا اخلاقی باتوں کے سوا اور کچھ بات نہ ہوتی۔ اور اکثر مذہبی تبادلۂ خیالات ہوا کرتا۔ آپ کبھی کبھی ملاوامل کو کہانیاں بھی سنایا کرتے۔ گو وہ سب کی سب ایسی ہوتیں جن میں مذہبی تبلیغ ہوتی۔ اور اکثر مولانا روم کی کہانیاں ہوتیں جن سے آپ اعلیٰ درجہ کے اخلاقی نتائج اخذ کرتے۔ ملاوامل کی طرح شرمپت اور کشن سنگھ اور دوسرے ہنود میں سے جو بھی آپ سے ملتا آپ اُسے برابر تبلیغ کرتے رہتے۔

کشن سنگھ کا عیسائی ہونے سے بچ جانا

کشن سنگھ قادیان کا مشہور لمبے کیسوں والے آریہ کی نسبت پادری بیٹ مین کا خیال تھا کہ عیسائی ہو جائے گا۔ مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کے پاس آتا جاتا ہے تو اُس نے کہدیا کہ کشن سنگھ کے خیالات مرزا صاحب نے بگاڑ دیئے ہیں مطلب اس کا یہ کہ اب عیسائیت کا جادو کشن سنگھ پر نہیں چلے گا۔

قادیان میں بعض عیسائی مشنری

قادیان میں بعض عیسائی مشنری بیٹ مین وغیرہ آجایا کرتے تھے۔ مگر اُن میں سے کوئی حضرت مرزا صاحب سے مذہبی گفتگو نہیں کرتا تھا بلکہ بازار میں وعظ وغیرہ کہہ کر واپس چلے جاتے۔ وہ اس بات سے مایوس ہو چکے تھے کہ قادیان میں کوئی عیسائی ہوگا۔

مناظرات

جب کسی شخص کو دعوت و تبلیغ اسلام کا کام کرنا پڑتا ہے تو اس میں مناظرے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ مناظرہ میں جو سب سے بُری بات ہوا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ فریقین کو اپنی اپنی بات کی ہٹ اور ضد ہوتی ہے اور دھڑے بازی کے طور پر ہر ایک فریق اپنی اپنی بات پر اڑا رہتا ہے حضرت مرزا صاحب کو بھی مناظرے کرنے پڑے مگر آپ کی بڑی بھاری خصوصیت یہ تھی کہ مناظروں میں محض للّٰہیت اور حق طلبی مدنظر ہوتی۔ دھڑے بازی اور ضد اور ہٹ سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی ایسی

بات مخالف فریق کے منہ سے نکلتی جو حق ہوتی تو آپ فوراً اس کی تصدیق کر دیتے اور اس بات سے ذرا نہ ڈرتے کہ عام لوگوں میں اس سے آپ کی ذلت ہوگی۔ مثال کے طور پر میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں

بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ

جب آپ سیالکوٹ سے واپس تشریف لائے تو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نئے نئے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے اور غیر مقلدین کا فرقہ ابھی پنجاب میں نیا نیا اثر پیدا کر رہا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب جو غیر مقلدین میں ایک عالم متبحر کی حیثیت رکھتے تھے۔ بٹالہ میں جب آئے تو وہاں بھی مقلدین و غیر مقلدین کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ بٹالہ میں زیادہ تر مقلدین تھے اور وہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو اُن کے خیالات جدیدہ کی وجہ سے جدیدی کہتے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے مباحثہ کرنے کے لئے اُن کی نظر حضرت مرزا صاحب پر پڑی۔ اُنہوں نے ایک شخص کو حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں قادیان بھیجا۔ اس مناظرہ کے حالات خود حضرت مرزا صاحب کی قلم سے سنو۔ فرماتے ہیں:-

"۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کہ جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب بھی تھے جب نئے مولوی ہو کر بٹالہ میں آئے۔ اور بٹالویوں کو ان کے خیالات گراں گزرے تب ایک شخص نے مولوی صاحب ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کیلئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا۔ چنانچہ اسکے کہنے سے یہ عاجز شام کے وقت اس شخص کے ہمراہ مولوی صاحب ممدوح کے مکان پر گیا۔ اور مولوی صاحب کو معہ ان کے باپ کے مسجد میں پایا۔ پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولوی صاحب موصوف کی اسوقت کی تقریر کو سُن کر معلوم کر لیا کہ اُن کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو۔ اس لئے **خاص اللہ کیلئے اس بحث کو ترک کیا** گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترک بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا۔ اور وہ تجھے بہت برکت دیگا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ پھر اس کے بعد عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔" (براہین احمدیہ جلد ۴)

مقام غور ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے شہر والوں کا معرکہ ہے وہ حضرت مرزا صاحب کو بلا کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کروانے کیلئے لائے ہیں۔ آپ اُس کی تقریر سنتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس میں تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اور ذرا نہیں ڈرتے کہ جو لوگ لائے ہیں وہ کس قدر ناراض ہوں گے اور اُن کے درمیان میری کس قدر سُبکی ہوگی اس لئے کہ وہ تو ضدی اور

متعصب لوگ تھے۔ یہی کہیں گے کہ جواب نہ بن پڑا تو گریز کر گئے۔ لیکن نہیں۔ حق سے لڑنا خداوالوں کا کام نہیں۔ کبرنفس کی کیتنی بڑی قربانی ہے کہ دشمن کی حق بات کو سُن کر نہایت صفائی سے کہدیا جائے کہ یہ حق ہے۔ اور اسی لئے جناب الٰہی میں یہ فعل بہت مقبول ہوا۔ وہاں قربانی کی بڑی قدر ہے۔ اور قربانی ہے بھی قابل قدر چیز۔

غرضکہ حضرت مرزا صاحب کو ہمیشہ مناظرہ میں احقاق حق اور ابطال باطل مدنظر ہوتا۔ دھڑے بازی اور بات کی پچ اور ضد اور شیخی بازی سے سخت نفرت اور بیزاری تھی ۔

(۳) تحریر کے ذریعہ تبلیغ

اُن دنوں عیسائی پادریوں کے ذہن میں یہ غلط بات بیٹھ گئی تھی کہ حکومت چونکہ عیسائی ہے اس لئے ہم اسلام پر اور بانیٔ اسلام پر جس قدر بھی حملے کریں گے کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اور اس طرح ہم عیسویت کے پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے اُس زمانہ میں اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف اس قدر گندہ لٹریچر پادریوں نے پیدا کیا اور اتنا کثیر تعداد میں پیدا کیا کہ اگر اُنہیں سب کو جمع کیا جائے تو بقول حضرت مرزا صاحب ایک پہاڑ کھڑا ہو جائے۔ اور اس میں اس قدر جھوٹ اور افترا اور دجل سے کام لیا گیا کہ دجال کا خطاب ان پر سچ مچ صادق آگیا۔ امہات المومنین پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق۔ پادری عماد الدین کی تصنیفات وغیرہ وغیرہ اس کا اونے سا نمونہ ہیں۔ آریہ سماج ان دنوں نیا نیا نکلا تھا۔ دیانند سرسوتی جی مہاراج ہندو مذہب میں ترمیم و تنسیخ کر رہے تھے۔ مادہ پرستوں کی باتیں لیکر اُنہیں ویدوں کے نام سے اپنے ہم قوموں کے دل و دماغ میں اُتارتے اور ویدوں سے ناواقف ہندوؤں کی واہ واہ لیتے۔ اسلام سے توحید لی مگر ناقص طور پر۔ کیونکہ مادہ اور ارواح کو غیر مخلوق اور پرمیشر کے ساتھ ازلی ابدی مان کر گویا ہزارہا خداؤں کو پرمیشر کے علاوہ مان لیا۔ وہ اپنے اس ناقص مواد کو جانتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ اسلام کی توحید اور پاکیزہ اصولوں کے سامنے ان کا یہ رچایا ہوا مذہب فروغ نہیں پا سکتا۔ اس لئے ضروری سمجھا کہ اسلام اور بانیٔ اسلام پر جس قدر بھی افترا اور بہتان سے کام لیا جائے اتنا ہی تھوڑا ہے۔ اس لئے پادریوں کی جمع کی ہوئی نجاست کو اُنہوں نے بھی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں شامل کر لینا ضروری سمجھا۔ اُدھر برہمو سماج اور دیو سماج نیا نیا نکلا تھا۔ حضرت مرزا صاحب ان تمام امور کو نہایت غور اور تعمق کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور ان تمام کتب اور لٹریچر کا جو اسلام کے خلاف نکل رہی تھیں مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود ارشاد فرمایا کہ:۔

"میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں اور ان اعتراضات پر غور کرتا

رہتا ہوں۔ مَیں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر کرتے ہیں۔ ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اس سے بڑھ کر ہم کس کو شہادت میں پیش کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے۔ سولہ یا سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں مگر ایک طرفۃ العین کے لئے بھی ان اعتراضوں نے میرے دل کو متذبذب یا متأثر نہیں کیا اور یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ مَیں جُوں جُوں اُنکے اعتراضات کو پڑھتا جاتا تھا اسی قدر ان اعتراضوں کی ذلّت میرے دل میں سماتی جاتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور محبّت سے دل عطر کے شیشہ کی طرح نظر آتا۔ مَیں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس پاک فعل پر یا قرآن شریف کی جس آیت پر مخالفوں نے اعتراض کیا ہے وہاں ہی حقائق اور حکمت کا ایک خزانہ نظر آیا ہے۔ جو کہ ان بد باطن اور خبیث طینت مخالفوں کو عیب نظر آیا۔ (الحکم)

مذکورہ بالا بیان سے آپ کی معرفت الٰہی اور عشقِ رسول کا کمال نظر آتا ہے اور کہ کس قدر ایمان اور علم صحیح اسلام کے متعلق آپ کو جناب الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ الغرض ایک طرف آپ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کو دن رات مشاہدہ کرتے اور دوسری طرف مسلمان علما کی غفلت اور فرقہ بندی اور تکفیر بازی میں انہماک کو ملاحظہ فرماتے تو آپ کا دل اسلام کی بیکسی پر خون ہو جاتا نتیجہ یہ کہ راتوں کو تہجد میں جناب الٰہی کے حضور میں گریہ وزاری کرتے اور دن کو اگرچہ تن تنہا تھے مگر خدا کے ایک پہلوان کی طرح اسلام کی حمایت میں قلمی و لسانی جہاد کرتے۔ کس درد سے یہ نظم لکھی ہے جس کے فقط چند اشعار نقل کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں ؎

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست

اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں
آنچہ مے بینم بلا ہا حاجتِ اظہار نیست

آتش افتاد است در خرمن بخیزید اے یاراں
دیدنش از دور کارِ مردمِ دیندار نیست

ہر زماں از ہر دیں در خوں دلِ من مے تپد
محرمِ ایں دردِ ما جز عالمِ اسرار نیست

آنچہ بر ما میرود از غم کہ داند جز خدا
زہر مینہ شیم لیکن زہرۂ گفتار نیست

خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا
اے عجب ایں مردماں را ہر آں لذت نیست

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

اے خدا ہرگز مکن شاد آں دلِ تاریک را
آنکہ او را فکرِ دینِ احمدِ مختار نیست

آپ نے مختلف اخبارات میں اسلام کی تائید اور غیر مذاہب کے اعتراضات کی تردید میں مضامین بھیجنے شروع کر دیئے۔ سفیر ہند۔ ہندو باندھو (برادر ہند) وویا پرکاشک۔ آفتاب پنجاب۔ وکیل وغیرہ اخباروں میں جب آپ کے مضامین نکلے تو اُن مضامین کی شان و شوکت اور پُر از علم و حکمت ہونے کی وجہ سے دھوم پڑ گئی اور مختلف مذاہب کے لیڈروں نے مناظرے تحریری بذریعہ اخبار و اشتہارات۔ نیز تقریری بھی شروع ہو گئے۔

مناظروں میں آپ آنحضرت صلعم یا قرآن کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے

آپ کو محمد رسول اللہ صلعم اور قرآن سے ایسا عشق تھا کہ تحریر ہو یا تقریر مناظرہ ہو یا معمولی گفتگو آپ آنحضرت صلعم کی یا قرآن کریم کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اپنی چچی مرزا غلام حیدر صاحب مرحوم کی اہلیہ کے ہاں آنا جانا اور کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ اُن کے منہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ نکل گیا تھا۔ باوجود اس احترام کے جو آپ اپنے بزرگوں کا کیا کرتے تھے اس بات کا اتنا اثر آپ کے دل پر ہوا کہ چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا اور قطع تعلق کر لیا۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب سے حالانکہ وہ بچے تھے قرآن مجید کی بے ادبی ہو گئی۔ اُس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور حالانکہ آپ بچوں کو مارنے کے سخت خلاف تھے مگر غیرت دینی سے بے اختیار ہو کر ایسے زور سے اُنہیں طمانچہ مارا کہ انگلیوں کے نشان ان کے رخسار پر نمایاں ہو گئے اور فرمایا کہ "اس کو میری آنکھوں کے آگے سے ہٹا لو۔ یہ اب سے ہی قرآن شریف کی بے ادبی کرنے لگا ہے تو آئندہ کیا ہو گا" فرمایا کرتے تھے کہ "میری جائداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا میری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت آنحضرت صلعم اور دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے کے اور اُس پر صبر کرنے کے" اس لئے آپ مناظروں میں سب سے پہلے یہ شرط لگاتے تھے کہ دوران مناظرہ میں آنحضرت صلعم پر حملہ کرنے اور آپ کی توہین کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ مگر اہل باطل کیلئے یہی بہت مشکل تھا کیونکہ اصول حقہ اسلام کی وہ تردید تو نہ کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ چند اِدھر اُدھر کی لغو اور فضول روایات اور فرضی افسانوں کی بنا پر آنحضرت صلعم پر حملہ کر دیں۔ وہ اوبدا کر یہی کرتے جس سے ایک آدھ دفعہ بدمزگی بھی پیدا ہو گئی۔

سردار سنت سنگھ کا مسلمان ہونا

بوٹر کلاں کے رہنے والے ایک سردار سنت سنگھ صاحب تھے جو ایک معزز سکھ خاندان سے تھے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت مرزا صاحب سے بوجہ زمینداری کے خاندانی مراسم بھی تھے۔ وہ حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں آنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ ان کو اس قدر

اثر ہوا کہ مسلمان ہونے کو تیار ہو گئے۔ حضرت صاحب نے اُن کو سمجھایا کہ اپنی بیوی کو بھی تبلیغ کریں اُنہوں نے بیوی کو تبلیغ شروع کی تو خاندانی مشکلات کا سامنا ہوا مگر حضرت کی دعاؤں سے تمام دشواریاں بحل ہو گئیں اور سردار صاحب بمعہ اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے لئے حاضر خدمت ہو گئے۔ حضرت مرزا صاحب کو چونکہ شہرت طلبی سے سخت نفرت تھی۔ نہ آپ کو اس معاملہ میں کسی سے داد طلب کرنے کا شوق تھا۔ آپ نے منشی نبی بخش صاحب پٹواری کو بلوا کر ان کو صاحبزادہ سید ظہور الحسن صاحب سجادہ نشین بٹالہ کے پاس بھیجدیا کہ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کریں۔ چنانچہ صاحبزادہ موصوف نے جو تحریر سردار سنت سنگھ صاحب کے اعلان کے متعلق لکھی اس میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اما بعد برکانہ اہل اسلام ہویدا باد کہ اندریں آوان سعید وزمان حمید سردار سنت سنگھ بہ معیت اہلیۂ خویش بہ برکت صحبت جناب مرزا غلام احمد صاحب سلمہ اللہ القمد کہ شخصے وحید العصر است نور ایمان در قلب نیف طلب واتافت۔ یہدی الیہ اللہ لنور من یشاء۔ عزیزی نبی بخش پٹواری ساعی شد کہ فقیر حسب معمول مشائخ خویش رحمہم اللہ کلمہ شہادت آں سردار صاحب رشد تلقین کند۔ اگرچہ برئے حصول این سعادت مرزا غلام احمد ہزار درجہ از من اولیٰ بود۔

(۲۳۔ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ دستخط) خواجہ صاحبزادہ سید ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ قادری فاضلی بدست خویش"

پنڈت کھڑک سنگھ صاحب سے مناظرہ

سردار سنت سنگھ صاحب مسلمان ہو کر عبدالرحمان بن چکے اور اُن کی بیوی بھی مسلمان ہو چکیں۔ ادھر حضرت مرزا صاحب کے مضامین نے اخبارات میں دھوم مچا رکھی تھی اور آریہ سماج کے دھڑے بکھیر دیئے تھے تو قادیان کے آریوں نے پنڈت کھڑک سنگھ کو حضرت مرزا صاحب سے مباحثے کے لئے بلایا۔ آپ نے منظور کر لیا۔ اور مباحثہ کیلئے بڈھن شاہ کا تکیہ مقرر ہوا جو سرکاری پرائمری اسکول کے پاس ہے۔ بھائی کشن سنگھ کا بیان ہے کہ مباحثہ وید اور قرآن کریم کی تعلیم پر تھا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم کے اعلیٰ اور کامل تر ہونے کا ثبوت اور دلائل میں قرآن مجید سے دوں گا۔ اور تم وید کی تعلیم کے اعلیٰ اور کامل تر ہونے کا ثبوت اور دلائل وید سے دو۔ ضمناً تناسخ پر بھی بحث تھی۔ اس پر گفتگو جاری تھی جو پنڈت کھڑک سنگھ صاحب نے اصولی رنگ میں زچ آکر اثنائے تقریر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے جس سے حضرت مرزا صاحب کو سخت رنج ہوا اور اور ان کے کلام میں تیزی پیدا ہو گئی۔ اس لئے یہ سمجھ کر کہ زیادہ بدمزگی نہ بڑھے مناظرہ کو بند کر دیا

گیا لیکن آپ نے کھڑک سنگھ کو ایک اشتہار کے ذریعہ چیلنج دیا جس میں اگرچہ مخاطب کھڑک سنگھ ہے مگر رئے سخن تمام مذاہب عالم کے علما کی طرف ہے۔ اُس کا عنوان تھا "سوال لاجواب کہ جس کے جواب دینے سے اگر پنڈت کھڑک سنگھ خاموشی اختیار کرے گا تو اُس کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگا"

اس میں سے چند جگہوں سے چند سطور نقل کرتا ہوں تاکہ اُس سے اندازہ ہو جائے کہ آپ کا چیلنج کس قدر زبردست تھا۔ فرماتے ہیں:-

"قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اس کی ہدایت سب ہدایتوں سے کامل تر ہے۔ اور اس دنیا کی حالت موجودہ میں جو خرابیاں پڑی ہوئی ہیں قرآن مجید سب کی اصلاح کرنیوالا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ قرآن مجید اور کتابوں کی طرح مثل کتھا کے نہیں ہے۔ بلکہ مدلل طور پر ہر ایک امر پر دلیل قائم کرتا ہے۔ اس دوسری نشانی پر ہم نے بنام کھڑک سنگھ وغیرہ پانسو روپے کا اشتہار بھی دیا تاکہ کوئی پنڈت یہ صفت وید میں ثابت کرکے دکھلائے کہ **وید نے کن دلائل** سے اپنے **عقائد کو ثابت کیا ہے** مگر آجتک کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ دم مار سکے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وید میں نہ انجیل میں نہ توریت میں ہرگز طاقت نہیں کہ کسی فرقہ مخالف کا رد مثلاً دہریہ کا رد یا طبعیہ کا رد۔ یا ملحدوں کا رد یا منکر الہام یا منکر نبوت کا رد یا بت پرست کا رد یا اباحتی کا رد یا منکر نجات کا رد یا منکر عذاب کا رد یا منکر وحدانیت باری تعالیٰ کا رد یا کسی اور منکر کا رد دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت کرے۔ یہ سب کتابیں تو مثل مردہ کے پڑی ہیں کہ جس میں جان نہ ہو۔ کھڑک سنگھ جو لڑکوں کو بہکاتا ہے کہ وید میں سب کچھ لکھا ہے تو اگر وہ سچا ہے تو ہم اس کو پانسو روپے دیا کرتے ہیں۔ ہم سے ٹومن (تمسک) لکھالے۔ کسی فرقہ کے رد میں دلائل عقلیہ سے جو وید میں درج ہیں دو تین جزو بمقابلہ قرآن مجید کے لکھ کر دکھلائے یا خدا کے خالقیت سے عاجز ہونے پر اور نجات ابدی دینے سے عاجز ہونے پر بمقابلہ ہمارے دلائل کے وید سے دلائل نکال کر لکھے اور پانسو روپے فی الفور ہم سے لیلے۔ اور وہ جو کہتا ہے کہ قرآن مجید توریت انجیل سے نکالا گیا ہے تو اس کو چاہئے کہ اگر وید سے کام نہیں بنتا تو توریت یا انجیل سے مدد لے۔ اور اگر توریت یا انجیل وہ دلائل جو فرقان مجید پیش کرتا ہے پیش کردیں گے تو ہم تب بھی کھڑک سنگھ کو پانسو روپے نقد دیدینگے۔ اور ایک ٹومن تعدادی پانسو روپیہ ابھی لکھ کر ہم بھیجدیتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے جواب میں خاموش رہے اور کچھ غیرت اور شرم اس کو نہ آوے تو معلوم کرنا چاہئے کہ بڑا بے حیا اور بے شرم ہے کہ ایسی پاک اور مقدس کتاب کی

ہتک کرتا ہے کہ جس کی ثانی حکمت اور فلسفہ میں اور کوئی کتاب نہیں.....

غرض تم ہمارے ہاتھ سے کہاں بھاگ سکتے ہو۔ اور یہ جو تم محض شرارت سے بہ ارادۂ توہین حضرت خاتم الانبیاؐ کی نسبت بدزبانی کرتے ہو یہ محض تمہاری بداصلی ہے۔ اپنے پرچہ میں بھی تم نے ایسی ہی ہانت سب پیغمبروں کی نسبت لکھی ہے۔ ہم کو خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ ہم سب پیغمبروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ خدا نے ہم کو فرمایا۔ نجات سب مخلوقات کی اسلام میں سمجھتے ہیں۔ تم کو اگر حضرت خاتم الانبیاؐ پر کچھ اعتراض ہے تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب سے بھاری ہو تحریر کر کے پیش کرو۔ ہم تحریر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض تمہارا صحیح ہوا تو ہزار روپیہ ہم تم کو دیدیں گے۔..... اگر ہماری یہ تحریر سُن کر چپ ہو جاؤ اور اس شرط پر بحث شروع نہ کرو تو ہر ایک منصف سمجھ جائیگا کہ وہ سب توہین تم نے بے ایمانی سے کی تھی۔ الخ"

پنڈت کھڑک سنگھ اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا بلکہ اپنی ہزیمت کا اعتراف اپنے عمل سے یوں کیا کہ عیسائی ہو گیا اور آریہ سماج کے خلاف چھ لیکچر لکھ کر شائع کئے اور پادریوں نے کثرت سے اُس کو شائع کیا کیونکہ وہ آریہ سماج کے اصول و تعلیم کے ابطال میں لکھے گئے تھے۔ حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب شحنۂ حق میں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں :-

"اس وقت میں مجھے ایک اور پنڈت صاحب بھی یاد آ گئے جن کا نام کھڑک سنگھ تھا۔ یہ صاحب ویدوں کی حمایت میں بحث کرنے کے لئے قادیان میں آئے اور قادیان کے آریوں نے بہت شور مچایا کہ ہمارا پنڈت ایسا عالم فاضل ہے کہ چاروں وید اُسے کنٹھ ہیں۔ پھر جب بحث شروع ہوئی تو پنڈت صاحب کا ایسا بُرا حال ہوا کہ ناگفتہ بہ۔ اور سب تعریفیں وید کی بھول گئیں۔ دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام تو قبول نہ کیا مگر قادیان سے جاتے ہی وید کو سلام کر کے اصطباغ لے لیا۔ اور اپنے لیکچر میں جو ریاض ہند اور چشمۂ نور امرت سر میں انہوں نے چھپوایا ہے صاف یہ عبارت لکھی کہ وید علوم الٰہی اور راستی سے بے نصیب ہیں اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتے۔ اور آریوں کا ویدوں کے علم اور فلسفہ اور قدامت کے بارے میں ایک باطل خیال ہے"

حضرت مرزا صاحب کی یہ تحریر پنڈت کھڑک سنگھ کی زندگی میں شائع ہوئی۔ اور آریوں نے ہمیشہ اسے پڑھا مگر کسی کو اس کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی +

دیانند سرسوتی پر گرفت آریہ سماج کی اُن دنوں تعمیر ہو رہی تھی۔ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج خود موجود تھے

تعلیم یافتہ ہندوؤں کو اپنے مذہب سے متنفر دیکھ کر پنڈت جی جو اصلاحات کر رہے تھے اُس کیلئے وہ نئے سے نئے عقائد اور اصول اختراع کر رہے تھے جن میں بعض بنیادی عقائد اور اصول اساسی دراصل اُس زمانہ کی مادیت اور دہریت کے خیالات تھے جو مذہب اور روحانیت اور معرفت الٰہی کے اگرچہ سخت مخالف تھے مگر چونکہ سوسائٹی کے مادی تعلیم کے دلدادہ لوگوں میں مقبول تھے اس لئے پنڈت جی اُنہیں کھینچ تان کر ویدوں میں سے نکالنے کی کوشش کرتے اور آریہ سماج کا بنیادی پتھر اُنہیں قرار دیکر گویا اپنے مذہب کو ایک سائنٹیفک رنگ دینا چاہتے تھے۔ انہی میں مادہ اور روحوں کا ازلی ابدی ہونا بھی ایک عقیدہ تھا۔ جو اپنی ایجاد کے لئے ویدوں کے بجائے مادہ پرستی کا زیادہ تر ممنون منت تھا۔ فرق اتنا تھا کہ مادہ کے ازلی ابدی ہونے کے ساتھ ارواح کا ازلی ابدی ہونا بھی پنڈت جی نے ساتھ جوڑ کر اُسے بظاہر ایک مذہبی رنگ دیدیا مگر حقیقت میں روح ہو یا مادہ جب وہ ازلی ابدی ہیں تو کسی خدا کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ جب ارواح ازلی ابدی ہیں اور پرمیشور نے اُن کو پیدا ہی نہیں کیا تو پھر ماننا پڑے گا کہ کسی نامعلوم وجہ سے پرمیشور نے اُن پر ناحق زبردستی کا قبضہ کر رکھا ہے اور اُن کو تناسخ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ارواح کے بے انت ہونے کا عقیدہ

چنانچہ پنڈت دیانند جی نے اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ تناسخ کے چکر سے آخر کار ایک دن سب ارواح رفتہ رفتہ نکل جائیں گے تو پرمیشور کی خدائی کہاں باقی رہے گی۔ ایک اور عجیب و غریب عقیدہ اختراع کیا جو آریہ سماج کی طرف سے ۔ دسمبر ۱۸۷۷ء کے وکیل ہندوستان اخبار میں اس طرح شائع ہوا کہ:۔

"ارواح موجودہ بے انت ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ پرمیشور کو بھی ان کی تعداد معلوم نہیں اس واسطے ہمیشہ مکتی پاتے رہیں گے اور کبھی ختم نہیں ہوں گے"

حضرت مرزا صاحب کی نظر سے جب یہ اعلان گزرا تو آپ نے اُسے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے سخت خلاف اور اس کی صفات اور معرفت کے حد درجہ منافی پاکر ضروری سمجھا کہ اسکی لغویت کو طشت از بام کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ۹۔ فروری ۱۸۷۸ء سے شروع کر کے ۹ مارچ ۱۸۷۸ء تک اخبار سفیر ہند امرتسر میں متعدد مضامین لکھ کر اس لغو عقیدہ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور آپ کو ان مضامین کی معقولیت اور قوت و صحت پر اتنا یقین تھا کہ ساتھ ہی پانچ سو روپے کا انعام اُس شخص کے لئے شائع کر دیا جو ان مضامین کا مدلل جواب دے۔ یہ انعام سفیر ہند ۹۔ فروری ۱۸۷۸ء کے ابتدائی صفحوں پر شائع ہوا۔ اس اشتہار کا خلاصہ یہ تھا:۔

"کہ جو صاحب منجملہ توابع سوامی دیانند سرسوتی صاحب سوال ہذا کا جواب دیکر ثابت کرے کہ

ارواح بے انت ہیں۔ اور پرمیشور کو ان کی تعداد معلوم نہیں تو میں اُس کو مبلغ پانچسو روپیہ انعام دوں گا"

آریہ سماج میں کھلبلی ان مضامین کے شائع ہونے پر آریہ سماج کے کیمپ میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب کو آریہ سماج پر ایک نمایاں غلبہ نصیب ہوا۔ اور اس سوال سے پنڈت دیانند صاحب سرسوتی کی پوزیشن کو اس وقت ایک سخت دھکا لگا۔ چنانچہ آریہ سماج لاہور (جو ان دنوں میں سب سے بڑی اور زبردست سماج پنجاب میں سمجھی جاتی تھی) کے سکرٹری لالہ جیون داس صاحب کو آخرکار اعلان کرنا پڑا کہ ہم پنڈت دیانند سرسوتی کی ہر ایک بات نہیں مانتے۔ اور یہ عقیدہ کہ ارواح بے انت ہیں آریہ سماج کے اصولوں میں داخل نہیں۔ لالہ جیون داس صاحب کے مشتہر کردہ یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ جو حضرت مرزا صاحب کے مذکورہ بالا اعلان کے جواب میں اخبار سفیر ہند میں شائع ہوئے تھے:۔

"اب رہی یہ بات کہ رُوح بے انت ہیں اور پرمیشور کو اُن کی تعداد معلوم نہیں۔ آریہ سماج اس کو مانتی ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہو کہ یہ مسئلہ آریہ سماج کے اصولوں میں داخل نہیں ہے اگر کوئی ممبر سماج اس کا دعویدار ہو تو اُس سے سوال کرنا چاہئے اور اُسی کو اس کا جواب دینا لازم ہے۔ چونکہ اس اشتہار سے لوگوں کو یہ مغالطہ پیدا ہوتا تھا کہ آریہ سماج والے سوامی دیانند صاحب کے پیرو اور تابع ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ اسلئے بغرض اشتباہ (اور مغالطہ مذکور کو دور کرنے کے یہ تحریر عمل میں آئی ✦ (راقم جیون داس سکرٹری آریہ سماج لاہور)

پنڈت دیانند صاحب کا مطاع الکل کی حیثیت سے گر جانا ملاحظہ فرمایا۔ آریہ سماج لاہور کو ان زبردست مضامین کے جواب میں جو چارۂ کار نظر آیا وہ فقط یہی تھا کہ پنڈت دیانند سرسوتی صاحب کی تقلید سے اپنے آپ کو آزاد قرار دے دیں تا کہ ان کے عقائد کی غلطیوں کے لئے وہ جوابدہ نہ قرار دیئے جائیں۔ رہ گئے خود پنڈت دیانند سرسوتی صاحب اُنہوں نے ان مضامین اور مطالبات کا جواب دینے سے بالکل خاموشی اختیار کی۔ بلکہ درپردہ اس عقیدہ میں ترمیم کر لی وہ اس طرح کہ ارواح بے انت تو نہیں ہے۔ مگر تناسخ صحیح ہے۔ اور وہ اس طریق پر چلا جاتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتے ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں انہوں نے بعض آریہ سماجیوں کی معرفت حضرت مرزا صاحب کو مباحثہ کا چیلنج بھی دیا جسے آپ نے فوراً منظور کر کے ایک اعلان بصورت کھلی چٹھی سوامی دیانند صاحب کے نام شائع کیا تا کہ یہ معاملہ مخفی نہ رہے۔ اور سوامی صاحب مباحثہ سے گریز نہ کر جائیں۔ یہ اعلان لاہور کے رسالہ برادر ہند (جسکے ایڈیٹر پنڈت شونرائن صاحب اگنی ہوتری تھے

بابت جولائی ۱۸۷۸ء میں شائع کرا دیا گیا۔ اعلان یہ ہے:۔

"اعلان"

"سوامی دیانند سرسوتی صاحب نے بجواب ہمارے اُس بحث کے جو ہم نے رُوحوں کا بے انت ہونا باطل کر کے "غلط ہونا مسئلہ تناسخ اور قدامت سلسلۂ دنیا کا" ثابت کیا تھا معرفت تین کس آریہ سماج والوں کے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگرچہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں۔ لیکن تناسخ اس طرح پر ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتے ہیں تو پھر بہ وقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں۔ اب سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے اس جواب میں کچھ شک وشبہ ہو تو بالمواجہہ بحث کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اسی بابت میں سوامی صاحب کا ایک خط بھی آیا۔ اُس خط میں بھی بحث کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس واسطے بذریعہ اس اعلان کے عرض کیا جاتا ہے کہ بحث بالمواجہہ ہم کو بسر وچشم منظور ہے۔ کاش سوامی صاحب کسی طرح ہمارے سوالوں کا جواب دیں۔ مناسب ہے کہ سوامی صاحب کوئی مقام مناظرہ بالخیر کا واسطے انعقاد اس جلسہ کے تجویز کر کے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے تاریخ ومقام کو مشتہر کر دیں۔ لیکن اس جلسہ میں شرط یہ ہے کہ یہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلیٰ کہ تین صاحب اُن میں سے ممبران برہمو سماج اور تین صاحب مسیحی مذہب ہوں گے۔ قرار پائے گا۔ اوّل تقریر کرنے کا ہمارا حق ہوگا کیونکہ ہم معترض ہیں۔ پھر پنڈت صاحب برعایت شرائط تہذیب جو چاہیں گے جواب دیں گے۔ پھر اُس کا جواب الجواب ہماری طرف سے گزارش ہوگا اور بحث ختم ہو جائے گی۔ ہم سوامی صاحب کی اس درخواست سے بہت خوش ہوئے۔ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کیوں سوامی صاحب اور اور دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایسے سخت اعتراض کا جواب نہیں دیتے جس نے سب آریہ سماج والوں کا دم بند کر رکھا ہے۔ اب اگر سوامی صاحب نے اس اعلان کا کوئی جواب مشتہر نہ کیا تو بس یہ سمجھو کہ سوامی صاحب صرف باتیں کر کے اپنے توابعین کے آنسو پونچھتے تھے اور مکت یابوں کی واپسی میں جو جو مفاسد ہیں مضمون مشمولہ متعلقہ اس اعلان میں درج ہیں۔ ناظرین پڑھیں اور انصاف فرماویں"۔

(المعلن) مرزا غلام احمد رئیس قادیان۔ ۱۰ جون ۱۸۷۸ء

اس اعلان پر ایڈیٹر رسالہ برادر ہند پنڈت شونرائن اگنی ہوتری نے اسی رسالہ بابت ماہ جولائی ۱۸۷۸ء میں جو ریمارکس کئے وہ بہت دلچسپ ہیں۔ میں اس میں سے ضروری حصّہ اقتباس کر کے پیش کرتا ہوں۔

لکھتے ہیں:-

"مگر اب ہمارے مضمون نگار مرزا غلام احمد صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار جب مرزا صاحب نے مسئلہ مذکور کو اپنی بحث میں باطل ثابت کر دیا تو لاچار سوامی جی (یعنی سوامی دیانند سرسوتی۔ ناقل) نے مرزا صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ حقیقت میں ارواح بے انت نہیں ہیں لیکن تناسخ صحیح ہے۔ خیر کچھ ہی ہو۔ مگر اس موقعہ پر ہم اپنے ناظرین پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سوامی جی کے اس اقرار سے چار باتیں اُن پر عاید آتی ہیں۔ **اوّل** جبکہ وہ وید کی ہدایت کے موافق آریہ سماج میں اپنے مقلدوں کو یہ یقین دلا چکے تھے کہ ارواح انادی اور لاانتہا ہیں پھر اُس کے خلاف اس مسئلہ کے باطل ثابت ہونے پر یہ اقرار کرنا کہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں صاف دلالت کرتا ہے کہ جس کتاب کی ہدایتوں کو وہ خدا کلام یقین کرتے ہیں اُس کے مخالف انہوں نے اپنا یقین ظاہر کیا۔ **دوم**۔ اگر یہ کہا جائے کہ درحقیقت وید میں یہی لکھا ہے کہ جو انہوں نے پیچھے سے اپنا یقین ظاہر کیا ہے تو پھر اُس سے یہ ضرور لازم آتا ہے کہ اُن میں **خود سمجھنے کیلئے** بہت بڑی لیاقت موجود ہے اور نیز اوروں کے سمجھانے کا بھی خوب ملکہ حاصل ہے یعنی ایک وقت میں وید سے جس قسم کی ہدایت ظاہر کی جاتی ہے دوسرے وقت میں حسب موقعہ ٹھیک اس کے برعکس بھی بتلائی جا سکتی ہے۔ **سوم**۔ اگر فی الواقعہ یہ مسئلہ ہی وید میں موجود نہیں۔ اور سوامی جی نے صرف اپنی رائے کے موافق ہی اپنے مقلدوں کو بتایا تھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کا یہ وید عجیب ہے کہ جس میں ریلوے اور تار برقی کے علوم تک کا تو ذکر ہو مگر خاص دھرم کے متعلق جو مسائل ہیں اُن کا کچھ بیان نہ ہو اور باوجود وید کے مقلد رہنے کے اُن کو پھر اُسی سچے وید کی ہدایت کا محتاج ہونا پڑے جس کو عقل کہتے ہیں۔ **چہارم**۔ سوامی جی کے اس برتاؤ سے کہ جس میں وہ اپنے کسی یقین کے غلط ثابت ہونے پر اُس کو چھوڑ صحیح یا راست امر کی طرف رجوع کرتے ہوئے معلوم ہوتے رہے ہیں ان کی اس عمدہ خوبی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ ان میں انصاف پسندی کی عادت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک مذکورہ بالا صرف اوّل ہی مثال نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنے یقین کو تبدیل کیا ہے بلکہ اس سے پہلے بارہا ایسا کر چکے ہیں، چند سال ہوئے کانپور میں جب انہوں نے ایک اشتہار اپنا دستخطی مشتہر کیا تھا تو اس میں انہوں نے اوّل اوّل اکیس[۲۱] شاستروں کو "ایشور کرت" (خدا کے اپنے تصنیف کئے ہوئے) قرار دیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جب اُنہوں نے اُن میں بہت سی خرابیاں

دیکھیں تو سب کو چھوڑ چھاڑ صرف چار ویدوں کو "ایشر کرت" بتلانے لگے۔ پھر اسکے بعد جب ویدوں کا ایک حصہ جس کو برہمن کہتے ہیں اُن کی نظروں میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو اب صرف اُس کے اُس حصہ کو جس کو منتر بھاگ کہتے ہیں الہامی کہتے ہیں۔ اس سے اگرچہ اُن کی کسی قدر متلون مزاجی بھی ظاہر ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اُن کی طبیعت میں راستی پسندی کا بھی ثبوت پایا جاتا ہے۔ ہاں اس میں صرف ایک بہت بڑی کسر یہ باقی ہے کہ وہ اوّل ایک چیز کی نسبت پہلے ہی سے ایک یقین پیدا کر لیتے ہیں۔ پھر جب کبھی حسب اتفاق اُس یقین کا بطلان اُنہیں معلوم ہو جاتا ہے تب اُس کو چھوڑتے ہیں۔ مگر اس قسم کی تحقیقات سچے محققوں کے اصول تحقیقات سے بالکل مخالف ہے....."

پنڈت دیانند سرسوتی کا مباحثہ سے گریز

پنڈت اگنی ہوتری صاحب کے مذکورہ بالا ریمارکس سے صاف نظر آتا ہے کہ پنڈت دیانند سرسوتی صاحب کے اختراع کردہ مذہب کی حالت وہی تھی جسے قرآن مجید نے بیت عنکبوت سے مثال دی ہے یعنی جس طرح مکڑی اپنے اندر سے ہی لعاب نکال کر جالا تنتی ہے اور جب کسی وجہ سے ایک طرف کی تار ٹوٹ جاتی ہے تو وہ اُس کی بجائے دوسری طرف ایک اور تار تن لیتی ہے۔ اسی طرح پنڈت دیانند صاحب ایک عقیدہ اپنے دماغ سے خود ہی تراشتے تھے اور ویدوں کا لباس پنہا کر اُسے پیش کرتے تھے۔ اگر وہ حق کے حربہ سے باطل ثابت ہو کر ٹوٹ جاتا تو پھر وہ ایک دوسرا عقیدہ اپنی سمجھ کے مطابق تراش کر اپنی تار تن لیتے تھے۔ چنانچہ ارواح کے بے انت ہونے کا جو عقیدہ تراشا تھا وہ حق کی ضرب سے جب ٹوٹا تو ایک اور عقیدہ تراش لیا کہ ارواح بے انت تو نہیں مگر تناسخ یوں چلتا ہے کہ ارواح کے ختم ہو جانے پر مکتی کے بعد ارواح کو پھر دنیا میں واپس لا کر آواگون کے چکر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے پنڈت جی کو بذریعہ کھلی چٹھی مباحثہ کے لئے بلایا تاکہ اس عقیدۂ باطل کی حقیقت ایک دفعہ پوری طرح طشت از بام کر دی جائے۔ لیکن پنڈت جی مقابلہ پر نہ آئے باوجودیکہ پہلے خود ہی مباحثہ کا پیغام دیا تھا اور ایسی خاموشی اختیار کی کہ گویا وہ کہیں موجود ہی نہیں ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے سوامی جی پر اتمام حجت کا کوئی پہلو باقی نہیں رکھا چنانچہ جب براہین احمدیہ تصنیف ہوئی تو اُس وقت پھر آپ نے سوامی جی کو مخاطب کر کے تبلیغ شروع کی اور اُن پر حجت تمام کی۔ یہاں تک کہ آخر کار بطور پیشین گوئی سوامی جی کی وفات کی خبر حضرت مرزا صاحب نے تین ماہ پہلے اُن کے متبعین کو دیدی اور لالہ شرمپت اور دیگر آریوں کو بتا دیا کہ پنڈت دیانند تین ماہ کے اندر فوت ہو جائینگے چنانچہ وہ تین ماہ کے اندر بمقام اجمیر ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو فوت ہو گئے۔

باوا نرائن سنگھ صاحب سے مباحثہ

نقشہ کو تاہ یہ کہ پنڈت دیانند سرسوتی صاحب تو حق سے اسقدر مرعوب ہوئے کہ اپنی زندگی بھر انہیں حوصلہ نہ پڑا کہ حضرت مرزا صاحب کے بالمقابل آتے اور آریہ سماج لاہور نے اپنی جان اس طرح چھڑائی کہ سوامی جی کے مقلد ہونے سے انکار کر دیا۔ البتہ اس سلسلہ میں امرت سر کی آریہ سماج کے سکرٹری باوا نرائن سنگھ صاحب سے مباحثہ شروع ہو گیا۔ وہ امرتسر کے ایک پرانے پلیڈر تھے ۱۸۷۸ء میں امرت سر آریہ سماج کے وہ ایک پُرجوش سکرٹری تھے۔ وہ دیا پرکاشک نام ایک ماہواری رسالہ بھی نکالتے تھے۔ وہ رُوحوں کے بے انت ہونے کے بڑے حامی تھے۔ وہ حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں آگئے اور لاہور کے اخبار آفتاب پنجاب کے کالموں کو اپنے مباحثہ کے لئے منتخب کیا۔ سب سے پہلے تو یہ فضول بحث اُٹھائی کہ حضرت مرزا صاحب نے جو اشتہار انعامی پانچسو روپے دیا ہے اُس میں انعام کا لفظ صحیح نہیں۔ بلکہ انعام کے بجائے جرمانہ کا لفظ ہونا چاہئے۔ اور اپنی جیت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ مطالبہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب ایک دستخطی تحریر اُن کے پاس بھیجدیں تاکہ روپے کی وصولی کا ہر طرح اطمینان ہو جائے۔ حضرت مرزا صاحب نے اُن کی ان شرائط پر فوراً ایک اعلان شائع کیا جس میں نہ صرف باوا صاحب کی جملہ شرائط کو تسلیم کر لیا بلکہ نہایت ہی لطیف پیرایہ میں باوا صاحب کے جواب پر علمی تنقید کی اور بتایا کہ جرمانہ تو کسی جرم کے کرنے پر بطور سزا کے عائد کیا جاتا ہے یہاں کسی جرم کا تو ارتکاب نہیں کہ جرمانہ ادا کیا جائے۔ رہ گیا رقم کی وصولی کا اطمینان اُس کیلئے آپ نے ایک اپنی دستخطی تحریر باوا صاحب کو بھیجدی اور لکھدیا کہ اگر اس پر اطمینان نہیں تو اقرار نامہ اسٹامپ شدہ لکھ کر بھی دیا جا سکتا ہے۔

باوا صاحب نے اس مباحثہ کا فیصلہ کرنے کیلئے کہ کون غالب رہا ایک بورڈ بھی تجویز کیا جس میں دو ممبر ہندو اور ایک مسلمان رکھے۔ اور وہ تھے منشی کنہیا لعل صاحب منشی اندرمن صاحب اور مولوی سید احمد خاں صاحب (یعنی سرسید احمد خاں) حضرت مرزا صاحب نے اپنی طرف سے تین نام اور داخل کئے۔ ایک سوامی پنڈت دیانند سرسوتی۔ دوم حکیم محمد شریف صاحب امرتسری۔ سوم مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ ان کے علاوہ دو مسیحی صاحبان بھی داخل کئے ایک پادری رجب علی صاحب اور دوسرے بابو لیارام صاحب۔ اگر موخر الذکر عیسائی صاحبان باوا صاحب کو منظور نہ ہوں تو ایک عیسائی ممبر وہ خود تجویز کر دیں اور دوسرا عیسائی ممبر حضرت مرزا صاحب تجویز کر دیں گے۔ اور لکھا کہ فیصلہ دینے والے جو فیصلہ دیں اُس میں ہر ایک ممبر کو اپنی رائے کے متعلق وجوہات بھی دینی پڑینگی کہ کن وجوہات سے وہ ایک فریق کو غالب سمجھتے ہیں اور دوسرے کو مغلوب۔ اخبار آفتاب میں مباحثہ تو شروع ہو گیا مگر حضرت مرزا صاحب کے ایک جواب الجواب کے آگے جو علم و حکمت کا

ایک دریا تھا باوا صاحب ٹھیر نہ سکے۔ اس کے بعد پتہ ہی نہیں لگتا کہ باوا صاحب گئے کہاں۔ تاریخ اس معاملہ میں خاموش ہے۔ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ باوا صاحب نے پانچسو روپیہ انعام یا جرمانہ کا لیکر اعلان کیا ہو کہ پنڈت دیانند صاحب کا مشتہر عقیدہ درست تھا بلکہ اس کے بعد اگر کوئی بات آج ہمیں نظر آتی ہے تو یہ ہے کہ خود باوا صاحب آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے الگ ہیں جو حضرت مرزا صاحب کی بیّن فتح ہے ۔

حضرت مرزا صاحب کی جرأت ایمانی

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مرزا صاحب میں ہمیں وہ جرأت ایمانی نظر آتی ہے جو ایک بہت بڑے عارف اور باخدا انسان کے سوا دوسرے میں ہو نہیں سکتی رُوحوں کے انادی اور بے انت ہونے کے خلاف جو قلم اُٹھایا تو سوامی دیانند صاحب ایسے مرعوب ہوئے کہ رُوحوں کے بے انت ہونے سے انکاری ہو گئے اور مباحثہ کا چیلنج دے کر پھر عاف گریز کر گئے ۔ باوا نرائن سنگھ صاحب نے جو شرط بھی پیش کی مان لی اور ثالثوں میں خود اس مسئلہ کے موجد سوامی دیانند کو بھی شامل کر لیا تاکہ حجت ہر طرح تمام ہو جائے۔ اور انعام کے روپوں کی بابت ہر طرح اطمینان کرا دیا۔ مگر ایک جواب الجواب کے بعد باوا صاحب کا پتہ نہ لگا کہ گئے کہاں۔ بہت عرصہ بعد نظر آئے تو آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے الگ نظر آئے ۔

روحوں کے انادی اور بے انت ہونے پر چودہ دلائل

حضرت مرزا صاحب نے مختلف اخباروں کے ذریعہ روحوں کے انادی اور بے انت نہ ہونے پر چودہ زبردست دلائل دیکر ہر ایک اہل باطل کا منہ بند کر دیا تھا۔ اُن میں سے کسی ایک دلیل کو بھی توڑنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ پنڈت دیانند سرسوتی صاحب بھی لاچار اور لاجواب ثابت ہوئے جن جن لوگوں نے ہاتھ پاؤں مارے وہ ایک جواب الجواب کے بعد ہی میدان سے ایسے رفو چکر ہوئے کہ کہیں پتہ ہی نہ لگا کہ گئے کہاں ۔

منشی گوردیال صاحب سے مباحثہ

منشی گوردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ نے بھی باوا نرائن سنگھ صاحب کی طرح ایک استفسار روحوں کے انادی اور بے انت ہونے پر آفتاب پنجاب اخبار میں چھپوایا جو ۱۶۔ مئی ۱۸۷۷ء کے اخبار میں شائع ہوا۔ حضرت مرزا صاحب نے منشی گوردیال صاحب کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ وہ بھی اپنے سابق دوستوں اور ہم خیالوں کی طرح اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گئے۔ باوا نرائن سنگھ صاحب اور منشی گوردیال صاحب کے مقابل میں جو حضرت مرزا صاحب نے جواب الجواب تحریر فرمایا تھا وہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی شائع کردہ سوانحعمری میں مفصل موجود ہے یہاں نقل کرنے کی میں چنداں ضرورت نہیں سمجھتا ۔

لالہ شرمپت رائے صاحب میدان مناظرہ میں کوٹے

لالہ شرمپت رائے صاحب قادیان کے مشہور آریہ نے جب حضرت مرزا صاحب کا باوا زائن سنگھ صاحب کے ساتھ مباحثہ ہوتے دیکھا تو آپ کو بھی اخباری دنیا میں مشتہر ہو جانے کا شوق پیدا ہوا۔ اور مان نہ مان میں تیرا مہمان خود بخود تناسخ پر ایک محاکمہ لکھ کر اخبار ہندو باندھو لاہور میں بھیجدیا۔ مگر وہ اس قدر لغو اور فضول تھا کہ خود ایڈیٹر ہندو باندھو نے جو اس پر ریمارکس لکھے اُس میں اُن کی بڑی "دُرد شاکی"۔ وہ لکھتا ہے:۔

"پھر صرف بولنا کون نہیں جانتا۔ حیوانات بھی مُنہ سے آواز برآمد کر سکتے ہیں۔ اور بے نشانہ ہر ایک تیر بھی لگا سکتا ہے۔ پس بطور آئیں بائیں شائیں کچھ لکھ دینا یا کاغذ پر لکھے دینا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کمان اُٹھا کر بے نشانہ کسی سمت میں تیر چھوڑ دینا"

اس کے بعد لالہ شرمپت رائے کو اخبار کی طرف رُخ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

عیسائیوں سے مباحثہ

اس وقت آپ کے تحریری مباحثات فقط آریہ سماج سے ہی نہیں ہو رہے تھے بلکہ ساتھ ساتھ عیسائیوں سے بھی قلمی جنگ شروع تھی۔ اس لئے کہ لدھیانہ کے عیسائی اخبار نور افشاں میں اسلام اور حضرت نبی کریم صلعم کے خلاف نہایت دل آزار اور غیر شریفانہ مضامین اور اعتراضات کا سلسلہ شروع تھا۔ آپ نے ان جوابات کے لئے اخبار منشور محمدی بنگلور کو منتخب کیا جو اسی غرض کے لئے جاری ہوا تھا۔ آپ کے پُرزور مضامین جیسے ہی نکلنے شروع ہوئے تو عیسائی کیمپ میں کھلبلی مچ گئی اور شور قیامت بپا ہو گیا۔ یہ جنگ جس زور شور سے چلی ہے اُس کا ذکر آگے آئے گا۔

برہمو سماج سے مباحثہ

لاہور میں برہمو سماج قائم ہو چکا تھا اور پنڈت شوزائن اگنی ہوتری جو لاہور کے گورنمنٹ اسکول میں اس وقت ڈرائنگ ماسٹر تھے۔ برہمو سماج کے بہت بڑے لیڈر اور ہندو باندھو اخبار کے مالک و ایڈیٹر تھے۔ برہمو سماج اگرچہ ہر ایک مذہب کے مقتدا کی عزت کرتا تھا۔ مگر وحی والہام کا قائل نہ تھا۔ حضرت مرزا صاحب کے مذہبی مضامین اکثر ہندو باندھو میں شائع ہوا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مسئلہ الہام پر اس برہمو لیڈر سے خط و کتاب کا سلسلہ برنگ مباحثہ جاری ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ ۲۱ مئی سے ۱۷ جون ۱۸۷۹ء تک جاری رہا۔ خاکسار مؤلف نے اس مباحثہ کو خود پڑھا ہے۔ یہ مباحثہ ناتمام رہ گیا ہے۔ بحث کا سلسلہ چلتے چلتے اچانک بند ہو گیا ہے۔ جس قدر بھی خط و کتابت ہوئی تھی اس قدر ہی پنڈت جی نے شائع کر دینا چاہا تو حضرت مرزا صاحب نے مطالبہ کیا کہ وہ ایک برہمو اور ایک انگریز کو اس معاملہ میں منصف قرار دے کر ان کے فیصلہ کے ساتھ اس خط و کتابت کو شائع کریں۔ اور اپنی طرف سے آپ نے نیکشب چندر سین

صاحب برہمو سماج کے مشہور مقتدا کو نامزد بھی کر دیا۔ مگر پنڈت اگنی ہوتری صاحب نے کسی کو منصف اور حکم نہ بنایا اور اس نا تمام خط و کتابت کو شائع کر دیا۔ اُنہوں نے کیوں ایسا کیا اس سے بحث نہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے اس مباحثہ میں فرمایا تھا کہ وحی والہام کا انکار دہریت پیدا کر دیتا ہے ویسا ہی ہوا یعنی کچھ عرصہ بعد ہی پنڈت اگنی ہوتری صاحب نے برہمو سماج کے اصولوں کو چھوڑ چھاڑ دہریہ بن کر ایک اور سماج قائم کیا جس کا نام دیو سماج ہے۔ اور وہ سب بخشیں کہ عقل ہر معاملہ میں کافی ہے اور ہمیں الہام کی ضرورت نہیں سب غت ربود ہو کر عقل کو ہی سرے سے جواب مل گیا۔ اور جو کچھ رہ گیا وہ گرو جی کا ہی ایشور گیان رہ گیا۔

ایک برہمو کی قادیان میں آمد برائے تحقیقات

اس خط و کتابت کے شائع ہونے کے بعد ایک برہمو تیلو رام نامی تحقیقات کے خیال سے قادیان آیا۔ پہلے تو ہندوؤں کے گھر ٹھیرا۔ پھر حضرت مرزا صاحب کی دعوت پر آپ کے مکان پر آن ٹھیرا۔ کھانے پینے میں اُسے کوئی پرہیز نہ تھا۔ اسلام کی صداقت اور مسئلہ نبوت والہام اور بعض دیگر مسائل پر گفتگو رہتی تھی۔ حضرت مرزا صاحب کا منشا تھا کہ وہ کچھ عرصہ آپ کے پاس ٹھیرے مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر نہ ٹھیر سکا۔ مگر جاتے ہوئے وہ آپ کے اخلاق اور مہمان نوازی اور علم دوستی کا بیحد مداح نظر آتا تھا۔

براہین احمدیہ میں برہمو سماج پر اچھی طرح حجت تمام کی

حضرت مرزا صاحب کے نزدیک برہمو سماج کا نبوت والہام کے انکار کا عقیدہ بہت خطرناک تھا کیونکہ پھر اس سے تمام انبیاء و رسل مفتری علی اللہ ٹھیرتے ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم تمام انبیاء و رسل کی عزت کرتے ہیں بالکل بمعنی ہے جبکہ ہم ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اُنہیں وحی والہام کچھ نہ ہوتا تھا۔ اور جو کچھ وہ کتاب اور وحی پیش کرتے تھے وہ ان کی اپنی ہی بنائی ہوئی تھیں۔ وہ الہام کا نام دیکر صرف لوگوں کو متاثر کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگ اُن کے مطابق عمل کریں۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں برہمو سماج کو بالخصوص بہت لتاڑا ہے۔ اور چونکہ آپ خود وحی ولایت والہام الٰہی سے مشرف ہونے کی وجہ سے صاحب حال تھے۔ اس لئے آپ جس طرح اس کفریہ اور باطل عقیدہ کی تردید کر سکتے تھے دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف عقلی و نقلی دلائل سے بلکہ اپنے مشاہدات اور تجربات سے اس غلط عقیدہ کا زبردست رد کیا ہے۔

نعمۃ الباری یا آلاء اللہ کی تصنیف کا ارادہ

انہی ایام میں آپ نے ارادہ فرمایا کہ ایک کتاب نعمۃ الباری لکھوں۔ اسی کتاب کو آپ نے بعد میں آلاء اللہ کے نام سے لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا اس میں اللہ تعالیٰ

کے ان فیوض و برکات کا ذکر کرنا چاہتے تھے جو آپ کی ذات سے مخصوص تھے۔ مگر بعد میں ایک عجیب و غریب واقعہ کی وجہ سے یہ تصنیف رہ گئی۔ آپ خود فرماتے تھے کہ میں یہ کتاب لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جب میں نے قلم لیکر لکھنا شروع کیا تو یکبارگی بارش ہونے لگی۔ اور میں نے محسوس کیا کہ ہر ایک قطرہ بارش کا اپنے ساتھ لاانتہا برکات اور فیوض لے کر آتا ہے۔ اس احساس کے بعد میں نے قلم رکھ دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور فضلوں کو گن نہیں سکتا۔ جیسے ان بارش کے قطرات کا شمار اور احصاء میرے امکان سے باہر ہے۔ اسی طرح یہ امر میرے امکان سے خارج ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے ان انعام کو جو مجھ پر ہوئے ہیں گن سکوں ؛

تصنیف براہین احمدیہ

آپ کی غیرت دینی | حضرت مرزا صاحب کی زندگی پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ابتدا ہی سے آپ کو جناب اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق اور اُس کی عبادت میں انہماک تھا وہاں آنحضرت صلعم اور قرآن کریم سے وہ عشق تھا جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ قرآن اور سنت کی اتباع سے سرمو تجاوز کرنا بھی آپ بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ اور دین کی عزت کے متعلق آپ کو اس قدر غیرت تھی کہ قرآن یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حفاظت کے لئے آپ ہر جگہ مجاہدین کی صف اوّل میں نظر آتے ہیں۔ اسلام کی حقانیت کے اثبات اور قرآن مجید کی اعجازی قوتوں کے اظہار کے لئے آپ ایک خارق عادت علمی اور عملی جوش رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے احسانات کا ذکر کرنے کے لئے جو آپ نے نوع انسان پر کئے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اور اس کے لئے اتنی غیرت تھی کہ ایک مرتبہ لدھیانہ میں آپ تشریف رکھتے تھے۔ اُن دنوں نئی نئی ٹمپرنس سوسائٹی بنی تھی اور ان کے لیکچر جا بجا ہوتے تھے۔ اور شراب اور نشہ آور چیزوں کے خلاف وعظ اور لیکچر دینے کے لئے وہ ہر مذہب و ملت کے علما کو مدعو کرتے رہتے تھے۔ لدھیانہ میں اُن کا جلسہ تھا حضرت مرزا صاحب کو بھی دعوت دی کہ آپ بھی کچھ شراب اور مسکرات کے خلاف وعظ کریں۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط لگادی کہ کسی خاص مذہب یا مذہبی عقیدا کا ذکر درمیان میں نہ آوے۔ عام اخلاقی وعظ ہو۔ آپ نے فرمایا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لوں جس سے بڑھ کر ٹمپرنس کو قائم کرنے والا دنیا میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوا جس کی ایک آواز میں یہ اثر تھا کہ پشتہا پشت کے شراب پینے والوں نے یک مرتبہ شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور شراب پینے کے سونے چاندی کے باسن

خیرات کر دیئے اور پھر کبھی اُسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ اتنی بڑی عظیم الشان ٹیمپرنس قائم کرنیوالی شخصیت کا نام نہ لوں یہ پرلے درجہ کی محسن کشی ہے چنانچہ آپ نے وہاں جانے اور لیکچر دینے سے انکار کر دیا +

آپ کا حیرت انگیز علم لدنی

جس بات سے بے اندازہ حیرت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ایک ایسے گاؤں میں رہتے تھے جہاں عام واقفیت اور علمی معلومات کے بڑھانے کا کوئی موقعہ اور ذریعہ نہ تھا لیکن آپ کی تحریروں کو دیکھو تو آپ اُن تمام حالات سے باخبر نظر آتے ہیں جو مذہبی دنیا میں پیدا ہو رہے تھے آپ جب قلم اُٹھاتے ہیں تو اُن تمام اعتراضات کو جو یورپ کا نیا فلسفہ مذہب پر آئے دن پیدا کر رہا تھا اس طرح رد کرتے چلے جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان تمام اعتراضات کا علم رکھتے اور اُن پر غور و فکر کر کے ان کا جواب لکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کتابیں ہندوستان میں ابھی پہنچی بھی نہ تھیں۔ خواجہ کمال الدین مرحوم ایک دفعہ فرماتے تھے کہ انگلستان میں مجھے ایک مرتبہ دہریوں کی ایک بہت بڑی سوسائٹی میں خدا کی ہستی اور معرفت پر لیکچر دینے کا موقعہ ملا۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کا وقت تھا۔ پانچ پانچ منٹ کا وقت سائل اور مجیب کے لئے مقرر تھا۔ ظاہر ہے کہ پانچ منٹ میں اعتراض کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے مگر جواب دینا بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ مگر خدا کی شان جو اُن دہریوں نے اعتراض کیا میں نے پانچ منٹ میں ایسا برجستہ اور دندان شکن جواب دیا کہ وہ حیران رہ گئے۔ وجہ یہ کہ قریباً قریباً ان تمام اعتراضات کا جواب میں حضرت صاحب کی کتاب براہین احمدیہ میں پڑھ چکا تھا +

براہین احمدیہ کی تصنیف کی تحریک

اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی اپنی پوری قوت اور طاقت سے اسلام کو کچل ڈالنا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ پادری عماد الدین نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر ہم مسلمانوں کو عیسائی نہ بنا سکے تو مسلمان بھی رہنے نہ دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ سیاہ سے سیاہ تصویر جو کھینچی جا سکتی تھی وہ ان پادریوں نے کھینچ رکھی تھی۔ قرآن کریم کی آیت آیت پر اعتراض کرتے رہتے تھے۔ آریوں کا فرقہ جو اُٹھا تو انہوں نے انہی پادریوں کی کاسہ لیسی کی۔ اُن کے اعتراضات سب لیکر اپنے رنگ میں نہایت طعن و تشنیع کی صورت دیکر شائع کرنے شروع کر دیئے جس سے مسلمانوں کے دل چھلنی ہو گئے۔ برہمو سماج اگرچہ بظاہر مرنجان مرنج فرقہ نظر آتا ہے مگر انہوں نے مسئلہ وحی و نبوت کا انکار کر کے دراصل مذہب کی جڑ پر ہی کلہاڑا رکھ دیا۔ ادھر علماء کا یہ حال تھا کہ آپس میں رفع یدین۔ آمین بالجہر کے جھگڑوں اور کوّے کی حلت و حرمت کے فتووں اور آپس کی تکفیر بازیوں میں مصروف تھے۔ روشن خیال مسلمان طبقہ میں سر سید احمد خاں صاحب کی تحریک نے دعا سے انکار اور وحی کے محض دل سے اُٹھ کر دل پر پڑنے کے عقیدہ سے اسلام کو اُسکی روحانیت

سے خالی کر دیا تھا۔ اُدھر دہریت اور مادہ پرستی نے سرے سے مذہب کا ہی قلع قمع کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اسلام کو ایسی نازک اور خطرہ کی حالت میں پا کر پہلے تو حضرت مرزا صاحب اخبارات کے ذریعہ قلمی جہاد کرتے رہے۔ لیکن آخر اُسے کافی نہ پا کر آپ نے ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور اسلام پر ہر قسم کے اعتراضات کے جوابات نہایت معقول اور مدلل طور پر دینے کے لئے بلکہ تائیدات سماوی اور شواہد آسمانی کے ذریعہ صداقت اسلام ظاہر کرنے کے لئے یہ عزم فرمایا کہ ایک مبسوط کتاب لکھی جائے۔ یہی براہین احمدیہ کی تالیف کی ابتدائی تحریک تھی۔ مگر آپ نے محض ایک کتاب کی تصنیف تک ہی اس کو محدود نہیں رکھا بلکہ چونکہ آپ کا قلب اسلام کی حقانیت پر یقین سے لبریز تھا اور آپ اُس پر عمل پیرا ہو کر حال طور پر اُس کی صداقت کا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے آپ نے براہین احمدیہ کی اشاعت کے ساتھ دس ہزار روپے انعام کا بھی اعلان کیا کہ یہ اس شخص کا حق ہوگا جو اس کتاب کے دلائل کو توڑ کر دکھا دے یا اپنی الہامی کتاب سے اسی قدر دلائل یا اس سے نصف یا اس سے ثلث یا اس سے ربع یا اس سے خمس ہی اپنے مذہب کی تائید میں اور اسلام کی تردید میں نکال کر دکھا دے۔

براہین احمدیہ کے ساتھ انعامی چیلنج

اس اعلان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کس قسم کے زبردست دلائل اور براہین قاطع قرآن مجید میں سے اپنی تصنیف میں جمع کئے تھے اور کس قدر یقین آپ کو ان براہین و دلائل کی قوت اور استحکام پر تھا کہ اپنی ساری جائداد منقولہ و غیر منقولہ ان دلائل کے توڑنے والے کو دیدینے کے لئے آپ تیار تھے۔ تمام دنیا میں یہ پرازتحدی اشتہار شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک شائع کیا گیا لیکن اتنے بڑے انعام کے باوجود کسی شخص کو مقابلہ کی جرأت اور قدرت نہ ہوئی اور اس طرح پر یہ کتاب آجتک لاجواب ہے۔ اور آپ کا اپنا شعر کس خوبصورتی کے ساتھ یہاں صادق آتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں آپ نے فرمایا تھا ؎ چہ ہیبت ہا بداد ندایں جواں را کہ نا دیدہ کس بمیدانِ محمدؐ

لہ حضرت مرزا صاحب کا زرین اصول یہ تھا کہ الہامی کتاب کامل وہی ہو سکتی ہے جو اگر کوئی دعویٰ پیش کرے تو دلائل بھی خود ہی دے۔ دلائل کیلئے معتقدین کا منہ نہ تکے۔ چنانچہ آپ جو بھی دعویٰ یا اصول اسلام پیش کرتے تو ہمیشہ اُسے قرآن میں سے نکالکر دکھاتے اور اس کے دلائل بھی قرآن مجید میں سے ہی دیتے۔ اور جس اصول باطل کی تردید کرتے اسکی تردید کے دلائل بھی قرآن مجید میں سے ہی دیتے۔ چنانچہ ساری براہین احمدیہ میں یہی اصول چلا چلتا ہے۔ اور اسی اصول کے ماتحت آپ کا مطالبہ دیگر مذاہب والوں سے بھی یہی تھا کہ جو دعویٰ یا دلیل پیش کرو اپنی الہامی کتاب سے پیش کرو۔ وہ الہامی کتاب کامل نہیں ہو سکتی جو خود تو کچھ پیش کرتی نہیں اس کے معتقدین اپنے دماغ سے جو کچھ چاہتے ہیں نکالتے ہیں اور اپنی الہامی کتاب کی طرف ناحق منسوب کر دیتے ہیں۔ ایسا مذہب الہامی نہیں کہلائے گا بلکہ وہ انسانی دماغ کا اختراع سمجھا جائے گا۔ (مؤلف)

براہین احمدیہ میں آپ نے آریہ سماج، برہمو سماج، دیو سماج۔ سناتن دھرم اور ہندوؤں کے دیگر فرقوں اور دہریوں اور عیسائیوں کو مخاطب کیا ہے اور دلائل قاطعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی تردید کرتے ہوئے قرآن کریم کی صداقت کو اظہر من الشمس کیا ہے۔ مگر ان مذاہب میں سے کسی کو آجتک جرأت نہیں ہوئی کہ اس تحدّی کے مقابلہ کے لئے اُٹھتا اور انعام کا دعویدار بنتا۔ نہ کسی نے ان دلائل میں اپنی کتاب کی مشارکت ثابت کی۔ نہ ان دلائل کو توڑنے کی جرأت ہوئی۔

خود مسلمانوں نے اس کتاب کو بہت بڑی خدمت اسلام سمجھا اور ایسے نازک وقت میں جب دین اسلام تمام مذاہب باطلہ کے نرغہ میں آیا ہوا تھا اس تصنیف کو اسلام کی عظیم الشان فتوحات میں سے قرار دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بعد میں آپ کے شدید ترین مخالف بن گئے اور شدّت مخالفت میں رئیس المکفرین بننے سے بھی دریغ نہ کیا۔ براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اشاعت السنّہ جلد ۶ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آجتک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا..... اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جسکی نظیر مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصًا آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اُٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام ومنکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"

اس کتاب کی تصنیف کے متعلق قبل از وقت اشارۂ الٰہی

اس کتاب کی عظمت اور اہمیّت اس اشارۂ الٰہی سے بھی صاف نظر آتی ہے جو اس کتاب کے متعلق حضرت مرزا صاحب کو ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا۔ آپ خود براہین احمدیہ حصّہ سوم کے صفحہ ۲۴۸ و ۲۴۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اس زمانہ کے قریب قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصّہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور

اُس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام مَیں نے قطبی رکھا ہے جس نام کی تعبیر اب اس اشتہار کی تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر منزلزل اور مستحکم ہے جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا گیا ہے غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لی اور جب وہ حضرت مقدس نبویؐ کے ہاتھ میں آئی تو آنحضرت صلعم کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت صلعم نے جب اس میوہ کو قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مردہ جو دروازے سے باہر پڑا تھا آنحضرت صلعم کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرتؐ بڑے جاہ وجلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اُس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا۔ اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش مَیں نے اُس نئے زندہ کو دیدی اور اُس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو مَیں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اُونچی ہو گئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اُسی نور کا مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ یہ وہ خواب ہے کہ تقریباً دو سو آدمی کو انہیں دنوں میں سنائی گئی تھی جن میں سے بچا س یا کم و بیش ہندو بھی ہیں کہ جو اکثر ان میں سے ابھی صحیح وسلامت ہیں۔ اور وہ تمام لوگ خوب جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں براہین احمدیہ کی تالیف کا ابھی نام ونشان نہ تھا۔ اور نہ یہ مرکوز خاطر تھا کہ کوئی دینی کتاب بنا کر اس کے استحکام اور سچائی ظاہر کرنے کے لئے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب وہ باتیں جن پر خواب دلالت کرتی ہے کسی قدر پوری ہو گئی ہیں۔ اور جس قطبیت کے اسم سے اس وقت کی خواب میں کتاب کو موسوم کیا گیا تھا۔ اُسی

قطعیت کو اب مخالفوں کے مقابلہ پر بوعدۂ انعام کثیر پیش کر کے حجت اسلام ان پر پوری کی گئی ہے۔ اور جس قدر اجزا اس خواب کے ابھی تک ظہور میں نہیں آئے ان کے ظہور کا سب کو منتظر رہنا چاہیئے کہ آسمانی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں"۔

اس رویا کے مختلف اجزا جس احسن طریق سے پورے ہوئے وہ ایک علیحدہ مبحث ہے جو انشاء اللہ الرحمٰن اپنے موقعہ پر آئے گا۔

براہین احمدیہ کی تصنیف اور اشاعت کا زمانہ

براہین احمدیہ کی تصنیف کے عملی اور مستقل کام کا آغاز ۱۸۷۸ء کے آخر اور ۱۸۷۹ء کے اوائل میں ہوا۔ گو اس کے اشتہارات ۱۸۷۷ء کے آخر میں شائع ہونے لگے تھے لیکن باقاعدہ کام ۱۸۷۹ء میں ہونے لگا۔ یہ کتاب جو آپ کی محبت دینی کی یادگار اور آپ کا ایک شاہکار ہے کئی جلدوں میں چھپکر شائع ہوئی براہین احمدیہ کی پہلی جلد اور دوسری جلد ۱۸۸۰ء میں چھپ کر نکلی۔ اور تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں اور چوتھی جلد ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔

براہین احمدیہ کی تصنیف میں طرز عمل کیا تھا

براہین احمدیہ کی تصنیف میں حضرت مرزا صاحب کا طریق عمل یہ تھا کہ آپ ایک مسودہ تحریر فرماتے۔ میاں شمس الدین صاحب آپ کے استاد زادہ تھے جو بہت خوشخط تھے۔ آپ مسودہ میاں شمس الدین صاحب کو دیتے جو نہایت صاف طور پر خوشخط لکھ کر کاتب کو دیتے۔ کاتب منشی امام الدین صاحب تھے۔ حضرت مرزا صاحب کو اُن کی شان خط بہت پسند تھی اور ایک عرصہ دراز تک وہی حضرت صاحب کے کاتب رہے۔ براہین احمدیہ کے ہر حصص انہیں نے لکھے۔ مگر چوتھی جلد کے کچھ حصّہ کی کتابت شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی مرحوم کے حصّہ میں بھی آئی۔

براہین احمدیہ کس پریس میں چھپی

حضرت مرزا صاحب یہ چاہتے تھے کہ براہین احمدیہ کی نہایت خوشخط کتابت اور نہایت اعلیٰ طباعت ہو۔ امرتسر میں پادری رجب علی صاحب کا مطبع سفیر ہند اُس وقت اپنی طباعت کے لحاظ سے بہت اچھا سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے براہین احمدیہ وہیں چھپوانی شروع کی۔ پادری رجب علی صاحب نے طباعت کی اُجرت بہت زیادہ چارج کی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ چھپوایا بڑی توجہ اور صفائی سے۔ چنانچہ پادری صاحب موصوف نے مراد آباد سے شیخ نور احمد صاحب کو بلوایا جو اپنے فن طباعت میں بہترین ماہر تھے تاکہ وہ اپنی نگرانی میں براہین احمدیہ کو چھپوائیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصّہ اول تو پادری رجب علی صاحب کے مطبع سفیر ہند میں چھپا۔ اس کے بعد چونکہ شیخ نور احمد صاحب نے اپنا مطبع "ریاض ہند" کھول لیا تھا اس لئے پادری صاحب نے براہین کا حصّہ دوم و سوم ریاض ہند میں اپنے طور پر چھپوایا۔ مگر اُس پر مطبع سفیر ہند کا ہی نام رہا۔ بعد میں جب پتہ لگ گیا کہ پادری صاحب

خود ریاض ہند پریس سے چھپواتے ہیں اور نام سفیر ہند پریس کا ہوتا ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب نے چوتھا حصہ براہین کا براہ راست ریاض ہند پریس سے چھپوایا اور اس کی طباعت کی اُجرت بھی پہلے سے کم لگی۔ براہین احمدیہ کے تیسرے اور چوتھے حصے کی اشاعت میں جو غیر معمولی توقف اور تعویق ہوئی اور لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا تو وہ پریس والوں کی طرف سے تھی۔ آپ کی طرف سے کبھی تاخیر نہیں ہوئی۔

طباعت میں احتیاط

حضرت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی طباعت میں بہت احتیاط اور بہت محنت سے کام لیا۔ کاپیاں امرتسر کبھی خود لیجاتے کبھی بذریعہ ڈاک رجسٹری کر کے بھیجتے اور کبھی لالہ ملاوامل وغیرہ کو بھیج دیتے۔ اور یہی طریق پروف بھیجنے کے متعلق تھا۔ عام طور پر خود جانا پسند فرماتے تھے حالانکہ ان دنوں بٹالہ تک ریل نہ تھی۔ امرتسر تک یکہ وغیرہ پر جانا پڑتا تھا۔ اکثر قادیان سے بٹالہ پیدل جاتے وہاں سے یکہ لے لیتے۔ بعض دفعہ اس کے لئے امرتسر میں کئی کئی دن قیام کرنا پڑتا۔ امرتسر میں علی العموم حکیم محمد شریف صاحب کلانوری کے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ امرتسر کے قیام کے ایام میں آپ کا کام سوائے براہین احمدیہ کے پروف وغیرہ دیکھنے کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ ہاں اگر کچھ وقت ملتا تو آپ مذہبی تذکرہ بھی بعض لوگوں سے فرماتے رہتے۔ اُن میں سے مولوی غلام نبی تاجر کتب بھی ایک تھے ان کو بھی ردنصاریٰ میں رسالے اور مضامین لکھنے کا شوق تھا اس لئے حضرت مرزا صاحب کو ان سے للّٰہی محبت تھی۔

براہین احمدیہ کی ڈاک کی روانگی میں احتیاط

جب کتاب کا کوئی حصہ طبع ہو کر آتا تو اُس کے متعلق تحریک کرنے کے لئے بھی آپ ہی کو خطوط لکھنے پڑتے۔ اُس زمانہ میں ڈائرکٹری تو موجود نہ ہوتی تھی اس لئے لوگوں کی فہرستیں بھی خود تیار کرتے۔ پھر اُنہیں خود ہی خطوط لکھتے۔ بعض دفعہ ڈیڑھ ڈیڑھ سو خطوط بھی لکھنے پڑے ہیں۔ ایک رجسٹر خریداروں کا مرتب کیا جس میں تمام ان اصحاب کے نام درج تھے جن کو کتاب بھیجی جاتی تھی۔ اس رجسٹر کی فہرست کے مطابق کتاب روانہ کی جاتی۔ آپ اس کام کو کسی دوسرے کے سپرد نہیں کرتے تھے کہ روانگی کتاب میں شک و شبہ نہ رہ جائے۔ آپ خود اپنے ہاتھ سے پیکٹ تیار کرتے اور اپنے ہاتھ سے مکتوب الیہ کا پتہ اس پر تحریر فرماتے۔ اکثر صورتوں میں آپ کتاب رجسٹری کرا کے بھیجتے۔ بیرنگ کبھی نہ بھیجتے۔ کسی شاذ صورت میں بیرنگ بھیجی ہو تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مکتوب الیہ نے خود ایسی ہدایت کی ہو۔ بعض امراء و رؤسا کو تحریک کے لئے کتاب پیشگی بھی بھیج دیتے جن میں سے بعض نادہند قیمت نہ دیتے یا خریدار نہ بنتے تو کتاب بھی واپس نہ بھیجتے۔ اس صورت میں کتاب کا سٹ ناقص ہو جاتا۔ مگر آپ کا منشا کوئی تجارت نہ تھی بلکہ خدمت دین تھی۔

براہین احمدیہ کی طبع و اشاعت میں مالی مشکلات

یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے بھائی غلام قادر صاحب کے سپرد کل جائداد

کا انتظام تھا۔ اگرچہ آپ کے حصّہ کی جائداد دس ہزار روپے کی مالیت سے زائد تھی۔ لیکن آپ نے جائداد کو تقسیم کرا کے اپنے ہاتھ میں لینا پسند نہیں کیا۔ جس طریق پر خاندان کا انتظام چلا آتا تھا اُس میں کسی قسم کی مداخلت تو درکنار آپ کوئی دلچسپی ہی نہ لیتے تھے جس قسم کی سادہ غذا یا سادہ لباس مل گیا وہ کھا لیا یا پہن لیا اور کسی بات سے واسطہ نہ تھا۔ البتہ اپنی جائداد مالیت دس ہزار روپے کو بطور انعام اُس شخص کو دیدینے کو تیار تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی حقانیت کے دلائل پیش کردہ در براہین احمدیہ توڑ کر دکھا دے۔ غرضکہ براہین احمدیہ کی طبع و اشاعت کے لئے آپ کے ہاتھ میں کوئی روپیہ نہ تھا لیکن اس مالی مشکلات کے باوجود آپ اس کتاب کی تالیف و طبع کا مصمّم عزم کر چکے تھے۔ اور آپکے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک یقین کامل تھا کہ یہ کتاب شائع ہو کر رہے گی۔ چنانچہ خود بھی اس بات کا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"جب میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ تصنیف کی جو میری پہلی تصنیف ہے تو مجھے یہ مشکل پیش آئی کہ اس کی چھپوائی کے لئے کچھ روپیہ نہ تھا اور میں ایک گمنام آدمی تھا۔ مجھے کسی سے تعارف نہ تھا۔ تب میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا کی تو یہ الہام ہوا۔ ھزّی الیک بجذع النّخلۃ تساقط علیک رطبًا جنیًّا (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶) ترجمہ۔ کھجور کے تنہ کو ہلا۔ تیرے پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔ چنانچہ میں نے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے سب سے اوّل خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر ریاست پٹیالہ کی طرف خط لکھا پس خدا نے جیسا کہ اُس نے وعدہ کیا تھا اُن کو میری طرف مائل کر دیا اور انہوں نے بلا توقف اڑھائی سو روپیہ بھیج دیا اور پھر دوسری دفعہ اڑھائی سو روپیہ دیا اور چند اور آدمیوں نے روپیہ کی مدد کی اور اس طرح پر وہ کتاب باوجود میری کے چھپ گئی۔ اور وہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ یہ واقعات ایسے ہیں کہ صرف ایک دو آدمی ان کے گواہ نہیں بلکہ ایک جماعت کثیر گواہ ہے جس میں ہندو بھی ہیں (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۷)

الغرض آپ نے مختلف مسلمان اکابر و روٴسا کو خطوط لکھے جن میں سے اکثر نے التفات تک نہ کی۔ مگر اُن میں سے بعض اہل دل ایسے تھے جنہوں نے امداد کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ چنانچہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب نے پانچ سو روپے اور مرزا محمد علاؤالدین خاں صاحب رئیس لوہارو نے چالیس روپے اور نواب سرو قار الامرا قبال الدولہ حیدر آباد صاحب نے سو روپے اور محمد افضل خاں صاحب نے ایک سو دس روپے اور نواب صاحب مالیر کوٹلہ نے سو روپے۔ شیخ محمد بہاؤالدین صاحب مدار المہام ریاست جوناگڑھ نے ایک ہزار روپیہ کتاب کی قیمت یا بطور اعانت بھیجے۔ لیکن براہین احمدیہ

جیسی ضخیم کتاب کی طبع و اشاعت کے لئے یہ رقم کافی نہ تھی اس لئے بعض احباب معاونین بہم پہنچانے کی بھی کوشش کرتے تھے تاطبع و اشاعت کے کام میں روک پیدا نہ ہو۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب کا واقعہ

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کا واقعہ عبرت انگیز ہے۔ نواب صاحب موصوف فرقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے اور تالیف و اشاعت کتب دینیہ کا بہت شوق رکھتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے نواب صاحب کو ایک خادم دین رئیس سمجھ کر براہین کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ اُنہوں نے ابتداءً وعدہ بھی کیا مگر بعد میں دشکش ہو گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کا تذکرہ حضرت مرزا صاحب خود فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے اس خاکسار نے ایک نواب صاحب کی خدمت میں کہ جو بہت پارسا طبع اور متقی خصائل علمیہ سے متصف اور قال اللہ اور قال الرسول سے بدرجۂ غایت خبر رکھتے ہیں کتاب براہین احمدیہ کی اعانت کیلئے لکھا تھا۔ سو اگر نواب صاحب ممدوح اس کے جواب میں لکھتے کہ ہماری رائے میں کتاب ایسی عمدہ نہیں جس کے لئے کچھ مدد کی جاوے تو کچھ جائے افسوس نہ تھا۔ مگر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ لکھا کہ پندرہ بیس کتابیں ضرور خریدیں گے اور پھر دوبارہ یاددہانی پر یہ جواب آیا کہ دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا انہیں کچھ مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ اُمید نہ رکھیں۔ سو ہم بھی نواب صاحب کو امیدگاہ نہیں بناتے بلکہ امیدگاہ خداوند کریم ہے اور وہی کافی ہے۔ خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے۔ لیکن ہم بہ ادب تمام عرض کرتے ہیں کہ ایسے ایسے خیالات میں گورنمنٹ کی ہجو ملیح ہی گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول نہیں ہے کہ کسی قوم کو اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے سے روکے یا دینی کتابوں کی اعانت کرنے سے منع کرے۔"

حضرت صاحب کو نواب صدیق حسن خاں صاحب کی اس وعدہ شکنی سے بہت رنج ہوا۔ زیادہ رنج کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ انہوں نے پہلے تو کتابوں کا پیکٹ وصول کر لیا مگر کھول کر جب پڑھا تو پرانے دقیانوسی خیالات کی وجہ سے کچھ ایسے بگڑے کہ دوبارہ نہایت بُری طرح پیکٹ بنا کر واپس بھیج دیا۔ نہ معلوم خود غصہ سے کتابیں پھاڑ دیں یا اس حقارت سے پیکٹ بنایا کہ وہ بُری طرح پیکٹ میں بند ہونے کی وجہ سے پھٹ گئیں۔ نتیجہ یہ کہ پھٹی ہوئی کتابوں کا ایک پولندہ حضرت صاحب کو وصول ہوا۔ جو کتابیں اسقدر خون جگر کھا کر محض خدمت دینی کے لئے لکھی گئی تھیں اُن کی اس دُرگت سے آپ کو بہت رنج ہوا۔

حامد علی صاحب کا جو حضرت صاحب کے خادم تھے بیان ہے کہ کتابوں کی اس بُری حالت اور اُنکو اس بُری طرح پھٹا ہوا دیکھ کر آپ کا رنج اور غصہ سے چہرہ متغیر اور سُرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ چہل قدمی کر رہے تھے۔ آپ کی طبیعت نہایت برہم تھی ۔ اُسی حالت میں ٹہلتے گئے اور بالکل خاموش تھے کہ یکایک آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے "اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو" خدا جانے کس درد سے آپ کے دل سے یہ کلمہ نکل کر زبان پر آیا تھا کہ بقول مولانا روم رح ؎

تا دلِ مردِ خدا نا ید بدرد ✤ ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

اس واقعہ کے چند ماہ بعد ہی نواب صاحب کا تختہ پلٹ گیا۔ وہی گورنمنٹ انگریزی جس کی رضا جوئی کی خاطر نواب صاحب نے براہین احمدیہ کو اس بُری طرح رد کر دیا تھا نواب صاحب ممدوح پر اس درجہ ناراض ہوئی کہ اُن کو ریاست سے نکلنا پڑا۔ اور نوابی کا خطاب چھن گیا اور ایک سیاسی مقدمہ اُن پر بن گیا۔ اور مصائب کا پہاڑ اُن پر ٹوٹ پڑا۔ اگرچہ ان مصائب سے نکلنے کے لئے اُنہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر جب ہر طرف ناکامی ہی ناکامی نظر آئی تو حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار امرتسر نے جو فرقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے اور نواب صاحب کے خاص طور پر مداح تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں نواب صاحب کی سفارش کی اور اُن کی دینی خدمات کو پیش کیا۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کیلئے عرض کیا تو اوّلاً تو حضرت صاحب نے دعا سے انکار کر دیا اور براہین کا واقعہ بیان کر کے یہ بھی فرمایا کہ وہ خدا کی رضا پر گورنمنٹ کی رضا کو مقدم کرنا چاہتے تھے اب گورنمنٹ کو راضی کر لیں۔ موحد ہونے کا دعویٰ کر کے ایک زمینی حکومت سے ڈرنا اور وہ بھی دین کے مقابلہ میں جس میں خود اُس حکومت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے کسقدر قابل افسوس ہے" اس پر بہت دیر تک تقریر فرماتے رہے۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ چونکہ مجھ پر مہربانی فرماتے تھے میں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا عرض کرتا ہی گیا اور نواب صاحب کی طرف سے معذرت بھی کی۔ آخر حضرت صاحب نے دعا کرنے کا وعدہ فرمالیا۔ مگر میں تو دعا کرانے کیلئے ہی آیا تھا اس لئے وہاں سے نہ ٹلا جبتک آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں نے دعا کی ہے۔ نواب صاحب کو چاہئے کہ خود بھی توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ وہ رحم فرمائے گا۔ حکومت کے اخذ سے وہ بچ جائیں گے"۔ اس کے بعد میں نے براہین احمدیہ کی خریداری کے لئے نواب صاحب کی طرف سے درخواست کی مگر آپ نے اُسے منظور نہ فرمایا۔ ہر چند عرض کیا مگر آپ راضی نہ ہوئے۔ فرمایا میں نے رحم کر کے اُن کے لئے دعا کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ عذاب سے بچ جاویں گے۔ میرا یہ فعل شفقت کا نتیجہ ہے۔ ایسے شخص کو جس نے اس کتاب کو اس ذلت

کے ساتھ واپس کیا میں اب کسی قیمت پر بھی کتاب دینا نہیں چاہتا۔ یہ میری غیرت اور ایمان کے خلاف ہے۔ ان لوگوں کو جو میں نے تحریک کی تھی تو خدا تعالیٰ کے مخفی اشارہ کے ماتحت اور اُن پر رحم کرکے کی تھی کہ یہ لوگ دین سے غافل ہوتے ہیں براہین کی اشاعت میں اعانت ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ انہیں کسی اور نیکی کی توفیق دے۔ ورنہ میں نے ان لوگوں کو کبھی امید گاہ نہیں بنایا۔ ہماری امید گاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی کافی ہے۔" حافظ صاحب کہتے تھے کہ پھر زیادہ زور دینے سے میں خود بھی ڈر گیا۔ اور واپس چلا آیا۔ حضرت کی دعا قبول ہو گئی اور نواب صاحب حکومت کے اخذ سے بچ گئے اور نوابی کا خطاب بھی بحال ہو گیا۔ مگر نواب صاحب کی صحت ان غموم و ہموم سے خراب ہو چکی تھی نوابی کے خطاب بحال ہونیکی خوش خبری سننے سے قبل وہ فوت ہو چکے تھے۔

آپکا مقصد تجارت نہ تھا بلکہ خدمت دین تھا

براہین احمدیہ کی تصنیف تجارت کے لحاظ سے تو بہت خسارہ کا سودا تھا۔ کیونکہ مشکل سے خرچ بھی پورا نہ پڑتا تھا لیکن آپ کا مقصد کوئی تجارت نہ تھی۔ بلکہ محض خدمت دین تھا۔ چنانچہ ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض صاحبوں کی سمجھ پر رونا آتا ہے جو وہ بروقت درخواست اعانت کے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کتاب کو بعد تیاری کتاب کے خرید لیں گے پہلے نہیں۔ اُن کو سمجھنا چاہئے کہ یہ کچھ تجارت کا معاملہ نہیں اور مؤلف کو بجز تائید دین کے کسی کے مال سے کچھ غرض نہیں۔ اعانت کا وقت تو یہی ہے کہ جب طبع کتاب میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ ورنہ بعد چھپ چکنے اعانت کرنا ایسا ہے جیسے بعد تندرستی دوا دینا۔ پس ایسی لاحاصل اعانت سے کس ثواب کی توقع ہو گی۔"

(براہین احمدیہ جلد ۴ صفحہ)

میر عباس علی لدھیانوی ایک صوفی منش آدمی تھے جنہوں نے براہین کے خریداروں کے پیدا کرنے میں بڑی سعی بلیغ کی۔ وہ شبانہ روز اس کی اشاعت کی فکر میں تحریک اور کوشش کرتے رہتے تھے حضرت مرزا صاحب نے میر عباس علی صاحب کو ۲۸۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو ایک خط لکھا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

"مکرمی مخدومی میر عباس علی صاحب زادعنایتہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکے عنایت نامہ پہنچکر باعث خوشی ہوا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ آپ اللہ اور رسول کی محبت میں جس قدر کوشش کریں وہ جوش خود آپ کی ذات میں پایا جاتا ہے حاجت تاکید نہیں۔ چونکہ یہ کام خالصتاً خدا کیلئے اور خود حضرت احدیت کے ارادہ خاص سے ہے اسلئے آپ اسکے خریداروں کی فراہمی میں یہ ملحوظ خاطر شریف رکھیں کہ کوئی ایسا خریدار شامل نہ ہو جس کی محض خرید و فروخت

پر نظر ہو بلکہ جو لوگ دینی محبت سے مدد کرنا چاہتے ہیں اُنہیں کی خریداری مبارک اور بہتر ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ کوئی خرید و فروخت کا کام نہیں۔ غرض آں مخدوم اس سعی اور کوشش میں خداوند کریم پر توکل کر کے صادق الارادت لوگوں سے مدد لیں۔ اور اگر ایسے نہ ملیں تو آپ کی طرف سے دعا ہی مدد ہے۔ ہم عاجز اور ذلیل بندے کیا حیثیت اور کیا قدر رکھتے ہیں۔ وہ جو قادر مطلق ہے وہ جب چاہیگا تو اسباب کاملہ خود بخود مہیا کر دیگا۔ کونسی بات ہے کہ اس کے آگے آسان نہ ہوئی ہو"

میر عباس علی صاحب لودھیانوی نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ کچھ چندہ کر لیا جائے مگر آپ نے اس سے انکار کر دیا۔ اور اُنہیں لکھا کہ:۔

"غربا سے چندہ لینا ایک مکروہ امر ہے جب خدا اُس کا وقت لائیگا تو پردۂ غیب سے کوئی شخص پیدا ہو جائیگا جو دینی محبت اور دلی ارادت سے اس کام کو سرانجام دیگا۔ تجویز چندہ کو موقوف رکھیں"

یہی نہیں بلکہ اگر کوئی نادار شخص جو محبت دینی اپنے سینہ میں رکھتا ہو آپ کے پاس آتا تو آپ کتاب مفت دیدیتے۔ اس طرح بہت سی کتابیں طالبان حق کو مفت تقسیم کی گئیں۔ میر عباس علی صاحب کو آپ نے ایک مرتبہ لکھا:۔

"اگر کوئی ہندو فی الحقیقت طالب حق ہے تو اس سے رعایت کرنا واجب ہے۔ بلکہ اگر ایسا شخص بے استطاعت ہو تو اس کو مفت بلا قیمت کتاب دے سکتے ہیں۔ غرض اصل اشاعت دین ہے نہ خرید و فروخت جیسی صورت ہو اس سے اطلاع بخشیں تا کہ بھیجی جاوے"

براہین احمدیہ کی مخالفت براہین احمدیہ کی تالیف کا زمانہ وہ تھا جب الہام الٰہی کا انکار زوروں پر تھا۔ ہندوؤں میں جو ایک معقول فرقہ برہمو سماج کا پیدا ہوا تھا وہ مادہ پرستوں کی تقلید میں الہام الٰہی کا انکار کرتا تھا۔ مسلمانوں میں سرسید احمد خاں صاحب کی تحریروں میں بھی جو اپنی طرف سے اسلام کا معقول پہلو دکھانے کی کوشش کر رہے تھے یہی رنگ جھلکتا تھا۔ سرسید مرحوم نے الہام الٰہی کا انکار تو نہیں کیا تھا مگر اُنہوں نے الہام کی نسبت یہ لکھ کر کہ وہ انسان کے دل سے ہی اُٹھ کر دل پر پڑتا ہے الہام کی حیثیت کو بالکل گرا دیا۔ اور اُسے محض ایک ملکۂ شاعری کی حیثیت دیدی۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ بڑے زور سے کیا کہ الہام دل سے نہیں اٹھتا بلکہ خارج سے آتا ہے۔ اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو وہ مشاہدہ اور تجربہ کے لئے میرے پاس آوے چنانچہ براہین احمدیہ کے حصہ سوم میں صـ ۲۱۵/۲۱۶ کے حاشیہ نمبر ۱۱ میں آپ نے بڑے زور سے یہ اعلان کیا:۔

"جو کچھ ہم نے الہام کی نسبت بیان کیا ہے یعنی یہ کہ وہ اب بھی اُمت محمدیہ کے کامل افراد میں پایا جاتا ہے اور انہیں سے مخصوص ہے اُن کے غیر میں ہرگز پایا نہیں جاتا۔ یہ بیان ہمارا بلا ثبوت نہیں۔ بلکہ جیسا کہ بذریعہ تجربہ ہزارہا صداقتیں دریافت ہو رہی ہیں ایسا ہی یہ بھی تجربہ اور امتحان سے ہر ایک طالب پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو طلب حق ہو تو اُس کا ثابت کر دکھانا بھی ہمارا ہی ذمہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی برہمو اور منکر دین اسلام کا طالب بن کر اور بصدق دل دین اسلام قبول کرنے کا وعدہ تحریری مشتہر کر کے اخلاص اور نیک نیتی سے رجوع کرے۔ فان تولوا فان اللہ علیم بالمفسدین"

اس اعلان سے منکرین الہام میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ برہمو سماج تو الہام کے منکر تھے اور آریہ سماج ابتدائے دنیا میں ویدوں کے الہام کے بعد کسی اور الہام کے قائل نہ تھے۔ اس لئے ان لوگوں میں جتنی بھی مخالفت کی لہر تیز پیدا ہوتی کم تھا۔ سرسید احمد خاں مرحوم چونکہ مسلمانوں کی تعلیمی خدمت بہت اعلےٰ پیمانہ پر کر رہے تھے اس لئے بعض لوگوں کو ان کے مذہبی خیالات پر زد پڑتے ہوئے دیکھ کر تکلیف کا ہونا بھی کوئی مستبعد امر نہ تھا لیکن تعجب تو یہ ہے کہ بعض لدھیانہ اور امرتسر کے مولوی جو بہ وجہ اپنی لاعلمی اور بے ذوقی کے اولیاء اللہ کے وحی و الہام سے منکر تھے ناحق بھڑک اُٹھے جن میں سے مولوی غلام علی قصوری وغیرہ پیش پیش تھے۔ ان مولویوں کے متعلق تو مولوی محمد حسین بٹالوی کا ہی فیصلہ کافی ہے جو انہوں نے اشاعت السنہ جلد ۶ نمبر ۶ میں لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"امرتسر کے مسلمانوں کے اس انکار کا باعث ان کی نافہمی اور بے ذوقی ہے اور کسی قدر اہل اللہ و اہل باطن سے گوشہ تعصبی"

انہی دنوں میں منشی احمد جان صاحب لودھیانوی نے جو ایک مشہور صوفی بزرگ تھے میر عباس علی صاحب لودھیانوی کی معرفت حضرت مرزا صاحب کو خط لکھوایا جس میں نہایت ادب اور نیک نیتی کے ساتھ سرسید مرحوم کے متعلق کچھ نہ لکھنے کا بھی اشارہ تھا۔ حضرت نے ۸۔ نومبر ۱۸۸۷ء کو اس کے جواب میں آریہ سماج اور برہمو سماج کا فرق بتاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"برہمو سماج کا فرقہ دلائل عقلیہ پر چلتا ہے اور اپنی عقل ناتمام کی وجہ سے کتب الہامیہ کا منکر ہے۔ چونکہ انسان کا خاصہ ہے کہ معقولات سے زیادہ اور جلد تر متاثر ہوتا ہے اسلئے اطفال مدارس اور بہت سے نو تعلیم یافتہ ان سوفسطائی تقریروں سے متاثر ہو گئے۔ اور سید احمد خاں بھی انہیں کی ایک شاخ ہے۔ اور انہیں کی صحبتوں سے متاثر ہے پس ان کے زہرناک وساوس کی بیخکنی کرنا از حد ضرور تھا۔ لاہور کے برہمو سماج نے پرچہ رفاہ ہند میں بہ نیت رد حصہ سوم کچھ لکھنا بھی شروع

کیا ہے مگر حق محض کے آگے ان کی کوششیں ضائع ہیں۔ عنقریب خدا ان کو ذلیل و رسوا کریگا اور اپنے دین کی عظمت اور صداقت ظاہر کر دے گا۔

"منشی احمد جان صاحب نے جو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تعریف میں مبالغہ نہ ہو اس کا مطلب اس عاجز کو معلوم نہیں ہوا۔ اس کتاب میں تعریف قرآن شریف اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ سو وہ دونو دریائے بے انتہا ہیں۔ اگر تمام دنیا کے عاقل اور فاضل ان کی تعریف کریں تب بھی حق تعریف کا ادا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ مبالغہ تک نوبت پہنچے۔ ہاں الہامی عبارت میں کہ جو اس عاجز پر جو خداوند کریم کی طرف سے عطا یا ہوئے مشتمل ہے کچھ کچھ تعریفیں ایسی لکھی ہیں کہ بظاہر اس عاجز کی طرف منسوب ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ سب تعریفیں حضرت خاتم الانبیاء کی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسی وقت تک کوئی دوسرا ان کی طرف منسوب ہو سکتا ہے کہ جب تک اس نبی کریم علیہ کی متابعت کرے۔ اور جب متابعت سے ایک ذرہ منہ پھیرے تو پھر تحت الثریٰ میں گر جاتا ہے۔ ان الہامی عبارتوں میں خداوند کریم کا یہی منشا ہے کہ اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کی عظمت ظاہر کرے ۸۔ نومبر ۱۸۸۲ء"

غیر مسلموں کی مخالفت مذکورہ بالا خط میں حضرت مرزا صاحب تحریر فرما رہے ہیں کہ برہمو سماج نے حدیوم براہین احمدیہ کا جس میں الہام آلمی کا بڑے زور سے آپ نے دعویٰ کیا تھا رد لکھنے کا ارادہ کیا ہے لیکن خدا عنقریب ان کو ذلیل کر دے گا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ جواب تو کیا لکھنا تھا پنڈت اگنی ہوتری جی نے جو برہمو سماج کے ممتاز ممبر تھے بطور ریویو نگاری کے الہام آلمی کے کچھ خلاف لکھا تھا لیکن خدا کی قدرت اس کے بعد وہ خود الہام کے مدعی بن گئے لیکن چونکہ معرفت آلمی اور حقیقی الہام سے کوئی حصہ نہ تھا اس لئے بعد میں خدا سے منکر ہو کر دیو گورو بھگوان بن کر دیو سماج کی بنیاد رکھ دی۔ عیسائیوں میں سے پادری بی ایل ٹھاکر داس صاحب اُٹھے اُنہوں نے بھی ریویو نگاری میں اِدھر اُدھر کی ہانکی اور چپ ہو گئے۔ آریوں میں سے پنڈت لیکھرام مقتول اٹھا اُس نے ایک کتاب تکذیب براہین احمدیہ لکھ ماری جس میں گندی گالیوں کے سوا کوئی معقول بات نہ تھی۔ پھر قادیان آکر لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے کو جو اُن کے آریہ بھائی تھے بہت بہکایا کہ کسی طرح اُن نشانات کی گواہی سے انکار کر دیں جو براہین احمدیہ میں درج ہیں۔ مگر ہر دو اصحاب نے نہ مانا۔ چنانچہ لیکھرام نے جو آریہ سماج قادیان میں قائم کی اس میں ان ہر دو صاحبوں کا نام درج نہ کیا اس لئے کہ وہ کہتا تھا کہ تم اشتہار دو اور پیچھے انکار کرتے تھے۔ آخر اس نے دھمکی دی کہ سماج میں تمہارا نام نہیں رہیگا۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں

کی۔ اس کے بعد قادیان سے جب اخبار شحنہ چلتک جاری ہوا تو اس وقت بھی آریہ سماج کی طرف سے لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے پر بہت زور ڈالا گیا کہ وہ نشانات کی شہادت سے انکار کر دیں اور اس پر بہت اصرار کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اپنی بھلائی خاموشی میں ہی دیکھی۔ نوشکہ پنڈت اگنی ہوتری یا پادری ٹھاکر داس یا لیکھرام مقتول جو بھی اُٹھے سب پھوکے ہی تیر چلاتے گزر گئے ان میں سے کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ حضرت مرزا صاحب کے اعلان کے مطابق حسب شرائط میدان مقابلہ میں آتے اور براہین احمدیہ کے دلائل کی تردید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرتے اور موعودہ انعام کا اپنے آپ کو مستحق بناتے۔

الہام کے خارج سے ہونے پر سائنس کی دلیل

اُس زمانہ میں مادیت کا زور تھا۔ سرسید احمد خاں مرحوم نے درحقیقت مادیت سے مرعوب ہو کر لکھ دیا تھا کہ الہام دل سے ہی اُٹھتا ہے اور دل پر ہی پڑتا ہے حالانکہ اس کے خلاف ہزارہا انبیاء اور اولیا کا ذاتی تجربہ و مشاہدہ یہ تھا کہ الہام خارج سے آتا ہے اور وہ قلب کی آواز نہیں ہوتی بلکہ خدا کا کلام ہوتا ہے جو انسان کے قلب پر نازل ہوتا ہے لیکن چند ایک مادہ پرستوں سے مرعوب ہو کر جن کو روحانیت سے کوئی حصّہ نہیں ہوتا اور نہ کبھی ان کو اس مسئلہ میں کسی تجربہ اور مشاہدہ کا موقعہ ملا۔ اس لئے ان کا فتویٰ اس مسئلہ میں ایک ناتجربہ کار جاہل کے فتوے کی حیثیت رکھتا ہے) ہزارہا راستبازوں کے تجربوں اور مشاہدوں کا سید صاحب نے انکار کر دیا۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اور خود اپنا روحانی تجربہ اور مشاہدہ پیش کیا اور بتایا کہ الہام خارج سے آتا ہے اور جناب الٰہی کی طرف سے قلب انسانی پر نازل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ قلب پاک اور صاف اور اس قابل ہو کہ وہ جناب الٰہی کے کلام کے نزول کا مورد و محل بن سکے۔ اور اس مادیت کے زمانہ میں آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج خود بخود یہ مادی سائنس بھی انہی باتوں کی طرف آرہی ہے جس کی کہ روحانی سائنس مدعی تھی۔ ابھی حال میں ایک امریکن سائنس دان نے جو ریڈیو وغیرہ کے علوم کا ماہر ہے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ میں اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں۔ اس کے تجربہ کے مطابق انسانی قلب ایک عظیم الشان ریڈیو ہے جس طرح ریڈیو کا آلہ باہر کی آوازوں کی لہریں وصول کرتا ہے اسی طرح انسانی قلب بھی خارج کی آوازوں کو وصول کرتا ہے خواہ وہ خارج کی آوازیں زمینی ہوں یا آسمانی۔ شیطانی ہوں یا رحمانی۔ جس طرح ریڈیو کے آلہ کی سوئیں گھما کر جس قسم کی آوازوں کی برقی لہریں ہم چاہیں وصول کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جن قلوب کی سوئیں شیطان یا دنیا کی طرف ہوتی ہے اُنہیں اُسی قسم کی آوازیں آتی ہیں۔ اور جن قلوب کا رُخ رحمان یا آسمان کی طرف ہوتا ہے اُنہیں اسی قسم کی آوازیں آتی ہیں۔ پھر ریڈیو کا آلہ جتنا بڑا

اور قوی اور صاف ہوگا اتنا ہی آواز صاف آئے گی اور دُور دُور سے وصول کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح انسانی قلب بھی جتنا وسیع اور صاحب استعداد اور پاکیزہ و صاف ہوگا اُتنا ہی اُسکو آوازیں بھی صاف اور بہت اعلیٰ پیمانہ پر وصول ہوں گی۔ اس سائنٹیفک بیان کے بعد کسی اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ الہام یا اس کے خارج سے آنے کے منکرین سائنس کے اس تازہ انکشاف پر غور کریں۔ اگر دردِ خانہ کس است ہمیں قدر بس است ؛

دعوئے مجدّدیّت

مجددین کی بعثت پر قرآن وحدیث کی شہادت

قرآن کریم میں بطور سنت اللہ یوں ارشاد الٰہی مذکور ہے کہ :-

فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فسقون ○

اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا قد بینا لکم الایات لعلکم تعقلون ○ (الحدید)

ترجمہ۔ جب ایک لمبی مدت گزر جاتی ہے تو دلوں میں سختی آجاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے نافرمان ہو جاتے ہیں۔ جان رکھو کہ بیشک اللہ زمین کو اُس کے مرے پیچھے زندہ کیا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ کسی رُوحانی مقتدا کی وفات کے بعد جب ایک لمبی مدت گزر جاتی ہے تو لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اُن میں خدا سے غفلت اور فسق و فجور پھیل جاتا ہے اور مذہب سے بیگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب خدا اپنی قدیم سنت اللہ کے مطابق زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کرتا ہے یعنی کسی نئے روحانی انسان کے ذریعہ ان رُوحانی مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ چنانچہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلعم سے قبل اس احیائے روحانی کے لئے انبیاء کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے جن کے ذریعہ قلوب کی مردہ زمین زندہ ہوا کرتی تھی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے پر چونکہ نبوت ختم ہو چکی کیونکہ جو ہدایت نوع انسان کو خدا کی طرف سے ملنی مقدر تھی وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکی اس لئے نبیوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر خدا کا قانون برابر اُسی طرح قائم ہے کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد دلوں کی زمین سخت اور مردہ ہو جاتی ہے اور خدا سے غفلت اور فسق و فجور پھیل جاتا ہے۔ پس اس کے احیا کے لئے رُوحانی لوگوں کا آنا اب بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح پہلے تھا۔ پس آنحضرت صلعم کو یہ وعدہ دیا گیا کہ آپ کے دین کی تجدید اور تازگی کے لئے اور رُوحانی مردوں کو زندہ کرنے کے لئے آپ کی اُمت میں سے ایسے لوگ وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے

رہیں گے جو آپ کے علم و حکمت اور کمالات باطنی کے وارث ہوں گے۔ اور آپ کے فیوض روحانی سے مستفیض ہو کر آپ کے لائے ہوئے کامل و مکمل دین کی تجدید کریں گے۔ یعنی الٰہی ہدایتوں کی طرف سے جو غفلت دلوں میں گھر کر جاتی ہے اُسے دُور کریں گے۔ اور ان تمام بدعات سے مذہب کو پاک کریں گے جو مستد زمانہ سے دین میں مل جاتی ہیں۔ اور مذاہب باطلہ کے حملوں سے اس کی حفاظت کریں گے۔ وہ نبوت زمانہ کے سابق دین حق کی تصدیق اور تائید اور اس کی اشاعت کرینگے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کا نام خلفاء محمدی رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النور میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدّلنّھم من بعد خوفھم امنًا الخ

ترجمہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال رکھتے ہیں کہ خدا اُنہیں ضرور ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کیلئے اُن کے دین کو جو اُنہیں پسندیدہ ہے مضبوط کرے گا اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

گویا ان خلفاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین کی تمکین کرتا اور ہر ایک قسم کے خوف سے اُسے امن بخشتا ہے۔ حدیث شریف میں اُن ہی روحانی خلفاء کو مجدّدین کے نام سے پکارا گیا ہے جیسا کہ صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد میں یہ حدیث صحیح وارد ہے کہ ان اللہ یبعث فی ھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ کہ "بیشک اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرتا رہیگا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا"۔ یہ حدیث اس آیت قرآنی کے بیان کردہ خدا کے غیر تبدیل سنت اللہ کے عین مطابق ہے جسے میں اس باب کے ابتدا میں نقل کر چکا ہوں کہ فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فٰسقون ۔ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا الخ پس اللہ تعالیٰ کی اس سنت اللہ کے مطابق ضروری ہے کہ ہر صدی کے سر پر کوئی مجدّد آوے۔ کیونکہ امتداد زمانہ سے جو خرابیاں دین میں اور لوگوں کے عقائد و اعمال میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا علاج کرنے اور مردہ قلوب کو زندہ کرنے کے لئے خدا کی یہ سنت ہے کہ روحانی لوگ بھیجے جائیں۔ ہاں اب نبی نہیں آسکتے کیونکہ نبوت کا کام ختم ہو گیا۔ اس لئے اب جو آئیں گے وہ صرف مجدد کہلائیں گے۔ کیونکہ احیاء قلوب اور تجدید دین اُن کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے۔

حدیث مجدد کی صحت اس حدیث مجدد کی تطبیق قرآن کریم سے میں دکھا چکا۔ اور مشاہدہ و تجربہ اور سنت اللہ کا

تقاضہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ گویا درایتاً یہ حدیث نہایت صحیح اور عین مطابق سنت اللہ و قرآن کریم ہے۔ اب روایتاً بھی کچھ اس کے بارے میں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ حدیث مجدّد کے متعلق امام سیوطی مرقاۃ الصعود میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے حفاظ حدیثِ مجدّد کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اور متقدمین جیسے حاکم اور بیہقی اور متاخرین جیسے ابوالفضل عراقی اور امام ابن حجر اس کی صحت کے قائل ہیں۔ اور ابن عساکر نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر کے لکھا ہے کہ اس سے ہر صدی کے سر پر مجدّد کا آنا ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں اور پھر تفہیمات الٰہیہ میں اس حدیث کی صحت کو قبول کیا ہے لیکن اتنا ہی نہیں اُمت محمدیہ میں ایسے مسلمہ برگزیدہ بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے دعویٰ مجدّدیت کر کے اس حدیث کی صحت پر مہر لگا دی۔ جن میں سے شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اور حضرت شیخ احمد مجدّد سرہندی علیہ الرحمۃ اور سید احمد صاحب بریلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے صریح لفظوں میں مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت مجدّد سرہندی اپنے مکتوبات میں اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوار نبوّت اند..... صاحب ایں علوم و معارف مجدّد این الف است..... و بدانند کہ بر سر ہر مائۃ مجدّدے گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدّد الف دیگر" ترجمہ۔ یہ علوم انوار نبوّت کے چراغ سے لئے گئے۔ اور ان علوم و معارف کا مالک اس ہزار کا مجدّد ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد گزرا ہے۔ لیکن صدی کا مجدّد اور ہے اور ہزار کا اور"

پس حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اگر چودھویں صدی کے سر پر مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں کی بلکہ صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا کہ حدیث مجدّد کے ماتحت کوئی مجدّد اس صدی پر مبعوث ہوتا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں بدعات اور فسق و فجور کا زور اور لوگوں کی مذہب سے بیگانگت اور غفلت کا انتہا پر پہنچ جانا اور اسلام پر طرح طرح کے خطرناک حملے اس بات کے متقاضی تھے کہ نہ صرف یہ کہ کوئی مجدّد مبعوث ہو بلکہ ایسا عظیم الشان مجدّد مبعوث ہو جو بلحاظ علم و حکمت اور رُوحانیت کے بہت اعلیٰ پایہ رکھتا ہو تا تمام مذاہب باطلہ پر اسلام کو غالب کر کے دکھا سکے اور مسلمانوں کے مردہ قلوب کو زندہ کر سکے۔

محدّث ہونے کا دعویٰ اور نیز ضرور تھا کہ خدا اُس سے کثرت سے ہم کلام ہوتا تا آجکل کے دہریوں اور الہام کے منکروں پر حجت تمام ہو۔ ایسے لوگوں کو جو نبی تو نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے مکالمہ مخاطبہ

کرتا ہے حدیث شریف میں محدّث کہتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:۔ لقد کان فیمن کان قبلکم رجال یکلّمون من غیران یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی احد منھم فعمر "بیشک اُن لوگوں میں جو تم سے پہلے ہو گزرے ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے جن سے خدا کلام کیا کرتا تھا حالانکہ وہ نبی نہیں ہوا کرتے تھے پس میری اُمت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہے"۔ اسی طرح مسلم اور ترمذی اور ابو یعلی حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ قد کان یکون فی الامم قبلکم محدّثون فان یکن فی اُمتی منھم احدٌ فعمر۔ کہ "بیشک تم سے پہلے اُمتوں میں محدّث ہوتے رہے ہیں پس اگر میری اُمت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے"۔ (دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۷) ان دو نو حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ نبیوں کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ لوگوں سے ہمکلام ہوتا ہے اور ان کو اپنی وحی اور الہام سے مشرف فرماتا ہے اور ان کو محدّث کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے جب مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میں محدّث بھی ہوں یعنی خدا مجھ سے بکثرت ہم کلام ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی مجدّد کا کام بھی بتایا کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ حاجی ولی اللہ صاحب کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تجدید کے یہ معنے نہیں کہ کم یا زیادہ کیا جائے اس کا نام تو نسخ ہے بلکہ تجدید کے یہ معنے ہیں کہ جو عقائد حقہ میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد ان کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ یا جو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں سستی وقوع میں آ گئی ہے یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے طریق اور قواعد محفوظ نہیں رہے ان کو مجدداً تاکیداً یا بالاصل بیان کیا جائے۔ وقال اللہ تعالیٰ۔ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا یعنی عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ دل مرجاتے ہیں اور محبت الٰہیہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور ذوق اور شوق اور حضور اور خضوع نمازوں میں نہیں رہتا اور اکثر لوگ رُو بہ دنیا ہو جاتے ہیں۔ اور علما میں نفسانیت اور فقرا میں عُجب اور پست ہمتی اور انواع و اقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوت قدسیہ پیدا کرتا ہے اور وہ حجۃ اللہ ہوتا ہے اور بہتوں کے دلوں کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور بہتوں پر اتمام حجت کرتا ہے۔ یہ وسوسہ بالکل نکما ہے کہ قرآن شریف و احادیث موجود ہیں پھر مجدّد کی کیا ضرورت ہے۔ یہ انہی لوگوں کے خیالات ہیں جنہوں نے کبھی غمخواری سے اپنے ایمان کی طرف نظر نہیں کی۔ اپنی حالت اسلامیہ کو نہیں جانچا۔ اپنے یقین کا اندازہ معلوم نہیں کیا۔ بلکہ اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے۔ اور پھر رسم و عادت کے طور پر لا الہ الا اللہ کہتے رہے حقیقی یقین اور ایمان بجز صحبت صادقین

میسّر نہیں آتا۔ قرآن شریف تو اُس وقت بھی ہوگا جب قیامت آئے گی مگر وہ صدیق لوگ نہیں ہونگے کہ جو کہ قرآن شریف کو سمجھتے تھے اور اپنی قوت قدسی سے مستعدین پر اس کا اثر ڈالتے تھے (لا یمسّہٗ الّا المطھّرون) پس قیامت کے وجود کا مانع صرف صدیقوں کا وجود ہے۔ قرآن شریف خدا کی رُوحانی کتاب ہے اور صدیقوں کا وجود خدا کی ایک مجسّم کتاب ہے جب تک یہ دونوں کتابیں اکٹھی ایمانی نظاہر نہیں ہوتے تب تک انسان خدا تک نہیں پہنچتا۔ فتدبروا وتفکروا"

دعویٰ مجددیت کا اعلان

سب سے پہلے براہین احمدیہ میں آپ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس دعویٰ مجددیت کا اعلان خاص طور پر آپ نے ۱۸۸۵ء کے شروع میں ایک اشتہار کے ذریعہ کیا جو بیس ہزار کی تعداد میں اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھاپا اور مشتہر کیا گیا تھا۔ اُس اشتہار کا اوّل حصہ درج ذیل کرتا ہوں تا اس بات کا علم ہو کہ آپ کا مقصد مجددیت سے محض اعلائے کلمۃ الاسلام کی خدمت تھی۔ اور حضرت مسیح سے بشدّت مماثلت کا اظہار اُس وقت بھی آپ نے فرمایا تھا گو اُس وقت تک آپ کو یہ علم نہ تھا کہ میں ہی وہ مسیح ہوں جس کے آنے کا اس اُمت کو وعدہ دیا گیا تھا۔

اشتہار

"کتاب براہین احمدیہ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپے کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچّا مذہب جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ کو ہر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط اسلام ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذاہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ عقلی تحقیقات سے انکے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ اُن پر چلنے سے ایک ذرہ رُوحانی برکت قبولیت الٰہی مل سکتی ہو بلکہ انکی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیاہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے (۱) اوّل تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جنکی شان و شوکت قدر و منزلت اس طرح سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اُس کو دس ہزار روپیہ دینے کیلئے اشتہار دیا ہوا ہے۔ اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلّی کیلئے عدالت میں رجسٹری بھی کرا لے (۲) دوم اُن آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کیلئے از بس ضروری ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان

ثابت کرکے دکھائے ہیں (۱) ایک وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے آنجناب کی دُعا اور توجہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے جنکو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص و ممتاز کرکے درج کتاب کیا ہے (۲) دوم وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بے مثل طور پر پائی جاتی ہیں جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر ایک خاص عام پر کھول دیا ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا۔ (۳) سوم وہ نشان جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسولؐ برحق سے شخص تابع کو بطور وراثت ملتے ہیں جن کے اثبات میں اس بندۂ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ جو خود اس خادم دین سے صادر ہوئی ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) شہادت و رویت کے گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ **مجدّدِ وقت** ہے۔ اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے۔ اور اس کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیا سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد و حرمان ہے۔ یہ سب ثبوت کتاب براہین احمدیہ کے پڑھنے سے کہ جو منجملہ تین سو (۳۰۰) جزو کے قریب ۳۷ جزو چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری تسلی و تشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ..... الخ

المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب"

رجوع خلائق
اہالیان لودھیانہ کی دعوت اور شہرت سے آپ کی نفرت

براہین احمدیہ حصہ سوم شائع ہو چکا تھا جس میں آپ کا دعویٰ مجددیت بھی موجود تھا۔ اور اب آپ کی شہرت قادیان سے باہر نکل چکی تھی اور عیسا کہ خدا نے آپ کو بشارتیں دی تھیں کہ یَاْتُوْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کہ دُور دُور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ لوگوں کا رجوع بھی ہو رہا تھا مگر آپ فطرتاً خلوت کو ہی پسند کرتے تھے۔

لوگوں میں عقیدت و ارادت بڑھ رہی تھی۔ لودھیانہ خصوصیت سے اس کا مرکز بن رہا تھا۔ اور ایک مختصر سی جماعت وہاں پیدا ہو گئی تھی۔ جن میں میر عباس علی صاحب، مولوی عبدالقادر صاحب، قاضی خواجہ علی صاحب پیش پیش تھے۔ صوفی احمد جان صاحب پر بھی اثر تھا۔ نواب محمد علی خاں صاحب جھجھر والے بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ میر عباس علی صاحب لوگوں کے اس ارادت اور شوق کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور بار بار آپ کو لودھیانہ آنے کیلئے لکھ رہے تھے۔ حضرت باوجود بار بار ارادہ کرنے کے رُک جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۸ جنوری ۱۸۸۴ء کو آپ نے میر عباس علی صاحب کو اسی دعوت کے جواب میں لکھا:۔

"آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ یہ عاجز اگرچہ بہت چاہتا ہے کہ آں مخدوم کے بار بار لکھنے کی تعمیل کرے۔ مگر کچھ خداوند کریم ہی کی طرف سے ایسے ایسے اسباب آپڑتے ہیں کہ رُک جاتا ہوں۔ نہیں معلوم حضرت احدیت کی کیا مرضی ہے۔ عاجز بندہ بغیر اس کی مشیت کے قدم نہیں اُٹھا سکتا۔"

پھر آگے چل کر لوگوں کی ارادت و عقیدت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کے شوق و ارادت پر آپ خوش نہ ہوں۔ حقیقی شوق اور ارادت کہ جو لغزش اور ابتلا کے مقابلہ پر کچھ ٹھیر سکے لاکھوں میں سے کسی ایک کو ہوتی ہے ورنہ اکثر لوگوں کے دل تھوڑی تھوڑی بات میں بدظنی کی طرف جھک جاتے ہیں اور پھر پہلے حال سے پچھلا حال اُن کا بدتر ہو جاتا ہے۔"

خواہش بیعت اور آپ کا انکار

لودھیانہ میں جو جماعت پیدا ہو رہی تھی وہ اس امر پر بھی زور دے رہی تھی کہ آپ بیعت لیں اور اس غرض کے لئے لوگ قادیان جانے کو بھی تیار تھے۔ حضرت کو لودھیانہ پہنچنے میں دیر ہوئی تو لوگ قادیان جانے کو تیار ہو گئے۔ میر عباس علی صاحب نے اس کے متعلق حضرت کو لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔

"بہتر ہے کہ آں مخدوم ابھی اس عاجز کی تکلیف بیعت کیلئے زور نہ دیں کہ کئی اندیشوں کا محل ہے۔ یہ عاجز معمولی زاہدوں اور عابدوں کے مشرب پر نہیں۔ اور نہ اُن کی رسم و عادت کے مطابق اوقات رکھتا ہے۔ بلکہ اُن کے پیرایہ سے نہایت بیگانہ اور دور ہے۔ سیفعل اللہ ما یشاء۔ اگر خدا نے چاہا تو وہ قادر ہے کہ اپنے خاص الہام سے اجازت دیدے۔"

مولوی عبدالقادر صاحب نے جب بہت زور سے بیعت کیلئے میر عباس علی صاحب کی معرفت خط لکھوایا تو اس پر آپ نے جواب دیا کہ:۔

"اس عاجز کی فطرت پر توحید اور تفویض الی اللہ غالب ہے۔ اور معاملہ حضرت احدیت بھی یہی ہے کہ خود روی کے کاموں سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ مخاطبت حضرت احدیت بار بار ہو چکی ہے۔ لا تقف ما لیس لك به علم ولا تقل لشیٔ انی فاعل ذلك غدًا۔ چونکہ بیعت کے بارے میں اب تک خداوند کریم کی طرف سے کچھ علم نہیں اس لئے تکلف کی راہ میں قدم رکھنا جائز نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔ مولوی صاحب اخوت دین کے بڑھانے کی کوشش کریں اور اخلاص اور محبت کے چشمۂ صافی سے اس پودے کی پرورش میں مصروف رہیں تو یہی طریق انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔"

اس مکتوب سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ رضائے الٰہی میں اس قدر محو ہو چکے تھے کہ کوئی کام بغیر حکم حضرت احدیت کے کرتے نہ تھے۔ اور مجدد و مامور ہونے کے بعد تو آپ نے اس امر کو اپنے لئے مستلزم کر لیا تھا کہ بغیر حکم الٰہی کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ اسی لئے بار بار لوگوں کی درخواست کے باوجود آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔

لدھیانہ کا پہلا سفر آخر ۱۸۸۴ء میں آپ پہلی مرتبہ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ مولوی جان محمد صاحب، لالہ ملاوامل اور حافظ حامد علی آپ کے خادم خاص تھے۔ سوائے میر عباس علی صاحب کے اور کسی شخص نے آپ کو دیکھا نہ تھا۔ صوفی احمد جان صاحب نے کہہ دیا تھا کہ مجھے کوئی نہ بتلائے کہ حضرت مرزا صاحب کونسے ہیں مجھے خود شناخت کرنے دو۔ صادق کا چہرہ خود ہی نظر آجاتا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت صاحب گاڑی پہنچتے ہی اتر کر سٹیشن سے باہر تشریف لے آئے اور احباب گاڑیوں میں تلاش کرتے رہے۔ سب سے پہلے میر عباس علی صاحب کے بھتیجے میر عنایت علی صاحب نے ایک بزرگ نورانی شکل کو باہر کھڑے دیکھا اور اُن کا دل بول اُٹھا کہ یہی حضرت مرزا صاحب ہوں گے۔ چنانچہ آکر مصافحہ کیا۔ صوفی احمد جان کی نسبت بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بغیر تعارف کرائے ہوئے دیکھتے ہی پہچان لیا اور ساتھی سے کہا کہ یہی نورانی شکل والا انسان حضرت مرزا صاحب ہیں اور درحقیقت وہ آپ ہی تھے۔ پھر میر عباس علی صاحب پہنچ گئے اور سب سے تعارف کرایا۔ نواب محمد علی صاحب رئیس جھجھر نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کی کوٹھی پر قیام کیا جائے مگر میر عباس علی صاحب نہ مانے۔ اور حضرت صاحب کو خواجہ علی صاحب کی شکرم پر سوار کر کے اپنے ہاں لے گئے۔ اور محلہ صوفیاں میں ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان پر اُتارا۔ نماز عصر کا وقت آیا تو حضرت صاحب نے وضو کرتے ہوئے اپنی سوتی جرابوں پر مسح کیا۔ اس وقت مولوی محمد موسیٰ صاحب اور

مولوی عبدالقادر صاحب دونو باپ بیٹوں کو شک گزرا چنانچہ انہوں نے دریافت کیا کہ حضرت کیا سوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں جائز ہے۔ اس کے بعد محمد موسیٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضور نماز پڑھائیں مگر آپ نے فرمایا کہ مولوی عبدالقادر صاحب پڑھائیں۔ پھر اس کے بعد مولوی عبدالقادر صاحب ہی نماز پڑھاتے رہے۔ اس موقعہ پر حضرت صاحب غالباً تین دن لدھیانہ ٹھیرے۔ بہت لوگ ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ جب آپ معمول کے موافق سیر کو باہر تشریف لیجاتے تو اس وقت ایک بڑا مجمع لوگوں کا ساتھ ہوتا تھا۔ اس مرتبہ تو آپ لوگوں کے بلانے پر لدھیانہ تشریف لائے تھے۔ آپ اُن کے مہمان تھے جہاں انہوں نے چاہا ٹھیرایا لیکن دو دفعہ کے سوا پھر آپکا یہ معمول رہا کہ جب آپ لدھیانہ تشریف لاتے تو آپ ایک بڑا مکان کرایہ پر لے لیتے اور وہاں قیام فرماتے چونکہ کثرت سے خدام آپ کے پاس آتے تھے اس لئے ایک قسم کا لنگر خانہ جاری ہو جاتا تھا۔

سفر مالیر کوٹلہ ریاست مالیر کوٹلہ کی بیگم صاحبہ والدۂ نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنے اہل کاروں کو لدھیانہ بھیج کر حضرت مرزا صاحب کو بلوا بھیجا کہ حضور مالیر کوٹلہ تشریف لاکر میرے لڑکے کو دیکھیں اور دعا فرمائیں۔ کیونکہ نواب ابراہیم علی خاں کو عرصہ سے خلل دماغ کا عارضہ تھا۔ اس زمانہ میں ریل نہ تھی۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر معہ چند خدام کے لدھیانہ سے دن کے دس گیارہ بجے چل کر بعد دوپہر ۳ بجے مالیر کوٹلہ پہنچ گئے اور ریاست کے مہمان ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ حضرت صاحب کیلئے سواریاں لیجائیں تاکہ آپ باغ میں جاکر نواب صاحب کو دیکھیں۔ مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمیں سواری کی ضرورت نہیں ہم پیدل ہی چلیں گے۔ چنانچہ آپ پیدل ہی گئے۔ اس وقت ایک بڑا ہجوم لوگوں کا آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو معہ اپنے ساتھیوں کے ٹھیر گئے۔ نواب صاحب کوٹھی سے باہر آئے اور پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پھر آگے بڑھ کر آئے اور حضرت صاحب سے سلام علیک کیا اور کہا کہ کیا براہین کا چوتھا حصہ چھپ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں چھپا مگر انشاء اللہ عنقریب چھپ جائے گا۔ اس کے بعد نواب صاحب سے کہا کہ آیئے اندر بیٹھیں۔ اندر کیا گفتگو ہوئی اس کا علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب معہ سب لوگوں کے پیدل ہی جامع مسجد کی طرف چلے آئے اور نواب صاحب بھی سیر کیلئے باہر چلے گئے۔ مسجد میں پہنچکر حضرت صاحب نے فرمایا کہ سب لوگ پہلے وضو کریں اور پھر دو رکعت نماز پڑھکر نواب صاحب کی صحت کے واسطے دعا کریں کیونکہ یہ تمہارے شہر کے والی ہیں اور ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ غرضکہ حضرت اقدس نے معہ سب لوگوں کے دعا کی اور پھر اسکے بعد

فوراً ہی لدھیانہ واپس تشریف لے آئے۔ اور باوجود اصرار کے مالیر کوٹلہ میں نہ ٹھیرے۔

مخالفت کی ابتدا

اگرچہ آپ کی زندگی کا مقصد عظیم مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب اور صداقت اسلام کا علمی اور عملی اظہار تھا۔ چاہیئے تھا کہ ہر ایک مسلمان اس مقصد کی وجہ سے آپ کی قدر کرتا۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ ایسے علماء سوء کے وجود سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا جنہیں حق سے ناحق دشمنی ہوتی ہے۔ لدھیانہ میں مولوی عبدالعزیز مولوی عبداللہ مولوی محمد تین بھائی تھے اور خاص لودھیانہ اور اُس کے قرب وجوار کے علاقہ پر اُن کا بہت اثر تھا وہ غالی حنفی تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اُن لوگوں پر انگریزوں کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں کچھ الزامات بھی لگے تھے۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ لدھیانہ میں آپ کی قدر بڑھتی جاتی ہے تو حسد سے جل مرے۔ ابھی حضرت صاحب لدھیانہ تشریف بھی نہیں لائے تھے جو حاسدین کے اس گروہ نے اپنی تقریروں میں آپ پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ لدھیانہ تشریف بھی لا رہے ہیں تو اس مخالفت میں اور بھی ترقی ہو گئی۔ چنانچہ جب آپ لدھیانہ پہنچے اور انہیں اس احترام اور قبولیت کا پتہ چلا جو لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق پیدا ہو گئی تھی تو اُن کے جوش غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اپنے پرانے حربہ تکفیر پر اُتر آئے۔ قدرتی طور پر میر عباس علی صاحب اور دوسرے دوستوں کو اس سے تشویش ہوئی چونکہ وہ ان مولویوں کی فتنہ پردازیوں سے خوب واقف تھے اس لئے پریشان ہو کر حضرت صاحب کو خطوط لکھے۔ آپ نے جواب میں بہت تسلی آمیز خط لکھے اور فرمایا کہ آں مخدوم کچھ فکر اور تردد نہ کریں اور یقیناً سمجھیں کہ وجود مخالفوں کا حکمت سے خالی نہیں۔ بڑی بڑی برکات ہوتی ہیں جن کا ظاہر ہونا معاندوں کے عناد پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ اگر دنیاوی معاند اور حاسد اور موذی لوگ نہ ہوتے تو بہت سے اسرار اور برکات مخفی رہ جاتے۔ الخ

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انہی دنوں میں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے ان علماء سوء کی مخالفت کی وجہ بھی تفصیل سے بیان کر دی جس کا خلاصہ خاکسار مولف کے الفاظ میں یہ ہے کہ دراصل ان لوگوں کی مخالفت محض حسد و عناد کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ دراصل گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد بالسیف کے قائل ہیں جسے وہ ڈرتے ظاہر تو نہیں کرتے لیکن اندر ہی اندر یہ خیالات باغیانہ رکھتے ہیں۔ چونکہ مولف براہین احمدیہ گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد بالسیف کو جائز نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں جہاد بالسیف کے شرائط کو معدوم سمجھتا ہے اسلئے یہ مولوی جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں اور اس نقار کو تکفیر کی شکل میں ظاہر

کرتے رہتے ہیں ۔

لدھیانہ کا دوسرا سفر

اسی سال آپ نے لدھیانہ کا دوسرا سفر کیا۔ یہ سفر کسی کی طلبی پر نہ تھا بلکہ میر عباس علی صاحب کی علالت کی خبر پہنچنے پر آپ اخوت اسلامی اور حق دوستی ادا کرنے کیلئے اُن کی عیادت کیلئے لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اگرچہ آپ کی اپنی طبیعت بھی علیل تھی۔ مگر آپ نے اُس کی پروا نہ کی ۱۰ اور آپ ۱۴۔ اکتوبر کو لدھیانہ پہنچے اور قریباً دو دن رہ کر واپس تشریف لے آئے ۔

براہین احمدیہ میں معترضین نماز کے بھی جوابات ساتھ ساتھ دیئے جاتے تھے

میں کئی بار لکھ چکا ہوں کہ عیسائی پادریوں کی طرف سے اس وقت بڑا گندہ لٹریچر اسلام اور بانی اسلام کے خلاف نکل رہا تھا۔ اور ان کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے آریہ سماج اور اُس کے بانی دیانند سرسوتی صاحب نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ اسلام پر ناحق اور ناروا حملے کرتے رہتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب ان کا جواب اخبارات میں بھی دیتے جاتے تھے اور براہین احمدیہ میں بھی اُن اعتراضات پر بحث کرتے جاتے تھے ۔

پادریوں کے اعتراضات پر بحث

چنانچہ ۳۔ مارچ ۱۸۸۲ء کے نور افشاں میں ایک پادری صاحب نے جن کا نام پادری جی ۔ ایل ۔ ٹھاکر داس صاحب تھا ایک مضمون عدم ضرورت قرآن لکھا اور یہاں تک اُس پر اُنہیں ناز پیدا ہوا کہ جواب کیلئے لوگوں کو چیلنج دیدیا اور حضرت مرزا صاحب کو تو نام لیکر چیلنج دیا۔ اور لوگوں کا تو علم نہیں مگر حضرت مرزا صاحب نے اس کا ایسا دندان شکن اور باطل سوز جواب اخبارات میں شائع کیا اور براہین احمدیہ میں بھی درج کیا کہ پادری صاحب کی علمیت کا دیوالہ نکل گیا اور ساری شیخی کرکری ہوگئی۔ حضرت صاحب نے تحقیقی جواب کے ساتھ الزامی جواب بھی دیا اور براہین احمدیہ کا دس ہزار کا انعامی چیلنج غیرت دلانیوالے الفاظ میں اُس کے آگے پیش کیا۔ مگر جواب دینے اور مقابلہ میں آنے کی اس کو کیا کسی کو بھی ہمت اور جرأت نہ ہوئی۔ حضرت صاحب نے اس جواب کو براہین احمدیہ کی تیسری جلد کے حاشیہ در حاشیہ ۳۲ میں اپنی تحدّی کے ساتھ شائع کر دیا اور آجتک کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی توفیق نہ ہوئی۔ پادری صاحب موصوف شیخی مارتے رہے کہ میں براہین احمدیہ کا رد لکھوں گا مگر ایسا ناطقہ بند ہوا کہ پھر نہ سکے۔ یہ جواب کی مشہور نظم ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں کہ ؎

آؤ عیسائیو ادھر آؤ	نور حق دیکھو راہ حق پاؤ
جسقدر خوبیاں ہیں قرآں میں	کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ
اے عزیزو سنو کہ بے قرآں	حق کو ملتا نہیں کبھی ہرگز

جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں	اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں
اُس کے منکر جو بات کہتے ہیں	یونہی سب واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں	میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اُس دلستاں کا حال نہیں	مجھ سے وہ صورت و جمال نہیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی	نہ سہی یونہی امتحان سہی

یہ نظم اسی موقعہ پر آپ نے لکھی تھی۔

۲۵ مئی ۱۸۸۷ء کو ایک اور پادری نے نور افشاں میں یہ سوال کیا کہ کون کون سے علامات یا شرائط ہیں جن سے سچے اور جھوٹے نجات دہندہ میں تمیز کی جا سکے۔ حضرت مرزا صاحب نے حقیقی نجات دہندہ کے شرائط و علامات پر بھی ایک مبسوط بحث کی۔ جس کے جواب میں پھر کسی پادری کو بولنے تک کی جرأت نہ ہوئی۔ دراصل یہ بھی ایک خدائی فعل ہوتا ہے کہ جب کوئی علم اہل دنیا کو جناب الٰہی کی طرف سے دیا جانا مقدر ہوتا ہے تو اس کے محرک یہی دشمنان اسلام ہو جاتے ہیں۔ حضرت اقدس جناب مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو کفار مکہ کے بھی احسان مند ہیں۔ نہ وہ طرح طرح کے اعتراض حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے نہ قرآن کریم میں طرح طرح کے دلائل و براہین اور نشانات سماوی حق کی تائید میں نازل ہوتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم کی جس آیت پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے دراصل وہاں ایک علم کا خزانہ ہوتا ہے۔ دشمن کا اعتراض اس مخفی خزانہ کو باہر نکالنے کے لئے ایک کدال کی ضرب کا کام دیتا ہے۔" جن دنوں دھرم پال نے مشہور رسوائے عالم کتاب **ترکِ اسلام** لکھی تھی میں (یعنی خاکسار مؤلف) مولانا نورالدین مرحوم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کتاب مجھے نظر پڑی۔ پڑھکر میرے دل کو سخت رنج پہنچا۔ میں نے مولانا نورالدین صاحب سے عرض کی تو فرمانے لگے راستباز ان چیزوں سے نہیں گھبراتا۔ یہ تمام محرکات ہوتے ہیں۔ جناب الٰہی کو جب منظور ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے عجائبات اور معارف اور حقائق دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں تو اس کے محرک یہی دشمنوں کے اعتراض ہو جایا کرتے ہیں۔ جب تک کوئی دشمن اعتراض نہ کرے اور دل پر اس کی چوٹ نہ پڑے انسان کی عام طور پر عادت نہیں ہوتی کہ وہ غور اور تدبر سے کام لے اور مخفی در مخفی صداقتوں کی تلاش کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ پس یاد رکھو ان اعتراضات کی رگڑ سے قرآن کریم کی صداقتیں اور زیادہ چمکتی اور نمایاں ہوتی ہیں۔

آریوں کے اعتراضات پر بحث اور پنڈت دیانند کا پورا نام حجت

اسی طرح پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراضات کو بھی حضرت اقدس نے براہین احمدیہ میں خوب صاف کیا ہے اور پنڈت جی کو بار بار مقابلہ پر بلایا ہے۔

مگر پنڈت جی نے کبھی بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور نہ مقابلہ میں آئے۔ اس سے قبل یہ تو میں لکھ ہی چکا ہوں کہ ۱۸۷۹ء میں رُوحوں کے بے لانت ہونے کا عقیدہ جو پنڈت جی نے اختراع کیا تھا اُسے آنحضرت اقدس کی تحریروں سے عاجز آکر اُنہیں چھوڑنا پڑا تھا۔ اب براہین احمدیہ کی تصنیف کے دوران میں اس کی تیسری جلد شائع ہونے کے بعد حضرت صاحب نے پنڈت جی کو اُن پر آخری اتمام حجت کرنے کیلئے ۲۰۔ اپریل ۱۸۸۳ء کو ایک خط لکھا جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اس میں آپ نے پنڈت جی کو نہ صرف دعوت اسلام دی بلکہ خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کے دکھلانے کے لئے بھی آمادگی کا اظہار فرمایا تاکہ پورے طور پر صداقت اسلام ظاہر ہو۔ گویا آپ نے دلائل و براہین تک ہی معاملہ نہیں رہنے دیا بلکہ خوارق اور اعجاز تک بات کو پہنچا دیا۔ اور لکھا کہ آپ اگر لکھیں تو مَیں کتاب براہین احمدیہ مفت بھیجدوں۔ اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور عجائبات کے مشاہدات کی بھی اُنہیں دعوت دی۔ مگر پنڈت جی نے ان سب باتوں سے اعراض کیا۔ میر عباس علی صاحب لدھیانوی نے حضرت اقدس سے بذریعہ خط یہ استفسار کیا کہ پنڈت دیانند نے آپ کے خط کا کیا جواب دیا۔ کیا اُس نے کتاب براہین احمدیہ منگوائی؟ اُس کے جواب میں حضرت صاحب نے میر صاحب کو جو خط ۱۵۔ جون ۱۸۸۳ء کو لکھا اُس میں سے کچھ حصّہ پیش کرتا ہوں تاکہ اُس سے پنڈت جی کے جواب کا پتہ لگ جائے۔ حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"پنڈت دیانند نے کتاب طلب نہیں کی۔ اور نہ راستی اور صدق کے راہ سے جواب لکھا بلکہ اُن لوگوں کی طرح جو شرارت اور تمسخر سے گفتگو کرنا اپنا ہنر سمجھتے ہیں۔ ایک خط بھیجا۔ ایک اور خط رجسٹری کرا کے بھیجا گیا جس کا خلاصہ صرف اس قدر تھا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے حقیّتِ اسلام پر یقینِ کامل بخشا ہے اور ظاہری اور باطنی دلائل سے مجھ کو کھول دیا ہے کہ دنیا میں سچا دین مرزِ محمدی ہے۔ اور اسی جہت سے مَیں نے محض خیر خواہی خلق اللہ کی رُو سے کتاب کو تالیف کیا ہے۔ اور اس میں بہت سے دلائل سے ثابت کر کے دکھلایا ہے کہ تعلیم حقّانی محض قرآنی تعلیم ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مَیں آپ کے پاس حاضر ہوں بلکہ اس بات کا بوجھ آپ کی گردن پر ہے کہ جن قوی دلیلوں سے آپ کے مذہب کی بیخکنی کی گئی ہے اُن کو توڑ کر دکھلا دیں یا اُن کو قبول کریں اور ایمان لاویں۔ اور مَیں ہر وقت کتاب کو مفت دینے کو حاضر ہوں۔ اس خط کا کوئی جواب نہیں آیا۔ انشاء اللہ اسی حصّہ چہارم میں اُن کے مذہب اور اصول کے متعلق بہت کچھ لکھا جاویگا اور آپ اگر خط کو چھپوا دیں تو آپ کو اختیار ہے"۔

حضرت صاحب نے پنڈت دیانند سرسوتی پر کس درجہ تک حجت تمام کی وہ آپ کی اس تحریر سے نظر آتا ہے جو براہین احمدیہ کی جلد چہارم کے حاشیہ ۱۱۱ میں درج ہے۔ اُس میں حضرت صاحب نے صاف طور پر دو مرتبہ رجسٹری شدہ خطوط کے ارسال کرنے کا ذکر کیا ہے جن میں آپ نے اُن کو آسمانی نشانات کے لئے دعوت دیکر قادیان بلایا تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

"سو اگر ان دو نو قسم کے ثبوت میں سے کسی قسم کے ثبوت میں شک ہو تو اسی جگہ قادیان میں آکر اپنی تسلی کر لینی چاہیئے اور یہ بھی پنڈت صاحب کو لکھا گیا کہ معمولی خرچ آپ کی آمد و رفت اور نیز واجبی خرچ خوراک کا ہمارے ذمہ رہیگا اور وہ خط ان کے بعض آریوں کو بھی دکھلایا گیا۔ اور دونوں رجسٹریوں کی ان کی دستخطی رسید بھی آگئی۔ پر اُنہوں نے حُبِّ دنیا اور ناموس نبوی کے باعث سے اس طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ جس دنیا سے اُنہوں نے پیار کیا اور ربط بڑھایا تھا آخر بصد حسرت اس کو چھوڑ کر اور تمام درم و دینار سے بہ مجبوری جدا ہو کر اس دار الفنا سے کوچ کر گئے۔ اور بہت سی غفلت اور ظلمت اور ضلالت اور کفر کے پہاڑ اپنے سر پر لے گئے۔ اور اُن کے سفر آخرت کی خبر بھی جو ان کو ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں پیش آیا تخمیناً تین ماہ پہلے خداوند کریم نے اس عاجز کو دیدی تھی۔ چنانچہ یہ خبر بعض آریہ کو بتلائی بھی گئی تھی۔ خیر یہ سفر تو ہر ایک کو درپیش ہے اور کوئی آگے اور کوئی پیچھے اس مسافر خانہ کو چھوڑنیوالا ہے مگر یہ افسوس اور بڑا افسوس ہے کہ پنڈت صاحب کو خدا نے ایسا موقعہ ہدایت پانے کا دیا کہ اس عاجز کو اُن کے زمانہ میں پیدا کیا مگر وہ باوصف ہر طور کے اعلان کے ہدایت پانے سے بے نصیب گئے۔ روشنی کی طرف اُن کو بلایا گیا مگر انہوں نے کم بخت دنیا کی محبت سے اس روشنی کو قبول نہ کیا اور سر سے پاؤں تک تاریکی میں پھنسے رہے۔ ایک بندۂ خدا نے بار ہا ان کو ان کی بھلائی کیلئے اپنی طرف بلایا مگر انہوں نے اس طرف قدم بھی نہ اُٹھایا اور یونہی عمر کو بیجا تعصبوں اور نخوتوں میں ضائع کر کے حباب کی طرح ناپید ہو گئے حالانکہ اس عاجز کے دس ہزار روپے کے اشتہار کا اول نشانہ وہی تھے اور اسی وجہ سے ایک مرتبہ رسالہ براہین میں ان کے لئے اعلان چھپوایا گیا تھا مگر اُن کی طرف سے کبھی مردانہ اُٹھی یہاں تک کہ خاک میں یار ملکھ میں جا ملے"

پنڈت دیانند کی موت کی خبر اور پیشگوئی کے آریہ سماج قادیان کے ممبر گواہ تھے۔ ان پر مختلف اوقات میں بیرونی آریوں نے زور ڈالا کہ وہ اُس کی تردید یا تکذیب شائع کریں۔ انہوں نے اپنی قوم کے طعن سن لئے مگر انکار حق کے مجرم نہیں بنے۔

پنڈت لیکھرام میدان تکذیب میں پنڈت دیانند تو مقابلہ میں نہ آئے مگر ۱۸۸۳ء میں ہی ایک دوسرے پنڈت لیکھرام جی مقابل میں آ گئے۔ یہ وہی لیکھرام ہے جس کی شوخ چشمی اور گستاخیاں آخر اسلام کی صداقت اور آریہ سماج کے ابطال پر ایک الٰہی نشان کی صورت میں ظہور نما ہوئیں۔ اسی پر حضرت صاحب نے یہ شعر لکھے تھے

لیکھو کی بدزبانی کا رد ہونی تھی اُس پر ۔۔۔ پھر بھی نہیں سمجھتے حق و خطا یہی ہے
اپنے کئے کا ثمرہ لیکھو نے کیسا پایا ۔۔۔ آخر خدا کے گھر میں بد کی سزا یہی ہے

جس کی دعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر ۔۔۔ ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے
اچھا نہیں ستانا پاکوں کا دل دکھانا ۔۔۔ گستاخ ہوتے جانا اُس کی جزا یہی ہے

۱۸۸۳ء میں یہ شخص صوبائی ضلع پشاور کے محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ آریہ سماج کا یہ ممبر تھا۔ اس نے براہین احمدیہ میں حضرت کے اُن نشانات و آیات کو پڑھا جن کے گواہ خود قادیان کے آریہ صاحبان اور دوسرے ہندو مسلمان تھے تو اُسے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تو اسلام کی صداقت اور آریہ سماج کے بطلان پر ہمیشہ کے لئے صریح تاریخی شہادت ٹھیر جائیگی اس لئے اُس نے چاہا کہ قادیان کے آریہ صاحبان سے ایسا بیان حاصل کیا جائے جو اُن کی مصدقہ شہادتوں کی تردید کر سکے۔ اس غرض کیلئے اس نے قادیان آریہ سماج سے خط و کتابت شروع کی مگر اس کو اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کچھ شک نہیں کہ یہ بات قابل تعریف ہے کہ اگرچہ قادیان آریہ سماج کے دو بڑے رکن بلکہ بانی لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے پر مختلف اوقات میں آریہ سماج پنجاب کے بعض پُرجوش ممبروں کی طرف سے بہت زور ڈالا گیا کہ وہ ان شہادتوں کی تکذیب کریں جن کا حوالہ حضرت مرزا صاحب نے وقتاً فوقتاً دیا ہے لیکن اُنہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ ان صداقتوں کو وہ جھٹلا دیں جن کے وہ خود عینی شاہد تھے۔ اُن کی یہ ہمت اور جرأت خواہ اس وجہ سے ہو کہ خدا تعالیٰ کے اُن نشانات سے ان کے قلوب مرعوب تھے یا کسی اور وجہ سے ہو ہمیشہ ایک قابل تعریف کارنامہ رہے گا۔ اسی سلسلہ میں پنڈت لیکھرام نے بھی اپنی طرف سے ان دونو آریہ صاحبان موصوف پر بہت زور ڈالا کہ وہ ان شہادتوں کی جن کا ذکر حضرت صاحب نے براہین احمدیہ میں کیا ہے تردید کر دیں۔ اور ان کو امرحق سے پھسلا دینے پر اُسے اتنا یقین تھا کہ یونہی مشہور کر دیا کہ میں براہین کا رد لکھ رہا ہوں۔ حالانکہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس کا خیال تھا کہ ان دونو صاحبوں سے تردید لکھوا لینا کچھ مشکل نہیں اور کچھ نہیں تو قومی پاسداری سے ہی وہ ایسا لکھ دیں گے۔ ان سے تردید حاصل کر کے پھر براہین احمدیہ کی تردید لکھونگا اور حضرت کے نشانات کی تکذیب بڑے زور شور سے کرونگا۔ چنانچہ ایک دفعہ یونہی حضرت اقدس

کے نام ایک خط میں اُس نے اپنی عادت کے مطابق گپ ہانک دی کہ "قادیان کے آریہ لوگوں سے آپ کی کراماتی قلعی کھل چکی ہے"۔ جس پر حضرت اقدس نے اسکو مخاطب کرکے ایک خط میں صاف صاف لکھا کہ:

"جس حالت میں کہ قادیان کے بعض آریہ جو میرے پاس آمدورفت رکھتے ہیں اب تک زندہ موجود ہیں اور اس عاجز کے نشانوں اور خوارق کے قائل اور گواہ ہیں تو پھر نہ معلوم آپ نے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ وہ لوگ منکر ہیں۔ اگر آپ راستی کے طالب تھے تو مناسب تھا کہ قادیان میں آکر میرے روبرو اور میرے مواجہ میں ان لوگوں سے دریافت کرتے تا جو امر حق ہے آپ پر واضح ہو جاتا۔ مگر یہ بات کس قدر دیانت اور انصاف سے بعید ہے کہ آپ دُور بیٹھے قادیان کے آریوں پر ایسی تہمت لگا رہے ہیں۔ ذرا آپ سوچیں کہ جس حالت میں مَیں نے انہی آریوں کا نام حصہ سوم اور چہارم میں لکھ کر شاہد خوارق ہونا ٹھیرایا ہے اور حصص مذکورہ میں درج کرکے لاکھوں آدمیوں میں اس کی اشاعت کی ہے تو پھر اگر یہ باتیں دروغ بے فروغ ہوں تو کیونکر وہ لوگ اب تک خاموش رہتے۔ بلکہ ضرور تھا کہ اس صریح جھوٹ کے رد کرنے کیلئے کئی اخباروں میں اصل کیفیت چھپوا دیتے اور مجھ کو دنیا میں رُسوا اور شرمندہ کرتے۔ سو منصف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ لوگ باوجود شدت مخالفت اور عناد کے اسی وجہ سے خاموش اور لاجواب رہے کہ جو جو مَیں نے شہادتیں اُن کی نسبت لکھیں وہ حق محض تھا اور آپ پر لازم ہے کہ آپ اس ظن فاسد سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے قادیان آکر اس بات کی تصدیق کر جائیں۔ ع۔ تا سیہ رُئے شود ہر کہ دروغش باشد۔ جواب سے جلد تر مطلع کریں"۔

(مکتوب بنام لیکھرام ۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء)

غیر مذہب والوں کو نشان نمائی کی دعوت عام

براہین احمدیہ کی تصنیف ہی کے دوران میں آپ نے اُن برکات اور فیوض اور ثمرات کے ثبوت کیلئے اپنے وجود کو پیش کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے اس اُمت کے افراد کو میسّر آتے ہیں۔ چنانچہ تیسری جلد براہین احمدیہ کے حاشیہ ۱۱۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور آپ کی تاثیرات قدسی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ بھی (یعنی آپ کے صادق اور مخلص متبعین) ان نعمتوں سے اب تک حصہ پاتے ہیں۔ اور جو شربت مسیح اور موسیٰ کو پلایا گیا تھا وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے

نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ سبحان اللہ ثم سبحان اللہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ اُمت جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں اللّٰھم صلّ علیٰ نبیّك وحبیبك سیّد الانبیاء وافضل الرّسل وخیر المرسلین وخاتم النّبیّین محمّد وّاٰلہٖ واصحابہٖ وبارك وسلّم۔ اس زمانہ کے پادری اور پنڈت اور برہمن اور آریہ اور دوسرے مخالف چونک نہ اُٹھیں کہ وہ برکتیں کہاں ہیں وہ آسمانی نور کدھر ہیں..... ہم نے اسی حاشیہ میں لکھ دیا ہے کہ طالب حق کے لئے جو اسلام کے فضائل خاصہ دیکھ کر فی الفور مسلمان ہونے پر مستعد ہے اس کا ثبوت دینے کے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں۔" (صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۷ حاشیہ ۱۱)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۲ پر حاشیہ در حاشیہ ۱ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہی برکتیں اب بھی جو مُندوں کیلئے مشہود ہو سکتی ہیں جس کا جی چاہے صدق قدم سے رجوع کرے اور دیکھے اور اپنی عاقبت کو درست کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک طالب صادق اپنے مطلب کو پائے گا۔ اور ہر ایک صاحب بصارت اس دین کی عظمت کو دیکھے گا۔ مگر کون ہمارے سامنے آکر اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ وہ آسمانی نور ہمارے کسی مخالف میں بھی موجود ہے اور جس نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور افضلیت اور قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کیا ہے وہ بھی کوئی رُوحانی برکت اور آسمانی تائید اپنے شامل حال رکھتا ہے؟ کیا کوئی زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک ایسا متنفس ہے کہ قرآن شریف کے ان چمکتے ہوئے نوروں کا مقابلہ کر سکے؟ کوئی نہیں۔ ایک بھی نہیں۔"

یہ اعلان براہین احمدیہ کی تیسری جلد میں ۱۸۸۲ء میں کیا گیا۔ قرآن مجید کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور صداقت کو آپ دلائل عقلیہ کے علاوہ تائیدی نشانات الٰہیہ اور آسمانی شہادتوں کے ساتھ ثابت کرنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن کوئی آپ کے مقابل نہ آیا۔ اسی کو آپ نے ایک جگہ نظم کیا ہے جس میں سے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے
یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نُور نہ تھا | کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے | ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند | ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے | لو تمہیں طُورِ تسلی کا بتایا ہم نے
آج اُن نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں | دل کو اُن نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
مصطفےٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت | اُس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رسُل | تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

لیکن حضرت اقدس نے نشان نمائی کی اس دعوت عام کو براہین احمدیہ میں درج کر دینے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اجازت الٰہی کے حصول کے بعد ۱۸۸۵ء میں ایک اعلان آپ نے جملہ مقتدایان مذہب کے مخاطب کر کے خواہ وہ برہمو۔ آریہ۔ پادری۔ نیچری۔ دہریہ و مولوی صاحبان وغیرہ وغیرہ ہوں یا اور کوئی ہوں اور خواہ وہ ہندوستان میں ہوں یا اُس سے باہر ہوں آٹھ ہزار کی تعداد میں شائع فرمایا جس میں سے چند سطور یہاں درج کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"اصل مدعائے خط جس کے ابلاغ کے لئے میں مامور ہوا ہوں یہ ہے کہ دین حق جو خدا کی مرضی کے موافق ہے صرف اسلام ہے اور کتاب حقانی جو منجانب اللہ محفوظ اور واجب العمل ہے صرف قرآن ہے۔ اس دین کی حقانیت اور قرآن کی سچائی پر عقلی دلائل کے سوا آسمانی نشانوں (خوارق و پیشین گوئیوں) کی شہادت بھی پائی جاتی ہے جس کو طالب صادق اس خاکسار (مؤلف براہین احمدیہ) کی صحبت اور صبر اختیار کرنے سے بعائنہ چشم تصدیق کر سکتا ہے۔ آپ کو اس دینِ صادق کی حقانیت یا اُن آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لاویں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر اُن آسمانی نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کر لیں لیکن اس شرط نیت سے جو طالب صادق کی نشانی ہے کہ بمجرد معائنہ آسمانی نشانیوں کے اسی جگہ (قادیان میں) شرف اظہار اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرف ہو جائیں گے ..... اور اگر آپ آویں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دو سو روپے ماہوار کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا جرمانہ دیا جاویگا۔ اور دو سو روپے ماہوار کو آپ اپنے شایان شان نہ سمجھیں تو اپنے خرچ اوقات کا عوض یا ہماری وعدہ خلافی کا جرمانہ جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے ہم اس کو بشرط استطاعت قبول کریں گے ....."

لیکھرام کا مقابل میں آنا اس اعلانِ دعوتِ یک سالہ میں آپ نے تمام مذاہب کے لیڈروں اور رہنماؤں کو دعوت دی تھی اور بڑے زور سے آسمانی نشان دکھلانے کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن کسی نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور نہ مقابلہ پر آیا۔ اندرمن مراد آبادی نے اوّلاً مستعدی کا اظہار کیا لیکن جب حضرت اقدس نے اس کے لئے چوبیس سو روپیہ جمع کرانے کا انتظام کر دیا تو وہ بھاگ گیا۔ اندرمن کا تذکرہ جو اخباروں میں ہوا تو لیکھرام کے بھی منہ میں پانی بھر آیا۔ چنانچہ اس نے قادیان آنے پر آمادگی ظاہر کی اور سب سے پہلے دو سو روپے ماہوار کا مطالبہ کیا۔ حضرت اقدس نے اس کو جواب دیا کہ تم کسی قوم کے مقتدا اور پیشوا نہیں اور نہ تمہاری آمدنی دو سو روپے ماہوار ہے ایسی حالت میں تم اس کے مستحق نہیں۔ اس کے جواب میں لیکھرام نے حسب عادت بادہ گوئی اور استہزا سے کام لیا۔ اس کے جواب میں حضرت صاحب نے ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء کے مکتوب میں اس کے ۱۹۔ اپریل ۱۸۸۵ء کے خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"آپ نے بجائے اس کے کہ میرے جواب پر انصاف اور صدق دلی سے غور کرتے ایسے الفاظ دُور از تہذیب و ادب اپنے خط میں لکھے ہیں کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی مہذب آدمی کسی سے خط و کتابت کرتے ہوئے ایسے الفاظ لکھنا روا رکھے۔ پھر اسی خط میں آپ نے تمسخر اور ہنسی کی راہ سے دین اسلام کی نسبت توہین آمیز اور نفرتی باتوں کو پیش کیا ہے۔ اگرچہ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کس قدر طالب حق ہیں لیکن پھر بھی میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کی سخت اور بدیودار باتوں پر صبر کر کے دوبارہ آپ کو اپنے منشا سے مطلع کروں"

یہ سلسلہ خط و کتابت کا لمبا ہو گیا۔ اسی ضمن میں حضرت اقدس نے لیکھرام کو لکھا کہ وہ آریہ سماج قادیان امرت سر۔ لاہور۔ لدھیانہ اور پشاور کے ممبروں کی حلفی تصدیق سے ایک اقرار نامہ پیش کرے جس میں وہ اس کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہوں۔ لیکن وہ نہ پیش کر سکا۔ آخر کار حضرت اقدس نے اتمام حجت کے لئے لیکھرام کے دو سو روپے ماہوار کی شرط کو بھی منظور کر لیا باوجودیکہ وہ ایسی عزت اور حیثیت کا مالک نہ تھا جس کا ذکر آپ کے اعلان دعوت یک سالہ میں تھا۔ لیکن تاہم چوبیس سو روپیہ دینا آپ نے منظور کر لیا۔ چنانچہ ۱۷۔ جولائی ۱۸۸۵ء کے خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہر چند ہم نے کوشش کی مگر ہم پر یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ ان معزز اور ذی مرتبت لوگوں میں سے ہیں جو بوجہ حیثیت عرفی اپنی کے دو سو روپے ماہوار پانے کے مستحق ہیں مگر چونکہ آپ کے اصرار اپنے اس دعوے پر غایت درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ فی الحقیقت میں ایسا ہی عزت دار ہوں

اور پشاور تک جس قدر آریہ سماج ہیں وہ سب مجھے معزز اور قوم میں سے ایک بزرگ اور سرکردہ سمجھتے ہیں اس لئے آپ کی طرف لکھا جاتا ہے کہ اگر آپ سچ مچ ایسے ہی عزت دار ہیں تو ہم آپ کی درخواست منظور کر لیتے ہیں اور جہاں چاہو چوبیس سو روپیہ ۲۴۰۰ جمع کرانیکو طیار ہیں"۔

مگر حضرت اقدس کی مومنانہ فراست نے چونکہ بھانپ لیا کہ یہ شخص طالب حق تو ہے نہیں ایک چالاک آدمی ہے اور اپنی چالاکی سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اس لئے ایک شرط ساتھ یہ لگا دی کہ اگر نشان دیکھ کر تم مسلمان نہ ہو تو بطور تاوان چوبیس سو روپیہ ۲۴۰۰ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اسے تم کسی جگہ جمع کرا دو۔ اور اس مقصد کے لئے آپ نے بیس یوم کی میعاد مقرر کی لیکن میعاد گزر گئی اور لیکھرام نے روپیہ جمع نہ کرایا نہ میعاد کے بعد ہی جمع کرانے کا کوئی ارادہ ظاہر کیا۔ اسی اثنا میں لیکھرام نے یہ چاہا کہ کسی طرح میں قادیان چلا جاؤں وہاں جا کر مشہور کر دونگا کہ میں نشان دیکھنے کیلئے گیا تھا مگر مجھے کوئی نشان نہیں دکھایا گیا۔

مرزا امام الدین صاحب کا لیکھرام کو قادیان میں لانا

قادیان میں مرزا امام الدین صاحب حضرت اقدس کے ایک چچازاد بھائی تھے ان کی طبیعت پر دہریت و الحاد کا غلبہ تھا۔ اور شریکہ کے طور پر حضرت اقدس کی مخالفت اُن کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ اُن کی مجلس میں بھنگڑ اور چرس پینے والے لوگ جمع ہوتے اور دینی باتوں کی ہنسی اُڑانا اور لغو اعتراضات کرنا جیسا کہ اباحتی فقیروں کا شیوہ ہے اس مجلس کا کام ہوتا تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ مرزا امام الدین صاحب خود دہریہ تھے۔ انہوں نے جو سنا کہ لیکھرام اس قسم کی خط و کتابت کر رہا ہے اُنہوں نے اُسے اپنا آلۂ کار بنا کر اپنی حاسدانہ مخالفت کے کام کو سرانجام دینا چاہا۔ چنانچہ وہ خود گئے اور لیکھرام کو اپنے ساتھ قادیان لے آئے۔ یہ نومبر ۱۸۸۵ء کا واقعہ ہے۔ لیکھرام کی طبیعت میں بیہودہ گوئی استہزا اور تمسخر بہت تھا اور یہی رنگ مرزا امام الدین صاحب کی طبیعت میں بھی تھا اس لئے دونوں کی جوڑی اچھی مل گئی۔ قادیان کے آریہ سماج کی تجدید ہوئی۔ مرزا امام الدین۔ منشی مراد علی۔ ملا حسیناں وغیرہ بھی عملی طور پر آریہ سماج قادیان کے ممبر بنے اور اس کا مقصد عظیم حضرت اقدس کی مخالفت قرار دی گئی۔ قیام قادیان کے زمانہ میں لیکھرام ایک مرتبہ بھی حضرت اقدس کے پاس آپ سے ملنے اور بالمواجہ اظہار خیالات کیلئے نہیں آیا۔ البتہ کاغذی گھوڑے دوڑاتا رہا۔ یعنی قادیان میں بیٹھ کر حضرت صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کر دیا۔ خطوط بھائی کشن سنگھ (کیسوں والے آریہ) صاحب لاتے لیجاتے تھے۔ کبھی کبھی پنڈت موہن لعل بھنوت بھی کوئی رقعہ لاتے لیجاتے تھے۔ پنڈت موہن لعل جی کے خاندان کے تعلقات حضرت اقدس کے خاندان سے بہت پرانے تھے۔ آپ اُن پرانے تعلقات کی وجہ سے جب بھی پنڈت موہن لعل جی خط لے کر آتے انہیں

خالی ہاتھ نہ جانے دیتے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور دیدیتے۔ کبھی کوئی پھل۔ کبھی عمدہ قسم کی شکر (دیہات میں یہ بہت اعلیٰ تحفہ گنا جاتا ہے) وغیرہ وغیرہ۔ اُدھر پنڈت لیکھرام جی تاڑ میں رہتے جب موہن لعل واپس آتے تو چلا اُٹھتے کہ کیا لائے ہو۔ ایک دفعہ موہن لعل جی کو حضرت صاحب نے سیب دیا وہ واپس آئے تو لیکھرام نے دریافت کیا کہ کیا لائے۔ موہن لعل بولے سیب لایا ہوں۔ اس پر لیکھرام جی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے لاؤ لاؤ میں کھاؤں۔ موہن لعل نے ہنسی سے کہا کہ دشمن کے گھر کی چیز تو تم کو نہ کھانی چاہیئے۔ مگر لیکھرام جھٹ سیب چھین کر کھا گئے۔ قصّہ مختصر یہ کہ خط و کتابت جاری تھی مگر اس کا کوئی عملی نتیجہ نہ پیدا ہوتا تھا۔ لیکھرام اپنے خطوط میں زیادہ تر استہزا سے کام لیتا تھا اور شوخی سے کوئی نہ کوئی اعتراض اسلام پر کر دینا اس کا جزوِ فطرت بن گیا تھا۔ اور حضرت صاحب اپنے خطوط میں اُس کو تحقیقی جواب دیتے۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ کسی طرح اسلام کی صداقت کو سمجھ لے لیکن وہ کوئی طالبِ حق تو تھا نہیں۔ حضرت جدھر اُس کو لے جانا چاہتے وہ اُلٹا چل پڑتا۔ اور اپنی مجلسوں میں بھی اسلام پر سوقیانہ حملے کرتا۔ ایک دفعہ اُس نے جنت کا مذاق اُڑایا۔ اُس کی خبر حضرت کے بڑے صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو جو ہوئی تو غیرت دینی کی وجہ سے اس قدر اُن کو جوش آیا کہ اُنہوں نے لیکھرام کو مباحثہ کا چیلنج دیدیا۔ قادیان کے مسلمانوں میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ مرزا سلطان احمد صاحب پوری طرح مباحثہ کے لئے تیار ہو کر بازار کو چلے بھی گئے۔ مگر سمجھدار ہندوؤں نے سمجھا کہ اس میں خیر نہ ہوگی۔ اس وقت کو ٹلا دیا اور لیکھرام کو باہر نہ آنے دیا۔ آخر دسمبر ۱۸۸۵ء کے اوائل میں یہ خط و کتابت نتیجہ کے قریب آنے لگی۔ لیکھرام نے دو سو روپے ماہوار کی شرط اُڑا دی کیونکہ اس میں خود بھی تاوان بھرنے کا اندیشہ تھا اس لئے معاوضہ کی رقم صرف تیس روپے ماہوار پر آ گئی۔ حضرت اقدس چاہتے تھے کہ اس تقریب سے فائدہ اُٹھایا جاوے اور علاوہ نشان نمائی کے کسی طرح آریہ سماج اور اسلام کے اصولوں کا مقابلہ بھی ہو جائے آپ لیکھرام کو بار بار اس طرف لانا چاہتے تھے کہ وہ ویدوں سے آریہ سماج کے اصولوں کو نکال کر دکھائے اور جو دعویٰ کرے اس پر دلیل بھی ویدوں سے ہی دے اور ہم جو اصول اسلام کا پیش کریں گے وہ قرآن کریم سے ہی پیش کریں گے اور جو دعویٰ کریں گے اُس کی دلیل بھی قرآن کریم میں سے ہی دیں گے لیکھرام بیچارے کی تو حقیقت ہی کیا تھی اس معیار پر تو کوئی بڑا سے بڑا غیر مسلم عالم بھی اپنے مذہب کی صداقت ثابت نہیں کر سکتا تو اس بیچارے نے کیا کرنی تھی۔ وہ ہمیشہ اس سے گریز کرتا تھا۔ اور اپنے ہم نشینوں کو خوش کرنے کیلئے ہنسی اور ٹھٹھے سے کام لیتا تھا۔ آخر ۱۳۔ دسمبر کو اُس نے ایک خط لکھا جس میں ۱۴ یا ۱۵ دسمبر کو اپنے قادیان سے روانہ ہونے کا ذکر کیا تھا وہ خط یہ ہے:۔

"کندن کوہ[1] و برآوردن کاہ۔ افسوس کہ آپ قرآنی اسپ خود کو اسپ اور اوروں کے اسپ کو خچر قرار دیتے ہیں۔ میں نے ویدک اعتراض کا عقل سے جواب دیا اور آپ نے قرآنی اعتراض کا نقل سے۔ مگر وہ عقل سے بالبعید ہے۔ اگر آپ فارغ نہیں تو مجھے بھی تو کام بہت ہے۔ اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں۔ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو **ربّ العرش خیر الماکرین** سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو۔" (لیکھرام)

اس خط کا جواب حضرت اقدس نے جو دیا وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے:۔

"جناب پنڈت صاحب۔ آپ کا خط میں نے پڑھا۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ ہم کو نہ بحث سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے۔ مگر آپ سیدھی نیت سے طلب حق نہیں کرتے۔ بیجا شرطیں زیادہ کر دیتے ہیں۔ آپ کی زبان بدزبانی سے رُکتی نہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو **ربّ العرش خیر الماکرین** سے میری نسبت کوئی نشان مانگیں یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں۔ گویا آپ اُس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بے باکوں کو تنبیہ کر سکتا ہے۔ باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور مکر کرتا ہے۔ یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے۔ مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں۔ اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے زیادہ اُونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اس نے تھاما ہوا ہے۔ اور وہ **قیّوم** ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں۔ پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش کا اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے۔ آپ عربی سے بے بہرہ ہیں۔ آپ کو مکر کے معنی بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں ان کا نام مکر ہے لغت دیکھو پھر اعتراض کرو۔ میں اگر بقول آپ کے وید سے اُمی ہوں تو کیا ہرج ہے کیونکہ میں آپ کے مسلّم اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کرتا ہوں مگر آپ تو اسلام کے اصول سے باہر ہو جاتے ہیں۔ صاف افترا کرتے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ عرش پر خدا کا ہونا جس طور سے مانا گیا ہے اوّل مجھ سے دریافت کرتے پھر اگر گنجائش ہوتی تو اعتراض کرتے۔ اور ایسا ہی مکر کے معنے اوّل پوچھتے پھر اعتراض کرتے اور نشان خدا کے پاس ہیں وہ قادر ہے جو آپ کو دکھلا دے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔"

(خاکسار مرزا غلام احمد)

اس کے بعد آپ نے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء تک لیکھرام کی نسبت آسمانی نشان دکھانے کا وعدہ کیا لیکن وہ

[1] اصل خط میں "کندن کوہ" پڑھا نہیں جاتا۔ یہ میرا قیاس ہے۔ (مؤلف)

یہ لکھ کر قادیان سے چلتا ہوا کہ میں آپ کی پیشگوئیوں کو واہیات سمجھتا ہوں میرے حق میں جب چاہو اور جو مرضی چاہے شائع کرو میری طرف سے اجازت ہے۔ میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں۔ اس بکواس پر حضرت اقدس نے نہایت صبر سے کام لیا۔ اور اس کے متعلق کچھ نہیں شائع کیا جب تک کہ پانی سر سے نہیں نکل گیا اور اُس کی شوخی حد سے نہیں گزر گئی۔ پھر رب العرش خیر الماکرین نے کیا نشان دکھایا اور کس قدر عظمت اور ہیبت وہ نشان اپنے اندر رکھتا تھا یہ ۱۸۹۳ء کے واقعات میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا بالفعل لیکھرام کا تذکرہ یہیں ختم کرتا ہوں +

مرزا غلام قادر صاحبؓ کی وفات

میں لیکھرام کا تذکرہ کرتے ہوئے تاریخ کے لحاظ سے آگے نکل گیا اور ۱۸۸۵ء تک پہنچ گیا۔ سلسلہ کلام کو توڑنا نہ چاہا تاکہ پورا واقعہ قارئین کرام کے سمجھ میں آجائے ۱۸۸۳ء کے واقعات اور حالات میں سب سے اہم واقعہ آپ کے برادر بزرگ مرزا غلام قادر صاحب کی وفات ہے۔ وہ گورداسپور میں سپرنٹنڈنٹ ضلع تھے اور بہت بارسوخ تھے۔ اور ساری جائداد پر عملاً وہ قابض تھے۔ ایک دفعہ اپنے والد کے زمانہ میں حضرت اقدس کو اُن کی وفات کی خبر دی گئی تھی جو قضاء مبرم کے قریب قریب تھی اور آپ کی دعا سے ٹل گئی تھی۔ اس واقعہ کو پڑھ کر چونکہ ترقی معرفت ہوتی ہے اس لئے میں اُس کا یہاں درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ حقیقۃ الوحی میں حضرت اقدس خود اپنی قلم سے تحریر فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ میرے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی نسبت مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ اُن کی زندگی کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔ بعد میں وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے۔ یہاں تک کہ صرف استخوان باقی رہ گئیں اور اس قدر دبلے ہو گئے کہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے نہیں معلوم ہوتے تھے کہ کوئی اُس پر بیٹھا ہوا ہے یا خالی چارپائی ہے پاخانہ اور پیشاب اوپر ہی نکل جاتا تھا۔ اور بیہوشی کا عالم رہتا تھا۔ میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم بڑے حاذق طبیب تھے اُنہوں نے کہہ دیا کہ اب یہ حالت یاس اور ناامیدی کی ہے۔ صرف چند روز کی بات ہے۔ مجھ میں اُس وقت جوانی کی قوت موجود تھی اور مجاہدات کی طاقت تھی۔ اور میری فطرت ایسی واقع ہے کہ میں ہر ایک بات پر خدا کو قادر جانتا ہوں اور درحقیقت اس کی قدرتوں کا کون انتہا پا سکتا ہے۔ اور اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں بجز اُن امور کے جو اس کے وعدے کے برخلاف یا اس کی شان کے منافی اور اُسکی توحید

کی ضد ہیں اس لئے مَیں نے اس حالت میں بھی اُن کے لئے دعا کرنی شروع کی۔ اور مَیں نے دل میں یہ مقرر کر لیا کہ اس دعا میں تین باتوں میں اپنی معرفت زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ (۱) ایک یہ کہ مَیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا مَیں حضرت عزّت میں اس لائق ہوں کہ میری دعا قبول ہو جائے۔ (۲) دوسری یہ کہ کیا خواب اور الہام جو وعید کے رنگ میں آتے ہیں اُن میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) کیا اس درجہ کا بیمار جس کے صرف استخوان باقی ہیں دعا کے ذریعہ سے اچھا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ غرض مَیں نے اس بنا پر دعا کرنی شروع کی۔ پس قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دعا کے ساتھ ہی تغیر شروع ہو گیا اور اس اثنا میں ایک دوسرے خواب میں مَیں نے دیکھا کہ وہ گویا اپنے دالان میں اپنے قدموں سے چل رہے ہیں اور حالت یہ تھی کہ دوسرا شخص کروٹ بدلتا تھا۔ جب دعا کرتے کرتے پندرہ دن گزرے تو ان میں صحت کے ایک ظاہری آثار پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند قدم چلوں چنانچہ وہ کسی قدر سہارے سے اُٹھے اور سونٹے کے سہارے سے چلنا شروع کیا اور پھر سونٹا بھی چھوڑ دیا۔ چند روز تک پورے تندرست ہو گئے اور بعد اس کے پندرہ برس تک زندہ رہے۔ اور پھر فوت ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ خدا نے اُن کی زندگی کے پندرہ دن پندرہ سال سے بدل دیئے ہیں۔ یہ ہے ہمارا خدا جو اپنی پیشگوئیوں کے بدلانے پر بھی قادر ہے۔ مگر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ قادر نہیں۔"

مرزا غلام قادر صاحب کی عمر میں پندرہ سال جو اضافہ جناب الٰہی کی طرف سے ہوا تھا وہ جب ختم ہونے کو آیا تو حضرت اقدس کو اس کے متعلق پھر خبر دی گئی۔ چنانچہ آپ حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اپنے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت پیشگوئی ہے جس میں میرے ایک بیٹے کی طرف سے بطور حکایت عن الغیر مجھے یہ الہام ہوا۔ اے عمی بازئ خویش کردی و مرا افسوس بسیار دادی۔ یہ پیشگوئی بھی اسی شرمپت آریہ کو قبل از وقت بتلائی گئی تھی۔ اس الہام کا مطلب یہ تھا کہ میرے بھائی کی بیوقت اور ناگہانی موت ہو گی جو موجب صدمہ ہو گی جب یہ الہام ہوا تو اس دن یا اس سے ایک دن پہلے شرمپت مذکور کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا اُس نے امی چند نام رکھا اور مجھے آکر اُس نے بتلایا کہ میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام میں نے امی چند رکھا ہے۔ مَیں نے کہا کہ ابھی مجھے الہام ہوا ہے اے عمی بازئ خویش کردی و مرا افسوس بسیار دادی۔ اور ہنوز اس الہام کے میرے پر معنے نہیں کھُلے۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ اس سے مراد

تیرا لڑکا امی چند ہی نہ ہو۔ کیونکہ تیری میرے پاس آمد و رفت بہت ہے۔ اور الہامات میں کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی تعلق رکھنے والے کی نسبت الہام ہوتا ہے۔ وہ یہ بات سنکر ڈر گیا اور اُس نے گھر جاتے ہی اپنے لڑکے کا نام بدلا دیا یعنی بجائے امی چند کے گوکل چند نام رکھدیا[1] وہ لڑکا اب تک زندہ ہے..... اور بعد اس کے میرے پر کھولا گیا کہ یہ الہام میرے بھائی کی موت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میرا بھائی دو تین دن کے بعد ایک ناگہانی طور پر فوت ہو گیا۔ اور میرے اس لڑکے کو اس کی موت کا صدمہ پہنچا۔"

قصہ کوتاہ یہ کہ مرزا غلام قادر صاحب کی ۵۵ سال کی عمر تھی جو قضا کر گئے اور اپنے پرانے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ تمام امور دنیوی اُن سے وابستہ تھے۔ حضرت اقدس کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ نہ آپ نے کبھی اپنی زمینوں کو دیکھا اور نہ آپ کو یہ پتہ تھا کہ کون کاشت کرتا ہے اور کیا آمد ہوتی ہے اور کہاں خرچ ہوتی ہے۔ آپ عملاً دنیا سے منقطع تھے۔ ایک طرف آپ کے ابنائے عم کو اس خاندان سے بیحد پرخاش تھی اور انہوں نے جدی جائداد کے متعلق مختلف قسم کی پیچیدگیاں ڈال رکھی تھیں۔ اور مقدمات کے ایک لمبے سلسلہ نے مالی مشکلات الگ پیدا کر دی تھیں۔ دوسری طرف مرزا غلام قادر مرحوم کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے ہاں ایک لڑکی اور لڑکا پیدا ہوئے تھے مگر وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ مرزا غلام قادر صاحب کی بیوی کو مرزا سلطان احمد صاحب سے بڑی محبت تھی۔ اُنہوں نے مشہور کر دیا کہ مرزا سلطان احمد میرا متبنّٰی ہے اور کاغذات مال میں اس کا اندراج ہو گیا۔ حضرت صاحب کو معلوم بھی نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو جب پتہ لگا تو آپ نے عدالت کہہ دیا کہ اسلام میں تبنیت جائز نہیں۔ مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی آپ کی وہ بھاوج تھی جو تمام عمر آپ سے جلتی رہی اور ناحق آپ سے بگڑی رہتی تھی۔ لیکن بایں ہمہ اسی دشمن بھاوج کی دلدہی کیلئے حضرت اقدس نے اُس کی مرضی کے مطابق نصف جائداد مرزا سلطان احمد کے نام لکھ دی۔ باقی نصف آپ کے نام پر درج ہو گئی۔ مگر اُس کے انتظام سے پھر بھی آپکے کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ بدستور خدمات دینیہ

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لالہ شرمپت وغیرہ جن کو حضرت اقدس نے اپنی کتابوں میں نشانات کا گواہ ٹھیرایا ہے آپکے الہامات سے کس قدر مرعوب تھے کہ الہام سُن کر گھر جاتے ہی پہلے لڑکے کا نام بدلا پھر کوئی اور کام کیا۔ بار بار آپکے الہامات پورے ہوتے دیکھ کر دلوں نے حق کو مان لیا تھا گو دنیوی تعلقات نے کھلم کھلا اسلام قبول کرنے سے روکے رکھا۔ یہ باتیں حضرت صاحب نے کتابوں میں چھاپ کر تمام دنیا میں مشتہر کر دیں مگر کبھی ان کی تردید کی ان لوگوں کو جرأت نہیں ہوئی۔ آریہ سماج نے بڑا زور لگایا کہ ان کی تردید کرو۔ مگر وہ جھوٹ موٹ دھڑے بازی کے رنگ میں بھی تردید کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ وجہ یہ کہ دل کھائے ہوئے تھے۔ جانتے تھے کہ جھوٹ بولیں گے تو کہیں خود نہ پکڑے جائیں۔ (مؤلف)

میں مصروف رہے اور ان جھگڑوں سے کبھی کوئی سروکار نہیں رکھا۔ مرزا اسمٰعیل بیگ جو بچپن سے آپکے خادم تھے اور بعض دوسرے آدمی اس جائداد کی نگرانی کرتے تھے اور جو کچھ وہ وصول کر کے لا دیتے حضرت اُس کو لے لیتے۔ آپ تو براہین احمدیہ کی تصنیف میں منہمک رہتے تھے۔ تین جلدیں شائع ہو چکی تھیں۔ چوتھی زیر تصنیف تھی +

مسجد مُبارک کی تعمیر

۱۸۸۳ء کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ مسجد مبارک کی تعمیر ہے۔ جب تک مسجد مبارک تعمیر نہیں ہوئی تھی حضرت اقدس تمام نمازیں مسجد اقصٰی میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ مسجد میں عموماً نماز سے پہلے جاتے۔ عصر کی نماز کے بعد مسجد میں ہی ٹہلتے رہتے یا سیر کو چلے جاتے اور نماز مغرب پڑھ کر گھر آتے اور پھر نماز عشا کے لئے جاتے۔ عام طور پر نماز میاں جان محمد مرحوم پڑھایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ بھی پڑھا دیا کرتے۔ آخر الہام الٰہی کے اشارہ کے ماتحت آپ نے اپنے گھر کے چوبارہ کے ساتھ جہاں آپ تصنیف کا کام کیا کرتے تھے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ یہ چوبارہ مسجد مبارک کے شمالی جانب میں ہے اور بیت الفکر کہلاتا ہے یہاں کوئی جگہ تو تھی نہیں اسلئے آپنے اس کوچہ کو مسقف فرمایا جو مسجد اقصٰی کو جاتا تھا اور اُس کی چھت کو مسجد مبارک کا فرش قرار دیکر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ آپ کی مالی حالت تو کمزور تھی ہی۔ اس لئے کوچہ کو مسقّف کرنے اور مسجد کی چھت ڈالنے کیلئے اپنے باغ سے ہی لکڑی کٹوا لی گئی۔ پرانی بنیادوں کو کھود کر اینٹیں نکالی گئیں وہی مسجد کی دیواروں میں استعمال ہوئیں مسجد بھی نہایت مختصر تھی۔ .... باوجود ہاتھ کی تنگی کے اللہ کے فضل سے مسجد مکمل ہو گئی۔ مسجد کی صورت یہ تھی کہ آخری مغربی سرے پر امام کیلئے ایک حجرہ تھا جس میں دو آدمی کی گنجائش تھی۔ اوّلاً صرف امام ہی کھڑا ہوتا تھا۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو حضرت اقدس وہاں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد پھر ایک کمرہ تھا جو شرقاً غرباً لمبا تھا۔ اس میں چھ صفیں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اور ہر ایک صف میں صرف چھ آدمی کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس کے مشرق میں وہ کمرہ تھا جس میں سرخ چھینٹوں والا نشان ظاہر ہوا۔ یہ حجرہ مسجد کی سطح سے قریباً دو فیٹ نیچا تھا۔ یہاں وضو کیلئے سامان رہتا تھا۔ لیکن بعد میں اس کمرہ میں مولوی محمد علی صاحب کا دفتر رہا کرتا تھا۔ اُس وقت اس کمرہ کی سطح کو اونچا کر کے مسجد کی سطح کے برابر کر دیا گیا تھا۔ موسم گرما میں نماز اس مسجد کے چھت پر ہوا کرتی تھی وہاں مغرب کی طرف ایک شہ نشین تھا جس پر بعد از نماز مغرب حضرت صاحب بیٹھا کرتے تھے اور شام کی مجلس جما کرتی تھی۔

اس مسجد کے بارے میں حضرت کو پانچ مرتبہ یہ الہام ہوا کہ مبارک ومبارک وکل امر مبارک یجعل فیہ یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اس میں کیا جاوے گا۔ الہام تو پہلے کا ہے مگر مسجد آپ نے ۱۸۸۳ء میں تعمیر کروائی۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد حضرت اقدس علی العموم نمازیں اسی میں باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ اوائل میں آپ ہی اذان دیتے تھے آپ ہی امامت کرا دیا کرتے تھے۔ مگر عموماً آپ کسی دوسرے کو امام مقرر کر دیا کرتے تھے۔ بالخصوص مسیح موعود کے دعوے کے بعد بجز ایک دو مرتبہ کے روہ بھی قادیان سے باہر کبھی نماز نہیں پڑھائی۔ البتہ مولانا عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد آخر عمر میں شام کو آپ کو اسقدر ضعف ہو جاتا تھا کہ باہر مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تھے تو زنانہ میں ہی آپ بیٹھ کر امامت کرا دیا کرتے تھے۔ پیچھے گھر کی یا مہمان مستورات کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ حضرت بیوی صاحبہ آپ کے دائیں طرف ہوتی تھیں۔ جنازہ کی نماز کی آپ خود امامت کرایا کرتے تھے ۔

قادیان کی طرف رجوع خلائق

براہین احمدیہ سے قبل اور اُس کی تصنیف کے دوران میں آپ کی خدا پرستی اور نیکی اور تقویٰ اور زہد اور عبادت اور علم وفضل کا چرچا دُور دُور نزدیک ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ آپ کی زیارت اور ملاقات کے لئے آنے لگے جن میں سے پیر سراج الحق نعمانی بھی تھے جو سرساوہ ضلع سہارنپور کے ایک مشہور سجادہ نشین خاندان میں سے تھے اور خود بھی پیر تھے۔ چودھری رستم علی صاحب جو محکمہ پولیس میں ملازم تھے اور مدار ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے براہین احمدیہ پڑھ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے بہت متقی انسان تھے۔ مولوی عبداللہ سنوری صاحب جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اپنے ماموں مولوی محمد یوسف صاحب سے جو ایک نہایت عالم باعمل انسان تھے حضرت اقدس کی تعریف سُن کر حاضر ہوئے تو دل واپس جانے کو نہ چاہا اور حضرت کی خدمت میں رہ کر براہین احمدیہ جلد چہارم کی طباعت کے کام میں حصہ لیتے رہے اور اس طرح حضرت کی خدمت کا اُنہیں اچھا موقع مل گیا۔ بہت اخلاص رکھتے تھے۔ اسی طرح حافظ حامد علی قادیان حاضر ہوئے تو حضور کی ملازمت میں ہی عمر صرف کر دی۔ لدھیانہ کے بزرگوں کا میں ذکر کر ہی چکا ہوں میر عباس علی صاحب لدھیانوی۔ خواجہ علی صاحب۔ مولوی عبدالقادر صاحب۔ نواب محمد علی خاں صاحب رئیس جھجر۔ صوفی احمد جان صاحب و دیگر بزرگان سب حضور کی زیارت کے دن رات شائق اور آپ کی صحبت کو مغتنمات میں سے سمجھتے تھے ۔

مولوی نورالدین صاحب کی آمد انہی ایام میں ایک ایسے بزرگ نے آپ کی طرف رجوع کیا جو بین الاقوامی شہرت

رکھتے تھے جن کا نام نامی علامہ حافظ حاجی مولانا نورالدین صاحب تھا۔ آپ بھیرہ کے رہنے والے تھے اور ریاست جموں میں شاہی طبیب کے عہدہ پر ملازم تھے۔ قرآن اور حدیث اور فقہ اور تصوف اور فلسفہ غرضکہ علم منقول ومعقول کے ایک عالم متبحر اور فاضل بے بدل تھے۔ قرآن کریم سے عشق تھا۔ اور تمام مذاہب عالم پر بڑی وسیع نظر تھی۔ عیسائی۔ آریہ۔ دہریہ۔ سکھ۔ برہمو مسلمان ہر ایک مذہب کے آدمی اُن کی مجلس میں نظر آتے تھے اور ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے اور آپ وہ وہ لطائف وحقائق ان میں پیدا کرتے کہ عقل حیران رہ جاتی جموں میں ایک مرتبہ ایک دہریہ سے گفتگو تھی وہ بڑی شوخی سے کہنے لگا کہ یہ جتنے انبیاء گزرے ہیں پرانے زمانہ میں گزرے ہیں جب لوگ زیادہ عقلمند نہ تھے اسلئے بہ وجہ کم عقلی کے اُن لوگوں سے اُنہوں نے منوالیا کہ خدا ہم سے بولتا ہے۔ آج یہ ڈھونگ نہیں چل سکتا۔ آج اس علم اور عقل کے زمانہ میں کوئی یہ منوا کے دکھائے کہ خدا مجھ سے بولتا ہے تو ہم جانیں۔ اِدھر وہ تو یہ کہہ کے چلتا ہوا۔ اُدھر حضرت مولوی صاحب نے ایک دوا جو عطار کی دوکان سے منگوائی اس نے جس کاغذ میں دوا رکھ کر بھیجی وہ براہین احمدیہ کا اشتہار تھا۔ آپ کی نظر جو اُس کے عنوان پر پڑی تو آپ فوراً اس سارے اشتہار کو پڑھ گئے۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اشتہار دینے والا مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کو صداقت اسلام کی تائید میں بڑے زور سے پیش کر رہا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس معاملہ میں ایک صاحب حال اور صاحب تجربہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ آپ نے فوراً براہین احمدیہ کے جو حصے چھپ چکے تھے وہ سب منگوائے اور اُنہیں مطالعہ کرتے ہی آپ تو کتاب اور مصنف دونو پر عاشق ہوگئے۔ اتنے بڑے عالم باعمل کو اُس میں وہ نور نظر آیا جس کی اُسے عرصہ سے تلاش تھی۔ آپ فوراً حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے چل پڑے۔ اور آپ نے اُس دہریہ کو بلوایا اور وہ کتاب اُس کے آگے پیش کی اور فرمایا لیجئے اس علم وعقل کے زمانہ میں ایک شخص مدعی ہے کہ خدا اُس سے بولتا ہے اور وہ اعلان کرتا ہے کہ اگر طالب حق ایک سال اُس کے پاس آکر قادیان رہے تو وہ نشانات سماویہ کا مشاہدہ بھی کرا سکتا ہے ورنہ وہ تاوان بھرنے کو تیار ہے۔ آپ میں اگر طلب حق ہے تو میرے ساتھ قادیان تشریف لے چلئے اخراجات میرے ذمہ سہی۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں وہ بھاگ گیا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مولانا نورالدین صاحب قادیان روانہ ہوگئے۔ اُس زمانہ میں قادیان چنداں مشہور مقام نہ تھا۔ بٹالہ سے ایک یکہ والہ کو کہا کہ قادیان مرزا صاحب کے مکان پر لے چلو۔ یکہ بان اور ہمچو قسم بازاری لوگوں کے ملجا و ماویٰ مرزا امام الدین صاحب تھے وہ سید ھا مرزا امام الدین صاحب کے مکان پر لے گیا۔ آگے مرزا امام الدین اپنی حویلی کے پھاٹک میں بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ اس یکہ والے نے بتایا کہ وہ سامنے

مرزا صاحب بیٹھے ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ مرزا امام الدین کی شکل دیکھ کر مجھے اسقدر نفرت ہوئی کہ اُس یکہ والے سے کہا کہ ٹھیرو ہم ابھی واپس جائیں گے۔ اور دل کو اسقدر انقباض اور رنج اور حیرانی و پریشانی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ بار بار یہ خیال سو ہانِ رُوح بن گیا کہ خدایا اُس عظیم الشان کتاب کا مصنف کیا یہی شخص ہے۔ ہمارا ساری عمر کا تجربہ اور فراست مومنانہ خاک میں مل گئی۔ یہ بنا کیا۔ خیر میں آگے بڑھ کر اس مجلس میں گیا۔ لیکن میرے دل پر ایسا اثر تھا کہ میں جا کر بغیر سلام کے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ مرزا امام الدین نے میرا نام پوچھا میں نے بتایا تو وہ سمجھ گیا۔ کہنے لگا آپ شاید مرزا صاحب کو ملنے آئے ہیں۔" تب میری جان میں جان آئی کہ یہاں کوئی اور مرزا صاحب بھی ہیں۔ پھر مرزا امام الدین نے ایک آدمی میرے ساتھ کر دیا جو مجھے مسجد مبارک میں پہنچا گیا۔ حضرت اقدس اندر تشریف رکھتے تھے اور براہین احمدیہ کی غالباً چوتھی جلد لکھنے میں مصروف تھے۔ خادم نے مولانا صاحب کو ٹھیرایا اور بتایا کہ حضرت اقدس ظہر کے وقت باہر تشریف لائیں گے۔ ظہر کے وقت ملاقات ہوئی تو مولوی صاحب کے دل کا کنول کھل گیا۔ حضرت کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی دل بول اُٹھا کہ یہ جھوٹے کا منہ نہیں۔ اور اللہ کا شکر کیا کہ جس مرد کامل کی مجھے مدت سے تلاش تھی جو اس پُر آشوب زمانہ کے فتنوں کا مقابلہ کر سکے اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کر کے دکھا سکے اُس سے خدا نے مجھے ملا دیا۔ مولوی شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اقدس نے کہیں لکھا ہے کہ میں دعا کیا کرتا تھا کہ خدا مجھے موسیٰ کی طرح ہارون عطا کرے۔ پھر جب مولوی صاحب آئے تو میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ھٰذا دعائی۔ یعنی اس میری دعا کا مصداق یہی شخص ہے۔ الغرض دو نو بزرگوں نے اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کو پہچان لیا کہ مجھے اسی کی ضرورت تھی۔ مثل ہے کہ ولی را ولی مے شناسد۔ اس کے بعد دو نو صاحبوں میں کیا کیا باتیں ہوئیں اس کا تو ہمیں علم نہیں۔ البتہ اتنا پتہ ہے کہ صبح کی سیر کے وقت مولوی نور الدین صاحب نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے دریافت کیا کہ حضور کیا وجہ ہے کہ ابو ہریرہ کو آپ کی اتنی حدیثیں یاد تھیں؟ آپ اس کی وجہ میرے کان میں بتانے کے لئے آگے کو جھکے اور میں ہمہ تن گوش تھا کہ کسی نے مجھے جگا دیا۔ اور بات بیچ میں ہی رہ گئی۔ اُس وقت سے یہ خلش ہے کہ وہ کیا وجہ تھی جسے میرے کان میں حضور صلعم بتانا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ہم از آفتاب مستم ہم از آفتاب گویم

میں جو کچھ بتانے لگا ہوں یہ علم بھی اُسی جناب سے بطور فیض حاصل شدہ ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے کان میں جو وجہ بتانا چاہتے تھے وہ آیت لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْن تھی۔ خدا کی باتیں ہوں یا رسول کی باتیں ہوں اُن کا تعلق کسی انسان سے تبھی ہوتا ہے جب اس کے اندر طہارت باطنی موجود ہو۔ اصل چیز تقویٰ وطہارت ہی ہے اسی سے خدا اور رسول کی باتیں انسان کے اندر گھر کر جاتی ہیں" خیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ آپ میری بیعت لے لیں۔ فرمایا کہ مجھے ابھی تک بیعت لینے کا حکم نہیں اس لئے بیعت نہیں لے سکتا۔ میرا معاملہ گدی نشینوں کا سا نہیں ہے۔ میں جناب الٰہی کے حکم کے بغیر اس معاملہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ مولانا نے عرض کیا پھر یہ وعدہ فرمائیں کہ جب بیعت لینے کا حکم ہو تو سب سے پہلے میری بیعت لی جائے آپ نے اس بات کا وعدہ فرمایا۔ مولانا تو جموں چلے آئے مگر خط وکتابت جاری رہی چنانچہ ایک مرتبہ ۱۸۸۸ء میں حضرت مولانا نورالدین صاحب بیمار ہوئے تو حضرت صاحب انکی عیادت کیلئے جموں تشریف لے گئے۔

سرخ چھینٹوں کا نشان ۱۸۸۷ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ رمضان کی ستائیسویں تاریخ اور جمعہ کا روز تھا۔ نماز فجر کے بعد حضرت اقدس ایک چارپائی پر جس پر نہ بستر تھا نہ تکیہ۔ مسجد مبارک کے اس کمرہ میں لیٹے ہوئے تھے جو مسجد مبارک کے مشرق کی طرف تھا اور جس میں بعد میں مولوی محمد علی صاحب کا دفتر بنا۔ نیا پلستر ہوا تھا اس لئے ٹھنڈا تھا۔ سر کے نیچے بجائے تکیہ کے آپ کا ہی بازو تھا۔ مولوی عبداللہ سنوری صاحب آپ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے رویا میں دیکھا جیسے ایک وسیع اور صاف مکان ہے اُس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے اور اُس پر ایک شخص حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ احکم الحاکمین رب العالمین ہے۔ اور اُس وقت میں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا تھا کہ جیسے کوئی حاکم کا سررشتہ دار ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں دشمنان اسلام میں اور ہم میں جو جھگڑا چل رہا ہے اُس کی مسل جناب الٰہی میں پیش کرنے کے لئے میں جو نزدیک گیا تو انہوں نے نہایت شفقت سے مجھے اپنے پاس پلنگ پر بٹھالیا۔ اسوقت مجھ پر سخت رقت طاری ہوئی کہ اللہ اللہ کس قدر شفقت اور رحم ہے کہ اپنے پاس بٹھالیا ہے۔ پھر جناب الٰہی نے سُرخ سیاہی میں قلم ڈبو کر اُس مسل پر دستخط کئے۔ مگر دستخط کرنے سے قبل قلم کو جو جھاڑا تو اُس سے سُرخ چھینٹے نکل کر میرے کرتے پر پڑے۔ معاً آنکھ کھل گئی، اور حیرت یہ کہ وہ سُرخ چھینٹے اُسی طرح جس طرح عالم رویا میں آپ کے کُرتہ پر پڑے تھے عالم بیداری میں بھی آپ کے کرتے پر پڑے ہوئے تھے اور ابھی وہ سُرخ قطرے خشک نہ ہوئے تھے بلکہ گیلے تھے۔ مولوی عبداللہ سنوری صاحب نے غل مچایا کہ ہیں یہ سُرخ چھینٹے کہاں سے آکر پڑے۔ ابھی تازہ بتازہ آپ کے کرتہ پر

پڑے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے یہ رویا سنائی اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آجکل آریوں سے ہماری بحث اس پر چل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ سو ہمارے خدا نے جو قادر مطلق ہے ہمارا یقین پختہ کرنے کے لئے یہ تازہ نشان نمائی فرمائی ہے کہ نیست سے ہست کر کے دکھا دیا۔ اس پر مولوی عبداللہ سنوری صاحب نے درخواست کی کہ یہ کرتہ جو اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے مجھے دیدیا جائے۔ آپ نے وہ کرتہ اُن کو دیدیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اُن کے ساتھ ہی وہ دفن ہو جائے۔ مبادا بعد میں عوام اس کی پرستش کرنے لگ جائیں یا کسی شرک کے مرتکب ہو جائیں چنانچہ حال ہی میں مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی وفات پر وہ کرتہ اُن کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ اللہ اللہ توحید الٰہی کا کس قدر آپ کو خیال تھا کہ اُس کرتے کو دفن کروانے کا اقرار لے لیا تب دیا مبادا کہ لوگ شرک کے مرتکب ہو جائیں۔

نکاح ثانی

حضرت اقدس کی والدہ محترمہ کی وفات کے بعد جو ۱۸۶۸ء میں ہوئی گھر میں آپ کی بڑی بھاوج مرزا غلام قادر صاحب کی اہلیہ کا ہی اقتدار اور عمل دخل تھا۔ آپ کے والد صاحب کی وفات کے بعد وہ بالکل ہی سارے گھر پر چھا گئیں۔ اُنہیں حضرت اقدس سے للّٰہی بغض تھا جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ مرزا امام الدین کی ہمشیرہ تھیں جو حضرت اقدس کا بڑا دشمن اور سخت بیدین اور دہریہ تھا۔ اپنے بچوں کے مرجانیکے بعد آپکی بھاوج نے آپکے صاحبزادہ مرزا سلطان احمد کو قابو کیا۔ اُنہیں اپنا بیٹا بنایا اور حضرت اقدس کی زوجۂ محترمہ کو جو بالکل ایک سیدھی سادی خاتون تھیں اور اپنے نفع نقصان کی زیادہ سمجھ نہ رکھتی تھیں اپنے زیر اثر لا کر ایسے اُن کے کان بھرے کہ خاوند سے اُنہیں توڑ لیا۔ حضرت صاحب شب و روز اسلام کی تائید میں مضامین نویسی اور براہین احمدیہ کی تصنیف میں منہمک تھے اس لئے زنانخانہ میں جانے کا کم موقعہ ملتا تھا جس سے آپ کی بھاوج کو موقعہ مل گیا۔ اُنہوں نے آپ کی زوجۂ محترمہ کے ساتھ فرضی خیر خواہیاں جتا جتا کر ایسے اُن کے کان بھرے کہ اُنہیں خاوند سے بیزار کر کے چھوڑا۔ اور عملاً الگ کرا کے اپنی طرف لے گئیں۔ یہاں تک کہ نوبت بایں جا رسید کہ حضرت کی زندگی ایک تجرد کی زندگی بنکر رہ گئی۔ اب وقت آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو مجدد اور مامور کے منصب پر کھڑا کر کے اُن سے خدمت دین کا کام لے اور اُن کے ذریعہ ایک جماعت خدمات دینیہ کے لئے بنا دے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے گھر میں بی بی ہو۔ کیونکہ نہانوں میں مردوں نے بھی آنا تھا اور عورتوں نے بھی۔

اور جب تک آپ کے گھر میں بی بی نہ ہوتی جو مہمان مستورات کی مہمانداری کرتی کس طرح کام چلتا۔ ایک مجرد آدمی کے گھر میں خواہ وہ کتنا ہی متقی کیوں نہ ہو۔ شریف مستورات آ نہیں سکتیں۔ اسلئے ضروری تھا کہ آپ نکاح ثانی کرتے۔ چنانچہ مجددیت کے منصب پر کھڑا ہونے سے قبل آپ کو الہام کے ذریعہ نکاح ثانی کی طرف توجہ دلائی گئی لیکن آپ کی حالت یہ تھی کہ کل جائداد پر بڑے بھائی کا قبضہ تھا یہاں تک کہ روٹی بھی بھاوج کے رحم پر موقوف تھی۔ اور آپ کسی معاملہ میں دخل دینا چاہتے نہ تھے۔ اور جھگڑ کر لینا آپ کی عادت نہ تھی۔ آپ ان باتوں سے بہت بلند و برتر تھے۔ اس لئے نکاح ثانی کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ لیکن الہام تھا کہ "ہر چہ باید تو عروسی را ہمہ سامان کنم"، یعنی نکاح ثانی کا سامان کرنے کا جناب الٰہی کی طرف سے وعدہ تھا۔ ۱۸۸۳ء میں جب آپ کے بھائی مرزا غلام قادر صاحب فوت ہو گئے اور نصف جائداد کی آمدنی آپ کو ملنے لگی تو پھر آپ نے اپنے بھائی کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد نومبر ۱۸۸۴ء میں اسی الہام الٰہی کے ماتحت میر ناصر نواب صاحب کی صاحبزادی نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے شادی کر لی۔ میر ناصر نواب صاحب دہلی کے ایک مشہور خاندان سادات میں سے تھے۔ اور حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے نواسے تھے جو دہلی میں ایک مشہور صوفی اور شاعر بزرگ گزرے ہیں میر ناصر نواب صاحب محکمہ نہر میں سب اوورسیر تھے۔ قادیان والی نہر کھُدرہی تھی اس سلسلہ میں آپ متعین ہو کر وہاں آئے تھے۔ اور تتلہ ایک گاؤں جو نہر کے نزدیک تھا وہاں بعہ اہل و عیال کے ٹھیرے تھے۔ قادیان بھی نزدیک تھا اور مرزا غلام قادر صاحب یعنی حضرت اقدس کے بڑے بھائی بھی ابتدا میں محکمہ نہر میں ہی ملازم تھے ان سے میر صاحب کا بہت میل جول تھا۔ میر ناصر نواب صاحب کی اہلیہ محترمہ کی زبانی اس شادی کے واقعات سیرۃ المہدی حصّہ دوم سے مَیں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اپنے نواسہ مرزا بشیر احمد صاحب کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:۔

"جب تمہارے نانا جان (یعنی میر ناصر نواب صاحب) کی اس نہر کے بنوانے پر ڈیوٹی لگی جو قادیان سے غرب کی طرف دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر سے گزرتی ہے تو اس وقت تمہارے تایا مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ اُن کا کچھ تعارف ہو گیا۔ اور اتفاق سے مَیں اُن دنوں کچھ بیمار ہوئی تو تمہارے تایا صاحب نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد صاحب بہت ماہر طبیب ہیں آپ ان سے علاج کرائیں۔ چنانچہ تمہارے نانا مجھے ڈولے میں بٹھا کر قادیان لائے جب مَیں یہاں آئی تو نیچے کی منزل میں تمہارے تایا مجلس لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور کچھ لوگ اُن کے آس پاس بیٹھے تھے اور ایک نیچے کی کوٹھڑی میں تمہارے ابا (یعنی حضرت اقدس مرزا صاحب) ایک کھڑکی کے پاس

بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور اُوپر کی منزل میں تمہارے دادا صاحب (یعنی مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) تھے۔ تمہارے دادا نے میری نبض دیکھی۔ اور ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور پھر میر صاحب کے ساتھ اپنے دلی جانے اور وہاں حکیم محمد شریف صاحب سے علم طب سیکھنے کا ذکر کرتے رہے اس کے بعد میں جب دوسری دفعہ قادیان آئی تو تمہارے دادا فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی برسی کا دن تھا جو قدیم رسوم کے مطابق منائی جا رہی تھی۔ چنانچہ ہمارے گھر بھی بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا۔ اس دفعہ تمہارے تایا نے میر صاحب سے کہا کہ آپ تتلہ میں رہتے ہیں جہاں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ اور وہ گاؤں بھی بدمعاش لوگوں کا گاؤں ہے بہتر ہے کہ آپ یہاں ہمارے مکان میں آجائیں۔ میں گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد (یعنی حضرت اقدس) بھی گھر میں بہت کم آتا ہے اس لئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہیں ہوگی۔ چنانچہ میر ناصر نواب صاحب نے مان لیا اور ہم یہاں آکر رہنے لگے۔ اُن دنوں میں جب بھی تمہارے تایا گورداسپور سے قادیان آتے تھے تو ہمارے لئے پان لایا کرتے تھے اور میں اُن کے واسطے کوئی اچھا کھانا وغیرہ تیار کر کے بھیجا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جو میں نے شامی کباب اُن کیلئے تیار کئے اور بھیجنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں جس پر مجھے خیال آیا کہ کباب تو طیار ہی ہیں میں اُن کے چھوٹے بھائی کو بھجوا دیتی ہوں۔ چنانچہ میں نے نائن کے ہاتھ تمہارے ابا (یعنی حضرت اقدس) کو کباب بھجوا دیئے اور نائن نے مجھے آکر کہا کہ وہ بہت ہی شکر گزار ہوئے تھے۔ اور اُنہوں نے بڑی خوشی سے کباب کھائے اور اُس دن انہوں نے اپنے گھر سے آیا ہوا کھانا نہیں کھایا۔ اس کے بعد میں ہر دوسرے تیسرے اُن کو کچھ کھانا بنا کر بھیجا کرتی تھی۔ اور وہ بڑی خوشی سے کھاتے تھے۔ لیکن جب اس بات کی اطلاع تمہاری تائی (مرزا غلام قادر صاحب کی بیوی) کو ہوئی تو اُنہوں نے بہت بُرا منایا کہ میں کیوں اُن کو کھانا بھیجتی ہوں۔ کیونکہ وہ اُس زمانہ میں تمہارے ابا کی سخت مخالف تھیں اور چونکہ گھر کا سارا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا وہ ہر بات میں اُنہیں تکلیف پہنچاتی تھیں۔ مگر تمہارے ابا صبر کے ساتھ ہر بات کو برداشت کرتے تھے۔ ان دنوں میں گو میر صاحب کا زیادہ تعلق تمہارے تایا سے تھا مگر وہ کبھی کبھی گھر میں آکر کہتے تھے کہ مرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی ہے۔ اس کے بعد ہم رخصت پر دہلی گئے اور چونکہ تمہاری اماں اس وقت جوان ہو چکی تھیں ہمیں ان کی شادی کا فکر پیدا ہوا۔ اور میر صاحب نے ایک خط تمہارے ابا کے نام لکھا کہ مجھے اپنی لڑکی کے واسطے بہت فکر ہے آپ دعا کریں کہ خدا کسی نیک آدمی

کے ساتھ تعلق کی صورت پیدا کر دے۔ تمہارے ابا نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں خود شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ گو میری پہلی بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں مگر آجکل میں عملاً مجرد ہی ہوں۔ وغیر ذٰلک۔ میر صاحب نے اس ڈر کی وجہ سے کہ میں اُسے بُرا مانوں گی مجھ سے اُس خط کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس عرصہ میں اور بھی کئی جگہ سے تمہاری اماں کے لئے پیغام آئے لیکن میری کسی جگہ تسلی نہیں ہوئی حالانکہ پیغام دینے والوں میں بعض اچھے اچھے متموّل آدمی بھی تھے۔ اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ تمہارے نانا کے بہت تعلقات تھے۔ انہوں نے کئی دفعہ تمہارے ابا کیلئے سفارشی خط لکھا اور بہت زور دیا کہ مرزا صاحب بڑے نیک اور شریف اور خاندانی آدمی ہیں مگر میری یہاں بھی تسلی نہ ہوئی کیونکہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا۔ دوسرے ان دنوں میں دہلی والوں میں پنجابیوں کے خلاف بہت تعصّب ہوتا تھا۔ بالآخر ایک دن میر صاحب نے ایک لدھیانہ کے باشندہ کے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار کی درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی اسے رشتہ دیدو۔ میں نے اُس کی ذات وغیرہ دریافت کی تو مجھے شرح صدر نہ ہوا، اور میں نے انکار کیا جس پر میر صاحب نے ناراض ہو کر کہا کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے کیا ساری عمر اُسے یونہی بٹھا چھوڑو گی۔ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔ میر صاحب نے جھٹ ایک خط نکال کر میرے سامنے رکھ دیا کہ لو پھر مرزا غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ اچھا پھر غلام احمد کو لکھ دو۔ چنانچہ تمہارے نانا جان نے اُسی وقت قلم دوات لیکر خط لکھ دیا اور اُس کے آٹھ دن بعد تمہارے ابا دہلی پہنچ گئے۔ اُن کے ساتھ ایک دو نوکر تھے۔ اور بعض ہندو[۵۱] اور مسلمان ساتھی تھے۔ جب ہماری برادری کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر پنجابی کو رشتہ دیدیا ہے۔ اور کئی لوگ اُن میں سے اسی ناراضگی میں نکاح میں شامل بھی نہیں ہوئے۔ مگر ہم نے فیصلہ کر لیا ہوا تھا نکاح پڑھا کر رخصتانہ کر دیا۔ تمہارے ابا اپنے ساتھ کوئی زیور یا کپڑا وغیرہ نہیں لے گئے تھے بلکہ صرف اڑھائی سو روپیہ نقد لیگئے تھے۔ اس پر بھی برادری والوں نے بہت طعنے دیئے کہ اچھا نکاح ہوا ہے کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا۔ جس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ مرزا صاحب کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں اُن کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں اس حالت

[۵۱] براتیوں میں لالہ ملاوامل بھی تھے۔ [۵۲] نکاح مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے پڑھا تھا۔

میں وہ زیور کپڑے کہاں سے بنوا لاتے۔ الغرض برادری کی طرف سے اس قسم کے طعن و تشنیع بہت ہوئے۔ اور مزید برآں یہ اتفاق ہوا کہ جب تمہاری اماں قادیان آئیں تو یہاں سے اُن کے خط گئے کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شائد میں اسی غم اور گھبراہٹ سے مرجاؤں گی چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقعہ مل گیا اور بعض نے کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں خراب کی۔ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرائے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ کے بعد میر صاحب قادیان آکر تمہاری اماں کو لے گئے جب وہ دہلی پہنچی تو میں نے اُس عورت سے پوچھا جس کو میں نے دلی سے ساتھ بھیجا تھا کہ لڑکی کیسی رہی اُس نے تمہارے ابا کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو ان کو بہت اچھی طرح سے رکھا ہے اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں یوں ہی گھبرا گئی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد تمہاری اماں پھر قادیان گئیں اور پھر بہت عرصہ کے بعد ہمارے پاس گئیں"۔

مذکورہ بالا واقعہ میں دو تین باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:-

(۱) ایک تو آپ کے نکاح کی سادگی کہ نہ دھوم نہ دھڑکا نہ کوئی رسم نہ رواج۔ نہ کوئی زیور نہ کپڑا۔ اڑھائی سو روپے نقد جا کر رکھ دیئے کہ اس میں جو مرضی چاہے اپنی پسند کا زیور کپڑا بنوا لو۔

(۲) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی میر ناصر نواب صاحب کو اس رشتہ کیلئے سفارش کرتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب کے تقویٰ اور نیکی اور شرافت کی بے انتہا تعریف کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جو لڑکپن سے آپ کا واقف تھا۔ بعد میں آپ کے دعوئے مسیحیت کے بارے میں اس شخص نے مخالفت کی انتہا کر دی۔ مگر اپنی ان شہادتوں کا انکار نہ کر سکا۔

(۳) میر ناصر نواب صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ خود حضرت اقدس کے گھر میں رہ کر گھر کا سب رنگ ڈھنگ دیکھ گئی تھیں۔ حضرت صاحب کی پہلی بی بی کو بھی دیکھ گئی تھیں۔ اُن کا برتاؤ اپنے شوہر کے ساتھ اور حضرت صاحب کا سلوک بھی دیکھ گئی تھیں۔ عورتیں ان معاملات میں بہت حساس ہوتی ہیں۔ اگر انہیں ذرا سا بھی شک پڑتا کہ آپ کا سلوک اپنی پہلی بی بی سے اچھا نہیں ہے تو وہ ہرگز اپنی لڑکی آپ کو نہ دیتیں۔ حضرت صاحب میں کوئی خاص کشش ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے کوئی شریف آدمی اپنی لڑکی سوکن پر دیدیتا۔ سوائے نیکی اور تقویٰ کے۔ بلکہ اس کے خلاف موانعات

موجود تھے یعنی آپ کی عمر زیادہ تھی پچاس کے لگ بھگ تھی اور دولتمندی کا نشان بھی نہ تھا۔ خود میرزا صفر نواب صاحب اور اُن کی اہلیہ محترمہ گھر کی عورتوں کا سلوک آپ کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی گئے تھے۔ تو سوائے اس کے اور کیا وجہ اس رشتہ کی ہو سکتی ہے کہ میر صاحب اور انکی بیگم صاحبہ نے آپ کی نیکی اور تقوی کو دیکھا مگر ایک عورت کی نگاہ میں کسی مرد کے نیکی اور تقوی کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی اگر اُس کا سلوک اپنی بی بی سے اچھا نہ ہو۔ میر صاحب کی بی بی خود حضرت صاحب کے گھر میں رہ کر سب حالات خانگی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں۔ اگر انہیں ذرا بھی شک پڑ جاتا کہ حضرت صاحب کا سلوک اپنی بی بی سے اچھا نہیں ہے تو وہ تو اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جاتی تب بھی حضرت صاحب کے تقوی کی قائل نہ ہو سکتی تھیں۔ اور اندریں حالات اپنی بیٹی کا رشتہ کبھی بھی اُن سے نہ کر سکتی تھیں۔ اور اُن پر کیا موقوف ہے کوئی شریف آدمی بھی اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ ایک شخص کا پہلی بیوی سے سلوک اچھا نہیں ہے اپنی لڑکی کو اُس شخص سے بیاہ نہیں سکتا۔ اور پھر اس حالت میں کہ پہلی بی بی بھی سولہ آنے موجود ہو اور صاحب اولاد ہو۔ یہ تو جان بوجھکر کنوئیں میں دھکا دینا ہوا۔ بعض احمق دولت کو دیکھ کر ایسا کر گزرتے ہیں۔ مگر حضرت صاحب کے پاس تو کوئی دولت بھی نہ تھی جس کی کشش سمجھی جاتی۔ بلکہ اس کے خلاف اس وقت مالی تنگی تھی۔ لے دیکے نیکی اور تقوی تھا تو وہ شخص متقی ہی کیسے سمجھا جا سکتا ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے ہی برا ہو۔ سلوک نیک تھا یا بُرا وہ سب میر صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کے سامنے تھا کوئی بات مخفی نہ تھی۔ اس گھر کے اندر وہ کر تمام معاملات اُن کے پیش نظر ہو چکے تھے۔ اگر ذرا سا بھی شائبہ کسی قسم کی بدسلوکی کا حضرت صاحب کی طرف سے اپنی پہلی بی بی کے ساتھ ہوتا تو پھر یہ ناممکن امر تھا کہ میر صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ صاحب اولاد سوکن پر اپنی لڑکی کا رشتہ دیدیتے۔

حضرت اقدس کا اپنی بیبیوں سے اعلیٰ درجہ کا سلوک

حضرت اقدس بی بی سے نہایت اعلیٰ سلوک کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے لیکن میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ جب سے آپ کی بھاوج نے مرزا سلطان احمد صاحب کو اپنا بیٹا بنایا تھا آپ کی پہلی بی بی یعنی سلطان احمد کی والدہ اُن کے بہت زیر اثر آگئی تھیں اور اُن کے رات دن کے کان بھرتے رہنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ آپ سے الگ ہو کر انہی کے ساتھ رہنے لگی تھیں اور حضرت اقدس عملاً تجرد کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کو اگر ذرا بھی امید ہوتی کہ یہ گتھی سلجھ جائے گی تو آپ دوسرا نکاح ہرگز نہ کرتے۔ اِدھر سے مایوس ہو کر ہی آپ کو نکاح ثانی کرنا پڑا۔ اور الہام الٰہی نے بھی اسی طرف رہنمائی کی کہ آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ پس جب آپ نے دوسری شادی کر لی تو اپنی پہلی بی بی کو کہلا بھیجا کہ اب تک

تو خیر جس طرح بھی ہوا نبھ گئی۔ اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اب اگر میں دونوں سے برابر کا برتاؤ نہ کروں تو گنہگار ہوں گا۔ اگر تم نے الگ ہی رہنا ہے تو پھر یا تو طلاق لیلویا اپنے حقوق زوجیت چھوڑ دو۔ ان بیوی صاحبہ نے کہلا بھیجا کہ طلاق تو خیر کیا لوں گی البتہ میں اپنے حقوق زوجیت کو چھوڑتی ہوں۔

حضرت مرزا صاحب کی اولاد

پہلی بی بی سے اولاد حضرت اقدس مرزا صاحب کی اولاد پہلی بی بی سے فقط دو لڑکے تھے سب سے بڑے مرزا سلطان احمد تھے جو ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۱ء میں فوت ہوئے۔ دوسرے لڑکے کا نام مرزا فضل احمد تھا جو غالباً ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں فوت ہو گئے۔[1]

دوسری بی بی سے اولاد دوسری بی بی سے دس اولاد ہوئی پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں۔ ان میں سے پانچ نے وفات پائی اور پانچ زندہ ہیں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

(۱)۔ عصمت۔ یہ لڑکی ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۱ء میں فوت ہو گئی۔

(۲)۔ بشیر احمد اوّل۔ یہ لڑکا ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا۔

(۳)۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد۔ یہ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ اور زندہ موجود ہیں۔

(۴)۔ شوکت۔ یہ لڑکی ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۲ء میں فوت ہو گئی۔

(۵)۔ مرزا بشیر احمد۔ یہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ اور زندہ موجود ہیں۔

(۶)۔ مرزا شریف احمد۔ یہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ اور زندہ موجود ہیں۔

(۷)۔ مبارکہ بیگم۔ یہ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئیں۔ اور زندہ موجود ہیں۔

(۸)۔ مبارک احمد۔ یہ ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گئے۔

(۹)۔ امۃ النصیر۔ یہ لڑکی ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئی اور اسی سن میں فوت ہو گئی۔

(۱۰)۔ امۃ الحفیظ۔ یہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئیں۔ اور زندہ موجود ہیں۔

ایک عظیم الشان لڑکے کی بشارت

ایک عظیم الشان لڑکے کی ولادت کا اشتہار ۱۸۸۶ء میں حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان لڑکے کی بشارت دی گئی جو اپنی ظاہری اور باطنی۔ دنیوی اور روحانی شان و شوکت

[1] مجھے کی ولادت اور وفات کا سن یقینی طور پر نہ مل سکا لیکن یہ تخمینہ مختلف واقعات سے بطور نتیجہ کیا ہے اور درست معلوم ہوتا ہے۔ (مؤلف)

میں بہت عظیم الشان مرتبہ کا صاحب ہونیوالا تھا چنانچہ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ نے ایک اشتہار کے ذریعہ اس پیشگوئی کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی اُس کا ایک پُراسرار لیکن نہایت ضروری نشان یہ بتلایا کہ وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔ مَیں نے پُراسرار اس لئے کہا کہ یہ امر آجتک کسی شخص پر نہیں کھلا کہ "تین کو چار کرنے" کا مطلب کیا ہے۔ اپنے وقت پر ہی کھُلیگا یعنی جب وہ موعود لڑکا پیدا ہوگا۔ اور خدا کی طرف سے اصلاح خلق اور خدمت دین کیلئے کھڑا ہوگا تو غالباً وہ آپ ہی اس راز سربستہ پر سے پردہ اُٹھائے گا۔ اس سے قبل سب قیاس ہی قیاس ہے۔ خیر قصّہ مختصر یہ کہ وہ اشتہار شائع ہوگیا۔ اتفاق سے بیوی صاحبہ یعنی آپ کی حرم ثانی ان دنوں حاملہ تھیں چنانچہ اسی سال ۱۸۸۶ء میں اُس حمل سے ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام عصمت رکھا گیا۔ اس کی پیدائش پر مخالفوں کی طرف سے ایک طوفانِ بے تمیزی اُٹھا اور طرح طرح سے ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا کہ پیشگوئی لڑکے کی تھی ہوگئی لڑکی۔ دشمنانِ اسلام کا تو کام ہی اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا۔ مگر اس میں لدھیانہ اور امرتسر کے وہ حاسد مولوی بھی شامل ہوگئے جو ناحق اور ناروا طور پر حضرت سے بغض رکھتے تھے۔ حضرت صاحب نے اعلان کیا کہ مَیں نے کب کہا تھا کہ وہ لڑکا اسی حمل سے پیدا ہوگا۔ یہ زبردستی ہے کہ پہلے سے ہی فرض کر لیا کہ وہ لڑکا اسی حمل سے ہوگا۔ وہ لڑکی آخر کار ۱۸۹۱ء میں بمقام لدھیانہ ہیضہ سے فوت ہوگئی +

بشیر احمد اوّل کی ولادت اور وفات

اُس عظیم الشان موعود لڑکے کے پیدا ہونے کے صحیح وقت کا تو اللہ تعالیٰ کو ہی علم تھا کیونکہ بجز الہام کے کوئی شخص کسی صحیح نتیجہ پر اپنے قیاس سے نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لڑکے سے مراد پہلی نسل میں ہی لڑکا ہو یا دوسری یا تیسری یا چوتھی نسل میں لڑکا ہو اور تین کو چار کرنے سے مراد یہی ہو کہ وہ چوتھی نسل میں ہوگا۔ یا لڑکے سے کوئی روحانی طور پر لڑکا مراد ہو۔ ان باتوں کا تو اللہ تعالیٰ کو ہی علم تھا۔ اور ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی مقرب الٰہی بلکہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی پیشگوئی کی تفہیم میں قبل از وقت فقط اجتہاد سے ہی کام لیتا ہے جو ممکن ہے صحیح ہو اور ممکن ہے غلط ہو۔ بڑے بڑے انبیا کو اجتہادی غلطی لگ جانا ممکن ہے تو حضرت مرزا صاحب کو اجتہادی غلطی لگ جانا کوئی مستبعد امر نہ تھا۔ حضرت نبی کریم صلعم نے ہجرت سے پہلے رویا میں دیکھا کہ آپ نے ایک ایسے مقام کی طرف ہجرت کی ہے جو بہت سرسبز ہے۔ آپ نے اُسے یمامہ سمجھا۔ مگر بعد میں وہ مدینہ ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل کے اکثر بزرگوں اور علما نے اجتہاداً آخری نبی موعود کے متعلق یہی سمجھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ اور وہ موسیٰ کے بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل ہی لیتے رہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے پیدا ہوئے۔ اُسوقت پتہ لگا کہ موسیٰ کے بھائیوں سے مراد بنی اسمٰعیل تھے جو بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی تھے۔

پس جس موعود لڑکے کی بشارت حضرت اقدس مرزا صاحب کو دی گئی تھی اُس کے مصداق کے متعلق اگر آپ کو اجتہادی طور پر کوئی غلطی لگ گئی تو اس سے اصل الہام کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ الہام انسانی دماغ کا نتیجہ نہیں۔ الہام جب آخر کار صحیح نکلتا ہے اور اجتہادی غلط ثابت ہوتا ہے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ دونوں کا سرچشمہ ایک نہیں بلکہ مختلف ہے۔ پہلے کا سرچشمہ جناب الٰہی کا علم ہے جو کبھی خطا نہیں جاتا اور دوسرے کا سرچشمہ انسان کا علم ہے جس میں خطا کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ لڑکی کے بعد آپ کے گھر میں ایک لڑکا، اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا جس کا نام آپ نے بشیر احمد رکھا۔ اور آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ وہی لڑکا ہے جس کا وعدہ جناب الٰہی سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس لڑکے کے عقیقہ کی تقریب پر بہت سے دوست باہر سے بھی آئے۔ اور آپ نے اُس کی پیدائش پر ایک اشتہار بھی بعنوان **خوشخبری** شائع کیا۔ لیکن جب اس قدر اعلان و اشتہار ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و مصلحت کے ماتحت ۴ ۱۔ نومبر ۱۸۸۸ء کو اس لڑکے کو وفات دیدی اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ حضرت اقدس کا اجتہاد لڑکے کے بارے میں غلط تھا وہ موعود کوئی اور ہی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں +

اس ابتلا میں آپ کے ایمان اور استقامت کا اعلیٰ نمونہ

دنیا میں معرفت اور تقدیر الٰہی کا علم بہت کم ہے۔ عوام الناس ان باریکیوں کو کیا سمجھیں۔ رہ گئے علماء سو وہ بوجہ تعصب و تنگ نظری ان حقیقتوں سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں نے اس قدر شور و شر کیا اور عیسائیوں اور آریوں اور مخالف مولویوں نے وہ طوفان بے تمیزی مچایا کہ ایک خدا سے تعلق نہ رکھنے والے کا قدم ایسی حالت میں ضرور ڈگمگا جاتا لیکن حضرت اقدس کے حوصلہ اور صبر و استقلال اور رضا بالقضا میں ذرا بھی تو فرق نہیں آیا۔ آپ اُسوقت نفس مطمئنہ کا ایک نمونہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے ایسے راضی تھے جس کی اس زمانہ میں نظیر ملنا مشکل ہے۔ اور کسی مرد خدا کے سچے تعلق باللہ اور اس کے ایمان اور استقامت کا اندازہ اسی قسم کے ابتلاؤں سے ہوا کرتا ہے۔ جب باوجود شدت مخالفت اور حد درجہ کے مخالف حالات پیدا ہو جانے کے اس کے ایمان اور استقامت میں ذرا بھی تو لغزش نہیں آتی۔ بلکہ ان ابتلاؤں میں اس کے صدق اور وفا کا قدم آگے ہی بڑھتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی یہ خارق عادت استقامت اور رضا بالقضا کا نمونہ سب سے بڑھ کر اس کی صداقت پر نشان ہوتا ہے اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک صریح علامت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلا + میگذارد با محبت با وفا

علاوہ ازیں کسی برگزیدہ انسان کی زندگی میں اس قسم کے ابتلاؤں سے جناب الٰہی کا یہ بھی منشا ہوتا ہے کہ اس شخص کے ذریعہ مشیت و تقدیر الٰہی کے علم پر سے جو بہت وسیع اور نمایاں و نمایاں ہے کسیقدر پردہ اُٹھایا جائے اور اس ذریعہ سے لوگوں پر علم و معرفت کے دروازے کھولے جائیں چنانچہ یہی واقعہ یہاں ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت مرزا صاحب کی تقریر و تحریر سے وہ وہ علم و حکمت کے دریا بہے کہ اہل دل اور صاحب فہم لوگوں کو لذت روحانی سے سیراب کر دیا۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے ابتدا میں یہ خیال ہوا تھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے لیکن اس کی وفات سے پہلے آپ کو اپنی اس اجتہادی غلطی کا علم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آپ نے ایک خط حضرت مولانا نورالدین مرحوم کو لکھا تھا اُس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"اس جگہ یہ بھی تحریر کے لائق ہے کہ اس کی (یعنی بشیر اوّل کی) موت سے پہلے اللہ جل شانہٗ نے اس عاجز کو پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے اور اب فوت ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کی موت نے اس عاجز کی قوت ایمانی کو بہت ترقی دی اور قدم آگے بڑھایا۔"

حقانی تقریر مخالفت کی یہ ہوا جب زوروں پر تھی تو اُس وقت آپ نے "حقانی تقریر" کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں ابتلاء و امتحان پر جو جناب الٰہی کی طرف سے انبیاء اور اولیاء پر آتے ہیں نہایت خوبصورتی سے تبصرہ کیا ہے اُس میں سے کچھ اقتباس یہاں عرض کرتا ہوں تا ناظرین کے بھی ازدیاد ایمان و علم کا موجب ہو۔ فرماتے ہیں:-

"یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کسی اجتہادی غلطی سے ربانی پیشگوئیوں کی شان و شوکت میں فرق آجاتا ہے یا وہ نوع انسان کے لئے چنداں مفید نہیں رہتیں۔ یا وہ دین اور دینداروں کے گروہ کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ کیونکہ اجتہادی غلطی اگر ہو بھی تو محض درمیانی اوقات میں بطور ابتلا کے وارد ہوتی ہے اور پھر اس قدر کثرت سے سچائی کے نور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور تائیدات الٰہیہ اپنے جلوے دکھاتے ہیں کہ گویا ایک دن چڑھ جاتا ہے۔ اور مخالفین کے سب جھگڑے اُن سے انفصال پا جاتے ہیں۔ لیکن اس روز روشن کے ظہور سے پہلے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرستادوں پر سخت سے سخت آزمائشیں وارد ہوں اور اُن کے پیرو اور تابعین بھی بخوبی جانچے اور آزمائے جائیں تا خدا تعالیٰ سچوں اور کچوں اور ثابت قدموں اور بزدلوں میں فرق کر کے دکھلا دیوے ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود ✦ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ابتلا جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سا کر کے اُن کو دکھاتا ہے۔ یہ ابتلا سلسلے نازل نہیں ہوتا کہ اُن کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحہ عالم سے انکا نام و نشان مٹا دیوے

کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزوجل اپنے پیارکرنیوالوں سے دشمنی کرنے لگے۔ اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے۔ بلکہ حقیقت میں وہ ابتلا کہ جو شیر ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند معیار تک پہنچائے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے اُن کو سکھائے۔ یہی سنت اللہ ہے جو قدیم سے خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ زبور میں حضرت داؤد کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اسی سنت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیح کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں۔ اور قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملے ہوئے ابتلا اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں۔ اگر یہ ابتلا درمیان میں نہ ہوتا تو انبیا اور اولیا ان مدارج عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے کہ جو ابتلا کی برکت سے انہوں نے پائے۔ ابتلا نے انکی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مہر لگا دی۔ اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ ان پر آندھیاں چلیں اور سخت سے سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے اُن پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کئے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے۔ یہاں تک کہ ربانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپا لیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا اُنہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں۔ اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ ان پر ذرا مہربان نہیں بلکہ اُن کے دشمنوں پر مہربان ہے اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلا نازل ہوا غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں اُن پر ہوئیں۔ پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادے سے باز نہ آئے اور سست اور دل شکستہ نہ ہوئے۔ بلکہ جتنا مصائب اور شدائد کا بار اُن پر بڑھتا گیا اُتنا ہی انہوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اور جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے۔ اور جسقدر انہیں مشکلاتِ راہ کا خوف دلایا گیا اُسی قدر اُن کی ہمت بلند اور اُن کی شجاعتِ ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ اُن تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ

ہو کر نکلے۔ اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ اور عزت اور حرمت کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہو گئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ غرض انبیاء اولیاء ابتلا سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلا نازل ہوتے ہیں اور انہیں کی قوت ایمانی اُن آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے۔ عوام الناس جیسے خدا تعالیٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے ہی اس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں۔ بالخصوص ان محبوبان الٰہی کی آزمائشوں کے وقتوں میں تو عوام النّاس بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں۔ گویا ڈوب ہی جاتے ہیں۔ اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ اُن کے انجام کے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جل شانہٗ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اُس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول و پھل زیادہ لاوے اور اس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیاء اور اولیا کی تربیت باطنی اور تکمیل رُوحانی کے لئے ابتلا کا ان پر وارد ہونا ضروریات سے ہے۔ اور ابتلا اس قوم کیلئے ایسا لازم حال ہے کہ گویا وہ ان ربّانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور جس شخص کو اس سنت کے برخلاف کوئی کامیابی ہو وہ استدراج ہے نہ کہ کامیابی۔ اور نیز یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نہایت درجہ کی بدقسمتی و ناسعادتی ہے کہ انسان جلد تر بدظنی کی طرف جھک جائے اور یہ اصول قرار دیدیوے کہ دنیا میں جس قدر خدا تعالیٰ کی راہ کے مدعی ہیں وہ سب مکار اور فریبی اور دوکاندار ہی ہیں۔ کیونکہ ایسے ردّی اعتقاد سے رفتہ رفتہ وجود ولایت میں شک پڑیگا۔ اور پھر ولایت سے انکاری ہونے کے بعد نبوت کے منصب میں کچھ تردد ات پیدا ہو جاویں گے۔ اور نبوت سے منکر ہونے کے پیچھے خدا تعالیٰ کے وجود میں کچھ دغدغہ اور خلجان پیدا ہو کر یہ دھوکا دل میں شروع ہو جائیگا کہ شاید یہ ساری بات ہی بناوٹی اور بے اصل ہے اور شاید یہ سب اوہام باطلہ ہی ہیں کہ جو لوگوں کے دلوں میں جمتے ہوئے چلے آئے ہیں۔ سو اے سچائی کے ساتھ بجان و دل پیار کرنیوالو! اور اے صداقت کے بھوکو اور پیاسو! یقیناً سمجھو کہ ایمان کو اس آشوب خانہ سے سلامت لیجانے کیلئے ولایت اور اسکے لوازم کا یقین نہایت ضروریات سے ہے۔ ولایت نبوّت کے اعتقاد کی پناہ ہے اور نبوّت اقرار وجود باری تعالیٰ کے لئے پناہ۔ پس اولیا انبیا کے وجود کیلئے میخوں کی مانند ہیں۔ اور انبیا خدا تعالیٰ کا وجود قائم کرنے کیلئے نہایت مستحکم کیلوں

کے مشابہ ہیں۔ سو جس شخص کو کسی ولی کے وجود پر مشاہدہ کے طور پر معرفت حاصل نہیں۔ اُس کی نظر نبی کی معرفت سے بھی قاصر ہے اور جس کو نبی کی کامل معرفت نہیں وہ خدا تعالیٰ کی کامل معرفت سے بھی بے بہرہ ہے اور ایک دن ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ اور مجرد دلائل عقلیہ اور علوم رسمیہ کسی کام نہیں آئیں گی۔ اب ہم فائدۂ عام کیلئے یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ بشیر احمد کی موت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی بلکہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس کی وفات سے پہلے اس عاجز کو اپنے الہامات کے ذریعہ سے پوری پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے اور اب فوت ہو جاویگا۔ الخ"

آپ نے مذکورہ بالا تقریر یا اشتہار میں جو کچھ علم و معرفت کا دریا بہایا ہے اس کا نمونہ بھی اپنے عمل سے ایک صاحب حال مرد کامل کی طرح دنیا کو دکھا دیا یعنی اس ابتلا میں آپ کی ثابت قدمی اور استقلال اور رضا بالقضا کا نمونہ آپ کی ولایت کاملہ پر ایک دلیل واضح تھا۔ پھر اتنا ہی نہیں۔ ذرا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور یقین اور طمانیتِ قلب ملاحظہ ہو کہ ان حالات میں جب مخالفت اور استہزاء کا ایک طوفان اُٹھا ہوا تھا اسی مذکورہ بالا اشتہار کے آخر میں آپ تمام لوگوں کو اطلاع دیتے ہیں کہ جناب الٰہی کی طرف سے مجھے اب بیعت لینے کا حکم ملا ہے۔ اس لئے جو احباب بیعت کرنا چاہتے ہیں وہ اب بیعت کر سکتے ہیں۔ دلی طمانیت اور اپنی صداقت پر یقین کس قدر خارق عادت رنگ اپنے اندر رکھتا ہے!!!

موعود لڑکے کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں

اس ابتلا سے جو آپ کی اجتہادی غلطی سے رونما ہوا ایک بات ضرور واضح ہو گئی کہ اس پیشگوئی کے مصداق حقیقی موعود لڑکے کا علم جناب الٰہی کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اگرچہ اس بشیر اوّل کی وفات پر حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

"خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یخلق اللہ ما یشاء"

لیکن آپ نے اپنے دوسرے لڑکے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پر اس کو نہیں لگایا۔ بلکہ اُنکی ولادت پر جو ۱۸۸۹ء میں ہوئی صاف طور پر اعلان فرما دیا کہ اُس لڑکے کا نام محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جاوے گی۔ مگر ابھی تک مجھ پر نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانیوالا ہے یا وہ کوئی اور ہے۔" اس کے بعد آپ نے کہیں نہیں لکھا کہ مجھ پر خدا نے کھول دیا ہے کہ وہ مصلح موعود یہی مرزا بشیر الدین محمود احمد ہے۔ اور یہ کبھی بات ہے کہ جب تک الہام الٰہی کسی موعود کی نسبت صاف طور پر کھول کر نہ بتا دے محض علم کا اجتہاد کوئی چیز نہیں ہوتا۔ چنانچہ مخالفین کا جواب دیتے ہوئے خود حضرت اقدس اسی پیشگوئی کے بارے میں اپنی تصنیف حجۃ اللہ میں جو ۱۸۹۴ء میں

شائع ہوئی کس قدر زور سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں اگر اس پیشگوئی میں کوئی ایسا الہام میں نے لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ الہام نے اسی کو موعود لڑکا قرار دیا تھا تو کیوں وہ الہام پیش نہیں کیا جاتا؟ پس جبکہ تم الہام کے پیش کرنے سے عاجز ہو تو کیا یہ لعنت تم پر ہے یا کسی اور پر..... اور بالفرض اگر میری یہی مراد ہوتی تو میرا کہنا اور خدا کا کہنا ایک نہیں۔ میں انسان ہوں ممکن ہے کہ اجتہاد سے ایک بات کہوں اور وہ صحیح نہ ہو۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ وہ خدا کا الہام کونسا ہے کہ میں نے ظاہر کیا تھا کہ پہلے حمل میں ہی لڑکا پیدا ہو جائیگا یا جو دوسرے میں پیدا ہوگا وہ درحقیقت وہی موعود لڑکا ہوگا اور وہ الہام پورا نہ ہوا۔ اگر ایسا الہام میرا تمہارے پاس موجود ہے تو تم پر لعنت ہے اگر وہ الہام شائع نہ کرو۔" (حجۃ اللہ صفحہ ۱۰)

پھر اسی کتاب میں عبارت منقولہ کے اُوپر ذیل کے الفاظ بھی غور سے پڑھو۔ فرماتے ہیں:۔

"بیشک مجھے الہام ہوا تھا کہ موعود لڑکے سے تو میں برکت پائیں گی۔ مگر ان اشتہارات میں کوئی ایسا الٰہی الہام نہیں جس نے کسی لڑکے کی تخصیص کی ہو کہ یہی موعود ہے۔ اگر ہے تو لعنت ہے تجھ پر اگر تو وہ الہام پیش نہ کرے۔"

پس حضرت اقدس نے الہام کے ذریعہ کسی لڑکے کے متعلق تخصیص نہیں کی کہ موعود لڑکا کونسا ہے۔ البتہ بعد میں اجتہاد کے رنگ میں اگر کسی لڑکے کی نسبت تخصیص کی تھی تو وہ مبارک احمد تھے جو آپکا چوتھا لڑکا تھا

اجتہاد اُمبارک احمد پر حضرت اقدس صاحب نے مصلح موعود کی پیشگوئی کو چسپاں کیا

یہ سچ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس مصلح موعود لڑکے کی پیشگوئی کو جس کا اعلان ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں کیا تھا کھلے کھلے لفظوں میں اگر کسی بیٹے پر چسپاں کیا تو وہ مبارک احمد تھے۔ اُس وقت جبکہ آپکے تین بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد اور مرزا بشیر احمد اور مرزا شریف احمد پیدا ہو چکے تھے اور زندہ موجود تھے۔ کتاب انجام آتھم میں جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی صفحہ ۸۲ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

وان اللہ بشرنی فی إبنائی بشارۃ بعد بشارۃ حتی بلغ عددھم الی ثلثۃ۔ انبأنی بھم قبل وجودھم بالالھام۔ فاشعت ھذا الانباء قبل ظھورھا فی الخواص والعوام وانتم تتلون تلک الاشتھارات ثم تمرون بھا غافلین من التعصبات وبشرنی ربی برابع برحمتہ وقال انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ"

(جو الفاظ یہاں جلی کئے گئے ہیں وہ اصل عبارت میں بھی جلی ہیں) ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹوں کے متعلق خوشخبری پر خوشخبری دی یہاں تک کہ ان کا عدد تین تک پہنچ گیا۔ اور ان کے وجود سے پہلے الہام کے ساتھ ان کی خوشخبری دی۔ میں نے اُن خبروں کو اُن کے پیدا ہونے سے پہلے خاص و عام میں شائع کیا۔ اور تم ان اشتہاروں کو پڑھتے ہو پھر تعصب کی وجہ سے اُن کی پروا نہیں کرتے **اور میرے رب نے اپنی رحمت سے مجھے چوتھے کی خوشخبری دی ہے اور فرمایا کہ وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔**"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پہلے تینوں لڑکوں کے پیدا ہونے کے بعد جو زندہ موجود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر انکشاف کامل کر دیا اور بذریعہ الہام آپ کو بتا دیا کہ **تین کو چار کرنیوالا ابھی پیدا ہونا باقی ہے** یہ الہامی تعین تھا جس میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اور یہ آئندہ پیدا ہونے والا تین کو چار کرنیوالا وہی لڑکا تھا جس کی پیشگوئی آپ نے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں فرمائی تھی۔ چنانچہ ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۴ پر آپ اسی امر کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر ایک اور الہام ہے جو ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا اور وہ یہ ہے **کہ خدا تین کو چار کرے گا۔** اُس وقت ان تینوں لڑکوں کا جو اب موجود ہیں نام و نشان نہ تھا۔ اور اس الہام کے معنے یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے اور پھر ایک اور ہوگا جو تین کو چار کر دے گا۔ سو ایک بڑا حصہ اس کا پورا ہو گیا یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔"

اس الہامی تعین سے یہ تو معاملہ صاف ہو گیا کہ وہ تین کو چار کرنیوالا لڑکا جو ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار والی پیشگوئی کا مصداق تھا یا بالفاظ دیگر مصلح موعود تھا۔ ان تینوں لڑکوں یعنی مرزا محمود احمد۔ بشیر احمد شریف احمد میں سے تو ہرگز نہیں کیونکہ یہ تعین حضرت کے اجتہاد سے نہیں تھا بلکہ الہام نے بتایا تھا کہ تین کو چار کرنیوالا لڑکا ابھی آئندہ پیدا ہونیوالا ہے۔

اب اس الہامی تعین کے بعد ۱۸۹۹ء میں مبارک احمد پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے پیدا ہونیکے بعد حضرت اقدس تریاق القلوب میں نہایت صاف الفاظ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

یہ پیشگوئی تین کو چار کرنیوالے کی جو پہلے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع ہوئی اور بعد میں تین لڑکوں یعنی محمود۔ بشیر اور شریف کے پیدا ہو جانے کے بعد انجام آتھم اور ضمیمہ میں خدا نے یہ اطلاع دی کہ وہ تین کو چار کرنے والا یعنی مصلح موعود اب آئیگا۔ (صفحہ ۴۳)

یہ کس طرح پر پوری ہوئی اس کیلئے اسی کتاب میں صفحہ ۴۰ پر پچیسویں نشان میں اُس الہام کی طرف

جو ابھی انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم میں نقل ہوا۔ پھر توجہ دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

"میرے چوتھے لڑکے کے متعلق ایک اور پیشگوئی کا نشان ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کیلئے موجب زیادت علم و ایمان و یقین ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ الہام جس کو میں نے کتاب انجام آتھم کے صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳۔ اور ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے جس میں چوتھا لڑکا پیدا ہونے کے بارے میں پیشگوئی ہے (ناظرین اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم کے الفاظ کو یہاں پھر حضرت صاحب نے صراحت سے الہام لکھا ہے۔ ناقل) جو جنوری ۱۸۹۷ء میں بذریعہ کتاب مذکور یعنی انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم کے لاکھوں انسانوں میں شائع کی گئی جس کو آج کی تاریخ جو ۲۰۔ اگست ۱۸۹۹ء ہے پونے تین برس سے کچھ زیادہ دن گزر گئے ہیں۔ اس تھوڑی سی مدت کو مخالفوں نے ایک زمانہ دراز خیال کر کے یہ نکتہ چینی شروع کر دی کہ وہ الہام کہاں گیا جو انجام آتھم کے صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳۔ اور اس کے ضمیمہ کے صفحہ ۵۸ میں درج کر کے شائع کیا گیا تھا۔ یہ تیسری مرتبہ اس کو الہام الٰہی قرار دیا ہے۔ ناقل) اور لڑکا اب تک پیدا نہیں ہوا۔ ..... اور پھر بعد اس کے ۱۴۔ جون ۱۸۹۹ء کو وہ پیدا ہوا۔ اور جیسا کہ وہ چوتھا لڑکا تھا۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے اس نے اسلامی مہینوں میں سے چوتھا مہینہ لیا۔ یعنی ماہ صفر۔ اور ہفتہ کے دنوں میں سے چوتھا دن لیا یعنی چہار شنبہ۔ اور دن کے گھنٹوں میں سے دوپہر کے بعد چوتھا گھنٹہ لیا۔ اور پیشگوئی ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے مطابق پیر کے دن اس کا عقیقہ ہوا۔"

اس تحریر سے ذیل کی دو باتیں تو قطعی طور پر ثابت ہو گئیں :-

(۱) اوّل یہ کہ الہام الٰہی نے کھول کر بتا دیا کہ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء والی پیشگوئی کا مصداق یعنی مصلح موعود نہ میاں محمود احمد ہیں نہ میاں بشیر احمد اور نہ میاں شریف احمد۔ کیونکہ ان تینوں کی پیدائش کے بعد حضرت صاحب کو یہ الہام کے ذریعہ بتایا جاتا ہے کہ تین کو چار کرنیوالا لڑکا ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا مصداق ابھی نہیں آیا اور اس کے آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے کا الہام ہوتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ واضح ہو گئی کہ بشیر اول کی وفات کے بعد حضرت اقدس نے اپنے اجتہاد سے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا مصداق صرف میاں مبارک احمد کو ہی قرار دیا ولا غیر۔ اور اس پیشگوئی کی تفصیلات کو ان پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔

پیشگوئیوں کے بارہ میں اجتہادی غلطی ہر ایک نبی اور ولی سے ہوتی رہی ہے

باقی رہا یہ امر کہ یہ اجتہاد درست نکلا یا نہیں۔ اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ اجتہاد کا صحیح نکلنا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ اور پیشگوئیوں کی

تفہیم کے بارے میں تو بڑے بڑے انبیاء و رسل ماموریں و مجددین سے اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے۔ ابن صیاد کے متعلق آنحضرت صلعم کی موجودگی میں حضرت عمر نے قسم کھا کر یہ اجتہاد کیا کہ یہ وہی دجال معہود ہے جس کی جنوں نے پیشگوئی کی تھی اور اُسے قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت صلعم نے اس کی تردید نہیں کی۔ اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ اگر یہ وہی دجال معہود ہے تو پھر اس کے قتل کرنیوالے تم نہیں ہو سکتے۔ اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر تم ایک بیگناہ کا ناحق خون کرو گے۔ بعد میں وہی ابن صیاد مسلمان ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ وہ دجال نہ تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے ہجرت سے پہلے رویا میں دیکھا کہ آپ کی ہجرت کسی ایسے مقام میں ہوئی ہے جو بہت سرسبز اور کھجوروں والا ہے۔ آپ نے اُسے یمامہ سمجھا مگر بعد میں وہ مدینہ ثابت ہوا۔ چنانچہ پیشگوئی کے بارے میں اجتہادی غلطی لگ جانے پر خود حضرت اقدس مرزا صاحب تریاق القلوب صفحہ ۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"ہاں ہم نے اپنے اجتہاد سے ظنی طور پر یہ خیال ضرور کیا تھا کہ شاید یہی لڑکا مبارک موعود ہو۔ لیکن اگر اس نادان معترض کے اعتراض کی بنیاد صرف ہمارا ہی خیال ہے جو الہام کے سرچشمہ سے نہیں بلکہ صرف ہمارے ہی غور و فکر کا نتیجہ ہے تو سخت جائے افسوس ہے کیونکہ وہ اس خیال کی شامت سے اسلام کی اونچی چوٹی سے ایسا نیچے کو گرے گا کہ صرف کفر اور ارتداد تک ہی نہیں پہنچے گا بلکہ نیچے کو لڑھکتا لڑھکتا دہریت کے نہایت عمیق گڑھے میں اپنے بدبخت وجود کو ڈال دیگا۔ وجہ یہ کہ اجتہادی غلطیاں کیا پیشگوئیوں کے سمجھنے اور اُن کا مصداق ٹھیرانے میں اور کیا دوسری تدبیروں اور کاموں میں ہر ایک نبی اور رسول سے ہوئی تھیں"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

اور ۱۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کا اشتہار دیانت دار کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ **کیونکہ اس میں بابرکت اور آسمانی موعود کی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیشگوئی نہیں ہے۔** اور مجرد موعود کی پیشگوئیاں اس جگہ بطور دلیل کے کام نہیں آسکتیں۔ کیونکہ ہر ایک لڑکا جو میرے گھر میں اس بیوی سے پیدا ہوا ہے موعود ہے۔ ثبوت تو یہ دینا چاہئے کہ وہ لڑکا جو تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اور مظہر جلال الٰہی ہوگا جو دنیا کو راہ راست پر لانے والا ہوگا۔ اسی کے آنے کی خبر **بحیثیت الہام الٰہی** کے اشتہار ۱۷۔ اگست ۱۸۸۷ء میں دی گئی ہے"

اس عبارت سے ذیل کے نتائج نکلنے لابد ہیں:-

(۱) اوّل یہ کہ جب تک صریح الہام کسی لڑکے کی نسبت اس کے پیدا ہونے کے بعد نہ ہوا ہو کہ یہی وہ مصلح موعود لڑکا ہے تب تک محض حضرت اقدس مرزا صاحب کا اجتہاد ایک ظنی امر ہے جس پر زور

دینا سخت غلطی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کے صریح الہام کسی لڑکے کے متعلق بھی اُس کے پیدا ہونے کے بعد نہیں ہوا۔ کہ یہی وہ مصلح موعود ہے۔

(۲) دوم یہ کہ اس مصلح موعود کی لازمی صفت اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ چونکہ میاں محمود احمد۔ بشیر احمد۔ اور شریف احمد کے پیدا ہونے کے بعد حضرت صاحب کو صریح طور پر الہام ہوا کہ تین کو چار کرنیوالا لڑکا آئندہ پیدا ہوگا۔ اس لئے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ وہ مصلح موعود لڑکا ان تینوں لڑکوں میں سے تو ہرگز نہیں۔

(۳) سوم یہ کہ اگر کوئی اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکتا تھا تو وہ حضرت صاحب کا چوتھا لڑکا مبارک احمد ہو سکتا تھا کیونکہ ان کی ولادت سے پہلے دوبارہ اس "تین کو چار کرنیوالے" لڑکے کی آمد کے متعلق الہام ہوا تھا مگر اُن کے فوت ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کے فضل نے ثابت کر دیا کہ وہ بھی اس کے مصداق حقیقی نہ تھے۔ گو حضرت صاحب نے اجتہاداً انہی پر اس پیشگوئی کو چسپاں کیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسوقت آپ کے تین لڑکے زندہ موجود تھے۔ آپ کو الہام جو ہوا تو اس میں مصلح موعود لڑکے کی صفت خصوصی تین کو چار کرنے کا پھر ذکر تھا۔ آپ نے اپنے اجتہاد سے سمجھ لیا کہ تین کو چار کرنے سے شاید یہی مراد ہے کہ تین زندہ لڑکوں کی تعداد اس کے آنے سے چار بن جائے گی حالانکہ الہام الٰہی کا یہ مطلب نہ تھا۔ پس تین کو چار کرنیکے متشابہ الفاظ کی وجہ سے ذہن تین لڑکوں کو چار کر دینے کی طرف منتقل ہو گیا جو درست نہ تھا۔ "تین کو چار کر دینے" کا کیا منشا ہے یہ جناب الٰہی کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اپنے وقت پر کھلے گا۔ غالباً انہی موعود کے فریق ثانی کو یہ علم ملیگا۔

مصلح موعود لڑکا کسی آئندہ زمانہ میں پیدا ہوگا

اب اگر یہ وسوسہ پیدا ہو کہ اس طرح تو پھر حضرت مرزا صاحب کے لڑکوں میں مصلح موعود کوئی بھی نہ ہوا تو میں کہتا ہوں کہ اس میں کیا ہرج ہے۔ خدا کے فعل نے اور خدا کے الہام نے یہ ثابت کر دیا کہ مصلح موعود کبھی آئندہ نسلوں میں پیدا ہوگا۔ حضرت صاحب نے بے شک ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار کے الہام کے پہلے حصہ کو بشیر اوّل پر اجتہاداً لگا دیا اور وہ فوت ہو گیا۔ پھر اجتہاداً دوسرے حصہ الہام کو مبارک احمد پر لگایا اور وہ بھی فوت ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ مصلح موعود لڑکا کسی آئندہ نسل میں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا پیدا ہوگا۔ لڑکے کا اطلاق آئندہ نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

ووهبنا له اسحٰق ویعقوب کلًا هدینا ونوحًا هدینا من قبل ومن ذریته داؤد و سلیمٰن وایوب ویوسف وموسٰی وهارون وکذٰلک نجزی المحسنین (سورۃ الانعام)

ترجمہ:۔ "اور ابراہیم کو ہم نے اسحاق اور یعقوب دیا۔ اور سب کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور اسکی ذریت میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون تھے۔ اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں"

اب دیکھو یہاں حضرت ابراہیم کو جہاں لڑکے دینے کا ذکر ہے وہاں حضرت اسحاق کے ساتھ حضرت یعقوب کا بھی ذکر فرمایا۔ حالانکہ حضرت یعقوب صلبی بیٹے نہ تھے بلکہ پوتے تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو حضرت نوح کی ذریت قرار دیا۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی آپ کا صلبی بیٹا نہ تھا۔ پس کسی لڑکے کی بشارت کا ملنا اس بات کے لازم حال نہیں ہوا کرتا کہ وہ اُس کا صلبی بیٹا ہی ہو۔ خود حضرت مرزا صاحب اپنے اشتہار متصرہ مؤرخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب مبارک احمد فوت ہوا ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے یہ الہام کیا انا نبشرک بغلام حلیم یتزل منزل المبارک۔ یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا اور اس کا قائم مقام اور شبیہ ہوگا"

اس سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ اوّل یہ کہ غلام کا لفظ جوان پیشگوئیوں میں ہو (یاد رہے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں بھی موعود لڑکے کی نسبت یہی غلام حلیم کا لفظ آیا ہے) یقیناً آئندہ نسل کے کسی لڑکے پر بولا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب کا اپنا لڑکا مبارک احمد کے بعد پھر کوئی نہیں ہوا اور نہ آپ نے مبارک احمد کے فوت ہونے کے بعد مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق اپنے کسی زندہ موجود لڑکے کو سمجھا۔ پس انا نبشرک بغلام حلیم کے معنے سوا اس کے کچھ اور ہو نہیں سکتے۔ کہ مبارک احمد کی وفات پر اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ وہ موعود لڑکا آئندہ کسی زمانہ اور کسی نسل میں ہوگا۔ دوم یہ کہ مبارک احمد کے متعلق جو حضرت صاحب کا اجتہاد تھا کہ وہ تین کو چار کرنیوالا ہے وہ بھی تعداد کے لحاظ سے ایک رنگ میں صحیح تھا۔ اس لئے اسکی وفات پر اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی کہ اس کا قائم مقام پیدا ہوگا۔ یعنی جیسا کہ حضرت صاحب نے یہ خیال کیا تھا کہ مبارک احمد ہی وہ موعود لڑکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی وفات پر معاً آپ کو تسلی دی کہ حقیقی موعود ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا مصداق جو آنیوالا ہے وہ اسی مبارک احمد کے بمنزلہ ہی ہوگا۔ ہاں علم الٰہی میں اس قدر جلد آنیوالا نہ تھا جس قدر حضرت صاحب کا خیال تھا۔

اجتہاد میں غلطی کی وجہ پیشگوئی کے پورا ہونے میں عجلت کی خواہش تھی

حضرت مرزا صاحب کا یہ خیال حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد سے بہت مشابہ ہے جو انہوں نے دجّال معہود کے بارے میں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہ خیال

کر لیا تھا کہ دجال معہود بہت جلد آنیوالا ہے۔ حالانکہ علم الٰہی میں وہ بہت بعد میں آنیوالا تھا۔ اسی طرح حضرت اقدس نے بھی خیال کر لیا تھا کہ مصلح موعود لڑکا بہت جلد آنیوالا ہے حالانکہ علم الٰہی میں وہ کسی نامعلوم بعد کے زمانہ میں آنیوالا تھا۔ کسی پیشگوئی کی تفہیم میں اس عجلت پسندی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انبیاء اور اہل اللہ پیشگوئیوں کے پورا کرنے اور پورا ہونے کے لئے ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں کے اندر رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ شب و روز یہ چاہتے رہتے ہیں کہ کسی طرح جلدی خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں۔ اس سے اُنہیں کوئی اپنا ذاتی فائدہ متصور نہیں ہوتا۔ بلکہ سراسر دوسروں کا فائدہ مدنظر ہوتا ہے۔ اور اس خواہش کی تہ میں صرف ایک ہی بات مقصود و خاطر ہوتی ہے کہ خدا کا جلال دنیا پر ظاہر ہو اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے زبردست نشان پیدا ہو کر لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق کامل یقین راسخ کر دیں جس سے اُن کے گناہوں کی آلائشیں دُور ہوں اور وہ اپنے مولیٰ حقیقی کے قرب کو حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اس بارے میں حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریر پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"یہ ایک باریک سر اور دقیق معرفت کا نکتہ ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا کہ انبیاء اور اہل اللہ کیوں پیشگوئیوں کے پورا کرنے اور پورا ہونے کی ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ جس قدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں یا اہل اللہ ہوئے ہیں انکو فطرتاً رغبت دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو پورا کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی جگہ داؤدی تخت کی بحالی والی پیشگوئی کیلئے کس قدر سعی و کوشش کی کہ اپنے شاگردوں کو یہاں تک حکم دیا کہ جس کے پاس تلواریں اور ہتھیار نہ ہوں وہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خرید لے۔ اب اگر اس پیشگوئی کو پورا کرنے کی وہ فطری خواہش اور آرزو نہ تھی جو انبیاء علیہم السلام میں ہوتی ہے تو ہم کو کوئی بتائے کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ اور ایسا ہی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر طبعی جوش نہ تھا تو آپ کیوں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے جبکہ کوئی میعاد اور وقت بتایا نہیں گیا تھا۔ بات یہی ہے کہ یہ گروہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی حرمت اور عزت کرتا ہے اور چونکہ ان نشانوں کے پورا ہونے پر معرفت اور یقین میں ترقی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ جلد پورے ہوں۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نشان پورا ہوتا تو سجدہ کر لیا کرتے تھے"

اب اس قاعدہ کلیہ کے ماتحت حضرت اقدس کے دل میں مصلح موعود کی پیشگوئی کیلئے طبعی طور پر یہ رغبت اور جوش تھا کہ کسی طرح یہ نشان جلد پورا ہوتا خدا کی قدرتوں کا ظہور ہو اور لوگوں کی معرفت اور یقین میں ترقی ہو

اس رغبت اور جوش کے ماتحت آپ سے اگر اس مصلح موعود والے الہام اور پیشگوئی کی تفہیم اور اجتہاد میں غلطی ہوتی رہی تو یہ ایک طبعی امر تھا لیکن بعد کے واقعات اور مبارک احمد کی وفات کے بعد کے الہامات نے اس غلطی کو نہ صرف رفع کر دیا بلکہ اس پیشگوئی سے متعلقہ تمام گزشتہ الہامات کے معنے بھی کھول دیئے اور یہ بات صاف ہوگئی کہ مصلح موعود کی آمد کسی آئندہ زمانہ اور آئندہ نسل سے وابستہ ہے۔

مصلح موعود کا زمانہ تین صدی سے قبل نہیں ہو سکتا

اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آتی ہے کہ ابھی حال میں ہی تو اتنا بڑا عظیم الشان موعود جسے حدیثوں میں مسیح اور مہدی کے نام سے پکارا گیا تھا آ گزرا ہے اس کے معاً بعد ہی فوراً کسی دوسرے عظیم الشان مصلح موعود کا آن موجود ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے خود حضرت اقدس کی تحریروں اور الہاموں پر اگر غور کیا جائے تو مصلح موعود کی وہ بڑی شناخت جو اس کے کاموں سے ہوگی یہ ہے کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائینگی اور وہ دنیا کو راہ راست پر لانیوالا ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ حضرت اقدس کے سلسلہ کے عظیم الشان غلبہ کا زمانہ ہوگا۔ اب جب ہم دوسری جگہ حضرت صاحب کی تحریروں کو دیکھتے ہیں کہ ایسا غلبہ کب آنیوالا ہے تو تذکرۃ الشہادتین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تین صدیوں کے گزرنے کے بعد جب لوگ عام طور پر مسیح کی دوبارہ آمد سے مایوس ہو جائیں گے تو اس وقت کثرت سے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ پس وہی چوتھی صدی اس سلسلہ کے غلبہ کی صدی ہے اور غالباً وہی وقت ہوگا جب کوئی شخص دنیا کو راہ راست پر لانیوالا آئے گا۔ بہرحال اس سے پہلے تو وہ آنہیں سکتا کیونکہ اگر آج مصلح موعود پیدا ہو جائے یا پیدا ہو چکا ہو تو اس کے ذریعہ تو ابھی دنیا راہ راست پر آجائیگی پھر حضرت صاحب کی وہ تحریر غلط ہو جاتی ہے کہ تین صدیوں کے بعد لوگ مایوس ہو کر ادھر آئیں گے اور کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جس طرح پر حضرت صاحب نے اجتہاداً تین کو چار کرنیوالے میں چوتھے مہینہ چوتھے دن چوتھے گھنٹہ سے تعلق رکھنے والا شخص مراد لیا ہے تو کیا عجب ہے کہ تین کو چار کرنے کا اصل مقصد تیسری صدی کو چوتھی صدی کرنیوالا شخص ہو یعنی اب سے وہ تین صدی کے بعد چوتھی صدی کے شروع میں مجدد بن کر آوے۔ بہرحال اگر وہ چوتھی صدی سے پہلے آجائے تو حضرت صاحب کی اس تحریر کو کیا کریں جو عین قرائن کے مطابق ہے کہ جس طرح مسیح اسرائیلی کا سلسلہ چوتھی صدی عیسوی میں غالب ہوا تھا اسی طرح یہ سلسلہ بھی چوتھی صدی میں غالب ہوگا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مصلح موعود کسی آئندہ زمانہ کیلئے مقدر ہے۔ ابھی جو کچھ عرض کیا گیا یہ بھی ہم لوگ کا اپنا اجتہاد ہے ممکن ہے یہ بھی صحیح نہ ہو۔

اغلب ہے کہ مصلح موعود روحانی بیٹا ہو

اور یہ بھی ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ بیٹے سے مراد روحانی بیٹا ہو۔ جیسا کہ

حضرت اقدس کے ان پرانے دو خطوط کے مطالعہ سے بھی یہی ترشح ہوتا ہے جو قادیان سے ہی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ خطوط ۱۸۸۶ء کے ہیں یعنی آپ کی شادی سے جو دہلی میں ہوئی تھی ڈیڑھ برس بعد کے یہ خطوط ہیں۔ ایک خط تو ۸ جون ۱۸۸۶ء کا لکھا ہوا ہے جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کو لکھا تھا۔ اس میں آپ کے یہ فقرے قابل توجہ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"آج آپ سے بھی جو میرے مخلص دوست ہیں ایک واقعہ پیشگوئی کا بیان کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا اس کا نام بشیر ہوگا۔ سو اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ سے ہوگا۔ اب زیادہ تر الہام اس باب میں ہوئے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی۔ وہ صاحب اولاد ہوگی۔ اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ جب یہ الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے۔ تین اُن میں سے تو آم کے پھل تھے۔ مگر ایک پھل سبز رنگ بہت بڑا تھا وہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ اگرچہ ابھی یہ الہامی بات نہیں مگر میرے دل میں یہ پڑا ہے کہ وہ پھل جو اس جہان کے پھلوں میں سے نہیں ہے وہی مبارک لڑکا ہے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ پھلوں سے مراد اولاد ہے۔ اور جبکہ ایک پارسا طبع اہلیہ کی بشارت دی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے جن میں سے ایک پھل الگ وضع کا ہے سو یہی سمجھا جاتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ مگر میری دانست میں اس لڑکے کی تولد سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری شادی ہو جائے۔ ....."

اب اس کشف کے ساتھ حضرت اقدس کا یہ اور کشف اگر ملا کر پڑھا جائے تو بات بہت صاف ہو جاتی ہے اور وہ کشف سیرت المہدی حصہ اول کے صفحہ ۷۳ پر حضرت مرزا صاحب کے صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کی قلم سے اس طرح مرقوم ہے:۔

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میری شادی ہوئی اور میں ایک مہینہ قادیان ٹھیر کر پھر واپس دہلی گئی تو ان ایام میں حضرت مسیح موعود نے مجھے ایک خط لکھا کہ میں نے خواب میں تمہارے تین جوان لڑکے دیکھے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے دو یاد تھے۔ مگر حضرت صاحب فرماتے تھے کہ نہیں میں نے تین دیکھے تھے اور تین ہی لکھے تھے۔"

یہ رویا ۱۸۸۴ء کے آخر یا ۱۸۸۵ء کے ابتدا کی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی شادی میاں

بشیر احمد صاحب کی والدہ صاحبہ سے نومبر ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی۔ گویا یہ اس وقت کی رویا ہے جب ابھی مصلح موعود لڑکے کی پیشگوئی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اسوقت حضرت اقدس کو بتلایا گیا تھا کہ حضرت بیوی صاحبہ یعنی میاں بشیر احمد صاحب کی والدۂ محترمہ کے بطن سے زندہ رہنے والے لڑکے صرف تین ہی ہونگے چنانچہ یہ تین لڑکے اب تک زندہ موجود ہیں یعنی میاں محمود احمد صاحب میاں بشیر احمد صاحب و میاں شریف احمد صاحب۔ اب ۱۸۸۶ء میں جو کشف ہوتا ہے اس میں بھی تین ہی پھل آم کے مشابہ دکھلائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ حضرت بیوی صاحبہ کے بطن سے صرف تین لڑکے ہونگے جو زندہ رہیں گے اور ان میں سے مصلح موعود کوئی بھی نہ ہوگا کیونکہ چوتھا پھل مصلح موعود جو تھا وہ اُن سے جُدا دکھایا گیا۔ اور وہ اس بیوی کے بطن سے نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے صاف الفاظ میں فرمایا کہ "ابتک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ میں سے ہوگا۔ اب زیادہ تر الہام اس باب میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی وہ صاحب اولاد ہوگی"۔ اس کے بعد وہ کشف ہوتا ہے جس میں پھلوں کی شکل میں مصلح موعود ان تین لڑکوں سے الگ دکھایا جاتا ہے۔ پس ان کشوف سے یہ بات شیشہ کی طرح صاف ہو جاتی ہے کہ یہی مقدر تھا کہ میاں بشیر احمد صاحب کی والدۂ محترمہ کے بطن سے تین لڑکے زندہ رہیں گے اور وہ عام پھلوں کی طرح ہوں گے جو دنیا کے ہوتے ہیں مگر چوتھا پھل مصلح موعود والا اس بی بی سے نہیں۔ بلکہ وہ کسی اور بی بی سے ہے۔ اور وہ پھل زمینی پھلوں سے مشابہ نہیں بلکہ وہ ایک آسمانی پھل ہے۔ گویا اُس کی ہستی زمینی نہیں بلکہ آسمانی ہوگی۔ یعنی وہ ایک آسمانی اور روحانی انسان ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ بی بی کہاں گئی جس سے وہ لڑکا مصلح موعود تولد ہونے والا تھا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا دوسرا خط پڑھنے سے یہ معاملہ بھی صاف ہو جاتا ہے جو آپ نے پہلے خط کے ۱۲ دن بعد ۲۰ جون ۱۸۸۶ء کو مولانا نورالدین صاحب کو تحریر فرمایا۔ لکھتے ہیں :۔

"عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنیکی غرض سے لکھا گیا تھا کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو ان کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتلا دیتا ہے اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ غیبی ہوا ہے تب سے خود طبیعت متفکر و متردد ہے۔ اور حکم الٰہی سے گریز کی جگہ نہیں۔ مگر بالطبع طبیعت کارہ (ناپسند کرتی) ہے۔ اور ہر چند اوّل اوّل یہ چاہا کہ یہ امر

غیبی موقوف رہے۔ لیکن متواتر الہامات وکشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ بہرحال عاجز نے یہ عہد کر لیا ہے کہ کیسا ہی موقع پیش آوے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم سے اس کیلئے مجبور نہ کیا جاؤں تب تک کنارہ کش رہوں۔۔۔۔۔"

اس خط سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو بعض اشارات غیبیہ ایسے ہوئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس موعود لڑکے کی ولادت کیلئے کسی اور اہلیہ سے نکاح کرنا تقدیر مبرم ہے گویا یہ تقدیر مبرم تھی کہ موعود لڑکا آپ کی کسی اور اہلیہ سے ہو۔ وہ موجودہ اہلیہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ موجودہ بی بی سے تو فقط تین پھل مقدر تھے جو دنیا کے پھل تھے۔ اور وہ آسمانی پھل جو موعود لڑکے کی شکل میں ملنے والا تھا اسکی ولادت کسی اور بی بی سے مقدر تھی اور یہ تقدیر مبرم تھی۔ اب ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ تقدیر مبرم یہانتک تو بالکل صاف اور عیاں تھی کہ وہ موعود لڑکا کسی اور بی بی کے بطن سے ہوگا لیکن یہ کہ وہ بی بی نکاح میں کب اور کیسے آئیگی اس باب میں کچھ ایسا الہام تھا کہ حضرت اقدس کو یہ گنجائش ابھی نظر آتی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو نکاح ثانی نہ بھی کریں۔ چنانچہ اسی لئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہرحال عاجز نے یہ عہد کر لیا ہے کہ کیسا ہی موقعہ پیش آوے جبتک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم سے اس کیلئے نہ مجبور کیا جاؤں کنارہ کش رہوں"

جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آپ کو وہ پارسا طبع اور نیک سیرت بی بی کشفی رنگ میں نظر آتی تھی جس سے وہ موعود لڑکا پیدا ہونا مقدر تھا مگر صاف طور پر اس سے نکاح کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اور تمام عمر صاف طور پر یہ حکم نہیں ہوا کہ آپ کوئی اور نکاح کریں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نکاح کرنے کا حکم نہیں دینا تھا تو پھر اس کشفی نظارہ اور اشارات غیبیہ کا مقصد کیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تا آپ پر اور ہر ایک محقق پر واضح ہو جائے کہ وہ موعود لڑکا اس موجودہ بی بی سے نہیں ہو سکتا۔ اس کی ولادت کیلئے کوئی اور بی بی مقدر ہے۔ تو اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر نکاح کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ بی بی سے مراد حقیقت میں کوئی عورت نہ تھی جس کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا بلکہ وہ جماعت کا ایک رُوحانی تمثل تھا جو کشفی رنگ میں دکھایا گیا تھا۔ علم التعبیر کے رُو سے عالم رویا میں کسی دینی مقتدا کا کسی پارسا عورت کو اپنی زوجیت میں دیکھنا یہ تعبیر بھی رکھتا ہے کہ اسے کوئی پاک سیرت جماعت دی جائیگی کیونکہ جماعت بھی اپنے رُوحانی مقتدا سے اسی طرح اثر پذیر ہوتی اور رُوحانی طور پر حاملہ ہوتی ہے جیسے ایک بی بی اپنے شوہر سے۔ جماعت اور اُمت کا عورت کی شکل میں نظر آنا بلکہ عورت

کی طرح اس کو مخاطب کرنا کتب الٰہیہ کا ایک معمولی محاورہ ہے۔ مثلاً بائبل میں یسعیاہ باب ۵۴ میں یسعیاہ نبی بنی اسماعیل عرب کی قوم کو خدا کی وحی بطور پیشگوئی سناتے ہیں اور اس طرح مخاطب کرتے ہیں:۔

"اری اے بانجھ تو جو نہیں جنتی تھی خوشی سے للکار۔ تو جو حاملہ نہ ہوتی تھی وجد کر کے گا اور خوشی سے چلّا۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد خصم والی کی اولاد سے زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ"

یہاں خصم والی عورت بنی اسرائیل قوم کو کہا ہے۔ اور بانجھ اور بیکس چھوڑی ہوئی عورت بنی اسماعیل قوم کو کہا ہے۔ اسی طرح بائبل میں کثرت سے قوم اور جماعت کو عورت کر کے مخاطب کیا ہے۔ غرضکہ الہام و رویا میں کسی جماعت یا قوم کا عورت کی شکل میں متمثل نظر آنا یا بیان ہونا ایک ایسا عام طریق ہے جو تمام اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے۔ پس حضرت مرزا صاحب کو جو یہ دکھایا گیا کہ کوئی عورت پارسا طبع اور نیک سیرت آپ کی بی بی بنے گی جس سے وہ موعود لڑکا تولد ہوگا اس میں یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک پارسا طبع اور نیک سیرت جماعت دی جاویگی اور وہ موعود لڑکا اس جماعت میں سے ہوگا۔ اور آپ سے اُس کی نسبت فرزند روحانی کی ہوگی اور اسی لئے اسے زمین کے پھلوں سے مشابہت نہیں۔ کیونکہ وہ آسمانی یعنی روحانی پھل ہے نہ کہ جسمانی۔ اگر یہ توجیہ ٹھیک نہیں تو مجھے بتایا جائے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف تو یہاں تک بتایا جاتا ہے کہ مصلح موعود لڑکے کی ولادت کے لئے کسی اور بی بی کا آپ کی زوجیت میں آنا تقدیر مبرم ہے اور دوسری طرف تمام عمر وہ بی بی زوجیت میں نہیں آتی۔ تو اس کے معنے سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ عورت جس کا آپ کی زوجیت میں آنا موعود لڑکے کی ولادت کیلئے تقدیر مبرم کے طور پر تھا وہ حقیقت میں کوئی عورت نہ تھی جس سے نکاح کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت جماعت کا روحانی نمثل تھا جو آپ کو دکھایا گیا تھا اور جس کی بنیاد بذریعہ اعلان بیعت آپ نے ۱۸۸۹ء میں رکھی۔ یہی وہ رُوحانی زوجہ تھی جس میں سے وہ رُوحانی فرزند پیدا ہونا مقدر تھا۔ اس قسم کی رُوحانی ولادت کا مولانا روم رحؒ نے بھی ذکر کیا ہے:۔

ے جانِ جاں با جانِ جز آمیب کرد | عقل از وے در تنِ ستد جیب کرد
ہمچو مریم جاں ازاں آمیب جیب | حاملہ شد از مسیح دلفریب
پس زجانِ جاں چو حامل گشت جاں | از چنیں جانے شود حامل جہاں
پس جہاں زاید جہانے دیگرے | ایں حشر اور انماید محشرے

یعنی مریم صفت بندہ کی جان روح القدس سے حاملہ ہو کر جب مسیح کو پیدا کرتی ہے تو اس مسیح سے ایک جہان حاملہ ہوتا ہے۔ اور اس جہان سے ایک نیا جہان پیدا ہوتا ہے۔ پس رُوحانی ولادت کوئی نئی بات

نہیں بلکہ صوفیا میں یہ ایک مسلم مسئلہ ہے ۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ حضرت اقدس کو جب نکاح کا صریح طور پر حکم نہیں ہوا تو آپ پھر اپنے اُسی پرانے قیاس کی طرف لوٹ آئے کہ شاید اسی موجودہ بی بی سے وہ موعود لڑکا ہو۔ لیکن واقعات نے اس قیاس کی ہمیشہ تردید کی۔ پہلے بشیر اول کو اپنے اجتہاد سے آپ نے وہ موعود لڑکا سمجھا اور وہ فوت ہوگیا۔ پھر ۱۸۸۹ء میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی ولادت پر اُن کا نام تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا مگر ساتھ ہی لکھ کر یہ اعلان بھی کر دیا کہ یہ نام رکھنا محض تفاؤل کے طور پر ہے۔ کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی۔ مگر ابھی تک مجھ پر نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانیوالا ہے یا کوئی اور ہے۔"

اس کے بعد ۱۸۹۷ء میں انجام آتھم کے صفحہ ۸۲ پر آپ نے صاف طور پر تحریر فرمایا کہ ان تین لڑکوں یعنی مرزا محمود احمد۔ بشیر احمد اور شریف احمد کے پیدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ وہ موعود لڑکا جو تین کو چار کرنیوالا ہے وہ آئندہ آنیوالا ہے۔ جیسا کہ آپ کے الفاظ بشرنی ربی برابع برحمتہ وقال انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ سے ظاہر ہے۔ گویا جس انکشاف کامل کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا وہ انجام آتھم میں آپ نے پورا فرما دیا اور صاف صاف لکھ دیا کہ ان تینوں لڑکوں میں سے کوئی بھی وہ مصلح موعود لڑکا نہیں ہے۔ اور یہ ٹھیک اس کشف کے ساتھ تطبیق کھاتا ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۷ء میں حضرت بیوی صاحبہ کو اپنے خط میں لکھ کر بھیجا تھا کہ ان کے بطن سے فقط تین زندہ رہنے والے لڑکے ہوں گے۔ انجام آتھم والے الہام میں خدا نے تو فقط اتنا فرمایا تھا کہ تین کو چار کرنے والا لڑکا آئندہ آئے گا۔ لیکن چونکہ مبارک احمد چوتھا لڑکا تھا حضرت صاحب نے اجتہاداً اس پر لگا دیا جو صحیح نہ تھا۔ حضرت صاحب کو یہ غلطی اس طرح لگی کہ مبارک احمد تعداد کے لحاظ سے تین کو چار کرتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تین کو چار کرنے کا مطلب مشیت الٰہی میں کچھ اور تھا۔ چنانچہ مبارک احمد فوت ہو گئے اور بات وہی سچی رہی جو خدا تعالیٰ نے پہلے سے بتادی تھی کہ وہ موعود لڑکا اس موجودہ بی بی سے مقدر نہیں وہ کسی اور بی بی سے ہے تو پھر جب تمام عمر وہ بی بی نکاح میں نہیں آئی جس سے وہ موعود لڑکا پیدا ہونا مقدر تھا تو سوائے اس کے اس کشف کی تعبیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ دراصل وہ بی بی عالم اجسام کی کوئی عورت نہ تھی جس سے نکاح کیا جا سکتا بلکہ عالم مثال میں جماعت کا روحانی تمثل تھا۔ اور پیشگوئی کا مطلب یہ تھا کہ وہ موعود لڑکا آپ کی جماعت میں سے پیدا ہوگا۔ اور اُسے آپ سے روحانی فرزندی کی نسبت ہوگی۔ یہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میں خود حضرت اقدس مرزا صاحب کے بعض وہ حوالجات بھی نقل کر دوں جن میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ پیشگوئی کبھی ظاہر طور پر پوری ہوتی ہے اور

کبھی باطنی طور پر۔ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں کبھی ظاہر پر پوری ہوتی ہیں اور کبھی استعارہ کے رنگ میں۔ پس کسی نبی یا رسول کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہر جگہ پر پیشگوئی میں یہ دعویٰ کرے کہ اسی طور پر یہ پیشگوئی پوری ہوگی"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۴)

"پھر اس مسلّم عقیدہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے کیوں منہ پھیر لیا جائے کہ کبھی خدا تعالیٰ کی پیشگوئی ظاہر الفاظ پر پوری ہوتی ہے اور کبھی بطریق استعارہ اور مجاز پوری ہو جاتی ہے" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۳)

"پیشگوئیاں کبھی اپنے ظاہر پر پوری ہو جاتی ہیں اور کبھی باطنی طور پر اُن کا ظہور ہوتا ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۰۴)

پیشگوئی کی اصل حقیقت کا علم اللہ کو ہے

جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ بھی محض قیاس اور اجتہاد ہے۔ ممکن ہے یہ اجتہاد اور قیاس صحیح ہو یا غلط۔ دونوں پہلو ممکن ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آنیوالا موعود جب آئے گا تو خود ہی ان تمام اسرار پر سے پردے اٹھائے گا۔ جس طرح مسیح موعود کی آمد والی پیشگوئی میں تمام مشکلات کا حل اُسی وقت ہوا جب مسیح موعود خود آیا۔ قبل از وقت اجتہادات اور قیاسات میں غلطی کا احتمال لگا رہتا ہے۔

سُرمۂ چشم آریہ کی تصنیف

میں مصلح موعود لڑکے کی پیشگوئی میں سنہ کے لحاظ سے بہت آگے چلا گیا اور یہ اس لئے تاکہ معاملہ یکجائی طور پر قارئین کرام کے پیش نظر ہو جائے اور مصلح موعود کا جھگڑا صاف ہو کر اصل حقیقت سامنے آجائے تاکہ ناحق کے مدعیان مصلح موعود جو آجکل کئی ایک پیدا ہو گئے ہیں حضرت اقدس مرزا صاحب کی اولاد میں سے اور باہر سے بھی۔ وہ لوگوں کو غلط راستہ پر نہ ڈال سکیں۔ پس ضروری تھا کہ پیشگوئی کی اصل حقیقت پر روشنی ڈال کر حق کو باطل سے الگ کر کے دکھا دیا جاتا۔ تا ان غلط مدعیوں کی وجہ سے طالبان حق کو ٹھوکر نہ لگے۔

ہوشیار پور میں چلہ کشی

۱۸۸۴ء میں ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب نے سوجان پور ضلع گورداسپور جا کر تنہائی میں چلہ کشی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن الہام الٰہی نے وہاں جانے سے روک دیا اور ہوشیار پور جانے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ارادہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا یہاں تک کہ جنوری ۱۸۸۶ء آگئی۔ قاعدہ تھا کہ آپ جب کبھی ہوشیار پور تشریف لیجاتے تو شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے مہمان ہوتے۔ وہ آپ کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنے خاندان کی ایک شادی پر بھی آپ کو مدعو کیا تھا۔ اور آپ شمولیت کیلئے وہاں تشریف بھی لیگئے تھے۔ اب کے دفعہ ہوشیار پور جانے کا قصد کیا تو چونکہ مقصد چالیس روز تک خلوت اور

عبادت کا تھا اس لئے ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں آپ نے شیخ مہر علی صاحب کو لکھا کہ چونکہ دو ماہ کے واسطے آنا چاہتا ہوں اسلئے کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے ایک کنارہ پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو شیخ مہر علی صاحب نے اپنا ایک مکان جو طویلہ کے نام سے مشہور تھا خالی کر دیا۔ حضرت صاحب بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے رستہ تشریف لے گئے۔ دریا پار ہو کر رستہ میں ایک جگہ قیام کیا۔ دوسرے دن ہوشیارپور پہنچے۔ آپ نے جاتے ہی طویلہ کے بالاخانہ پر قیام فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلاویں۔ چالیس دن گزرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھیروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے مجھ سے مل سکتے ہیں اور سوال و جواب کرنیوالے گفتگو کر سکتے ہیں۔ پھر گھر کے ملازموں اور خدام کو بھی حکم دے دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے۔ اور گھر میں کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک ضروری ہے۔ اور نہ ہی اوپر بالاخانہ میں میرے پاس کوئی آئے میرا کھانا اوپر پہنچا دیا جائے مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھا لوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لیجایا کریں۔ نمازیں اوپر الگ پڑھا کروں گا جمعہ کیلئے فرمایا کہ کوئی ویران مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ ان چالیس دنوں میں بڑے بڑے فضل اللہ تعالیٰ نے آپ پر کئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات دیر تک اللہ تعالیٰ مجھ سے ہمکلام رہتا تھا۔ اگر ان کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں۔ چنانچہ مصلح موعود لڑکے کے متعلق الہامات بھی اسی چلہ میں ہوئے تھے۔ جب چالیس دن گزر گئے۔ پھر آپ حسب اعلان بیس دن اور ہوشیارپور ٹھیرے۔ تب کئی لوگ مذہبی تبادلۂ خیالات کے لئے آپ کے پاس آتے رہے۔ شہر کے علاوہ باہر سے بھی بہت سے آپ کے پرانے ملنے والے آپ کے پاس بطور مہمان آئے۔ انہی دنوں میں لالہ مرلی دھر سے آپ کا مباحثہ ہوا جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

کشف قبور جب دو مہینے کی مدت پوری ہو گئی تو حضرت صاحب واپس اسی راستہ سے قادیان روانہ ہوئے۔ ہوشیارپور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے۔ وہاں پہنچکر آپ تھوڑی دیر کیلئے بہلی سے اُتر آئے۔ اس قبر کے گرد کچھ باغیچہ سا لگا ہوا تھا۔ فرمانے لگے یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے۔ یہاں تھوڑی دیر ٹھیر جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ قبر کی طرف تشریف لے گئے۔ اور مقبرہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس ہوئے اور عبداللہ سنوری صاحب سے جو ہمراہ تھے فرمانے لگے کہ "جب میں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ قبر سے نکل کر دوزانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے۔ اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں اُن سے باتیں

بھی کر لیتا۔ اُن کی آنکھیں موٹی موٹی ہیں اور رنگ سانولا ہے"۔ پھر کہا کہ دیکھو یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے ان کے حالات پوچھیں۔ چنانچہ آپ نے مجاور سے دریافت کیا تو اُس نے بتلایا کہ میں نے خود تو انکو نہیں دیکھا ہے کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گزر گیا ہے۔ ہاں اپنے باپ دادا سے سنا ہے کہ یہ اس علاقہ کے بڑے بزرگ تھے اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔ آپ نے پوچھا کہ ان کا حلیہ کیا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ سُنا ہے سانولا رنگ تھا اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں"۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر آپ قادیان تشریف لے گئے[1]۔

ہوشیار پور میں ماسٹر مُرلی دھر سے مناظرہ

ہوشیار پور میں لالہ مرلی دھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر ایک بہت مشہور آریہ مناظر اور ہوشیار پور کی سماج کے ایک اعلیٰ درجہ کے رکن اور مدار المہام تھے اور ان کو اپنی قابلیت پر بہت ناز تھا۔ حضرت کا شہرہ آپ کے مضامین اور براہین احمدیہ کی وجہ سے دور دور ہو چکا تھا۔ ماسٹر صاحب سُن چکے تھے کہ حضرت کا قلم اسلام کی تائید اور مسیحیت اور آریہ سماج کی تردید میں بہت زور سے چلتا ہے۔ اُنہوں نے جب آپ کی تشریف آوری ہوشیار پور میں سُنی تو چلّہ گزر جانے کے بعد خود آکر درخواست کی کہ تعلیم اسلام پر میرے چند اعتراضات ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہاں کیا دیر تھی فوراً منظور کر لیا۔ اور فرمایا کہ اگر آپ کو مذہبی بحث کا شوق ہے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے لیکن مناسب ہے کہ دونو فریق کے اصول کی حقیقت کھولنے کی غرض سے ہر دو فریق کی طرف سے سوالات پیش ہوں تا کوئی شخص جو ان سوالات و جوابات کو پڑھے اس کو دونو مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے موقعہ مل سکے۔ اور بحث تحریری ہو اور جواب الجواب کے جواب تک بحث ختم ہو اس سے پہلے نہیں۔ جلسۂ مناظرہ میں ہی پرچے لکھے جائیں اور پھر حاضرین مجلس کو پڑھکر سنائے جائیں۔ چنانچہ بمنظوری جانبین اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ اس مناظرہ کی خبر ہوشیار پور میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور بڑے بڑے شرفا اور رؤسا اور عوام اور خواص ہندو اور مسلمان مناظرہ کے دن جمع ہو گئے جن میں شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور۔ مولوی آتمی بخش صاحب وکیل۔ ڈاکٹر مصطفےٰ علی صاحب۔ بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس۔ میاں عبد اللہ صاحب حکیم۔ میاں شہاب الدین صاحب دفعدار۔ لالہ نرائن داس صاحب وکیل۔ پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل۔ لالہ گنیش داس صاحب وکیل منشی گلاب سنگھ صاحب سررشتہ دار۔ لالہ رام لبھیا صاحب ہیڈ ماسٹر۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر۔ لالہ سیتا رام صاحب مہاجن۔ میاں شترو گھن صاحب پسر کلاں راجہ صاحب سکیت۔ میاں شترن جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب

[1] ہوشیار پور کی چلہ کشی اور کشف قبور کے حالات سیرۃ المہدی حصہ اول کی روایات پر مبنی ہیں۔

موصوف۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس۔ مولوی فتح الدین صاحب مدرس قابل ذکر ہیں۔ پہلے دن گیارہ مارچ ۱۸۸۶ء کو رات کے وقت مناظرہ خود حضرت اقدس مرزا صاحب کے جائے قیام پر ہوا۔ ماسٹر مرلی دھر صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض معجزہ شق القمر کے بارے میں پیش ہوا۔ اس کا جواب حضرت صاحب کی طرف سے دیا گیا۔ اس کا جواب الجواب ماسٹر صاحب نے دیا۔ لیکن جب اس جواب الجواب کا جواب حضرت صاحب تحریر فرمانے لگے تو ماسٹر صاحب نے رات زیادہ جانیکا عذر کر کے مجلس سے اُٹھ جانا چاہا۔ اس پر حضرت صاحب نے اور تمام حاضرین جلسہ نے سمجھایا کہ رات کچھ ایسی زیادہ نہیں گئی ہم سب پر رات کا برابر اثر ہے۔ آپ کا طے شدہ شرائط مناظرہ کے خلاف کرنا اچھا نہیں ہے جواب ضرور تحریر ہونا چاہئے اور آپ کو سُن کر جانا چاہئے۔ خود راجہ شترو گھن صاحب نے کئی بار ماسٹر صاحب کی خدمت میں التجا کی کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے۔ ہمیں کسی نوع سے تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سننے کا شوق ہے۔ ایسا ہی کئی ہندو صاحبان نے یہ منشا ظاہر کیا۔ مگر ماسٹر صاحب نے کچھ ایسی مصلحت سوچی کہ نہ مانا اور اُٹھ کر جانے لگے۔ اس پر حضرت صاحب نے تمام حاضرین کے سامنے اعلان کر دیا کہ اگر آپ اس وقت کو ٹالنا چاہتے ہیں تو ٹالیں۔ مگر حسب شرائط مناظرہ ہم تو اس جواب الجواب کا جواب بہرحال لکھیں گے۔ اور بالضرور اپنی تصنیف میں اس جواب کو شامل کریں گے۔ چنانچہ طوعاً و کرہاً ماسٹر صاحب نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ مگر اسی جلسہ میں جواب تحریر ہو کر پیش ہونا اُن کو بہت ناگوار تھا۔ وجہ یہ کہ اُنہیں یہ فکر تھی کہ جس وقت جواب پیش ہوا تو خدا جانے مجھے کیا کیا ندامتیں حاضرین مجلس کے سامنے اٹھانی پڑیں گی۔ اس واسطے یہ وقت کسی طرح ٹل جائے۔

دوسرا جلسہ ۱۴۔ مارچ ۱۸۸۶ء کو شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور کے مکان پر دن کو ہوا۔ وہاں بھی مذکورہ بالا لوگ موجود تھے۔ وہاں حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور پھر اسی کے التزام سے جاودانی نجات سے منکر رہنا جو آریہ سماج والوں کا اصول ہے خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفت رحم کے بالکل منافی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسۂ عام میں سنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت کو ماسٹر صاحب کا ہی جی جانتا ہوگا۔ اور نیز وہ لوگ جو فہیم اور زیرک حاضر جلسہ تھے معلوم کر گئے ماسٹر صاحب کو اس وقت کچھ سوجھتا نہ تھا کہ اس کا کیا جواب دیں۔ ناچار حیلہ جوئی کی غرض سے گھنٹہ سوا گھنٹہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں ہے دو ہیں۔ تو اس کے جواب میں انہیں بتایا گیا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنیوالا مجبور ہے کہ وہ مکتی کو دائمی نہ مانے بلکہ میعادی

مانے کیونکہ اگر مکتی کو جاودانی مانے تو ایک دن پرمیشر کے ہاتھ سے مکتی پا کر سب ارواح نکل جائیں گے۔ وہ نئی ارواح تو پیدا کر نہیں سکتا۔ یہ پرانی بھی نہ معلوم اس کے کس طرح ہاتھ لگ گئی تھیں کیونکہ اُس نے خود تو پیدا کی نہ تھیں۔ اسلئے نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن اُسے خدائی سے جواب مل جائیگا۔ پس انکار خالقیت اور انکار نجاتِ جاودانی باہم لازم ملزوم ہیں۔ پس اس جہت سے سوال کے یہ دونوں ٹکڑے حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ غرض بعد بہت سا سمجھانے کے پھر ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا۔ اور تین گھنٹے تک بہت سا وقت اور غم و غصہ کھانے کے بعد ایک ٹکڑے سوال کا جواب قلمبند کر کے سنایا اور دوسرے ٹکڑے کی بابت جو مکتی کے بارے میں تھا یہ جواب دیا کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھ کر بھیج دیں گے۔ حضرت صاحب نے ایسا جواب لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے روبرو تحریر کریں۔ اگر گھر پر بیٹھ کر لکھنا تھا تو پھر اس جلسۂ بحث کی ضرورت ہی کیا تھی۔ مگر ماسٹر صاحب نے نہ مانا۔ اور مانتے کیونکر اُن کی تو حالت اس وقت بہت غیر ہو رہی تھی۔ آخر جب ماسٹر صاحب نے کسی طرح بھی منظور نہ کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ خیر جسقدر آپ نے لکھا ہے وہی ہم کو دیں تا اُس کا ہم جواب الجواب لکھیں۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے بیان کیا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے اب ہم بیٹھ نہیں سکتے۔ سماج کے وقت کا تو خیر بہانہ ہی تھا کیونکہ سماج کے اکثر ممبر تو وہیں جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بات یہ ہے کہ ماسٹر صاحب کسی طرح جان چھڑا کر وہاں سے ٹل جانا چاہتے تھے۔ ناچار جب وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو ان کو کہا گیا کہ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ باہم عہد ہو چکا تھا اُس کو توڑ دیا۔ نہ تو آپ نے پورا جواب ہی لکھا اور نہ اب ہمیں جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہم یہ جواب الجواب لکھ کر اپنی کتاب میں ضرور شامل کر دیں گے۔ یہ بات سنتے ہی ماسٹر صاحب بمعہ رفیقوں کے چل دیئے۔ ماسٹر صاحب کو اُٹھتے وقت حضرت اقدس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس وقت کسی نوع سے ٹھیرنا مصلحت نہیں سمجھتے تو میں دو روز اور اس جگہ ہوں اور اپنا دن رات اسی میں صرف کر سکتا ہوں۔ لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ بہرحال ماسٹر صاحب کسی طرح اپنی جان چھڑا کر بھاگ گئے۔ لیکن تمام حاضرین جلسہ کیا ہندو کیا مسلمان بخوبی معلوم کر گئے کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام کارروائی گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔

سرمہ چشم آریہ کی تصنیف حضرت صاحب نے وہ تمام مناظرہ بمعہ اپنے جواب الجواب اور جواب الجواب کے جواب کے اسی سال یعنی ۱۸۸۶ء میں بنام سُرمہ چشم آریہ کے نام سے شائع فرما دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک مقدمہ لگایا جس میں قانون قدرت اور معجزات کے باہمی تعلق اور خلاف عقل اور بالاتر از عقل کے مابہ الامتیاز

فرق پر اسقدر لطیف اور پُرحکمت بحث کی ہے کہ ایک عقلمند انسان کا دل آپ کی فضیلت علمی کے سامنے جھک جاتا ہے۔ اور ایک طالب حق علم و حکمت کے اس دریائے بیکراں سے سیراب ہو جاتا ہے۔ اصل کتاب کی شان کا اندازہ پڑھنے سے لگتا ہے۔ معجزہ شق القمر پر اسقدر زبردست دلائل دیئے ہیں کہ ایک نیچر کے دلدادہ کو بھی ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ اور آنحضرت صلعم کی عظمت و شان کو اس خوبی سے ظاہر کیا ہے کہ اس سے بڑھکر ممکن نہیں۔ اور خدا کی خالقیت کے انکار اور میعادی مکتی اور تناسخ کی ایسی زبردست تردید کی ہے کہ ان کا جواب آجتک تو کسی آریہ سے بن نہیں پڑا۔ حالانکہ آپ نے اسکا جواب لکھنے والے کو پانچ سو روپے انعام دینے کا اشتہار بھی دیا تھا۔ یہ اشتہار اسی کتاب کے آخری صفحہ پر موجود ہے۔ مگر کسی آریہ کو اس کے جواب کی جرأت تک نہ ہوئی۔ اور جرأت کیسے ہوتی۔ وہ کتاب کیا ہے براہین احمدیہ کے بعد آپ کے علم کلام کی ایک شاہکار ہے +

اندرمن مرادآبادی کا فرار اس اشتہار کے شائع ہونے پر ایک مرتبہ اندرمن مرادآبادی مشہور ہرزہ گو دشمن اسلام نے مقابلہ کی ٹھیرائی مگر انعام پہلے مانگا کہ کسی کے پاس رکھوا دیا جائے۔ جب حضرت مرزا صاحب کے آدمی زر انعام لیکر پہنچے تو اندرمن لاہور چھوڑ کر ہی بھاگ گیا +

کتاب شحنۂ حق کی تصنیف

شحنۂ حق بھی آریوں کی تردید میں حضرت اقدس کی ایک کتاب ہے جو ۱۸۸۸ء میں آپنے شائع فرمائی۔ اس کے شائع کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ لیکھرام پشاوری نے جو ہر طرف اپنا گند اچھالتا پھرتا تھا ایک کتاب "تکذیب براہین احمدیہ" لکھ کر شائع کی جس میں براہین احمدیہ کے دلائل پر تو ایک حرف نہیں لکھا البتہ اس میں نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو گالیاں بہت سی دیں اور اسلام پر بے سروپا بہت سے بہتان باندھے۔ اور آنحضرت صلعم کا پنڈت دیانند سے مقابلہ کر کے نعوذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیانند کے مقابلہ میں بہت حقیر کر کے دکھایا۔ لیکن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ انہی دنوں میں آریہ درپن کے پرچوں اور اندرمن کے اشتہاروں اور پنڈت شوزائن کی پوست کندہ تحریروں نے جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں پنڈت دیانند کی سوانح زندگی کے ایسے بخیئے ادھیڑے کہ اس مقابلہ کی حقیقت خود بخود وطشت از بام ہوگئی۔ اس کے بعد ۲۷۔ جولائی ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں جو آریوں کی طرف سے مطبع چشمہ نور امرتسر میں چھپا تھا حضرت اقدس مرزا صاحب کی موت کی پیشگوئی کی گئی اور آپکو دھمکی دیگئی کہ تین سال کے اندر اندر تمہارا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر ایک خط جو ۳۔ دسمبر ۱۸۸۶ء کو کسی معلوم "حقیقت آریہ نے گمنام آریہ بن کر بصیغہ بیرنگ

آپ کو بھیجا۔ اُس میں صاف صاف آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی ہوئی تھی لیکن آپ نے ان کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور صاف طور پر سنا دیا کہ:۔

"ہم حق کے اظہار میں ایسے اعلانوں سے ہرگز نہیں ڈرتے۔ ایک جان کیا اگر ہماری ہزار جان ہو تو یہی خواہش ہے کہ اس راہ میں فدا ہو جائے۔ اور گو ہم جانتے ہیں کہ یہ تحریریں کن حضرات کی ہیں اور کن اندرونی اور بیرونی سازشوں اور مشوروں اور باہمی خط و کتابت کے بعد کسی قوی امید سے کسی اسی جگہ کے ہیوواسکر یوطی یا بگڑے ہوئے سکھ کی دم وہی سے جاری کئے گئے ہیں۔ مگر ہمیں کچھ عذر نہیں کہ مجازی حکام کو اس کی اطلاع دیں کیونکہ جو کچھ یہ لوگ ہماری نسبت بداراد ے کر رہے ہیں ہمارے حاکم حقیقی کو علم اُن کا پہلے ہی سے حاصل ہے ..... اے آریو! ہمیں قتل سے مت ڈراؤ ہم ان ناکارہ دھمکیوں سے ہرگز ڈرنیوالے نہیں۔ جھوٹ کی بیخکنی ہم ضرور کریں گے اور تمہارے ویدوں کی حقیقت ذرہ ذرہ کر کے کھول دیں گے۔" (شحنۂ حق صفحہ ۳ حاشیہ)

اس کے بعد ماہ فروری ۱۸۸۷ء میں قادیان کے آریوں نے لیکھرام کی امداد سے ایک اشتہار رسالہ کی شکل میں چشمۂ نور امرت سر میں چھپوا کر شائع کیا جس کا نام اُنہوں نے "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت" رکھا۔ اور اس میں حضرت مرزا صاحب کو خاص طور پر مخاطب کیا۔ اور اسلام پر طرح طرح کی بکواس کرنے کے بعد خود حضرت مرزا صاحب پر بھی طرح طرح کے حملے کئے۔ تب اس رسالہ کا جواب حضرت اقدس کو شائع کرنا پڑا جس کا نام شحنۂ حق ہے۔ یہ کتاب آپ نے فقط چار پانچ گھنٹہ کے مختصر وقت میں تحریر فرمائی تھی لیکن اس میں آریوں کے تمام اعتراضات کے جواب اسقدر دندان شکن دیئے ہیں اور ویدوں کی وہ حقیقت کھولی ہے کہ اس کتاب کا نام بجا طور پر شحنۂ حق یعنی حق کا کوتوال رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں حق کا تازیانہ ایسا چلا ہے کہ باطل کو ٹھیرنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔

مسٹر الگزینڈر رسل وب سے خط و کتابت اور اس کا اسلام قبول کرنا

مسٹر وب کے ابتدائی حالات ملک امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں ۱۸۴۶ء میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام الگزنڈر رسل وب تھا اس شخص کا باپ ایک نامی و مشہور اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ وب صاحب نے کالج میں پوری تعلیم پائی۔ طبیعت میں مذہبی رجحان بہت تھا اسلئے ابتدا میں سینٹ لوئس موری کے شہر میں ایک گرجے

کے امام کے فرائض ادا کرتے رہے۔ طبیعت معقول پسند تھی۔ آخر مسیحیت کی خلاف عقل و عدل تعلیم سے بیزار ہو کر ۱۸۷۲ء میں دین عیسوی کو ترک کر دیا۔ اور ساتھ ہی گرجے کی امامت کو خیرباد کہہ کر اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جس سے وب صاحب کی لیاقت علمی اور قابلیت کا شہرہ دُور دُور ہو گیا اور اُن کو ایک بہت پایہ کے روزانہ اخبار سینٹ جوزف مسوری ڈیلی گزٹ کی ایڈیٹری کے معزز عہدہ پر دعوت دی گئی۔ پھر اس کے بعد اور کئی اخباروں کی ایڈیٹری کا کام وب صاحب کے سپرد ہوتا رہا۔

حضرت اقدس سے خط و کتابت کئی برس تک وب صاحب کا کوئی مذہب نہ تھا۔ دل میں خیال آیا کہ دنیا کے کل مذاہب کی تحقیقات کرنی چاہئے۔ بدھ مذہب اور برہمن مت کا خوب مطالعہ کیا مگر دل کو تسلی نہ ہوئی کسی قدر تعلیمات زرتشت و کنفیوشس کا بھی مطالعہ کیا مگر وہ بھی دل کو تسکین نہ دے سکیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی نسبت بھی کچھ مطالعہ کیا مگر بہت کم۔ اتنے میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا براہین احمدیہ کا انگریزی اشتہار جس میں قرآن کریم کی حقانیت اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت پر تین سو دلائل دینے کا وعدہ تھا جن کے توڑنے پر دس ہزار روپے انعام کا وعدہ تھا (جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے) وب صاحب کی نظر سے گزرا جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے اور حضرت اقدس مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کر دی چنانچہ ان کا پہلا خط ۱۸۸۶ء میں موصول ہوا جس کا حضرت صاحب نے نہایت مناسب جواب لکھ کر بھیجا اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس کے بعد ان کا دوسرا خط یکم اپریل ۱۸۸۷ء کو وصول ہوا انہوں نے انگریزی میں لٹریچر اسلام پر مانگا تھا اور خود ہی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر اسلام کے متعلق میری پوری تسلی ہو گئی تو میں نہ صرف خود اسلام قبول کروں گا بلکہ اپنے اس ملک میں اسلام کی اشاعت بھی کرونگا حضرت صاحب نے لکھا کہ انگریزی لٹریچر اسلام پر ابھی موجود نہیں۔ البتہ ہم اسلام پر رسالے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں جنہیں انگریزی میں ترجمہ کرا کے آپ کو بھیجیں گے۔ وب صاحب کے مذکورہ بالا دو خطوط شحنۂ حق میں طبع شدہ موجود ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ اس خط و کتابت کے ذریعہ اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وب صاحب نے جزائر فلپائن کے پایہ تخت منیلا میں آ کر اسلام قبول کر لیا۔ منیلا میں وب صاحب اس طرح آئے کہ اخباروں کی ایڈیٹری سے اُن کی قابلیت اور علمیت کا شہرہ بہت ہو گیا تھا۔ امریکہ کے اعلیٰ پایہ کے اخباروں کی ایڈیٹری کرنا معمولی دل و دماغ کے لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ وہاں کے ایڈیٹروں کی قلم کے آگے حکومت کی گردن جھکتی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ وب صاحب کی قابلیت سے متاثر ہو کر صوبجات متحدہ امریکہ کے پریذیڈنٹ نے انہیں سفارت کے عہدہ پر منیلا جزائر فلپائن

میں بھیجدیا۔ وہاں جاکر یہ مسلمان ہوگئے۔

مولوی حسن علی مرحوم صاحب کی شہادت

مولوی حسن علی مرحوم شہر بھاگلپور صوبہ بہار کے ایک بہت بڑے عالم اور متقی اور باخدا انسان تھے اور ایک زبردست روحانیت کے مالک تھے۔ ہندوستان میں غالباً وہ پہلے آدمی ہوں گے جنہوں نے انگریزی میں اسلام پر بڑے کامیاب لکچر دیئے۔ مدراس میں اسلام پر اُن کے انگریزی لیکچروں میں خود گورنر مدراس شامل ہوتا رہا۔ طبیعت نہایت معقول اور زبان میں بڑا اثر تھا۔ وجہ یہ کہ اُن کا اپنا دل اسلام کے درد سے گداز تھا۔ نتیجہ یہ کہ کئی سو اہل ہنود نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کرکے اسلام قبول کیا۔ اور دو ہزار سے زیادہ طالبعلم ہوں گے جو مغربی تعلیم و فلسفہ کے بداثر سے دہریہ گمراہ اور بدعقیدہ ہوچکے تھے وہ ان کے انگریزی لیکچروں کو سُن کر اسلام پر پختہ ہوگئے۔ انہوں نے مجدّد وقت کو کس طرح تلاش کیا اور حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کی وہ ایک دلچسپ داستان ہے جسے اُنہوں نے اپنی ایک نہایت قابل قدر تصنیف تائید حق میں مفصّل لکھا ہے۔ اُسی میں اُنہوں نے مسٹر الگزنڈر وب کا بھی مفصل حال لکھا ہے۔ اُس وقت مولوی حسن علی صاحب ابھی مجدّد زمانہ کی تلاش میں تھے اور حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو نہ مانتے تھے۔ لکھتے ہیں:۔

"حاجی عبداللہ عرب ایک یمین تاجر تھے جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا ان کو سامان کر دیا تو ہجرت کرکے مدینہ میں جا بسے۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تیار تو ہوگئے لیکن عرب کے بدوؤں کے آگے پھل مشکل سے آخر بیچارے پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ جدہ میں آکر ایک مختصر پونجی سے تجارت شروع کر دی۔ بمبئی میں تجارتی تعلق ہونیکی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو اولوالعزم ولی بنایا ہے۔ اس کمال خوبی کا مسلمان میری نظروں سے بہت ہی کم گزرا مثل بچوں کے دل گناہوں سے پاک صاف۔ خدا پر بہت ہی بڑا توکل۔ ہمت نہایت بلند۔ مسلمانوں کی خیرخواہی کا وہ جوش کہ صحابہ یاد پڑ جائیں۔.....

مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقعہ ملا ہے اگر میں انکی روحانی خوبیوں کو لکھوں تو بہت طول ہوجائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ مکہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اصلاح کیلئے قریب چار لاکھ روپیہ چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے الگزنڈر رسل وب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سُنا فوراً انگریزی میں خط لکھوا کر وب صاحب کے پاس روانہ کیا۔

وب صاحب نے بھی ویسے ہی گرم جوشی کے ساتھ جواب دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلا آسکتے تو امریکہ میں اشاعت اسلام کے کام میں کچھ صلاح و مشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر سید اشہد الدین جھنڈے[1] والے سے بیعت ہے۔ شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب صاحب کے دل میں ہے مجھ سے اس قدر تعریف اُن کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے کہ ایک بار حضرت پیر سید اشہد الدین کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیر و مرشد سے صلاح ضرور ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد سے منیلا جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ اس سفر میں کچھ خیر ہے۔ عبداللہ عرب صاحب نے مجھ کو لکھا کہ تو بھی منیلا چل۔ میں انگریزی نہیں جانتا اور وب صاحب اُردو نہیں جانتے۔ ایک مترجم ضروری ہے اور ایک نومسلم سے ملنا ہے نہ معلوم اس بیچارہ کو دین اسلام کے بارے میں کیا پوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اُس زمانہ میں کٹک میں تھا۔ کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار کرتے رہے۔ مسلمانان کٹک نے مجھ کو جلد رخصت نہ دی۔ آخر وہ ایک پوربیشین نومسلم کو لیکر منیلا چلے گئے۔ اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ سے بالا صرف ہوا۔ وب صاحب سے ملاقات ہوئی یہ بات طے پائی کہ وب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفا داخل کریں۔ اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے ہندوستان آکر مجھ سے ملاقات کی اور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدرآباد میں قائم ہوا جس میں چھ ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہدیا کہ ابھی وب صاحب کو عہدہ سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو جب تک چندہ پورا نہ جمع ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری نہ سنی اور بمبئی سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے تم نوکری سے استعفا داخل کردو۔ چنانچہ وب صاحب نے ویسا ہی کیا۔ اور ہندوستان آئے۔ میں بمبئی سے ساتھ ہوا۔ پونا۔ حیدرآباد۔ مدراس میں ساتھ رہا۔ حیدرآباد میں وب صاحب نے مجھ سے کہا کہ **جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اُنہیں کی وجہ سے میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔** میں ان سے ملنا چاہتا ہوں مرزا صاحب کی بدنامی وغیرہ کا جو قصہ (یعنی دعوئی مسیحیت و نبوت کا قصہ۔ ناقل) میں نے

[1] یہ پیر صاحب ضلع حیدرآباد سندھ تحصیل ہالہ میں رہتے تھے انکے لاکھوں لاکھ مرید تھے۔ اور علاقہ سندھ کے لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اُن کی کرامات و بزرگی کے سب قائل تھے۔ اب فوت ہو چکے ہیں۔ (ناقل)

سنا تھا اُن کو سُنایا۔ وب صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو ایک خط لکھوایا۔ جس کا جواب آٹھ صفحے کا حضرت نے لکھکر بھیجا۔ اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرکے وب صاحب کو سُنا دینا۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ وب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت اقدس کا خط سُنتے رہے۔ خط میں حضرت نے اپنے اس دعوے کو معہ دلیل کے لکھا تھا۔ پنجاب کے علما کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا۔ حضرت نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے (یعنی وب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ وب صاحب۔ حاجی عبداللہ عرب اور میری ایک کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں چندہ جمع کرنا ہے ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کرکے اشاعت اسلام کے کام میں نقصان پہنچایا جائے۔ اب اس بدفیصلہ پر افسوس آتا ہے! وب صاحب لاہور گئے تو اسی خیال سے قادیان نہ گئے لیکن بہت بڑے افسوس کی یہ بات ہوئی کہ ایک شخص نے وب صاحب سے پوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے تو اُنہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے وب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا۔ غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کرکے وب صاحب تو امریکہ جاکر اشاعت اسلام کے کام میں سرگرم ہوگئے۔ دو ماہ تک مَیں وب صاحب کے ساتھ رہا۔ وب صاحب حقیقت میں آدمی معقول ہے اور اسلام کی سچی محبت اُس کے دل میں پیدا ہوگئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہوسکا انکی معلومات کے بڑھانے۔ خیالات کج کو درست کرنے اور مسائل ضروری کی تعلیم میں کوشش کی۔ اور شیخ محمدؐ میرا ہی رکھا ہوا نام ہے۔ جیسا مَیں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا لیکن وصول ہوتا کہیں سے نظر نہ آتا تھا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن نہ رَوَد مسیح آہنی در سنگ۔ لاکھوں روپیہ خلاف شرع خرچ کرنے میں مسلمان مستعد و سرگرم رہتے ہیں مگر اس بہت بڑے کام میں کچھ بھی نہ دیا۔ صرف رنگون اور حیدرآباد دکن سے کچھ کیا گیا۔ کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے وہ تیس ہزار ہوں گے جس میں حاجی عبداللہ صاحب عرب کا اپنا سولہ ہزار روپیہ ہوگا۔ بیچارہ غریب حاجی اس کام میں پس گیا! جب حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بیچینی میں مبتلا ہوئے تو اپنے پیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حضرت سیّد شہاب الدین صاحب کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا۔

معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی تصرفات

کی وجہ سے اشاعت ہو رہی ہے اُن سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہوگا۔ دوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی۔ اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کی علمائے پنجاب ہند نے تکفیر کی ہے اُن سے کیونکر اس بارے میں کہا جائے۔ اس بات کو سُن کر شاہ صاحب نے بہت تعجب کیا اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور استخارہ کیا۔ جواب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حضور نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اُٹھ کر شاہ صاحب نے کہا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ میں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا۔ اور اگر وہ مجھ کو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جبکہ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اور دوسرے حاجیوں نے خواب کا حال سُنا اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں۔ سب نے عرض کیا آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ آپ کی طرف سے کوئی دوسرے صاحب حضرت مرزا صاحب کے پاس جا سکتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ عرب صاحب قادیان گئے اور سارا قصہ بیان کر کے خواستگار ہوئے کہ حضرت اقدس اس طرف متوجہ ہوں تاکہ اشاعت اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔ بیان مذکورہ بالا میں نے خود حاجی عبداللہ عرب صاحب سے سُنا ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں حاجی صاحب کو میں ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس خبر کو جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس حالت میں مرزا صاحب ایک بدنام شخص ہو رہے ہیں۔ اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں۔ عبداللہ عرب صاحب کو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے بارے میں ایک ایسا قصہ تصنیف کریں جس سے ظاہراً اُن کا نقصان ہی نقصان ہے۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سید فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں جن کو سلطان روم بہت پیار کرتے ہیں۔ سید فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گزرے ہیں جو صاحب کشف و کرامات تھے۔ وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت مہدی علیہ السلام کی معین اور مددگار ہوگی۔ اور وہ سب داخل اسلام ہوگی واللہ اعلم بالصواب" (تائید حق از صفحہ ۸۱ تا ۸۶)

وب عاجب کے مزید حالات | یاد رہے کہ کتاب تائید حق ۱۸۹۷ء میں مولوی حسن علی مرحوم کی وفات کے بعد شائع

ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ۱۸۹۵ء یا ۱۸۹۶ء کی تصنیف ہے۔ مرحوم نے ۲۔ جنوری ۱۸۹۴ء کو حضرت اقدس کی بیعت کی تھی اس لئے معلوم ہوا کہ مسٹر الگزنڈر ڈوب ۱۸۹۱ء کے بعد اور ۱۸۹۴ء سے قبل کے زمانہ میں ہندوستان آئے جبکہ ابھی مولوی حسن علی مرحوم حضرت کی بیعت سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دعویٔ مسیحیت و مہدویت کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کی سخت مخالفت ہو رہی تھی۔ اور اسی وجہ سے ڈوب صاحب قادیان آکر حضرت صاحب سے نہ ملے۔ اور اس کا انہیں تمام عمر افسوس رہا۔ ہندوستان سے جاکر انہوں نے بڑی آب و تاب سے ایک اخبار مسلم ورلڈ کے نام سے نکالا اور اس کے ذریعہ اسلام کی اشاعت شروع کی۔ لیکن کچھ عرصہ وہ اخبار نکل کر روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ جیسا کہ مولوی حسن علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے وعدے تو بڑے کئے مگر ان وعدوں کو پورا نہ کیا۔ اور روپیہ نہ ملنے کی وجہ سے ڈوب صاحب بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔ اور ساری تحریک خاک میں مل گئی ۱۹۰۲ء میں خاکسار مؤلف قادیان میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس وقت مسٹر الگزنڈر ڈوب صاحب کا ایک تازہ آیا ہوا خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ بہت لمبا خط تھا۔ اس میں سے ایک دو باتیں مجھے یاد ہیں۔ ڈوب صاحب نے اس میں سخت افسوس اور قلق کا اظہار کیا تھا اور لکھا تھا کہ افسوس میں ہندوستان آیا اور آپ کی زیارت نہ کر سکا۔ حالانکہ آپ کے ذریعہ مجھے ہدایت ملی تھی۔ جن لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر اور جس چندہ کیلئے میں آپ سے نہ ملا۔ انہی لوگوں نے وعدہ وفا نہ کیا اور کوئی چندہ نہ دیا۔ اب مجھے کسقدر افسوس آتا ہے کہ کن لوگوں کیلئے کیسے باخدا بزرگ کی زیارت سے محروم رہ گیا۔ اب مغرب کی نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ کیونکہ اسلام کے متن کی شرح جیسی آپ کرتے ہیں وہ اہل مغرب کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ غرضکہ بہت کچھ عقیدت اور ارادت کا اظہار اس میں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک مرتبہ اُن سے امریکہ میں اشاعت اسلام کی نسبت مشورہ طلب کیا گیا تو انہوں نے لکھا کہ ضروری ہے کہ یہاں کوئی ایسا آدمی آئے جو اسلام کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہو۔ کیونکہ نمونہ کے بغیر مذہب اسلام اہل مغرب کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جن کی معلومات اسلام کے بارے میں قطعاً کوئی نہیں وہ نمونہ کے بغیر اسلام کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں جو مسلمان رہتے ہیں چونکہ وہ خود اسلام سے بیگانہ ہیں اسلئے اُن کا نمونہ اسلام کا نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اور ان کا نمونہ بجائے مفید ہونے کے اسلام کے لئے باعث ہتک ہے۔ چاہئے کہ ہندوستان سے جو مبلغ آوے وہ اپنے اندر پورا پورا اسلامی نمونہ رکھتا ہو تب امریکہ کے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑیگا اور اسلام یہاں انشاء اللہ بہت ترقی کرے گا۔ اس کے بعد

وب صاحب کے تعلقات حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت سے خیر وقت تک نہایت ارادتمندانہ اور برادرانہ رہے ۔

پیشگوئی دربارۂ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری و نکاح محمدی بیگم

۱۸۸۸ء میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے احمد بیگ اور اُس کی دختر محمدی بیگم کے بارے میں وہ پیشگوئی فرمائی جو آجکل مخالفین کے ہر وقت ورد زبان رہتی ہے اور جب کبھی حضرت مرزا صاحب کی تکذیب کرنی ہو تو عوام ہوں یا خواص تمام دلائل و براہین کو بالائے طاق رکھ کر اس پیشگوئی کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ سینکڑوں پیشگوئیاں جو پوری ہو چکیں ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور ایک پیشگوئی جس میں بظاہر کسی قدر ابہام نظر آتا ہے اُسے پکڑ کر بیٹھ جانا حق پرستی کا نشان نہیں بلکہ محض ضد اور تعصب کی علامت ہے۔ ایک سنجیدہ میں ان امور پر تفصیل سے بحث کرنیکا تو موقع نہیں البتہ مجملاً کچھ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں

پیشگوئی صفات الٰہیہ علیم و قدیر کے ماتحت ہوتی ہے

اسلام میں پیشگوئی کے متعلق جو امر اہل تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات **علیم** اور **قدیر** کے ماتحت ہمیشہ پیشگوئیوں کا وجود ہوتا ہے۔ یعنی پیشگوئیوں میں جو اعجاز ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے **علم** اور **قدرت** کے اظہار سے وابستہ ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے جو فرعون کی ہلاکت کی پیشگوئی کی تو اس میں علمی رنگ میں اعجازیہ تھا کہ ایک عاجز انسان محض اپنے علم سے قبل از وقت اتنے بڑے شہنشاہ کی ہلاکت کی پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ہر ایک عقل سلیم رکھنے والے انسان کو اس پیشگوئی میں صاف طور پر خدا کا علم نظر آتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ معجزانہ رنگ میں قدرت الٰہی کا ظہور اس طرح ہوا کہ جس سمندر میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور اور عاجز قوم کو بوڑھوں بچوں عورتوں سمیت بخیر و خوبی پار کر دیا۔ اُسی سمندر میں اُن کے تعاقب میں جو ایک بڑا شہنشاہ آرہا تھا اسے بمعہ اس کے تمام جاہ و حشم لاؤ لشکر کے غرق کر دیا۔ اس قدر زبردست قدرت نمائی انسان کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ نمائے قادر مطلق کی ہی قدرت کا زبردست ہاتھ تھا جس نے اتنا بڑا کارنمایاں کر دکھایا۔ پس ہر پیشگوئی میں اللہ تعالیٰ کے **علم** اور **قدرت** کا ظہور ہوتا ہے ۔

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیشگوئیاں ظہور میں آتی ہیں وہ یا تو تقدیر مبرم ہوتی ہیں یا تقدیر معلق۔ **تقدیر مبرم** تو وہ ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس علم ازلی پر مبنی ہوتی ہے جس کے ماتحت ہر ایک چیز کا انجام اس کے پیش نظر ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت ابراہیم کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی۔ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی گئی۔ یہ علم الٰہی تھا اور تقدیر مبرم تھی۔

کوئی چیز اُسے ٹال نہیں سکتی تھی۔ بیشک اسباب خلاف ہوں۔ طرح طرح کے موانعات حائل ہوں لیکن وہ مشکلات سب حل ہو جائیں گی۔ قدرت ان تمام موانعات کو دور کر دیگی اور خدا کے علم نے جو بات بتائی تھی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اور تقدیر معلّق وہ ہوتی ہے جو ٹل سکتی ہے اور یہ عموماً انسان کے افعال اور حالات پر مبنی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر زہر کھائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ نہیں کھائیگا ہلاک نہیں ہوگا۔ بیماری میں علاج اور پرہیز کرے گا اس کا فائدہ اٹھائے گا۔ علاج نہ کریگا بدپرہیزی کریگا نقصان اُٹھائے گا۔ غرضکہ دنیا کے اکثر کام جہاں انسان کے افعال اور حالات کا تعلق ہوتا ہے اسی تقدیر معلّق کے ماتحت چل رہے ہیں۔ پیشینگوئیوں میں بھی جہاں تقدیر معلّق ہوتی ہے وہاں یہی رنگ ہوتا ہے۔ ایک قوم کو کہا جاتا ہے کہ اگر نبی کی اتباع کرو گے تو بچ جاؤ گے اور اگر مخالفت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ گویا اُن کا عذاب سے بچنا اور عذاب سے ہلاک ہونا خود اُن کے اعمال اور حالات پر منحصر ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الی اجل مسمّی ویؤت کل ذی فضلٍ فضلہٗ وان تولّوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ (سورہ ہود) ترجمہ۔ اپنے رب کے حضور میں مغفرت طلب کرو اور اُس کی طرف رجوع کرو تو وہ تم کو وقت مقررہ تک دنیا میں اچھی طرح رسائے بسائے گا اور جس نے زیادہ نیکی کی ہے اس کو زیادہ دے گا۔ اور اگر پیٹھ پھیرو گے تو پھر میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب آجائے گا۔

اس آیت سے صاف نظر آتا ہے کہ استغفار اور توبہ سے عذاب ٹل سکتا ہے۔ اور اگر شرارت اور تکذیب سے انسان باز نہ آوے تو پھر عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے وقت مقررہ سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی لئے وعید یعنی عذاب کی پیشینگوئیوں میں ہمیشہ توبہ اور استغفار اور حالت میں تبدیلی پیدا کر لینے سے عذاب ٹل جانے کی شرط موجود ہوتی ہے خواہ پیشگوئی میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ حضرت یونس نے چالیس دن میں عذاب کے آنے کی پیشینگوئی کی اور خود وہاں سے چلے بھی گئے۔ مگر قوم نے جو عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ و استغفار شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب ٹل گیا۔ پیشینگوئی کے ظاہر الفاظ میں شرط کوئی نہ تھی لیکن وعید کی پیشینگوئی میں خواہ رجوع کرنے سے عذاب ٹل جانے کا ذکر ہو یا نہ ہو سنت اللہ یہی ہے کہ حالت بدلنے سے عذاب ٹل جائے گا اسی طرح ایک فرد یا قوم کے ساتھ اگر کسی انعام کا وعدہ ہوا اور وہ انعام کی وارث بھی ہو چکی ہو تب بھی اگر اس کی حالت بدل جائیگی اور وہ اعمال صالحہ چھوڑ کر ظالم اور فاسق بن جائے گی تو خدا کا انعام بھی اس سے ہٹ جائے گا اور وہ قوم مردود ہو جائے گی۔ مثلاً بنی اسرائیل قوم سے بڑے بڑے انعام کے وعدے

تھے اور وہ اس وعدے کی زمین کی طرف لیجائے بھی گئے لیکن ان کی بار بار کی سرکشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس برس کے لئے وہ انعام روک لیا گیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة ۚ يتيهون فى الارض ۗ فلا تاس على القوم الفسقين ۝ (المائدہ) خدا نے فرمایا کہ وہ زمین ان پر حرام کر دی گئی چالیس سال تک۔ یہ اس بیابان میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس فاسق قوم پر افسوس نہ کر۔ چنانچہ وہ قوم اپنے اعمال کی وجہ سے بیابان میں بھٹک بھٹک کر مر گئی اور وہ وعدہ اُن کی اولاد کے ساتھ پورا ہوا جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے انعام کا مستحق بنایا۔ پس وہ اس وعدہ کی زمین کے وارث ہوئے۔ مقام غور ہے کہ خدا کی سنت اور اُس کا قانون کس قدر اٹل چیز ہے کہ جب پھر وہی قوم بنی اسرائیل جو انعامات الٰہیہ کی وارث بنی تھی دوبارہ فاسق اور ظالم ہو جاتی ہے تو وہ انعامات الٰہیہ ان سے چھین لئے جاتے ہیں۔ یہی مطلب ہے آیت ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم کا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت کو نہ بدلے۔

الغرض ہر ایک نبی و رسول یا مامور و مجدد اپنی قوم کے لئے جو پیشگوئی کرتا ہے وہ اکثر تقدیر معلق ہوتی ہے خواہ وہ مخالف کے لئے ہو یا موافق کے لئے۔ خواہ وہ عذاب کے متعلق ہو یا ثواب کے۔ خواہ وہ عذاب آخرت کا ہو یا دنیا کا۔ مثلاً حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے کفار مکہ کی ہلاکت اور ذلت اور ناکامی کی پیشگوئی فرمائی۔ یہ اُن کے اُسوقت کے حالات کے مطابق تھی۔ ان میں سے جن لوگوں نے اپنے کفر اور طغیان اور ظلم اور عدوان کی حالت کو نہیں بدلا وہ ہلاک ہو گئے۔ ناکام اور نامراد۔ ذلیل اور رسوا ہو گئے لیکن انہی کفار میں سے وہ لوگ بھی تھے جو مسلمان ہو گئے اور ہر قسم کی کامیابی اور فلاح کے وارث ہو گئے جن کا وعدہ آنحضرت صلعم نے اپنے متبعین سے فرمایا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ جن افراد نے اپنی حالت کو نہ بدلا اُن پر وہ عذاب کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور جنہوں نے حالت کو بدل لیا اُن پر سے عذاب کی تقدیر معلق ٹل گئی۔ بلکہ ایمان لے آنے پر اُن پر ثواب کی تقدیر معلق وارد ہو گئی۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق کفار مکہ پر سات سال کے قحط کا عذاب پڑا۔ جس میں ایسا بُرا حال ہوا کہ لوگ جوتی کے چمڑے تک کھا گئے۔ آخر ابوسفیان وغیرہ نے آنحضرت صلعم کی طرف رجوع کیا اور آپ سے دعا کروائی جس سے وہ قحط کا عذاب دور ہو گیا حالانکہ کفار مکہ ایمان نہ لائے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اتنے رجوع کا بھی فائدہ انکو دیا۔ چنانچہ سورۃ الدخان میں اسکا ذکر موجود ہے۔

فارتقب يوم تاتى السماء بدخان مبين ۝ يغشى الناس ۖ هذا عذاب اليم ۝ ربنا اكشف عنا العذاب انا مومنون ۝ انى لهم الذكرى وقد جاءهم رسول مبين ۝

ثم تولوا عنه وقالوا معلم مجنون ۝ انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون ۝ یوم نبطش البطشة الکبری انا منتقمون ۝

ترجمہ:- اس دن کا انتظار کر جب آسمان کھلی کھلی خشک سالی لائیگا جو لوگوں کو ڈھانک لیگی یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (لوگ کہہ اٹھیں گے) کہ اے ہمارے رب ہم پر سے یہ عذاب دور کر دے بیشک ہم ایمان لے آئے۔ انہیں کہاں نصیحت ہو سکتی ہے اور بے شک ان کے پاس کھولکر بیان کرنیوالا رسول آیا۔ پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہا یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا مجنون ہے۔ بیشک ہم عذاب کو دور کر دیں گے کچھ مدت کیلئے۔ تو تم پھر وہی حرکتیں کرنے لگو گے۔ ہم جس دن بڑی پکڑ سے پکڑیں گے پھر اس دن پوری پوری سزا دیں گے۔

یہاں صاف صاف کفار مکہ کے اتنے رجوع کو کہ وہ دعا کیلئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے انا مومنون سے تعبیر فرمایا ہے۔ گویا ان کی اس حالت رجوع کو کہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں قحط کا عذاب دور ہونیکے واسطے دعا کرانے آئے ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون فرمایا۔ کہ اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب ٹال دے ہم مومن ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا انکی زبان حال سے تھی اور انا مومنون انکے اندر کے رجوع کا اظہار تھا والا وہ بظاہر مسلمان نہ ہوئے تھے۔ یہاں ایک اور امر قابل توجہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں بہت اچھا ہم عذاب ہٹائے دیتے ہیں مگر تم پھر اپنی شرارتوں اور مخالفتوں کی طرف عود کر آؤ گے۔ گویا باوجود اس بات کو جاننے کے کہ وہ اپنی پرانی حالت کی طرف عود کر آئیں گے۔ انکی موجودہ حالت میں تبدیلی کا ان کو فائدہ ضرور دیا۔ اور ان پر سے عذاب ٹال دیا۔

عبداللہ اتھم کا رجوع جیسا کہ آگے چل کر اسی کتاب میں ذکر آئے گا۔ حضرت مرزا صاحب نے ڈپٹی عبداللہ اتھم کے متعلق جو پیشگوئی فرمائی تھی وہاں بھی یہی معاملہ تھا۔ اس نے اپنی کتاب "اندرونہ بائیبل" میں آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دجال کہا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے پیشگوئی فرمائی کہ اس گستاخی کی سزا میں بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائیگا۔ یہ پیشگوئی سن کر اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔ اور اس نے زبان نکال کر اور کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا کہ معاذ اللہ میں نے تو ایسا نہیں کہا۔ اس کے بعد برابر پندرہ ماہ تک ایک لفظ بھی اسلام کے خلاف اس کے منہ سے کبھی نہیں نکلا۔ بلکہ ڈرتا رہا۔ روتا رہا۔ اور اخباروں میں چھپواتا رہا کہ میرے پیچھے ایک تعلیم یافتہ سانپ لگا ہوا ہے جو مجھے ڈسنا چاہتا ہے۔ راتوں کو سوار اور پیدل مسلح آدمی نظر آتے ہیں جو مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ پہرے لگے ہوئے تھے مگر کسی کو وہ سوار اور پیدل مسلح لوگ نظر نہ آئے مگر اُسے نظر آتے تھے اور وہ راتوں کو رویا اور چلایا کرتا تھا۔ تو مذکورہ بالا آیات کے مطابق کیا یہ ٹھیک اُسی طرح اس کا رجوع نہ کہلائیگا جس طرح کفار مکہ

کے دعا کیلئے حاضر ہونیکو قرآن مجید نے اُنکے اندرونی طور پر ایمان لانے یا دوسرے لفظوں میں رجوع کرنیکے مترادف قرار دیا تھا اور جسکی بنا پر اُن پر سے عذاب ٹالدیا گیا تھا۔ پس جس طرح کفار مکہ کے اس رجوع سے اُن پر سے عذاب ٹل گیا۔ اسی طرح یہاں عبداللہ آتھم پر سے اسکے رجوع کی وجہ سے عذاب ٹل گیا۔ پھر جس طرح وہ لوگ جب اپنی شرارتوں کی طرف عود کر آئے تو عذاب میں پکڑے گئے۔ اسی طرح عبداللہ آتھم نے جب حضرت اقدس مرزا صاحب کے بار بار اشتہار دینے پر اس بات پر قسم نہ کھائی کہ وہ ان ایام میں اندرونی طور پر حق کی طرف رجوع کر چکا تھا تو عذاب میں پکڑا گیا اور ہلاک ہو گیا

احمد بیگ اور محمدی بیگم کی پیشگوئی

یہی معاملہ مرزا احمد بیگ اور محمدی بیگم کی پیشینگوئی کا ہے۔ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کے چچازاد بھائی مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین تھے۔ جو آپس میں سگے بھائی تھے۔ اور پکے دنیادار۔ بیدین۔ دہریہ طبع اور حضرت اقدس کے سخت دشمن تھے اور آپ کو ایذا پہنچانے اور آپ کو بدنام کرنے کیلئے شب و روز کوشاں رہتے تھے۔ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے بڑے بھائی محمد بیگ سے حضرت اقدس کی ہمشیرہ بیاہی ہوئی تھیں جو جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں اور مرزا نظام الدین اور امام الدین کی ایک بہن حضرت اقدس کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب سے بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بہن عمر النساء مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری سے بیاہی ہوئی تھی جس کے بطن سے محمدی بیگم تھی۔ گویا مرزا نظام الدین اور امام الدین محمدی بیگم کے سگے ماموں اور مرزا غلام قادر صاحب کی بی بی محمدی بیگم کی سگی خالہ تھی۔ مرزا احمد بیگ تھے تو مرزا نظام الدین اور امام الدین کے بہنوئی مگر اُن کے وہ اس قدر زیر اثر تھے کہ جو کچھ چاہتے تھے اُن کے سالے اُن سے کروالیتے تھے۔ اب ایسا ہوا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے ایک اور چچا تھے مرزا غلام حیدر مرحوم۔ اُن کا ایک بیٹا تھا غلام حسین۔ غلام حسین سے مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ امام بی بی بیاہی ہوئی تھیں۔ غلام حسین مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ اور وہ عدالت سے کالمیت قرار دیا جا چکا تھا۔ اُس کے ترکہ کا سوال اُٹھا تو مرزا احمد بیگ نے اپنی ہمشیرہ امام بی بی کو تحریک کی کہ وہ اپنے شوہر کا ترکہ احمد بیگ کے بیٹے محمد بیگ یعنی محمدی بیگم کے بڑے بھائی کے نام ہبہ کر دے مگر یہ بغیر رضامندی حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب ہو نہیں سکتا تھا۔ اس لئے ناچار مرزا احمد بیگ نے حضرت اقدس کی طرف رجوع کیا۔ اور بڑے اصرار کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ آپ اس معاملہ میں اپنی اجازت دیدیں اور ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں۔ قریب تھا کہ حضرت صاحب دستخط کر دیتے مگر پھر اس خیال سے کہ اس معاملہ میں استخارہ کر لینا ضروری ہے رُک گئے اور بعد استخارہ جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اس کے بعد مرزا احمد بیگ کے بار بار درخواست کرنے پر آپ نے اس معاملہ میں استخارہ فرمایا تو جواب میں وہ الہامات ہوئے جو محمدی بیگم والی پیشگوئی کے بنیادی پتھر ہیں۔

اس خاندان کی بیدینی کی اصلاح کی صورت محض نشان نمائی ہی ہوسکتی تھی

اصل میں یہ لوگ یعنی آپ کے چچازاد بھائی مرزا امام الدین اور نظام الدین اور ان کے ساتھ مرزا احمد بیگ اور اُن کے متعلقین تمام مرد و عورت پرلے درجہ کے بیدین اور دہریہ طبع لوگ تھے اور حضرت اقدس سے دشمنی اور عناد میں الکفر ملۃ واحدۃ کے مطابق سب کے سب آپس میں متحد اور ہم خیال تھے۔ حضرت اقدس بحیثیت ایک مصلح کے اپنے ان قرابتیوں کے متعلق بہت چاہتے تھے کہ ان کی بیدینی کی اصلاح ہو۔ مگر اُن کی سُنتا کون تھا۔ وہ اگر دن کو دن کہتے تو آپ کے یہ شرکا اُسے رات کہنے کو تیار رہتے۔ ایسی صورت میں وعظ و پند کیا اثر رکھ سکتا ہے بلکہ وہ اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے حضرت اقدس کی نیکی اور پارسائی کو مکاری اور ریاکاری بتا کر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑا کرتے اور آپ کی دینداری۔ تقویٰ اور الہامات پر شب و روز طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ نیز مذہبی رنگ میں آپ کی دن دونی رات چوگنی ترقی اور شہرت دیکھ دیکھ کر وہ حسد سے جلے مرتے تھے۔ اور آپ کی پیشگوئیوں پر رات دن مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمیں بھی تو کوئی خدائی نشان دکھاؤ۔ مرزا احمد بیگ کی یہ تحریک اور حضرت اقدس کا استخارہ کرنا گویا تمہید ہوگئے اس نشان نمائی کا جو اس خاندان کے لئے مقدر تھی۔

اس خاندان کی بیدینی اور نشان طلبی کا ماجرا

اس خاندان کی بیدینی اور دہریت اور اُن کی نشان طلبی کے متعلق حضرت اقدس کی اپنی تحریر میں یہاں نقل کرتا ہوں جو آئینہ کمالات اسلام میں عربی میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ میں اختصار کیلئے اُس کا اردو ترجمہ لکھ دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اُس کے رونے سے ڈر گیا اور اُس سے کہا کہ کیا تو کوئی موت کی خبر لایا ہے۔ اس نے کہا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور بتایا کہ میں ان لوگوں (یعنی حضرت مرزا صاحب کے رشتہ داروں) کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو دین اللہ سے مرتد ہوگئے ہیں ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلعم کو نہایت سخت غلیظ گالی دی جو میں نے اس سے پیشتر کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سُنی۔ اور میں نے اُنہیں دیکھا کہ قرآن کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھتے ہیں اور ایسے کلمات منہ سے نکالتے ہیں کہ زبان ان کے نقل کرنے سے قاصر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں۔ اور نہ دنیا میں کوئی معبود ہے۔ صرف مفتریوں نے جھوٹی باتیں بنا رکھی ہیں۔"

پھر اس کے آگے اسی کفر و عصیان کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"پھر انہوں نے ایک اشتہار لکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور کلام اللہ کو

اس میں گالیاں دیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب میں مجھ سے میری سچائی اور ہستیٔ باری تعالیٰ کا نشان طلب کیا اور اپنے اس اشتہار کو انہوں نے تمام لوگوں میں مشتہر کیا اور اُس کے ذریعہ سے ہندوستان کے کافروں کو امداد پہنچائی اور بہت بڑی سرکشی اختیار کی جس کی مثال پہلے فرعون کے زمانہ میں بھی نہیں سُنی گئی جب ان کا یہ اشتہار مجھے پہنچا جس کو اُس شخص نے لکھا تھا جو اُن میں عمر اور خباثت کے لحاظ سے بڑا تھا۔ اور اس میں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایسی گالیاں دیکھیں جن سے مومنوں کے دل پھٹ جائیں اور مسلمانوں کے کلیجے چیرے جائیں۔ اور اس میں نہایت غیر شریفانہ اور رذیل اور احمقانہ باتیں اور شریعت غرا کی توہین اور کلام اللہ کی جو نظر آئی تو نہایت افسوس اور غضب کے ساتھ مَیں بھر گیا۔ اور مَیں نے دیکھا کہ اس میں ایسے کلمات ہیں جن سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں۔ ..... پس مَیں نے دروازوں کو بند کر لیا اور رب وہاب کو پکارا۔ اور اپنے آپ کو اس کے آگے ڈال دیا اور سربسجود ہو کر اس سے التجا کی اور نہایت تضرع کے ساتھ اس کی مدد طلب کی۔ اور وہ سب کچھ کیا جو مَیں اپنی زبان اور جوارح اور آنکھوں کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اور اس کو سوائے رب العالمین کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور مَیں نے پکارا اے رب اپنے بندہ کی نصرت فرما اور اپنے اعدا کو ذلیل و رسوا کر قبول کر لے میرے رب۔ میری دعا کو قبول کر۔ یہ قوم تیرے اور تیرے رسولؐ کے ساتھ تمسخر و استہزا کر رہی ہے اور تیری کتاب کی تکذیب میں مصروف ہے۔ اور وہ تیرے نبیؐ کو گالیاں دیتے ہیں۔ تیری رحمت سے مَیں فریاد کرتا ہوں۔ اے حی و قیوم اور اے مددگار۔ پس رحم کیا میرے رب نے میری تضرعات پر اور فرمایا کہ مَیں نے اُن کی عصیاں اور سرکشی دیکھی ہے۔ جلدی ہی مَیں ایسی آفات کا عذاب اُن پر وارد کروں گا جو آسمانوں کے نیچے سے اُنہیں پہنچے گا اور تو دیکھے گا کہ مَیں اُن کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ مَیں اُن کی عورتوں کو رانڈ اور ان کے بیٹوں کو یتیم بنا دوں گا۔ اور ان کے گھروں کو ویران کر دوں گا تاکہ جو کچھ اُنہوں نے کمایا ہے اور جو کچھ کمایا ہے اس کا مزہ چکھیں۔ لیکن مَیں اُنہیں یکمشت ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے ہلاک کروں گا **تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں** بے شک میری لعنت نازل ہونیوالی ہے۔ اُن پر اور اُن کے گھروں کی دیواروں پر اور اُن کے چھوٹوں پر اور اُن کے بڑوں پر اور ان کی عورتوں پر اور اُن کے مردوں پر اور اُن کے مہمانوں پر جو اُن کے گھروں میں داخل ہوں۔ اور وہ سب کے سب ملعون ہیں

سوائے اُن کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور اُن سے تعلقات منقطع کر لیں اور اُن کی مجالس سے دُور ہو جائیں ان ہی لوگوں پر رحم کیا جائیگا۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جو میرے رب نے مجھے الہام کیا۔ پس میں نے انہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ پس وہ نہ ڈرے اور نہ اُس کی تصدیق کی بلکہ سرکشی اور کفر میں بڑھ گئے اور اعداء دین کی طرح استہزا کرنے لگ گئے۔ پس میرے رب نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا کہ ہم انہیں دُکھ دینے والے نشان دکھلائیں گے اور اُن پر عجیب ہموم و غموم نازل ہوں گے اور عجیب قسم کی بیماریاں آئیں گی اور ہم اُن کی روزی تنگ کر دیں گے اور ان پر مصائب ڈالیں گے پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۸-۵۶۹)

نشان نمائی کا وقت آن پہنچا

آخر جب وہ وقت آگیا کہ اس بیدین اور دشمن اسلام خاندان کو نشان دکھایا جائے تو ۱۸۸۸ء میں جیسا کہ میں اُوپر لکھ چکا ہوں مرزا احمد بیگ کا یہ واقعہ اس امر کیلئے تمہید بن گیا۔ حضرت اقدس نے مرزا احمد بیگ کے اصرار پر وعدہ فرمایا کہ میں اس بارے میں استخارہ کر کے ہبہ نامہ پر دستخط کروں گا۔ استخارہ کی شرط اس لئے لگائی کہ مفقود الخبر کے مال کے متعلق بغیر جناب الٰہی سے استخارہ کر لینے کوئی اقدام کرنا آپ نے خلاف تقویٰ سمجھا۔ آپ کو خطرہ تھا کہ کہیں اس طرح ایک غائب آدمی کے حق کے غاصب نہ ٹھہر جائیں۔ چنانچہ اس استخارہ پر جو آپ کو الہامات اور انکشافات ہوئے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ احمد بیگ کی دختر کلاں محمدی بیگم کے لئے اُن سے رشتہ کی تحریک کرے اگر انہوں نے مان لیا تو اُن کیلئے یہ ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور یہ خدا کی طرف سے بیشمار رحمت اور برکت پائیں گے اور اگر انہوں نے انکار کیا تو پھر خدا ان کو عذاب کا نشان دکھائے گا جس کے یہ مستحق ہیں اور ان پر مختلف قسم کی آفات اور مصیبتیں آئیں گی۔ اور اس صورت میں اس لڑکی کا والد لڑکی کے کسی اور جگہ نکاح کئے جانے کی تاریخ سے تین سال کے اندر اندر ہلاک ہو جائیگا۔ اور جس سے نکاح ہوگا وہ بھی اڑھائی سال میں مر جائے گا۔ یہ اصل پیشگوئی تھی جو اُس وقت کی گئی۔

پیشگوئی کی اصل غرض خاندان کی اصلاح تھی

اس پیشگوئی سے اور نیز مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کی اصل غرض محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ اور ماموؤں مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین کے خاندان کی اصلاح تھی۔ حضرت اقدس کو جب خدا نے اصلاح خلق کیلئے مامور کرنا چاہا تو قرآنی حکم انذر عشیرتک الاقربین کے ماتحت (کہ اپنے اعزا و اقربا کو ڈرا) سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنے خاندان کی اصلاح کیلئے جوش ڈالا۔ آپ کی توجہ اپنے خاندان کی اصلاح کی طرف مبذول ہوئی تو حالت یہ پائی کہ وہ لوگ سخت دہریہ اور نعوذ باللہ خدا و رسولؐ کو گالیاں دیتے تھے۔

آپ کی باتوں پر کان دھرنا کجا آپ کی پارسائی اور پیشگوئیوں پر آوازے کستے تھے۔ اور آپکا دل دکھانا اور آپ کی عداوت اور بغض میں شب و روز بڑھتے چلے جانا ان کا شیوہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس خاندان سے حضرت اقدس کا از سر نو دامادی کا رشتہ ہو کر عداوتوں اور پرخاش کا خاتمہ اور محبت اور مودت کا سلسلہ قائم ہو کر یہ حالت پیدا ہو جائے کہ وہ لوگ آپ کی پاکیزہ باتوں کو سننے اور ماننے لگیں۔ اس طرح آپ کی پاکیزہ صحبت اور دیندارانہ تعلق سے رفتہ رفتہ اس خاندان کی اصلاح ہو جائیگی۔ یہ تھیں وہ رحمتیں اور برکتیں جو اس خاندان کے لئے حضرت اقدس سے رشتہ جوڑنے میں جناب الٰہی کو مدنظر تھیں۔ لیکن اگر وہ رشتہ نہ جوڑیں تو پھر اُن کی بیدینی اور دہریت اور تکذیب و استہزا ان کیلئے پہلے ہی عذاب کی جاذب تھی۔ رشتہ نہ ہونے کی صورت میں عذاب کا بطور نشان کے آنا اس لئے مقدر کیا گیا کہ تا اس نشان کو دیکھ کر خاندان کے دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی اصلاح کر لیں غرضکہ ہر صورت میں مطلب فقط اصلاح تھا۔ حدیث قدسی سبقت رحمتی علی غضبی (کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے) کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح کیلئے اس پیشگوئی کے ذریعہ ان لوگوں کے سامنے جو دن رات حضرت اقدس سے خدائی نشان دکھانے کی درخواست کیا کرتے تھے ایک ایسا امر پیش کر دیا جو رحمت اور عذاب دونوں قسم کے نشانات پر مشتمل تھا۔ اور یہ امر اُن کی پسند پر چھوڑ دیا گیا کہ خواہ وہ چاہیں تو حضرت اقدس سے رشتہ کر کے اور تعلق محبت و مودت جوڑ کر رحمت کا نشان دیکھیں اور خواہ آپ سے رشتہ کرنے کا انکار کر کے عذاب کا نشان دیکھیں جس کی کسی قدر تشریح بھی پیشگوئی میں کر دی گئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک تقدیر معلق تھی جس کو اپنی پسند سے اختیار کرنا حضرت اقدس کے رشتہ داروں کے اپنے ہاتھ میں تھا خواہ وہ رشتہ کا انکار کر کے عذاب والی تقدیر اپنے اوپر وارد کریں۔ اور خواہ حضرت سے تعلق جوڑ کر اور محبت و مودت کو از سر نو تازہ کر کے رحمت والی تقدیر سے بہرہ یاب ہوں۔ میں جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں یہ خاندان سخت بیدین اور دہریہ طبع تھا۔ اور آنحضرت صلعم اور قرآن کریم اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے میں انہیں ذرا باک نہ تھا جس کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کا مستحق تو یقیناً ہو چکا تھا۔ لیکن باایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے نہ چاہا کہ انہیں یونہی ضائع کر دیا جائے۔ ان کیلئے ہدایت پانے اور رحمت الٰہی سے حصہ لینے کے واسطے ایک صورت پیدا کر دی اور وہ یہ تھی کہ حضرت اقدس سے تعلق رشتہ کا از سر نو ہو جائے اور شریکہ کی دشمنیاں اور عداوتیں دُور ہو کر از سر نو محبت اور مودت کے تعلقات قائم ہو جائیں۔ تو دینداری اُن کے گھر میں بھی راہ پا جائیگی۔ ورنہ محمدی بیگم کا رشتہ بجائے خود کوئی رشتہ نہ تھا جس

کیلئے کسی اصرار کی ضرورت ہوتی۔ اُس میں نہ کوئی حسن ظاہری تھا۔ نہ کوئی اعلیٰ تعلیم تھی۔ نہ کوئی دولت تھی۔ خاندانی وجاہت کے لحاظ سے حضرت اقدس کا خاندان اُس کے خاندان سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس واقعہ سے تین سال قبل حضرت اقدس دہلی کے ایک شریف سیّد خاندان میں شادی کر چکے تھے۔ خود حضرت صاحب کی پہلی زندگی اور خلوت پسندی پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بی بی بھی اُن کیلئے کافی سے زیادہ تھی۔ چنانچہ میں حضرت مرزا صاحب کا اپنا خط تیسرے نکاح کے متعلق یہاں نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے نکاح کے متعلق جناب الٰہی کی طرف سے جب اشارات ہوتے تھے تو آپ اس سے کس قدر گھبراتے تھے۔ یہ خط ۱۸۸۶ء میں مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کو جب وہ ریاست جموں میں تھے لکھا گیا تھا۔ خط کی نقل مطابق اصل یہ ہے:۔

"مخدومی و مکرمی اخویم مولوی نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الٰہیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو اُن کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتلا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کیلئے اشارہ غیبی ہوا ہے تب سے خود طبیعت متفکر و متردد ہے اور حکم الٰہی سے گریز کی جگہ نہیں۔ مگر بالطبع طبیعت کا رہ (یعنی کراہیت کرتی ہے۔ ناقل) ہے۔ اور ہر چند اوّل اوّل یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ بہرحال عاجز نے یہ عہد کر لیا ہے کہ کیسا ہی موقعہ پیش آوے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم سے اُس کیلئے مجبور نہ کیا جاؤں تب تک کنارہ کش رہوں کیونکہ تعدد ازدواج کے بوجھ اور مکروہات از حد زیادہ ہیں۔ اور اس میں خرابیاں بہت ہیں اور وہی لوگ ان خرابیوں سے بچے رہتے ہیں جن کو اللہ جلّ شانہٗ اپنے ارادۂ خاص سے اور اپنی کسی خاص مصلحت سے اور اپنے خاص اعلام و الہام سے اس بارگراں کے اُٹھانے کے لئے مامور کرتا ہے تب اس میں بجائے مکروہات کے سراسر برکات ہوتے ہیں۔ آپ کے نوکری چھوڑنے سے بظاہر دل کو رنج ہے۔ مگر آپ نے کوئی مصلحت سوچ لی ہوگی۔ والسلام۔ باقی خیریت ہے۔

(خاکسار غلام احمد عفی عنہ۔ ۲۰۔ جون ۱۸۸۶ء)

(یہ خط ۱۹۰۱ء میں الحکم میں شائع ہو چکا ہے) کیا اس خط کے لفظ لفظ سے یہ نہیں ٹپکتا کہ تیسرا نکاح آپ کے قلب پر کس قدر بوجھ تھا۔ اور آپ متمنّی تھے کہ کسی طرح ٹل جائے۔ تو پھر اسے آپ کی نفسانیت

پر مبنی قرار دینا کس قدر ظلم ہے۔ غرضکہ کوئی نفسانی و دنیوی غرض اس شادی میں نظر نہیں آتی۔ جناب الٰہی کو فقط آپ کے رشتہ داروں کو جو دن رات نشان مانگا کرتے تھے اور دین کا مضحکہ اُڑایا کرتے تھے ایک نشان دکھانا مدنظر تھا۔ آگے یہ اُن کی مرضی تھی کہ وہ جس قسم کا نشان چاہیں دیکھیں۔ خواہ رشتہ کا تعلق قائم کرکے رحمت کا نشان دیکھیں یا تعلق سے انکار کرکے اپنی بداعمالیوں کی سزا میں عذاب کا نشان دیکھیں۔ خود حضرت اقدس اپنے ایک خط میں جو مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام ہے اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس پیشگوئی کی یہ بنیاد نہیں تھی کہ خواہ مخواہ مرزا احمد بیگ کی بیٹی کی درخواست کی گئی تھی۔ بلکہ بنیاد یہ تھی کہ یہ فریق مخالف جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا۔ یعنی اس عاجز کے قریبی رشتہ دار دین کے سخت مخالف تھے اور ایک اُن میں سے اسقدر عداوت میں بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیتا تھا۔ اور اپنا مذہب دہریہ رکھتا تھا۔ اور نشان کے طلب کیلئے ایک اشتہار بھی جاری کرچکا تھا۔ اور یہ سب مجھ کو مکار خیال کرتے تھے اور نشان مانگتے تھے اور صوم و صلوٰۃ اور عقائد اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر اپنی حجت پوری کرے۔ سو اُس نے نشان دکھلانے میں وہ پہلو اختیار کیا جس کا ان تمام بیدین قرابتیوں پر اثر پڑتا تھا۔"

ان قرابتیوں نے عذاب کا نشان چاہا

مگر اللہ تعالیٰ کے رحم سے ان قرابتیوں نے فائدہ نہ اُٹھایا۔ بلکہ اُلٹا اپنی شوخیوں اور گستاخیوں سے عذاب الٰہی کا نشان دیکھنے کے لئے اقدام کیا۔ مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین محمدی بیگم کے ماموں اس رشتہ کے پیغام پر بہت سیخ پا ہوئے۔ اور بالخصوص محمدی بیگم کی ماں عمر النساء جو حقیقی معنوں میں ان دونوں بھائیوں کی بہن تھی بہت ہی بگڑی اور اُس نے اور اُس کی ماں یعنی احمد بیگ کی ساس نے جو گھر میں سب کی بزرگ تھی حضرت اقدس کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔ چنانچہ یہی عورت احمد بیگ کی ساس تھی جس کے چہرہ پر حضرت اقدس نے کشف میں مصیبت اور پریشانی اور نوحہ وزاری کے آثار دیکھے تھے اور اسی کے متعلق الہام ہوا تھا کہ یا ایتھا المرأۃ توبی توبی انّ البلاء علٰی عقبک کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر بیشک بلا تیرے پیچھے ہے۔ آپ نے ان تمام الہامات سے مرزا احمد بیگ اور اس کے رشتہ داروں کو بذریعہ پرائیویٹ خطوط اطلاع دی تھی۔ نیز یہ بھی لکھا کہ اپنی بدزبانیوں سے باز آجاؤ۔ اور بہتر ہے کہ یہ رشتہ کردو تاکہ اس تعلق سے تمہارے اندر ہدایت اور نیکی پھیلے اور تم اس کی نعمتوں اور برکتوں کے وارث ٹھیرو۔ اور اگر اب نہ کروگے اور اس کا رشتہ کہیں اور کردوگے تو پھر تم خدا کے عذاب کا نشان دیکھوگے اور طرح طرح کی بلاؤں کا نزول تمہارے گھروں پر ہوگا۔ اور تمہارے گھر رانڈوں سے بھر جائینگے

اور احمد بیگ جو محمدی بیگم کا باپ اور ولی ہے اس نکاح سے تین سال کے اندر فوت ہو جائیگا اور جو اس لڑکی سے نکاح کرے گا وہ تاریخ نکاح سے اڑھائی سال کے اندر مر جائیگا پھر اس وقت یہ لڑکی میرے نکاح میں آئے گی۔ پس عذاب کا نشان دیکھنے کے بعد میرے نکاح میں آنے کی نسبت کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اب نکاح کر دو۔ تا ان موتوں اور عذابوں سے بچ جاؤ۔"

اس پرائیویٹ پیشگوئی کو پبلک کرنیوالا فریق ثانی تھا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے یہ باتیں پرائیویٹ خطوط کے ذریعہ سے احمد بیگ کو لکھی تھیں کیونکہ یہ خانگی معاملات تھے اور ان کا شائع کرنا مناسب نہ تھا لیکن محمدی بیگم کے ماموؤں مرزا نظام الدین امام الدین وغیرہ نے شدت غضب میں آکر علاوہ زبانی اشاعت کے اخباروں میں بھی ان خطوط کی اشاعت خوب کی اور اچھی طرح پبلک میں مشتہر کیا۔ یہاں تک کہ ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے نور افشاں میں جو عیسائیوں کا اخبار تھا آپ کی اس پیشگوئی کو شائع کر کے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ اور عیسائیوں کو اس طرح حضرت صاحب پر پھبتیاں اڑانے کا خوب موقعہ دیا۔ غرضکہ شریکے کے بغض و عداوت اور حسد و عناد کے نکالنے کا ان کو یہ اچھا موقعہ ملا۔ وہ لوگ خود تو دہریہ تھے۔ ان کو اس پیشگوئی پر تو کیا کسی مذہبی پیشگوئی پر بھی ایمان نہ تھا۔ وہ ان باتوں کو مزخرفات میں سے سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی یقیناً غلط نکلیگی کیونکہ ہم نے یہ رشتہ دینا نہیں اور احمد بیگ اور اس کے ہونیوالے داماد کا فوت ہونا ہوانا سب لغو باتیں ہیں۔ اچھا ہے اس طرح مذہبی رنگ میں جس میں اس شخص کو بہت فروغ ہو رہا ہے اس کی خوب رسوائی ہوگی۔ اس طرح ایک پرائیویٹ پیشگوئی کو خود امام الدین اور نظام الدین نے پبلک کر دیا جس کا کہ خود حضرت مرزا صاحب کو افسوس ہوا۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو جو ان لوگوں کے جواب میں آپ نے اشتہار شائع فرمایا اس میں اس پر افسوس کا اظہار بھی فرمایا۔ فرماتے ہیں:۔ "یہ الہام جو شرطی طور پر مکتوب الیہ کی موت فوت پر دلالت کرتا تھا ہم کو بالطبع اسکی اشاعت سے کراہت تھی..... اس نے اور اس کے عزیز مرزا نظام الدین نے اس الہام کے مضمون کی آپ شہرت دی" پھر اسی اشتہار میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اب جب مرزا نظام الدین کی کوشش سے وہ خط ہمارا نور افشاں میں بھی چھپ گیا اور عیسائیوں نے اپنے مادہ کے موافق بیجا افترا کرنا شروع کیا تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اپنی قلم سے اصلیت کو ظاہر کر دیں۔"

یہی وجہ تھی کہ اس اشتہار میں ان الہامات اور پیشگوئی کو آپنے وضاحت سے بیان فرما دیا جن کا تعلق محمدی بیگم کے نکاح سے تھا اور جن کا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں۔ چونکہ امام الدین اور نظام الدین نے اس پیشگوئی کو نہایت استہزا کے رنگ میں شائع کیا تھا اس لئے آپنے نہایت متانت سے صاف صاف اصل حالات اور پیشگوئی

کو شائع فرما دیا اور پھر اسی اشتہار میں بطور تتمہ اس پیشگوئی کی غرض و غایت کا بھی اظہار فرما دیا۔ وہو ہذا۔

"ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبہ سے اور میرے اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورت مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکّار اور دکاندار خیال کرتے ہیں اور بعض نشانوں کو بھی دیکھ کر قائل نہیں ہوتے۔ اور ان کا اپنا حال یہ ہے کہ دین اسلام کی ایک ذرہ حجّت ان میں باقی نہیں رہی۔ اور قرآنی حکموں کو ایسا ہلکا سمجھ کر ٹال دیتے ہیں جیسے کوئی ایک تنکے کو اُٹھا کر پھینک دے۔ وہ اپنی بدعتوں اور رسموں اور ننگ و ناموس کو خدا اور رسولؐ کے فرمودہ سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے انہیں ان کی بھلائی کے لئے انہی کے تقاضہ سے انہی کی درخواست سے اس الہامی پیشگوئی کو جو اشتہار میں درج ہے ظاہر فرما دیا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ وہ درحقیقت موجود ہے اور اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔"

اس پیشگوئی کی حیثیت اب ایک پبلک پیشگوئی کی ہوگئی

یہ امر یہاں قابل توجہ ہے کہ اس پیشگوئی کی جو در اصل پرائیویٹ رنگ کی تھی اس طرح پبلک ہو جانے نے اس کی حیثیت کو بدل دیا۔ اور اب یہ پیشگوئی علاوہ آپ کے قرابتیوں کے لئے ایک آسمانی نشان ہونے کے اُن پیشین گوئیوں میں داخل ہوگئی جنہیں حضرت اقدس مرزا صاحب اسلام کے برکات اور ثمرات کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ اور جنہیں آپ بڑے زور سے عیسائیوں اور آریوں اور برہموؤں اور دہریوں کے سامنے پیش کر کے یہ چیلنج کیا کرتے تھے کہ یہ برکات اور انعامات محمد رسول اللہ صلعم اور قرآن کریم کی اتباع سے صرف اسلام میں ہیں اور کسی مذہب میں نہیں۔ پس اسلام ہی اکیلا زندہ مذہب ہے اور وہ خدا حیّ و قیوم موجود ہے جو اپنے مقرب بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور فقط اسلام ہی ایک ذریعہ ہے جس سے اُس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ الغرض آپ اسلام کی صداقت اور تائید میں جہاں اور صدہا دلائل و براہین عقلی و نقلی پیش کیا کرتے تھے وہاں حالی رنگ میں آپ کی طرف سے یہ ایک زبردست حجّت غیر مذاہب والوں پر تھی۔ اور اس امر میں آپ اس زمانہ میں اسلام کے واحد پہلوان تھے جس کو خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی براہین پر ریویو کرتے ہوئے سراہا تھا۔ اور اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں بڑے زور سے لکھا تھا کہ:۔

"اور مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے زمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتاوے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے۔ جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے

علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھالیا ہو۔ اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام میں شک ہو ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کرلے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو"

اس عبارت میں حالی نصرت اور وجود الہام میں شک کرنیوالوں کو تجربہ و مشاہدہ کروادینے کے کلمات ظاہر کرتے ہیں کہ موجودہ دہریت و مادہ پرستی کے زمانہ میں آپ واحد شخص تھے جس نے حالی نصرت کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔ چنانچہ مکالمات الٰہیہ کا ثبوت ان مستجاب دعاؤں اور پیشگوئیوں سے دیا جاتا تھا جو وقتاً فوقتاً آپ شائع فرماتے رہتے تھے پس ان پیشگوئیوں میں سے کسی ایک پیشگوئی کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا دراصل اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف تھا۔ کیونکہ حضرت اقدس مرزا صاحب خود تو کوئی دین لائے نہ تھے جو ان پیشگوئیوں کے غلط نکل جانے سے جھوٹا ثابت ہوتا۔ بلکہ اُسوقت تک تو مسیحیت اور مہدویت کا بھی دعویٰ نہ تھا۔ نہ آپ کی کوئی جماعت تھی اور نہ اُسوقت تک آپ کسی سے بیعت لیا کرتے تھے۔ نہ اس ذریعہ سے کسی نذرانہ کی آمد تھی پس آپ کی پیشگوئیاں جنہیں آپ پبلک میں شائع فرمایا کرتے تھے محض اسلام کی روحانیت کی تصدیق اور اس کے اکیلا زندہ اور سچا مذہب ہونے کی تائید میں ہوا کرتی تھیں۔ لہذا ان پیشگوئیوں کے غلط نکلنے میں آپ کا اپنا ذاتی نقصان تو کوئی تھا نہیں۔ البتہ نقصان جس کو پہنچتا تھا وہ خود مذہب اسلام تھا۔

پس محمدی بیگم والی پیشگوئی کے غلط نکلنے سے اگر کوئی خاص زد پڑتی تھی تو وہ اسلام پر پڑتی تھی کیونکہ غیر لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اس دہریت اور مادہ پرستی کے زمانہ میں جب اسلام چاروں طرف سے نرغہ میں تھا فقط ایک شخص اُس کی روحانیت کا علم بردار بن کر اُٹھا تھا اور وہ ہی جھوٹا ثابت ہوا۔ لہذا اسلام کے سچا اور زندہ مذہب ہونے کے دعاوی فقط زبانی باتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی لئے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو سمجھایا اور فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ اب جبکہ تم نے اس پیشگوئی کو پبلک کر دیا ہے تو اب میری عزت کا سوال نہیں رہا۔ اسلام کی عزت کا سوال پیدا ہوگیا ہے۔ بہتر ہے کہ یہ رشتہ کردو کہ اسی میں برکت ہے۔ اس میں دین کی بھی تائید ہے اور تمہارا بھی بھلا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اس معاملہ میں سعی بھی کی اور اس مقصد کے لئے جالندھر بھی تشریف لے گئے اور وہاں احمد بیگ کے بعض رشتہ داروں کی معرفت مفاہمت کیلئے کوشش بھی کی۔ اس کے علاوہ خط و کتابت بھی کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ دراصل احمد بیگ کے وہ رشتہ دار جن کی معرفت آپ نے کوشش کی تھی منافقانہ رنگ میں تمام معاملات کرتے رہے۔ بظاہر ہاں میں ہاں ملاتے رہے مگر اندر سے خود بھی مخالفت کرتے رہے +

پیشینگوئی پورا کرنے کے لئے جدوجہد کرنا کیوں جائز نہیں؟

تعجب ہے کہ بعض معترضین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اس معاملہ میں کوشش کیوں کی اور خطوط کیوں لکھے اور لکھوائے۔ یہ اعتراض سخت جہالت اور نادانی پر مبنی ہے۔ کیا پیشگوئی کرنے کے بعد ملہم کو اسباب سے کام لینا اور جدوجہد کرنا منع ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی مریض کے صحتیاب ہونیکا اگر الہام ہو جائے تو کیا اس کا علاج کرنا اب حرام ہو گیا۔ یا بیٹا پیدا ہونے کی پیشگوئی ہو تو بیوی سے ہم بستر ہونا منع ہو جائے گا۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم علیہ کو کفار مکہ کے مقابلہ میں فتوحات اور غلبہ کی پہلے سے بشارتیں دی گئی تھیں تو کیا اس کے بعد آپ نے تمام جنگی تدابیر سے احتراز کیا۔ زرہیں نہیں پہنی۔ ہتھیار نہیں لگائے۔ جنگوں میں سخت سے سخت لڑائیاں اور مقابلے نہیں کئے۔ کیا معترضین کا یہ مطلب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہتے اور کچھ نہ کرتے۔ ایسا خیال کرنا ہی بیہودگی ہے۔ کسی پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے سعی کرنا سنت انبیاء و سنت اولیا ہے۔ پس کسی رشتہ کے متعلق پیشگوئی ہو تو اُس کیلئے پیغام دینا اور سعی کرنا منع کیوں ہو؟

تمام اعزا و اقارب سے قطع تعلق

الغرض مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین وغیرہ کی شرارت سے سارے کے سارے رشتہ داروں نے متحد ہو کر آپ کے اس رشتہ کی سخت مخالفت کی اور آپ کے مقابل میں ایسا متحدہ محاذ قائم کیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس کی بھاوج مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی جو محمدی بیگم کی سگی خالہ تھیں اور مرزا سلطان احمد آپ کے فرزند کی تائی تھیں۔ وہ بھی اس معاملہ میں بڑا حصہ لیتی رہیں۔ اور جو سب سے زیادہ قابل افسوس امر تھا وہ یہ تھا کہ آپ کی بھاوج کے زیر اثر آپ کے سب سے بڑے فرزند مرزا سلطان احمد صاحب اور اُن کی والدہ یعنی حضرت اقدس کی پہلی بی بی بھی اس فتنہ میں برابر کا حصہ لیتی رہیں۔ مرزا سلطان احمد مرزا امام الدین کے داماد بھی تھے۔ اس لئے بیوی اور خسر کا اثر بھی اُن پر تھا۔ بہرحال حضرت اقدس نے بہتیرا ان سب کو سمجھایا کہ دیکھو تم لوگ نے اس معاملہ کو پبلک کر کے اسلام کی عزت کا سوال پیدا کر دیا ہے اور میں اسلام کی عزت کے سامنے کسی تعلق کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اگر تم اس شرارت سے باز نہ آؤ گے اور مجھے سامنے رکھ کر اسلام کو دنیا میں بدنام کرنے کی کوشش کرو گے اور اس طرح خدا کی نظر میں ظالم ٹھیرو گے تو میرا تم سے کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔ اور ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار کی ظالموں کی طرف مائل نہ ہو جیسے پھر تمہیں بھی آگ کا عذاب چھوئیگا) کے قرآنی حکم کے ماتحت میں تم سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہوں گا۔ مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اور پٹی کے ایک شخص مرزا سلطان محمد سے محمدی بیگم کے نکاح کی ٹھیرا دی۔ اس پر

۲۔ مئی ۱۸۹۱ء کو حضرت اقدس نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان تھا "اشتہار نصرت دین و قطع تعلق از اقارب مخالف دین" اس میں صاف طور پر لکھ دیا جس کا ملخص یہ ہے کہ ہمیں دین اسلام سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اور اس کی نصرت اور غلبہ ہر چیز پر مقدم ہے اور اس کی خاطر میں اپنے تمام عزیز و اقارب سے جو دین کی عزت کی پروا نہیں کرتے بلکہ اسے رسوا ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں قطع تعلق کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی ان تمام حرکات سے باز آجاویں جن میں اسلام کی رسوائی مضمر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اپنے فرزند مرزا سلطان احمد صاحب اور اُن کی والدہ صاحبہ کے متعلق بھی جو کچھ اس اشتہار میں تحریر فرمایا ہے وہ میں اصل الفاظ میں نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"میرا بیٹا سلطان احمد نام جو نائب تحصیلدار لاہور میں ہے۔ اور اُس کی تائی صاحبہ جنہوں نے اس کو بیٹا بنایا ہوا ہے وہی اس مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لیکر اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اُس کے بعد اس لڑکی کا نکاح کسی سے کیا جائے۔ اگر یہ اوروں کی طرف سے مخالفانہ کارروائی ہوتی تو ہمیں درمیان میں دخل دینے کی کیا ضرورت اور کیا غرض تھی۔ امر ربّی تھا۔ اور وہی اسکو اپنے فضل و کرم سے ظہور میں لاتا۔ مگر اس کام کے مدار المہام وہ ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی۔ اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں۔ ورنہ میں تم سے جُدا ہو جاؤں گا اور تمہارا حق نہیں رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا اور بکلی مجھ سے بیزاری ظاہر کی۔ اگر ان کی طرف سے تیز تلوار کا بھی مجھے زخم پہنچتا تو بخدا میں اس پر صبر کرتا لیکن انہوں نے دینی مخالفت کرکے اور دینی مقابلہ سے آزار دیکر مجھے بہت ستایا۔ اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور عمداً چاہا کہ میں سخت ذلیل کیا جاؤں۔ سلطان احمد ان دو بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا۔ اوّل یہ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت کرنی چاہی اور یہ چاہا کہ دین اسلام پر تمام مخالفوں کا حملہ ہو اور یہ اپنی طرف سے اس نے ایک بنیاد رکھی ہے اس اُمید پر کہ یہ جھوٹے ہو جائیں گے اور دین کی ہتک ہوگی اور مخالفوں کی فتح۔ اس نے اپنی طرف سے مخالفانہ تلوار چلانے میں کچھ فرق نہیں کیا ..... (دوم یہ کہ) سلطان احمد نے مجھے جو میں اس کا باپ ہوں سخت ناچیز قرار دیا اور میری مخالفت پر کمر باندھی اور قولی اور فعلی طور پر اس مخالفت کو کمال تک پہنچا دیا۔ اور میرے دینی مخالفوں کی مدد کی۔ اور اس کی

ہتک بدل و جان منظور رکھی۔ چونکہ اس نے دو نوطور کے گناہوں کو اپنے اندر جمع کیا۔ اپنے خدا کا تعلق بھی توڑ دیا اور اپنے باپ کا بھی اور ایسا ہی اس کی دو نو والدہ نے کیا (یعنی ایک حقیقی والدہ اور دوسری تائی جنہوں نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ ناقل) سو جبکہ انہوں نے کوئی تعلق مجھ سے باقی نہیں رکھا اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے۔ اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔ لہذا میں آج کی تاریخ کہ دوسری مئی ۱۸۹۱ء ہے عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے اور وہ تحریر جو اس لڑکی کے خاطہ اوزنکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں اس کو موقوف نہ کر دیا اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کیلئے تجویز کیا ہے اس کو رد نہ کیا بلکہ اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا تو اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا اور اسی روز سے اسکی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔"

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو اگرچہ یہ بھی رنج تھا کہ خود مرزا سلطان احمد آپ کا بیٹا اور اس کی والدہ یعنی آپ کی بیوی آپ کے مخالف دین اقارب کے ساتھ مل کر آپ کو پبلک میں جھوٹا اور ذلیل کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ مگر سب سے بڑا جو رنج تھا وہ یہ تھا کہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی رسوائی ہوتی تھی اور مخالفوں کو اسلام پر حملہ کرنے کا موقعہ ملتا تھا کہ اسلام کے برکات اور ثمرات کے مدعی صاحب کا سارا دعویٰ خاک میں مل گیا۔ پس آپ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ خود آپ کا اپنا بیٹا اور اپنی بیوی اس طرح اسلام کی رسوائی اور تذلیل کے مرتکب ہوں آپ کو دین کیلئے اس قدر غیرت تھی کہ وہ اس کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے تیار تھے۔ چنانچہ اسی امر کے متعلق آپ نے اس اشتہار کے ذریعہ اپنے سب اقارب حتیٰ کہ اپنے بیٹوں اور بیوی تک کو تنبیہ کر دی کہ ان حرکات سے باز نہ آنے کی صورت میں آپ اُن میں سے ہر ایک سے قطع تعلق کرنیکو تیار ہیں۔

مرزا شیر علی بیگ مرزا احمد بیگ کا بہنوئی تھا۔ اس کی بیوی مرزا احمد بیگ کی بہن حضرت اقدس کی سخت دشمن اور پرلے درجہ کی بدزبان تھی۔ لطف یہ کہ شیر علی بیگ کی بیٹی حضرت اقدس کے دوسرے بیٹے مرزا فضل احمد سے بیاہی ہوئی تھی۔ بیٹی بھی علیٰ ہذا القیاس ماں کے بالکل نقش قدم پر تھی۔ شیر علی بیگ کی بیوی یعنی مرزا فضل احمد کی ساس اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کی اسقدر ہمنوا تھی کہ اس نے بہت کچھ ہزلیات بکتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ "مرزا غلام احمد سے رشتہ کرنا کیا ہم پہلا رشتہ بھی توڑنے کو تیار ہیں۔ بے شک فضل احمد میری بیٹی کو طلاق دیدے۔ ہم خوش ہیں۔" حضرت

اقدس کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے مرزا شیر علی بیگ کو ۱۰ مئی ۱۸۹۱ء کو ایک خط لکھا جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کے گھر کے لوگ (یعنی مرزا فضل احمد کی ساس۔ مرزا احمد بیگ کی بہن۔ ناقل) اس مشورہ میں ساتھ ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں۔ بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ رسولؐ کے دین کی کچھ پروا نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے۔ مجھ کو بچا لینا اللہ کا کام ہے..... آپ کی بیوی نے جوش میں آکر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ صرف عزت بی بی نام کیلئے فضل احمد کے گھر میں ہے بیشک طلاق دیدے ہم راضی ہیں۔ اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کی مرضی کے خلاف نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں..... لہذا میں نے اُن کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (مرزا احمد بیگ) کو اپنے ارادہ سے روک نہ دیں پھر جیسا کہ **خود آپ کی منشا ہے**۔ میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔"

اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں آپ کے تمام رشتہ دار کس طرح ایک متحدہ محاذ بنا کر آپ کو ذلیل اور خوار کرنے اور آپ کے ساتھ اسلام تک کی ذلت اور رسوائی کروانے کیلئے ہمہ تن آمادہ تھے۔ اور یہ ساری آگ مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین کی لگائی ہوئی تھی جو دہریہ طبع اور سخت بیدین تھے۔ اور جنہوں نے سارے اعزا و اقارب کو اس طرح برانگیختہ اور برافروختہ کر رکھا تھا کہ حضرت اقدس کے قطع تعلق کے اعلان کی پروا کرنے کے بجائے وہ خود حضرت اقدس سے ہر طرح سے قطع تعلق کرنے کیلئے تیار تھے۔ یہاں تک کہ ماں اپنی بیٹی کا گھر اُجاڑنے کیلئے بھی آمادہ تھی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اُن لوگوں نے جو سخت جاہل اور بیدین اور خاندانی حمیت و غیرت کے رجو حمیت جاہلیت کا حکم رکھتی تھی، نہایت دلدادہ تھے۔ حضرت اقدس کے اعلان کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور سب نے مل ملا کر ۱۰ اپریل ۱۸۹۲ء کو محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے کر ہی دیا۔ اس پر حضرت اقدس نے اپنے اعلان کے مطابق ان سب سے قطع کر لیا۔ جیسا کہ آپ نے قطع تعلق والے اشتہار کے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ:-

"کیونکہ اُنہوں نے آپ تعلق توڑ دیئے اور توڑنے پر راضی ہو گئے۔ سو اب ان سے کچھ تعلق رکھنا قطعاً حرام اور ایمانی غیوری کے برخلاف اور ایک دیوثی کا کام ہے۔ مومن دیوث نہیں ہوتا۔ ؎

چوں نہ بود خویش را دیانت و تقویٰ ٭ قطع رحم بہ از مودت قربیٰ"

البتہ مرزا فضل احمد صاحب نے جو مرزا سلطان احمد صاحب سے چھوٹے آپ کے دوسرے فرزند تھے اس موقعہ پر نہایت سعادتمندی برتی کہ اقارب سے اس قطع تعلق کے موقعہ پر اپنے مقدس والد کا ساتھ دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جنہوں نے بعض وجوہ کے ماتحت اپنے والد حضرت عمرؓ کے فرمانے پر اپنی بی بی کو طلاق دیدی تھی (ابوداؤد) اپنی بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجدیا کہ جب چاہیں یہ طلاق نامہ اُسے بھیج دیں[1] لیکن باوجود اس کے کہ آپ نے تمام اقارب سے قطع تعلق کر لیا تھا اور اسی سلسلہ میں مرزا فضل احمد کا تعلق بھی اُس خاندان سے منقطع ہو جانا چاہئے تھا اور آپ نے ایسا ارادہ بھی کیا تھا لیکن اس وقت آپ پر یہ خیال غالب آگیا کہ میاں بی بی میں جدائی نہ ڈالی جائے۔ شاید اس کی بی بی کی اصلاح ہو جائے۔ آپ نے وہ طلاق نامہ فضل احمد کی بی بی کو نہ بھیجا نتیجہ یہ ہوا کہ بی بی کے اثر سے آخر کار فضل احمد بھی پھسل گیا اور دشمن دین کنبہ سے جا ملا[2]

مرزا احمد بیگ کی موت

الغرض حضرت اقدس کے ان دشمنانِ دین اقارب نے نہایت شوخی سے محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر کے گویا خدا سے عذاب کا نشان چاہا۔ جیسے حضرت صالح کی قوم نے نہایت شوخی سے اونٹنی کو جو نشان الٰہی تھی مار کر خدا سے عذاب کا نشان مانگا تھا۔ اپریل ۱۸۹۲ء میں محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہوا تھا۔ اس نکاح کو ابھی تین ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ احمد بیگ عذاب الٰہی میں پکڑا گیا۔ اور پہلے اسے اپنے بیٹے اور دو ہمشیرگان کی وفات کا صدمہ اُٹھانا پڑا اور اس کے بعد خود

---

[1] صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرمانے پر بعض وجوہات کی بنا پر اپنی بی بی کو طلاق دیدی تھی۔ (مؤلف)

[2] حضرت اقدس مرزا صاحب پر انقطاع الی اللہ کا رنگ اسقدر غالب تھا کہ جہاں دین کی عزت اور غیرت کا سوال آجاتا تھا تو دنیا کے تمام تعلقات اس کے سامنے آپکو ہیچ نظر آنے لگتے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ آپنے جب اپنے عزیز و اقارب کو دیکھا کہ انہوں نے پیشگوئی کو پبلک کر کے پھر اُسے جھوٹا ثابت کرنیکی کوشش کو انتہا پر پہنچا دیا اور ذرا بھی پروانہ کی کہ اس طرح زوال خود اسلام پر پڑتی ہے۔ کیونکہ ان پیشگوئیوں کو تو حضرت صاحب اسلام کے سچا اور زندہ مذہب ہونیکے ثبوت میں پیش کیا کرتے تھے تو پھر آپ نے ایسے لوگوں سے کس طور پر قطع تعلق کر لیا اور بیٹے اور بیوی تک کی پروانہ کی۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ حضرت اقدس اگر آج زندہ ہوتے اور وہ اپنے بعض اقارب کو اجرائے نبوت اور تکفیر مسلمانان جیسے خطرناک عقائد کے موجد اور آپ کی وصیت کو تباہ کرنیکا موجب پاتے یا انکے بعض اعمال آپ کی نظر میں درست نہ ہوتے تو وہ ضرور ان اقارب سے خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں قطع تعلق کر لیتے۔ آخر پہلے بھی تو بی بی اور بیٹوں سے تعلقات منقطع کر لئے تھے اور محض خدا کیلئے منقطع کئے تھے۔ تو اب کیوں نہ کرتے۔ واقعات واقعات ہیں۔ اگر کسی سے غلط اور گمراہ کن عقائد یا اعمال بدسرزد ہوں گے تو وہ ایک فانی فی اللہ اور منقطع الی اللہ شخص کی نظر میں یکساں طور پر بُرے قرار پائیں گے خواہ کریب الاغیر ہو یا اپنا بیٹا پہلی بی بی کی اولاد ہو یا دوسری بی بی کی۔ آپنے دین کو دنیا پر ایسا مقدم کیا ہوا تھا کہ اسکے سامنے قریب سے قریب تعلقات شتہ داری بھی سب ہیچ تھے۔ (مؤلف)

تپ محرقہ سے بیمار ہوا اور نکاح سے چھ ماہ بعد ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو شفاخانہ میں ہی مر گیا۔ اور محمدی بیگم کی والدہ اپنے پانچ چھ بچوں کے گراں بوجھ کے نیچے دبی ہوئی بیوہ رہ گئیں اور سارا غرور و نخوت خاک میں مل گیا۔ پیشگوئی کا یہ حصہ جس صفائی سے پورا ہوا اُس کا اعتراف اور تو اور خود مولوی محمد حسین بٹالوی جیسے شدید دشمن کو بھی ۱۸۹۳ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی) طوعاً و کرہاً کرنا پڑا اور اُس نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں لکھا کہ اگرچہ یہ پیشگوئی تو پوری ہو گئی مگر یہ الہام سے نہیں بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی۔ رمل اور نجوم کا افترا تو مولوی صاحب موصوف کے بغض و تعصب کا نتیجہ اور اپنی گذشتہ تحریروں کے خلاف ایک بہتان ہے۔ لیکن اتنا تو ظاہر ہو گیا کہ پیشین گوئی اس صفائی سے پوری ہوئی تھی کہ اس کے پورا ہو جانے کا انہیں بھی اعتراف کرنا پڑا۔

مرزا احمد بیگ کی موت کے علاوہ دوسرے مصائب

حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس پیشگوئی کے متعلق الہامات کی تشریح کرتے ہوئے ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"اشتہار مندرجہ عنوان کے صفحہ ۶ میں جو یہ الہام درج ہے۔ فسیکفیکھم اللہ۔ اس کی تفصیل مکرر توجہ سے یہ کھلی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے کنبہ اور قوم میں سے ایسے تمام لوگوں پر کہ جو اپنی بیدینی اور بدعتوں کی حمایت کی وجہ سے پیشگوئی کے مزاحم ہونا چاہیں گے اپنے قہری نشان نازل کریگا اور اُن سے لڑے گا۔ اور انہیں انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ اور وہ مصیبتیں اُن پر اُتارے گا جن کی ہنوز انہیں خبر نہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس عقوبت سے خالی رہے کیونکہ انہوں نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ بیدینی کی راہ سے مقابلہ کیا ہے"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرزا احمد بیگ کی موت کے علاوہ بعض اور موتیں بھی اس خاندان میں ہوئیں اور بعض دوسرے مصائب بھی آئے۔ اور محمدی بیگم کے ماموؤں مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین وغیرہ پر جو اس شرارت اور مخالفت کے اصل بانی مبانی تھے جس طرح خدائی عذاب کی تجلی ہوئی وہ ایک نہایت عبرت انگیز کہانی ہے۔ یہ تین بھائی تھے اور اُن کا گھر اُس وقت خانگی رونق اور چہل پہل کا بہترین نمونہ تھا۔ مگر اس کے بعد پھر خدائی عذاب کا کوڑا اُن پر ایسا چلا کہ وہ مختلف قسم کی تنگیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اور اُن کا گھر خالی ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ سارے گھر میں صرف ایک یتیم بچہ باقی رہ گیا۔ اور باقی سب حضرت اقدس مرزا صاحب کی دن دونی رات چوگنی ترقی و کامیابی اور اپنی تباہی دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ پھر عجب تر یہ کہ وہ یتیم بچہ مرزا گل محمد آج حضرت اقدس مرزا صاحب کے حلقہ بگوش مریدوں میں داخل ہے۔ اور یہی وہ خدائی تعویذ ہے جس نے اُسے بچا لیا۔

مرزا سلطان محمد کے متعلق وعید کیوں ٹل گیا

جب پیشگوئی کے ٹھیک مطابق مرزا احمد بیگ فوت ہوگیا تو مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کے خاندانوں میں تہلکہ مچ گیا اور یہ لوگ سخت خوف زدہ ہوکر حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف جھکے اور آپ سے دعا کی درخواستیں کیں اور ٹھیک ذہنی نظارہ قدرت نے دُہرایا جیسے کفار مکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قحط دُور ہونے کے لئے دعا کرانے کے واسطے حاضر ہوئے تھے۔ یہ لوگ بھی خطوط کے ذریعہ دعا کرانے حاضر ہوئے جس طرح قرآن کریم نے ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون فرما کر کفار مکہ کی حالت قلبی کا اظہار کیا ہے کہ اُن کی زبان حال سے یا اُن کے قلب کی گہرائیوں سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب دُور کردے ہم ایمان لے آئے یہی حال یہاں تھا کہ ان کے دل اور زبان دونو سے عذاب کے دُور ہونے کی دعا نکل رہی تھی۔ سلطان محمد کے رشتہ داروں اور محمدی بیگم کی والدہ وغیرہ نے صدقے کئے۔ قربانیاں کیں۔ خیراتیں کیں۔ توبہ و استغفار کئے۔ ہمارے مکرم دوست سید امجد علی شاہ صاحب سے اس خاندان کے ایک فرد مرزا رحمۃ اللہ بیگ صاحب نے ذکر کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ محمدی بیگم کے شوہر مرزا سلطان محمد کی ماں رات کا بہت بڑا حصہ کھڑی رہ رہ کر توبہ و استغفار کرتی اور دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ اسی طرح اُسی خاندان کے ایک فرد مرزا دین محمد صاحب نے سید امجد علی شاہ صاحب سے ذکر کیا کہ "مرزا احمد بیگ کے مرتے ہی سارے خاندان پر اس قدر ہیبت طاری ہوگئی کہ بیان سے باہر ہے۔ ہماری توبہ ہے۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی شان میں کوئی لفظ کہیں۔ اُن کا تقدس مسلّم ہے" خود مرزا سلطان محمد (محمدی بیگم کے شوہر) کا رویہ حضرت اقدس کے ساتھ نہایت جارحانہ اور مخلصانہ ہوگیا تو پھر ان لوگوں کی حالت بدلنے پر کیوں نہ تقدیر الٰہی بدل جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں وعدہ ہے کہ وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون کہ اللہ کی یہ شان کے منافی ہے کہ وہ لوگوں کو عذاب دے جس حالت میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ تو پھر یہ سنت اللہ کس طرح بدل جاتی۔ اسی حقیقت کا اظہار حضرت مرزا صاحب نے اپنے اشتہار مؤرخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۴ء میں کیا ہے۔ اور مرزا سلطان محمد کے اور اس کے بزرگوں کے توبہ و استغفار کے خطوط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ان کے توبہ و استغفار کا حال دیکھ کر ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد کی قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ ایسی تاریخیں جو تخویف اور انذار کے نشانوں میں سے ہوتی ہیں ہمیشہ بطور تقدیر معلّق کے ہوتی ہیں..... احمد بیگ کی وفات کے بعد ان کے دلوں پر سخت رعب طاری ہوا۔ اور انہوں نے ربانی پیشگوئی کے خوف و غم کو کسی قدر اپنے دلوں پر غالب کر لیا۔ اگرچہ سخت دل بہت تھے لیکن

احمد بیگ کے مرنے نے ان کی کمر توڑ دی اور اس وجہ سے اُن کی طرف سے عناد اور پشیمانی کے خط بھی پہنچے۔ اور جبکہ وہ اپنے دلوں میں بہت ڈرے اور سخت ہراساں ہوئے۔ پس ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی سنت قدیم کے موافق تاریخ عذاب کو کسی اور موقعہ پر ڈال دے یعنی اُن دنوں پر جبکہ وہ لوگ اپنی حالت بیباکی اور تکبر اور غفلت کی طرف کامل طور سے رجوع کریں کیونکہ عذاب کی میعاد ایک تقدیر معلق ہوتی ہے جو خوف اور رجوع سے دوسرے وقت پر جا پڑتی ہے جیسا کہ تمام قرآن اس پر شاہد ہے"

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"اور اس پیشگوئی کے متعلق جو دقیقہ معرفت ہے وہ یہ ہے کہ یہ پیشگوئی اسی قوم کے ڈرانے کے لئے ہے جن کی طبیعتوں میں الحاد اور ارتداد غلبہ کر گیا تھا۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پہلے کلمات میں ہی فرمایا کہ یہ لوگ میری آیتوں کی تکذیب کرتے اور میرے نشانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ پس جبکہ یہ پیشگوئی انذار اور تخویف پر مشتمل تھی اور موت کے وعدے محض عذاب کے طور پر تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ عذاب اور تاخیر عذاب میں اپنی سنت اور عادت کا اس جگہ پابند ہو جس کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح موجود ہے"

عذاب کے نشان سے اصلاح ہو گئی

میں پھر کہتا ہوں کہ محمدی بیگم کا نکاح غرض اصلی نہ تھا۔ غرض تو اس خاندان کو آسمانی نشان دکھانا تھا تا اس خاندان کو کسی طرح ہدایت اور اصلاح ہو۔ اور یہ خدا کی طرف جھکیں۔ اُس کا ایک ذریعہ محمدی بیگم کا نکاح تھا تا اس طرح حضرت اقدس سے تعلقات مودت قائم ہو کر ان کے اندر دینداری اور خدا پرستی داخل ہو۔ یہ رحمت کا نشان تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا ذریعہ خدا کی طرف جھکنے کا وہ عذاب تھا جو محمدی بیگم کا نکاح حضرت صاحب کی بجائے کسی اور جگہ کر دینے کی حالت میں مقدر تھا۔ اور قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ عذاب الٰہی کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان رجوع الی اللہ کر کے عذاب سے بچ جاوے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔ ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنٰھم بالباساء والضرآء لعلھم یتضرعون فلولا اذ جاءھم باسنا تضرعوا ولکن قست قلوبھم وزین لھم الشیطٰن ما کانوا یعملون (الانعام رکوع ۵)

ترجمہ:۔ اور بیشک ہم تجھ سے پہلے اُمتوں کے پاس فرستادے بھیج چکے ہیں۔ پھر ہم نے ان قوموں کو خوف اور سختی و تنگی سے پکڑا تا کہ ہمارے حضور گڑگڑائیں۔ پھر جب ہمارا عذاب اُن پر آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے (تا اُن پر سے عذاب ٹل جاتا) اور لیکن اُنکے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے انکے عملوں کو اچھا کر کے دکھایا"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کا عذاب بھی تضرع اور رجوع الی اللہ کا موجب ہو جاتا ہے اور اگر انسان تضرع اور رجوع الی اللہ سے کام لے تو وہ عذاب ٹل جاتا ہے۔ ہاں اگر ایسا دل سخت ہو کہ انسان اپنی بداعمالیوں کو نہ چھوڑے اور انہی کو اچھا سمجھے تو پھر عذاب بھی پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے پس اللہ کی اس سنت کے بموجب کس طرح ممکن تھا کہ محمدی بیگم کا شوہر مرزا سلطان محمد اور اسکی والدہ تضرع اور رجوع الی اللہ کرتے اور ان پر سے عذاب ٹل جاتا۔ ہاں امام الدین ونظام الدین انکے ماموؤں کے دل ایسے سخت تھے کہ اپنی بداعمالیوں کو ہی اچھا سمجھتے رہے۔ اس لئے اُن پر عذاب آکر ایسا مسلط ہوا کہ بھرے گھر خالی ہو گئے اور سوائے ایک یتیم بچہ کے کوئی نہ رہا۔ مگر محمدی بیگم کے شوہر اور اسکی والدہ نے فلولا اذ جاءھم باسنا تضرعوا سے فائدہ اُٹھایا۔ عذاب آنے سے اُن کے دل خدا کی طرف جھک گئے۔ اور وہ تضرع میں لگ گئے۔ اس لئے عذاب بھی ٹل گیا۔ حضرت یونس کی قوم کی طرح جن کی توبہ و استغفار نے آئے ہوئے عذاب کو ٹال دیا تھا یہ بھی بچ گئے۔ محمدی بیگم سے حضرت صاحب کا نکاح کوئی غرض اصلی نہ تھا۔ غرض تو اس خاندان کی اصلاح کے لئے انہیں آسمانی نشان دکھانا تھا جس سے انہیں ہدایت ہو۔ سو آسمانی نشان دکھایا گیا جو عذاب کے رنگ میں تھا۔ مگر ابھی اس کا ایک حصہ ہی پورا ہوا تھا جو وہ لوگ تضرع اور ابتہال اور توبہ و استغفار میں لگ گئے اسلئے باقی حصہ عذاب کا ٹل گیا۔ کیونکہ جو مقصد محمدی بیگم کے نکاح کا تھا وہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور الہام کے الفاظ بھی اسی امر کے مقتضی تھے۔

اصل الہام پر بحث میں یہاں الہام کے اصل الفاظ نقل کرتا ہوں:۔

کذبوا بآیاتنا وکانوا بھا یستھزؤن ○ فسیکفیکھم اللہ ویردھا الیک لا تبدیل لکلمات اللہ ان ربک فعال لما یرید ○

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے ہماری آیات اور نشانوں کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ ہنسی اور تمسخر کرتے تھے پس ان کے مقابلہ میں اللہ تیرے لئے کافی ہے۔ یعنی وہ ان پر قہری نشان نازل کرے گا اور وہ اس لڑکی کو لوٹا کر تیری طرف لائیگا۔ خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے"

یہاں فسیکفیکھم میں ف سببیہ ظاہر کر رہا ہے کہ آگے جن قہری نشانات کے نزول کا ذکر آتا ہے۔ اس کا سبب ان لوگوں کی تکذیب اور استہزا ہے۔ اور یردّھا الیک سے قبل واؤ عاطفہ ظاہر کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونو ایک ہی حکم میں ہیں یعنی قہری نشانات کے نزول یعنی احمد بیگ اور اُس کے داماد کے فوت ہونے اور لڑکی محمدی بیگم کے حضرت اقدس کی طرف بذریعہ نکاح لوٹائے جانے دونو کا

سبب ان لوگوں کی تکذیب و استہزا ہے۔ اگر تکذیب و استہزا قائم رہے گا تو یہ دونو نتیجے بھی قائم رہیں گے اور لازماً وقوع میں آئیں گے۔ لیکن اگر تکذیب اور استہزا قائم نہ رہے تو پھر یہ دونو باتیں بھی قائم نہیں رہ سکتیں کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط کے ماتحت تکذیب اور استہزا کے فوت ہونے سے سلطان محمد کی وفات اور لڑکی کا نکاح میں آنا بھی فوت ہو جائیگا۔ پس اللہ تعالیٰ کے جن کلمات میں تبدیلی ہونا یہاں ناممکن بتایا ہے وہ ان دونو شقوں پر جو اوپر بیان ہوئی ہیں حاوی ہے۔ پہلی شق یہ کہ تکذیب و استہزا کی صورت میں سلطان محمد کی ہلاکت اور لڑکی کا بیوہ ہو کر آپ کے نکاح میں آنا۔ اور دوسری شق یہ کہ تکذیب اور استہزا کے چھوڑنے کی صورت میں نہ سلطان محمد کی موت کا وقوع میں آنا اور نہ لڑکی کا بیوہ ہو کر حضرت اقدس کے نکاح میں آنا۔ پس لا تبدیل لکلمات اللہ کا مقصد یہ تھا کہ ان دونو شقوں کو اپنی اپنی شرط کے ساتھ وقوع میں آنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ کیونکہ خدا کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ عذاب کی پیشگوئی میں تکذیب اور استہزا کی صورت میں جس طرح عذاب کا آنا اٹل ہے اسی طرح تکذیب و استہزا کو ترک کر دینے کی صورت میں اس عذاب کا ٹل جانا بھی ایک سنت اللہ ہے جو بدل نہیں سکتی۔ اب جو وقوع میں آیا وہ یہ ہے کہ سلطان محمد اور اس کے رشتہ داروں نے تکذیب و استہزا کو ایسا ترک کیا کہ اس وقت تک بھی کہ حضرت اقدس کو فوت ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اس کا کبھی نام نہیں لیا۔ اور نہ صرف یہ کہ تکذیب و استہزا کو ترک کر دیا بلکہ حضرت اقدس کی صداقت اور ولایت کا بھی اقرار کرتے رہے اور کثرت سے اُن میں سے آپ کے مرید ہو گئے پس باوجود تکذیب و استہزا کو ترک کر دینے اور اپنے اندر اس قدر تبدیلی پیدا کر لینے کے اگر ان پر عذاب آجاتا تو پھر یہ کہہ سکتے تھے کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی اور کلمات اللہ بدل گئے۔ لیکن موجودہ صورت میں تو یہ پیشگوئی اپنے دونو پہلوؤں سے نہایت صفائی سے پوری ہوئی۔ عذاب کے پہلو سے بھی اور رحمت کے پہلو سے بھی۔ اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ پیشگوئی الہام کے اصل الفاظ اور اُن کے صریح معنوں کی روشنی میں نہایت صحیح ثابت ہوئی۔ اور جیسا کہ فرمایا تھا کلمات اللہ اپنی حالت پر قائم رہے اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کیونکہ کلمات اللہ نے بتایا تھا کہ اس لڑکی کا بیوہ ہو کر حضرت اقدس کے نکاح میں آنا اس کے خاندان کے لوگوں کی تکذیب و استہزا پر منحصر ہے۔ اگر تکذیب و استہزا سے وہ باز آجائیں گے تو ضرور ہے کہ خدا تکذیب و استہزا کی سزا کو بھی ٹال دے۔ اس کے گھر میں انصاف ہے۔ کسی کی ناحق دھرطے داری نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ضرور تھا کہ وہ لڑکی نہ بیوہ ہوتی اور نہ آپ کے نکاح میں آتی +

مخالف مولویوں کا انکار محل تعجب ہے

تعجب یہ ہے کہ جس خاندان کیلئے یہ نشان نمائی ہوئی تھی اُس نے اُسے پورا ہوتا

ہؤا دیکھا اور اُس کے آگے اُن کے دل جُھک گئے اور خشوع و خضوع اُن میں پیدا ہوگیا جو باقی ماندہ عذاب کے ٹل جانے کا موجب ہوگیا۔ لیکن مخالف مولوی اس حقیقت کا صاف انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ مرزا احمد بیگ اس پیشگوئی کے ایک شق کے عین مطابق مرگیا اور اس کے داماد اور بیوی کے دلوں میں اس سے خشوع و خضوع پیدا ہؤا۔ صدقہ و خیرات ہوئیں۔ توبہ و استغفار ہوئی۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں دعا کیلئے درخواستیں ہوئیں تو پھر کیا ضروری نہ تھا کہ سنت اللہ کے مطابق اس پیشگوئی کی دوسری شق بھی پوری ہوتی یعنی ان تائبین اور مستغفرین پر سے باقی حصّہ عذاب کا ٹل جاتا۔ جو ٹل گیا۔ تو اعتراض کس بات کا ہؤا۔ اعتراض تو تب تھا کہ یہ لوگ روتے دھوتے توبہ استغفار کرتے ہوئے عذاب میں پکڑے جاتے۔ تب بیشک کہا جا سکتا تھا کہ خدا نے اپنی سنت بدل دی جو قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں اعتراض کرنا سوائے اس کے کہ ناحق کی دشمنی اور تعصّب اور علم دین سے جہالت پر محمول کیا جائے اور کیا کیا جائے۔ اور ان لوگوں کی عداوت اور تعصّب کا تو یہ حال ہے کہ اتنا بھی نہیں اقرار کرتے کہ احمد بیگ کی موت سے کم سے کم ایک حصّہ پیشگوئی کا تو ضرور پورا ہوگیا۔

محمدی بیگم کا نکاح سلطان محمد کی موت پر مبنی تھا

جیسا کہ میں اصل الفاظ الہام سے اوپر دکھا آیا ہوں کہ محمدی بیگم کا نکاح درحقیقت مرزا سلطان محمد کی موت پر مبنی تھا۔ وہ اگر مرجاتا تو محمدی بیگم بھی حضرت اقدس مرزا صاحب کے نکاح میں آجاتی۔ وہ نہیں مرا اس لئے کہ توبہ و استغفار سے عذاب ٹل گیا تو وہ نکاح بھی ٹل گیا۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ محمدی بیگم کا نکاح غرض اصلی نہ تھا۔ غرض اصلی تو اس خاندان کی اصلاح کے لئے نشان نمائی تھی تا وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ البتہ نکاح رحمت کے نشانوں کے ظہور کیلئے بطور شرط کے تھا۔ لیکن اُنہوں نے اس طریق سے رحمت کے نشان سے فائدہ اُٹھانا نہ چاہا اور لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر کے عملی طور پر خدا کے نشانات کی تکذیب استہزا کیا تو اس کا نتیجہ پھر عذاب کا نشان تھا جس کا ایک حصّہ ہی ابھی ظہور میں آیا تھا جو مقصد حاصل ہوگیا یعنی یہ خاندان خدا کی طرف رجوع کر گیا تو پھر باقی حصّہ عذاب کی ضرورت نہ رہی۔ جب سلطان محمد کی موت اور محمدی بیگم کے نکاح کے بغیر ہی اصل مقصود حاصل ہوگیا تو پھر خدا کی شان کے منافی اور اُس کی سنت کے خلاف تھا کہ وہ خواہ مخواہ مرزا سلطان محمد کو ہلاک کرے اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت صاحب سے کرے۔ یہ تو پھر دھڑے بازی ہوجاتی۔ خدائی نہ ہوتی۔ خدا کا عذاب یونہی کسی پر بلا وجہ نہیں آیا کرتا۔ جب بغیر عذاب لانے کے اصل غرض حاصل ہوجائے تو پھر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

اس نشان نمائی کا نتیجہ چنانچہ ایک طرف اقارب میں سے جن لوگوں نے مرزا احمد بیگ کی موت کے قہری نشان سے فائدہ نہ اُٹھایا اور وہ لوگ زیادہ تر محمدی بیگم کے ماموں مرزا امام الدین و نظام الدین وغیرہ تھے وہ ہلاک ہوگئے۔ ان کے گھر بیواؤں سے بھر گئے۔ بھرے گھر خالی ہوگئے۔ اور اس تمام گھر میں سوائے ایک بچّے کے کوئی مرد باقی نہ رہا۔ اور وہ بچّہ بھی جوان ہوکر حضرت اقدس مرزا صاحب کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ تو دوسری طرف محمدی بیگم کے دوسرے رشتہ دار جنہوں نے اس قہری نشان سے فائدہ اٹھایا یعنی حضرت کے الہام توبی توبی انّ البلاء علی عقبک (کہ توبہ کر توبہ بیشک عذاب تیرے تعاقب میں ہے) کے مطابق توبہ و استغفار اور دعا و زاری میں لگ گئے وہ بچ گئے اور ہدایت پاگئے۔ خود مرزا احمد بیگ کی بیوی یعنی محمدی بیگم کی والدہ اور محمدی بیگم کی خالہ اور مرزا سلطان احمد حضرت اقدس کے بڑے صاحبزادے جو محمدی بیگم کی دوسری جگہ شادی کرنے کے بانی مبانی تھے آخر کار سب حضرت اقدس کے مریدوں میں شامل ہوئے۔ محمدی بیگم کی سگی ہمشیرہ جو مرزا احسن بیگ کے نکاح میں ہے اور محمدی بیگم کی ماموں زاد ہمشیرہ اور خود مرزا احسن بیگ حضرت صاحب کے مریدوں میں شامل ہیں۔ اس خاندان کا سردار مرزا محمود بیگ نہایت اخلاص سے حضرت اقدس کی جماعت میں شامل ہوا۔ مرزا امام الدین (جو اشد مخالف تھا) کی لڑکی مرزا سلطان احمد کی بیوی اور سب سے بڑھکر خود محمدی بیگم کا لڑکا حضرت اقدس کے مریدوں میں داخل ہیں۔ جس سے حضرت اقدس کا وہ الہام پورا ہوگیا کہ "ہم اس گھر میں کچھ حسنی طریق پر داخل ہوں گے اور کچھ حسینی طریق پر"

سلطان محمد کا رجوع خود سلطان محمد، محمدی بیگم کا شوہر حضرت اقدس کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد حضرت کا نہایت معتقد رہا۔ گو کسی وجہ سے بیعت نہیں کی مگر اس کے تعلقات نہایت ارادتمندانہ اور مخلصانہ رہے اور اس امر کو بار بار پبلک میں حضرت صاحب نے اعلان کیا مگر اُس نے کبھی ان باتوں کی تردید نہ کی۔ یہاں تک کہ بعض مخالف مولویوں نے جب اس تعلق ارادتمندانہ کا انکار کیا تو حضرت اقدس نے انجام آتھم صفحہ ۳۲ پر اعلان کیا کہ:-

"فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں ..... ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے کہ اس کو بیباک کردے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اور اُس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو"

لیکن اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو جیسا کہ حضرت اقدس نے مذکورہ بالا اشتہار میں شائع فرمایا تھا وہ عذاب جو ٹال دیا گیا تھا یقیناً اُس پر وارد ہوتا۔ لیکن وہ کیوں ایسا کرتا جبکہ وہ دل سے معتقد تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس کی وفات کے کئی سال بعد ۱۹۱۳ء میں حضرت اقدس کے ایک مرید کے استفسار پر اُس نے جو خط جواب میں لکھا اُس کے ایک ایک لفظ سے اخلاص ٹپکتا ہے اور وہ یہ ہے:-

"السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ مَیں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمتگزار۔ شریف النفس۔ خدا یاد۔ پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے اُن کی زندگی میں اُن کا شرف زیارت حاصل نہ کر سکا۔

نیازمند سلطان محمد"

ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کی وفات کے بعد سلطان محمد کو کونسی چیز مخالفت اور سرکشی سے باز رکھ سکتی تھی سوائے اس کے کہ اس کے دل میں حضرت اقدس کی عزت اور احترام تھا۔ اور اس کا دل آپ کی صداقت کا معترف ہو چکا تھا۔ گو بظاہر کسی وجہ سے خود بیعت نہ کی مگر اپنے بیٹے کو بیعت کروا دیا۔ تذکرۃ المہدی حصہ اوّل میں مرزا بشیر احمد صاحب نے جو کچھ سلطان محمد کی حافظ جمال احمد صاحب سے ملاقات کا حال لکھا ہے اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"حافظ جمال احمد صاحب سلطان محمد صاحب سے ملنے پٹی گئے تھے ان کے سامنے سلطان محمد صاحب نے اقرار کیا کہ میرے خسر مرزا احمد بیگ عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ غفور رحیم ہے اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ نے میری دعا اور زاری کی وجہ سے وہ عذاب مجھ سے ٹال دیا) پھر اُنہوں نے اقرار کیا کہ مَیں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی حضرت اقدس مرزا صاحب کے متعلق میرے لئے کسی شک وشبہ کا موجب نہیں۔ اور اب تک بیعت نہ کرنے کی وجہ کچھ اور ہے۔ جس کا ذکر کرنا اُس وقت انہوں نے مناسب نہ سمجھا پھر خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اُنہوں نے کہا کہ مجھے حضرت اقدس مرزا صاحب پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ جب میں انبالہ چھاؤنی میں تھا تو ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک احمدی نے حضرت مرزا صاحب کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے تھے تو مَیں نے اس کا جو تحریری جواب دیا تھا اُسے پڑھ لو (یہ اُسی خط کی طرف اشارہ ہے جو مَیں اُوپر نقل کر چکا ہوں) پھر اُنہوں نے کہا کہ میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق آریوں نے

لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا میں کسی طرح حضرت مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا مگر وہی اعتقاد اور ایمان تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا"

خود محمدی بیگم کا رجوع

پھر جمال احمد صاحب نے دریافت کیا کہ کیا آپ کے گھر والوں (یعنی محمدی بیگم صاحبہ) نے کوئی رویا دیکھی ہے؟ جس کے جواب میں سلطان محمد صاحب نے کہا مجھے تو معلوم نہیں مگر مرزا احمد بیگ صاحب ہیڈ کلرک کے ذریعہ آپ اُن سے دریافت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب مرزا احمد بیگ صاحب کی معرفت اُن سے دریافت کیا تو محمدی بیگم صاحبہ نے کہا کہ جس وقت فرانس سے ان کو (یعنی سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی تو میں سخت پریشان ہوئی اور میرا دل گھبرا گیا۔ اس تشویش میں مجھے رات کے وقت حضرت اقدس مرزا صاحب رویا میں اس طرح نظر آئے کہ ان کے ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ ہے اور وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ "اے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے فکر نہ کر" (یعنی تیرا شوہر صحیح سلامت ہے) اس سے مجھے ان کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ کیا یہاں سے صاف نظر نہیں آتا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا کس قدر احترام خود محمدی بیگم صاحبہ کے دل میں ہے کہ اُن کے ذریعہ جو بشارت ملتی ہے اس سے ان کا دل فوراً مطمئن ہو جاتا ہے۔ خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے کرشمہ سے بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ تمرد اور سرکشی کی صورت میں محمدی بیگم کے شوہر کے متعلق عذاب الٰہی یعنی موت کی خبر جس بزرگ کی معرفت دی گئی تھی اس سرکشی اور تمرد سے رجوع کر لینے کے بعد اُسی بزرگ کی معرفت محمدی بیگم کو شوہر کی زندگی کی بشارت دی جاتی ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ سبحان اللہ العظیم۔

نکاح کو تقدیر مبرم لکھنا اجتہاد تھا

پس جب اس خاندان نے ہدایت قبول کر لی اور اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کر لی تو خواہ مخواہ خدا کو عذاب نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ جب سلطان محمد پر سے اس کی تبدیلی حالت کی وجہ سے عذاب ٹل گیا تو وہ نکاح بھی ٹل گیا۔ نکاح غرض اصلی نہ تھا غرض اصلی تو ایسی نشان نمائی تھی جس سے اس خاندان کو ہدایت اور اصلاح ہو۔ جب ہدایت ہو گئی نکاح کی ضرورت باقی نہ رہی۔ لہٰذا وہ تقدیر ٹل گئی۔ یہاں یہ وسوسہ صحیح نہیں کہ حضرت اقدس نے کہیں اس نکاح کے متعلق لکھ دیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ انہوں نے اگر ایسا لکھا ہے تو پھر یہ الہام نہیں ان کا اپنا اجتہاد ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ خود حضرت مرزا صاحب کسی پیشگوئی کے متعلق اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"اور بالفرض اگر میری یہی مراد ہوتی تو میرا کہنا اور خدا کا کہنا ایک نہیں۔ میں انسان ہوں ممکن ہے اجتہاد سے ایک بات کہوں اور وہ صحیح نہ ہو۔" (حجۃ اللہ صفحہ ۱۰)

پھر فرماتے ہیں :۔

"ہم اپنی اجتہادی باتوں کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے۔ ہمیں ملزم کرنے کے لئے ہمارا کوئی الہام پیش کرنا چاہیئے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۴)

پھر فرماتے ہیں :۔

"درحقیقت تمام انبیا کا یہی مذہب رہا ہے کہ وہ پیشگوئی کی اصل حقیقت کو خدا تعالیٰ کے وسیع علم پر چھوڑتے رہے ہیں ..... اس خیال سے کہ شاید پیشگوئی میں ایسے امور مخفی ہوں یا وہ کچھ شرط کے ساتھ وابستہ ہوں جن کا علم ہم کو نہیں دیا گیا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۴۳)

پس اگر کسی امر کو تقدیر مبرم اپنے اجتہاد سے حضرت مرزا صاحب نے لکھ دیا تو وہ آپ کا اجتہاد تھا الہام نہ تھا۔ اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس جگہ تقدیر مبرم کی بھی کچھ تھوڑی سی تشریح کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔

تقدیر مبرم دو قسم کی ہوتی ہے واضح ہو کہ اسلام کے تمام علمائے ظاہر و باطن میں یہ مسلّم امر ہے کہ بعض وقت بعض امور کے متعلق ایک ملہم کو اسقدر تحدّی کے ساتھ مطلع کیا جاتا ہے کہ اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ ایک قانون ہے کہ اس کی طرف رجوع اور تضرع کرنیوالوں سے وہ عذاب کو اُٹھا لیتا ہے تو پھر خواہ کتنی بھی تحدّی کے ساتھ کسی شخص یا جماعت پر عذاب نازل ہونے کی خبر ملے ضروری ہے کہ اس میں تضرع کے ذریعہ سے عذاب ٹل جانے کی شرط مخفی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون قرآن کریم میں کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ ما کان ربّك لیهلك القریٰ بظلم واهلها مصلحون (ہود) کہ تیرے رب کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے جس حالت میں کہ اس کے رہنے والے اصلاح کر لیں۔ پھر فرماتا ہے کہ وما کان اللہ معذبهم وهم یستغفرون (الانفال) کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ لوگوں کو عذاب دے جس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ پس جب اپنے اعمال میں اصلاح کر لینے والوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کیا کرتا۔ اور اگر ایسے لوگوں کو ہلاک کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا نام ظلم رکھتا ہے۔ اور نہ استغفار کرنیوالوں پر عذاب نازل فرماتا ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے متعلق وعید نازل ہو وہ اگر اپنی اصلاح کر لے یا اپنے رب کے آگے گر جائے اور خشیت و انابت سے کام لے تو بھی اس پر عذاب نازل ہو جائے۔ ممکن ہے کہ ایک ملہم جس چیز کو تقدیر مبرم سمجھتا ہے وہ تقدیر معلق ہو۔ اس صورت میں یہ محض ایک اجتہادی غلطی ہوگی۔

جس سے کوئی نبی یا ولی خالی نہیں۔ لیکن اگر اس کو تقدیر مبرم بھی مان لیا جائے تو بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر مبرم بھی دو طرح پر ہے (۱) ایک یہ کہ ملہم کو وہ مبرم نظر آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مبرم نہیں بلکہ معلق ہوتی ہے۔ (۲) اور دوسری قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مبرم ہوتی ہے۔

حضرت مجدد سرہندی صاحب کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی دو قسموں کا ذکر کرتے ہوئے ذیل کے الفاظ اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائے ہیں۔ میں اصل فارسی عبارت بلفظہ بمعہ ترجمہ یہاں پیش کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"بدان ارشدک اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کہ قضا بر دو قسم است۔ قضاء معلق و قضاء مبرم۔ در قضاء معلق احتمال تغیر و تبدیل است۔ و در قضاء مبرم تغیر و تبدیل را مجال نیست قال اللہ سبحانہ تعالیٰ مایبدل القول لدی۔ این در قضاء مبرم است۔ و در قضاء معلق مے فرماید یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتب۔ حضرت قبلہ گاہی ام قدس سرہٗ میفرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ در بعضے از مسائل خود نوشتہ اند کہ در قضاء مبرم ہیچکس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد۔ مگر مرا کہ اگر خواہم آنچہ ہم تصرف کنم و در این سخن تعجب بسیار میکردند و استبعاد فرمودند و این نقل مدتہا در خزینۂ ذہن این فقیر بود تا آنکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ باین دولت عظمیٰ مشرف ساخت۔ روزے در صدد دفع بلیۂ بودم کہ بہ بعضے از دوستان نامزد شدہ بود و در آن وقت التجا و تضرع و نیاز و خشوع تمام داشتم ظاہر شد کہ در لوح محفوظ قضاء این امر معلق بامرے نیست و مشروط بہ شرطے نہ۔ یک گونہ یاس و نا امیدی دست داد و سخن حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ بیاد آمد۔ مرۃً ثانیۃً باز تضرع و تلطف و تمسکن گشت و راہ عجز و نیاز پیش گرفتہ متوجہ شد بمحض فضل و کرم ظاہر ساختند کہ قضاء معلق بر دو گونہ است۔ قضائے است کہ تعلیق او را در لوح محفوظ ظاہر ساختہ اند و ملائکہ را بر آں اطلاع دادہ۔ و قضائے کہ تعلیق او نزد خدا است جل شانہٗ بس۔ در لوح محفوظ صورت قضاء مبرم دارد۔ این قسم اخیر از قضائے معلق نیز احتمال تبدیل دارد در رنگ اول۔ ازاں جا معلوم شد کہ سخن سیّد موصوف باین قسم اخیر است کہ صورت قضائے مبرم دارد نہ بقضائے کہ بحقیقت مبرم است کہ تصرف و تبدیل دراں محال است عقلاً و شرعاً کما لا یخفی۔ والحق کہ کم کسے را بحقیقت آں قضا اطلاع است۔ فکیف کہ دراں جا تصرف نماید و بلیۂ کہ متوجہ آں دوست شدہ بود دراں قسم اخیر یافت و معلوم شد کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ رفع آں بلیہ فرمود والحمد للہ سبحانہٗ علیٰ ذٰلک" (مکتوب نمبر ۱۲۱ دفتر اوّل)

ترجمہ:- "اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت کرے یہ جان لے کہ قضا یعنی تقدیر دو قسم پر ہے (۱) ایک قضاء معلق اور (۲) دوسری قضاء مبرم۔ قضاء معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور مبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مایبدّل القول لدیّ (میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا) یہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے۔ اور قضاء معلق کے بارے میں فرماتا ہے یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہٗ اُمّ الکتاب (جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے) میرے حضرت قبلہ گاہی (یعنی والد) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبدالقادر محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں۔" اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔ یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں بھی رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے فقیر کو اس دولت عظمیٰ (یعنی اپنے قرب) سے مشرف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقدر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز و خشوع کیا تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں۔ اس بات سے بڑی یاس و ناامیدی حاصل ہوئی۔ اور حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا۔ تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دیدی جاتی ہے۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہوتا ہے اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید قدس سرہٗ کی بات بھی اس اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف اور تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے۔ اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دور فرما دیا ہے۔ والحمد للہ سبحانہٗ علیٰ ذالک۔"

یہی مطلب ان احادیث کا ہے جن میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم دعا اور صدقہ سے ٹل جاتی ہے۔ میں

چند یہاں نقل کرتا ہوں :-

(۱) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکثروا الدعا فان الدعا یرد القضاء المبرم (کنز العمال جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۶۷)

ترجمہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعائیں بہت کیا کرو کیونکہ دعا قضاء مبرم کو بھی رد کر دیتی ہے

(۲) روی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ان الصدقۃ لتدفع البلاء المبرم النازل من السماء (روض الریاحین برحاشیہ قصص الانبیاء صفحہ ۲۶۴)

ترجمہ :- روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بلائے مبرم کو بھی ٹال دیتا ہے جو آسمان سے نازل ہونیوالی ہو۔

(۳) ایسا ہی ترمذی کی دو احادیث ہیں :-

(۱) عن سلمان قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۶)

ترجمہ :- سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قضا کو کوئی چیز رد نہیں کرتی مگر دعا۔ اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی مگر نیکی۔

(۴) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لتطفء غضب الرب وتدفع میتۃ السوء (ترمذی ابواب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۸۴)

ترجمہ :- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بری موت کو ٹال دیتا ہے۔

ان تمام احادیث اور حضرت مجدد سرہندی علیہ الرحمۃ کے بیان سے ظاہر ہے کہ صدقہ دعا تضرع انابت وخشیت اللہ بلاؤں کو ٹال دیتے ہیں خواہ وہ قضائے معلق ہو اور خواہ مبرم۔ مگر وہی تقدیر مبرم ملتی ہے جو علم کی نظر میں تو مبرم ہوتی ہے مگر جناب الٰہی کے دقیق در دقیق علم میں وہ معلق ہوتی ہے۔ وہ بظاہر مبرم نظر آتی ہے مگر علم الٰہی میں وہ معلق ہوتی ہے کیونکہ اس کے اندر یہ شرط مخفی ہوتی ہے کہ صدقہ اور دعا وغیرہ سے اگر کام لیا جائے تو ٹل سکتی ہے۔ اس لئے بعض اوقات کوئی پیشگوئی خواہ کتنی بھی حتمی طور پر کسی واقعہ کی خبر دیتی ہو اور علم من اللہ کے نزدیک تقدیر مبرم کا رنگ رکھتی ہو۔ تاہم خدا تعالیٰ کے علم میں وہ مبرم نہیں ہوتی۔ اور جونہی کہ وہ جماعت یا وہ شخص جس کے متعلق وہ پیشگوئی کی گئی ہے اپنی بدکرداریوں سے رجوع کر لیتا ہے وہ وعید ٹل جاتا ہے۔ اور وہ وعدہ بدل جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی

احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کے نزدیک آئندہ کے واقعات کی جو خبریں دی جاتی ہیں وہ اکثر مشروط بشرائط ہوتی ہیں جن سے بعض وقت پیشگوئی کرنیوالے کو بھی اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اُن کو غیر مشروط سمجھ کر مطلق وقوع کی خبر دے دیتا ہے۔ اس حقیقت کو آپ نے اپنے مکتوب میں اس طرح واضح فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر پرسند کہ سبب چیست کہ در بعضے از کشوف کونی کہ از اولیاء اللہ صادر میگردد غلط واقعہ میشود و بخلاف آن بظہور مے آید مثلاً خبر کردند کہ فلانے بعد از یک ماہ خواہد مُرد یا از سفر بوطن مراجعت خواہد نمود۔ اتفاقاً بعد از یک ماہ ازین دو چیز ہیچ کدام بوقوع نیامد۔ در جواب گوئیم کہ حصول آن مکشوف و مخبر عنہ مشروط بہ شرائط بودہ است کہ صاحب کشف بتفصیل آن شرائط اطلاع نیافتہ و حکم کردہ بحصول آن شے مطلقاً یا آنکہ گوئیم حکمے از احکام لوح محفوظ بر عارف ظاہر شدہ کہ آن حکم فی نفسہ قابل محو اثبات است و از قبیل قضائے معلق۔ اما آن عارف را از تعلیق و قابلیت محو خبرے نہ۔ درین صورت اگر بمقتضائے علم خود حکم کند ناچار احتمال تخلف خواہد داشت" (مکتوبات ص۲۱۷ دفتر اوّل)

ترجمہ:۔ اگر پوچھیں کہ بعض کشوف میں جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں غلطی واقعہ ہو جاتی ہے اور اُن کے برخلاف ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ کے بعد مر جائے گا یا سفر سے وطن میں واپس آئے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی وقوع میں نہیں آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس کا کشف ہوا اور اس کی خبر دی گئی تھی اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحب کشف نے اس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی۔ اور اس شے کے حاصل ہونے کا حکم مطلق طور پر لگا دیا۔ یا یہ وجہ ہے کہ لوح محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا ہے اور وہ حکم فی نفسہ محو اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو اثبات اور تعلیق و قابلیت محو کی خبر نہ تھی اس صورت میں اگر اپنے علم کے موافق وہ حکم کرے گا تو اس میں لازماً تخلف ہو جانے کا احتمال ہے"

اسی مکتوب میں حضرت مجدد سرہندی صاحب نے آنحضرت صلعم کے ایک کشف کو بطور مثال تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

منقول است کہ روزے حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام آمدہ اخبار کرد در حق شخصے کہ این جوان فردا علی الصباح خواہد مُرد حضرت

پیغمبر را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام برحال آن جوان رحم آمد۔ پرسیدند کہ از دنیا چہ آرزو داری۔ گفت دو چیز۔ منکوحۂ بکر و حلوا۔ فرمودند تا ہر دو مہیا ساختند۔ آن جوان شب با اہلیۂ خود در خلوت خانہ نشستہ بود و طبق حلوا در پیش۔ اتفاقاً سائل محتاج بر در آمدہ اظہار احتیاج نمود۔ این جوان طبق حلوا بر دست برداشتہ بآن فقیر داد۔ چون صباح شد حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام انتظار خبر فوت آن جوان بودند۔ چون دیر شد فرمودند کہ خبر بیارید کہ آن جوان چہ حال دارد۔ خبر آوردند کہ خوش و خرم است۔ متحیر ماندند۔ در این اثنا حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آمد و گفت تصدق حلوا دفع بلائے آن جوان نمود۔ زیر بستر آن مار کلانے یافتند کہ مُردہ و در دہن آن مار آنقدر حلوا کہ فتہ اند (بیاری حلوا جان دادہ است۔ (مکتوبات ص ۲۱۷ دفتر اوّل)

ترجمہ:۔ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مرجاویگا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس جوان کے حال پر بہت رحم آیا۔ اس سے پوچھا کہ تو دنیا سے کیا آرزو رکھتا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ ایک کنواری بیوی۔ دوسرے حلوا۔ حضور نے دونو چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان رات کو اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ حلوے کا طبق اُن کے آگے رکھا تھا کہ اس اثنا میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آکر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اُٹھا کر اس فقیر کو دیدیا۔ جب صبح ہوئی حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کے مرنے کی خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے خبر لائے کہ خوش و خرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اس اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حلوے کے صدقہ نے اس جوان کی بلا کو دفع کیا۔ جب اس کے بستر کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اسقدر حلوا پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دیدی۔"

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کر دینا میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

یجوز ان یعود اللہ الوعد ولا یظہر العیب وفاءً بذلک لان الغیریۃ قد زالت

بزوال الھوی۔ فیصیر الوعد حینئذٍ فی حقّہ مع اللہ کرجل عزم علی فعل شیٔ فی نفسہ ونواہ ثم صرفہ الی غیرہ (فتوح الغیب مقالہ ۵۶)

یعنی جائز ہے کہ اللہ کوئی وعدہ اپنے بندہ سے کرے اور اس کی وفا ظاہر نہ کرے یعنی اُسے پورا نہ کرے اس لئے کہ بندہ کی اپنے رب سے غیریت تو خواہشات کے مٹ جانیسے دُور ہوچکی۔ پس وہ وعدہ جو اس کے ساتھ کیا گیا ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خود اپنے متعلق کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر اس کی نیت بھی کرے مگر کسی دوسرے کام کی طرف توجہ پھیر دے۔

یعنی رب کا وہ وعدہ جو اپنے بندہ سے تھا بہ وجہ بندہ کی اپنی خواہشات کے مٹ جانے کے کسی غیر سے نہ تھا بلکہ اپنے آپ سے تھا۔ پس اگر ایک شخص اپنے متعلق کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر کسی وجہ سے اس کام کا ارادہ ترک کردے اور دوسرے کام کی طرف توجہ پھیر دے تو اُس کا نام وعدہ خلافی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ جائز ہے۔

حضرت امام شافعی کا ارشاد

اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

لا یجب الوفاء بالوعد۔ یعنی خدا پر وعدہ کی وفا واجب نہیں (کتاب ارشاد الفحول)

وجہ یہ کہ ممکن ہے کہ وہ وعدہ کسی شرط سے مشروط ہو جس کا پہلے سے بندہ کو علم نہ تھا۔

تقدیر مبرم فرمانے کی اصل حقیقت

اب ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے جو محمدی بیگم کے نکاح کا وعدہ تھا وہ مشروط بہ شرائط تھا۔ یعنی وہ محمدی بیگم کے شوہر کی موت پر مبنی تھا جو اس کے خاندان کے تمرد اور سرکشی کی صورت میں واقع ہونیوالی تھی۔ لیکن جب یہ باتیں نہ رہیں اور ان لوگوں نے تضرع اور ابتہال سے کام لیا اور اپنی حالت میں اصلاح کرلی تو وہ شرط باقی نہ رہی جو محمدی بیگم کے شوہر کی موت کیلئے ضروری تھی۔ اور جب اُس کی موت ٹل گئی تو وہ نکاح بھی ٹل گیا۔ اور اس صورت میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا اُسے تقدیر مبرم فرمانا وہی معنی رکھتا ہے جو حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورۂ بالا حوالجات میں مَیں نقل کرآیا ہوں کہ بعض دفعہ ملہم کو ایک تقدیر مبرم نظر آتی ہے لیکن وہ جناب الٰہی کے علم میں معلّق ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تقدیر مبرم کا اجتہاد حضرت اقدس نے لاتبدیل لکلمات اللہ سے کیا تھا جو الہام کے اصل الفاظ ہیں۔ اور جیسا کہ میں اُوپر اصل الفاظ الہام پر بحث کرتے ہوئے دکھا آیا ہوں کہ لاتبدیل لکلمات اللہ جس امر کے لئے فرمایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ تکذیب اور استہزا کی صورت میں وہ لڑکی تیری طرف لوٹائی جائے گی۔ کیونکہ اس کے والد اور شوہر کی موت تکذیب اور استہزا پر منحصر تھی۔ لیکن جب اس کے والد کے مرنے پر اس کے شوہر اور خاندان نے تکذیب و استہزا چھوڑ دیا تو یہ بھی تو کلمات اللہ ہی ہیں کہ ترک استہزا اور توبہ و استغفار سے عذاب ٹل جایا کرتا ہے

پس اگر لاتبدیل لکلمات اللہ کے تقاضے کے ماتحت تکذیب استہزا کی صورت میں محمدی بیگم کے شوہر کی موت اور اُس کا آپ سے نکاح تقدیر مبرم تھا تو تکذیب و استہزا کے ترک کی صورت میں اُس کے شوہر پر سے موت اور اس نکاح کا ٹل جانا بھی تو تقدیر مبرم ہی تھا۔ گویا تقدیر معلق کے یہ دونو پہلو بوجہ سنت اللہ ہونے کے اپنی اپنی جگہ تقدیر مبرم کا حکم رکھتے تھے پس جو صورت پیدا ہوئی اُسی قسم کی تقدیر مبرم جاری ہوئی +

اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں موت عرف ایک کیلئے مقدر تھی

اس تقدیر مبرم اور معلق پر بحث کرتے ہوئے ایک لطیف بات قابل توجہ یہ ہے کہ اگرچہ مرزا احمد بیگ اور محمدی بیگم کے شوہر مرزا سلطان محمد دونو کی موت کی پیشگوئی کی گئی تھی جو تکذیب استہزا کے ساتھ وابستہ ہونیکی وجہ سے دونو شخصوں کے لئے تقدیر معلق تھی۔ یعنی اگر احمد بیگ تکذیب و استہزا سے کام نہ لیتا اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت اقدس سے کر دیتا تو یہ تقدیر بالکل ہی ٹل جاتی۔ یا محمدی بیگم کا شوہر بھی تمرد اور سرکشی اور تکذیب و استہزا سے کام لیتا تو وہ بھی اپنی میعاد کے اندر ہلاک ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ پہلے سے تھا کہ ان میں سے صرف ایک مرے گا اور دوسرا شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ جائے گا۔ اس کے متعلق میں وہ کشف اور الہام یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء کے تتمہ اشتہار مجریہ ۱۵۔ جولائی میں بطور حاشیہ تحریر فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں :-

"اور جنوری ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیارپور ایک اور الہام عربی مرزا احمد بیگ کی نسبت ہوا تھا۔ جس کو ایک مجمع میں جس میں بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ و مولوی برہان الدین صاحب جہلمی بھی موجود تھے سنایا گیا تھا۔ جس کی عبارت یہ ہے :- رأیت ھٰذہ المرأۃ واثر البکاء علیٰ وجھھا فقلت ایتھا المرأۃ توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبک والمصیبۃ نازلۃ علیک یموت ویبقیٰ منہ کلاب متعددۃ"

اس عربی الہام و کشف کے جو مرزا احمد بیگ کے متعلق ہے یہ معنے ہیں :-

"کہ میں نے اس عورت کو (یعنی مرزا احمد بیگ کی ساس کو) دیکھا اس حالت میں کہ رونے کے نشانات اس کے چہرہ پر تھے۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر بیشک بلا تیرے پیچھے ہے اور تجھ پر مصیبت نازل ہونیوالی ہے۔ یہ مرجائیگا اور اس کی وجہ سے کچھ کتے باقی رہ جائیں گے"

گویا جو بلا آنیوالی تھی جس سے کہ اس عورت کو ڈرایا گیا تھا اس میں علم الٰہی میں موت ایک ہی کی مقدر تھی

دو کی نہ تھی۔ اگرچہ اس پیشگوئی کی تفصیل کرتے ہوئے بطور تقدیر معلق دو شخصوں کے لئے موت کے عذاب کی خبر دی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں موت صرف ایک ہی کی واقع ہونیوالی تھی اور وہ احمد بیگ کی تھی۔ ورنہ چاہئے تھا کہ اس بلا کی خبر دیتے ہوئے الہام میں **یموتان** تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جاتا کہ دو شخص مریں گے لیکن نہیں۔ **یموت** واحد کا صیغہ استعمال کر کے صرف ایک کی موت واقع ہونے کی خبر دی گئی جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اگرچہ بطور تقدیر معلق دو شخصوں کی موت کی پیشگوئی تھی لیکن فی الواقع اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں مرنا ایک نے ہی تھا اور دوسرے نے بچ جانا تھا جس کی وجہ سے چند کتوں کو بھونکنے یعنی مخالفوں کو ناحق اعتراض کرنے کا موقعہ مل گیا۔ قرآن کریم میں بلعم باعور کو بھی حق کی مخالفت کرنے کی وجہ سے فمثلہ کمثل الکلب فرما کر کتے سے مشابہت دی ہے۔ تو ان لوگوں کو جو اتباع ہوٰی نفس کرتے ہوئے محض ضد اور تعصب کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے اور اس پیشگوئی کو لیکر ناحق تمسخر و استہزا کرتے پھرتے ہیں اگر اس الہام میں کتوں سے تشبیہ دی گئی تو قرآن کریم کے فتوے کے عین مطابق ہے +

اعلان دربارۂ بیعت

جب تک حضرت اقدس مرزا صاحب کو جناب الٰہی کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا آپ ہمیشہ بیعت لینے سے انکار کرتے رہے۔ بشیر اوّل کی وفات کے بعد اسی اعلان کے ساتھ جس میں حقانی تقریر آپنے شائع فرمائی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ نے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے اور ایک جماعت تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے متعلق اپنا الہام بھی شائع کیا۔ فاذا عزمت فتوکّل علی اللہ واصنع الفلک باعیننا ووحینا۔ یعنی خدا پر بھروسہ کر اور ہماری آنکھوں کے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کر۔ کشتی کے متعلق یہ تفہیم ہوئی کہ اس سے مراد جماعت ہے۔ ساتھ ہی اس بیعت کے بارے میں یہ الہام ہوا کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ کہ بیشک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ یہ وہ آیت قرآنی ہے جو سب سے پہلے حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی اور اس کے ماتحت جو بیعت صحابہ نے کی وہ بیعت رضوان کہلائی۔ حضرت نبی کریم صلعم ۶ سنہ ہجری میں عمرہ کی غرض سے عازم مکہ ہوئے تو مکہ معظمہ کے متصل حدیبیہ کے مقام پر آپ کو پتہ لگا کہ کفار مکہ جنگ کیلئے آمادہ ہیں۔ آپ تو اس غرض کے لئے تشریف لائے نہ تھے اس لئے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ یہ پیغام دیکر

بھیجا کہ ہم لڑنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ فقط عمرہ کرکے واپس چلے جائیں گے۔ مگر اسکے بعد ہی یہ خبر اڑی کہ کفار نے حضرت عثمان کو قید کر لیا ہے۔ اس خبر کے سچے ہونے کی صورت میں بلاشبہ یہ کفار کی طرف سے اعلان جنگ تھا۔ اور حالت یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ لڑنے کی غرض سے نہ آئے تھے اس لئے اچانک اس لڑائی کے آپڑنے سے مسلمان دشمنوں کے نرغہ میں آگئے۔ اسلام پر یہ بہت نازک وقت تھا۔ دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے چاروں طرف سے گھیر کر آنے کو تھا اور یہاں اس کے مقابلہ کی سکت نہ تھی۔ جان نثاری اور قربانی کا یہ بڑا امتحان تھا۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلعم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحابہ سے دین کی خاطر جان نثاری کی بیعت لی۔ اور صحابہ نے بڑی خوشی اور مستعدی سے اسلام کے لئے قربان ہو جانے کی بیعت کی۔ یہ بیعت جناب الٰہی میں بڑی مقبول ہوئی۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس بیعت پر خوشنودیٔ مزاج کی سند نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ الخ (الفتح) بیشک اللہ راضی ہو گیا ان مومنوں سے جو تیری بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ اور اس سے قبل اسی بیعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم بیشک جو لوگ تیری بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھ پر ہے یعنی ظاہر تو بیعت خدا کے رسولؐ کے ہاتھ پر ہو رہی تھی مگر درحقیقت یہ عہد خدا سے ہو رہا تھا کہ ہم دین کیلئے جان مال ہر چیز خدا کی راہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔

بیعت کی ضرورت آج ہمارے اس زمانہ میں بھی اسلام سخت نرغہ میں تھا اور محمد رسول اللہ صلعم اور آپ کے لائے ہوئے دین کو دشمنان اسلام عیسائی، آریہ، دہریہ وغیرہ کچل ڈالنا اور ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ گویا حدیبیہ کی نازک حالت پھر ایک رنگ میں اسلام پر وارد ہو گئی تھی اور ہے۔ اس لئے مشیت الٰہی نے یہی چاہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر ایک جماعت مجاہدین اور اسلام کے فدائیوں کی ایسی بنائی جائے جس سے وہی عہد لیا جائے جو صحابہ کرام سے حدیبیہ کے موقعہ پر لیا گیا تھا۔ چونکہ آج حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو دنیا میں موجود نہیں ہیں اسلئے جناب الٰہی نے آپ کے ظل اور نائب کو جو مجدد وقت تھا مسلمانوں سے وہی بیعت جان نثاری کی لینے کے لئے اسی آیت کو الہام کیا جو آنحضرت صلعم پر حدیبیہ کے موقعہ پر نازل فرمائی تھی۔ اور وہ آیت تھی:۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ کہ جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں بیشک وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

بیعت کا طریق چنانچہ اسی الہام کے ماتحت حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائی نام احمدؐ پر بیعت لینی شروع کی۔ اور اس بیعت میں بیعت کرنیوالے کو کلمہ شہادت پڑھایا جاتا تھا

اس کے بعد گناہوں سے توبہ کروا کے آئندہ گناہوں سے بچنے کا اقرار لیا جاتا تھا اور اس کے بعد ایک عہد لیا جاتا تھا جو بطور جان اور اصل کے تھا اور وہ یہ تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یعنی اسلام کیلئے مال جان خواہشات نفس غرضکہ دنیا کی ہر ایک چیز کو قربان کرنے کیلئے تیار ہوں بس یہ بیعت معمولی صوفیوں کی بیعت نہ تھی۔ بلکہ یہ اس بیعت کے رنگ میں تھی جو صحابہ کرام سے حدیبیہ کے مقام پر لی گئی تھی اور جس پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نہایت خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ بیعت حضرت مرزا صاحب مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر لیا کرتے تھے سوائے مستورات کے کہ ان کو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا حکم نہ تھا صرف حضرت صاحب کے ساتھ ساتھ منہ سے بیعت کے الفاظ دُہرانے پڑتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص دور ہو اور حاضر نہ ہو سکے تو بذریعہ تحریر بھی بیعت کر سکتا تھا مگر تحریر میں انہی الفاظ کو دُہرانا پڑتا تھا یا کم از کم ان الفاظ کا مفہوم اپنے ذہن میں رکھنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے ہر ایک مرید کیلئے ان دس شرائط بیعت کو پورا کرنا ضروری قرار دیا جو حسب ذیل ہیں:۔

دس شرائط بیعت

۱۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

۲۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

۳۔ یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول صلعم کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اُس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

۴۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دیگا۔ نہ زبان سے۔ نہ ہاتھ سے۔ نہ کسی اور طرح سے۔

۵۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور ہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اُس کی راہ میں طیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اُس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ قدم آگے بڑھائے گا۔

۶- یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائیگا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسولؐ کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

۷- یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

۸- یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

۹- یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد قوتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

۱۰- اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب۔ ناقل) سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

ان شرائط بیعت کی شرط ۵ کا خلاصہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" ہے جس کا آپ زبانی عہد اپنے ہاتھ پر بیعت کے وقت لیا کرتے تھے۔

بیعت بمقام لدھیانہ شروع ہوئی

بیعت کا اعلان تو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ہوا تھا۔ مگر سب سے پہلے ۱۸۸۹ء کے ابتدا میں بمقام لدھیانہ آپ نے لوگوں سے بیعت لی۔ چونکہ آپ نے حضرت مولانا نورالدین مرحوم سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ سب سے پہلے اُن کی بیعت لی جائے گی اس لئے سب سے پہلے اُن کی بیعت لی۔ اُن کے بعد میر عباس علی صاحب لدھیانوی نے بیعت کی۔ اسکے بعد مختلف دوستوں مثلاً قاضی خواجہ علی صاحب۔ میر عنایت علی صاحب۔ چوہدری رستم علی صاحب۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری۔ شیخ حامد علی صاحب۔ مولوی عبداللہ صاحب ساکن خست۔ حافظ نور احمد لدھیانوی وغیرھم نے بیعت کی۔ چونکہ بیعت اکیلے اکیلے آدمی کی ہوتی تھی اور دروازہ بند کرکے تنہائی میں ہوتی تھی اس لئے وقت بہت صرف ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ ابتدائی بیعت ایک دن میں ختم نہ ہوسکی بلکہ برابر جاری رہی۔ اور بہت آدمیوں نے بیعت کی۔ خاکسار مؤلف سے حافظ فضل احمد صاحب مرحوم ساکن گجرات نے ذکر کیا کہ ان دنوں میں جو بیعت ہوتی تھی اُس میں حضرت اقدس کی رُوحانی توجہ اسقدر زبردست ہوتی تھی کہ دل لرز جاتے تھے اور ایک فوری تبدیلی انسان اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔ بعد میں تو جب لوگوں کا رجحان اس طرف زیادہ ہوا تو کئی کئی آدمی کی بیعت بیک مرتبہ ہونے لگی۔ خیر یہ بیعت کا سلسلہ لدھیانہ میں جاری رہا۔ مولوی

عبدالکریم صاحب مرحوم سیالکوٹی بھی لدھیانہ میں موجود تھے مگر اُنہوں نے اُس وقت بیعت نہ کی چند ماہ کے بعد بیعت کی ۔

فیضان بیعت کا ایک پہلو

حضرت مولانا نورالدین مرحوم کی اپنی زبان سے خاکسار مؤلف نے دو یا تین بیعت کے وقت کی ایسی سنی ہیں جنہیں مَیں ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔

(۱) اوّل تو یہ کہ فرمانے لگے کہ جب مَیں حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت کرنے لگا تو تنہائی میں عرض کیا کہ مَیں مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے علم دین پڑھا کرتا تھا وہ بہت بڑے عالم اور بڑے صاحب کمال صوفی تھے ۔ ہندوستان کے رہنے والے تھے مگر ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا رہے تھے ۔ نقشبندی خاندان میں بیعت لیا کرتے تھے ۔ بہت لوگ اُن کی بیعت کیا کرتے تھے ۔ میرا بھی کئی دفعہ اُن کی بیعت کرنیکو دل چاہا مگر دل رُک جاتا رہا ۔ یہی خیال آیا کہ بیعت کا فائدہ کیا ہے ۔ ایک مرتبہ مَیں نے اُن سے عرض کر ہی دیا کہ مَیں بھی بیعت کرنا چاہتا ہوں ۔ اُنہیں کچھ تعجّب سا ہوا پھر اُنہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا ۔ مَیں نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا مگر مَیں پھر رُک گیا ۔ مَیں نے کہا کہ پہلے یہ مجھے بتا دیجے کہ بیعت کا فائدہ کیا ہوگا ۔ فرمانے لگے کہ "قال بحال مبدّل گردد شنیدہ بدید مبدّل گردد" (یعنی یہ علم جو پڑھتے ہو بطور حال وارد ہو جائے گا اور جو کچھ سُنتے ہو آنکھوں سے دیکھ لوگے) مَیں نے عرض کیا کہ آپ میری بیعت لے لیں ۔ فرمانے لگے ایک شرط کے ساتھ بیعت لیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس کافی عرصہ ٹھیرو ۔ مَیں نے اُسے منظور کر لیا اور بیعت ہو گئی ۔ اور مَیں کافی عرصہ انکی خدمت میں ٹھیرا اور پھر جو کچھ اُنہوں نے فرمایا تھا وہ سب باتیں پُوری ہوئیں ۔ اب آپ کی بیعت کا فیض کیا ہوگا ۔ حضرت مرزا صاحب یہ واقعہ سُن کر ہنس پڑے ۔ فرمانے لگے کہ میری بیعت سے "دیدہ شنیدہ مبدّل گردد" ہو جائے گا ۔ مَیں نے کہا پھر آپ میری بیعت لے لیں ۔ چنانچہ بیعت ہو گئی ۔ پھر واقعی ایسا ہوا کہ آپکے فیض سے صرف شنیدہ پر اتنا زبردست ایمان پیدا ہو گیا کہ کسی دید کی ضرورت ہی نہ رہی ۔ یعنی بغیر دیکھے ہوئے محض سُننے سے ایسا ایمان اور یقین دین کی باتوں پر پیدا ہو جاتا تھا کہ کسی دید کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی تھی ۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر سب پردے اُٹھ جائیں تب بھی میرا ایمان جس مقام پر پہنچ چکا ہے اُس پر پردوں کے اُٹھنے سے کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی ۔ گویا یہ یقین کے اُس اعلیٰ مقام کو ظاہر کرتا ہے جو بغیر دید کے ہی ایک عارف کو حاصل ہو جاتا ہے ۔

حضرت مرزا صاحب کے مسلک کا وظیفہ جہاد تھا

(۲) دوسری بات جو حضرت مولانا نورالدین مرحوم نے سنائی وہ یہ تھی کہ بیعت کے بعد مَیں نے حضرت مرزا صاحب سے پوچھا کہ ہر ایک بزرگ بیعت کے بعد اپنے مریدوں

کو کوئی وظیفہ بتاتا ہے۔ آپکے مسلک کا جو وظیفہ ہو وہ بتایئے تاکہ میں اُس پر عمل کروں۔ فرمایا "میرے مسلک کا وظیفہ ہے جہاد"۔ یہ سُن کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کا مطلب ہے انگریزوں سے تلوار لیکر لڑوں۔ فرمایا کوئی آپ کی مذہبی آزادی میں مخل نہیں اسلئے تلوار لیکر لڑنے کی ضرورت کیا ہے البتہ دشمنان اسلام دلائل سے اسلام کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں ان کا مقابلہ دلائل سے کرنا آج سب سے بڑا اجہاد ہے۔ آپ عیسائیوں کے خلاف ایک کتاب لکھیں۔ میں نے عرض کیا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اگر کسی آیت قرآنی کا مطلب سمجھ میں نہ آوے تو کیا کروں۔ فرمایا دُعا کرو۔ اللہ سے اُس کا حل چاہو۔ نیز اُس آیت کو کسی کاغذ پر لکھ کر جہاں آپ بیٹھتے ہوں وہاں سامنے لٹکا لیں تاکہ ہر وقت نظر پڑتی رہے۔ یہ بھی دعا کا ہی ایک رنگ ہوتا ہے جس کے ساتھ سعی ملی ہوئی ہے۔ ایک وقت آئیگا کہ اللہ تعالیٰ اُس آیت کو حل کر دے گا۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اس نسخہ کو بڑا مجرب پایا۔ میں نے ایسے مشکلات کے وقت میں کاغذ پر لکھ کر تو نہیں لٹکایا۔ دل پر اس آیت کو لٹکا لیا۔ ہمہ وقت اُس آیت کو دھیان میں رکھا۔ دعا بھی کی۔ رفتہ رفتہ ایک وقت ایسا آجاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُسے حل کر دیتا تھا۔

مولانا فرماتے تھے کہ میں نے حضرت اقدس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ حریف کا جواب دیتے ہوئے اگر الزامی جواب دینے پر اکتفا کیا جائے تو کیسا؟ فرمایا بغیر تحقیقی جواب دیئے ہوئے الزامی جواب دینے کے تو یہ معنے ہوئے کہ گویا ہم نے اپنے عیب کو تسلیم کر لیا۔ صرف اتنا کیا کہ حریف کو کہدیا کہ تم میں بھی یہی عیب ہے۔ اس سے اعتراض تو دور نہ ہوا۔ اتنا ہوا کہ جو اعتراض تم ہم پر کرتے ہو وہی تم پر بھی وارد ہوتا ہے۔ گویا دونوں ہی عیبی ہیں۔ پس اصل جواب تحقیقی جواب ہوا کرتا ہے جس میں ہم نے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ تمہارا اعتراض درست نہیں ہے جس بات کو تم عیب سمجھتے ہو وہ عیب نہیں بلکہ عین صواب ہے۔ یا اگر وہ درحقیقت عیب ہے تو ہم میں موجود نہیں۔ ہاں اعتراض کا تحقیقاتی جواب دینے کے بعد اگر ہم الزامی طور پر یہ بات پیش کریں کہ جو اعتراض تم ہم پر کرتے ہو وہ ہم پر تو نہیں پڑتا بلکہ خود تم پر پڑتا ہے تو یہ درست ہے

الغرض مولانا فرماتے تھے کہ میں بیعت کر کے واپس بھیرہ آیا تو دل میں خلجان تھا کہ عیسائیت کے خلاف کیسی کتاب لکھوں کچھ سمجھ نہ آتا تھا۔ اور میں بہت مشغول آدمی تھا۔ فرصت بہت کم ملتی تھی۔ خیر بھیرہ پہنچا تو وہاں ایک میرا ہم مکتب حافظ قرآن مسجد کا پیش امام تھا۔ وہ میرے سامنے تقدیر کا مسئلہ لے بیٹھا اور اُس نے اُس مسئلہ کے پیش کرنے میں ایسی شوخی سے گفتگو کی کہ میں حیرت سے اُس کا منہ تکنے لگا۔ جب لوگ چلے گئے تو میں نے اس حافظ سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عیسائی ہو گئے ہیں۔ وہ بولا کہ

عیسائی ہو گئے ہیں تو ہرج ہی کیا ہے۔ مَیں نے کہا اپنے گرو یعنی پادری صاحب سے مجھے ملاؤ جنہوں نے تمہیں گمراہ کیا ہے۔ اُس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ وہ مجھے پنڈ داونچاں لے گیا۔ پادری صاحب کی کوٹھی پر پہنچے تو پادری صاحب تو حافظ صاحب کے پہلے ہی بڑے دوست تھے ملاقات کے کمرہ میں تشریف لے آئے۔ میں نے کہا کہ پادری صاحب! میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حافظ صاحب میرے ہم مکتب آپ کے مرید ہو گئے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں آپ کچھ مجھے بھی سنائیں۔ اور مَیں نے یہ بھی کہہ دیا کہ لمبی بحث نہ کریں اپنے مذہب کا خلاصہ۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ۔ اور صرف ایک اعتراض بطور خلاصہ ہمیں سنائیں تا کہ ہمیں آپ کے مذہب اور آپ کے علم کا پتہ لگ جائے جو آپ کو اسلام کے متعلق ہے۔ مگر وہ پادری تو ایسا مرعوب ہوا کہ کوئی بات ہی نہ کی۔ چاء وغیرہ کا انتظام کرانے لگا۔ مَیں نے کہا چاء کی ضرورت نہیں میری اس شہر میں بہت واقفیت ہے ہم چاء وہاں پی لیں گے۔ آپ مذہبی گفتگو کریں۔ مگر وہ پادری ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر مَیں نے اس حافظ کو کہا کہ اسے کسی طرح اکساؤ۔ اُس نے عیلجدہ لیجہ کر بات کی مگر وہ پادری زبانی بات چیت سے صاف انکاری ہو گیا۔ کہنے لگا بعد میں اعتراضات قلمبند کر کے بھیجوں گا مَیں نے حافظ صاحب سے کہا کہ پھر جب تک پادری صاحب اعتراضات نہ بھیجیں اور اُن کے جوابات ہماری طرف سے تم نہ پڑھ لو تم کو بپتسمہ نہ لینا چاہیئے۔ کہنے لگا کہ ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مَیں نے پادری صاحب سے بھی یہ کہہ دیا ہے۔ وہاں سے چل کر جب ہم باہر آئے تو مَیں نے حافظ صاحب سے کہا کہ تمہاری طرح یہاں اور کوئی مسلمان ہے جو عیسائیت سے متاثر ہے۔ کہنے لگا یہاں کا اسٹیشن ماسٹر۔ چنانچہ ہم اسٹیشن پر آئے۔ اسٹیشن ماسٹر سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت دلیری سے بولے کہ عیسائی مذہب کا مقابلہ تو کسی مذہب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر جب اُس نے حافظ صاحب سے سُنا کہ پادری تو انکے سامنے بولا ہی نہیں تو وہ بڑا حیران ہوا۔ آخر اس پادری نے ایک بڑا طومار اعتراضوں کا لکھ کر بھیج دیا۔ مَیں نے حافظ صاحب سے کہا کہ ان کے جوابات کا لکھنا کوئی ایک دن کا کام ہے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ مَیں نے کہا تم ہی مدت مقرر کرو۔ بولا ایک سال تک کتاب چھپ کر ہمیں پہنچ جانی چاہیئے۔ مَیں نے کہا بہت اچھا۔ مگر مَیں جموں اپنی ملازمت پر واپس آ رہا تھا اور وہاں مَیں اس قدر کثیر المشاغل تھا کہ تصنیف کا کام ہونا بہت مشکل تھا۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ اس زمانہ میں زلزلے بہت آئے تھے۔ راجہ پونچھ کا بیٹا زلزلوں یا کسی اور وجہ سے پاگل ہو گیا تھا۔ اُس نے جموں کے راجہ کو لکھا کہ ہم کو ایک اعلیٰ درجہ کے طبیب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مجھے وہاں بھیجا گیا۔ پونچھ میں مجھے شہر سے باہر ایک تنہا مکان دیا گیا۔ بس ایک مریض کا دیکھنا اور تمام دن تنہائی۔ مَیں وہاں بائیبل اور قرآن شریف پڑھنے لگا۔ اُن

تمام اعتراضوں کو پیش نظر رکھ کر بائیبل پر نشان کرتا رہا۔ پھر اُس کے بعد قرآن شریف پڑھا اور نشان کرتا رہا۔ اس کے بعد کتاب لکھنی شروع کی اور چار جلد کی ایک کتاب **فصل الخطاب** لکھی۔ اِدھر کتاب تیار ہوئی اُدھر راجہ کا لڑکا اچھا ہوا۔ اب روپے کی فکر تھی کہ کتاب کس طرح چھپے۔ راجہ پونچھ نے کئی ہزار روپیہ دیا۔ جب جموں آیا تو راجہ صاحب جموں نے پوچھا کیا دیا۔ مَیں نے وہ تمام روپیہ آگے رکھ دیا۔ وہ بہت ناراض ہوئے کہ بہت تھوڑا روپیہ دیا۔ چنانچہ اسی وقت حکم دیا کہ انکو سال بھر کی تنخواہ اور انعام ہماری سرکار سے ملے۔ مَیں نے وہ روپیہ اور دو جلدیں دلی بھیجدیں۔ وہاں سے چھپ کر آئیں تو حافظ صاحب اور مشن اُن کے دوسرے لوگوں کو بھیجدیں۔ اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم سچے دل سے اب مسلمان ہو گئے ہیں۔ باقی جلدوں کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد پھر جو حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو تمام ماجرا عرض کر دیا۔ بہت خوش ہوئے۔ مَیں نے عرض کی اب کیا کروں۔ فرمایا آریوں کے خلاف ایک کتاب لکھو۔ واپس جو وہاں سے آیا تو لیکھرام کی کتاب تکذیب براہین احمدیہ نظر سے گزری۔ اُس میں تقریباً وہی اعتراضات تھے جن کا جواب باقی کی دو جلدوں میں مَیں نے لکھا ہوا تھا۔ مصالحہ تیار تھا۔ تھوڑے ردوبدل کے ساتھ اس کا جواب تیار ہو گیا اور **تصدیق براہین احمدیہ** کے نام سے وہ کتاب چھپ گئی +

جہاد کی مخالفت کا الزام غلط ہے

مَیں نے یہ واقعہ اتنی تفصیل سے اس لئے لکھا کہ بعض لوگ نادانی سے حضرت مرزا صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ جہاد کے مخالف تھے۔ حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ آپ کا تو سارا مسلک ہی جہاد تھا۔ البتہ آپ کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کوئی تلوار یا طاقت کے ذریعہ اسلام کو مٹانا نہ چاہے یا اُس کی اشاعت میں روک نہ ڈالے اس وقت تک تلوار یا طاقت کا استعمال کرنا اسلام کی تعلیم نہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ میں تن من دھن قربان کرنا اور اس کیلئے سعی بلیغ اور جدوجہد کامل طور پر کرنا حضرت مرزا صاحب کا عین مقصود زندگی تھا اور حقیقی جہاد بھی یہی ہے۔ جہاد بالسیف تو کسی خاص وقت سے محدود ہوتا ہے اور یہ وہ جہاد ہے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اور مومن کی زندگی کا مقصد جو جہاد ہونا چاہئے وہ یہی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں **جاھدھم بہ جھادًا کبیرًا** کی آیت کریمہ میں ہے یعنی قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ پس حقیقی جہاد قرآن کریم کی تعلیم کی اشاعت ہے۔ دوسری بات اس سے یہ بھی نظر آتی ہے کہ اسلام کی تائید میں حضرت مرزا صاحب کے میدان میں نکلنے سے قبل عیسائیت کا قدم کس قدر آگے بڑھ رہا تھا اور انہوں نے اِدھر اُدھر کی ملانوں کی لغو باتوں سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کی پبلک کو گمراہ کرنے کیلئے ایک طومار اعتراضوں کا جمع کر رکھا تھا جسے حضرت مرزا صاحب نے **قتّا فوتّا**

اس طرح اُڑایا اور صاف کیا کہ اسلام کا پاکیزہ اور نورانی چہرہ تمام گرد و غبار سے صاف ہو کر نظروں کے سامنے آگیا۔ مزید برآں خود عیسائیت کے خلاف اس قدر زبردست جارحانہ قدم اُٹھایا کہ اُسے اپنا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بلکہ اصولی طور پر وہ آپ کی زبردست قلم کے آگے ہلاک ہو کر رہ گئی۔ اور یہی مطلب کسر صلیب کا تھا جو حدیثوں میں مسیح موعود کا نشان اور کام بتایا گیا تھا +

سفر علیگڈھ لدھیانہ میں بیعت لیکر حضرت اقدس علیگڈھ تشریف لے گئے۔ یہ ۱۸۸۹ء کے ابتدا کا زمانہ تھا۔ آپ کے ساتھ میر عباس علی لدھیانوی۔ مولوی عبداللہ سنوری اور شیخ حامد علی گئے تھے۔ آپ علیگڈھ فقط ایک ہفتہ ٹھیرے اس کے بعد واپس لدھیانہ تشریف لے آئے۔ علیگڈھ میں حضرت اقدس سیّد تفضل حسین صاحب تحصیلدار کے مکان پر ٹھیرے تھے جو ان دنوں میں ضلع کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ وہاں ایک جگہ دعوت میں چوکیوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا دیا گیا تو میر عباس علی صاحب نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ کہا کہ یہ نیچریوں کا طریق ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ خلاف شریعت نہیں۔ مگر میر صاحب نے کہا نا نہ کھایا۔ یہ انکی تنگدلی کا نشان تھا

اُن دنوں بوجہ ضعف دماغ حضرت اقدس دماغی محنت کے ناقابل تھے بلکہ زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکتے تھے۔ اور غالباً اسی لئے سفر بھی اختیار کیا ہوگا۔ علیگڈھ میں ایک غیر مقلد مولوی محمد اسمٰعیل نام تھے وہ حضرت اقدس سے ملنے کی درخواست کی کہ کل بعد از نماز جمعہ مجمع میں آپ تقریر فرماویں۔ حضرت نے منظور فرمایا اور کہا کہ اسلام کی حقیقت پر تقریر کی جائے گی۔ لیکن بعد میں آپ کو بذریعہ الہام تقریر سے روک دیا گیا۔ اس وقت حضرت صاحب کو یہ خیال ہوا کہ آپ کی صحت چونکہ نہایت مخدوش تھی اسلئے جناب الٰہی نے نہ چاہا کہ تقریر میں مغز خوری کر کے آپ اپنی صحت کو برباد کر لیں۔ لیکن اس کے علاوہ بعد میں یہ بھی پتہ لگا کہ اس مولوی کی نیت بخیر نہ تھی۔ وہ مجمع میں نہ معلوم کیا شرارت اور فتنہ انگیزی کرتا۔ کیونکہ محض حضرت کے تقریر نہ کرنے پر اُس نے بجائے مومنانہ حسن ظنی سے کام لینے کے تعلّی اور شیخی بازی سے کام لیتے ہوئے ایک تقریر کی جسے بعد میں شائع بھی کیا گیا۔ جس میں اُس نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ الہام سے روکے جانے کا محض بہانہ تھا۔ "میرا خیال ہے کہ بسبب عجز بیانی و خوف امتحانی انکار کر دیا۔ یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا" اور بھی اسی قسم کی بکواس کی۔ حضرت صاحب نے ان باتوں کا دندان شکن جواب اپنے رسالہ فتح اسلام میں دیا ہے۔ اور اس کے اس بہتان پر کہ "سیّد احمد عرب جن کو میں ثقہ جانتا ہوں وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں ان کے پاس معتقدین خاص کے زمرہ میں رہا..... معلوم ہوا کہ درحقیقت اُن کے پاس آلات نجوم ہیں وہ اُن سے کام لیتے ہیں" آپ نے جواب میں مولوی محمد اسمٰعیل علیگڈھی کو مباہلہ کیلئے

بلایا اور کہا کہ مجھے ہرگز یاد نہیں کہ وہ سید احمد کون بزرگ تھے کہ جو دو ماہ تک میرے پاس رہے۔ اس بات کا بار ثبوت مولوی صاحب کے ذمہ ہے کہ ان کو میرے روبرو پیش کریں تا پوچھا جاوے کہ انہوں نے کن آلات کو مشاہدہ کیا تھا۔ اور جبکہ میں ابھی تک زندہ موجود ہوں اس حالت میں مولوی صاحب دو ماہ تک آپ ہی رہکر دیکھ لیں کسی دوسرے عربی یا عجمی کی توسط کی کیا ضرورت ہے" (فتح اسلام) اس بدقسمت متکبر مولوی نے بجائے اس کے کہ حضرت کی خدمت میں آکر معاملہ کی تحقیقات کرتا حضرت اقدس کے خلاف ایک کتاب لکھی اور اس میں آپ کے مباہلہ کے چیلنج کو منظور کرتے ہوئے آپ کی موت کیلئے بددعا کی اس مباہلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ہی جلد اس دار فانی سے گزر گیا اور اپنی موت سے اپنے جھوٹ اور افترا پر (جو اس نے حضرت صاحب کے بارے میں کیا تھا کہ آپ کے پاس آلات نجوم ہیں جن کے ذریعہ پیشگوئی کرتے ہیں) اور حضرت صاحب کی صداقت پر مُہر لگا گیا۔ اُس نے خود اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ جاء الحق وزھق الباطل کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ سو اُس کی موت نے بتا دیا کہ باطل کون تھا۔

دعوئے مسیحیت

دعوئے مسیحیت آپ کے اعلان دربارہ بیعت کے بعد خلائق کا رجوع آپ کی طرف بہ کثرت ہوا اور بہت لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ آپ کے زہد و تقویٰ۔ آپ کے علم و فضل۔ آپ کے صاحب حال والہام ہونے کا شہرہ دُور و نزدیک ہو چکا تھا اور خلقت ہر طرح آپ کی طرف رجوع کر رہی تھی کہ یکایک ۱۸۹۰ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعہ ایک زبردست انکشاف ہوا اور وہ یہ کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا اور آنیوالا موعود ابن مریم (جس کی تفصیل احادیث صحیحہ میں آئی ہے) آپ ہی ہیں۔ اور آسمان سے کوئی آنیوالا نہیں۔ الہام کے الفاظ یہ تھے "مسیح ابن مریم فوت ہو گیا وجعلناک المسیح ابن مریم"۔

مشابہت اولیاء بانبیاء آپ کو اس سے قبل بذریعہ کشوف والہامات یہ اچھی طرح منکشف ہو چکا تھا کہ آپ اپنی رُوحانیت میں مسیح ابن مریم سے بدرجہا تم مشابہت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس اشتہار میں جس میں مجددیت کا دعویٰ کیا تھا اعلان فرما دیا تھا کہ:۔

"مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے۔ اور رُوحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے"

خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی انوکھی بات نہ تھی بلکہ یہ وہی مشابہت تھی جو تیرہ سو سال سے اس اُمت مرحومہ کے اکابر اولیا کو مختلف انبیا سے ہوتی آئی ہے۔ کیونکہ ہر ایک

ولی کسی نبی کے نقش قدم پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کہ میری اُمت کے علماء (یعنی علماء ربانی) بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہت رکھیں گے اور جیسا کہ حضرت نبی کریم صلعم نے حضرت علی کو ہارون علیہ السلام سے مماثلت دیتے ہوئے فرمایا کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہٗ لا نبی بعدی (صحیح مسلم) کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارون موسیٰ سے تھا سوائے اس کے کہ میرے بعد نبی کوئی نہیں۔ اور جیسا کہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۳ میں ابن عساکر حضرت انس سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ:۔

"ما من نبی الا لہٗ نظیر من اُمتی وابوبکر نظیر ابراھیم وعمر نظیر موسیٰ و عثمان نظیر ھارون وعلی ابن ابی طالب نظیری ومن سرہ ان ینظر الی عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذر الغفاری۔

یعنی رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس قدر انبیا گزرے ہیں اُن میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی نظیر یعنی مثیل میری اُمت میں سے ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوبکر ابراہیم علیہ السلام کا مثیل اور عمر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل اور عثمان ہارون علیہ السلام کا مثیل اور علی ابن ابی طالب میرا مثیل ہے۔ اور جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہے تو وہ ابوذر غفاری کو دیکھ لے"

اور بھی اس قسم کی متعدد احادیث ہیں۔ ان کے علاوہ اس اُمت کے اکابر اولیا نے بھی اس مشابہت بہ انبیا کو صاف لفظوں میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی صاحب علیہ الرحمۃ اپنے مکتوب کی جلد اوّل مکتوب ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت صدیق وحضرت فاروق رضی اللہ عنہما در طرف ولایت مناسبت بہ حضرت ابراہیم و در طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوت است مناسبت بحضرت موسیٰ دارند و حضرت ذی النورین در ہر دو طرف مناسبت بہ حضرت نوح دارند و حضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بہ حضرت عیسیٰ دارند صلوات اللہ علیٰ نبینا وعلیہم۔

"یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ولایت کے پہلو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کے لحاظ سے جو نبوت کا مقام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین دونو پہلوؤں سے حضرت نوح سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر یعنی حضرت علی دونو پہلوؤں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں"

حضرت بایزید بسطامی کے بارے میں جو ایک بہت بڑے ولی گزرے ہیں تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے:۔

گفتند خدائے عزوجل را بندگانند بدل ابراہیم و موسیٰ و محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ گفت آن ہمہ منم" یعنی لوگوں نے کہا کہ اللہ عزوجل کے ایسے بندے بھی دنیا میں ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دل رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت بایزید نے فرمایا کہ وہ سب میں ہی ہوں" (تذکرۃ الاولیا صفحہ ۱۵۶)

حضرت امام الکاملین خواجہ محمد ناصر محمدی اپنی کتاب نالۂ عندلیب جلد اوّل صفحہ ۲۴۳ پر یوں رقمطراز ہیں:۔

"در اُمّت محمدیہ کامل و اکمل اولیا گردیدہ اند اگرچہ بہ اعتبار سلوکِ باطن و جادۂ طریقت آنہا آدمی و نوحی و ابراہیمی و داؤدی و یعقوبی و موسوی و عیسوی و محمدیؐ مشرب ہم باشند" یعنی اُمّت محمدیہ میں کامل و اکمل اولیا ہوئے ہیں۔ اگرچہ بہ اعتبار سلوکِ باطن اور بہ لحاظ راہِ طریقت اُن میں سے کوئی آدم مشرب کوئی نوح مشرب کوئی ابراہیم مشرب اور کوئی داؤد مشرب اور کوئی یعقوب مشرب اور کوئی موسیٰ مشرب اور کوئی عیسیٰ مشرب اور کوئی محمدؐ مشرب تھا"

ہمارے موحدین اہل حدیث کے بہت بڑے پیشوا اور سرتاج حضرت سید احمد بریلوی صاحب حال میں ہی تیرھویں صدی کے مجدّد ہو گزرے ہیں۔ اُن کی شان میں معتقدان سید احمد بریلوی صاحب کتاب نجم الثاقب جلد ۲ میں یہ قصیدہ مدحیہ لکھتے ہیں:۔

اُمّتے ناخواندۂ باعالماں — اے عجب در بحث و تکرار آمدہ
یوسف از کنعاں بہ مصر آمد کنوں — عالمے او را خریدار آمدہ
از پئے احیائے موتیٰ عیسیٰ دم — در جہان اینک پدیدار آمدہ
سوئے یثرب احمدم از غارِ ثور — از پئے تعلیم انصار آمدہ
یا علی مرتضیٰ با ذوالفقار — از برائے قتل کفار آمدہ
یا کہ حسن المجتبیٰ با حُسن و خلق — شمع بزم آرائے ابرار آمدہ
خلق را سوئے شہادت رہنمون — چون حسین این نورِ ابصار آمدہ
ہمچو زین العابدین آن شاہ دین — عابداں را میر و سردار آمدہ
ہمچو باقر بحر زخّارِ علوم — بہر تلمیذ آن نمودار آمدہ
سید احمد اُمتِ آن جعفر است — ہر کہ زین جعفر بانکار آمدہ

کاظم الغیظ است و موسیٰ زمان ہالکِ فرعون و اشرار آمدہ
ہم تقی و ہم نقی است آن امام
وارثِ ابرار و اخیار آمدہ

یہاں دیکھئے حضرت سید احمد بریلوی صاحب کو یوسف علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام اور حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت دی ہے۔ پھر مجازاً و استعارہ کے طور پر نہیں حضرت علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر، اور حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت امام تقی اور حضرت امام نقی سبھی کچھ تو کہہ دیا۔ اس سے بڑھ کر اسی کتاب نجم الثاقب جلد ۲ میں موحدین کے مسلمہ پیشوا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ کے قصیدہ سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے ؎

سید احمد با ہمہ اصحاب خود روزی رسید ✦ با صحابہ گوئی آمد باز ختم المرسلین

یہاں حضرت سید احمد صاحب کو مجازاً ختم المرسلین اور آپ کے اصحاب کو صحابہ کرام کہہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اُس مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے ہے جو اولیا کو انبیاء سے ہوتی ہے۔ وہ انبیا نہیں ہوتے مگر انبیا کا رنگ اُن کو دیا جاتا ہے ✦

اس مسئلہ پر جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا ارشاد

میں یہاں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تصنیف تذکرہ میں سے بھی چند حوالجات نقل کر دیتا ہوں وہ اس زمانہ کے ایک مسلمہ عالم متبحر ہیں۔ مجددین کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی ضرورت پر وہ لکھتے ہیں:-

"نظام شمسی کی طرح نظام انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں مگر تم کو اُن کا حال نہیں معلوم۔ تم کو اجرام سماویہ کا مرکز معلوم کرنے میں جب ہزاروں برس لگ گئے تو نہیں معلوم عالم انسانیت کے نظام و مراکز کے لئے کتنا زمانہ درکار ہوگا؟ تاہم یہ معلوم رہے کہ ہر عہد و دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکز محبت اور کعبۂ انجذاب ہوتا ہے۔ اور جس طرح نظام شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اسی لئے ہے کہ کعبۂ شمس کا طواف کرے۔ اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اسی لئے ہوتے ہیں کہ اس مرکز انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں۔ زمین والوں ہی پر موقوف نہیں آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے" (تذکرہ صفحہ ۵۵ و ۵۶)

پھر مجدد کی شان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

"ازانجملہ سب سے اعلیٰ و اشرف طبقہ ان اخص الخواص نفوس مزکی کا ہے جن کو قائد توفیق آسمانی وسائق فیضان ربانی عزائم امور کیلئے چن لیتا ہے کہ وان ذلک لمن العزم الامور۔ اور جن کا نور علم و عمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ۔ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افراد خاصہ کو حدیث بخاری میں محدّث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہی مورد و مصداق حدیث مجدد کے ہیں جو مختلف طرق سے مروی اور اس لئے بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود فی الحقیقت نظام حق و ہدایت کا مقوم و منظم ہے۔ اور انبیاء کرام کی اصلی وراثت انہی میں منتقل ہوتی ہے البتہ یہ مقام از بس ارفع و اعلیٰ ہے اور ہر عہد و دور میں صرف چند نفوس عالیہ ہی ایسے ہوتے ہیں جن کا قدم ہمت امتحان گاہ مصائب و مہالک سے آگے بڑھ کر وہاں تک پہنچتا ہے اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عمل حق کو انجام دیدیتا ہے۔ اس کے لئے نہ تو مجرد علم و تدریس کتب کام آتی ہے۔ نہ رسوم و ہیئات زہد و انقطاع۔ نہ مدارس و معابد دینی کے غلغلہ و ہنگامہ فضیلت کو اس میں دخل ہے اور نہ صومعہ و خانقاہ کے گوشۂ انزوا کو۔ ان کے عہد میں علماء و اصحاب مشیخت کی کمی نہیں ہوتی۔ اور کچھ یہ بات بھی نہیں کہ مدرسے اجڑ جاتے ہوں اور خانقاہیں منہدم ہو جاتی ہوں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کثرت و شہرت کے لحاظ سے اُن کا زمانہ علماء و مشائخ اُمت کا سب سے بڑا مجمع و ماوی ہوتا ہے۔ اور آبادیوں کی آبادیاں اصحاب علم و پیشوائی سے بھری نظر آتی ہیں۔ تاہم مقام عزیمت و دعوت و قیام ہدایت کی اُن میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں ملتی۔ کوئی دامن رخصت میں پناہ لیتا ہے۔ کوئی گوشۂ انزوا و انقطاع میں صرف اپنی حفاظت و عافیت ڈھونڈتا ہے۔ کوئی راہ میں فتنہ و فساد کا شور سُن کر صرف اسی کو کافی سمجھ لیتا ہے کہ اپنا دروازہ بند کرلے۔ کسی پر اضعف الایمان کا درجہ متنزل و متفل اس طرح طاری ہو جاتا ہے کہ زبان کو یکسر گنگ اور دست عمل کو یک قلم شل پاتا ہے۔ اور کسی کو نفس خادع اور خاطر فاسد ضلالت حیل و نفاق میں مبتلا کر کے سرگرم دنیا پرستی و دین فروشی کر دیتا ہے۔ غرضکہ سب کے سب یا تو چار مقام رخصت پر ہوتے ہیں یا دامانۂ ضعف و بیچارگی۔ اور یا مدہوش غفلت و ہوا پرستی۔ ان میں سے ایک حصہ غالب تو علماء سوء اور دعاۃ فتن و منکرات کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے علماً و عملاً۔ اور جو جماعت علماء حق کی باقی رہتی ہے وہ بھی ضعف کدۂ رخصت سے قدم باہر نہیں نکالتی۔ اور حق پرستی کی بڑی سے بڑی بات اور تقویٰ و طہارت نفس کی بڑی

سے بڑی فضیلت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اپنے قدم کو لغزش نہ ہو۔ اور جبکہ ایک دنیا امواج ظلمت و فساد میں ڈوب رہی ہے تو ہم کنارۂ سلامتی پر قدم جمائے باقی رہ جائیں۔ گویا ایمان کا جو سب سے ادنیٰ اور نچلا درجہ عامۂ ناس اور ضعفاء عمل کے لئے تھا وہی خواص اُمت اور ھداۃ و مرشدین ملت کے لئے بلندی و عروج کا سب سے اونچا مقام ہو جاتا ہے۔ اور سب سے بڑا متقی انسان وہ سمجھا جاتا ہے جس کے قدم جما و بالقلب کی پائیں بساط سے پیچھے نہ ہٹیں۔ لیکن کوئی نہیں ہوتا جس کا عزم ایمانی توقف و سکون کی جگہ طالب اقدام و سبقت ہو۔ جو اپنے نفس کی نجات کی جگہ جماعت و اُمت بلکہ نوع و ارض کی نجات کا عشق رکھتا ہو جس کا حوصلۂ کار اور عزم راہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ ہو جائے کہ خود نہیں ڈوبا کیونکہ یہ ضعف و بیچارگی کا سب سے آخری درجہ ہے۔ فضیلت و کرامت اس میں کیا ہوئی؟ بلکہ ہر وجود کا ڈوبنا اس کیلئے ماتم اور ہر قدم کی ٹھوکر اس کیلئے موت ہو۔ جبکہ دنیا اس کو بڑی بڑائی سمجھ رہی ہو کہ خود کنارے پر بچ جائیں۔ تو وہ بتلا دے کہ خود بچنا نہیں بلکہ ڈوبتے ہوؤں کو بچانے کیلئے سمندر میں کود پڑنا بڑائی ہے۔ اور جبکہ لوگ اپنے دروازوں کو بند کر رہے ہوں تاکہ ان کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائیں تو وہ اپنا دروازہ کھول دے کر دکھلا دے کہ بند کر کے چھپ رہنے میں فضیلت نہیں ہے بلکہ کھول کر باہر نکلنے میں۔ اور اگر باہر امن نہیں ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ دروازہ کھولنے کا اصلی وقت یہی ہے نہ کہ بند کرنے کا۔ مقام عزیمت و رخصت کا یہی وہ فرق ہے جو ایک صاحبدل نے خانقاہ کے گوشۂ عزلت سے نکل کر شیخ شیراز کو بتلایا تھا ؎

گفت آن گلیم خویش بدر مے برد ز موج ✦ وین سعی مے کند کہ برآرد غریق را

تو اس وقت ایسا ہوتا ہے کہ سنت الٰہی اپنی عادت جاریہ کے مطابق قیام حق و دفع باطل کے لئے سرگرم انبعاث و ظہور ہوتی ہے۔ اور توفیق الٰہی اپنے کسی اصلح و اشل بندے کے قلب کا عزیمت دعوت کیلئے انشراح کر دیتی ہے اور اس کے قدم طریق کو منہاج نبوت پر ثابت و مستقیم فرما دیتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے تمام اصحاب علم و فضیلت اور ارباب صوامع و مدارس کو تنگنائے رخصت و ضعف میں پیچھے چھوڑ کر منزلوں آگے نکل جاتا ہے۔ فضاء علو و رفعت اُس کو اپنی طرف کھینچتی اور سماء کمال و کرامت اپنی ساری بلندیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کیلئے دوڑتا ہے۔ گویا آسمان اس کیلئے اُترآتا ہے اور زمین اس کو خود بخود اچھالنے لگتی ہے اس کی ہمت رفعت طلب اور اس کا حوصلہ متصاعد و متعالج کسی بلندی پر بھی نہیں رکتا۔

اور اُونچی سے اُونچی بلندی کو بھی حضیض تسفل و تنزل سمجھتا ہے۔ مقام عزیمت و عوت کی جس بلندی تک بڑے بڑے کارفرمایان عہد کی نظریں بھی نہیں اُٹھ سکتی تھیں اور ضعفاء زمان و بیچارگان رخصت کے وہم و گمان کو بھی اس تک بار نہ تھا۔ اس کا شہباز ہمت اور سیمرغ عزم اس کی چوٹیوں پر بھی جا کر دم نہیں لیتا اور پیوستہ سرگرم بال افشانی و ہموارہ صفیر زنان بلند پروازی رہتا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۹۳-۹۴-۹۵-۹۶)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"پس اپنے عہد کا مجدد و محی الملت وہ شخص یا چند نفوس خاصہ ہوتے ہیں جو مجرد دعوت نہیں بلکہ عزائم امور دعوت کی راہ میں قدم اُٹھاتے ہیں اور قیام حق کا صور اس زور سے پھونکتے ہیں کہ یکایک فضاء ملت جنبش میں آجاتی ہے۔ اور تمام اموات غفلت اپنی اپنی قبروں کے اندر چونک اُٹھتے اور اُٹھ کر دوڑنے لگتے ہیں۔ گویا یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع اور ذلک یوم الخروج کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام مخصوص ہے جو ہر عہد میں صرف ایک یا چند افراد عالیہ ہی کے حصہ میں آتا ہے۔ اور گو کاروبار دعوت سے معاملات رکھنے والے بہت سے موجود ہوں مگر اس عہد کے فتح باب اور سلطانی امر دعوت کی فضیلت ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ سب ناچار ہوتے ہیں کہ اس فاتح عہد اور عازم وقت ہی کے حلقۂ اتباع و ذریات میں داخل ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں بعض افراد کسی خاص شاخ علم و عمل میں درجۂ بلند رکھتے ہوں۔ مگر اس معاملہ کے لئے وہ کچھ سود مند نہیں ہوتا۔ اور فاتح دور کے آگے اُن کو اطفال مکاتب کی طرح زانوئے ادب و استفادہ تہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس عہد کے خزائن فیضان و برکات کی کنجی اسی کے قبضہ میں دیدی جاتی ہے۔ پس طالبین فیضان اُس کے حلقۂ ارادت سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتے۔ اگر کسی نے بطریق استراق سمع کوئی کلمۂ حقیقت حاصل بھی کر لیا تو اوّل تو وہ مثمر برکات نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو چونکہ عہد کی سلطانی فاتح و عازم دعوت ہی کو پہنچتی ہے اس لئے وہ بھی بالواسطہ اُسی کے فیضان و بخشش میں سے شمار کیا جاتا ہے وقد احسن من قال ؎

گر گفتۂ زعشق گمے حرف آشنا ٭ آنہم حمائتیست کہ از من شنیدۂ

(تذکرہ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹)

جناب مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اس امر پر بھی بحث فرمائی ہے کہ مجدد کا قدم ضرور ہے

کہ منہاج نبوّت پر ہو۔ پس اس کے لئے کسی نہ کسی نبی سے مشابہت و مماثلت کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ علماء کی موجودگی میں مجدد کی کیا ضرورت ہے تحریر فرماتے ہیں:

"پس جب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کے ظہور کے زمانوں میں بھی داعیانِ حق و آمرین بالمعروف و سارعون فی الخیرات سے قوم و ملک بالکل خالی نہیں ہو جاتا اور کچھ بقایا ارباب حق کا موجود رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے اتباع و ذریات اور ورثاء و نقباء کے لئے کہ اصحاب عزیمت دعوت و مجدّدین اُمت انہی سے عبارت ہیں ایسا ہونا کیوں ضروری ہو؟ اس اصل الاصول کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ دعوت و قیام حق اور اصلاح و تربیت امم کا اصل سرچشمہ و مرکز مقام نبوّت ہے اور ہر عہد و دور میں اُس کا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے وہ سب اسی مقام سے ملحق و متصل۔ اور سب کی روشنی اسی شمس نظام و قوام عالم سے مکتسب اور مستنیر۔ اور تمام انہار فیضان و سعادت کے لئے یہی سلسبیل نبوّت مخرج و منبع کا حکم رکھتی ہے عیناً یشرب بها عباد الله یفجرونها تفجیرا۔ اور کوئی قائم حق و داعی اصلاح و کاشف حقائق فوز و نصرت نہیں پا سکتا جب تک اس کا قدم منہاج نبوّت پر واقع نہ ہوا ہو۔ اور اس کے تمام اعمال متأسی باسوۂ حسنۂ نبوّت و متبع بہ سنت و حکمت رسالت نہ ہوں اور اس راہ تأسی و تشبہ بالانبیاء میں جس داعی حق کا قدم جس حد تک پہنچتا ہے اسی حد و مقام کے مطابق کم و بیش ثمرات و برکاتِ ظاہر و باطن حاصل ہوتے ہیں اور جس طرح وہاں اختلاف مدارج و مراتب بلحاظ حالات و مقتضیات وقت اور فضلنا بعضهم علی بعض کا معاملہ واقع ہوا۔ اسی طرح متبعین و ورثاء انبیاء میں بھی فضلنا بعضهم علی بعض اور اختلاف مراتب ثمرات و مفاضلۂ حالات و برکات ظہور میں آیا۔ یہی حقیقت شیخ اکبر کی اصطلاح میں فصوص الله بعض اصحاب اشارات کی اصطلاح میں نسبت کے لقب سے ظاہر کی گئی ہے کہ کسی واصل باللہ کا قدم تأسی و اتباع حسب استعداد و داعیاتِ وقت کسی ایک نبی کی منہاج پر واقع ہوتا ہے اور کسی کا کسی دوسرے نبی کی منہاج پر۔ اور اُس کو بوجہ غلبہ یا بالاختصاص اس نبی سے ایک خاص طرح کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ ع والناس فی ما یعشقون مذاهب

اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی کا قدم جامعیتہ فص محمدی کا تعاقب کرتا اور مقام جامعیتہ کبریٰ اور ع آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری" کے اکتساب فیضان سے ایک کیفیت بوقلموں

اور جلوۂ وحسن صد رنگ گوناگوں پیدا کرتا ہے۔ ساری نزاع مصطلحات والفاظ کی ہے۔ حقیقت بحکم ع "عبارتنا شتّی وحسنك واحدٌ" ایک ہے اور کوئی نہیں کہ پردہ برانداز ظواہر والفاظ ورسوم ہو۔ اور نزاع صورت پرستان معنی ناآشنا کو ختم کردے

برافگن پردہ تا معلوم گردد ✦ کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

جب دعوت واصلاح اُمت کا سرچشمہ واصل مقام نبوت ٹھیرا۔ اور تمام عوازم امور دعوت اسی سے ماخوذ اور اسی کے اسوہ سے متأسی۔ تو ضرور ہے کہ عالم تجدید واحیاء شریعت کے بھی تمام کاروبار اسی اسلوب ونہج پر واقع ہوں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصول و اساسات سے لیکر جزئیات وفرعیات اعمال تک ٹھیک ٹھیک اسی مقام کے حالات ومنازل سے متشبہ ومتخلق بل کالظل والعکس ظہور میں آئیں" (تذکرہ صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴)

وقت کے فاتح مجدّد کی عظمت شان کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں:۔

"بڑوں بڑوں کا عندیہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان واسباب کار فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم وفاتح اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اُس کو ساتھ لوں گا۔ اگر سروسامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کرلوں گا۔ اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہئے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا کہ راہ صاف نہیں کرتے وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اُس سے اپنی چاکری کرائے ..... وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے جس سے دامن بھرلوں۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے جس کو پورا کردوں۔ اُس کا مایۂ ضمیر بخشش ونوال ہے طلب وسوال نہیں ..... ستاروں سے تمام فضاء سمائی بھری پڑی ہے لیکن مدار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے یہی حال اصحاب عزائم کا بھی ہے وہ کائنات ہستی کا ایک بالکل الگ گوشہ ہے اور وہاں کے احکام وقوانین کو دنیا کے اعمال عادیہ پر قیاس کرنا غلطی ہے۔ ان کی قوتیں الٰہی۔ اُن کے وسائل غیر مختتم۔ اُن کی ترقیاں لازوال۔ اور اُن کے تمام طریقے غیر مختتم ہوتے ہیں۔ اللہ کی حکمت وربوبیت انکو تمام خلق اللہ میں سے چن لیتی اور بحکم "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" اپنی رحمتوں او

ربوبیتوں کے عجائب و فوارق اُن کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر اُن کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی" (تذکرہ صفحہ ۲۴۸ و ۲۴۹)

یہ زمانہ کسی مجدد اعظم کی ضرورت کو پکار پکار کر بیان کر رہا ہے

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی قلم سے آپ نے مجددین کی شان اور عظمت خصوصیات اور فضیلت سب سُن لی۔ اور یہ بھی سُن لیا کہ ایسا شخص منہاج نبوت پر قائم ہوتا ہے اور کسی نبی سے نسبت یعنی مشابہت و مماثلت رکھتا ہے۔ اب قبل اس کے کہ میں یہ ذکر کروں کہ ٹھیک اسی قاعدہ کے مطابق اس زمانہ کے مجدد نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے مسیح ابن مریم سے نسبت یعنی مماثلت و مشابہت ہے میں یہاں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی قلم سے ہی یہ بھی دکھا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ اس زمانہ میں جس میں حضرت مرزا صاحب مبعوث ہوئے کسی مجدد و مصلح اُمّت کی تلاش ازبس ضروری سمجھتے ہیں۔ گذشتہ زمانوں کا جس میں مختلف مجددین و مصلحین اُمّت مبعوث ہوئے ذکر کرکے صاف طور پر اعلان کرتے ہیں کہ یہ موجودہ زمانہ اُن تمام زمانوں سے اپنے فتنوں اور تاریکیوں اور ضلالتوں میں بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور پکار پکار کر کسی مجدد و مصلح کی ضرورت کو بیان کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"مقام عزیمت و دعوت" اور "احیاء و تجدید اُمت" کی نسبت جو کچھ بلا قصد زبان قلم پر آگیا تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہ تھا لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات و وقائع کا مطالعہ اصحاب اصلاح و استعداد کے لئے کچھ سود مند علم و عمل ہو..... کسی کے قلب بصیرت و دیدۂ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع و تشبہ کی توفیق ملے شاید کوئی مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک کہے اور زمانہ کی طلب جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈھ ہے تو صرف اسی کی..... " (تذکرہ صفحہ ۲۵)

کاش کوئی مولانا موصوف کے ارشاد کے مطابق مجدد وقت کو تلاش کرے اور پالے۔ مولانا کے نزدیک کام ہے تو یہی ہے۔ اور تلاش ہونی چاہئے تو اسی کی ہونی چاہئے۔ قاعدہ ہے کہ جس قدر کوئی وقت نازک ہوتا ہے اور ضلالت و تاریکی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر عظیم الشان صاحب علم و حکمت و فضیلت مجدد اور مصلح آتا ہے۔ وقت کی نزاکت اور قحط الرجال کی حالت خود مولانا کے قلم سے سنو فرماتے ہیں:-

"یہ حکایتیں (یعنی گذشتہ مجددوں کے زمانہ کی تاریکیوں کی۔ ناقل) اُن عہدوں کی تھیں جو موجودہ زمانہ کے مقابلہ میں گویا عہد اقبال تھے۔ موجودہ وقت اور اُس کی تاریکیوں کو دیکھو اور پھر ہر طرف روشنی اور روشنی دکھلانے والوں کی نایابی پر ماتم کرو۔ خدمتگزاروں کی پکار اور ہر طرف

مزدوری کی ڈھونڈھ ہے (یعنی خدمت دین کیلئے۔ ناقل) مگر مزدور کہیں نہیں ملتے۔ آج ایک مٹی کے ٹوٹے اور گری ہوئی دیوار پر ایک اینٹ رکھ دینے کے معاوضہ میں اشرفیوں اور ہیروں کی قیمت مل رہی ہے۔ کیونکہ کام کرنیوالے جتنے کم ہوں گے اتنی ہی کام کی مزدوری بھی بڑھ جائے گی۔ خزانۂ سعادت لٹنے کیلئے کھل چکا اور شرف و مراتب کا دروازہ ہر ہر کیلئے باز۔ کون ہے جو اسکے خزانوں کو لوٹتا اور اس دولت و کامرانی سے مالا مال ہوتا ہے جس کیلئے نہیں معلوم اچھے وقتوں میں کیسے کیسے ارباب مطالب بیقراریوں کے آنسو بہا چکے ہیں اور آرزوؤں سے بھری ہوئی دعائیں مانگ چکے ہیں۔" (تذکرہ صفحہ ۲۵۰-۲۵۱)

اس زمانہ میں تمام وہ فتن پیدا ہو چکے جن کے لئے مسیح موعود و مہدی معہود کے آنے کا وعدہ تھا

اتنا ہی نہیں۔ اس کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب صاف لفظوں میں اقرار کر رہے ہیں کہ تمام وہ فتن اور ضلالتیں جو حدیثوں میں آخری زمانہ کے متعلق بیان ہوئی تھیں ہمارے زمانہ میں پیدا ہو چکی ہیں۔ اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی آمد کی پیشگوئیاں حدیثوں میں مذکور ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا موصوف واضح الفاظ میں بتلاتے ہیں کہ کسی موعود مصلح کی بعثت قیامت سے فقط چند سال پہلے ماننا ایک نہایت غلط اور قابل مضحکہ خیال ہے۔ ان کے ارشادوں میں سے کچھ تھوڑا سا یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"ان ساری باتوں میں سے ایک ایک بات پوری ہو چکی "بدء الاسلام غریباً و سیعود کما بدأ" کا دور غربت کب کا شروع ہو چکا اور وہ سب کچھ ہو چکا جس کا حال اس حدیث کی شرح میں پڑھ چکے ہو۔ اب انتظار کرنیوالوں کیلئے بجز انتظار غفلت کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہودیوں کی مغضوبیت۔ نصاریٰ کی ضلالت۔ مشرکین کی بت پرستی۔ ائمہ مضلین کی کثرت۔ دجاجلہ فتن و دعات بدعت کا احاطہ۔ اقتد بغیر سنت۔ اھتد بغیر ھدی الانبیاء تفرق و تذہب مثل یہود۔ اور غلو و اطراء مثل نصاریٰ۔ فتنۂ شہوات یونان۔ اور فتنۂ شہوات عجم۔ فتنۂ تماثیل عبدۃ الاصنام۔ اور فتنۂ قبور عاکفین کناس۔ ان میں سے کوئی نحوست اور بلا کی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو۔ اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس امت میں بھی نہ پھیل چکی ہو۔ اہل کتاب کے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے گن گن کر مسلمانوں نے وہ سب اٹھائے۔ حتیٰ کہ "لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ" کا وقت بھی گزر چکا اور آج ہم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ وہ وقت بھی کب کا آچکا کہ یلحق قبائل من امتی بالمشرکین اور حتیٰ تعبد

من اُمتی الاوثان" اور "حتی تعبد الات والعزّی"۔ ہماری جانیں اور ہماری روحیں اس صادق مصدوق پر قربان کہ واقعی اور سچ مچ مسلمان مشرکوں سے ملحق ہو گئے۔ اور دین توحید کا دعویٰ کرنیوالوں نے بت پرستی کی ساری ادائیں اور چالیں اختیار کر لیں۔ اور جس لات اور عزّیٰ کی پوجا سے دنیا کو نجات دلائی گئی تھی اس کی پوجا پھر سے شروع ہو گئی۔ "عدتم من حیث بدأتم"۔ ہم اپنی آنکھوں سے اُن فتنوں کو "کقطع اللیل المظلم" تھے دیکھ رہے ہیں۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہو رہا ہے کہ رات کو ایک انسان ایمان لیکر سوتا ہے اور صبح نہیں ہوتی مگر ایمان کھو چکتا ہے۔ "یبیع دینہ بعرض من الدّنیا" اپنے دین کو بیچ دیتا ہے دنیا کی ٹوٹی کے لئے۔ ناقل، حضرت حذیفہ نے ان فتنوں کا حال کہا تھا۔ "کم کا لحصیر عودا عودا"۔ مسلمانوں کے دلوں کے لئے فتنوں کی ایسی بھرمار ہو گی جیسے چٹائی بُنتے وقت ریشے پے در پے آتے ہیں۔ سو اُن فتنوں کی بارش بھی ہر طرف ہو چکی اور ہو رہی ہے۔ وہ وقت بھی گزر چکا جب مومنوں کو کہنا تھا "ھٰذہ ھٰذہ ثم ھلکتی"۔ اب تو وہ فتنہ درپیش ہے جس کے سامنے تمام فتنے مات ہو گئے "فیقول المؤمن ھٰذہ ! ھٰذہ !" کا عالم ہو رہا ہے۔ وہ بھی تو کب کا ہو چکا کہ "تتداعی علیکم کما تتداعی الاکلۃ الی قصعتھا" دنیا کی ساری قومیں اکٹھی ہو کر تم پر چڑھ دوڑیں گی اور تم کو ہلاک کرنے کیلئے باہم ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے بھوکے کھانے کی قاب پر ایک دوسرے کو دعوت دیں۔ تو کیا یہ پکار اب تک بلند نہیں ہوئی ؟ اور کیا ایک قوم نے دوسری قوم کو بلانے کے لئے ٹھیک ٹھیک اسی طرح نہیں چیخا جس طرح بھوکے گدھ لاش دیکھ کر شور مچایا کرتے ہیں ؟ ہماری ہزار جانیں اور لاکھوں روحیں اُس زبان حق پر قربان جس نے فرمایا تھا "بل انتم یومئذ کثیر" تم اس وقت تعداد میں کم نہ ہو گے۔ لیکن "لیقذفن فی قلوبکم الوھن" تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا اس لئے کوڑے کرکٹ کی طرح بہ جاؤ گے۔ پھر وھن کے معنے بتلائے "حب الدنیا وکراھت الموت"..... پھر کس قدر عقل سے کورے اور بصیرت سے محروم ہیں وہ بندگان غفلت جو ان روایتوں کو پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ کسی ایسے آنے والے زمانہ کی نسبت ہیں جو قیامت سے چند برس پہلے دنیا پر آئے گا۔ اور ابھی اس کی آمد کا ہم کو صدیوں انتظار کرنا چاہیئے" (تذکرہ صفحہ ۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶)

اس کے بعد مولانا موصوف علمائے زمانہ کو ملامت کرتے ہیں کہ تم آنحضرت صلعم کی ان پیشگوئیوں کے

پورا ہونے کا کب تک انتظار کرتے چلے جاؤ گے حالانکہ وہ سب پوری ہو چکیں اور تمہارے سامنے وہ سارا نقشہ موجود ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھینچکر دکھایا تھا۔ اس ملامت کرنے کے بعد دو چار فقروں میں کلمۂ حق کس خوبصورتی سے انکے قلم سے نکلا ہے فرماتے ہیں:۔

"سبحان اللہ اس صادق و مصدوق کا ارشاد کس طرح حرف بحرف پورا ہو رہا ہے۔ یہ تربیص جس انتظار غفلت بھی توعین اس پیشین گوئی کا ظہور ہے کہ لتتبعن سنن من کان قبلکم اور یاتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل "میری امت بھی وہ سب کچھ کرے گی جو یہودیوں نے کیا۔ یہی تو پوری پوری یہودیت ہے کہ پیشینگوئیوں پر پیشینگوئیاں ظاہر اور پوری ہوتی جاتی تھیں مگر یہودیوں کا انتظار ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ کہتے تھے کہ ابھی وہ وقت کہاں آیا؟ حتیٰ کہ آج تک مسیح کے ظہور اور اسرائیل کی آخری بادشاہت کا انتظار کر رہے ہیں! فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فسقون!

(تذکرہ صفحہ ۲۶۸)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو خدا خوش رکھے کیا سچی بات کہی ہے کہ یہودیوں نے بھی یہی غلطی کی تھی کہ پیشگوئیوں پر پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھتے تھے۔ اور یہی کہتے چلے جاتے تھے کہ اب تک پوری نہیں ہوئیں۔ فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فسقون کے ماتحت لمبا زمانہ گزرنے پر ان میں فسق فجور پیدا ہو چکا تھا جو کسی مصلح کی آمد کی خبر دے رہا تھا۔ چنانچہ وہ مصلح حضرت عیسیٰ کے وجود میں اُن کے پاس آیا۔ مگر وہ ظاہری بادشاہت کے شیدائی مسیح کی روحانی بادشاہی پر راضی نہ ہوئے اور اُس کا انکار کر گئے۔ اور مزہ یہ ہے کہ انکار کی سزا میں طرح طرح کی ذلت و نکبت کا شکار ہو گئے لیکن ابھی تک انتظار کئے چلے جا رہے ہیں اور مسیح کے ظہور کے منتظر چلے آتے ہیں۔ یہی حالت آج مسلمانوں کی ہے کہ مسلمان علماء آنحضرت صلعم کی پیشینگوئیوں پر پیشینگوئیاں پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں لیکن ابھی انتظار کئے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے بھی وہ وعدہ کا مسیح آیا لیکن یہ ظاہری تخت و سلطنت کے شیدائی اُس کی رُوحانی بادشاہت سے انکار کر گئے۔

بعض اکابر اولیاء کے اقوال مماثلت ابن مریم کے

کچھ شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی بعض اکابر اولیا نے جن کو مماثلت حضرت عیسیٰ ابن مریم سے تھی صاف طور پر اپنے متعلق اس مماثلت کا ذکر کیا ہے چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ صاف طور پر فرماتے ہیں ؎

دمبدم روح القدس اندر معینی مے دمد ✤ من نمیگویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

یعنی روح القدس دمبدم مجھ پر نزول کرتا ہے۔ میں کہتا تو نہیں مگر میں عیسیٰ ثانی بن گیا ہوں۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی کے دفتر دوم میں مومن کامل کے مسیح ابن مریم بننے کا نقشہ کس خوبصورتی سے کھینچتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

آخر این جان با بدن پیوستہ است | ہیچ این جان با بدن ماننستہ است
تاب نور چشم با بیہ است جفت | نور دل در قطرۂ خونی نہفت
شادی اندر گردہ و غم در جگر | عقل چون شمع درون مغز سر
رائحہ در انف و منطق در لسان | لہو در نفس و شجاعت در جنان
این تعلقہا نہ بے کیف است و چون | عقلہا در دانش چون زبون
جان کل با جان جزو آمیب کرد | عقل از دو دے ستد در جیب کرد
ہمچو مریم جان ازان آسیب جیب | حاملہ شد از مسیح دلفریب
آن مسیحے نے کہ بر خشک و تر است | آن مسیحے کز مساحت برتر است
پس ز جان جان چو حامل گشت جان | از چنین جانے شود حامل جہان
پس جہان زاید جہانے دیگرے | این حشر اورا نماید محشرے

تا قیامت گر بگویم بشمرم
من ز شرح این قیامت قاصرم

خلاصہ مطلب یہ کہ جس طرح انسان کی جان کا بدن سے تعلق ہے آنکھ کے نور کا آنکھ کے لوتھڑے سے تعلق ہے۔ جس طرح خوشی کا گردہ سے اور غم کا جگر سے تعلق ہے۔ اور جس طرح عقل کا دماغ سے اور بولنے کا زبان سے تعلق ہے۔ جس طرح لہو و لعب کا نفس سے اور شجاعت کا بازوؤں سے تعلق ہے جنہیں انسان سمجھ نہیں سکتا کہ کس طرح ایک غیر مادی چیز کا مادی چیز سے تعلق ہوتا ہے مگر اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ سب تعلقات موجود ہیں۔ اسی طرح کل کا جز کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی روح کا انسان کی روح کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس تعلق سے جس طرح عورت مرد سے نطفہ لیتی ہے اسی طرح عقل انسانی اس سے ایک موتی حاصل کرتی ہے۔ پھر انسان کی جان مریم کی طرح اس تعلق سے حاملہ ہو جاتی ہے اور اس حمل سے مسیح پیدا ہوتا ہے یعنی وہ بندہ حالت مریمی سے حالت مسیح ابن مریم میں ترقی کر جاتا ہے۔ پھر یہ مسیح جو بنتا ہے وہ وہ مسیح نہیں ہوتا جو زمانہ ماضی میں گزر چکا۔ بلکہ یہ وہ مسیح ہوتا ہے جس کی شان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی روح سے جب انسانی روح

حاملہ ہوتی ہے تو اُس رُوح سے ایک جان کی روحیں حاملہ ہوتی ہیں یعنی روحانی طور پر مستفیض ہوتی ہیں تب اس سے دنیا میں ایک رُوحانی انقلاب پیدا ہوتا ہے جسے ایک رُوحانی قیامت کہنا چاہیئے اور جو اسقدر شاندار ہوتی ہے کہ اس کی شرح کہاں تک بیان کی جائے۔ ان اشعار میں حضرت مولانا رومؒ نے دراصل قرآن مجید کی سورۂ تحریم کی آخری آیات کی تفسیر کی ہے[1] جس میں مومنین کی مثال اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں سے دی ہے۔ ایک مثال تو فرعون کی بی بی سے دی ہے۔ یہ اُن مومنوں کی مثال ہے جو ابھی نفس کے پنجہ سے آزاد نہیں ہوئے۔ لیکن فرعون کی بی بی کی طرح دن رات دعائیں کرتے اور رمی کرتے رہتے ہیں کہ اُس کے پنجہ سے آزاد ہوں۔ اسی کو نفس لوّامہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری مثال حضرت مریم سے دی ہے یہ اُن مومنوں کی مثال ہے جو نفس مطمئنہ رکھتے ہیں یعنی جو بکلّی نفس کے پنجہ سے آزاد ہو کر خدا کی طرف جھک گئے اور ان کی حالت انقطاع الی اللہ کی پیدا ہو گئی۔ اس وقت اُن میں رُوح القدس نازل ہوتی ہے۔ اسی کو استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ مریم کی طرح حاملہ ہوتے ہیں جس سے مسیح ابن مریم پیدا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رُوح القدس کے نزول کے بعد وہ حالت مریمی سے مسیح ابن مریم کی حالت میں ترقی کر جاتے ہیں۔ یہی وہ دقیقۂ معرفت ہے جسے حضرت مرزا صاحب نے اپنی نسبت لکھا تھا کہ میں پہلے مریم بنا اور پھر رُوح القدس سے حاملہ ہو کر ابن مریم بنا۔ جس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے مذاق اُڑایا کہ مرد ہو کر عورت بنے اور حاملہ ہوئے۔ لیکن یہ نہ سمجھا کہ رُوحانی طور پر حاملہ ہونے پر اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو سب سے پہلے حضرت مولانا رومؒ علیہ الرحمۃ پر پڑتا ہے جو مسلمہ طور پر اکابر اولیا میں سے ہیں اور جنہوں نے بڑی تشریح کے ساتھ اپنی مثنوی میں اس

---

[1] مومن کی مثال کی آیات یوں ہیں: وضرب اللہ مثلاً للذین امنوا امرأت فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین ۝ ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا وصدقت بکلمات ربھا وکتبہ وکانت من القنتین ۝ (التحریم)

ترجمہ:۔ اور اللہ ان لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں مثال دیتا ہے ایک تو فرعون کی بی بی سے جب اُس نے کہا کہ اے میرے رب اپنے حضور میں جنت میں میرے لئے گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل اور ظالم قوم سے نجات دے۔ اور دوسری مثال مریم بنت عمران سے ہے جس نے اپنے سوراخ کی حفاظت کی یعنی خواہشات وجذبات کے رخنوں اور سوراخوں سے شیطان کو اپنے اندر داخل نہ ہونے دیا، پھر ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونکی یعنی اپنے مکالمہ سے اُسے مشرف کیا اور وہ اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی تھی۔ اور فرمانبرداروں میں سے تھی۔

یہاں فنفخنا فیہ میں ہ مذکر کی ضمیر اسی لئے لائے ہیں تاکہ مومن سے کمال مماثلت ظاہر ہو۔ گویا جو مومن بھی اس مقام پر پہنچتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اپنے مکالمہ سے مشرف فرماتا ہے اور وہ نہ صرف خدا تعالیٰ کی وحی کا مصدق ہو جاتا ہے بلکہ خدا کی کتابوں پر بھی اس کا وجود دلیل ٹھیر جاتا ہے

رُوحانی حمل کا ذکر کیا ہے اور خود قرآن کریم پر بھی پھر نعوذ باللہ اعتراض کرنا چاہئے جس نے مومنوں کو عورتوں سے تشبیہ دی اور مرد کامل کو خاص طور پر مریم سے تشبیہ دیکر اس میں مریم کی طرح نفخ روح کا ذکر کیا۔

حضرت مرزا صاحب نے شروع شروع میں تو اپنے بارے میں یہی سمجھے رکھا کہ مجھے جو ابن مریم سے تشبیہ ہے وہ اسی طرح کی ہے جس طرح اکثر اولیائے اُمت کو ہوتی آئی ہے اور اس سے زیادہ کوئی خصوصیت نہیں۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے براہین احمدیہ میں مسیح ابن مریم کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار فرمایا جو عام مسلمانوں میں رائج تھا یعنی اُن کا آسمان پر زندہ موجود ہونا اور آخری زمانہ میں اُن کا نزول لیکن ۱۸۹۰ء میں جب آپ کو صاف طور پر الہام ہوا کہ "مسیح ابن مریم فوت ہوگیا وجعلناك المسيح ابن مريم" تو آپ پر یکایک یہ منکشف ہوا کہ اصلی مسیح ابن مریم تو اُسی زمانہ میں فوت ہوچکا جب اُن کی بعثت ہوئی تھی۔ اور آنے والا ابن مریم جس کی پیشگوئی حدیثوں میں ہے وہ آپ خود ہیں۔ آپ کو جب اس خصوصیت کا علم ہوا کہ آپ نہ صرف دیگر اولیا کی طرح ابن مریم ہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ وہ ابن مریم ہیں جو اس اُمت کیلئے آخری زمانہ میں موعود تھا تو آپ نے اپنے الہام کے مطابق دعویٰ کرنے سے قبل اپنے اس الہام کو قرآن اور احادیث صحیحہ پر عرض کیا۔ اب قرآن کریم کو جو پڑھتے ہیں تو اُسے حضرت مسیح ابن مریم کی وفات پر صریح آیات بینات سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ اور یہ بھی صریح آیات سے نظر آگیا کہ مرے ہوئے اس دنیا میں واپس نہیں آتے۔ جیسا کہ فیمسك التی قضی علیہا الموت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر موت وارد کرتا ہے اُسے واپس دنیا میں نہیں بھیجتا۔ اور بھی آیات ہیں جن میں صاف مذکور ہے کہ مر کر کوئی کبھی واپس اس دنیا میں نہیں آتا۔ جب قرآن کریم سے یہ تسلی ہوگئی کہ مسیح ابن مریم فوت ہوچکا اور مرا ہوا کبھی کوئی واپس نہیں آتا تو پھر آنیوالے کے متعلق آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایک طرف تو قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کو حضرت موسیٰ سے مماثلت دی ہے جیسا کہ سورۃ المزمل میں فرماتے ہیں انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا کہ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے اسی طرح جیسے کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ نے استثنا باب ۱۸ میں جو اپنے مثیل کی پیشگوئی کی تھی اُس کا مصداق ہونیکا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی وحی کے ماتحت اعلان فرمایا۔ دوسری طرف سورۃ النور میں آیت استخلاف[1]

---

[1] آیت استخلاف یہ ہے:۔ وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم ليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم الخ (النور) اللہ وعدہ کرتا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کو زمین میں خلیفے بنائیگا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے ہوگزرے ہیں تاکہ خدا مضبوط کرے ان کے دین کو جو اس نے اُن کے لئے پسند کیا الخ۔

میں آنحضرت صلعم کو جو خلفاء کا وعدہ دیا گیا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یعنی بادشاہ یا باطنی ہوں یعنی مجددین۔ سب کی نسبت یہی وعدہ ہے کہ وہ سب کے سب اسی اُمت میں سے ہوں گے نہ کہ کہیں باہر سے آئیں گے اور انہیں گفتہ خلفا سے مماثلت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جب آنحضرت صلعم مثیل موسیٰ ہیں تو جس نبی کے خلفا سے آپ کے خلفاء کو مماثلت ہو سکتی ہے وہ حضرت موسیٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور آیت استخلاف سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کے خلفا جو بھی ہوں گے اسی امت سے ہوں گے۔ اور انہیں حضرت موسیٰ کے خلفا سے مماثلت ہوگی۔ پس ابن مریم کے آنے کی پیشگوئی جو آنحضرت صلعم نے فرمائی تو ظاہر ہے کہ کسی اپنے خلیفۂ روحانی یعنی مجدد کو گذشتہ خلیفہ موسوی ابن مریم سے شدت مماثلت کی وجہ سے بطور استعارہ و مجاز یہ نام دے دیا۔

تشبیہ اور استعارہ یہ ہر ایک اہل علم پر واضح ہے کہ مجاز اور استعارہ تشبیہ اور مماثلت کی شدت کو ظاہر کرنے کیلئے استعمال ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ہم کسی انسان کی بہادری کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو اُسے شیر سے تشبیہ دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص شیر کی طرح بہادر ہے۔ لیکن جب اسی تشبیہ میں ہم شدت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں شخص تو شیر ہے" اس کو استعارہ یا مجاز کہتے ہیں۔ استعارہ تشبیہ کی ہی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ استعارہ میں مشابہت اور مماثلت کے کمال کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ہم جب یوں کہیں گے کہ "فلاں شخص کا چہرہ چاند کی طرح ہے" تو یہ فقط تشبیہ ہوگی۔ لیکن جب ہم تشبیہ میں زیادہ زور اور شدت ظاہر کرنا چاہیں گے تو یوں کہیں گے کہ "فلاں شخص کا چہرہ تو چاند ہے" یعنی وہی ہے کہ چاند کی طرح ہے لیکن تشبیہ کے ان الفاظ کو اڑا کر اصل لفظ کو استعمال کرنے سے مشابہت میں شدت اور زور پیدا ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی خلیفۂ روحانی کے متعلق یوں کہا جاتا کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو ابن مریم کے مانند ہوگا یا ابن مریم کا مثیل ہوگا۔ تو تشبیہ تو ہو جاتی مگر اس تشبیہ اور مماثلت میں شدت نہ پیدا ہوتی۔ لیکن جب یوں کہا کہ تم میں ابن مریم آئے گا تو اس کے معنے تو وہی ہیں کہ ایک شخص ابن مریم کا مثیل آئے گا۔ لیکن مثیل کا لفظ اڑا کر استعارہ کے رنگ میں فقط ابن مریم کہہ دینا مماثلت کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

ابن مریم کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے پیشگوئی میں جو ابن مریم کا لفظ آیا ہے اس کا استعارہ کے رنگ میں ہونا اسے یقینی ہے کہ قرآن کریم کی تیس سے بھی زیادہ آیتوں سے مسیح اسرائیلی کی موت صاف طور پر ثابت ہے اور قرآن کریم کی آیات محکمات سے یہ ثابت ہے کہ مرے ہوئے دوبارہ دنیا میں پس نہیں آتے۔ تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں رہتا کہ مانا جائے کہ پیشگوئی میں جس ابن مریم کے آنے کا ذکر

ہے وہ مسیح اسرائیلی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آیت استخلاف کے ماتحت کسی خلیفہ محمدی کا ہی جو مجازی حیثیت سے آنیوالا تھا استعارہ اور مجاز کے طور پر ابن مریم نام رکھ دیا گیا ہے۔

امامکم منکم کی حدیث

اب حضرت مرزا صاحب کی نظروں کے سامنے ایک طرف قرآن کریم آیت استخلاف میں صاف طور پر فرما رہا تھا کہ محمد رسول اللہ صلعم کے دین کی تمکین کے لئے جو بھی خلیفہ ہوگا خواہ وہ ظاہری ہو یا روحانی وہ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ دوسری طرف صحیح بخاری کی حدیث آنیوالے ابن مریم کے متعلق صاف لفظوں میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم کہ تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا جس حالت میں کہ وہ تمہارا امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا۔ یعنی آنحضرت صلعم نے اُمت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ابن مریم کے نزول پر تم حیران ہو جاؤ گے جب تم دیکھو گے کہ وہ تمہارا امام ہے اور تم ہی میں سے ایک فرد ہے۔ بعض لوگوں نے امامکم منکم کے یہ معنے کئے ہیں کہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا یعنی ابن مریم تمہارا امام نہ ہوگا۔ لیکن اس معنے کو دوسری حدیث صحیح مسلم کی رد کر دیتی ہے جس میں ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامکم۔ کہ تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور وہ تمہارا امام ہوگا۔ یہاں نزول کے لفظ سے ٹھوکر نہ کھائیں کیونکہ نزول کا لفظ بعثت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلعم کے بارے میں آتا ہے:۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایات اللہ (الطلاق) بیشک اللہ نے نازل کیا یعنی مبعوث کیا تمہاری طرف نصیحت کرنیوالا رسول جو تم پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔

فتح اسلام اور توضیح مرام کی تصنیف و اشاعت

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تائید کے بعد دعوے کی اشاعت کی

پس جب قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کو اپنے الہام اور دعوے کا حضرت اقدس نے موید و مصدق پایا تو ان مسائل اور اپنے دعاوی پر ۱۸۹۱ء میں آپ نے دو کتابیں تصنیف کیں جن کا نام ہے فتح اسلام اور توضیح مرام۔ ان کتابوں کی اشاعت لدھیانہ سے ۱۸۹۱ء کے ابتدا میں ہوئی۔ ان کی اشاعت سے قبل آپ نے ۲۶۔ مارچ ۱۸۹۱ء کو پہلے ایک اشتہار کے ذریعہ اپنے دعوئے مسیحیت کا اعلان کیا۔ آپ نے یہ اعلان کیا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی فوت ہوگیا اور جس ابن مریم کے آنے کی آنحضرت صلعم نے پیشگوئی فرمائی تھی وہ اس اُمت میں سے ہی ایک مجدد کے بارے میں تھی۔ اور وہ میں ہوں۔ اس زمانہ کے مجدد کو مسیح یا ابن مریم کا نام استعارہ کے طور پر دیا گیا تھا۔ کیونکہ اسے مسیح ابن مریم سے کئی رنگ میں شدید مشابہت اور مماثلت تھی۔ اور وہ حضرت نبی کریم صلعم

کے بعد چودھویں صدی پر اسی طرح آپ کا خلیفہ بن کر آیا ہے جس طرح مسیح ابن مریم حضرت موسیٰ کے بعد چودھویں صدی پر خلیفہ بن کر آئے تھے۔ فرق یہ تھا کہ وہ نبی تھے اور یہ بہ وجہ ختم نبوت ہو جانے کے نبی نہیں فقط مجدد ہے۔ اور آپ کی اُمت میں سے ایک ہے۔

اس اعلان اور اس کے بعد آپ کی کتب فتح اسلام اور توضیح مرام کی اشاعت کے ساتھ ہی ایک نہایت زبردست مخالفت کا طوفان اُٹھا اور وہ لوگ جو پہلے آپ کے مداح اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے آپ کے دشمن بن گئے جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی اُن میں سے کثیر حصہ آپ سے پھر گیا۔ حالانکہ مسیح موعود کا دعویٰ مجدد کے دعوے سے بڑھ کر کوئی دعویٰ نہ تھا۔ مسیح ابن مریم کا نام جو اس صدی کے مجدد کو دیا گیا تھا تو وہ فقط مجازاً و استعارہ کے طور پر مسیح سے شدید مماثلت کی وجہ سے دیا گیا تھا ورنہ مجدد کے منصب سے بڑھ کر حضرت مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ جیسا کہ خود حضرت اقدس مرزا صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کو یہ رتبہ حاصل ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کا ہمکلام ہو اس کا نام منجانب اللہ خواہ مثیل مسیح اور خواہ مثیل موسیٰ ہو یہ تمام نام اُس کے حق میں جائز ہیں ..... جس شخص کو مکالمہ الٰہیہ کی فضیلت حاصل ہو گئی اور کسی خدمتِ دین کے لئے مامور من اللہ ہو گیا تو اللہ جل شانہ وقت کے مناسب حال کوئی نام اس کا رکھ سکتا ہے ..... اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کا دفع کرنا اور اُن کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کے لئے جو بغیر تائید الٰہی دُور نہیں ہو سکتی عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں جن کے دُور کرنے کیلئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۰)

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں اسلام کا مقابلہ ایک مذہب سے نہیں بلکہ سب مذاہب سے ہے اور کم و بیش اسلام کو یہ مقابلہ پہلے بھی پیش آتا رہا لیکن یہ وہ زمانہ ہے اور اس سے پہلے اب کوئی زمانہ اسلام پر نہیں آیا جب عیسائیت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کا تہیہ کیا ہو۔ اس سے پیشتر اسلام اور عیسائیت کی ٹکر میں بڑی بھاری جنگ رہی جو صلیبی جنگ کے نام سے مشہور ہے

لیکن جو کچھ سامان اسلام کو بحیثیت مذہب مٹانے کیلئے اس زمانہ میں کیا گیا ہے اور جس طرح پر اس غرض کیلئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور پادریوں کی فوجیں تمام اسلامی ممالک پر حملہ آور ہو رہی ہیں اور مفت لٹریچر اسلام کے خلاف کثرت سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح کے لالچ دیکر لوگوں کو پھسلایا جا رہا ہے۔ اس کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اور یہ اسلئے کہ مسیحی پادری اس بات کو محسوس کر چکے ہیں اور بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ دنیا میں غیر مسیحی مذہب تو بہت ہیں مگر اینٹی کرسچین یعنی عیسائیت کا مدمقابل صرف ایک ہی مذہب ہے اور وہ اسلام ہے۔ آج دنیا کے واقعات کو ایک سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ باوجود مسلمانوں کی ہر قسم کی کمزوری کے ایک عظیم الشان مقابلہ اسلام اور عیسائیت کا اس وقت لگا ہوا ہے۔ اور گو سازوسامان کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا ہاتھ اوپر ہے لیکن دوسری طرف یہ نظارہ پیش نظر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اور آپ کے خدام کے پیدا کردہ لٹریچر نے دلائل کے لحاظ سے عیسائیت کو بلحاظ مذہب کے ہلاک کر دیا ہے کس قدر عجیب یہ نقشہ ہماری نظروں کے سامنے اس وقت زمانہ پیش کر رہا ہے کہ ایک طرف اسلام کے اصول دنیا میں غلبہ حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں تو دوسری طرف عیسائیت کے اصول خود بخود گرتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر یہ حالت اب جا کر پیدا ہوئی ہے۔ آج سے قریباً ساٹھ سال پیشتر جب حضرت مرزا صاحب نے مقابلہ مذاہب کے میدان میں قدم رکھا تھا اُس وقت عیسائیت اپنے زوروں پر تھی اور اسلام پر اس کے حملے نہایت شدید تھے۔ اسی لئے آپ کی توجہ سب سے بڑھ کر عیسائی مذہب کی طرف ہی رہی۔ ۱۸۶۴ء میں جب آپ سیالکوٹ میں ملازم تھے اور جس پر آج ستر سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے عیسائی پادریوں کے ساتھ آپ برابر مباحثات میں لگے رہتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی عیسائیت کے خلاف آپ کے مضامین نکلتے رہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک طرف دعویٔ مجددیت کے ساتھ ہی آپ یہ اظہار فرماتے ہیں کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اشد روحانی مناسبت ہے تو دوسری طرف اس سے بہت عرصہ پیشتر عملی رنگ میں آپ کی طبیعت کا رجحان بھی اسی طرف نہایت درجہ تھا کہ عیسائیت کا مقابلہ کیا جائے۔ اسلام کی روشنی کو عیسائی ممالک میں پھیلانے کا جذبہ روز بروز آپ کے اندر اس قدر قوت پکڑتا گیا کہ بالآخر آپ کی جماعت میں اسی جذبہ نے حسب نمایاں رنگ اختیار کیا۔ اسی بات کو ایک شعر میں بھی آپ نے ظاہر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:-

؎ چون مرا نوبے پئے قوم مسیحی داده اند ✤ مصلحت را ابن مریم نام من نهاده اند

غرضکہ دعوے سے پیشتر ہی مسیح موعود کا عملی کام آپ کے ہاتھوں ظاہر ہو رہا تھا۔ اور صحیح بخاری کی

حدیث صحیح میں مسیح موعود کے کام جو بتائے گئے ہیں اُن میں فیکسر الصّلیب ویقتل الخنزیر یعنی کسر صلیب اور قتل خنزیر کو سب کاموں پر اہمیت دی گئی ہے۔ صلیب عیسائیت کا نشان تھا اس لئے کسر صلیب کا مقصد ہے عیسائیت کے مذہب کو ہلاک کرنا جسے آپ نے دلائل بینہ سے ہلاک کر دیا۔ اور خنزیر وہ ناپاک طبع لوگ ہیں جو اسلام اور بانیٔ اسلام پر ناپاک حملے کرتے رہتے تھے۔ آپ کے دلائل نے اُن کو بھی ہلاک کر دیا اور یہ ہلاک کرنا عین قرآن کریم کے فیصلہ کے مطابق ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ: لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰ من حیّ عن بینۃ (الانفال) کہ جو ہلاک ہوتا ہے وہ دلائل کے ذریعہ ہلاک ہو اور جو زندہ رہتا ہے وہ دلائل سے زندہ رہے۔

مسیح موعود کی پیشگوئی کا بہترین حل

پس حضرت اقدس مرزا صاحب کا دعویٰ تو وہی مجددیت کا تھا ابن مریم کا نام استعارہ کے رنگ میں فقط اُس کام کی وجہ سے تھا جو آپ کے سپرد تھا۔ لیکن عام طور پر مسلمانوں میں ابن مریم کے آسمان پر زندہ موجود ہونے اور آخر زمانہ میں اُن کے نزول کا عقیدہ اس قدر پھیلا ہوا اور اُن کے دلوں پر اس قدر قبضہ کر چکا ہوا تھا کہ عالم سے لیکر جاہل تک سب کو اپنے اس غلط عقیدے کے خلاف آواز اُٹھنا سخت شاق گزرا۔ حالانکہ مسیح موعود کی آمد کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا جو حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ ایک طرف ختم نبوت کسی نبی کے آنے سے مانع تھی۔ دوسری طرف ابن مریم کے آنے کی اسقدر تواتر سے پیشگوئیاں مختلف احادیث صحیحہ میں موجود تھیں کہ اس کا انکار نہ ہو سکتا تھا۔ اور ظاہر تھا کہ اگر عیسیٰ نبی اللہ آجائے تو ختم نبوت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس مشکل کا حل اگر کسی نے کیا تو وہ حضرت مرزا صاحب تھے جنہوں نے بتایا کہ محمد رسول اللہ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ نیا نہ پرانا جب نبوت کا کام ختم ہو چکا تو کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی خواہ وہ نیا ہو یا پرانا ہو۔ البتہ تجدید دین کا کام باقی ہے جو برابر قیامت تک جاری رہے گا۔ پس ابن مریم جو نبی اللہ تھا وہ فوت ہو چکا ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور آنے والا ابن مریم فقط ایک مجدد ہے جس کا نام ابن مریم مجازاً بعض وجوہ کے ماتحت رکھا گیا۔ یہ تشریح ایسی تھی جو ہر ایک سلیم الطبع معقول انسان کے دل کو لگتی تھی۔ لیکن جو غلط عقیدہ عرصہ سے دل و دماغ میں راسخ ہو چکا ہو اس کا نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ ایسی معقول تشریح نے سلیم الطبع لوگوں پر تو اثر کیا مگر عام طور پر سوائے اس کے کہ مخالفت کی آگ بھڑکے اور کچھ نہ ہوا۔ اور مولوی لوگ نہ صرف لدھیانہ کے جہاں سے اس دعویٰ کا اعلان ہوا تھا بلکہ تمام پنجاب ہندوستان کے بھڑک اُٹھے اور شور و شر کرنے کے علاوہ اپنے اسی پرانے ہتھیار یعنی تکفیر بازی پر اُتر آئے۔ اور آپ کے خلاف کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی مخالفت

وہ مولوی محمد حسین بٹالوی جو آپ پر اس قدر حسن ظن رکھتا تھا کہ آپ کی جوتیاں سیدھی کرنی اپنا فخر سمجھتا تھا۔ اور براہین احمدیہ پر جو ریویو کیا تھا اس میں آپ کی بے حد تعریف کر چکا تھا اور آپ کو صاحب حال مانتا تھا وہ بھی اس دعوے کو برداشت نہ کر سکا۔ اور آپ کو کہنے لگا کہ "مسیح موعود کا دعویٰ کرنے سے قبل مجھ سے تو مشورہ کر لیا ہوتا"۔ آپ نے فرمایا کہ "پھر مجھ سے بڑھ کر کون مفتری اور بے ایمان ہوتا کہ ایک مولوی سے مشورہ کر کے دعویٰ کرتا اور کہتا کہ خدا نے مجھ پر منکشف کیا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں مجھے تو جب خدا نے حکم کیا میں نے وہیں دعویٰ کر دیا۔ اس میں کسی انسان کے مشورہ کو دخل دینے کے کیا معنی؟" الغرض مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بہت بری طرح بگڑ گئے اور سب سے پہلے مخالفت کا علم انہوں نے ہی کھڑا کیا۔ اور کہنے لگے کہ "میں نے ہی اس کو اٹھایا تھا میں ہی گراؤں گا"۔ لیکن خدا کی شان وہ آپ ایسا گرے کہ نام و نشان مٹ گیا۔

دعوت مباحثہ بنام مخالف علماء

جب مخالفت کا طوفان بہت اٹھا اور مولویوں نے مسیح کے آسمان پر زندہ ہونے پر بہت زور دیا تو آپ نے تمام علمائے پنجاب و ہندوستان کو مباحثہ کے لئے چیلنج دیدیا۔ اس وقت بھی مولوی محمد حسین بٹالوی سب سے پہلے میدان مناظرہ میں آن کودے جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

قیام لدھیانہ

میرزا ناصر نواب صاحب حضرت مرزا صاحب کے خسر بوجہ ملازمت جن جن مقامات پر رہے حضرت اقدس بھی وقتاً فوقتاً ان کے پاس وہاں تشریف لیجاتے رہے۔ مثلاً انبالہ چھاؤنی، لدھیانہ، پٹیالہ فیروز پور چھاؤنی۔ ۱۸۶۶ء میں میرزا ناصر نواب صاحب لدھیانہ میں تھے اور محلہ اقبال گنج میں رہتے تھے۔ حضرت اقدس جب لدھیانہ تشریف لیجاتے تو اس مکان سے بالکل ملحق ایک بہت بڑا مکان شہزادہ وارگوہر کا تھا اس کو حضرت کرایہ پر لے لیتے تھے حضرت اقدس اور میرزا ناصر نواب صاحب کے سب گھر کے لوگ اس مکان میں اٹھ آتے اور وہ زنانخانہ بن جاتا۔ اور میرزا نواب صاحب کا مکان مردانہ مکان کا کام دیتا۔

مولویوں کا شور و شر

یہ لدھیانہ کا زمانہ عجب طوفانی زمانہ تھا اسلئے کہ لدھیانہ کے مولوی آپکے خلاف سخت شور و شر کر رہے تھے۔ لدھیانہ کے تین مولوی یعنی مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد جو اس شہر میں بہت با اثر تھے، دن رات لوگوں کو حضرت صاحب کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ اور پبلک میں اس قدر اشتعال پیدا کر دیا تھا کہ جب حضرت صاحب یا آپ کے احباب باہر نکلتے تو لوگ رستہ میں گالیاں دیتے اور خواہ مخواہ شرارتیں پیدا کرتے تاکہ فساد اور مار پیٹ کا موقعہ

مل جائے۔ مولوی سعد اللہ نومسلم کا تو آپ کی مخالفت میں یہ حال تھا کہ ہر روز یا کبھی دوسرے روز ایک اشتہار مخالفت میں گالیوں سے بھرا ہوا مطبوعہ شائع کرتا تھا کبھی چوری کا الزام کبھی بغاوت کا الزام کبھی کچھ کبھی کچھ بہتان طرازی کرتا رہتا تھا۔ ایک روز مخالفوں نے پانچ ولایتی کابلی آدمیوں کو بہکا کے بھیجا اور کہا کہ یہاں اس مکان میں ایک شخص ہے وہ تمام نبیوں کو گالی دیتا ہے اور قرآن اور رسولؐ کو نہیں مانتا۔ وہ ولایتی افغان سخت غضب میں بھرے ہوئے یکدم مکان میں چلے آئے۔ اُس وقت ایک خادم حضرت سے قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر پوچھ رہا تھا۔ آپ سے اس آیت کی تفسیر میں جو عجیب و غریب حقائق و معارف سنے تو وہ افغان اس قدر متاثر ہوئے کہ یا تو وہ غصّہ سے سرخ ہو رہے تھے یا اُنہوں نے نہایت ادب سے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ لوگوں نے ہم کو دھوکا دیا۔ اب ہمیں اصل حقیقت معلوم ہو گئی جو آپ کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہے اور جو آپ مسلمان نہیں ہیں۔ تو پھر کوئی بھی مسلمان نہیں" پھر وہ باہر جا کر لوگوں سے لڑے۔ لوگوں نے کہا کہ مرزا جادوگر ہے جو اُس کے پاس جاتا ہے اسی کا ہو رہتا ہے۔ اُسکے پاس کوئی مت جاؤ۔ حضرت اقدس جب باہر نکلتے تو لوگوں کی دشنام دہی اور ایذا رسانی کی طرف قطعاً توجّہ نہ کرتے اور نہایت صبر اور خاموشی سے دستے طے کرتے اور اپنے احباب کو بھی یہی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ آپ کے مریدوں کا رویہ وہاں نہایت پُرامن اور قابل تعریف رہا۔ لدھیانہ میں ایک اور مولوی **شاہ دین** تھا جو مولوی رشید احمد گنگوہی کا مرید اور نیز قوت بازو تھا۔ اُس نے پہلے تو بہت شور و غل مچایا کہ میں بحث کروں گا۔ مگر جب حضرت صاحب نے مباحثہ کا اشتہار علی کے نام دیا تو یہ چاروں مولوی یعنی عبد اللہ۔ عبد العزیز۔ محمد اور شاہ دین دبک گئے اور حضرت کے مقابلہ میں آنے سے گریز کر گئے۔ مولوی شاہ دین صاحب جو بہت اچھل رہے تھے انہوں نے بحث کا نام تک نہیں لیا۔ معتبر ذرائع سے سُنا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے مرشد مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو لکھا کہ میں مرزا صاحب سے مباحثہ کروں تو کس طور کروں اور کس مسئلہ میں کروں۔ تو جواب آیا کہ "تمہارا کام نہیں ہے مرزا صاحب سے بحث کرنا۔ اوّل تو ٹال دینا۔ اور جو بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہو ہی جائے تو وفات حیات مسیح علیہ السلام میں ہرگز بحث نہ کرنا۔ کہ اس میں تمہارا یا کسی کا ہاتھ نہیں پڑے گا۔ ہاں نزول میں بحث کر لینا اس مسئلہ میں ہماری بات چیت ہو سکتی ہے" مگر مولوی شاہ دین نے بات کو ٹال دینے میں ہی مصلحت سمجھی۔ لدھیانہ میں ایک اور مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی تھے انہوں نے بھی مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی طرف رجوع کیا اور اُنہیں بھی وہاں سے وہی جواب ملا جو مولوی شاہ دین کو ملا تھا۔ غرضکہ لدھیانہ دیوبند۔ سہارنپور۔ گنگوہ میں بہت سی اس بارے میں کمیٹیاں ہوئیں مگر حضرت اقدس کے مقابلہ میں آنے

کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ بظاہر لوگوں کے دکھانے کیلئے مباحثہ پر جھوٹ موٹ آمادگی ظاہر کرتے رہے لیکن دراصل مباحثہ کو ٹالتے رہے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کا مباحثہ سے فرار

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ضلع سہارنپور میں ایک بہت بڑے جید عالم فقیہ محدث تھے۔ اور تمام ہندوستان کے حنفیوں میں اُنہیں قیادت کا وہی درجہ حاصل تھا جو مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کو اہل حدیث میں تھا۔ پیری مریدی بھی کرتے تھے اور پنجاب، ہندوستان میں اُن کے سینکڑوں شاگرد اور مرید علما پھیلے ہوئے تھے۔ جب حضرت اقدس کے مناظرہ کے اعلان پر لدھیانہ۔ دیوبند۔ سہارنپور وغیرہ کے کسی مولوی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی تو سب نے مل کر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف رجوع کیا اور اُن سے کہا کہ آپ محدث ہیں۔ عالم ہیں۔ فاضل ہیں۔ مفتی ہیں اور ہمارے پیر و مرشد ہیں آپ مرزا صاحب سے مباحثہ کریں۔ لیکن محدث گنگوہی صاحب ہمیشہ چھوتی کرتے اور اپنی جان بچاتے رہے۔ غالباً اپنے علم کی پردہ دری سے ڈرتے رہے ہوں گے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پیر سراج الحق نعمانی صاحب کے ہم زلف تھے اور دیگر بہت سے تعلقات بھی ان کے ساتھ تھے۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب حضرت اقدس کے مرید تھے اور ان دنوں لدھیانہ میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو تفصیل سے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیر سراج الحق نعمانی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مولوی تو سب رہ گئے اور سب کی نظر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی رہنمائی ہوئی ہے۔ اگر حکم ہو تو میں مولوی رشید احمد صاحب کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کیلئے آمادہ ہوں۔ فرمایا اگر تمہارے لکھنے سے مولوی صاحب مباحثہ کیلئے آمادہ ہوں تو ضرور لکھو اور یہ لکھو کہ

> "مرزا غلام احمد قادیانی آجکل لدھیانہ میں ہیں اُنہوں نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی ہے اور وہ اب نہیں آویں گے۔ اور جس عیسیٰ کے اس اُمت میں آنے کی خبر تھی وہ میں ہوں۔ اور مولوی تو مباحثہ نہیں کرتے۔ چونکہ آپ بہت سے مولویوں اور گروہ اہل سنت والجماعت کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے ہیں اس لئے کثیر جماعت کی آپ پر نظر ہے۔ آپ مرزا صاحب سے اس بارے میں مباحثہ کرلیں۔ چونکہ آپ کو محدث اور صوفی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور الہام کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کا حق ہے کہ اس معاملہ کو سلجھاویں اور بحث سے حق و باطل میں امتیاز کرکے دکھاویں کیونکہ اس طرح تو پھر بڑی گڑبڑ مچ جائیگی اور اہل تحقیق کیلئے بہت مشکل بن جائیگی کہ کس بات

کو نہ جانے اور کسے نہ مانا جائے۔ اب آپ جیسے علامہ نے اس مسئلہ کو صاف کریں گے تو اور کون کریگا۔ اور اندھیر یہ ہے کہ بعض آپ سے بھی زیادہ علم و فضل رکھنے والے علماء ان کے مرید ہو گئے ہیں۔ اسلئے اب آپ تاخیر نہ کریں اور سب سے پہلے حیات و ممات مسیح پر بحث فرمادیں جو اس تمام مسئلہ کیلئے بطور بنیاد کے ہے۔ اگر حیات مسیح ثابت ہو گئی تو مرزا صاحب کا دعویٰ خود بخود غلط ہو جاوے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

غرض اس مضمون کا خط پیر صاحب نے اپنی طرف سے لکھ کر اور حضرت قدس سرہ کو ملاحظہ کرا کے روانہ کر دیا اور آپ نے تصدیق کے طور پر اُس پر اپنے دستخط بھی کر دیئے جس وقت یہ خط مولوی صاحب کے پاس گنگوہ پہنچا تو ایک شور برپا ہو گیا۔ بالآخر مولوی رشید احمد صاحب نے جواب میں لکھا کہ:۔

"میں اس بات کا افسوس کرتا ہوں کہ تم مرزا کے پاس کہاں پھنس گئے۔ تمہارے خاندان گھرانے میں کس چیز کی کمی تھی۔ اور میں بحث کو مرزا سے منظور کرتا ہوں۔ لیکن تقریری اور صدق زبانی۔ تحریری مجھ کو ہرگز منظور نہیں ہے اور عام جلسہ میں بحث ہوگی اور وفات و حیات مسیح میں کہ یہ فرع ہے بحث نہیں ہوگی بلکہ بحث نزول مسیح میں ہوگی جو اصل ہے۔"

حضرت اقدس نے یہ خط دیکھ کر پیر صاحب کو فرمایا کہ اُنہیں لکھ دیں کہ:۔

"مباحثہ میں **غلط** مبحث کرنا ٹھیک نہیں۔ بحث تحریری ہونی چاہیئے تاکہ حاضرین کے علاوہ غائبین کو بھی پورا پورا حال معلوم ہو سکے۔ تحریر میں غلط مبحث نہیں ہوتا اور زبانی تقریر میں ہو جاتا ہے۔ تقریر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بعد میں پورے طور پر یاد بھی نہیں رہتی اور تقریر میں ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک شخص ایک بات کہہ کر پھر اس سے مکر جائے۔ پھر بحث کے بعد تقریروں کو ہر ایک فریق کے معتقدین کچھ کا کچھ بنا کر اپنے موافق ڈھال لیتے ہیں جس سے حق و باطل میں التباس ہو جاتا ہے۔ تحریر میں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں کسی کو کمی بیشی کرنے یا غلط بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ مباحثہ نزول مسیح میں ہونا چاہیئے سو اس کے متعلق یہ التماس ہے کہ نزول مسیح اصل کیونکر ہے اور وفات و حیات مسیح فرع کس طرح سے ہوئی۔ اصل مسئلہ تو وفات و حیات مسیح ہے۔ اگر حیات مسیح کی ثابت ہو گئی تو نزول بھی ثابت ہو گیا۔ اور جو وفات ثابت ہو گئی تو نزول خود بخود باطل ہو گیا جب ایک عمدہ خالی ہو تو دوسرا اُس پر مامور ہو۔ ہمارے دعوے کی بنا ہی وفات مسیح پر ہے۔ اگر مسیح کی زندگی ثابت ہو جائے تو ہمارا دعویٰ مسیحیت کا نود بخود باطل ہو گیا۔"

غرض کہ اس مضمون کا خط پیر صاحب نے اپنی طرف سے لکھا اور حضرت اقدس کے تصدیقی دستخط کرا کے گنگوہ بھیج دیا۔ وہاں سے پھر وہی جواب آیا کہ:۔

"نزول مسیح اصل ہے۔ مرزا صاحب اصل کو فرع اور فرع کو اصل بنا رہے ہیں۔ اور مباحثہ تقریری ہوگا۔ تحریری نہیں ہوگا۔ اور ہمیں غرض ہی کیا ہے کہ اس بحث میں پڑیں"

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

"یہ سب ٹالنے کے لئے حیلے ہیں۔ ان کو اگر اس بحث میں پڑنے کی غرض نہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ انہیں دین اسلام اور ایمان سے کوئی غرض نہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہم نے تو اُن کی جائداد دبالی ہے اور ان کے گھر یعنی عقائد میں ہاتھ مارا ہے۔ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کے آسمان سے اُترنے پر اُن کی بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں مار ڈالا ہے جس کو وہ آسمان پر بٹھائے ہوئے تھے اس کو ہم نے زمین میں دفن کر دیا ہے۔ اور بقول ان مولویوں کے ہم نے اس طرح اسلام میں رخنہ ڈال دیا ہے اور لوگوں کو گھیر گھار کر گمراہ کر رہے ہیں تو اگر ان میں اسلام کا کوئی درد ہے اور حامیان دین اور محافظ اسلام ہونے کی کوئی غیرت باقی ہے تو کیوں نہیں سب کام چھوڑ کر میرے مقابلہ کے لئے آن کھڑے ہوتے۔ ان کی جائداد اور مال اور اسباب پر کوئی قبضہ کرے تو کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ فوراً عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اور جب تک اپنے مال کو واپس نہ لے لیں گے وہاں سے نہیں ٹلیں گے بلکہ مرنے مارنے کو تیار ہو جائیں گے تو کیا دین کیلئے دنیا کے ادنیٰ مال سے بھی کم غیرت ہے۔ مولوی صاحب کو لکھو کہ آپ تو علم لدنّی اور باطنی کے بھی مدعی ہیں اگر آپ کا ظاہری علم آپ کو مدد نہ دے تو باطنی اور لدنّی علم سے ہی کام لیں۔ یہ کس دن کے لئے رکھا ہوا ہے"

پیر صاحب نے اس مضمون کا ایک خط مولوی رشید احمد صاحب کو لکھا تو وہاں سے جواب آیا کہ:۔

"میں تقریری بحث کرنے کو تیار ہوں۔ تحریری بحث میں نہیں کرتا۔ لاہور سے بھی بہت لوگوں نے مجھے بحث کرنے کیلئے لکھا ہے پس مرزا چاہے تو تقریری بحث کرلے"

اس پر حضرت اقدس نے مولوی رشید احمد صاحب کو لکھوایا کہ:۔

"اچھا ہم بطریق تنزل تقریری مباحثہ ہی منظور کرتے ہیں مگر اس شرط سے کہ آپ تقریر کرتے جاویں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر کو لکھتا جاوے۔ اور جب ہم تقریر کریں تو ہماری جوابی تقریر کو بھی دوسرا شخص لکھتا جاوے۔ اور جب تک ایک کی تقریر ختم نہ ہو لے دوسرا فریق یا اور کوئی شخص

دوران تقریریں نہ بولے۔ پھر وہ دونو تقریریں چھپ کر شائع ہو جاویں۔ اور بحث بمقام لاہور ہونی چاہئے کیونکہ لاہور دار العلوم ہے اور ہر علم کا آدمی وہاں موجود ہے۔"

پیر صاحب نے اس مضمون کا ایک خط مولوی رشید احمد صاحب کو لکھ دیا جس پر جواب میں مولوی صاحب موصوف نے لکھا کہ:۔

"تقریر صرف زبانی ہوگی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی۔ اور حاضرین میں سے جس کے جی میں جو آوے گا رفع شک کے لئے بولیگا۔ میں لاہور نہیں جاتا۔ مرزا بھی سہارنپور آجائے میں بھی سہارنپور آجاتا ہوں۔"

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

"کیا بودا پن ہے اور کیسی پست ہمتی ہے کہ اپنی تحریر نہ دی جاوے۔ تحریر میں بڑے بڑے فائدے ہیں کہ حاضرین و غائبین اور نزدیک و دور کے آدمی یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ زبانی تقریر حاضرین تک محدود رہتی ہے۔ بات کی اور ہوا میں اڑ گئی۔ کوئی محقق اس سے صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ مولوی صاحب تحریر دینے سے کیوں ڈرتے ہیں ہم بھی تو اپنی تحریر دیتے ہیں۔ کیا اُن کا منشا یہ ہے کہ بیچ میں بول بول کر لوگ خلط مبحث کر دیں اور گڑبڑ مچا کر بات کا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکے۔ سہارنپور میں علم و حکمت کا وہ چرچا نہیں جو لاہور میں ہے۔ لاہور آج دار العلوم اور مخزن علم ہے اور ہر ایک ملک اور شہر کے لوگ اور ہر مذہب و ملت کے اشخاص وہاں موجود ہیں۔ پس مولوی صاحب کو لکھ دیں کہ آپ لاہور چلیں۔ اور میں بھی لاہور چلا جاتا ہوں اور آپ کا خرچ آمد و رفت اور قیام لاہور یا مہ بحث تک کا اور مکان کا کرایہ اور خرچ میرے ذمہ ہوگا۔ سہارنپور اہل علم کی بستی نہیں۔ وہاں سوائے شور و شر اور فساد کے کچھ نہیں ہے۔"

غرضکہ اس مضمون کا خط حضرت اقدس سے تصدیقی دستخط کروا کے پھر مولوی رشید احمد صاحب کو گنگوہ بھیج گیا۔ مگر وہاں سے پھر وہی جواب آیا کہ:۔

"میں لاہور نہیں جاتا صرف سہارنپور تک آسکتا ہوں اور بحث تحریری مجھے منظور نہیں۔ میں خود لکھوں اور نہ کسی دوسرے شخص کو لکھنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔"

حضرت اقدس نے اس خط کو پڑھ کر فرمایا کہ ان لوگوں میں کیوں قوت فیصلہ اور حق و باطل کی تمیز نہیں رہی اور کیوں الکی سمجھ بوجھ جاتی رہی۔ یہ حدیث پڑھاتے ہیں محدث کہلاتے ہیں مگر فہم و فراست سے ان کو کچھ حصہ نہیں ملا۔ اُن کو یہ لکھ دو کہ:۔

"ہم مباحثہ کے لئے سہارنپور ہی آجاویں گے۔ آپ سرکاری انتظام کرلیں جس میں کوئی یورپین افسر ہو۔ بعد انتظام سرکاری ہمیں لکھ بھیجیں ہم تاریخ مقررہ پر آجائیں گے۔ اور ایک اشتہار اس مباحثہ کی اطلاع دینے کے لئے شائع کردیا جائے گا تاکہ لاہور وغیرہ مقامات سے صاحب علم اور مباحثہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگ سہارنپور آجاویں۔ اگر لاہور چلتے تو وہاں سرکاری انتظام کا ذمہ ہم لیتے۔ باقی رہا تقریری اور تحریری مباحثہ کا جھگڑا۔ سو اس کو اس وقت پر اٹھا رکھیں تو بہتر ہے۔ جیسی حاضرین جلسہ کی رائے ہوگی کثرت رائے پر ہم تم کاربند ہوجائیں گے خواہ تقریری خواہ تحریری جیسا اُس وقت مناسب سمجھا جاویگا ہوجائے گا۔ آپ مباحثہ ضرور کریں۔ سب لوگوں کی نظر آپ کی طرف ہے۔"

حضرت اقدس کی یہ تقریر پیر صاحب نے حسب معمول مولوی رشید احمد صاحب کو لکھ بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا کہ انتظام کا میں ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ اس پر ان کو دو تین خطوط اور بھیجے گئے جن میں اُن کو طرح طرح سے مباحثہ کے لئے اُبھارا گیا مگر اُنہوں نے جواب ہی نہ دیا۔ مثل ہے ایک چپ سو بلا کو ٹالتی ہے ان کی اس حکمت عملی سے یہ مباحثہ ٹل گیا۔

دو سجادہ نشینوں کو دعوت پیر سراج الحق نعمانی اپنی کتاب تذکرۃ المہدی میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "انہی دنوں میں دو خط دعوت و تبلیغ کے دو سجادہ نشینوں کو لکھے گئے ایک تو خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کو لکھا گیا مگر اُنہوں نے ازراہ تکبر جواب تک نہ دیا۔ اس سے قبل اُن کو حضرت اقدس نے براہین احمدیہ بھیجی تھی تو اُنہوں نے اسے پھاڑ کر واپس کردیا تھا اور کتاب کے گوشہ پر لکھ دیا تھا کہ ہمیں کسی مجدد اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہمیں ہمارے بزرگوں کے ملفوظات ہی کافی ہیں۔"

دوسرا خط دعوت و تبلیغ کا خواجہ شاہ نظام الدین حسین صاحب بریلوی چشتی کو بھیجا گیا تھا اُن کا جواب پیر سراج الحق صاحب کے نام آیا جس میں مرقوم تھا کہ:-

"فقیر میں تو اتنی قوت نہیں ہے کہ جو ظاہری یا باطنی و روحانی طور پر حضرت مرزا صاحب کے مقابل پر کھڑا ہوسکے۔ یہ کام مولویوں اور علما کا ہے۔ آپ بھی تو صوفی اور درویش اور چار قطب یانسوی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پوتے ہیں ہمیں آپ پر حسن ظن ہے۔ اور جیسا کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ ہورہے گا مجھے آپ معاف فرمادیں۔"

حضرت اقدس نے جب یہ خط پڑھا تو ان کی منکسر المزاجی سے بہت متاثر ہوئے۔

حضرت مولوی محمد احسن امروہی صاحب جہاں اس قدر مخالفوں کا اکھاڑا لگا ہوا تھا اور طرح طرح کی دشنام دہی اور طعن و تشنیع اور ایذا رسانی کا بازار گرم تھا اور علماء سوء مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ فطرت سلیم رکھنے والے پاکباز انسانوں اور علماء ربانی کے قلوب پر حضرت اقدس کی صداقت کو منکشف فرما رہا تھا۔ ان میں سے ایک بہت بڑے علامہ حضرت سید محمد احسن صاحب امروہی تھے جو علم تفسیر و حدیث و فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ بالخصوص حدیث میں تو آپ یگانۂ روزگار تھے اسی لئے اگرچہ رہنے والے تو آپ امروہہ کے تھے لیکن اُن دنوں میں بھوپال میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازم تھے اور سچ پوچھو تو نواب صدیق حسن خاں صاحب کے دست راست یہی تھے۔ اُن کے پاس جو حضرت اقدس کے دعوئے مسیحیت کا اشتہار پہنچا تو اُن کی فطرت سلیمہ پکار اُٹھی کہ یہ حق ہے اور مدعی منجانب اللہ اور راستباز ہے۔ اُنہوں نے ابھی حضرت اقدس کو دیکھا بھی نہ تھا مگر حق کا استیلاء اس قدر دل و دماغ پر ہوا کہ آپ نے فوراً ایک رسالہ اعلام الناس حضرت اقدس کی تصدیق و تائید میں لکھ کر شائع کر دیا۔ جس وقت وہ رسالہ حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا تو پیر سراج الحق نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس نے مجھ سے فرمایا کہ پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ چند ورق تو میں نے سنائے اور کچھ حصہ منشی ظفر احمد صاحب ساکن کپورتھلہ نے اور باقی حصہ مولوی محمد حسن صاحب دہلوی مدرس پٹیالہ نے پڑھ کر سنایا۔ حضرت اقدس نے اس رسالہ کو سُن کر فرمایا کہ:۔

"اس مضمون میں ہمارا اور مولوی صاحب کا توارد ہو گیا ہے اور جو ہم نے لکھا ہے وہی مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ دیکھو کیسی صحیح فراست ہے اور مولوی صاحب کیسے راسخ فی العلم ہیں کہ جو ہمیں خدا تعالیٰ نے سمجھایا وہ مولوی صاحب بھی سمجھ گئے۔ حالانکہ نہ ابھی ہماری طرف سے کوئی کتاب شائع ہوئی اور نہ کوئی اشتہار مدلل نکلا ہے۔ اور نہ کوئی اس بارے میں اُنہوں نے ہماری تصنیف دیکھی ہے۔ یہ صرف روح القدس کی تائید ہے۔"

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس کو مولانا محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق الہام ہوا کہ ؎

از برائش محمد احسن را ✦ تارک روزگار مے بینم

یعنی حضرت اقدس کیلئے محمد احسن کو اپنی ملازمت چھوڑنی پڑے گی۔ سو ایسا ہی ہوا۔ اس حق کی تائید کی وجہ سے بھوپال میں انکی بیحد مخالفت شروع ہو گئی۔ لیکن آپ کی حق پرستی کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ باطل سے دب جائیں۔ آپ ملازمت سے استعفیٰ دے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت اقدس کو ان کے علم و فضل پر اتنا اعتبار تھا کہ اُنہیں مفتی قرار دیدیا یعنی جس کسی کو جس مسئلہ میں

فتوے کی ضرورت ہو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم تھا۔ اور کئی بار مناظروں میں اُن کے ساختہ پرداختہ کو اپنا ساختہ پرداختہ قرار دیتے رہے۔

مولوی غلام نبی صاحب خوشابی لدھیانہ میں مخالفتوں کے ہجوم میں اتفاق سے مولانا غلام نبی صاحب جو خوشاب کے رہنے والے تھے لدھیانہ تشریف لے آئے۔ یہ صاحب بہت بڑے عالم اور صرف ونحو میں بہت عبور رکھتے تھے۔ اُنہوں نے لدھیانہ پہنچتے ہی حضرت اقدس کی مخالفت میں جا بجا شہر میں وعظ کرنا شروع کر دیا۔ اُن کے علم وفضل کی شہر میں دھوم مچ گئی۔ اور لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر ہر محلہ میں اُن کی تقریریں کرانی شروع کر دیں۔ اُنہوں نے بھی حضرت اقدس کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اور آیتوں پر آیتیں اور حدیثوں پر حدیثیں پڑھ پڑھ کر ان سے بزعم خویش حیات مسیح پر استدلال کرتے رہے۔ ایک روز اُسی محلہ میں کہ جس محلہ میں حضرت اقدس تشریف فرما تھے مولوی صاحب کا وعظ تھا۔ ہزاروں آدمی جمع تھے اور اس وعظ میں جتنا علم تھا سب ختم کر دیا اور لوگوں کے تحسین و آفرین کے نعروں سے سارا محلہ پڑا گونج رہا تھا۔ اور مرحبا اور صل علیٰ کے شور سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ اس وعظ میں لدھیانہ کے تمام مولوی موجود تھے اور اُن کے حسن بیان اور علم کی بار بار داد دیتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسن اور مولوی شاہ دین اور مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد اور مولوی عبداللہ اور دوچار اور مولوی جو بیرونجات سے مولوی غلام نبی صاحب کی شہرت اور علمی لیاقت اور خداداد قابلیت کا شہرہ سُن کر آئے ہوئے تھے حاضر تھے۔ کیونکہ یہ خاص وعظ تھا۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ یہ سب نعرے اور شور مرحبا ہمارے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ اور حضرت کے مردانہ مکان میں ہم چار پانچ آدمی چپکے بیٹھے سن رہے تھے۔ دل اندر سے کڑھتا تھا مگر کچھ بس نہ چلتا تھا۔ حضرت اقدس زنانہ میں تھے اور کتاب ازالہ اوہام کا مسودہ تیار کر رہے تھے۔ مولوی غلام نبی صاحب وعظ کہکر اور پوری مخالفت کا زور لگا کر چلے اور ساتھ ساتھ تمام مولوی صاحبان اور ایک جم غفیر لوگوں کا تھا۔ اور ادھر سے حضرت اقدس زنانہ مکان سے مردانہ مکان میں جانے کے لئے باہر نکلے تو مولوی غلام نبی صاحب سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ خود حضرت صاحب نے السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مولوی صاحب نے وعلیکم السلام جواب میں کہہ کر مصافحہ کیا۔ خدا جانے اُس مصافحہ میں کیا برقی قوت تھی اور کیسی مقناطیسی طاقت اور کیا روحانی کشش تھی کہ آپ سے ہاتھ ملاتے ہی مولوی صاحب ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ بغیر کسی چون وچرا کے سیدھے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے حضرت اقدس کے ساتھ مردانہ مکان میں چلے آئے اور حضرت اقدس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور باہر مولوی لوگ اور حاضرین وعظ حیرت میں کھڑے

رہ گئے۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ مولوی صاحب نے بڑی حماقت کی جو مرزا کے ساتھ چلے گئے۔ کسی نے کہا مرزا جادوگر ہے خبر نہیں کیا جادو کر دیا۔ کسی نے کہا کہ مرزا کا بڑا رعب ہے مولوی صاحب رعب میں آ گئے۔ کسی نے کہا مرزا بڑا پیسے والا ہے اور مولوی لوگ لالچی ہوتے ہیں مرزا نے کچھ لالچ دے دیا ہوگا۔ کسی نے کہا مرزا نے جو اتنا بڑا دعویٰ کیا ہے مرزا خالی نہیں ہے کیا یہ دعویٰ کسی ایسے ویسے کا ہے۔ اس پر مولوی لوگ بہت بگڑے۔ یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب مرزا کی خبر لینے گئے ہیں۔ دیکھنا تو سہی مرزا کی کیا گت بنتی ہے۔ مولوی صاحب مرزا سے علم میں کم نہیں ہیں۔ طامع نہیں ہیں۔ صاحب روزگار ہیں۔ بڑے علم و فضل والے ہیں۔ دیکھنا مرزا کو نیچا دکھا کے آئیں گے غرضکہ یہاں باہر تو جتنے منہ اُتنی باتیں تھیں۔ اور اندر یہ عالم تھا کہ مولوی غلام نبی صاحب حضرت اقدس کے سامنے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا تو یہ پوچھا کہ حضرت آپ نے وفات مسیح کا مسئلہ کہاں سے لیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ "قرآن شریف سے۔ حدیث شریف سے اور علماء ربانیین کے اقوال سے"۔ مولوی صاحب بولے کوئی آیت قرآن مجید میں وفات مسیح کے بارے میں ہو تو بتلایئے"۔ حضرت صاحب نے قرآن شریف دو جگہ سے کھول کر اور کاغذ کا نشان رکھ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا۔ ایک مقام تو سورۂ آل عمران یعنی تیسرے پارے کے تیسرے پاؤ میں سے تھا جہاں یہ آیت تھی کہ یا عیسٰی انی متوفیک اور دوسری جگہ سورۂ مائدہ کا آخری رکوع تھا جہاں فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم تھا۔ مولوی صاحب دونو مقاموں کی دونو آیتیں دیکھ حیران رہ گئے۔ لیکن مغالطے کہ یوفی اجورھم بھی تو قرآن شریف میں ہے اس کے کیا معنے ہوں گے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اُن آیتوں میں جو ہم نے پیش کی ہیں توفی باب تفعّل سے ہے جس کے معنی جب خدا فاعل ہو اور ذی رُوح مفعول ہو تو سوائے قبض رُوح کے اور کچھ ہوتے ہی نہیں۔ اور جو آیت آپ نے پیش کی ہے وہاں باب تفعیل ہے یعنی اُس کا مصدر توفیہ ہے جس کے معنی ہیں پورا پورا دینا۔ پس دونوں جگہ باب الگ الگ ہیں۔ آپ تو بڑے صرفی نحوی ہیں اس پر غور فرمایئے"۔ مولوی صاحب تو سوچ میں غرق ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا اور کہا کہ "معاف فرمایئے میری غلطی تھی۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہی صحیح ہے۔ قرآن مجید آپ کے ساتھ ہے"۔ حضرت اقدس نے فرمایا "جب قرآن مجید ہمارے ساتھ ہے تو آپ کس کے ساتھ ہیں"۔ مولوی صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ رو پڑے اور عرض کیا کہ یہ گنہگار پھر حضور کے ساتھ ہے"۔ اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ الغرض اندر تو مولوی صاحب پر یہ حالت طاری تھی اور باہر ہزاروں لوگ جو کھڑے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ آج مرزا قابو آیا۔ آج مولانا اس کو توبہ کرا کے چھوڑیں گے

جب بہت دیر ہوگئی تو لوگوں نے فریاد شروع کی اور لگے آوازیں دینے کہ مولانا باہر تشریف لائیے۔ پہلے تو مولوی صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب بہت شور مچا تو مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ تم جاؤ میں نے حق دیکھ لیا اور حق پا لیا۔ تم بھی اگر چاہو تو آجاؤ اور میرے ساتھ تائب ہو کر خدا کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ اور اس امام کو مان لو۔ میں اس امام صادق سے کس طرح الگ ہو سکتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موعود ہے جس کو آنحضرت علیہ السلام نے سلام بھیجا۔ چنانچہ وہ حدیث شریف یہ ہے کہ من ادرک منکم عیسیٰ بن مریم فلیقرأ منی السلام۔ پھر مولوی صاحب حضرت اقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس حدیث کو پڑھ کر عرض کیا کہ میں اسوقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو سلام علیک کہتا ہوں۔ حضرت اقدس نے اُس وقت ایک عجیب لہجہ اور عجیب آواز سے وعلیکم السلام کہا کہ دل سننے کی تاب نہ لائے اور مولوی صاحب مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اُس وقت حضرت اقدس کے چہرہ مبارک کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ اور حاضرین مجلس پر ایک سرور کا عالم تھا۔ پھر مولوی صاحب نے بیرون در جو لوگ کھڑے تھے اُن کو پیغام بھیجا کہ مسیح ابن مریم موسوی مر گئے۔ اور آنیوالا آگیا۔ تم یا تو چلے جاؤ اور یا اندر آجاؤ اور میری طرح تم بھی ان کے قدموں میں گرو۔ جب یہ پیغام باہر پہنچا تو کیا مولوی اور کیا عام لوگ سب نے کافر کافر کا شور مچایا۔ اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اور سب لوگ بڑا بھلا کہتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ جو کہتے تھے کہ مرزا جادوگر ہے ان کی چڑھ بن گئی۔ مولوی صاحبان شرم کے مارے گردن نیچی کئے ہوئے کہتے چلے گئے کہ غلام نبی جاہل تھا اُسے سمجھ ہی کیا تھی۔ کبھی ہم سے مرزا کو واسطہ پڑے تو آٹے دال کا بھاؤ پتا جائے گا۔ اس کے بعد مولویوں نے پہلے تو مولوی غلام نبی صاحب کو پھسلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ ہماری دو باتیں تو سن جاؤ مگر مولوی صاحب نے توجہ نہ کی۔ جب یوں کام نہ چلا تو مباحثہ کی دعوت دیدی۔ مولوی غلام نبی صاحب نے فوراً منظور کر لیا۔ مگر باتیں ہی باتیں تھیں مباحثہ کے لئے سامنے کوئی نہ آیا۔ تب مولوی غلام نبی صاحب نے ایک اشتہار مباحثہ کے لئے دیدیا کہ جسے علم کا دعویٰ ہو وہ مجھ سے مباحثہ کرلے مگر کوئی مولوی باہر نہ نکلا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے اشتہار دیا کہ جو شخص حضرت عیسیٰ کی حیات کی تائید میں قرآن شریف کی آیت صریح اور حدیث صحیح پیش کریگا تو فی آیت اور فی حدیث دس روپے انعام دیئے جائیں گے اور روپے پہلے بنک میں جمع کرا دیئے جائینگے اس اشتہار کو پڑھ کر بھی کسی نے دم نہ مارا۔ مولوی غلام نبی صاحب تو بس حضرت اقدس کے ہی ہو گئے۔ ایک عشقیہ رنگ پیدا ہو گیا۔ اور اُن کا ایسا اثر کھلا کہ کوئی مولوی یا شخص آتا تو اُس سے بات کرنے اور مباحثہ کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتے اور حضرت کا ہی چہرہ دیکھتے رہتے اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے۔ اور حضور

کا کلام سُننے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ حضرت صاحب اندر زنانخانہ میں تشریف لیجاتے تو مولوی صاحب بیقرار ہو جاتے اور روتے اور بار بار استغفار کرتے کہ اتنے روز جو میری طرف سے مخالفت ہوئی اور میری زبان سے گستاخانہ کلمات نکلے اُس کا میں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ حضرت صاحب باہر تشریف لاتے تو مولوی صاحب کو چین پڑتا۔ مولوی صاحب کہیں ملازم تھے۔ وہاں سے خط آیا کہ جلد آؤ ورنہ نام کٹ جائے گا۔ مولوی صاحب نے ملازمت کی کچھ پروا نہ کی اور کہا کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بیعت کی ہے مجھے ملازمت کی کوئی پروا نہیں۔ میں حضرت امام کی صحبت کو غنیمت سمجھتا ہوں حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ خود ملازمت کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ہاں خود بخود ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت سے علیحدہ کر دے تو بات دوسری ہے۔ اس وقت ضرور ملازمت پر چلا جانا چاہیئے پھر رخصت لیکر آجانا۔ یا اللہ تعالیٰ کوئی اور راہ نکال دیگا۔ حضرت صاحب کے ارشاد پر مولوی صاحب طوعاً و کرہاً چلنے پر راضی ہو گئے۔ چلنے لگے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ "مولوی صاحب کا دل جانے کو نہیں چاہتا۔ دیکھو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے یہ معنی ہیں"۔ خیر مولوی صاحب چلدیئے لیکن کچھ دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب مسکراتے ہوئے خوش خوش بغل میں گٹھڑی دبائے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ سب حیران ہو گئے۔ حضرت اقدس بھی ہنسنے لگے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ میں اسٹیشن پر پہنچا تو ریل نکل چکی تھی تو لوگوں نے کہا کہ اسٹیشن پر ٹھیر جاؤ دوسرے وقت چلے جانا۔ میں نے کہا جتنی دیر یہاں وقت گزاروں گا میں کیوں نہ حضرت اقدس کی خدمت میں گزاروں۔ حضرت نے فرمایا کہ جزاک اللہ بہت اچھا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس میں کچھ حکمت آہی ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ڈاک آئی اُس میں مولوی صاحب کے نام کا خط تھا کہ اوّل تو ملازمت پر حاضر ہو جاؤ اور اگر کسی وجہ سے نہ آسکو تو رخصت کیلئے درخواست بھیجدو۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھو ریل کے نہ ملنے میں یہ حکمت تھی۔ اب رخصت کی درخواست بھیجدو۔ مولوی صاحب نے درخواست بھیجدی اور رخصت منظور ہو کر آگئی۔ اس طرح مولوی صاحب کو بہت روز حضرت کی خدمت میں رہکر فیض صحبت حاصل کرنیکا موقعہ مل گیا۔

نواب علی محمد خاں آف جھجھر

نواب علی محمد خاں صاحب جھجھر کے نواب تھے۔ دلی کے غدر میں اُن کی ریاست چھن گئی تھی۔ لدھیانہ میں رہتے تھے۔ علوم شرعیہ حکمت اور تصوف میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خصوصاً تصوف میں ایسی معرفت رکھتے تھے کہ پیر سراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے سینکڑوں درویش اور صوفی دیکھے مگر یہ معلومات اور یہ دستگاہ کسی میں نہیں دیکھی۔ نواب صاحب اہل اللہ کے بڑے معتقد تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عاشق تھے۔ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔

اُن کی یہی وسیع معلومات اور تصوف میں مہارت اس بات کا موجب تھیں کہ وہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے اعلیٰ درجہ کا عشق رکھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ "جو بات میں نے حضرت مرزا صاحب میں دیکھی وہ کسی صوفی اور ولی میں نہیں دیکھی۔ اُن کی تحریریں اگر ہدایت اور نور ہے تو چہرہ پر بھی انوار کی بارش نظر آتی ہے"۔ حضرت اقدس کی ملاقات کیلئے نواب صاحب اکثر آیا کرتے تھے۔ اور حضرت صاحب بھی کبھی کبھی نواب صاحب سے ملنے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ نواب صاحب کا انتقال حضرت اقدس کی لدھیانہ میں موجودگی میں ہوا۔ بوقت انتقال نواب صاحب نے سلامتی ایمان اور نجات اُخروی کیلئے دعا کرنے کے واسطے ایک آدمی حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ جوں جوں وقت قریب آتا جاتا تھا آدھ آدھ گھنٹہ کے بعد دعا کے لئے آدمی بھیجتے تھے اور کہتے تھے کہ میں بڑا خوش ہوں کہ میرے اخیر وقت میں آپ لدھیانہ تشریف رکھتے ہیں۔ اور مجھے ایسے موقعہ پر انجام بخیر ہونے کیلئے آپ سے دعا کرانے کا موقعہ ملا"۔ اور وصیت کی کہ "میرا جنازہ حضرت اقدس مرزا صاحب پڑھیں"۔ جب نواب صاحب کا انتقال ہوگیا تو لدھیانہ کے مخالف مولویوں نے نواب صاحب کے بیٹوں اور اقربا کو کہلا بھیجا کہ اگر مرزا نے نواب صاحب کا جنازہ پڑھایا تو ہم میں سے کوئی جنازہ میں شامل نہ ہوگا۔ اور تم پر کفر کا فتویٰ لگ جائیگا اور ہم آیندہ کبھی تمہارا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ اس پر نواب صاحب کے ورثاء مرعوب ہوگئے اور ان مولویوں کی وجہ سے حضرت اقدس کو جنازہ پر نہ بلوایا۔ مگر حضرت صاحب نے اپنے مکان پر ہی نواب صاحب مرحوم کا جنازہ غائب پڑھا۔ اور ان کیلئے دعائے مغفرت و رحمت بہت کی۔ نواب صاحب مرحوم کے پاس ایک پاکٹ بک تھی جس میں اُنہوں نے حضرت اقدس کی ایک پیشگوئی لکھ رکھی تھی جس کو وہ اپنے ہر ایک دوست کو دکھایا کرتے تھے۔ اور وہ پیشگوئی یہ تھی کہ انہوں نے لدھیانہ میں ایک گنج یا منڈی اپنے خرچ سے بنوائی تھی اور مقصد یہ تھا کہ باہر سے جو غلہ آئے اُس کی اس منڈی میں خرید و فروخت ہو اور یہیں وہ غلہ اتارا جائے۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک اور شخص اس کام میں رہزن ہوگیا جس سے نواب صاحب کی تعمیر کردہ منڈی بیکار ہوگئی۔ اس سے اُنہیں بہت تکلیف پہنچی۔ اُنہوں نے اس مصیبت کے وقت میں حضرت اقدس کو ایک خط مفصل لکھ کر دعا کی درخواست کی۔ لیکن ابھی وہ خط لدھیانہ سے چلا ہی تھا اور قادیان میں پہنچا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کشف حضرت اقدس کو اس خط کے مضمون سے مطلع فرما دیا اور یہ بھی اطلاع دیدی کہ کچھ عرصہ کے لئے ان کی یہ روک اُٹھا دی جائے گی اور اس غم سے اُن کو نجات دی جائے گی۔ حضرت صاحب نے قبل اس کے کہ یہ خط قادیان پہنچے ایک خط کے ذریعہ نواب صاحب کو اطلاع دیدی کہ آپ نے اس قسم کا خط مجھے لکھا ہے جو ابھی ملا تو نہیں مگر آنیوالا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف

سے یہ بشارت ہے۔ نواب صاحب نے تاریخوں اور ڈاک کی مہروں کو جو ملایا تو ششدر رہ گئے۔ اور پھر جب اُسی طرح تمام واقعات ظہور پذیر ہوئے تو اُن کا اعتقاد حضرت صاحب پر بہت ترقی کر گیا۔ اور اُنہوں نے اپنی پاکٹ بک میں اُسے نوٹ کر لیا۔ اور ہر ایک دوست کو وہ دکھایا کرتے تھے اور ذوق ایمانی سے لذت اُٹھایا کرتے تھے۔

لاہور سے ایک خط ایک روز لاہور سے کسی شخص کا خط آیا اُس میں یہ لکھا تھا کہ اگر آپ مسیح کو زندہ مان لیتے تو آپ کا کیا بگڑ جاتا۔ حضرت اقدس نے اس خط کو پڑھ کر یہ جواب لکھوایا کہ "اگر تم مسیح کو وفات یافتہ مان لیتے تو اس میں تمہارا کیا بگڑ تا تھا۔ زندہ ماننے سے تو قرآن شریف کا انکار خدا تعالیٰ کا نافرمان بننا پڑتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور آپ کی ختم نبوّت کا انکار اور ہتک لازم آتی ہے۔ اور وفات شدہ ماننے سے اللہ جل شانہٗ راضی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش۔ اور قرآن شریف کی تصدیق ہے۔ اور یہ بات تو ٹھیک نہیں کہ ہم سے زندہ منوایا جائے۔ پہلے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کرو پھر ہم سے مسیح کو زندہ منواؤ۔ کچھ تم کفر کی طرف آؤ کچھ ہمیں لاؤ۔" اس کا جواب بہت عرصہ کے بعد آیا کہ "میں آپ کا خط آنے پر تحقیقات میں لگ گیا ہوں کہ آیا درحقیقت مسیح فوت ہو گئے یا کوئی صورت زندگی کی نکل آتی ہے۔"

غزنویوں کا ورود لدھیانہ میں لدھیانہ میں ایک روز غزنویوں میں سے کئی شخص امرتسر سے آئے۔ ایک اُن میں سے شاید مولوی عبد الجبار غزنوی امرتسری کا بیٹا یا بھتیجا تھا۔ اُس نے کچھ باتیں شروع کیں۔ جب حضرت اقدس نے اُن کا جواب دیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ ان باتوں میں ایک بات مزیدار یہ تھی کہ غزنویوں نے اس پر اعتراض کیا کہ حدیثوں میں لکھا ہے کہ ابن مریم نازل ہوگا۔ ہم ان حدیثوں کو کیسے چھوڑ دیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ قرآن شریف میں متوفیک اور فلما توفیتنی مسیح کی نسبت موجود ہے جس میں صاف مسیح کی وفات کا ذکر ہے۔ اور رفعہ الی اللہ توفّی کے بعد آتا ہے اور مسیح کے دوبارہ نزول کا کہیں ذکر نہیں۔ اور وفات کے علاوہ حیات کی کوئی آیت نہیں۔ اور حدیثوں میں بھی مسیح کی حیات کا قطعاً کوئی ذکر نہیں بلکہ معراج میں آنحضرت صلعم نے مسیح کو حضرت یحییٰ کی روح کے ساتھ دیکھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کو بھی وہیں پایا جہاں اور انبیا کی ارواح رہتی ہیں۔ پس لازمی بات ہے کہ وہ مسیح کی روح تھی جو حضرت یحییٰ کی روح کے ساتھ تھی۔ پس ہم قرآن اور ان حدیثوں کو کیسے چھوڑ دیں۔ رہ گئیں نزول مسیح کی حدیثیں تو قرآن کی آیات اور خود رسول کریم صلعم کے مشاہدۂ رُوحانی اور دیگر احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں وہ تاویل طلب ہیں۔ ان کے مقابلہ میں صریح اور قطعی آیات قرآنی کی اور احادیث صحیحہ کی جو مطابق قرآن ہیں تاویل

نہیں کی جا سکتی"۔ غزنوی بولے کہ "قرآن کے مطلب کو حدیث ہی بیان کرتی ہے پس حدیث کے مقابلہ میں آیات قرآنی کی تاویل کرنی چاہئے۔ حدیث مصرح اور مفصل ہے اور قرآن مجمل اور مختصر ہے"۔ اس پر حضرت اقدس اور حاضرین مجلس ہنس پڑے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ "قرآن شریف میں تو تاویل کو جائز سمجھتے ہو جو یقینی اور قطعی ہے۔ اور حدیث میں بمقابلہ قرآن شریف تاویل جائز نہیں سمجھتے جو ظنی ہے اور کئی موہوں سے نکل کر ہم تک پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انّ الظّن لا یغنی من الحق شیئاً"۔ آخر وہ کھسیانے ہو کر چلنے لگے تو حضرت صاحب نے اُن کے لئے چاء اور بسکٹ منگوائے اور زنانہ مکان میں جا کر خود ہی چاء وغیرہ لیکر آئے مگر اُن بدقسمتوں نے پینے سے انکار کر دیا۔ حضرت اقدس نے اعتراض کیا کہ پیو۔ آخر چاء پی لینے میں کیا حرج ہے۔ لیکن وہ چین بجبین ہو رہے تھے۔ برابر انکار ہی کئے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ حلال چیز سے انکار کیوں؟ مگر اُنہوں نے ایک بات نہ مانی اور اُٹھ کر چلے گئے۔

غزنویوں کی اس وحشت کی ایک اور مثال حضرت مولانا محمد علی صاحب بیان کیا کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبدالواحد غزنوی جو حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کا داماد تھا۔ مولوی صاحب موصوف کے پاس قادیان آیا۔ مولوی صاحب اُسے کہہ سُن کر حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کیلئے لے آئے۔ اب حضرت صاحب اُس سے مزاج پُرسی کرتے ہیں۔ بات چیت کرتے ہیں مگر وہ کچھ جواب نہیں دیتا اور جلدی جلدی خپ خپ کر کے کچھ پڑھتا جاتا ہے اور اپنے اُوپر پھونکتا جاتا ہے۔ جب تک وہ حضرت صاحب کے سامنے بیٹھا رہا اس کی اس وحشت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بس خپ خپ خپ کچھ پڑھے جا رہا ہے۔ اور وحشت کی نگاہوں سے دیکھے جا رہا ہے۔ نہ منہ سے کوئی اور بات کرتا ہے۔ آخر یہ مجلس ختم ہو گئی تو مولوی نورالدین صاحب نے پوچھا کہ یہ تم کیا پڑھ رہے تھے کہنے لگا کہ "حدیث میں ہے کہ دجال کے اثر سے بچنے کیلئے سورۃ کہف کی پہلی دس آیتوں کو پڑھنا چاہئے۔ سو میں وہی آیات پڑھ رہا تھا کہ مرزا صاحب تو چونکہ (نعوذ باللہ) دجال ہیں اس لئے اُن کا اثر مجھ پر نہ کہیں پڑ جائے"۔ مولوی نورالدین صاحب ہنس پڑے کہ اب یہاں دجال کا گدھا اور اُس کا کانا ہونا اور ماتھے پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہونا وغیرہ وغیرہ جس کا مطالبہ یہ لوگ رات دن کیا کرتے ہیں کہاں چلا گیا۔ پادریوں کو حضرت مرزا صاحب نے دجال کہا تو ان مولویوں کو یہ سب مطالبے یاد تھے۔ جب نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحب کو خود دجال بنانے لگے تو ان لوگوں کو یہ سب مطالبے بھول گئے۔ پھر سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ ان ہاتھیوں کے دکھانے کے دانت اور ہیں اور کھانے کے دانت اور۔ یہ مقلدین کا گروہ ہے جن کے ننھے کا پیمانہ لینے کے وقت اور ہے اور دینے کے وقت اور ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا ورود لدھیانہ

لدھیانہ میں سب سے بڑا معرکہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے مباحثہ تھا جو ۲۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء سے شروع ہوا اور متواتر کئی دن تک جاری رہا۔ بات یوں ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لدھیانہ میں جو وارد ہوئے تو ڈینگوں کا ایک پُل باندھ دیا کہ مرزا تو میرا شکار ہے۔ میں اس کی تلاش میں اب لدھیانہ آگیا ہوں یہ اب جاتا کہاں ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے مباحثہ کیلئے پیغام بھیجا۔ بعض دوستوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ تو اللہ والے ہیں اور مولوی محمد حسین بٹالوی کا لانگ ہے اس نے بہت موقعوں پر حنفیوں پر فسخ پائی ہے۔ بہت چلتا پُرزا آدمی ہے آپ اس سے بحث نہ کریں۔ آپ جیسے اللہ والوں کا کام بحث مباحثہ نہیں ہوا کرتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کو کوئی اللہ والا ملا نہیں۔ بحث ہونے دو انشاء اللہ اس کی علمیت کی پوری حقیقت کھول دی جائے گی۔ اور یہ جان جائیگا کہ بحث اس کا نام ہے۔ بیچارے ملّانوں سے اس کو پالا پڑتا رہا ہے۔ کسی اللہ والے اور صاحب بصیرت سے اس کو پالا نہیں پڑا۔ اس کے دماغ میں تکبّر کا کیڑا ہے جب تک نہیں نکلیگا تب تک اسے ٹھنڈک نہیں پڑیگی۔ کسی نے عرض کیا کہ بحث کس مسئلہ میں ہوگی۔ فرمایا وفات مسیح میں بحث ہوگی۔ اور یہی اصل ہے۔ عرض کیا گروہ وفات مسیح میں بحث نہ کرے کیونکہ یہ سنا گیا ہے کہ وہ وفات مسیح کے مسئلہ کو نہیں چھیڑے گا۔ وہ تو نزول مسیح کے مسئلہ میں گفتگو کرے گا۔ فرمایا نزول مسیح کا بحث سے کیا تعلق ہے۔ نزول مسیح تو ہم خود بھی مانتے ہیں۔ اگر نزول مسیح ہم نہ مانتے تو ہمارا دعوےٰ مسیح موعود ہونے کا کیسے چل سکتا تھا۔ پھر تو ہمارا دعویٰ اور بنائے دعویٰ ہی غلط ہوگیا۔ اور جو اُس نے نہ مانا اور وفات مسیح کی بحث ترک کی اور نزول مسیح پر ہی زور دیا تو لامحالہ وفات مسیح کی بحث ضمنی طور پر ضرور درمیان میں آوے گی۔ مولوی محمد حسین سے بحث تو ہونے دو پھر دیکھا جاوے گا۔

مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت

اس واقعہ کے دوسرے روز مولوی نظام الدین اور دو تین اور شخص مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان پر جمع تھے۔ مولوی نظام الدین نے کہا کہ حضرت مسیح کی زندگی پر قرآن شریف میں کوئی آیت ہے ہم مرزا تو آیت پر اڑ رہا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بولے کہ بیسیوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ مولوی نظام الدین بولے تو پھر مرزا کے پاس جا کر گفتگو کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں جاؤ۔ مولوی نظام الدین جلدی جلدی حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بہت سے احباب حضرت صاحب کے بھی موجود تھے۔ آتے ہی کہا کہ مرزا جی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مرگئے۔ فرمایا قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے۔ مولوی نظام الدین بولے اگر قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کی حیات کی آیت موجود ہو تو مان لوگے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہم مان لیں گے۔ مولوی

نظام الدین بولے میں ایک دو نہیں اکٹھی بیس آیتیں حضرت عیسیٰ کی زندگی پر لا دوں گا۔ حضرت نے فرمایا "بیس کیا تم ایک آیت ہی لا دو گے تو میں قبول اور تسلیم کر لوں گا۔ اور اپنا دعویٰ مسیح موعود ہونیکا چھوڑ دوں گا اور توبہ کروں گا مگر مولوی صاحب یاد رہے تم کو یا کسی کو ایک آیت بھی حضرت عیسیٰ کی زندگی کی نہیں ملے گی" مولوی نظام الدین کہنے لگے کہ دیکھنا پکے رہنا۔ تم ایک آیت کہتے ہو میں بیس آیتیں لائے دیتا ہوں حضرت اقدس نے فرمایا "تم نے ایک آیت بھی لا دی تو میں ہار گیا اور تم جیت گئے" اس پر مولوی نظام الدین صاحب نے اپنی چادر اور جوتی بھی وہیں چھوڑی اور ننگے پاؤں خوشی خوشی بھاگتے ہوئے مولویوں کے پاس پہنچے اور جا کر کہا کہ میں مرزا کو ہرا آیا ہوں۔ اس پر مولویوں نے انہیں بڑی شاباش دی اور کہا کہ بڑا کام کیا اور خوش ہو کر پوچھا کہ کس طرح ہرا آئے۔ مولوی نظام الدین بولے کہ میں نے مرزا سے تسلیم کروا لیا ہے کہ اگر مسیح کی زندگی کی آیتیں میں نے لا کر دیدیں تو وہ توبہ کریگا پس وہ بیس آیتیں مجھے جلد نکال کر دو۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بولے کہ تم نے حدیثیں پیش نہیں کیں؟ کہا کہ حدیثوں کا تو ذکر ہی نہیں مقدم قرآن شریف ہے۔ اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور عمامہ سر سے اُتار کر پھینک دیا اور کہا کہ تو مرزا کو ہرا کے نہیں آیا ہمیں ہرا کر آیا ہے اور ہمیں شرمندہ کیا۔ میں مدت سے مرزا کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور وہ قرآن شریف کی طرف مجھے کھینچتا ہے۔ قرآن شریف میں اگر کوئی آیت مسیح کی زندگی کی ہوتی تو ہم کبھی کی پیش کر دیتے۔ اسی لئے ہم حدیثوں پر زور دے رہے ہیں قرآن شریف سے ہم سرسبز نہیں ہو سکتے۔ قرآن شریف تو مرزا کے دعوے کو سرسبز کرتا ہے"۔ [1]

مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ تقریر سن کر تو مولوی نظام الدین صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ "جب قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں ہے تو اتنا دعویٰ تم نے کیوں کیا تھا۔ اب میں کیا منہ لے کر مرزا کے پاس جاؤں گا۔ اگر قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں ہے اور وہ تمہارا ساتھ نہیں دیتا بلکہ وہ مرزا کے ساتھ ہے اور اُسی کا ساتھ دیتا ہے تو پھر میں بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس صورت میں میں مرزا کا ساتھ دوں گا۔ یہ دنیا کا معاملہ نہیں۔ دین کا معاملہ ہے۔ جدھر قرآن شریف اُدھر میں"۔

اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ساتھ والے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر بولے کہ مولوی صاحب یہ نظام الدین تو کم عقل آدمی ہے اس کو ابو ہریرہ والی آیت نکال کر دکھا دو۔ مولوی نظام الدین بولے کہ مجھے ابو ہریرہ والی آیت نہیں چاہیئے میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی آیت لوں گا۔ دونو مولوی بولے

---

[1] پیر سراج الحق نعمانی صاحب اپنی کتاب تذکرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہ باتیں کیں۔ اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔

ارے بیوقوف آیت تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہے لیکن ابو ہریرہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ مولوی نظام الدین صاحب بولے "کسی تفسیر کی ضرورت نہیں وہ تو ایک شخصی رائے ہوئی۔ مجھے زید یا بکر کی رائے یا قیاس سے واسطہ نہیں مرزا کا مطالبہ آیات قرآنی کا ہے پس مجھے تو قرآن کی صریح آیت حیات مسیح میں چاہئے" جب کوئی آیت نہ ملی تو مولوی محمد حسین بٹالوی کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص تو ہاتھ سے گیا۔ اس لئے مولوی محمد حسن صاحب کو جو غیر مقلد تھے اور لدھیانہ کے دولتمند رئیس بھی تھے مخاطب کر کے کہنے لگے کہ آپ اس کی روٹی بند کر دیں۔ وجہ یہ تھی کہ مولوی نظام الدین صاحب کھانا مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے ہاں سے کھایا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ دھمکی مولوی نظام الدین صاحب جیسے صاحب ایمان پر کیا اثر کر سکتی تھی۔ وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور ازراہ ظرافت ہاتھ جوڑ کر بولے کہ "مولوی صاحب میں نے قرآن شریف چھوڑا۔ روٹی مت چھڑاؤ" اس بات کے کہنے سے بٹالوی صاحب بہت شرمندہ ہوئے۔ بالآخر مولوی نظام الدین صاحب وہاں سے چلے اور حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں آ کر شرمندہ سے ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے پوچھا کہ "فرمایئے۔ بیس۔ اُنیس۔ دس۔ پانچ۔ دو چار ایک آیت لائے" مولوی نظام الدین صاحب پہلے تو چپ رہے پھر سارا ماجرا عرض کر کے کہا کہ اب تو جدھر قرآن شریف ہے اُدھر میں ہوں۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی بیعت کر لی۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ مولویوں میں ایک شور مچ گیا۔ اور اب مباحثہ کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہونے لگیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ
اور
کتاب الحق مباحثہ لدھیانہ کی اشاعت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ

آخر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے تحریری مباحثہ قرار پا گیا۔ اور اس کیلئے ۲۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء کا دن مقرر ہوا۔ اس مباحثہ کی شہرت لدھیانہ اور باہر کے شہروں میں بہت ہو گئی اس لئے مباحثہ کے وقت لوگ بہت کثرت سے آئے۔ مباحثہ کرنے کیلئے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب حضرت اقدس کے مکان پر آئے۔ ان کے ساتھ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ۔ مولوی سعد اللہ نومسلم اور پانچ سات اور بھی آدمی تھے۔ اور ایک سوال لکھ کر حضرت اقدس کے آگے رکھ دیا حضرت اقدس نے اُس کا جواب لکھ دیا اور پیر سراج الحق نعمانی صاحب جو کتابت کا کام کرتے تھے۔

فرمایا کہ کئی قلم بنا کر میرے پاس رکھ دو اور جو ہم لکھتے جائیں اُس کی نقل کرتے جاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب لکھتے جاتے تھے اور پیر صاحب نقل کرتے جاتے تھے۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق بالمشافہ پرچہ لکھ لینے کے بعد اُسے وہیں جلسہ میں سُنا دیتا تھا اور پھر اُس کی ایک نقل فریق مخالف کو دے دیتا تھا۔ لیکن پہلے ہی دن جب اُس روز کے سوال و جواب لکھ لئے گئے اور سُنا دیئے گئے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے خلاف معاہدہ بغیر لکھے زبانی تقریر بھی شروع کر دی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا صاحب کا جو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف حدیث شریف پر مقدم ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ اور قرآن شریف کے متعلق مسائل کو حدیث کھولتی ہے اور یہی فیصلہ کن ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ معاہدہ پہلے سے ہو چکا تھا کہ سوائے تحریر شدہ پرچوں کے پڑھ دینے کے زبانی تقریر کوئی فریق نہیں کرے گا۔ مگر اب چونکہ مولوی صاحب نے اس معاہدہ کے خلاف تقریر کی ہے اس لئے میرا بھی اب حق ہے کہ میں بھی کچھ تقریر زبانی کروں۔ پھر حضرت اقدس نے جو کچھ فرمایا اس کا لب لباب یہ تھا کہ "یہ عقیدہ کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ وجہ یہ کہ قرآن شریف وحی متلو ہے۔ اور تمام کا تمام قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا اور لکھا جا چکا تھا یہ خدا کا کلام تھا جسے خاص اہتمام سے اپنی زندگی میں حضرت نبی کریم صلعم نے لکھوایا اور جمع کیا۔ مگر حدیث شریف کا ایسا انتظام نہیں تھا۔ پھر بوجہ خدا کا کلام ہونیکے جو مرتبہ اور درجہ قرآن شریف کو حاصل ہے وہ حدیث شریف کو نہیں۔ اور نہ حدیثیں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں لکھی گئیں بلکہ یہ روایت در روایت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس بات کی قسم کھا دے کہ قرآن شریف کا حرف بحرف کلام الٰہی ہے اور جو یہ کلام الٰہی نہیں ہے تو میری بیوی پر طلاق ہے تو شرعاً اس کی بیوی پر طلاق وارد نہیں ہو سکتی۔ اور جو حدیث کی نسبت قسم کھائے اور کہے کہ لفظ لفظ حرف حرف حدیث کا وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو میری بیوی پر طلاق ہے تو بے شک و شبہ اُس کی بیوی پر طلاق پڑ جاوے گی"

اسی طریق پر یہ تحریری بحث کئی روز تک چلتی رہی۔ حضرت اقدس جب اپنا پُر از علم و حکمت پرچہ تحریری سناتے تھے تو چاروں طرف سے واہ واہ کے اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے اور یہاں تک ہوتا تھا کہ سوائے سعد اللہ اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے ان کی طرف کے لوگ بھی بے اختیار سبحان اللہ بول اُٹھتے تھے جس پر بٹالوی صاحب بہت خفا ہوتے اور کہتے کہ لوگو تم سُننے کو آئے ہو یا داد دا اور سبحان اللہ کہنے کو آئے ہو۔ دونوں طرف کی تحریریں الحق مباحثہ لدھیانہ کے نام سے کتاب

کی شکل میں اکتوبر ۱۸۹۱ء میں شائع کر دی گئیں۔ ان تحریروں میں حضرت اقدس نے قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہمی تعلقات اور اُن کے مراتب اور درجہ پر ایسی سیر کن بحث کی ہے کہ علم و حکمت کا ایک دریا بہتا نظر آتا ہے۔ اور اس میں وہ بہترین مسلک نظر آتا ہے جو ایک حق پرست اور معقول پسند مسلمان کا ہو سکتا ہے۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ بحث تو تھی حیات و وفات مسیح پر پھر یہ قرآن شریف اور حدیث شریف کے مقدم اور مؤخر ہونے پر کیوں بحث آپڑی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے جب دیکھا کہ حیات مسیح کے بارے میں قرآن شریف سے تو ہم کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن شریف صاف طور پر صریح آیات میں مسیح کی وفات پیش کرتا ہے تو اُنہوں نے چاہا کہ حضرت اقدس کو حدیث کی طرف لاکر روایتوں کے چکر میں ڈال دیا جائے اور ایک دفعہ جب اس چکر میں پھنس گئے تو پھر بحث ایسی گڑبڑ ہو جائے گی کہ حق و باطل ملتبس ہو جائے گا اور مرزا کچھ بنا نہ سکے گا۔ اس وجہ سے یہ بحث چھیڑ دی کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ حضرت اقدس نے یہ مذہب پیش کیا کہ ہم کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو بشرط مانتے ہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ قرآن شریف حدیث پر مقدم ہے اگر کوئی حدیث قرآن شریف کے خلاف نظر آئے گی تو ہم قرآن شریف کی آیت کی تاویل نہیں کریں گے بلکہ اُس حدیث کی تاویل کریں گے اور اُس کے وہ معنے کریں گے جو قرآن شریف کے مطابق ہوں یا کم از کم اس کے خلاف نہ ہوں۔ اور اگر تاویل کرنے سے بھی قرآن سے وہ تطبیق نہ کھائے گی تو ہم اُس حدیث کو ترک کر دیں گے خواہ وہ روایت کے لحاظ سے صحیح ہی ہو کیونکہ آنحضرت صلعم کا قول یا فعل قرآن کریم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ راویوں سے غلطی ہو سکتی ہے مگر نہ قرآن جو خدا کا کلام ہے اور محفوظ ہے غلط ہو سکتا ہے اور نہ محمد رسول اللہ صلعم کا کوئی قول یا فعل خلاف قرآن ہو سکتا ہے پس درایت کے لحاظ سے وہ حدیث اس قابل ہے کہ رد کر دی جائے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بڑی بات جو نکالی وہ یہ تھی کہ بعض تفصیلات جو قرآن میں نہیں ہیں آخر ہمیں ان کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں نمازوں کی رکعتوں کی تفصیل نہیں ہے تو ہم حدیثوں سے اس تفصیل کو لیتے ہیں۔ اسی طرح مسیح کی حیات و وفات کے بارے میں بھی ہم کیوں نہ حدیث کی طرف رجوع کریں۔ اس کی نسبت حضرت اقدس نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اس قدر معقول اور پُر از حکمت ہے کہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ چند فقروں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیثوں کے دو حصے ہیں۔ ایک تو وہ حدیثیں ہیں جو سنّت اور اُمّت کے تعامل میں آگئی ہیں اُن کی صحت کا پایہ بہت بلند ہے۔ مثلاً نمازوں کی رکعت اس کے قیام و رکوع و سجود کی کیفیات۔ روزے اور زکوٰۃ کے احکام اور حج کے ارکان

کی تفصیلات وغیرہ۔ یہ ارکان آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ہی اُمّت کے تعامل میں آ گئے تھے یعنی آنحضرت صلعم اور آپ کی ساری قوم اُن پر عمل کرتی تھی۔ ابھی احادیث جمع بھی نہیں ہوئی تھیں تب بھی تمام عرب وعجم کے مسلمان اسی طرح نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے۔ زکوٰۃ دیتے، حج کرتے تھے جیسے کہ ہم کرتے ہیں ان چیزوں کو حدیثوں کے جمع ہونے سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یہ قرآن کریم کے احکام کی عملی شکلیں تھیں جو سنت اور تعامل کے ذریعہ قوم میں مروّج تھیں۔ گویا اُن کی صحت پر خود حضرت نبی کریم صلعم کے زمانہ سے ہر تصدیق لگی ہوئی چلی آتی ہے۔ پس وہ حدیثیں جو سنّت اور تعامل کے متعلق ہیں اُن کی صحت پر جسقدر یقین ہو سکتا ہے وہ دوسری احادیث پر جو تعامل میں نہیں آئیں بلکہ محض اقوال کی حیثیت میں ہم تک پہنچیں نہیں ہو سکتا وہ ظن کی حدود سے کسی طرح آگے نہیں بڑھتیں جبتک قرآن کریم اُن کی تصدیق نہ کرے۔ سنت وتعامل کی حدیثیں تو دراصل قرآن کریم کے ہی احکام کی تعمیل کو عملی شکل میں ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً قرآن نے اقیموا الصّلوٰۃ کا حکم دیا تو محمد رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھ کر دکھا دی۔ اُمت نے اُس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ گویا قرآن کریم کے حکم کو سنت اور تعامل نے ایک عملی شکل میں پیش کر دیا۔ یہ بیشک تفصیل ہے مگر عمل سے ہے نہ کہ قول سے۔ اس عملی تفصیل میں بھی پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کوئی عمل قرآن کریم کی صریح آیت کے معارض تو نہیں۔ اگر معارض ہوگا تو وہ محمد رسول اللہ کا عمل تو نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ تفصیل اور چیز ہے اور کسی امر کا معارض ہونا اور چیز ہے۔ پس تفصیل میں بھی یہ امر ضرور ملحوظ رکھا جائیگا کہ وہ قرآن کریم کی کسی صریح آیت کے معارض تو نہیں۔ پس جب تعامل میں بھی ہم قرآن کریم کے مقدم ہونے کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو چہ جائیکہ وہ احادیث جو تعامل سے تعلق نہیں رکھتیں یعنی جن پر سنت اور تعامل کی مہر تصدیق نہیں ہے اُن کی حیثیت ظن سے کسی صورت متجاوز نہیں ہو سکتی جب تک وہ قرآن کریم سے تطبیق نہ کھا دیں۔ بالخصوص وہ حصّہ احادیث کا جو اخبار اور مواعید اور قصص اور واقعات گذشتہ سے متعلق ہے اس شرط سے ہی قبول کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے اخبار وغیرہ سے معارض نہ ہو۔ غرضکہ یہ بحث اس قدر لطیف اور تسلی بخش اور معقول ہے کہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ ایک طرف اہل حدیث حدیثوں کو قرآن کریم پر مقدم کر رہے ہیں اور دوسری طرف چکڑالوی حدیثوں کو نعوذ باللہ مجموعۂ اباطیل قرار دے کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک رہے ہیں۔ اس کتاب الحق مباحثہ لدھیانہ کو پڑھ کر سمجھ آتا ہے کہ صراط مستقیم کیا ہونی چاہئے اور اس زمانہ کے مجدّد نے اس معاملہ میں کتنی عظیم الشان خدمت اسلام اور مسلمانوں کی کی ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے جو مسیح موعود کو حکم فرمایا تھا وہ اسی لحاظ سے فرمایا تھا کہ وہ اس ضلالت و فتن کے زمانہ میں جو فیصلہ دیگا وہی صراط مستقیم ہوگا کیونکہ اس کا قدم عین قرآن وسنّت پر ہوگا

اور اُس کا علم آسمانی ہوگا نہ کہ زمینی۔

چھ سات روز تک یہ مباحثہ حضرت اقدس کے مکان پر ہوتا رہا۔ اس کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے پَیر پھیلائے اور چاہا کہ کسی طرح پیچھا چھوٹے۔ بہانہ یہ بنایا کہ اتنے روز تو آپ کے مکان پر مباحثہ رہا اب میری جائے فرودگاہ یعنی مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے مکان پر ہونا چاہیئے حضرت اقدس نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ اور باقی دنوں میں مولوی محمد حسن صاحب کے مکان پر مباحثہ ہوتا رہا۔ تیرہ روز تک یہ مباحثہ رہا۔ یہاں تک کہ لوگ بہت تنگ آگئے۔ اور چاروں طرف سے خطوط آنے لگے اور خاص کر لدھیانہ کے لوگوں نے اور اُن لوگوں نے جو دُور دُور سے مباحثہ سُننے آتے تھے غل مچایا کہ کہاں تک اصول موضوعہ میں بحث ہوتی رہے گی۔ خدا کے لئے اب اصل مبحث حیات و ممات مسیح کو لیا تاکہ پبلک کسی صحیح نتیجہ پر پہنچے۔ حضرت اقدس نے بھی بار بار اس طرف توجہ دلائی۔ مگر مولوی محمد حسین صاحب اس اصل مسئلہ کی طرف نہ آئے پر نہ آئے۔ حیات مسیح پر دلائل تو ہاتھ میں تھے نہیں اسلئے اس کو ٹالتے رہنے میں اُنہوں نے اپنی مخلصی سمجھی۔ تیرھویں دن عیسائی مسلمان ہندو وغیرہ پبلک کا بہت ہجوم ہوگیا اور مکان کا دروازہ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ نے باشارۂ مولوی محمد حسین صاحب بند کر رکھا تھا کہ آدمی مرزا صاحب کا مضمون سننے کے لئے اندر نہ آسکیں۔ حضرت اقدس تو بعہ مولوی عبدالکریم صاحب و دیگر احباب اندر جا چکے تھے۔ مگر پیر سراج الحق نعمانی جن کے پاس اصل مضمون تھا جس کی نقل وہ رات بھر کرتے رہے تھے تاکہ فریق مخالف کو اصل پرچہ کی نقل دیدی جائے بعد میں پہنچے۔ مکان کے دروازہ پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور سینکڑوں آدمی باہر کھڑے تھے۔ بمشکل تمام مولوی نظام الدین صاحب نے دروازہ کھلوایا تو پیر صاحب اندر داخل ہوئے مگر اُن کے ساتھ ہی وہ باہر کے سارے آدمی اندر گھس گئے۔ مولوی محمد حسن اور مولوی محمد حسین بٹالوی کا چہرہ زرد ہوگیا۔ مولوی محمد حسن پیر صاحب پر بہت بگڑے کہ تم کیوں اندر آگئے۔ اُنہوں نے کہا میں کیسے نہ اندر آتا کہ تب مباحثہ تو میں ہوں۔ خیر اُس روز جو حضرت صاحب نے پرچہ سنانا شروع کیا تو وہ اسقدر زبردست دلائل سے پُر تھا کہ مولوی بٹالوی صاحب کا چہرہ سیاہ پڑگیا اور ایسے حواس باختہ ہوئے کہ نوٹ کرنے کیلئے جو قلم اُٹھایا تو قلم بجائے دوات کے زمین پر مارتے رہے۔ جب متواتر قلم زمین پر ہی رگڑتے چلے گئے اور دوات جوں کی توں رکھی رہ گئی تو قلم کی ساط کیا تھی وہ ٹوٹ گئی تب اپنی غلطی کا پتہ لگا۔ اس کے علاوہ نہایت خلاف تہذیب کلمات استعمال کرتے رہے۔ حضرت اقدس کے پرچہ سنانے میں جب یہ تحریر آئی کہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حدیث معارض قرآن ہو وہ چھوڑ دی جائے اور قرآن کو لے لیا جائے تو اس پر مولوی

محمد حسین بٹالوی صاحب کو نہایت غصہ آگیا اور بیچ میں بول پڑے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے اگر یہ حدیث بخاری میں ہو تو میری دو نو بیویوں پر طلاق ہے۔ اس طلاق کے لفظ پر لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب سے مارے شرم کے کچھ بن نہ پڑا۔ بعد میں لوگوں کے سامنے مولوی صاحب مکر گئے کہ نہیں نہیں میری دو نو بیویوں پر طلاق نہیں پڑی۔ اور نہ میں نے طلاق کا نام لیا ہے۔ اور اس طرح خود ہی اپنی اس حماقت کو مشتہر کرتے پھرے۔ اس پرچہ کے ساتھ حضرت اقدس نے یہ بھی اعلان کیا کہ تیرہ روز محض اس اصول موضوعہ پر بحث کرتے گزر گئے اب اس بحث کو اس سے زیادہ طوالت دینے کی ضرورت نہیں۔ مناسب ہے کہ اب اصل مبحث حیات و وفات مسیح پر بحث شروع کی جائے۔ لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے پاس حیات مسیح کے بارے میں دلائل ہی کہاں تھے جو وہ ادھر آتے۔ وہ اسی پر اڑ گئے کہ پہلے میری بات مانو گے یعنی حدیثوں کو قرآن شریف پر مقدم کرو گے تو بحث کروں گا ورنہ نہیں جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ قرآن کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں۔ پھر ایک اور شوشہ یہ چھوڑا کہ ابھی تو میرے اور بہت سے اصول موضوعہ ہیں جن پر بحث کرنی ہے۔ لوگ سخت بددل ہوئے اور آخر سب کی اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ مباحثہ اصل موضوع حیات و ممات مسیح پر ہو تو چلایا جائے ورنہ ادھر اُدھر کی بیکار بحث کو بند کر دیا جائے۔ مولوی صاحب خدا سے یہی چاہتے تھے۔ نہ مانے۔ آخر چار و ناچار مباحثہ ختم ہو گیا۔

میر عباس علی کا ارتداد میر عباس علی صاحب ابتدا سے ہی کچھ کمزور طبیعت کے آدمی واقع ہوئے تھے۔ حضرت اقدس سے عقیدت کے زمانہ میں بھی ذرا ذرا سی باتوں پر جو ان کے خلاف طبع ہوں انکو انقباض ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اُن کو کئی بار جتلا بھی دیا کہ مجھے کشفی نظر میں آپ کی طبیعت میں انقباض معلوم ہوتا ہے لیکن اُمید ہے کہ آپ کی فطرت سلیمہ اُسے رد کر دے گی۔ مسیح موعود کا دعوے ان کو کچھ گراں گزرا تھا۔ مگر خیر وہ ابھی تک لگے لپٹے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ کیمیا گری کا انکو خبط تھا حضرت اقدس اس کو لغو سمجھتے تھے اس سے اور انقباض پیدا ہوا۔ مباحثہ کے دوران میں وہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے جائے قیام پر ان کے پرچہ کی نقل لینے جایا کرتے تھے۔ بس یہ وہاں کا روز روز کا جانا غضب ہو گیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی محمد حسن اُن کو کھانا کھلانے لگے۔ اور جب یہ جاتے تو سر و قد تعظیم کو کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ میر عباس علی صاحب آپ تو سید ہیں۔ آلِ رسول ہیں۔ تمہارا تو وہ مرتبہ ہے کہ لوگ تم سے بیعت ہوں اور تم افسوس ہے کہ مرزا کے مرید ہو گئے جو دین سے پھر گیا۔ برگشتہ ہو گیا۔ امام مہدی ہونیکا بھی تو دعویٰ کرتا ہے حالانکہ امام مہدی تو سیدوں میں سے ہو گا۔ یہ

مغل بچے کہاں سے بن گیا۔ (نعوذ باللہ منہا) یہ دونو مولوی میر عباس علی صاحب کے ہاتھوں کو چومتے اور دو ایک روپے بھی نذرانہ کا دیتے اور کہتے کہ تمہاری شان اعلیٰ وارفع وہ ہے کہ تم درود میں شریک ہو اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ تم اس رتبہ کے آدمی ہو کر افسوس کہاں اور کس مرتد کے مرید ہو گئے۔ میر عباس علی صاحب پھول کر کپا ہو گئے اور ان کے اعتقاد میں تزلزل واقع ہو گیا۔ اب تک تو انکی نسبت سادات مشتبہ تھی۔ ان دو نو چالاک مولویوں نے جب اُن کے سید ہونے پر مہر لگا دی تو بہت خوش ہوئے نتیجہ یہ کہ ایک روز مخالفت کی ہوا میں بھرے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں تو تمہارا مرید ہو کر شرمندہ ہوا۔ تم نے ایسا دعویٰ کر دیا ہے کہ جس سے ہمیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ میر صاحب میں نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ میری بات پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مسیح موعود اور مہدی موعود کہا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور قسم کھا کر کہ اُس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔ اور سچا ہوں اور راست گو ہوں۔ کیا اتنے روز سے تم نے میرا کوئی جھوٹ سُنا یا مجھ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا میں نے کوئی افترا کیا۔ یا کوئی منصوبہ باندھا۔" اس تقریر کو سُن کر حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ اور آپ اس وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ایک چکر لگایا۔ لیکن میر عباس علی برابر نہایت ترشروئی سے انکار کرتا گیا۔ حضرت اقدس بڑی مبسوط اور مدلّل تقریر فرماتے رہے۔ اور سخت سے سخت خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کر نہایت نرمی سے سمجھاتے رہے۔ مگر جیسے جیسے حضرت اقدس نرمی اور محبت و شفقت فرماتے گئے میر عباس علی کی شوخی اور گستاخی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ بہت حد سے بڑھ گیا۔ حضرت اقدس نے تو کچھ نہ کہا مگر مولوی عبدالکریم صاحب سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُنہوں نے ایک ڈانٹ بتائی کہ "او گستاخ۔ خدا کا مامور اور مسیح تو اس نرمی اور شفقت سے بات کر رہا ہے اور تو اس قدر شوخی اور گستاخی سے کلام کرتا ہے کہ حد سے گزر گیا۔ چل دفع ہو یہاں سے۔ جا کر ان دو نو دابۃ الارض مولویوں سے اپنے ہاتھ چُموا جنہوں نے تجھے سید بنایا ہے۔" میر عباس علی یہ ڈانٹ سُن کر کافور ہو گیا اور اُٹھ کر چل دیا۔ اور روز بروز قسی القلب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے مخالفت میں ایک اشتہار بھی نکالا۔ اور آخر کار ذلّت کی موت مرا۔ اور یہی دوسرے مخالف مولویوں کا انجام ہوا جو اُس وقت لدھیانہ میں مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ مولوی شاہدین مجنون اور مختل الحواس ہو کر مرا اور ان تینوں مولویوں مولوی عبدالعزیز اور مولوی عبداللہ اور مولوی محمد پر مقدمات بنے۔ گرفتار ہوئے اور آخر ذلّت کی موت مرے۔ مولوی سعداللہ لُدھیانوی جو سخت بدزبان تھا آخر کار نمونیا پلیگ سے مرا۔ اور اس کا بیٹا بھی مرا اور اس کی نسل ہی منقطع ہو گئی۔ اور

ادھر حضرت اقدس کی دن دونی رات چوگنی عزت و حرمت بڑھتی گئی اور جماعت روز بہ روز ترقی کرتی گئی۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آخر لدھیانہ سے نکالے گئے

اس مباحثہ لدھیانہ سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو بہت زک پہنچی اور اب اُن کا کام فقط یہ رہ گیا تھا کہ لوگوں کو حضرت اقدس کے خلاف بھڑکاتے اور لوگوں میں شورش پیدا کرتے۔ محرم قریب تھا۔ لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں لدھیانہ میں ان مولویوں کی وجہ سے فساد نہ ہو جائے۔ ان کو لدھیانہ سے رخصت کرنا چاہئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ڈپٹی دلاور علی صاحب اور کرم بخش صاحب تھانیدار کو مقرر کیا۔ ان لوگوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سُنا کر لدھیانہ سے رخصت کیا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس خیال سے کہ شاید ان کیلئے بھی ایسا کوئی حکم بعد میں آجاوے ایک چٹھی ڈپٹی کمشنر لدھیانہ کو بھیجی جس میں آپ نے اپنے پُرامن مسلک اور شرافت خاندان کا ذکر کر کے اُس کا عندیہ دریافت کیا۔

قیام امرتسر

اِس خیال سے کہ اندفاع پیش کرنے کی تجویزیں کرنے اور حکام تک رسائی حاصل کرنے کے جھگڑے سے یہی بہتر ہے کہ ہم لدھیانہ خود ہی چھوڑ دیں۔ شیخ نور احمد مرحوم مالک مطبع ریاض ہند نے امرتسر میں رہائش کیلئے ایک مکان کا انتظام کر دیا جو ہال بازار کے قریب کنھیا لعل کے تھیٹر کے متصل تھا۔ چھوٹا سا مکان تھا۔ اوپر کے کمرہ میں حضرت مرزا صاحب بمعہ اہل و عیال خود رہتے تھے اور نیچے تین چار آپ کے مریدوں میں سے ٹھیر گئے۔ شہر میں ایک شور پڑ گیا۔ اور کثرت سے لوگ حضرت اقدس سے ملنے اور موافقت یا مخالفت میں باتیں کرنے کے واسطے آنے لگے۔ اُن دنوں فرقہ اہل حدیث کے ایک مولوی احمد اللہ نامی تھے جو غزنویوں کی مسجد میں جمعہ کے دن امام ہوا کرتے تھے۔ غزنویوں کے ساتھ بعض معاملات میں کچھ اختلاف رکھتے تھے اور آپس میں ان کا جھگڑا چلا ہوا تھا۔ اُن کے پہلے جھگڑوں پر ایک مزید جھگڑا یہ پیدا ہوا کہ غزنوی صاحبان یہ چاہتے تھے کہ مولوی احمد اللہ صاحب اپنے خطبہ اور وعظ میں حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ پیش کریں مگر وہ اس سے پرہیز کرتے تھے۔ امرتسر کے ایک معزز رئیس نے حضرت مرزا صاحب اور آپ کے خدام کی دعوت کی اور اُس میں مولوی احمد اللہ صاحب کی بھی دعوت کی۔ دعوت کے موقعہ پر سلسلہ گفتگو میں مولوی احمد اللہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ آپ کی بعض تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اسلئے لوگوں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ حضرت صاحب نے اس کی تشریح فرمائی کہ میری مراد اس سے فقط محدثیت ہے۔ جس پر اُن مولوی صاحب نے کہا کہ اچھا آپ تحریر کر دیں کہ آپ کی تحریرات میں جہاں کہیں نبوت کا لفظ ہے وہ ایسا نہیں کہ جو ختم نبوت کے منافی ہو۔ اور اس سے مراد فقط محدثیت ہے۔ حضرت

مرزا صاحب نے فرمایا کہ بیشک میں لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت آپ نے اس مضمون کی ایک تحریر لکھ کر مولوی صاحب موصوف کو دیدی جو کہ اُنہوں نے اپنے پاس رکھ لی تاکہ اُن لوگوں کو دکھائیں جو اس وجہ سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔

انہی دنوں میں ایک دن بعض شریر لوگ مخالف مولویوں کے بہکانے سے اس مکان پر حملہ کر کے آگئے جہاں حضرت مرزا صاحب ٹھیرے ہوئے تھے۔ اور مکان کے اُوپر زنانہ میں گھسنا چاہتے تھے۔ مگر آپکے چند خدام نے جو آپ کے ساتھ تھے بڑی ہمت سے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر اُن لوگوں کو روکا۔ اور بعد میں پولیس کے پہنچ جانے پر وہ لوگ منتشر ہوئے۔ بعض احباب مختلف شہروں سے بھی امرتسر پہنچ گئے۔ لیکن جلد ہی ڈپٹی کمشنر لدھیانہ کی چٹھی پہنچ گئی جس میں آپ کو صاف طور پر لکھا تھا کہ آپ لدھیانہ ٹھیر سکتے ہیں۔ اخراج کا حکم فقط مولوی محمد حسین بٹالوی کے لئے تھا جو مفسدہ پردازیاں کرتا تھا۔ چنانچہ میں اُس چٹھی کو جو ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے آپ کو بھیجی تھی یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ وھوہذا:۔

"از پیشگاہ مسٹر ڈبلیو چیوس صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ

میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سلامت۔ چٹھی آپ کی مؤرخہ دیروزہ موصول۔ ملاحظہ و سماعت ہو کر بجواب تحریر ہے کہ آپ کو بتابعت وملحوظیت قانون سرکاری لدھیانہ میں ٹھیرنے کے وہی حقوق حاصل ہیں جیسے کہ دیگر رعایا تابع قانون سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔

المرقوم ۶۔ اگست ۱۸۹۱ء۔ دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر"

اس چٹھی کے پہنچنے کے بعد آپ واپس لدھیانہ تشریف لے گئے۔ جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو یہ پتہ لگا کہ حضرت مرزا صاحب کو کسی نے کچھ بھی نہیں کہا اور صرف میں ہی لدھیانہ سے شہر بدر کیا گیا ہوں تو لاہور جا کر بہت شور مچایا کہ کیا وجہ ہے کہ صرف مجھے نکالا گیا اور مرزا غلام احمد کو لدھیانہ میں ہی رہنے دیا گیا۔ مگر کسی حاکم نے شنوائی نہیں کی۔

سائیں گلاب شاہ صاحب کی شہادت اِدھر مخالفت کا طوفان بپا تھا اُدھر اللہ تعالیٰ سعید روحوں کو جمع کر رہا تھا جو حضرت صاحب کی خدمت میں آتے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ انہی میں میاں کریم بخش صاحب مرحوم بھی تھے جو موحد اہل حدیث تھے اور بہت متقی اور ثقہ آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت سائیں گلاب شاہ مرحوم کی شہادت پیش کی اور اسی شہادت کی بنا پر حضرت اقدس کی بیعت کی۔ مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ نے میاں کریم بخش کو بہت روکا کہ وہ سائیں گلاب شاہ صاحب کی شہادت نہ بیان کرے۔ لیکن وہ خدا ترس متقی انسان شہادت ادا کرنے سے نہ رُکا۔ حضرت اقدس نے اس شہادت کا ذکر ازالہ اوہام حصہ دوم

میں کیا ہے تفصیل جس نے دیکھنی ہو وہاں دیکھے۔ یہاں میں اُس شہادت میں سے کچھ اقتباس پیش کرتا ہوں۔

"میرا نام کریم بخش والد کا نام غلام رسول قوم اعوان ساکن جمالپور اعوانہ تحصیل لدھیانہ پیشہ زمینداری عمر تخمیناً چونسٹھ ۶۴ سال مذہب موحد اہل حدیث حلفاً بیان کرتا ہوں کہ عرصہ تخمیناً تیس یا اکتیس سال کا گزرا ہوگا یعنی سمت ۱۹۱۷ میں جبکہ سن سترہ کا ایک مشہور قحط پڑا تھا ایک بزرگ گلاب شاہ نام جس نے مجھے توحید کا رستہ سکھلایا اور جو باعث اپنے کمالاتِ فقر کے بہت مشہور ہوگیا تھا۔ اور اصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا۔ ہمارے گاؤں جمالپور میں آرہا تھا۔ اور ابتدا میں ایک فقیر سالک اور زاہد اور عابد تھا اور اسرار توحید اُس کے منہ سے نکلتے تھے آخر اُس پر ایک بیخودگی اور بیہوشی طاری ہو کر مجذوب ہوگیا۔ اور بعض اوقات قبل از ظہور بعض غیب کی باتیں اسکی زبان پر جاری ہوتیں اور جس طرح وہ بیان کرتا اُسی طرح پوری ہو جاتیں ..... (یہاں اس بزرگ کی چند پیشگوئیوں کا ذکر ہے جو من وعن پوری ہوئیں۔ ناقل) ..... اس بزرگ نے ایک دفعہ جس بات کو تیس سال کا عرصہ گزرا ہوگا مجھ کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہوگیا ہے اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالیگا۔ اور قرآن کے رُو سے فیصلہ کرے گا۔ اور پھر کہا کہ مولوی اُس سے انکار کریں گے۔ پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے۔ تب میں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں ہوگئیں اور شاعری زبان پھیل گئی (یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپا دیا گیا جیسے شاعر مبالغات پر زور دیکر اصل حقیقت کو چھپا دیتا ہے) پھر کہا کہ جب وہ عیسیٰ آئے گا تو فیصلہ قرآن سے کرے گا۔ پھر اُس مجذوب نے بات کو دُہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کر جائیں گے۔ پھر یہ کہا کہ انکار کریں گے۔ اور جب وہ عیسیٰ لدھیانہ میں آئے گا تو قحط بہت پڑے گا۔" پھر میں نے پوچھا کہ عیسیٰ اب کہاں ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ "بیچ قادیان کے" یعنی قادیان میں۔ تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس ہے۔ وہاں عیسیٰ کہاں ہیں (لدھیانہ کے قریب بھی ایک گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے) اسکا انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ضلع گورداسپور میں بھی کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور کعبہ پر اُتریں گے۔ تب اُنہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا ہے اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ مر گیا ہے ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے

اور کہا کہ جو آسمانوں والے صاحب ہیں وہ کسی کے پاس چل کر نہیں آیا کرتے"

(المظہر۔ میاں کریم بخش بمقام لدھیانہ محلہ اقبال گنج ۱۴۔ جون ۱۸۹۱ء روز شنبہ)

ازالۂ اوہام کی تصنیف و اشاعت

ازالۂ اوہام کی اشاعت

اس کے بعد کچھ عرصہ حضرت اقدس لدھیانہ ٹھیرے رہے کیونکہ آپ ازالۂ اوہام کی تصنیف میں مشغول تھے۔ آخر اسی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں آپ نے کتاب ازالۂ اوہام دو حصوں میں شائع فرمائی جس میں وفات مسیح پر قرآن کریم کی **تیس آیات بینات** پیش کی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور اپنے دعوئے مسیحیت پر بھی نہایت سیر کن بحث کی ہے۔ اور ان مسائل کے تمام پہلوؤں پر ایسی روشنی ڈالی ہے کہ گویا دن چڑھا دیا ہے۔

توفّی کے معنے پر ہزار روپے کا انعام

قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت صریح توفّی کا لفظ موجود ہوتے ہوئے جس کے معنے ہیں وفات دینا یا قبض رُوح کرنا۔ مثلاً یٰعیسٰی انّی متوفیک ورافعک الیّ کہ اے عیسٰی میں تیری قبض رُوح کرنیوالا ہوں یعنی وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف رفع کرنیوالا ہوں پھر اللہ تعالیٰ کی بازپرس پر حضرت عیسٰی کا یوں کہنا کہ فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کہ جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تُو اُن پر نگہبان تھا (المائدہ) نہایت صفائی سے واضح کر دیتا ہے کہ حضرت عیسٰی کو خدا بنانے کا فتنہ اُن کی وفات کے بعد پیدا ہُوا۔ باایں ہمہ مولویوں کا اُن کو زندہ آسمان پر چڑھانا کیا معنی رکھ سکتا ہے سوائے اس کے کہ اپنے غلط اعتقادات کو قائم رکھنے کے لئے قرآن کریم کے صریح الفاظ توفّی وغیرہ کو اُن کے اصل معنوں سے پھیرا جاتا ہے۔ اور توفّی کے معنے بجائے قبض رُوح کے کرنے کے پُورا پُورا بھر لینا کئے جاتے ہیں جس سے آیت کے معنے ہی مہمل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نہایت تحقیقات کے بعد حضرت مرزا صاحب نے اسی کتاب ازالۂ اوہام کے ساتھ ایک اشتہار دیا کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے۔ احادیث سے۔ عربی کی کسی لغت یا کتاب سے توفّی کے معنے جب خدا فاعل ہو اور ذی رُوح مفعول ہو قبض رُوح کے سوا کچھ اور نکال کر دکھائے تو اُسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ابتدا میں اس پر بعض مولوی دوڑے آئے کہ دیکھو قرآن میں ہے ثمّ توفّی کُلّ نفسٍ ما کسبت کہ ہر ایک نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ پُورا پُورا دیا جائیگا۔ اب لاؤ ایک ہزار روپیہ انعام۔ لیکن جب اُن کی غلطی اُن پر واضح کی گئی تو بہت شرمندہ ہونا پڑا۔ غلطی یہ تھی کہ توفّی باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر ہے توفیہ جس کے معنے ہیں پُورا پُورا دینا۔ اُس کا فاعل ہوگا مُوَفِّی جس کے معنے ہیں پُورا پُورا دینے والا۔ اور توفّی جس کے معنے

ہیں پورا پورا لینا۔ وہ ہے باب تفعّل سے۔ اس کا مصدر ہے تَوَفّیٰ اس سے فاعل ہوگا مُتَوَفّی۔ اس باب میں جب خدا فاعل ہوگا اور ذی رُوح مفعول ہوگا تو توفّی کے معنے سوائے قبض رُوح کے اور کچھ نہیں ہوتے پورا پورا لینا یہاں اس کے معنی قطعاً نہیں ہوتے۔ اسی لئے اہل لغت نے توفاہ اللہ الگ لکھ کر معنے کئے ہیں کہ اللہ نے اس کی رُوح قبض کی۔ دیکھو تاج العروس وغیرہ۔ جب بعض مولویوں نے اس طرح منہ کی کھائی تو پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس انعام کیلئے حریف بن کر سامنے آتا۔

دجّال پر بحث

حضرت مسیح ابن مریم کی وفات اور اپنے دعاوی کے علاوہ جو بات حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں صاف کی ہے وہ ہے دجّال کی پیشگوئی۔ یہاں اس پیشگوئی پر مفصل بحث کرنے کا موقع نہیں لیکن بات کو سمجھ لینے کے لئے اتنا ضرور یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیثوں میں دجّال کی پیشگوئی مسیح موعود کی پیشگوئی کے ساتھ اسقدر ملی ہے کہ دونو کو الگ کرنا مشکل ہے۔ آپ نے مسیح موعود کا جب دعویٰ کیا تو ضروری تھا کہ دجّال کے متعلق بھی بات کو صاف کرتے کہ دجّال سے کون لوگ مراد ہیں۔

دجّال کی تشریح آپ نے بتایا کہ **دجّال** دجل سے مشتق ہے جس کے لغوی معنے ہیں ڈھانک لینا۔ لسان العرب میں ہے کہ دجّال اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ جھوٹ سے حق کو ڈھانک لیگا یعنی اُس پر پردہ ڈال دے گا یا اپنی جماعتوں کی کثرت سے زمین کو ڈھانک لیگا۔ اور لغت میں اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ ایسا گروہ جو تجارت کیلئے اپنا سامان اُٹھائے پھرے۔ گویا زمین کو اپنے سامان تجارت سے ڈھانک دے۔ حدیثوں میں جو کچھ دجّال کی نسبت پیشگوئی ہے وہ سب کی سب آنحضرت صلعم کے کشوف یا رویا ہیں اور وہ متفرق نظارے ہیں جو آپ کو مختلف موقعوں پر دکھائے گئے۔ اب ظاہر ہے کہ کشوف یا رویا ہمیشہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے کہ بادشاہ مصر نے سات موٹی گائیں اور سات دبلی گائیں رویا میں دیکھیں جن سے مراد سات خوشحالی کے سال اور سات قحط کے سال تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے رویا میں دیکھا کہ آپ کے بعد سب سے پہلے آپ کی وہ بی بی وفات پائیگی جس کے سب سے زیادہ لمبے ہاتھ ہیں۔ چنانچہ آپ کے سامنے سب بیبیوں نے ہاتھ ناپے اور آپ نے منع نہیں کیا پس چونکہ حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے لیکن آپ کی وفات کے بعد جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ بنت جحش کا انتقال ہوا تو پتہ لگا کہ لمبے ہاتھوں والی سے مراد تھی سب سے زیادہ سخاوت کرنیوالی۔ اسی طرح دجّال کی پیشگوئیاں بھی تعبیر طلب ہیں اور اُن میں مجاز اور استعارہ بہت ہے

جیسا کہ اکثر رویا اور کشوف میں ہوتا ہے، مگر ظاہر الفاظ میں پورا ہوتے دیکھنے کی توقع رکھنا غلطی ہے۔

دجّال کی پیشگوئی کو خود صحابہ نے کیا سمجھا

اب دیکھنا یہ ہے کہ دجّال کی پیشگوئی کو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں خود صحابہ کرام نے کس رنگ میں لیا۔ آیا وہ اُسے لفظاً لفظاً پورا ہوتے دیکھنے کے منتظر تھے یا اُسے تعبیر طلب سمجھتے تھے۔ اس کے لئے ابن صیاد کا واقعہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ صحابہ کرام نے ابن صیاد کو فقط اتنی سی بات پر دجّال معہود سمجھ لیا کہ وہ دل کی بعض باتوں کو بُوجھ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کے سامنے حضرت عمر جیسے فہمیدہ انسان نے قسم کھا کر کہا کہ یہ ذہبی دجّال معہود ہے۔ اور آپ صلعم نے اسکی تردید نہیں کی۔ آپ نے قطعاً نہیں فرمایا کہ میں نے تو جو پیشگوئی کی ہے اُس میں دجّال کو کانا بتایا ہے اور ابن صیاد کانا نہیں۔ نہ اُس کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ گدھا کہاں ہے جس کی میں نے اس قدر تفصیل بیان کی تھی اور دجّال کی نسبت یہ بھی تو میں نے بتایا تھا کہ وہ مکہ مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور یہ شخص تو خود مدینہ میں موجود ہے لیکن نہیں۔ اس پیشگوئی سے صحابہ اور خود جناب رسالتمآب صلعم نے یہی سمجھا کہ دجّال سے مراد کوئی ایسا شخص ہے جو دین میں فتنہ پیدا کرے گا اور بس۔ چنانچہ ابن صیاد سے جو فتنہ پیدا ہوتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ بس یہ وہی دجّال ہے۔ حالانکہ وہ بیچارہ بعد میں مسلمان بھی ہوگیا۔

فتنۂ دجّال سے مراد فتنۂ مسیحیت ہے

دجال کی پیشگوئی کو سمجھنے کے لئے خود آنحضرت صلعم کا ایک قول بہت ہی واضح ہے صحیح احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد موجود ہے کہ دجال کے فتنہ سے بچنے کے لئے قرآن کریم میں سے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات اور پچھلی دس آیات کو پڑھا کرو۔ سو جب ہم سورۂ کہف کی پہلی دس آیات کو پڑھتے ہیں تو اُس میں **مسیحیت** کے فتنہ کا ذکر پڑھتے ہیں۔ اور آخری دس آیات میں مسیحی قوموں کی مادہ پرستی اور مادی ترقیات کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے عیسائیت کے غلبہ کو ہی فتنۂ دجّال قرار دیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر جس چیز کو حدیث میں فتنۂ دجّال کے نام سے بیان کیا گیا ہے قرآن نے اُسے **فتنۂ مسیحیت** کہا ہے۔

دجّال کا حلیہ

رویا یا کشف میں کسی قوم کو کسی فرد واحد کی شکل میں بطور استعارہ و مجاز دکھایا جانا کوئی مستبعد امر نہیں بالخصوص جب کسی قوم کی نمایاں خصوصیات کو سامنے لانا مقصود ہو۔ حضرت نبی کریم صلعم کی ان پیشگوئیوں میں جو دجال کے بارے میں ہیں اہل یورپ کا خدوخال ایک شخص واحد کی شکل میں بطور مجاز اور استعارہ کے اس خوبصورتی سے دکھایا ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ صحیح بخاری میں جو مختلف روایات ہیں ان سب کو پڑھ کر دجال کا جو حلیہ پیش نظر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جسم کے لحاظ

سے قوی الجثہ۔ رنگ کے لحاظ سے سفید اور روشن رنگت والا۔ سر کے بال چھوٹے اور گھنگریالے۔ یہ تینوں باتیں اہل یورپ کے ظاہری خدوخال پر نہایت صفائی سے صادق آتی ہیں۔ اور اب تو ان کی عورتیں بھی بال چھوٹے اور مصنوعی طور پر گھنگریالے بنانے لگی ہیں۔ یہ تو ہوا جسمانی حلیہ۔ اب روحانی حلیہ ملاحظہ ہو۔ اس کے متعلق دو باتیں حدیثوں میں بہت صفائی سے بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی اور دوسرے یہ کہ اُس کی پیشانی پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوگا۔ یہ دونوں باتیں اہل یورپ کی رُوحانیت کے خدوخال کے متعلق ہیں۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ اس کی دائیں آنکھ کانی ہوگی وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کی دوسری آنکھ ایسی چمک رہی ہوگی گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔ یعنی دائیں آنکھ تو بالکل ماری ہوئی ہوگی اور بائیں آنکھ حد سے زیادہ روشن ہوگی۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں ایک دینی اور رُوحانی امور کو دیکھتی ہے اور دوسری جسمانی اور مادی امور کو دیکھتی ہے۔ چونکہ دین اور رُوحانیت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں اور جسمانی اور مادی امور ادنیٰ مرتبہ رکھتے ہیں اس لئے دائیں آنکھ کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دجال کی توجہ دینی اور رُوحانی امور کی طرف سے مٹی ہوئی ہوگی۔ اور یہی حالت آج اقوام یورپ کی ہے۔ اور بائیں آنکھ روشن ستارہ کی طرح تیز سے مراد ہے کہ اُن کی ساری توجہ جسمانی اور مادی امور کی طرف ہوگی اور اس میں انکی ترقی بینظیر ہوگی۔ مادی اور جسمانی امور میں وہ ایسی ایسی باتوں کو دیکھ سکیں گے جن کو اور لوگ نہیں دیکھتے۔ مگر اُن کی رُوحانی آنکھ بالکل ماری ہوئی ہوگی۔

دوسری علامت ماتھے پر ک۔ ف۔ ر۔ لکھا ہونا بھی اُن کی رُوحانی حالت کے ہی متعلق ہے کسی چیز کے ماتھے پر لکھے ہونے سے مراد یہی ہوا کرتا ہے کہ وہ چیز بالکل عیاں اور ظاہر ہو۔ چنانچہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس لکھے ہوئے کو صرف مومن خواہ وہ خواندہ ہوں یا ناخواندہ پڑھ سکیں گے پس صرف مومن کا اُن کو پڑھنا اور ناخواندہ کا بھی اسے پڑھ لینا بتلاتا ہے کہ وہ تحریر الفاظ میں تو لکھی ہوئی نہ ہوگی پس یہ تحریر ایسی ہوگی کہ جو اُس کے حال سے نظر آئے گی یعنی دجال کا کفر ایسا عیاں ہوگا کہ ہر ایک مومن اس کو معلوم کرے گا۔ اور کافر کے کفر کو کافر نے کیا پڑھنا ہے اُسے تو مومن ہی پڑھ سکتا ہے۔

دجال کی سواری دجال کی سواری کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ وہ ریل ہے کیونکہ حدیثوں میں جو علامات اُس کی بیان کی گئی ہیں وہ ٹھیک ریل پر صادق آتی ہیں۔ انجن کی سیٹی کا گدھے کی آواز سے مشابہ ہونا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان مسترباع کا فاصلہ ہونا یعنی انجن کے ڈرائیور اور گارڈ کے درمیان جو ٹیلیفون لگا ہوتا ہے یہ دونوں کان ہیں جن کے درمیان ٹرین کی لمبائی دیکھی جائے تو عموماً

ستر باع کی ہی ہوتی ہے۔ پھر اس کی رفتار کی تیزی کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ زمین اس کیلئے لپیٹ لی جائیگی وہ ایسا تیز چلیگا جیسے بادل کو ہوا اڑائے لئے جا رہی ہو۔ اُس کے آگے دھوئیں کا پہاڑ ہونا۔ آگ اور پانی کی معیت۔ اس کے چلنے میں بادل کی سی گڑگڑاہٹ یہ سب ریل کا نقشہ ہے اس سواری کے ساتھ ساتھ روٹیوں کا چلنا کیا ٹرین کے ساتھ ریسٹورنٹ کار کا نقشہ نہیں ہے۔ اُس کا دن کو بھی چلنا اور رات کو بھی چلنا اور لوگوں کو سواری کے لئے بلانا کیا صاف نقشہ اس بات کا نہیں ہے جو ہم روز اسٹیشنوں پر دیکھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سواری کرایہ کشی کے طور بھی ہوگی۔ پھر سمندر کے متعلق اس سواری کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ اُس کی سواری ٹخنوں تک پانی میں چلے گی اور دھوئیں کا پہاڑ اس کے سامنے ہوگا۔ یہ دخانی جہاز نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ غرضکہ ریل اور دخانی جہازوں کا یہ ایسا کمال کا نقشہ ہے جس سے بڑھ کر صفائی سے آج سے تیرہ سو سال قبل جب ان چیزوں کا تصور بھی انسانی ذہن کر نہ سکتا تھا کھینچا نہیں جا سکتا تھا۔ ابتدا میں تو حضرت مرزا صاحب پر دجال اور اسکی سواری کی اس تاویل پر بہت مذاق اُڑایا گیا۔ مگر آج تمام دنیا کے مسلمانوں کے قلوب اندر ہی اندر اُسے قبول کر چکے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے سخت سے سخت معاند اخباروں میں "ریل کی پٹڑی کو خروج دجال کی پٹڑی" لکھا ہوا پڑھ کر کس قدر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے ۔

دعویٔ مہدویت

ایک اور بات جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۵۱۸ و ۵۱۹ میں تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں آپ ہی مہدی ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"ایسا ہی مہدی کے بارہ میں جو بیان کیا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ پہلے امام محمد مہدی آویں اور بعد اس کے ظہور مسیح ابن مریم کا ہو۔ یہ خیال قلت تدبر کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ اگر مہدی کا آنا مسیح ابن مریم کے زمانہ کے لئے ایک لازم غیر منفک ہوتا اور مسیح کے سلسلۂ ظہور میں داخل ہوتا تو دو بزرگوار شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد اسماعیل صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنے صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے۔ لیکن جس حالت میں کہ انہوں نے اس زمانہ کا تمام نقشہ کھینچکر آگے رکھ دیا اور حصر کے طور پر دعویٰ کر کے بتلا دیا کہ فلاں فلاں امر کا اس وقت ظہور ہوگا لیکن امام محمد مہدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح اور کامل تحقیقات کے رُو سے اُن حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا جو مسیح کے آنے کے ساتھ

مہدی کا آنا لازم غیر منفک ٹھیرا رہی ہیں۔ اور دراصل یہ خیال بالکل فضول اور مہمل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو کہ جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خصوصیت اس کی کے مسیح ابن مریم کہنا چاہئے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے مہدی کا آنا بھی ضروری ہو۔ کیا وہ خود مہدی نہیں ہے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پاکر نہیں آیا۔ کیا اس کے پاس اسقدر جواہرات و خزائن و اموال معارف و دقائق نہیں ہیں کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں اور اس قدر ان کا دامن بھر جائے جو قبول کرنے کی جگہ نہ رہے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو اس وقت دوسرے مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور یہ صرف امامین موصوفین کا ہی مذہب نہیں بلکہ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ لا مھدی الا عیسٰی یعنی بجز عیسٰی کے اس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔ اور یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آویں اور ممکن ہے کہ امام محمد کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو۔ لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔ چنانچہ یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں اکثر محقق یہی رائے ظاہر کرتے ہیں۔"

آپ نے مہدی کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے عقل سلیم بھی اسی کو صحیح قرار دے گی۔ اور یہ بات اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے جب یہ نظر آتا ہے کہ جس قدر مسیح ابن مریم کی آمد کی حدیثیں اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ مہدی کی آمد کی حدیثیں اس پایہ کی نہیں۔ اور مہدی کس خاندان یا قوم میں سے پیدا ہوگا اس کی نسبت روایات میں اس قدر تضاد ہے کہ بعض محدثین نے ان سب کی صحت سے انکار کر دیا ہے لیکن اس قدر تواتر سے محض تضاد کی وجہ سے انکار کر دینا بھی صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ مہدی کے معنے ہیں ہدایت یافتہ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح راستہ پر ہو۔ پس ہر ایک مجدد یا امام جو خدا کی طرف سے امت مسلمہ کی ہدایت اور اصلاح کیلئے کھڑا ہوتا ہے ضرور ہے کہ پہلے وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو۔ ورنہ جو "آن خویشتن گم است کرا رہبری کند" کا مصداق ہے خلق کی کس طرح اصلاح کر سکتا اور انہیں صحیح رستہ پر ڈال سکتا ہے۔ پس ہر ایک مجدد یا امام جو اصلاح مسلمین کے لئے کھڑا ہوگا وہ مہدی کہلانے کا مستحق ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے اپنے خلفائے راشدین کو بھی مہدیین فرمایا۔ یعنی وہ سب ہدایت یافتہ ہیں۔ اسی لئے لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جہاں مجدد مانا ہے وہاں مہدی بھی کہا ہے۔ اسی طرح یہ جو ایک مہدی کی پیشگوئی تھی کہ اس کی حکومت مکہ اور اس کے گرد و نواح عرب میں ہوگی۔ اُسے محدثین نے حضرت عبداللہ ابن زبیر پر لگایا ہے۔ غرضکہ مختلف حدیثیں مہدی کی مختلف مصحیین

مجددین اور ائمہ کیلئے تھیں جن کا مختلف قوموں اور خاندانوں میں سے ظہور ہوا۔ پس اس طرح وہ سب حدیثیں اپنی اپنی جگہ سوائے معدودے چند کے جو وضعی طور پر بنائی گئیں صحیح ٹھیرتی ہیں۔ لیکن مسیح ابن مریم کے وقت میں کسی مہدی کا موجود ہونا نہ صرف دراینکہ غلط معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اوپر حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے بلکہ حدیثوں میں صاف طور پر لامھدی الا عیسٰی فرما کر اس مسئلہ کو صاف کر دیا گیا ہے کہ عیسٰی کے نزول کے وقت اور کوئی مہدی نہ ہوگا اور وہ خود ہی مہدی ہوگا۔ یہ قیاس ہی نہیں ہے بلکہ مسند امام احمد بن حنبل کی ایک نہایت اعلیٰ پایہ کی صحیح حدیث میں صاف طور پر آنحضرت صلعم کا اس کے متعلق فرمودہ موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسٰی بن مریم اماما مھدیا وحکما عدلا (جلد ۲ صفحہ ۴۱۱) قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ رہے وہ عیسٰی ابن مریم سے ملے جو امام مہدی ہے اور حکم عدل ہے۔

دعویٔ نبوّت سے انکار

کسی شخص کا کسی خاص دعوے سے انکار کرنا اس کے دعاوی میں تو نہیں آسکتا لیکن چونکہ اس امر کے متعلق ایک خطرناک غلط فہمی مخالفین اور نیز پیروؤں کے درمیان پھیلی ہوئی ہے اس لئے اس پر تھوڑا سا یہاں روشنی ڈال دینا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتابوں میں دعویٔ نبوّت کا ذکر تو ایک دفعہ بھی نہیں۔ البتہ دعویٔ نبوت کا انکار بکثرت اور بار بار موجود ہے۔ مگر باایں ہمہ پہلے مخالفین نے اور بعد میں آپ کے پیروؤں میں سے ایک غالی گروہ نے آپ کو مدعیٔ نبوّت قرار دیا۔ حضرت اقدس مبہم الفاظ میں نہیں صریح الفاظ میں نبوّت کے دعوے کا انکار کر رہے ہیں مگر تفریط و افراط کرنیوالے دونو گروہ اس امر پر مُصر ہیں کہ آپ نے دعویٔ نبوت کیا اس جگہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حالات سے ایک عجیب مماثلت نظر آتی ہے۔ وہاں بھی ایک طرف علمائے یہود حضرت عیسٰی کے مخالف یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسٰی خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے انہیں قتل کرنا چاہیئے۔ اور دوسری طرف حضرت عیسٰی کے غالی متبعین اس بات کے قائل ہیں کہ آپ واقعی الوہیت کے مدعی تھے۔ اور صرف ایک قلیل گروہ حضرت عیسٰی کے متبعین کا جو موحد کہلاتے ہیں اس بات کے قائل رہے کہ آپ کا دعویٰ خدائی کا نہ تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے چھ سو سال بعد قرآن کریم نے نازل ہو کر اس موحد گروہ کی تصدیق کی۔ اور وحی الٰہی نے تفریط و افراط کرنیوالے دونو گروہوں کو جھوٹا ٹھیرایا۔ آج بعینہٖ یہی حالت اُمّت محمدیہ کے مسیح کے متعلق نظر آتی ہے۔

جب حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو مخالف علماء نے اس بنا پر آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ تیار کیا کہ آپ نبوت کے مدعی ہیں۔ ادھر آپ کی وفات کے بعد آپ کے پیروؤں کے ایک بڑے حصہ نے ایک غیر مامور کے پیچھے لگ کر یہ عقیدہ بنایا کہ آپ فی الواقع مدعی نبوت تھے اور جماعت کا تھوڑا سا حصہ اس بات پر قائم رہا کہ آپ نے دعویٰ نبوت کبھی نہیں کیا اور حق اسی گروہ کے ساتھ ہے۔ وہاں ایک غالی گروہ نے ایک نبی کو خدا بنا دیا تھا۔ یہاں ایک غالی گروہ نے ایک مجدد کو نبی بنا دیا۔ جو وجہ حضرت عیسیٰ کی طرف دعویٰ خدائی منسوب کرنے کی ہوئی بعینہٖ یہی وجہ حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنے کی ہوئی۔ حضرت عیسیٰ کے حالات کو دیکھا جائے تو وہاں یہ نظر نہیں آتا کہ فی الحقیقت آپ نے کبھی یہ کہا ہو کہ میں خدا ہوں یا الوہیت کا مدعی ہوں۔ بلکہ آپ نے اپنے لئے لفظ ابن اللہ مجاز کے طور پر استعمال کیا جو آپ سے پہلے قوم بنی اسرائیل میں مجاز کے طور پر استعمال ہوتا رہا تھا اور اس سے مراد صرف راستباز انسان لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یوحنا باب آیت ۳۳ لغایت ۳۶ میں یہ ذکر صاف موجود ہے کہ جب حضرت عیسیٰ سے یہود نے کہا کہ تو اپنے آپ کو ابن اللہ کہنے سے کفر کا مرتکب ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ نے یہی جواب دیا کہ جن مجازی معنوں میں تمہارے بزرگ خدا کہلائے انہی مجازی معنوں میں ابن اللہ کا لفظ میں نے اپنے متعلق استعمال کیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدائی کا دعویٰ اور چیز ہے اور مجازی معنوں میں ایک لفظ کا اپنے لئے استعمال کرنا اور چیز ہے محض ایک لفظ کو اپنے لئے استعمال کرنے سے اور وہ بھی برنگ مجاز وہ شخص اس عہدہ کا مدعی نہیں کہلا سکتا پس جو شخص محض ایک لفظ کے مجازی استعمال سے کسی کی طرف وہ دعویٰ منسوب کرتا ہے تو وہ اسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے جس غلطی کا ارتکاب علمائے یہود نے کیا۔ بعینہٖ یہی معاملہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے ساتھ ہوا۔

جب آپ نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس زمانہ کے علماء نے پہلے خود ہی یہ اعتراض اٹھایا کہ مسیح تو نبی اللہ تھا اسلئے اس کا مثیل بھی نبی ہونا چاہئے چونکہ آپ نبی نہیں اسلئے مسیح کے مثیل بھی نہیں۔ اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثل بھی نبی ہونا چاہئے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اوّل جواب تو یہی ہے کہ آنیوالے مسیح کیلئے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھیرائی۔ بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کریگا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔

ماسوائے اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کیلئے محدّث ہوکر آیا ہے اور محدّث ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گو اس کیلئے نبوت تامہ نہیں۔ مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اُس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اُس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہوکر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اُس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھیرتا ہے اور نبوت کے معنے بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔ اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاءؑ پر نازل ہوتی ہے اُس پر مہر لگ چکی ہے تو میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے۔ بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے۔ مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہیگا نبوت تامہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں **محدّثیت** کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کی اقتدا سے ملتی ہے جو مستجمع جمیع کمالات نبوت تامہ ہے یعنی ذات ستودہ صفات حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" (توضیح مرام صفحہ ۱۷ و ۱۸ و ۱۹)

اس عبارت میں حضرت مرزا صاحب نے فی الحقیقت اس اعتراض کا جواب دیا تھا جو آپ کے مسیح موعود یا مثیل مسیح ہونے پر کیا گیا تھا کہ چونکہ آپ نبی نہیں اور حضرت مسیح نبی تھے اس لئے آپ مثیل مسیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک غیر نبی نبی کی مثل کسی طرح ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض درحقیقت جہالت پر مبنی تھا۔ حدیث میں تو صاف ذکر ہے کہ علماء امّتی کانبیاء بنی اسرائیل میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مثل ہیں۔ قرآن کریم نے لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الّذین من قبلھم فرما کر خلفائے اسلام کو خلفائے بنی اسرائیل سے جو انبیاء تھے مماثلت دی ہے۔ اس اعتراض کا جواب مندرجہ بالا عبارت میں حضرت مرزا صاحب نے دو طرح پر دیا ہے۔ اول یہ کہ آنیوالے مسیح کے لئے خود رسول اللہ صلعم نے نبوت شرط نہیں ٹھیرائی۔ دوسرے یہ کہ جہاں تک مماثلت کا سوال ہے اس میں کچھ نقص واقع نہیں ہوتا اسلئے کہ آپ محدّث ہیں اور محدّث کو نبی سے ایک مشابہت حاصل ہے۔ اور اس مشابہت کی وجوہ بھی بیان کر دی ہیں کہ دونو سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتا ہے۔ دونو کی وحی

دخل شیطان سے منزّہ ہوتی ہے۔ دونو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ علیٰ قدر مراتب دونوں کا انکار مستوجب سزا ٹھیرتا ہے۔ اب ان امور سے تو کسی کو انکار نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ کسی کی جرأت ہوئی کہ محدّث میں ان باتوں کے ہونے کا انکار کرے۔ لیکن اسکے بعد جو لفظ آتے ہیں کہ جزئی طور پر اس اُمت کیلئے نبوّت کا دروازہ کھلا ہے۔ اور محدّث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے ان الفاظ کو دیکھ کر نبوّت قرار دیا گیا۔ ہمارے مولوی بھی تو ایک رقم ہیں کسی پہلو چینے نہیں دیتے۔ پہلے کہا کہ تم نبی نہیں اس لئے مثیل مسیح کیسے ہو سکتے ہو۔ جب بتایا گیا کہ محدّث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبوّت جزئی طور پر موجود ہوتی ہے تو فوراً اُڑے کہ اس شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اس لئے کافر ہے۔ حالانکہ کسی شخص کی عبارت کے ایک فقرہ سے کوئی نتیجہ نکالنا اور سیاق و سباق کو چھوڑ دینا اصول تاویل کے خلاف ہے۔ جب جواب اعتراض کے پہلے ہی فقرہ میں آپ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ آنے والے مسیح کیلئے نبوّت شرط نہیں ہے بلکہ وہ عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوگا اور مسلمانوں کا امام ہوگا۔ تو اس کے خلاف دوسرے فقرہ کا مفہوم کیونکر لیا جا سکتا ہے۔ ماسوا اس کے اگر اس دوسرے فقرے پر ہی غور کیا جائے تو وہاں بھی کوئی امر قابل اعتراض نہیں نظر آتا۔ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کیلئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہونا کیا ایک حقیقت نہیں اور کیا یہ خود حدیثوں میں صاف طور پر مذکور نہیں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اسی کتاب توضیح مرام میں آگے چل کر صفحہ ۱۹ پر یہی تشریح کی ہے چونکہ عبارت عربی ہے اسلئے اس کا ترجمہ یہاں پر درج کر دیتا ہوں۔

"اور تم نے حدیث کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ رویائے صالحہ نبوّت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ یعنی نبوت تامہ کے اجزا میں سے چھیالیسواں جزو ہے۔ پس جب رویائے صالحہ کے لئے یہ مرتبہ ہے تو اُس کلام کا کیا مقام ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدّثوں کے دلوں کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ سو جان لو اللہ تمہیں ہدایت دے کہ ہماری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت جزئی کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں۔ اور اس نوع میں اور کچھ نہیں سوائے بشارتوں کے اور انذار کے اور غیب کے امور کے اور قرآنی لطائف کے اور علم لدنی کے (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ لم یبق من النبوّۃ الّا المبشرات کہ نبوت سے باقی نہیں سوائے مبشرات کے۔ گویا یہ جزو نبوّت کا باقی ہے۔ ناقل) اور نبوت جو تامہ کاملہ ہے اور سب کمالات وحی کو اپنے اندر جمع رکھتی ہے تو ہم اُس کے اس دن سے منقطع ہونے پر ایمان لاتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی وما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ کہ محمد صلعم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن

اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنیوالے"

اُمت میں سے کون شخص ہے جو اس حقیقت کا انکار کرسکتا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اس اُمت میں ہزارہا اولیاء اللہ رویائے صالحہ سے اور الہام اور مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوتے رہے ہیں تو جب رویا ایک جزو نبوت ہے تو یقیناً الہام بھی جزو نبوت ہے اور صاحب الہام جزئی نبی کہلا سکتا ہے۔ مگر یہاں لفظ نبی کا استعمال صرف لغوی معنوں میں لیا جائے گا یعنی خدا سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف پانیوالا۔ اسی کو **محدّث** کہتے ہیں۔ یہ وہ عبارت تھی جس پر علماء نے کفر کا فتویٰ حضرت مرزا صاحب پر لگایا اور تمام صراحتوں کو پس پشت پھینکتے ہوئے ایک لفظ کا منشاء صراحتِ عبارت کے خلاف لیکر ایک کلمہ گو خادم دین کو کافر قرار دیدیا۔ بالفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان الفاظ میں کچھ ابہام تھا تو جو جواب حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اس کفر کے فتوے کا دیا گیا تھا وہ اسقدر کھلا اور صاف تھا کہ مکفرین میں اگر کوئی خدا کا خوف اور انصاف کا مادہ ہوتا تو فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے۔ وہ جواب کیا تھا؟ سب سے پہلے آپ نے دہلی میں اس کا جواب اعلان مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں شائع کیا۔ فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علما میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی۔ ملائک کا منکر۔ بہشت و دوزخ کا انکاری۔ اور ایسا ہی وجود جبرئیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ لہذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ **یہ الزام سراسر افترا ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں**۔ اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر۔ بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم خاتم المرسلین کے بعد کسی دوسرے **مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں**۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہوگئی ..... اس میری تحریر پر ہر ایک شخص گواہ رہے اور خداوند علیم و سمیع اول الشاہدین ہے کہ میں ان تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور جن پر ایمان لانے سے ایک غیر مذہب کا آدمی بھی معاً مسلمان کہلانے لگ جاتا ہے"

ایسا ہی آپ نے اپنی تقریر مؤرخہ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں جو جامع مسجد دہلی میں ہوئی اور جو تقریر

واجب الاعلان کے نام سے شائع ہوئی۔ فرمایا:۔

"دوسرے الزامات جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا انکاری ہے یہ سارے الزامات دروغ اور باطل محض ہیں۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور میری کتاب توضیح مرام اور ازالہ اوہام سے جو ایسے اعتراض نکالے گئے ہیں یہ نکتہ چینوں کی سراسر غلطی ہے۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات اور لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں" (دین الحق صفحہ ۲۹)

پھر اپنی کتاب ازالہ اوہام میں نہایت صفائی کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

سوال۔ رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

جواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت[1] کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے جس حالت میں رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے تو محدثیت جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے جس کیلئے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے۔ اسکو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھیرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آگیا؟" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۱)

پھر اسی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنیوالے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اُس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے بلکہ خبر دی گئی کہ اے امتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہوگا۔ اور تمہارا امام ہوگا۔ اور نہ صرف قولی طور پر اُس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ اُمتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ اور قال الرسول کا پیرو ہوگا اور حل معضلات و معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے

---

[1] صحیح بخاری و مسلم میں آنحضرت صلعم نے فرمایا لقد کان فی من قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منهم احد فعمر یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے عظیم الشان لوگ ہوئے ہیں جو اگرچہ نبی نہ تھے مگر خدا ان سے ہمکلام ہوتا تھا پس میری اُمت میں عمر ان لوگوں میں سے ایک ہے۔ اسی کی دوسری روایت میں بجائے رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء کے محدثون کا لفظ آیا ہے جس سے محدث کی تعریف ہو جاتی ہے کہ ایسے عظیم الشان اُمتی لوگ جو اگرچہ نبی تو نہیں ہوتے مگر خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے (مؤلف)

کرے گا۔ اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اب ان تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوت تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے۔ اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور نبی بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونو شانیں اُمتیت کی اور نبوت کی اُس میں پائی جائیں گی جیسا کہ محدث میں ان دونو شانوں کا پایا جانا ضروری ہے لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔ اسی لئے خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی"

پھر اسی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۲۲ پر مسیح اسرائیلی کی آمد ثانی کو اسی ختم نبوت کی وجہ سے ممتنع ٹھہراتے ہیں

"مسیح کیونکر آسکتا ہے۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار روئیں اُس کو آنے سے روکتی ہے۔ سو اُس کا ہم رنگ آیا وہ رسول نہیں۔ مگر رسولوں کے مشابہ اور مثل ہے"

اسی کتاب کے صفحہ ۵۳۴ پر پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کے نبوت تامہ کے لوازم جو وحی نبوت اور نزول جبرئیل ہے اُس کے وجود کے ساتھ لازم ہونے چاہئیں۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اُس کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائد دین جبرئیل کے ذریعہ حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ چکی ہے۔ کیا یہ مُہر اُس وقت ٹوٹ جائے گی"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۳۴)

پھر ۱۸۹۲ء میں آپ میں اور مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری میں ایک مباحثہ بمقام لاہور ہوا۔ دوران مباحثہ میں جب مولوی عبدالحکیم صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں تو آپ نے ذیل کی تحریر لکھ کر دی جس پر ۳۔ فروری ۱۸۹۲ء کی تاریخ مرقوم ہے اور آٹھ گواہوں کے دستخط ہیں اور اس تحریر کو آپ کی طرف سے ایک اقرار نامہ تسلیم کر کے بحث کا خاتمہ کر دیا گیا۔ میں اس کے صرف چند فقرات یہاں نقل کرتا ہوں:۔

"جس حالت میں کہ ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنے آنحضرت صلعم نے مُکلّم

مراد لئے ہیں..... تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدّث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔ اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔"

الغرض نہ صرف بار بار آپ نے دعویٔ نبوت سے انکار کیا بلکہ صاف طور پر یہ بھی بتا دیا کہ آپ نے لفظ نبی کا استعمال محدّث کیلئے جو آپ کا اصل دعویٰ ہے صرف بطور مجاز کیا ہے۔ ایسے حوالجات سے آپ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ میں صرف چند حوالجات یہاں بطور نمونے کے پیش کر دیتا ہوں:۔

"آئینہ المسیح محدّث ہونیکی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔" (ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۳۴۹)

"محدثیت کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے تو کیا اس سے دعویٔ نبوت لازم آگیا۔"

(ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۴۲۲)

"مجازی معنوں کے رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔" (سراج منیر مطبوعہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳)

"اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔" (حاشیہ انجام آتھم مطبوعہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۷)

"اور اس جگہ میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے۔ یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔"

(حاشیہ اربعین ۳ مطبوعہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۵)

"اس پر رسول یا نبی کا لفظ بولنا غیر موزوں نہیں بلکہ فصیح اور بلیغ استعارہ ہے۔"

(حاشیہ تتمہ حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۴)

"وسمّیت نبیّاً من اللہ علی طریق المجاز لا علی وجہ الحقیقۃ" (ترجمہ۔ اور اللہ کی طرف سے میرا نام نبی رکھا گیا مجاز کے طور پر نہ کہ حقیقت کے طور پر) (انتقاد نمبر حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۶۵)

یہ حوالجات متفرق کتابوں سے جو ابتدا سے یعنی ۱۸۹۱ء سے لیکر مسلسل آپ کی زندگی کے آخری ایام تک چلتی ہیں اس لئے اخذ کئے گئے ہیں کہ تا یہ شبہ باقی نہ رہے کہ آپ نے درمیان میں کسی وقت اپنا دعوےٰ بدل لیا فقط ان تمام باتوں سے دو باتیں ظاہر ہیں ایک تو یہ کہ دعویٔ نبوت سے صریح انکار ہے اور دوسرے یہ کہ لفظ نبی کے استعمال کا اپنی نسبت صرف بطور مجاز و استعارہ اقرار ہے۔ حضرت عیسیٰ

ابن مریم خدائی کے دعویدار نہ تھے مگر لفظ ابن اللہ بطور مجاز اپنے لئے استعمال کیا۔ حضرت مرزا صاحب مدعیٔ نبوت نہ تھے لیکن چونکہ لفظ نبی کا آپ کیلئے بعض حدیث میں یا آپ کے الہامات میں آگیا تھا اس لئے اس کی توجیہ اور تشریح کرنا آپ کا فرض تھا۔ اور یہی آپ تمام عمر کرتے رہے اور بار بار کہتے رہے کہ یہ بطور مجاز اور استعارہ کے ہے حقیقت پر محمول نہیں۔ تو فرمایئے کہ اسکے بعد بھی اگر کوئی آپ کی طرف دعویٔ نبوت منسوب کرے تو کس قدر ظلم اور افترا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس قدر صراحت کے باوجود مخالفین نے فرطِ عداوت سے اور پیروؤں نے محبت میں غلو کرنے کی وجہ سے ناحق آپ کی طرف دعوئے نبوت منسوب کر دیا۔ جائے غور ہے کہ کیا وہ شخص دعویٔ نبوت کر سکتا ہے جو اپنی قلم سے یہ لکھ چکا ہو اور بار بار لکھ چکا ہو۔

"ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحیٔ نبوت نہیں بلکہ وحیٔ ولایت جو زیر سایۂ نبوت محمدیہ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے..... غرض نبوت کا دعوے جب کہ اس طرف سے بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے۔ (مجموعہ اشتہارات صفحہ ۲۲۴)

"میں سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں" (۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء)

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

(تقریر واجب الاعلان بمقام دہلی)

"مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعوے کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں" (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۷)

"کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور دل سے رسول اللہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلعم کے بعد رسول اور نبی ہوں" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۷)

"ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸)

کیا ان باتوں کے لکھنے کے بعد ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خود مدعیٔ نبوت ہوں یا کیا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتا جائے کہ "ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں"، "مدعیٔ نبوت کو میں کافر اور کاذب جانتا ہوں"، "مدعیٔ نبوت کو بیدین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"، "دعویٔ نبوت کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی بدبخت مفتری ہی دعویٔ نبوت کر سکتا ہے"۔ اور دوسری طرف خود دعویٔ نبوت بھی کرتا چلا جائے۔ میرے خیال میں ایک عقلمند شخص کی نظر میں اس امر کے ثبوت کیلئے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کا قطعاً نہ تھا اتنا بہت کافی ہے۔ مزید بحث دیکھنی ہو تو حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کتب **النبوۃ فی الاسلام** اور **تحریک احمدیت** ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہاں حضرت مرزا صاحب کی کتب سے چند حوالجات اور نقل کرنیکے بعد میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں:۔

۱۔ "اور اللہ تعالیٰ کی عزت اور جلال کی قسم کہ میں مومن اور مسلمان ہوں اور میں اللہ اور اُس کی کتابوں اور رسولوں اور ملائکہ اور بعث بعد الموت پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل خاتم النبیین ہیں اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے"۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸)

۲۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اُس کی صحت پر کلام نہ تھا۔ اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے"۔ (حاشیہ کتاب البریہ صفحہ ۱۵۴)

۳۔ "میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرے وہ نبی بھی ہو جاتا ہے"۔ (جنگ مقدس صفحہ ۶۷)

۴۔ "ایسا ہی آپ (یعنی آنحضرت صلعم) نے لا نبی بعدی کہہ کر کسی نئے یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا"۔ (ایام الصلح صفحہ ۱۵۲)

۵۔ "اور اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو ربّ العٰلمین اور رحمان اور رحیم ہے۔ جس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا۔ اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب کے آخر میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۱)

۶۔ "اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہودیوں کے عالموں بلکہ اُن کے تمام نبیوں نے

بھی یہی سمجھ رکھا تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہوگا۔ مگر ایسا ظہور میں نہ آیا بلکہ وہ نبی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہو گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۱)

۷۔ "صرف اس خدا نے ہی خبر دی جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا تمام قوموں کو آپکے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

۸۔ "اور ولی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ بھی ایک خطرناک حالت میں ہے جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزر جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ اسلئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنا دیں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہئے۔ ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں ..... ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونیکے اور کوئی دعویٰ بالمقابل نہیں اور جو کوئی شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افترا کرتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریم صلعم کے ذریعہ فیض برکات پاتے ہیں اور قرآن کے ذریعہ سے ہمیں فیض معارف ملتا ہے۔ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہوگا۔ اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابل مواخذہ ہے۔"

(حضرت مرزا صاحب کا خط مرقومہ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم ۲۹ جلد ۳۔ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء)

۹۔ واوحی الیّ ان الدین عند اللہ الاسلام وان الرسول الذی یاتی بہ ھو المصطفٰی سید الانام۔ فکما ان ربنا واحد لا یستحق العبادۃ وحدہ فکذلک رسولنا المطاع واحد لا نبی بعدہ ولا شریک معہ وانہ خاتم النبیین (من الرحمٰن صفحہ ۲۰) ترجمہ اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ دین درحقیقت صرف

اسلام ہی ہے اور بے شک رسول فقط محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ واحد اور اکیلا ہے اسی طرح ہمارے رسول صلعم بھی واحد اور اکیلے رسول ہیں جو مطاع ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور کوئی آپ کے ساتھ شریک نہیں اور آپ نبیوں کو ختم کرنیوالے ہیں؟

دعوئ مسیحیت و مہدویت کی ضرورت کیا تھی

بعض لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ فقط چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا تھا تو یہ مسیح موعود اور مہدی موعود کے دعاوی ساتھ ملانیکی ضرورت کیا تھی؟

وجہ اوّل اس کا جواب ایک تو نہایت سیدھا سادہ ہے کہ حدیثوں میں نہایت صحت اور تواتر کے ساتھ مسیح موعود کے آنے کا ذکر ہے اور مہدی کی آمد کے متعلق اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حدیثیں بلحاظ اپنی صحت کے اس اعلیٰ پایہ کی نہیں ہیں جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق ہیں مگر اُن کے تواتر سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا پس جو شخص ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوگا ضروری ہے کہ وہ اپنے آپکے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اُن کا مصداق بتلادے۔ اور اُن کے سمجھنے میں اگر کوئی غلط فہمی مسلمانوں کو لگی ہوئی ہو تو اُنہیں نہایت صفائی سے جتلادے۔ اور یہی حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں اور جس مسیح کے اس اُمت میں آنے کی پیشگوئی ہے وہ اسی اُمّت کا ایک مجدّد ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ محمد رسول اللہ صلعم کے بعد بوجہ نبوّت ختم ہوجانے کے کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نہ نئے کی نہ پُرانے کی جب نبوّت کا کام ختم ہوچکا تو پھر کسی نبی کا آنا بیکار اور ناحق کا فتنہ ہے۔ خدا کے کام لغو اور عبث نہیں ہوا کرتے کہ بلا وجہ کسی نبی کو دو ہزار برس آسمان پر بٹھا رکھے اور پھر دنیا میں بھیجے جبکہ اُس کا کوئی کام نہ ہو۔ کیونکہ نبوّت کے کمالات اور نبوّت کے سب کام محمد رسول اللہ صلعم پر ختم ہوچکے۔ اب تو فقط تجدید دین کا کام ہے جس کیلئے مجددین آتے رہیں گے۔ پس آنیوالا موعود جو بھی ہوگا وہ مجدّد ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آنیوالا مسیح بھی اسی اُمّت میں سے ایک امام اور مجدّد ہے ولاغیر۔ اسی طرح جس مہدی کے آنے کی اس اُمت میں پیشگوئی ہے اس سے بھی مراد وہی مجدّد ہے جو مسیح موعود ہے جو دلائل اور براہین سے اسلام کو دنیا میں پھیلائیگا اور تمام ادیان باطلہ پر غالب کرکے دکھلائے گا۔ اور ایسے مہدی کا آنا جو تلوار سے دین اسلام کو پھیلائے جیسا کہ عام طور پر مشہور کیا گیا ہے غلط اور قرآن شریف کی کھلی تعلیم کے خلاف ہے۔

پس ان دعاوی سے ٹھوکر کھا جانا سخت غلطی ہے۔ ان دعاوی میں مجدد سے بڑھ کر کوئی دعوے نہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"چودھویں صدی کا مجدد ہونے کے لئے بجز اس احقر کے کس نے دعویٰ کیا ہے؟ ..... اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے"۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۰)

یوں سمجھ لو کہ مسیح اور مہدی چودھویں صدی کے مجدد کے دو خطابات ہیں جو خدا اور رسول کے دربار سے اُسے ملے ہیں۔ کیوں ملے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے مجدد کو دو عظیم الشان کام سپرد کئے گئے اور انہی دو کاموں کے لحاظ سے اس کو دو نام مسیح اور مہدی کے دیئے گئے۔ ایک طرف اسلام کا مقابلہ عیسائیت سے تھا۔ احادیث سے ہی نہیں خود قرآن کریم سے صفائی سے نظر آتا ہے کہ عیسائیت دنیا میں بہت عروج حاصل کرنیوالی تھی۔ اور اسلام کو سب سے بڑا مقابلہ عیسائیت سے پیش آنیوالا تھا۔ علاوہ ازیں یہی زمانہ عیسائیوں میں تبلیغ اسلام کیلئے خاص طور پر موزوں تھا۔ اسلام نے ہر مذہب کے پیروؤں سے کروڑوں کی تعداد میں خراج وصول کیا (یعنی اُن لوگوں میں سے کروڑوں داخل اسلام ہوئے) عیسائیت نے گو یہ خراج ادا تو ضرور کیا مگر ابھی تک وہ اس معاملہ میں سب سے پیچھے رہے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدر یونہی تھا کہ پہلے اسلام کا آفتاب مشرق کو اپنی کرنوں سے منور کرے۔ اسلئے اس کا رُخ مشرق کی طرف زیادہ رہا۔ اور پھر قانون قدرت کے مطابق اس آفتاب نے مغرب کو منور کرنا تھا۔ اسی کو احادیث میں مغرب سے طلوع آفتاب کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو نبی کریم صلعم نے فرمایا اعطیت کنزین احمر و ابیض مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک سُرخ (مشرقی لوگ) اور ایک سفید (مغربی لوگ)۔ پس دنیا میں عیسائیت کا مقابلہ اور مسیحی یورپ میں تبلیغ اسلام چونکہ اس مجدد کا کام تھا اس لئے اسے ابن مریم یا عیسیٰ کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ آپ خود بھی تحریر فرماتے ہیں۔ ؎

چون مرا نوبے پئے قوم مسیحی داده اند ٭ مصلحت را ابن مریم نام من بنهاده اند

اور دوسری طرف چونکہ اسلام کا استحکام اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کو دُور کرنا۔ مسلمانوں کے اندر سے افراط و تفریط کو نکالنا۔ مرض تکفیر کو دُور کر کے مسلمانوں کا اتحاد قائم کرنا۔ اُن کو ایک نظام میں منسلک کرنا۔ ان کے سامنے رسول اللہ صلعم کی زندگی کا بلند نمونہ اشاعت اسلام مدنظر رکھنا بھی اس مجدد کا کام تھا اسلئے اس لحاظ سے اُسے مہدی کا نام دیا گیا۔

پس حقیقت تو صرف اسقدر ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک مجدد کامل ظاہر ہونیوالا تھا۔ اس کے نور کا پرتو دنیا کی غالب قوم یعنی عیسائی قوم پر پڑنے کے لحاظ سے اس کا نام عیسٰی یا ابن مریم ہوگیا۔ اور اسی نور سے مسلمانوں کے قلوب روشن ہونے کے لحاظ سے اس کا نام مہدی ہوگیا۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ یواطئ اسمہ اسمی۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مہدی حضرت عیسٰی سے اکمل ہیں حالانکہ حضرت عیسٰی نبی اللہ تھے تو اس کے نیچے بھی یہی حقیقت ہے کہ چونکہ مہدی میں حقیقت محمدیہ کا ظہور ہے اور مسیح میں حقیقت عیسویہ کا۔ اور حقیقت محمدیہ حقیقت عیسویہ سے اکمل ہے اسلئے مہدی عیسٰی سے بڑے ہیں یعنی اس مجدد کامل میں جو مہدویت اور مسیحیت دونوحال اپنے اندر رکھتا ہے۔ مہدویت کی شان مسیحیت کی شان پر فضیلت رکھتی ہے ۔

وجہ ثانی دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ کے مجدد کا اصل کام اشاعت اسلام تھا جیسا کہ خود حضرت مرزا صاحب نے اپنی سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ میں اپنے بطور مجدد کھڑا کئے جانے کی اصل غرض یہ قرار دی ہے کہ تا آپ کے ذریعہ دین اسلام کا تمام دوسرے ادیان پر غلبہ ثابت ہو۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو۔ اور اگرچہ دین اسلام اپنے دلائل حقہ کے رو سے قدیم سے غالب چلا آیا ہے اور ابتدا سے اُس کے مخالف رُسوا اور ذلیل ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس غلبہ کا مختلف فرقوں اور قوموں پر ظاہر ہونا ایک ایسے زمانہ کے آنے پر موقوف تھا کہ جو باعث کھل جانے راہوں کے تمام دنیا کو ممالک متحدہ کی طرح بنا تا ہو ..... پس خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ علم تعلیمات اور قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شایع اور رائج فرمائے اور اپنی حجت اُن پر پوری کرے۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۹ و ۵۰۱)

پھر سب سے پہلا رسالہ جو آپ نے اس دعویٰ کے متعلق لکھا تھا وہ **فتح اسلام** نام ہے۔ اس میں بھی یہی ذکر موجود ہے کہ اسلام دنیا پر کس طرح غالب آسکتا ہے۔ چنانچہ اس میں اپنے آنے کی غرض کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

"تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے

دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کیلئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمہ اسلام واشاعت نور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔" (فتح اسلام بار دوم صفحہ ۵)

"اور سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا ضروری ہے کہ آسمان اُسے چڑھنے سے روکے رہے جبتک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کیلئے ساری ذلتیں قبول نہ کریں۔ **اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔** یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے۔"

(فتح اسلام بار دوم صفحہ ۸ و ۹)

ان تمام تحریرات سے ظاہر ہے کہ اشاعت اسلام کا کس قدر بلند جذبہ آپ کے قلب میں موجزن تھا اور اسی قسم کے خیالات سے آپ کی اس زمانہ کی تمام تحریریں بھری پڑی ہیں کہ یہ اسلام کے دنیا میں غالب ہونے کا وقت ہے۔ اور سب سے بڑھکر تعجب کی یہ بات ہے کہ حالانکہ نہ آپ انگریزی جانتے تھے نہ آپ کا کوئی تعلق یورپ کے لوگوں سے تھا اور آپ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے جو اس وقت کی تمام تحریکات سے الگ پڑا ہوا تھا۔ لیکن آپ کو مغرب میں اسلام پھیلانے کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ آپ کے دل کی اسی تڑپ کو آخر جناب الٰہی نے شرف قبولیت بخشا۔ اور رویا کے ذریعہ آپ کو مغرب میں اسلام کے پھیلنے کی خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ آپ اپنے دعوے کی ابتدائی کتاب ازالۂ اوہام میں جو ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز پر جو ایک رویا میں ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور اُن کو اسلام سے حصہ ملے گا اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور اُن

کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق اُن کا جسم ہوگا۔ سو مَیں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ مَیں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی۔ اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۵ و ۵۱۶)

اور آپ کو اس امر پر اس قدر پختہ ایمان تھا کہ اس بات کو جا بجا اس کتاب میں بیان فرمایا۔ اور پھر ایک جگہ اسی غرض کیلئے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کے ارادہ کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اس نازک وقت میں ایک شخص خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اُس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے" (ازالہ اوہام صفحہ ۷۶۹)

"پھر مَیں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدائے تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دیئے ہیں.....

بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے۔ اور اُن کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے مَیں نے دریافت کیا ہے کہ تین ہزار کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں..... ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کیلئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو۔ جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو..... سو میری صلاح یہ ہے کہ..... عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل وجان میری مدد میں مصروف ہو تو مَیں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کے ان کے پاس بھیجی جائے۔ مَیں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۷۷۱ تا ۷۷۳)

یہ سب اسی زمانہ کی تحریریں ہیں جب آپ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یعنی ۱۸۹۱-۹۰ء کی۔ اس کے دو سال بعد آپ نے کتاب نور الحق لکھی جو عربی میں ہے اور اُردو ترجمہ ساتھ ہے۔ اس میں بھی یورپ میں اسلام پھیلنے کی خوشخبری کا ذکر ہے اور یہ ذکر ہے کہ اس قوم کے بڑے بڑے افراد اور اُس کی سلطنت کے ارکان اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے رکن اس گورنمنٹ کے دن بہ دن توحید کی طرف مائل

ہوتے جاتے ہیں اور ان کے دل ان عقائد باطلہ سے نفرت کر گئے ہیں ..... اور میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کے انڈے ہیں اور عنقریب ان میں سے اس ملت کے بچے پیدا ہوں گے۔ اور اُن کے مُنہ دین الٰہی کی طرف پھیرے جائیں گے۔" (نور الحق حصہ اوّل صفحہ ۴۴)

اشاعت اسلام آپکا فرض منصبی تھا

الغرض ابتدائے دعویٰ سے یہی ولولہ آپ کے سینہ میں موجزن تھا کہ کسی طرح اسلام کا پیغام تمام روئے زمین پر اور بالخصوص یورپ اور دیگر بلاد مغرب میں پھیلایا جائے جہاں ابھی تک اسلام کی تاریک تصویر ہی لوگوں کے سامنے تھی۔ اشاعت اسلام کا یہ خیال دراصل جناب الٰہی کی مشیّت کی طرف سے آپ کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اور کیوں نہ پیدا ہوتا جبکہ اس منصب کیلئے آپ کا کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھا۔ اب اگر غور سے کام لیا جائے تو اسلام کی اشاعت کے رستہ میں دو ہی بڑی رکاوٹیں تھیں۔ یعنی ایک حضرت عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ جو عیسائیوں میں تبلیغ اسلام کے رستہ میں بڑی بھاری روک ہو رہا تھا۔ اور دوسرا اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلایا جانے کا خیال جس کو دراصل یورپ نے اسلام کے رستہ میں ایک ناقابل گزر پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اشاعت اسلام کی راہ سے پہلی روک کس طرح اُٹھائی

حضرت عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ عیسائیت کے اس عقیدہ کے لئے کہ حضرت مسیح خدا یا ابن اللہ ہیں بڑی قوت کا موجب تھا اور عیسائی صاف طور پر مسلمانوں کے اس عقیدہ کو مسیح کی خدائی کی تائید میں پیش کرتے تھے کہ جس صورت میں کہ صریح تعلیم قرآنی کے رُو سے رسولوں کے جسم اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانے پینے کے محتاج ہوں اور ان میں تغیر نہ آتا ہو (ما جعلناھم جسدًا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین۔ الانبیاء) اور بڑے عقیدہ مروجہ اہل اسلام حضرت عیسیٰ دو ہزار سال سے کھانے پینے کے محتاج نہیں اور اُن کے جسم میں تغیر بھی نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے عقیدہ کے رُو سے وہ رسولوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور چونکہ اُن کے جسم میں تغیر نہیں آتا لہٰذا وہ الآن کما کان کے مصداق ہو کر خدا کی صفات میں حصہ دار ہوئے اور بشر سے بڑھ کر ہو گئے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک مسیح کی حیات کا عقیدہ مسلمانوں میں ہے اسلام کی تعلیم کا عیسائیوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے بلکہ اُلٹا عیسائیت کا اثر مسلمانوں پر ہو گا۔ اور چونکہ وہ زمانہ آگیا تھا جب عیسائیت کے مرکز یورپ میں تبلیغ اسلام کی جائے اس لئے ضروری تھا کہ عیسائیت کے اس سب سے بڑے شہتیر کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں توڑا جائے ورنہ اس عقیدہ کو توڑے بغیر اسلام عیسائیت پر غلبہ حاصل نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بار بار اسے "عیسائیوں کے خدا کی موت" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے

دوسری طرف حضرت عیسیٰ کی زندگی کا عقیدہ اُن کے نزول کے عقیدہ سے وابستہ تھا۔ اس لیے جب تک نزول ابن مریم کی اصل حقیقت کو واضح نہ کیا جاتا حیات مسیح کے عقیدہ پر بھی کاری ضرب نہ لگ سکتی تھی پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ دین اسلام عیسائیوں کے اندر پھیلے اور عیسائیت پر غلبہ حاصل کرے تو ایک طرف صدی کے مجدد کو یہ اطلاع دی کہ بروئے قرآن وحدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ نزول ابن مریم سے مراد خود مسیح کا دوبارہ آنا نہیں بلکہ اس سے مراد ایسے مجدد کا ظہور ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے فیضان سے ابن مریم کا مثیل ہے اور جس کی خاص توجہ عیسائیوں میں اسلام پھیلانے کی طرف ہوگی۔ اس کو حضرت صاحب نے دو شعروں میں اس طرح ظاہر فرمایا ہے

؎ چون کافر از ستم بہ پرستد مسیح را ✦ غیوریٔ خدا بسر عرش کرد ہمہم

؎ چون مرا نوبے پئے قوم مسیحی داد اند ✦ مصلحت را ابن مریم نام من نہادہ اند

اشاعت اسلام کی راہ سے دوسری روک کس طرح اُٹھائی

اسی طرح اس بات کو صاف کرنے کیلئے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا یہ ضروری تھا کہ اس خیال کو غلط ثابت کیا جائے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہو گیا تھا کہ ایک ایسا مہدی آنے والا ہے جو تلوار کے زور سے کافروں کو مسلمان بنائے گا۔ کیونکہ جب تک ایسے مہدی کا آنا مسلمات میں سے ہے اس وقت تک اسلام سے بزور شمشیر پھیلایا جانیکا اعتراض دور نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک یہ اعتراض موجود ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلایا جائے گا۔ اس وقت تک اسلام کے متعلق غیر مسلموں کے دلوں سے تنفر دُور نہیں ہو سکتا اور وہ اس کی تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا اسلام کی دعوت عامہ کو مقبول بنانے کیلئے جو اس صدی کے مجدد کا اصل کام تھا اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی اطلاع دی گئی کہ قابل اعتبار احادیث میں کسی ایسے مہدی کے آنے کا ذکر نہیں جو تلوار سے اسلام پھیلائے بلکہ آنیوالے مسیح کا ہی دوسرا نام مہدی رکھا گیا ہے جس پر حدیث لا مھدی الا عیسٰے شاہد ہے۔ غرضکہ یہ اصل حقیقت ہے جو آپ کے مسیح اور مہدی کے دعوے کے نیچے ہے یعنی ان دونو دعووں کا اصلی مقصد ان دونو روکوں کو دُور کرنا تھا جو اسلام کی قبولیت عامہ کے رستہ میں حائل ہو رہی تھیں ✦

دعویٰ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا

حضرت اقدس مرزا صاحب جانتے تھے کہ ان دعاوی سے مخالفت کا ایک طوفان اُٹھے گا کیونکہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کو اسلامی دنیا آسانی سے قبول نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ وہ طوفان اُٹھا اور بہت زور کے ساتھ اُٹھا۔ آپ جانتے تھے کہ اس سے بجائے محبت کے طبائع میں تنفر پیدا ہوگا۔ چنانچہ وہ تنفر پیدا ہوا بلکہ اس قدر زبردست نفرت کی لہر اُٹھی کہ اس شخص کو جس کے

ساتھ کل تک اسلام کی بہترین اُمیدیں وابستہ تھیں اسلام کا بدترین دشمن سمجھا جانے لگا۔ جس کی باتوں کو کل تک ہر شخص خوش ہو کر سُنتا تھا آج وہ خود ہر طرف سے لعنتوں اور ملامتوں کا نشانہ بن گیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس سے قبل حضرت مرزا صاحب کو اس قدر شہرت حاصل ہو چکی تھی کہ اس سے بڑھ کر شہرت ممکن نہیں آپ کو زہد و تقویٰ کے لحاظ سے نہایت زبردست شہرت حاصل تھی۔ علم و فضل کے لحاظ سے بہت بڑی شہرت حاصل تھی۔ اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لحاظ سے تو اس قدر شہرت حاصل تھی کہ آپ اسلام کے پہلوان گنے جاتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ مسیح و مہدی کا دعویٰ اس تمام حاصل شدہ شہرت کو برباد کر دیگا اگر آپ کے دل میں ذرا بھی مال یا شہرت کی خواہش ہوتی تو آپ ہرگز ایسا دعوےٰ نہ کرتے۔ کیونکہ مال اور شہرت کا طالب کبھی عوام الناس کو بھڑکانا نہیں بلکہ اُن کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے خواہ اُس کو منافقت بھی اختیار کرنی پڑے۔ کوئی شخص اپنے ہاتھ سے آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارا کرتا۔ یہ خدا کی مشیت اور مصلحت تھی جس نے آپ سے ایسا کروایا۔ پس آپ نے جو کچھ کیا خدا کے حکم سے کیا۔ خود آپ نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ انسان کا علم اسقدر دقیق مصلحت اور حکمت پر کس طرح حاوی ہو سکتا ہے جو ان دعاوی میں مضمر تھیں۔ یہ خدا کا علم تھا جس کے سامنے یہ بات بدیہی تھی کہ اسلام کی قبولیت عامہ میں یہ بہت زبردست دو رکاوٹیں ہیں جن کو اُٹھایا جانا ضروری ہے۔ اس میں مجدد وقت کو اپنی شہرت کی اگر قربانی کرنی پڑتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اشاعت اسلام کا کام یہ قربانی آپ سے چاہتا تھا اور آپ نے بڑی خوشی سے یہ قربانی دی۔ اور مسیح موعود اور مہدی معہود کے متعلق ان دو زبردست انکشاف کا اعلان کر کے اپنے آپ کو بیٹھے بٹھائے مورد لعن و طعن بنا لیا۔ آپ نے یہ دو دعوے کیا کئے کہ اپنی ساری شہرت اور ہر دلعزیزی پر چھری پھیر دی۔ لیکن اسلام کی قبولیت عامہ یہ قربانی مانگتی تھی جو آپ کو دینی پڑی اور خدا کے حکم سے دینی پڑی۔ اس میں آپ کا اپنا کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ نقصان تھا۔

اس زمانہ کے علما کی عامۂ ذہنیت کو بدنما پایا

دعوت اسلام کے عام کرنے اور اُس کو دنیا میں پھیلانے کا خیال زمانہ موجودہ کے علماء اور مسلمانوں کی ذہنیت سے اسقدر بلند خیال تھا کہ اس کو ایک مادہ پرست و ہریہ کو بھی واقعی ایک الہام ماننا پڑے گا۔ مسلمان علما کی عامہ ذہنیت اس قدر پست ہو گئی تھی کہ آپس میں فروعات پر لڑنے جھگڑنے کو ہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک دوسرے کی تکفیر کو اسلام کے استحکام کا موجب خیال کیا جاتا تھا۔ دعوت اسلام کو عام کرنے کے خیال میں یہ عظیم الشان راز بھی مضمر تھا کہ نہ صرف اسلام دنیا میں پھیلے بلکہ مسلمانوں کی اپنی ذہنیت اس پستی کی حالت سے نکل جائے کہ وہ ایک دوسرے کی تخریب کے درپے رہیں اور وہ اس ادنیٰ اور نقصان رساں کام کو چھوڑ کر

اعدائے اسلام کے مقابلہ میں نکل کھڑے ہوں۔ اور آپس میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے اسلام کے سپاہی بنکر اعدائے اسلام کے بالمقابل جنگ کریں۔ ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کی تخریب کا مقصد جو اس وقت علما کی ذہنیت پر قبضہ کئے ہوئے تھا ایک نہایت ذلیل مقصد تھا۔ اور جس شخص نے اس ذلیل مقصد کو دُور کر کے مسلمانوں کے سامنے اعدائے اسلام کے مقابلہ کا بلند مقصد رکھ دیا اُس نے درحقیقت اسلام کی بہت ہی بڑی خدمت کی۔ اور مسلمانوں کی اُس قوت کو جو اسلام کی کمزوری کا موجب ہو رہی تھی اسلام کی اشاعت اور توسیع پر لگا دیا۔

اشاعت اسلام کو اس زمانہ کا جہاد قرار دیا گیا

دعوت اسلام کے کام کو حضرت مرزا صاحب نے صرف معمولی طور پر اپنی جماعت کے سامنے نہیں رکھا۔ بلکہ اسے تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ اور اسے اسلام کا جہاد اور مجاہدہ قرار دیا۔ آپ سے پیشتر اور آپ کے زمانہ میں جو بزرگ بیعت لیتے تھے وہ اپنے مریدوں کو تزکیۂ نفس کے لئے علاوہ عبادات واذکار مسنونہ کے طرح طرح کے اذکار یا مجاہدات بتاتے تھے۔ آپ نے ان تمام اذکار اور مجاہدات کا مقام دعوت اسلام کے کام کو دیا۔ صوفیوں کے اکثر اذکار اور مجاہدات ایسے تھے جن کا سنت نبوی میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ اور علاوہ اس کے ان چیزوں نے مسلمانوں کی قوتِ عمل کو بھی بیکار کر رکھا تھا۔ مگر آپ نے شرائط بیعت کے اندر سب سے بڑی شرط اور سب سے بڑا مجاہدہ اسی جہاد کو رکھا جو سلف صالحین کا قومی شعار تھا۔ اور وہ جہاد یہی دعوت الی الاسلام کا جہاد تھا۔ اور یوں مسلمان قوم کی سوئی ہوئی قوتِ عمل کو دعوت اسلام کے ذریعہ سے بیدار کیا اور یہ بتا دیا کہ وہ تزکیۂ نفس جو لوگ اذکار اور مجاہدات کے ذریعہ سے تلاش کرتے ہیں وہ جہاد کے ذریعہ سے بدرجۂ اولیٰ ملتا ہے۔ گویا مسلمان کا حقیقی مجاہدہ جہاد ہی ہے۔ آپ نے جہاد کے صحیح مفہوم کو بھی واضح کیا اور یہ بتایا کہ وہ جہاد جس میں تلوار کے ساتھ جنگ کرنی پڑتی ہے اسلام یا مسلمانوں کی حفاظت کیلئے خاص حالات کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ جہاد جس کی اسلام میں ہر وقت ضرورت ہے وہ جہاد بالقرآن ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ جاھدھم بہ جھادًا کبیرًا۔ کہ قرآن کے ساتھ ان لوگوں سے جہاد کبیر کرو۔

ملہم من اللہ ہونے پر کیوں زور دیا

الہام معرفت الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

ظاہر ہے کہ مجدد کا پہلا کام ان مفاسد کی اصلاح ہوا کرتا ہے جو قوم کے اندر پیدا ہو گئے ہوں۔ اُن مفاسد میں سے جو ہمارے زمانہ میں مذہب کے متعلق پیدا ہو گئے ہیں سب سے

بڑا اصاد خاص طور پر یورپ کی مادی تہذیب اور مادی تعلیم کا زہریلا اثر تھا جس نے نہ صرف مذہب کی طرف سے لاپروائی پیدا کر دی بلکہ مکالمہ الٰہیہ کا انکار پیدا کر کے مذہب کی اصل بنیاد کو متزلزل کر دیا۔ انسان سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا مذہب کی اصل بنیاد ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے خدا تعالیٰ کی معرفت تامہ پیدا ہوتی ہے اسی پر تعلق باللہ کی بنیاد ہے۔ مگر موجودہ مادی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ خود بڑے بڑے مسلمان مکالمہ الٰہیہ کا انکار کرنے لگے۔ اسلئے مجدد وقت کا پہلا فرض یہ تھا کہ اس حقیقت کو واضح کر کے دکھا تا کہ سلسلہ نبوت سچا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہم کلام ہوتا رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ثابت نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ اس امر پر خاص طور پر زور نہ دیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا اس کی ایسی ہی صفت ہے جیسا کہ اس کا سننا دیکھنا جاننا وغیرہ۔ اس لئے کتاب براہین احمدیہ میں جو بانی سلسلہ کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی کتاب ہے سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا گیا ہے اور نہ صرف اس کو دلائل معقولی اور منقولی سے ثابت کیا گیا ہے بلکہ اپنا تجربہ بھی اس پر بطور گواہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں اپنی پیشگوئیوں کے نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ گو پہلے مجددین نے بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کیا ہے مگر جس قدر زور اس امر پر مجدد صدی چاردہم کی تحریروں میں دیا گیا ہے وہ پہلوں کی تحریروں میں نہیں پایا جاتا۔ اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس زمانہ کا سب سے بڑا اندرونی فتنہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا انکار تھا۔ جو کسی نے تو یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ پہلے اپنے بندوں سے کلام کرتا تھا اب نہیں کرتا۔ اور کسی نے یوں انکار کیا کہ خدا کا کلام کوئی خارجی شے نہیں ہے یہ انسان کے اندر کی ہی آواز ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مذہب کی بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے کلام کرتا تھا تو اب اُس کی وہ صفت کیونکر معطل ہو گئی۔ اگر وہ پہلے کلام کرتا تھا تو اب بھی اُسے کلام کرنا چاہیئے۔ اور اگر اب کلام نہیں کرتا تو پہلے کلام کرنے کا دعویٰ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وحی محض انسان کے اندر کی آواز ہے تو خدا کی ہستی۔ اس پر یقین۔ اس کی معرفت یہ سب امور محض کہانی ہو جاتے ہیں اور سلسلہ نبوت دونوں صورتوں میں باطل ہو جاتا ہے۔ پس سلسلہ نبوت کی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر صحیح یقین پیدا کرنے کیلئے ہی مجدد وقت نے سب باتوں سے پہلے اور سب سے بڑھکر مکالمہ الٰہیہ کی حقانیت پر زور دیا۔ اور خود اپنی خوابیں اور اپنے الہامات پیش کئے جن میں آئندہ امور کی اطلاع دی گئی تھی۔ اور اُن کے سچا ثابت ہونے پر شہادتیں مہیا کیں۔ یہی پیشگوئیوں کا سلسلہ تھا جو سلسلہ نبوت کی تائید کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد اور مامور من اللہ کے ذریعہ سے قائم کیا۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی جو اس زمانہ کے مجدد کے متعلق بطور مجاز اور

استعارہ نبی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چونکہ لغت میں نبی کے معنے ہیں غیب کی خبر بتانیوالا یا پیشگوئی کرنیوالا۔ اور کثرت سے پیشگوئیوں اور اخبار غیبیہ کا اظہار نبوت کی ایک صفت ہے۔ اسلئے اس صفت میں مماثلت کی وجہ سے ایک غیر نبی پر جو ملہم من اللہ ہو اور اُس پر کثرت سے اخبار غیبیہ ظاہر ہوتی ہوں ہم مجاز اور استعارہ کے طور پر لفظ نبی کا استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر شرعی اصطلاح کے رُو سے نہیں۔ اور یہ مجاز اور استعارہ کے طور پر اس لفظ کا استعمال فقط اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا کہ اگرچہ نبوت ختم ہے مگر اُس کے وجود پر دلیل قائم رکھنے کے لئے نبوت کی ایک صفت مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ کی خدا کے خاص دلیوں میں ظہور پکڑتی رہتی ہے کیونکہ انسان کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ثابت ہوئے بغیر سلسلۂ نبوت بالکل مشتبہ ہو جاتا ہے۔ پس نبوت کی صداقت کو حق اور یقین کے مرتبہ پر پہنچانے کیلئے ضروری تھا کہ اس مادہ پرستی کے زمانہ میں کوئی ایسا صاحب حال مثیل انبیاء وجود ہو جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی اہل دنیا پر ثابت ہو جائے۔ اور وہ سلسلۂ نبوت پر بطور ایک حجت بیّنہ کے ہو۔ پس یہ مجازی نبوت جو اولیا اللہ کے وجود میں ظاہر ہوتی ہے حقیقی اور اصلی نبوت پر بطور دلیل کے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل بھی اسی مکالمہ الٰہیہ کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ یورپ کی مادی تعلیم نے خدا کی ہستی پر یقین کو بہت متزلزل کر دیا تھا اسلئے مجدد وقت کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ کامل یقین سے اعلان کرے کہ خدا ہے اور وہ مجھ سے بولتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل پیدا ہو کر اس سے حقیقی تعلق پیدا کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مذہب کی اصل روح جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل ہے واپس نہ آسکتی تھی جب تک کہ انسان سے اس کے ہم کلام ہونے کو ایک حقیقت کے رنگ میں نہ پیش کیا جاتا۔ اور یہی مطلب اُس حدیث کا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایمان اگر ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اُسے واپس لائیگا۔

قیام دہلی

رُودِ دہلی حضرت اقدس مرزا صاحب لدھیانہ سے قادیان تشریف لے گئے وہاں سے کچھ روز کے بعد پھر واپس لدھیانہ تشریف لائے۔ وہاں ایک ہفتہ رہ کر دہلی کا قصد کیا۔ اُس زمانہ میں دہلی علم دین کے لحاظ سے ایک علمی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ بالخصوص وہاں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ایک بہت بڑے عالم و فاضل تھے جو اہل حدیث میں تمام علما کے سرتاج اور اُستاد گنے جاتے تھے اور شیخ الکل کہلاتے تھے۔ اور ایک اور مولوی مقلدین میں بہت مشہور تھے جو گورنمنٹ سے شمس العلما کا خطاب بھی رکھتے تھے اور جن کا نام مولوی عبدالحق تھا اور تفسیر حقانی کے مصنف تھے۔ اس کے علاوہ اُس زمانہ میں وہاں

مولویوں کا ایک دنگل لگا ہوا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے خیال کیا کہ وہاں اتمام حجت کا اچھا موقعہ ہے اور علماء سے گفتگو کرنے پر شاید کچھ نتیجہ خاطر خواہ نکل آوے۔ چنانچہ آپ اسی سال ۱۸۹۱ء ہی میں دہلی تشریف لے گئے اور کوچہ بلیماراں میں نواب لوہارو کی کوٹھی میں مقیم ہوئے۔ آپ کے ساتھ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔ سید امیر علی شاہ صاحب سیالکوٹی۔ غلام قادر فصیح سیالکوٹی۔ منشی ظفر احمد صاحب اور محمد خاں صاحب کپورتھلوی وغیرہ تھے۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب بھی بعد میں پہنچ گئے۔ حضرت صاحب سے ایک دن قبل مولوی محمد حسین بٹالوی بھی دہلی پہنچ گیا اور اپنے اُستاد مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی اور دیگر علما کو خوب بھکایا۔ اور ان علما کے ذریعہ سے ساری دہلی کی آبادی کو ایسا بھڑکایا کہ مخالفت کی آگ بڑے زور سے چاروں طرف پھیل گئی۔ اور دہلی والوں نے مخالفت کی انتہا کر دی۔ آخر حضرت مرزا صاحب نے ان غلط فہمیوں کو دُور کرنے کیلئے جو مولویوں نے پھیلائی تھی ایک اشتہار بعنوان "ایک عاجز مسافر کا اشتہار دہلی میں" نکالا جسے تمام دہلی میں تقسیم کیا وہ اشتہار ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر دہلی کے بعض اکابر علما میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ملائکہ کا منکر بہشت اور دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبریل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ لہذا میں اظہار الحق عام اور خاص اور تمام بندگان کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ الزامات سراسر افترا ہیں۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں۔ اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر ہوں۔ بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ان تمام باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رُو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی..... اس میری تحریر پر ہر ایک شخص گواہ رہے اور خداوند علیم وسمیع اوّل الشاہدین ہے کہ میں اُن تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں اُن تمام امور پر ایمان رکھتا ہوں جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں درج ہیں ..... (اشتہار ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء صفحہ ۱)

علاوہ ازیں اس اشتہار میں آپ نے اپنے دعوے کو بھی کھول کر بیان کر دیا۔ اور یہ بھی لکھا کہ مسائل متنازعہ فیہ میں اگر شک و شبہ ہو تو دہلی کے چوٹی کے علما یعنی مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحق صاحب

اس عاجز سے گفتگو کرلیں تا حق اور باطل میں امتیاز ہو جائے۔ لیکن یہ تمام صفائیاں اور دعوت الی الحق صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ اور مخالفت کی آگ اُسی تیزی سے بھڑکتی رہی۔ لوگ حضرت اقدس کے مکان کے گرد ہجوم لگائے رکھتے اور آپ کو گالیاں دیتے اور طرح طرح کی بکواس کرتے اور بات بات میں شُدپن دکھاتے اور عجیب عجیب حیوانوں کی طرح بولیاں بولتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اچھے خاصے بڈھے بڈھے لوگ سفید داڑھیوں والے بھی تالیاں بجا بجا کر حضرت اقدس کو گالیاں دیتے اور بکواس کرتے نظر آتے تھے۔ حضرت کا کوئی ملازم اگر سودا سلف لینے مکان سے باہر نکلتا تو اُسے گھیر لیتے اور طرح طرح سے اُسے دق کرتے۔ گالیاں دیتے اور اُس غریب کا ناک میں دم کر دیتے۔

شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب دہلوی کی چالاکی

حضرت اقدس نے چونکہ اپنے اشتہار میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے ساتھ شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب دہلوی کو بھی گفتگو و بحث کیلئے دعوت دی تھی اس لئے مولوی عبدالحق صاحب کو فکر پڑ گیا اور بہت گھبرائے۔ آخر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت میں تو آپ کا بچہ ہوں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کا مقابلہ بھلا مجھ جیسا ناچیز آدمی کیا کر سکتا ہے۔ غرضکہ ایسی ایسی منافقانہ باتیں بنا کر کہنے لگے کہ میرا نام اشتہار مباحثہ سے کاٹ دیں۔ میں ایک فقیر گوشہ نشین اور ایک درویش زاویہ گزین ہوں۔ ان مباحثات سے مجھے سروکار نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا مولوی صاحب آپ ہی اپنے ہاتھ سے اپنا نام کاٹ دیں۔ پس شمس العلما صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا نام کاٹ دیا۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ اثنائے گفتگو میں مولوی عبدالحق صاحب نے وفات مسیح پر کچھ کلام کر کے ایک مصرعہ عربی زبان کا پڑھا جو سارا تو پیر صاحب کو یاد نہ رہا مگر اس کا اتنا حصہ ضرور یاد رہ گیا کہ تُوَفِّیْ کُلُّ نفسٍ اور کہا کہ دیکھئے کہ یہ شاعر قدیم عرب جاہلیت کا کیا کہتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ کس باب سے ہے حضرت اقدس کا یہ فرمانا اور شمس العلما صاحب کی علمیت کے سورج کو گرہن لگ گیا۔ مولوی صاحب ایسے مغروب ہوئے کہ سر نہ اُٹھایا۔ پھر بہت دیر کے بعد کہنے لگے کہ "ہاں ہاں حضرت میں غلطی پر تھا۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ معاف فرمایئے از خوردان خطا و از بزرگان عطا"۔ یہ سب باتیں بنا کر چلتے ہوئے۔ حضرت صاحب نے ۱۰ تا ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جو اشتہار نکالا اس میں حسب وعدہ صاف لکھ دیا کہ چونکہ مولوی عبدالحق صاحب نے ہم سے یہ بیان کیا ہے کہ میں ایک گوشہ گزین آدمی ہوں اور اس قسم کے جلسوں کو جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہو پسند نہیں کرتا اور نہ حکام کی طرف سے حفظ امن کا انتظام کروا سکتا ہوں۔ اس لئے اب ہم اُن سے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدّث دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہم سے بہ پابندیٔ شرائط مباحثہ کرلیں۔ جب یہ اشتہار شائع ہوگیا اور شمس العلما مولوی عبدالحق صاحب کو تسلی ہوگئی کہ یہ بلا سر سے ٹل گئی۔ تو یار لوگوں میں کہنا شروع کر دیا کہ مرزا بھلا مجھ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مَیں وہاں گیا تو مرزا نے بمنت و سماجت مجھ سے یہ کہا کہ حضرت مولوی صاحب مَیں آپ سے مباحثہ نہیں کر سکتا آپ سے مقابلہ کرنے کی تاب مجھ میں نہیں ہے۔ مَیں نے غلطی سے آپ کا نام لکھ دیا تھا۔ اجی۔ مَیں نے مرزا کو ایک ہی سوال میں لے ڈالا وغیرہ وغیرہ" یہ ہیں آجکل کے مولوی اور مفسّرِ قرآن اور شمس العلما۔ جن کے جھوٹ اور منافقت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

مولوی سیّد نذیر حسین صاحب سے ایک فرضی مباحثہ کا انعقاد

۶۔ اکتوبر کے اشتہار سے قبل حضرت مرزا صاحب کے دعوت مباحثہ کے جواب میں مولوی سیّد نذیر حسین صاحب یہی کہتے رہے کہ میرے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ اُن میں سے کسی سے بحث کرلو۔ اس کا حضرت اقدس نے یہ جواب دیا کہ مولوی صاحب آپ کے سینکڑوں ہزاروں شاگرد ہیں۔ کس کس سے بحث کی جاوے۔ ایک شکست کھا جاویگا تو دوسرے کو کھڑا کر دو گے۔ دوسرا ہزیمت پائے گا تو تیسرے کو کھڑا کر دو گے۔ علیٰ ہذا القیاس چوتھا پانچواں وغیرہ وغیرہ۔ پس احقاق حق کا طریق تو یہ ہے کہ آپ خود اس مسئلہ میں بحث کریں۔ آپ جڑ کی طرح اور آپ کے شاگرد شاخوں کی طرح ہیں جڑ سالم رہی تو شاخیں بھی برقرار رہیں گی اور جو جڑ ہی اُکھڑ گئی تو پھر شاخیں آپ ہی سوکھ کر گر جائیں گی اور یہ جو منظور نہیں تو ایسا کرو کہ اپنے شاگردوں میں سے جس کے علم و فضل پر بھروسہ اور کامل اطمینان ہو اُس شاگرد کو میرے مقابلہ پر کرو اور یہ لکھ دو کہ اس کی فتح ہماری فتح اور اس کی شکست ہماری شکست سمجھی جائے گی۔ مگر مولوی نذیر حسین صاحب کو یہ منظور نہ ہوا اور وہی اپنی رٹ لگائے گئے کہ میرے کسی شاگرد سے مباحثہ کرلو۔ تم پہلے اپنے آپ کو مومن مسلمان تو ثابت کرلو پھر مجھ سے مباحثہ کرنا۔ اور یہ سب کچھ محمد حسین بٹالوی اور اُن کے دوسرے شاگرد رشید جو تعداد کثیر میں انہیں چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے تھے کہلوا رہے اور کروا رہے تھے۔ چنانچہ پیر سراج الحق صاحب کا بیان ہے کہ پیر صاحب موصوف کے دو مریدان مولویوں کے پاس شب و روز موجود رہتے اور جو کچھ حالات سُنتے وہ پیر صاحب سے آکر کہہ جاتے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز مولوی سید نذیر حسین صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی سے صاف کہہ دیا کہ ارے محمد حسین کیوں بڑھاپے میں میری مٹی پلید کراتا ہے اور کیوں مجھے خدا کے روبرو روسیاہ بناتا ہے۔ جانے دے۔ مسیح کی حیات کا کہیں بھی اتا پتا نہیں۔ کیا تم قیامت کو میری طرف سے جواب دہی کرو گے" محمد حسین نے خم ٹھونک کر کہا ہاں خدا کے سامنے تمہاری طرف سے جواب دے لیں گے۔ اور یاد رکھنا اگر اس کے بعد ایسا کلمہ پھر منہ پر لائے تو تمہاری زندگی خراب ہو جاوے گی۔ اور ہم سب تم سے پھر جاویں گے

کدھر جاؤ گے کہاں رہو گے۔ مولوی نذیر حسین صاحب بوڑھے آدمی بالکل شیخ فانی۔ شاگردوں کی دھمکی سے مرعوب ہو گئے اور اُن کے ہاتھ میں کٹھ پُتلی بن کر رہ گئے۔ [1]

۶۔ اکتوبر کا جو حضرت صاحب کا اشتہار نکلا تو شاگردوں کو فکر پڑی۔ ان سب نے مل کر ایک اشتہار دیدیا کہ کل سید نذیر حسین صاحب کا مرزا کے ساتھ مباحثہ ہے اور اہتمام یہ کیا کہ حضرت اقدس کو اشتہار پہنچنے ہی نہ پائے۔ چنانچہ آپ کو قطعاً پتہ نہ لگا۔ دوسرے دن عین مقررہ وقت پر حضرت صاحب کے پاس آدمی بھیج دیا کہ مباحثہ کیلئے تشریف لیجئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب مباحثہ کیلئے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت صاحب تو حیران رہ گئے۔ فرمایا کہ پہلے مجھ سے مشورہ لینا تھا۔ تاریخ اور وقت مجھ سے پوچھ کر مقرر کرنا تھا۔ حفظ امن کیلئے سرکاری انتظام کرنا تھا۔ یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ خود بخود یکطرفہ طور پر بغیر فریق ثانی کی منظوری اور اطلاع کے اور بغیر شرائط کے تصفیہ پانے کے اعلان کر دیا گیا اور مجھے عین وقت پر اب اطلاع دی جاتی ہے۔ اور مجھے تو اس صورت میں بھی انکار نہ ہوتا اور میں مباحثہ کیلئے چلا جاتا مگر آپ کے شہر میں مخالفت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں آوارہ گرد بدمعاش میرے مکان کے اردگرد شرارت کی نیت

[1] مولوی نذیر حسین صاحب سیدھے سادے بوڑھے آدمی تھے محض شاگردوں کے کہنے میں آکر بہ گئے ورنہ اپنی فطرت کے لحاظ سے وہ بُرے نہ تھے۔ شروع شروع میں وہ حضرت اقدس کی نسبت نہایت نیک ظن رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک فقہ کا واقعہ پیر سراج الحق صاحب اپنی کتاب تذکرۃ المہدی میں یوں لکھتے ہیں:۔ "میں نے (حضرت اقدس سے) عرض کیا کہ اس فرقہ کے بانی اور پیشوا مولوی نذیر حسین صاحب کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ہمارا مولوی نذیر حسین صاحب پر نیک گمان ہے وہ بھی ولی اللہ ہے" میں نے عرض کیا حضور میں نے مولوی نذیر حسین صاحب کی نسبت بہت کچھ بُرا لکھا ہے۔ فرمایا "معاف کرانا چاہئے۔ وہ شخص بُرا نہیں جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں ویسا نہیں ہے" پھر میں جب حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت سے رخصت ہوا تو دہلی آیا۔ اور دہلی میں آکر مولوی نذیر حسین صاحب کے مکان پر گیا۔ اور آواز دی۔ مولوی صاحب نے ایک لڑکا اندر سے بھیجا کہ دریافت کرے کہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ ایک مسافر ہوں۔ آپ باہر آویں کچھ کام ہے۔ مولوی صاحب باہر آئے اور السلام علیکم کیا۔ اور کہا کیا کام ہے۔ میں نے کہا آرام سے بیٹھ کر پوچھئے۔ کوئی چارپائی منگوائیے۔ مولوی صاحب نے چارپائی منگوائی۔ ہم دونو بیٹھ گئے۔ فرمایا آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں رہتا تو مرساوہ ضلع سہارنپور میں ہوں لیکن اب میں قادیان سے آرہا ہوں۔ کہا حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے بھی ملے۔ میں نے کہا ہاں ان کے پاس سے ہی آرہا ہوں۔ کہا کہ بہت اچھا ہوا جو آپ وہاں گئے اور ملے وہ اُن مقدس لوگوں میں سے ہیں جو پہلے مقدس لوگ ہو گزرے ہیں۔ سرساوہ میں دھومن شاہ صاحب بھی تھے نام ان کا مخدوم احمد صاحب تھا۔ اور وہ مولوی فضل حق خیرآبادی کے مرشد تھے۔ میں نے کہا میں اُن کا ہی پوتا ہوں۔ پھر کہا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے میں نے کہا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب۔ پھر دوبارہ مولوی صاحب نے مصافحہ کیا اور کہا کہ ہم شاہ حبیب الرحمٰن صاحب سے ملے ہیں۔ آپ صاحبزادہ ہیں۔ آپ کیسے تشریف لائے۔ میں نے تمام سرگزشت قادیان کی بیان کی اور کہا کہ میں حسب الارشاد آیا ہوں کہ جو میں نے آپ کی نسبت گستاخی کی ہے ان کی معافی چاہتا ہوں۔ تو مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ اب جو قادیان جاؤ تو حضرت مرزا صاحب سے میرا اسلام مسنون کہہ دینا۔ پھر میں چلا آیا"

سے جمع رہتے ہیں اور ذمہ دار لوگ اُنہیں نہیں روکتے بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کہہ کر اُلٹا جوش دلاتے ہیں۔ پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کا انتظام نہ کر لوں میں نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں جائے مباحثہ اور راستہ میں بھی حفاظت کا انتظام جب تک نہ کر لیا جائے تب تک جانا کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا۔ اتنے میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب بھی لیکر آ گئے اور حضرت اقدس سے کہا کہ آپ مباحثہ کیلئے چلئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی چلتے ہیں"۔ مزہ یہ کہ خود مولوی نذیر حسین صاحب کو بھی خبر نہ تھی۔ لوگوں نے اپنی طرف سے ہی جلسہ قرار دے لیا تھا۔ حضرت اقدس نے وہی جواب حکیم صاحب کو دیا جو دوسروں کو دے چکے تھے۔ حکیم صاحب اس جواب کو سُن کر ناراض ہوئے کہنے لگے آپ کو کیا میں جو آپ کے ساتھ ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "مانا آپ کا بڑا رسوخ ہے۔ مگر آخر آپ ایک حکیم ہیں۔ کوئی بادشاہ نہیں۔ صوبہ دار نہیں۔ اگر فساد ہو جائے تو ہم آپ کا کیا کر لیں گے۔ آپ نے اُسوقت علیحدہ ہو جانا ہے یا اگر علیحدہ نہ ہوئے تو خود بھی پٹ جائیں گے"۔ اور حضرت اقدس کا فرمانا یہ بالکل صحیح تھا کیونکہ یہ جلسہ محض اسی غرض سے کیا گیا تھا کہ بلوہ کر کے حضرت کو قتل کر دیا جائے۔ اور پیر سراج الحق صاحب کے وہ دو نو مرید جو ان مولویوں کے بیچ میں رہا کرتے تھے یہی خبر لائے تھے کہ لوگ چھریاں کلہاڑیاں لیکر جمع ہوئے ہیں۔ مطلب فقط یہی ہے کہ بلوہ کر کے قتل کر دیا جائے۔ الغرض حضرت صاحب ان حالات کے ماتحت تشریف نہ لے گئے اور حکیم عبدالمجید خاں صاحب اُٹھکر چل دیئے۔ بس پھر کیا تھا تمام شہر میں شور مچ گیا کہ مرزا بھاگ گیا۔ مرزا بھاگ گیا جس جگہ جاؤ یہی چرچا یہی شور و غوغا۔ غرضکہ مخالفت آگے سے بھی دہ چند ہو گئی۔ اگرچہ حضرت صاحب نے جو کچھ واقعات تھے ان سب کو ایک اشتہار کی شکل میں شائع بھی کر دیا مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ کیونکہ مولوی صاحبان کا شب و روز پروپاگنڈا بڑے زور سے چل رہا تھا۔ اُن لوگوں نے سارے شہر میں ایک طوفان مچا رکھا تھا۔ اپنے دہلوی ہونے اور زبان پر فخر کرنیوالے ہایاں دہلی کو یہ کہہ کر اور بھی پھسلایا گیا کہ اگر مسیح مر گیا ہے اور مسیح نے اسی اُمت میں سے آنا ہے تو پھر اسے دلی والوں میں سے آنا چاہئے تھا نہ کہ ایک دیہاتی پنجابی ڈھگے کو یہ منصب خدا کی طرف سے مل جائے جس کی زبان کو دہلی والوں کی فصیح البیانی اور شیرین زبانی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اس پر دلی والے اور بھی پھولے اور خوش ہوئے اور اب تو جوش اسقدر بڑھ گیا کہ ہزاروں مفسد فتنہ پرداز لوگ حضرت صاحب کے مکان پر آ کر شور مچاتے اور گالیاں دیتے اور تمسخر اور استہزا سے کام لیتے۔ بہت آدمی تو حضرت اقدس کی خدمت میں تمسخر سے آتے اور بعض غصہ سے لال پیلے ہو کر آتے اور کھڑے کھڑے ہاتھ ملا کر کے اور حضرت اقدس کی ریش مبارک تک ہاتھ لیجا کر کہتے کہ "ارے تو پنجابی۔ ارے او پنجابی ڈھگے"۔ تو مسیح بن گیا۔ خدا نے ہم کو چھوڑ کر

تجھے مسیح بنانا تھا۔ ہم دلّی والے اس کے زیادہ حقدار تھے"۔ حضرت اقدس نہایت خاموشی سے سنتے اور حلم و تحمل کو کام میں لاتے۔ اگر کوئی گستاخ حضرت کی ریش مبارک پر ہاتھ بڑھاتا اور حضرت کے دوستوں میں سے کوئی اُسے سختی سے ڈانٹتا تو آپ اسے روک دیتے۔ ایک مرتبہ کئی سو بدمعاش اکٹھا کر کے آپ کے مکان پر یورش کر کے آ گئے۔ اور آپ پر حملہ کرنے کی نیت سے یکمرتبہ مکان میں داخل ہونا چاہا۔ لیکن زینہ تنگ تھا اور ایک ایک آدمی کر کے چڑھتا تھا اس لئے ایک ایک آدمی کی قطار میں وہ چڑھ رہے تھے۔ زینہ کے اُوپر کے دروازہ پر سید امیر علی شاہ صاحب سیالکوٹی کھڑے تھے وہ محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ بدمعاشوں سے بھگتنا جانتے تھے ساتھ ہی قوی الجثہ اور بڑے تن و توش کے آدمی تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کے بُرے تیور دیکھ کر ان کو اُوپر آنے سے روکا۔ مگر یہ لوگ کب ماننے والے تھے سیدھے چڑھے چلے گئے اور لگے بکواس کرنے۔ سید صاحب نے اُوپر والے آدمی کو پکڑ کر نیچے کی طرف اس زور سے پھینکا کہ اُس کے ساتھ وہ ساری قطار کی قطار زینہ پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا پڑی۔ بس پھر کیا تھا ایسا رُعب پڑا کہ وہ سارے کے سارے لچر لوگ گالیاں دیتے رفوچکر ہو گئے۔ ان ہی بازاری لوگوں کی ذیل میں ایک دفعہ مرزا حیرت بھی آن کودے۔

مرزا حیرت دہلوی صاحب کا افسوسناک رویّہ

مرزا حیرت دہلوی کو بہت لوگ جانتے ہیں۔ بعد میں اخبار کرزن گزٹ کے ایڈیٹر بھی بن گئے تھے۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی سے قرآن مجید کے ترجمہ میں مدّتوں اُلجھا کئے۔ یہ صاحب ایک سخت شہرت پسند دنیا دار اور سوقیانہ مذاق کے آدمی تھے۔ حضرت اقدس کے مکان پر ایک دن آپ بھی تشریف لے آئے۔ انگریزی لباس پہنے ہوئے سر برہنہ انگریزی فیشن کی لیڈھی مانگ نکالی ہوئی آئے اور آدھ گھنٹہ بیٹھ کر اور بکواس کر کے چلتے ہوئے۔ اس سے ایک یا دو دن پہلے مرزا حیرت صاحب نے یہ کارروائی کی تھی کہ ایک اشتہار چھپوایا جس کے ایک کالم میں عربی اور دوسرے کالم میں اُردو عبارت تھی یعنی اُسی عربی کا ترجمہ تھا۔ آپ ان اشتہاروں کو لیکر فتح گڑھ کے منارہ پر چڑھ بیٹھے اور وہاں سے وہ اشتہار پھینکنے لگے۔ اس اشتہار کا خلاصہ مضمون یہ تھا۔ میں اصلی مسیح آسمان سے اُترا ہوں اور دہلی میں دجال آیا ہوا ہے (نعوذ باللہ منہا) میں اسکے قتل کیلئے آیا ہوں۔ چونکہ یہ مضمون اور اشتہارات سب مولویوں وغیرہ کے مشورہ سے تھے۔ اس لئے کسی مولوی کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ تو یہ کیا کفر بکتا ہے۔ نزول مسیح کی پیشگوئی آنحضرت صلعم کی پیشگوئی تھی۔ اس کا استخفاف خود جناب رسالت مآب کا استخفاف تھا۔ لیکن سب مولوی سُن سُن کر ہنستے رہے اور کسی نے اس بیہودگی کو بُری نظر سے نہ دیکھا۔ ایک دن انہی مرزا حیرت صاحب نے یہ کام کیا کہ مصنوعی انسپکٹر پولیس بن کر آن کودے۔ حضرت اقدس سے کہنے لگے کہ میں انسپکٹر پولیس ہوں سرکار سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

حضرت اقدس نے اس کے کہنے پر بالکل خیال تک بھی نہ کیا اور بات تک بھی نہیں کی۔ صرف سید امیر علی شاہ صاحب نے جو خود پولیس میں ملازم تھے اُس سے ایک سوال کیا جس سے مرزا حیرت صاحب بہت گھبرائے۔ سمجھے کہ راز فاش ہوگیا۔ فوراً نوکدم وہاں سے چل دیئے۔ اور پھر مڑ کر نہ آئے +

مولویوں کا بدنام کن پروپاگنڈا

دہلی میں ان مولویوں کی طرف سے حشرات الارض کی طرح اشتہار نکل رہے تھے جس میں طرح طرح کے غلط عقائد حضرت اقدس کی طرف منسوب کئے جاتے تھے اور لوگوں کو آپ سے بدظن کیا جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک بزرگ سفید ریش حضرت اقدس کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت اقدس اُوپر کی منزل میں تھے۔ اس لئے پیر سراج الحق نعمانی صاحب سے ملاقات ہوئی کہنے لگے کیا آپ لوگ قیامت کے منکر ہیں۔ پیر صاحب نے کہا نہیں۔ کون کہتا ہے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے یہ اشتہار کہتا ہے جو موجود ہے اس میں کتاب کا نام صفحہ وسطر کا پتہ تک لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں۔ پیر صاحب نے کہا یہ اشتہار مخالفوں کا ہے۔ ان کو سوائے بہتان طرازی کے اور کوئی کام ہی نہیں۔ وہ بزرگ بولے کہ اس اشتہار میں ازالہ اوہام کا نام لکھا ہے وہ منگواؤ۔ دیکھیں تو سہی۔ آخر یہ لوگ بھی مولوی ہیں ایسا صریح اور کھلم کھلا جھوٹ کیوں بولنے لگے"۔ پیر صاحب کے پاس کتاب ازالہ اوہام موجود تھی اُن کے حوالہ کی۔ ان بزرگ نے وہ کتاب دیکھی۔ اشتہار میں جو پتہ صفحہ اور سطر کا تھا وہ کھول کر دیکھا تو وہاں قیامت کا ذکر تک بھی نہ تھا۔ اس پر وہ بزرگ بولے کہ شاید صفحہ وسطر لکھنے میں کاتب غلطی کر گیا۔ پیر صاحب نے کہا اگر اس پر بھی آپ کو شبہ ہے تو ساری کتاب دیکھ لیجئے۔ سو اُنہوں نے نصف کتاب تو وہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ ڈالی۔ پھر کہا کہ مجھ کو یہ کتاب دیدیں میں گھر پر دیکھوں گا۔ اُنہوں نے کہا بہت خوب۔ چنانچہ وہ کتاب لیگئے اور دوسرے دن مشتہر کو گالیاں دیتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ اب مجھ کو یقین ہوگیا کہ یہ مولوی جھوٹے ہیں۔ اسی طرح جامع مسجد دہلی میں جب حضرت بحث کیلئے تشریف لیگئے تھے وہاں بہت سے لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کلمہ نہیں پڑھتے اور منکر کلمہ ہیں بعض یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ کلمہ نہ پڑھتے تو مسجد میں کیوں آتے۔ اور قرآن شریف احادیث اور تفسیروں کی کتابیں ان کے پاس کیوں ہوتیں۔ آخر ایک ضعیف العمر بزرگ آگے بڑھے (وہ پیر سراج الحق نعمانی صاحب کو پہلے سے جانتے تھے) اور پیر سراج الحق نعمانی صاحب سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔ پھر کہا کہ تمہارا مذہب کیا ہے انہوں نے کہا اسلام۔ پھر پوچھا کہ تمہارا طریق کیا ہے (اس سے مطلب اُن کا شاید حنفی شافعی وغیرہ ہوگا) اُنہوں نے کہا کہ اسلام۔ پھر دریافت کیا کہ تم کلمہ نہیں پڑھا کرتے۔ اُنہوں نے کہا کیوں نہیں پڑھتے ضرور پڑھتے ہیں۔ وہ لوگ

بولے کہ اگر کلمہ پڑھتے ہو تو پڑھ کر سناؤ۔ اُنہوں نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اب وہ بزرگ لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ یہ تو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ تم تو کہتے تھے نہیں پڑھتے بعض نے کہا کہ جی ہم نے مولویوں سے ایسا سُنا تھا کہ یہ لوگ کلمہ نہیں پڑھتے۔ مگر اب تو پڑھتے ہوئے خود اپنے کانوں سے سُن لیا۔ بعض نے کہا کہ نہیں جی اس وقت ڈر کے مارے کلمہ پڑھ دیا ورنہ درحقیقت یہ لوگ نہیں پڑھتے اس پر وہ بزرگ بولے کہ دل چیر کر تم نے دیکھا ہوگا ہم تو ظاہری طور پر دیکھتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ تم نبیوں رسولوں ولیوں کو مانتے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اگر نبیوں اور رسولوں ولیوں کو نہ مانتے ہوتے تو حضرت مرزا صاحب کو ولی اللہ اور مسیح موعود کس طرح مان لیتے۔ اس کے بعد ان سب میں نا اتفاقی ہوگئی اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ بیکن پولیس والوں نے اُنہیں ہٹا دیا۔ [1]

مولوی محمد احمد صاحب کی فتنہ انگیزیاں

مولوی محمد احمد صاحب مولوی بشیر بھوپالی کے ساتھ والوں میں سے تھے۔ یہ مولوی صاحب ایک روز کئی مولویوں کو ساتھ لیکر آئے اور کہنے لگے کہ آپ کا دعویٰ اگر ولی اللہ ہونے کا ہوتا

[1] اسی قسم کا ایک واقعہ خاکسار مؤلف کو لکھنؤ کا یاد آگیا جس کا ذکر کرنا یہاں بے محل نہ ہوگا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں خواجہ کمال الدین مرحوم اور حضرت مولانا محمد علی صاحب ندوۃ العلما کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے لکھنؤ گئے۔ خواجہ صاحب کا لکچر سیرت حضرت نبی کریم صلعم پر جو شروع ہوا تو اُس نے پبلک کو مسحور کر لیا۔ مولانا شبلی مرحوم تو بڑے وسیع القلب اور فراخ حوصلہ بزرگ تھے۔ اور اُنہی کی وجہ سے خواجہ صاحب کا لکچر ندوہ میں ہوا تھا۔ مگر دوسرے علما جو تنگدل اور متعصب تھے خواجہ صاحب کے لکچر کو برداشت نہ کر سکے۔ عین لکچر کے دوران میں جب لوگ آنحضرت صلعم کی سیرت پر ایسا فصیح و بلیغ لکچر سُن کر جھوم رہے تھے ایک مولوی چپکے سے پیچھے سے آکر کرسی پر چڑھ گیا اور اپنا لکچر شروع کر دیا۔ لوگوں نے شور مچایا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے۔ مگر وہ مولوی بولتا گیا اور کہنے لگا یہ کافر مرزائی لوگ ہیں ان کا لکچر سننا کفر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس وقت تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور کمالات کا ذکر اس خوبی اور عجیب و غریب پیرایہ میں کر رہے ہیں کہ ہم نے کسی مولوی کی زبان سے ایسا نہیں سُنا۔ مولوی بولا کہ ان کے منہ سے آنحضرت صلعم کی خوبیاں سننا بھی کفر ہے۔ لوگوں نے کہا ایک عیسائی انگریز آنحضرت صلعم کی تعریف میں ایک کلمہ لکھ دیتا ہے تو تم اُسے سند کے طور پر لئے پھرتے ہو تو یہ تو پھر اپنے آپ کو مسلمان اور آنحضرت صلعم کا غلام کہتے ہیں۔ مولوی بولا کہ ان کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھکر ہے۔ آخر جب کسی طرح اس مولوی نے نہ مانا تو پبلک نے خواجہ صاحب کو کہا کہ آپ میدان میں تشریف لیجئے اور وہاں لکچر کیجئے ہم سب آپ کے ساتھ چلتے ہیں ہم وہاں آپ کا لکچر سنیں گے۔ چنانچہ ندوہ کے جلسہ کی جگہ سے باہر باغی لکچر ہوا اور پبلک بڑے شوق سے وہ لکچر سُنا۔ لکچر کے خاتمہ پر ایک بہت بڑے رئیس نہایت بزرگ موقع تشریف لائے وہ اس لکچر سے بہت متاثر تھے انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ چلئے فنٹن تیار ہے میں آپ کو آپ کی جائے قیام تک پہنچا آؤں۔ رستہ میں اُنہوں نے خواجہ صاحب کے لکچر کی بڑی تعریف کی اور کہا مجھے فقط اتنا بتا دیجئے کہ کیا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مرحوم قرآن کریم پر ایمان رکھتے تھے میں چاہتا ہوں یہ خلش میرے دل سے نکل جائے۔ یہ خواجہ صاحب نے کہا کیوں نہیں وہ تو سارے قرآن الحمد سے لیکر والناس تک پر ایمان رکھتے تھے مگر آپ کے مولوی سارے قرآن پر ایمان نہیں رکھتے"۔ وہ چونک پڑے کہنے لگے وہ کس طرح"۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ آپ کے مولوی تو قرآن کی پانچسو آیتوں کو منسوخ سمجھتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب کسی آیت کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے بلکہ قرآن کے ایک ایک لفظ کو منجانب اللہ و قابل عمل سمجھتے تھے"۔ اس پر وہ بزرگ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے بس میری تسلی ہوگئی۔ اللہ اللہ ان علما نے کس قدر غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔

تو سب سے پہلے میں اُمتاً وعندقنا کہتا۔ لیکن مسیح موعود کا دعویٰ کھٹکتا ہے۔ یہ آپ چھوڑ دیں تو میں ساری دہلی آپ کے تابع ہے۔ حضرت اقدس مسکرا کر اور اتنا کہہ کر چپ ہو رہے کہ "یہ دعویٰ میں نے اپنی طرف سے بنایا ہوتا تو آپ کے کہنے کے مطابق عمل کر لیتا۔ لیکن جو امر خدا کے حکم کے ماتحت ہو اُس میں دخل دینا بندہ کا کام نہیں"۔ اس مولوی نے جو بظاہر حضرت اقدس کو ولی اللہ تک ماننے کو تیار تھا بعد میں جو جو شر اور فساد پھیلائے وہ محمد حسین بٹالوی کی شرارتوں سے کم نہ تھے۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ یہی مولوی محمد احمد ایک روز مجھ سے کہنے لگا کہ "مرزا صاحب نے یقیناً نبوت کا دعویٰ کیا ہے"۔ میں نے کہا "کہ تم غلط کہتے ہو"۔ اُس نے کہا کہ "مرزا صاحب نے لکھا ہے المحدّث نبیٌ"۔ میں نے کہا کہ ہاں لکھا ہے۔ محدث کا لفظ ہی ثابت کرتا ہے کہ دعویٰ نبی ہونیکا نہیں۔ کیونکہ آگے اس عبارت میں فرماتے ہیں کہ "امتنا بانقطاعها" (کہ ہم نبوت کے منقطع ہو جانے پر ایمان رکھتے ہیں) ساری عبارت پڑھنے" تو خاموش ہو گیا۔ میں نے یہ واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صحیح جواب اس کا یہی تھا کہ "امتنا بانقطاعها"۔ یہ لوگ نبوت کے معنے ہی نہیں سمجھے صرف ایک لفظ کو پکڑ رکھا ہے۔ بخاری شریف کو یہ لوگ پڑھتے ہیں مگر تدبر نہیں کرتے۔ اسی میں لکھا ہے کہ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات (کہ نبوت میں سے باقی نہیں مگر مبشرات۔ گویا نبوت سے مراد فقط وہی مبشرات ہیں جو ایک جزئی نبوت ہے اور جو اولیا اللہ کو ملتی ہے) +

اشتہاروں کی کتابت اور طباعت کا مقاطعہ

مولوی لوگ تو طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا ہی رہے تھے مگر حضرت اقدس نے بھی اہل دہلی کا پیچھا نہ چھوڑا اور دو تین اشتہار ایسے معقول اور مؤثر شائع کئے جن کا اثر دہلی کے معقول اور انصاف پسند طبقہ پر پڑا۔ اس پر مولویوں کو فکر پڑ گئی کہ اس قسم کے اشتہار اگر نکلتے رہے تو ہمارا کیا کرایا سارا ملیامیٹ ہو جائے گا۔ ضرور ہے کہ مرزا کے اشتہاروں کا چھپنا کسی طرح بند کیا جائے۔ تب سب نے مشورہ کر کے دہلی کے مطبع والوں پر زور ڈالا۔ چنانچہ تمام شہر کے مطبع والوں نے حضرت اقدس کے اشتہار چھاپنے بالکل بند کر دیئے۔ اب بڑی مشکل پڑی۔ لیکن اللہ والوں کا آخری حربہ دعا ہوتا ہے۔ حضرت اقدس دعاؤں میں لگ گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عجیب و غریب سامان پیدا ہوتا ہے۔ ایک اہل حدیث مولوی کی طرف سے حضرت اقدس کے خلاف ایک اشتہار اس مضمون کا نکلا کہ غلام احمد۔ غلام نبی غلام محمد۔ غلام رسول وغیرہ نام رکھنا شرک میں داخل ہے۔ مطلب تو حضرت اقدس کے نام غلام احمد پر حملہ کرنا تھا۔ مگر یہ فتحپوری کے علما کو جو حنفی تھے بہت بُرا لگا۔ اور اُن کے ایک بڑے مولوی محمد عثمان صاحب کو بہت رنج پہنچا۔ انہوں نے ایک اشتہار اس اشتہار کے جواب میں شائع کیا کہ علماء اہل حدیث نے یہ

مرزا غلام احمد پر ہی حملہ نہیں کیا بلکہ دراصل ہم سب مقلدین اور اہل سنت والجماعت پر حملہ کیا ہے کیونکہ ہمارے نام اسی قسم کے ہیں اور ہم ان ناموں کو جائز رکھتے ہیں۔ اس کے بعد مولوی محمد عثمان صاحب خفیہ طور سے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک لمبا رقعہ لکھا منجملہ اس مضمون کے جو اس رقعہ میں تھا یہ بھی لکھا تھا کہ "اللہ تعالیٰ کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں جیسی اپنی جان سے محبت رکھتا ہوں۔ ان وہابی مولویوں نے بڑی شرارت کی ہے۔ میں ان میں شریک نہیں ہوں۔ گو میں آپ کو مسیح موعود نہیں مانتا مگر میں آپ کی طرف ہوں۔ آپ جو اشتہار وغیرہ چھپوانا چاہیں میری معرفت چھپوائیں۔ میرا شاگرد کاپی نویس ہے اور عمدہ کاپی نویس ہے اس سے کاپی لکھوا دوں گا۔ اور ایک اہل مطبع میرا شاگرد ہے میں اس مطبع میں چھپوا دوں گا" سو آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت اقدس کا اشتہار نکلا تو مولوی بہت گھبرائے لیکن معاملہ کی تہ کو سمجھ گئے۔ چنانچہ وہ اشتہار جس میں غلام رسول غلام محمد نام ناجائز بتائے تھے واپس لے لیا اور کہا کہ ہمارا قصور معاف کر دو لیکن مرزا کا اشتہار نہ نکلنے دو۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مولوی محمد عثمان صاحب اپنے اقرار پر قائم رہے۔

مولوی سید نذیر حسین صاحب کا مباحثہ سے گریز

آخر جب حضرت اقدس نے دیکھا کہ یہ لوگ یوں تو باز نہیں آئیں گے اور مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو مقابلہ کیلئے نہیں نکلنے دیتے تو آپ نے ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کے اندر تمام حالات اور گذشتہ سرگذشت درج کی۔ اور بالآخر لکھا کہ اب میں نے حفظ امن کا انتظام کر دیا ہے۔ ۲۰۔ تاریخ اکتوبر کو ہم بوقت عصر جامع مسجد دہلی میں جاویں گے۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب کو چاہئے کہ وہ بھی مباحثہ کیلئے جامع مسجد میں آجاویں اگر بحث نہیں کرتے تو صرف اتنا کام کریں کہ میں پہلے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے اتمام حجت کے طور پر مسیح ابن مریم کی وفات اور اپنے دعوئے مسیح موعود پر تقریر کروں گا۔ جب میں سارا بیان سنا چکوں تو مولوی نذیر حسین صاحب مجمع عام میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا جاویں اور قسم کھا کر کہہ دیں کہ جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے اس مسئلہ میں استدلال کیا ہے یہ سب غلط ہے اور وفات مسیح اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس قسم کے بعد ایک سال تک انتظار کریں۔ اگر ایک سال میں مولوی نذیر حسین صاحب پر عذاب الٰہی نہ نازل ہوا تو میں اپنی کتابوں کو تلف کر دوں گا اور جلا دوں گا۔ اور اپنے مسیح موعود کے دعوے سے رجوع کروں گا اور دستبردار ہو جاؤں گا۔ اور جو مولوی نذیر حسین صاحب پر عذاب نازل ہو گیا۔ جو مخالفین حق اور مکذبین پر ہوا کرتا ہے تو میری صداقت عالم پر آشکارا ہو جائے گی۔ اور جو اس تاریخ کو جامع مسجد میں حاضر نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو"

اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی دہلی والوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور ایک شور برپا ہوگیا۔ مولوی نذیر حسین صاحب اور اُن کے شاگردوں کے ہوش اُڑ گئے۔ اور بات یوں بنائی کہ مولوی صاحب بڈھے ہیں اُن کا مرجانا کوئی عجیب بات نہیں اس لئے یہ کوئی معیار صداقت نہیں ہوسکتا۔ پس ہم اسے ہرگز تسلیم نہیں کرسکتے آخر معقول اور حق پسند طبقہ نے اُنہیں مجبور کیا کہ آخر خدا پر کوئی ایمان رکھتے ہو۔ دو فریق بڈھے ہیں۔ کیا خدا حق ظاہر کرنے کیلئے مولوی نذیر حسین صاحب کو ایک سال تک موت سے نہیں بچا سکتا۔ جامع مسجد میں مباحثہ یا قسم ضرور ہونی چاہئے۔ خیر مولوی لوگ مان تو گئے مگر ساتھ ہی عوام کو مشتعل کیا اور اُن کے ذہن نشین کردیا کہ مرزا کو قتل کر دینا بڑا ثواب ہے مسجد میں ہی بلوہ کرکے قتل کردو۔ بلوۂ عام میں قاتل کا پتہ تو لگ ہی نہیں سکتا۔ اور اگر چند آدمیوں کو سال سال دو دو سال قید ہو بھی گئی تو کیا پروا ہے۔ الغرض جب وہ دن اور وہ وقت مقررہ آیا تو لوگ جوق در جوق جامع مسجد میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ ساری جامع مسجد اندر اور باہر لوگوں سے بھر گئی اور سیڑھیوں تک پر اژدحام ہوگیا۔ اُس روز صبح سے لوگ حضرت اقدس کے پاس یہ پیغام وقتاً فوقتاً لانے لگے کہ حضرت آپ جامع مسجد میں ہرگز نہ جاویں فساد ہوجائیگا۔ خدانخواستہ آپ کو تکلیف پہنچ گئی یا جان چلی گئی تو کیا فائدہ ہوگا۔ ان لوگوں میں مولویوں کے آدمی بھی تھے جن کا مطلب یہ تھا کہ مرزا اس ڈر سے اگر مسجد میں نہ پہنچا تو شور مچا دیں گے کہ دیکھو مرزا خود ہی بھاگ گیا۔ مگر ان میں بعض خیر خواہ بھی تھے۔ چنانچہ حافظ محمد اکبر صاحب جو ایک واعظ خوش الحان تھے وہ بھی آئے اور کہنے لگے کہ

"حضرت آپ جانے کو جائیں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ دہلی کے لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں چھریاں چاقو اور کسی کے ہاتھ اور دامن اور جیب میں نوکدار پتھر ہیں۔ پتھر ایک دم برسیں گے اور پھر چھریاں چلیں گی" مگر حضرت اقدس بار بار فرماتے تھے کہ:۔

"کوئی پروا نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس وگر اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا) پس اللہ تعالیٰ کی حفاظت کافی ہے۔ اب ہم جانے سے رُک نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم نے جو غیر حاضر پر لعنت لکھی ہے اس لعنت کے مورد ہم خود نہیں بن سکتے"

جامع مسجد دہلی کا واقعہ الغرض ظہر و عصر کی نماز ظہر کے وقت جمع کی گئی اور تین بگھیاں کرایہ کی منگائی گئیں۔ ایک بگھی میں حضرت اقدس اور سیّد امیر علی شاہ صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب اور ایک صاحب اور بیٹھے۔ اور باقی دو میں غلام قادر فصیح صاحب۔ محمد خاں صاحب کپورتھلوی اور پیر سراج الحق نعمانی صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بھیروی اور دیگر احباب بیٹھے۔ ایک دو احباب کو مکان پر حفاظت کے لئے چھوڑا۔ حضرت اقدس کے ہمرکاب اسوقت کل بارہ آدمی تھے جو مسیح ناصری کے بارہ حواریوں کی طرح اس

نازک موقعہ پر آپ کے ساتھ تھے مگر اس جم غفیر اور انبوہ کثیر میں یہ بارہ آدمی کیا بنا سکتے تھے۔ اللہ ہی کی حفاظت تھی جو آپ کی ہر قدم پر محافظ تھی۔ پہلا نشان حفاظت کا تو یہ ظاہر ہوا کہ رستہ میں اوباش لوگوں کا گروہ اس تاک میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہیں بلوہ کر کے مرزا کو قتل کر دیں اور مرزا مسجد پہنچنے ہی نہ پائے لیکن بگھی والوں نے اُس رستہ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ کسی نزدیک کے رستہ سے جانا چاہتے تھے۔ خدا نے انکے دل کو کچھ ایسا سخت کر دیا کہ وہ کسی کا بھی کہنا نہ مانے اور سیدھا رستہ چھوڑ دوسرے رستہ چلے گئے۔ مسجد پہنچکر جو دیکھتے ہیں تو لوگوں کا ایک سمندر ہے جو جامع مسجد کے اندر اور باہر اور سیڑھیوں پر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اُن کے درمیان مولوی لوگ لباس فاخرہ پہنے ہوئے نہایت اکڑ اکڑ کر گھوم رہے اور اشتعال دلا رہے ہیں۔ اور لوگوں کے چہروں اور تیوروں سے اسقدر غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہیں کہ ایک اشارہ کی دیر ہے اور لوگ ٹوٹ پڑنے کو تیار ہیں۔

حضرت اقدس نہایت اطمینان سے آنکھیں جھکائے ہوئے بھیڑ کے درمیان سے گزر گئے اور سیدھے جامع مسجد کی بیچ کی محراب میں جا بیٹھے۔ پاس مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھ گئے۔ اور دوسرے احباب بھی نزدیک ہی بیٹھ گئے۔ اور لوگوں کا جوش سے یہ حال تھا کہ آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ قریب آ آ کر گالیاں دیتے اور آوازے کستے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر ارادہ کرتے کہ داڑھی سے پکڑ لیں مگر کچھ خدا ہی کی طرف سے تھا جو جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب کی زبان سے یہ نکلا کہ حضرت! اشتعال تو بہت بڑھا ہوا ہے۔ حضرت صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف دیکھا اور نہایت طمانیت کے لہجہ میں فرمایا کہ "مولوی صاحب مُردے زندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

اللہ اللہ کیا طمانیت قلبی اور کیا خدا پر ایمان اور توکل ہے جو ایک جھوٹے کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسی بات کو کہ مُردے ہزار ہا پڑے ہوئے ہوں وہ ایک زندہ شخص کا بھلا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ آپنے ایک جگہ نظم میں بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بشنو ید اے مُردگاں من زندہ ام	اے شیاں تیرہ من تابندہ ام
این دو چشم من کہ زیب این سرم	بیند آن یارے کہ یار دلبرم
عمد ہزاران نعمتم بخشیدہ اند	وین رُخم از غیرِ حق پوشیدہ اند
کس نرازِ جانِ من آگاہ نیست	عقل شاں را تا درِ ما راہ نیست
ہر کہ میدارد دلِ پرہیزگار	چون عجب دارد ز کارِ کردگار
آنکہ از یک قطرہ انسانے کند	وز دو مُشتِ تخم بستانے کند

نطفہ را رنگے درخشاں میدہد | سنگ را لعل بدخشاں میدہد
چون منے را گر مسیحائے کند | یا گدائے را شہنشاہے کند
نیست از فضل و عطائے او بعید | کور باشد ہر کہ از انکار دید
ہاں مشو نومید زان عالیجناب | بندہ باش و ہر چہ میخواہی بیاب

بر کسے چون مہربانی میکند
از زمینی آسمانی مے کند

خیر اس کے بعد ایک سو سے زیادہ پولیس کے سپاہی اور ساتھ ایک یورپین افسر آگئے۔ اور حضرت اقدس اور آپکے احباب کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ اتنے میں مولوی نذیر حسین صاحب اور انکے ساتھ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالمجید وغیرہ علماء آگئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب کو انکے شاگردوں نے الگ ایک دالان میں جا بٹھایا اور حضرت اقدس کے سامنے نہ لائے۔ اُن کو یہ خوف تھا کہ مبادا حق غالب آوے اور مولوی صاحب موصوف حضرت اقدس کا رُعب منور دیکھ کر کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں کہ جس سے ہمارا سارا کیا کرایا برباد ہو جائے۔ اتنے میں عصر کی نماز مسجد میں ہونے لگی چونکہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے ساتھی گھر پر نماز ظہر و عصر جمع کر کے باجماعت نماز پڑھ آئے تھے اسلئے شامل نہ ہوئے۔ کسی نے حضرت اقدس کے سامنے چپکے سے آکر کہا کہ اگرچہ آپ نماز پڑھکر آئے ہیں پھر بھی جماعت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے دوبارہ نماز میں شامل ہو جانا حدیثوں سے ثابت ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ ہم خوب جانتے ہیں۔ ہم باجماعت نماز پڑھ کر آئے ہیں۔

جب نماز ہو چکی تو پھر مولوی نذیر حسین صاحب کو مولویوں نے محاصرہ کر کے حضرت اقدس سے دُور ہی دُور لیجا کر دالان میں اُسی پہلی جگہ میں جو دروازہ شمالی کی جانب تھی جا بٹھایا۔ اب مولوی عبدالمجید وغیرہ کئی مولوی آگئے اور مباحثہ کی شرائط کے متعلق گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ مباحثہ حیات و ممات مسیح ناصری پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ مرزا صاحب کے دعوئے مسیحیت کے متعلق ہونا چاہئے۔ اِدھر سے ان کو یہ جواب دیا گیا کہ مضمون کی طبعی ترتیب کو بگاڑنا ٹھیک نہیں اس سے غلط مبحث ہو جاتا ہے جبکہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیالات پختہ طور پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں نازل ہوں گے تو جب تک یہ مسئلہ صاف نہ ہو لے کسی اور مسئلہ کو چھیڑنا تضیع اوقات ہے۔ مولوی عبدالمجید نے نہایت چالاکی سے اس یورپین پولیس افسر کو جو عیسائی تھا اپنے طرف توڑنا چاہا۔ اور اس کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ دیکھئے حضور یہ شخص مرزا غلام احمد مسیح موعود ہونے کا

دعویٰ کرتا ہے اور ہم کو اور تم کو دونوں کو ناحق پر جانتا ہے۔ اور حضرت مسیح ابن مریم کو جنہیں ہم اور تم دونو آسمان پر زندہ یقین کرتے ہیں (گویا اس مسئلہ میں مولویوں کو نصاریٰ سے تشبّہ حاصل ہے۔ ناقل) یہ فوت شدہ مانتا ہے اور مُردوں میں اُسے شامل کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مولوی نذیر حسین صاحب مسیح کی حیات و وفات میں گفتگو کریں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ خاص انکے دعوے مسیح موعود ہونے میں بحث کریں۔ ادھر سے غلام قادر فصیح صاحب نے منجملہ اور باتوں کے پولیس افسر سے یہ کہا کہ دیکھئے جناب جبتک عہدہ خالی نہ ہو تب تک کوئی اُس کا ہرگز مستحق نہیں ہوتا جس مسند پر بیٹھنے کے حضرت مرزا صاحب مدعی ہیں وہ جب لوگوں کے نزدیک خالی ہی نہیں اور حضرت عیسیٰ اُس پر رونق افروز ہیں تو حضرت مرزا صاحب کے دعوئے مسیحیت پر بحث کرنا فضول ہے کیونکہ کوئی شخص مسیح ناصری کو زندہ مانتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ پس ضروری ہے کہ پہلے حیات و وفات مسیح پر گفتگو ہو۔ اگر مسیح کی حیات ثابت ہوگئی تو حضرت مرزا صاحب کے دعوئے مسیح موعود میں بحث کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی وہ خود بخود رَدّ ہو جائیگا۔ اور جو مسیح کی وفات ثابت ہوگئی تو پھر حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیح موعود پر بحث کرنا ضروری ہوگیا کہ آیا آنے والا مسیح آپ ہی ہیں یا کوئی اور۔ پولیس افسر اگرچہ عیسائی تھا مگر آدمی معقول اور منصف مزاج تھا۔ کہنے لگا بیشک یہ بات صحیح ہے۔ اور مولوی عبدالمجید کو کہا کہ تم لوگ کیوں حیات و وفات مسیح پر بحث نہیں کرتے۔ وہ افسر تو اس بات پر جم گیا۔ پھر قسم کے بارہ میں گفتگو ہوئی اس سے بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ مولوی صاحب بڈھے ہیں ضعیف ہیں۔ عمر رسیدہ ہیں۔ ہم نہ قسم کھادیں اور نہ کھانے پر مولوی صاحب کو آمادہ کریں۔ پھر محمد یوسف صاحب نے جو علیگڈھ کے رئیس اور دہلی میں آنریری مجسٹریٹ تھے اور اس موقعہ پر حفظ امن کیلئے آئے ہوئے تھے حضرت اقدس کے پاس آکر کہا کہ لوگوں کے اندر سخت شور ہے کہ آپ کا عقیدہ خلاف اسلام ہے۔ اگر یہ درست نہیں تو آپ اپنا عقیدہ لکھ دیں تاکہ میں لوگوں کو بلند آواز سے سُنا دوں۔ حضرت صاحب نے فوراً ایک تحریر لکھ کر دی۔ جس میں آپ نے اپنا جو عقیدہ تحریر کر کے دیا تھا۔ اس میں سے ضروری حصّہ میں یہاں درج کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:۔

"دوسرے الزامات جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت کا انکاری ہے۔ یہ سارے الزامات دروغ اور باطل محض ہیں۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور میری کتاب توضیح المرام اور ازالہ اوہام سے جو ایسے اعتراض نکالے گئے ہیں یہ نکتہ چینیوں

کی سراسر غلطی ہے۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُس کو بیدین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی میں ملائکہ اور معجزات اور لیلۃ القدر وغیرہ کا قائل ہوں۔" (دین الحق صفحہ ۲۹)

محمد یوسف صاحب نے اس تحریر کو لیکر بہت چاہا کہ لوگوں کو بلند آواز سے سنا دیں مگر مولویوں نے جن میں حق پرستی کا مادہ نابود ہو چکا تھا۔ اور جن کی نیت بد اور فساد کی تھی اُنہوں نے سُننے نہ دیا۔ محمد یوسف صاحب لاکھ سر پٹکا کئے مگر مولویوں نے شور مچا دیا اور صاف کہدیا کہ ہم سننا نہیں چاہتے۔ اور اپنی اشتعال انگیز باتوں سے مجمع کو خوب بھڑکایا۔ افسر پولیس نے جب دیکھا کہ ان مولویوں کی نیت مباحثہ کی نہیں بلکہ فساد کی ہے تو اُس نے اپنے ماتحت افسر کو انگریزی میں کہا کہ مجمع کو منتشر کر دو۔ چنانچہ افسر پولیس صاحب نے اور محمد یوسف صاحب مجسٹریٹ نے پکار کر کہدیا کہ کوئی مباحثہ نہیں ہوگا سب صاحب چلے جاویں۔ پس سب لوگ تتر بتر اور منتشر ہو گئے۔ سب سے پہلے مولوی نذیر حسین صاحب بمعہ اپنے شاگردوں اور مولویوں کے چل دیئے کیونکہ وہ دروازہ کے قریب ہی دالان میں بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے اس بات کو غنیمت جانا کہ مباحثہ اور قسم سے جان چھوٹی۔ اس کے بعد حضرت اقدس تشریف لے چلے آپ کے ساتھ ساتھ پولیس افسر تھا اور آپ کے اور آپ کے احباب کے گرد پولیس کے سپاہی حلقہ کئے ہوئے تھے۔ جب دروازہ شمالی پر پہنچے تو بگھیاں تلاش کیں مگر ان کا کہیں پتہ نہ تھا حالانکہ اُن کو آنے جانے کا کرایہ پہلے دیدیا تھا۔ لوگوں نے بگھی والوں کو خدا جانے کہاں چھپا دیا یا چلا دیا۔ شاید یہ بھی ایک طریق ایذا کا سوچا ہو۔ وہاں اُس وقت کوئی بگھی یا یکہ تک بھی نظر نہ پڑا جسے لے لیا جاتا۔ آخر مسجد کے دوارہ پر سواری کے انتظار میں جب پندرہ منٹ گزر گئے اور پولیس افسر نے دیکھا کہ لوگوں نے بلوہ کی ٹھان لی ہے اور حملہ کرنے کو آمادہ ہیں تو اُس نے اپنی لینڈو فٹن پیش کر دی اور حضرت اقدس کو کہا کہ آپ اس میں بیٹھ کر گھر چلے جائیں۔ آپ بمعہ مولوی عبدالکریم صاحب اُس لینڈو فٹن میں بیٹھ کر تشریف لیگئے اور باقی سب احباب پیدل مکان کو گئے۔ اب حفاظت الٰہی کا ایک اور کرشمہ ملاحظہ ہو۔ کہ رستہ میں اب کے دفعہ کثرت سے لوگ چھریاں کلہاڑیاں لیکر بیٹھے ہوئے تھے کہ مسجد میں تو پولیس کا پہرہ تھا کچھ نہ کر سکے۔ اب یہاں سے مرزا گزرے سہی بلوہ کر کے اگر تکا بوٹی نہ کر ڈالیں تو دلی والے نہ ہوئے گنوار ہوئے اب تصرف الٰہی یہ ہوا کہ جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں حضرت مرزا صاحب کے بگھی والے آپ کو مسجد میں چھوڑ چھاڑ کر چل دیئے تھے۔ اگر ان کرایہ کی بگھیوں میں آپ ہوتے تو حملہ یقینی تھا۔ مگر حضرت اقدس کو کپتان پولیس

نے اپنی لینڈو پیش کردی تھی۔ آپ اس لینڈو میں بیٹھے ہوئے ان مفسدوں کے بیچ میں سے نکلے ہوئے چلے گئے اور وہ سب یہی سمجھا کئے کہ کپتان پولیس اپنی لینڈو میں بیٹھا ہوا جا رہا ہے۔ جب آپ گھر پہنچ گئے تو ان لوگوں کو پتہ لگا اُسوقت اُنہوں نے اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کھائیں۔ حکیم فضل دین صاحب بھیروی مرحوم نے خاکسار مؤلف کو یہ واقعہ سُنایا اور کہا کہ میرا تو ایمان تازہ ہوگیا۔ اور رسول کریم صلعم کے اُس معجزہ پر یقین کامل پیدا ہوگیا جب کفار مکہ نے آپ کے گھر کو گھیرا ہوا تھا اور سب مل کر آپ کو قتل کر دینا چاہتے تھے اور آپ گھر سے نکل کر ان کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے چلے گئے اور کسی نے آپ کو جاتے نہ دیکھا۔ جب غلام کے ساتھ ہم نے یہ حفاظت الٰہی کا رنگ دیکھا تو آقا کے ساتھ جو حفاظت الٰہی کا رنگ ہوگا وہ جتنا بھی بڑھ چڑھ کر ہو سب درست ہے۔

مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی ثم بھوپالی سے مباحثہ اور الحق دہلی کی تصنیف

تمید آخر دلّی والوں نے مباحثہ کے لئے مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی کو جو بھوپال میں ملازم تھے حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کے لئے بلایا۔ کیونکہ وہ حیات مسیح کے بہت بڑے مدعی تھے۔ چنانچہ آتے ہی اُنہوں نے حیات و ممات مسیح میں بحث منظور کرلی۔ دلّی کے مولویوں نے اُن سے پوچھا کہ تمہارے پاس وہ کونسی آیت حیات مسیح علیہ السّلام میں قطعی اور یقینی الدلالت ہے جس کو تم مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش کروگے ہمیں بھی تو سناؤ۔ اس جلسہ میں تمام مولوی مقلد غیر مقلد سب شامل تھے۔ مولوی محمد بشیر نے یہ آیت پڑھی کہ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔ تو مولویوں نے کہا کہ یہ آیت تو مسیح کی حیات پر قطعی الدلالۃ نہیں بلکہ اشارہ اور کنایہ کے طور پر بھی کچھ نہیں نکلتا۔ اگر کھینچ تان کر اس سے کوئی اشارہ نکال بھی لیا تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ مولوی بشیر نے کہا میں تو یہی آیت پیش کروں گا۔ تمام مولویوں نے کہا پھر ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ تمہاری فتح و شکست کا اثر ہم پر نہیں ہے۔ تب تمام مولوی لوگ مولوی محمد بشیر سے علیحدہ ہوگئے۔ اور مباحثہ کے وقت سوائے مولوی محمد احمد اور دو چار طالبعلموں اور عام لوگوں کے کوئی مولوی ساتھ نہ آیا۔ مولویوں کی ویسے بھی حیات مسیح کے مسئلہ سے جان جاتی تھی مولوی محمد بشیر صاحب کی شیخی بازی سے کچھ ڈھارس بندھی تھی کہ شاید ان کے پاس کوئی آیت قطعی ہوگی لیکن اب جو دیکھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کی مایۂ ناز آیت بھی حیات مسیح پر کوئی قطعی دلیل اپنے

اندر نہیں رکھتی تو اُنہوں نے جان چھپانے کی کوشش کی اور اسی میں ہی اپنی نجات دیکھی۔
پہلے دلّی والوں نے یہ چاہا کہ بحث تقریری ہو لیکن حضرت اقدس نے تحریری بحث پر زور دیا اور عام جلسہ منظور نہیں فرمایا کہ عام لوگ فساد کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ تحریری مباحثہ منظور ہو گیا۔ مگر بٹالہ والوں نے چاہا کہ دو سو آدمی جلسہ میں آئیں۔ حضرت صاحب نے اُسے منظور نہ کیا اور فرمایا کہ اہل شہر غل شور مچانے اور فساد کرنے میں بہت دلیر ہیں۔ مباحثہ کے وقت خدا جانے یہ کیا فتور مچائیں گے۔ یہ مباحثہ تحریری ہے جب تحریریں طرفین کی چھپ جائیں گی تو سب پڑھ لیں گے۔ صرف دس آدمی مولوی محمد بشیر صاحب کے ساتھ ہوں۔ اور دس آدمی ہمارے ہوں گے۔ اس پر دلّی والے سو آدمیوں پر آ گئے۔ جب حضرت صاحب نے یہ بھی نہ مانا تو پچاس پر آ گئے۔ حضرت اقدس تو یہ بھی نہ مانتے تھے مگر پیر سراج الحق نعمانی صاحب نے عرض کیا کہ حضور پچاس آدمی رہنے دیجئے۔ ہماری طرف سے تو دس بارہ ہی آدمی ہیں۔ دہلی والوں کو ہے بولنے کا شوق۔ یہ تو تقریر زبان کے چٹخارہ کے لئے سنتے ہیں۔ بغیر بولے یا باتیں سنے انہیں چین نہیں پڑتا۔ مباحثہ ہے تحریری۔ یہ چپ بیٹھے بیٹھے خود تنگ آ جاویں گے اور دوسرے دن کوئی نہیں آنے لگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے روز تو پچاس آدمی آ گئے مگر چپ بیٹھے بیٹھے گھبرا گئے تو کسی کو نیند آنے لگی۔ کوئی جمائیاں لینے لگا کسی نے پہلو بدلنا شروع کیا۔ آخر اس بے لطفی سے تنگ آ کر ایک آدھ گھنٹہ کے اندر اندر ہی سب چل دیئے اور دوسرے دن کوئی بھی نہ جھانکا۔ جامع مسجد دہلی والے واقعہ کے تین چار دن بعد ہی یہ تحریری مباحثہ خود حضرت صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔

دلّی والوں کا کتابیں دینے کا مقاطعہ

اس مباحثہ کی خبر جو شہر میں اڑی تو مولویوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سب نے ایکا کر لیا کہ کوئی کتاب مرزا صاحب کو نہ عاریتاً دوا ور نہ قیمتاً۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے بعض کتب حوالجات کے لئے کتب فروشوں سے خریدنی چاہیں تو اُنہوں نے نہ دیں۔ چار چار پانچ پانچ گنا قیمت پیش کی مگر پھر بھی نہ دیں۔ اور اس مقاطعہ میں ہندو عیسائی بھی سب ان مولویوں کے ساتھ تھے آخر مولوی محمد بشیر کے ساتھ مباحثہ سے ایک روز پہلے حضرت اقدس نے پیر سراج الحق نعمانی صاحب سے بلا کر فرمایا کہ اس وقت کتابوں کی سخت ضرورت ہے کسی طرح بہم نہیں پہنچتیں۔ آپ کے والد صاحب اور بھائی صاحب کے اور خود آپ کے مریدوں میں ہیں کسی سے یا کسی کی معرفت کتابیں تو لاؤ۔" پیر صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں اور لوگ جانتے ہیں اسلئے کتابوں کا ملنا تو محال ہے۔ فرمایا "اللہ کے نام پر جاؤ تو سہی۔ بیش از بیں نیست کہ لوگ گالیاں دیں گے ماریں گے۔ سو دین کے کام میں مار کھانا گالیاں سننا سنت انبیاء اولیاء ہے۔ اور جو مار بھی ڈالیں گے تو شہادت پاؤ گے۔ آخر کتنے روز جینا ہے۔ ایک دن

مرنا ہے"۔ اس کے بعد ایک نہایت پُر از معارف تقریر کی اور ہاتھ اٹھا کر پیر صاحب کیلئے دعا کی اور فرمایا جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ کسی کو میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کو اُن کے ساتھ کر دیا۔ نماز مغرب کا وقت تھا حضرت اقدس کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر کے یہ دونو صاحب چل پڑے۔ پیر سراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ ہم دونو مشورہ کر کے پہلے جامع مسجد دہلی کے امام صاحب کے پاس گئے۔ کیونکہ منشی ظفر علی صاحب کے سامنے یہ صاحب بہت بڑھ بڑھ کے باتیں بنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لینا اور کسی کو خبر نہ کرنا۔ چونکہ امام صاحب مجھ سے بھی واقف تھے اور میرے بڑے بھائی شاہ خلیل الرحمٰن صاحب جب دہلی آتے تو باپ بیٹے بڑے ادب سے ارادتمندانہ آیا کرتے تھے۔ اس سبب سے میرا بھی ان سے تعارف تھا۔ لیکن دل میں کھٹکا تھا کہ ان کی ارادت اور واقفیت کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ اس میں للّٰہیت نہ تھی نیز منشی صاحب کے فرمانے سے ہم اُن کے گھر گئے۔ دستک دی تو باہر آئے۔ مگر ہماری شکل دیکھنی تھی کہ بس کانپ ہی تو گئے سہم گئے۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ بولے کہ "فرمایئے اس وقت رات کو کیا کام ہے"۔ منشی ظفر احمد صاحب نے کہا کہ "کتابوں کی ضرورت ہے آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ الکریم اذا وعد وفی۔ اب دیدیجئے۔ دو تین روز میں انشاء اللہ آپ کی کتابیں آپ کے پاس آجائیں گی"۔ امام صاحب بولے کہ "بھئی کیا کروں۔ اب تو کل علما اور عوام کا یہ مشورہ اور پختہ عہد ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کو کتابیں نہ دیجائیں اور اُن کا کوئی اشتہار نہ چھاپا جائے۔ مجھے معاف فرمایئے میں اُن سے الگ نہیں ہو سکتا اور کتابیں نہیں دے سکتا۔ مجبور ہوں۔ معذور ہوں۔ آپ اس وقت چلے جایئے یہاں ٹھیرنا بھی مناسب نہیں۔ بات کرنی تو کیسی"؟ میں نے کہا کہ "بندۂ خدا یہاں اس وقت کوئی دیکھ رہا ہے پوشیدہ دیدار پوشیدہ ہی تمہاری کتابیں تمہارے پاس پہنچ جاوینگی"۔ امام صاحب نے لرزتے ہانپتے کانپتے کہا کہ "پوشیدہ اور چوری سے کام کرنا جائز ہے"؟ میں نے کہا "اس میں چوری اور سرقہ کا کیا کام ہے۔ یہ مسئلہ تو آپ منبر پر رونق افروز ہو کر بیان کریں۔ کتابیں دینی ہوں تو دیدیجئے کتابوں کا بگڑتا کیا ہے"؟ امام صاحب تو بپھر گئے اور بیہودہ باتوں پر آگئے۔

پھر ہم دونو وہاں سے چل دیئے۔ میں نے منشی صاحب سے کہا کہ "دیکھ لیا"! منشی ظفر احمد صاحب بولے کہ "ہاں دیکھ لیا۔ یہ تو امام ہیں اور ڈرپوک ہیں۔ ان کو اپنی امامت کا خطرہ ہے اس واسطے انہوں نے یہ روکھا پن اختیار کیا اور بدعہدی کی چلو مولوی محمد حسین فقیر کے بیٹے ایسا نہیں کریں گے وہ میرے دوست ہیں اُن سے پوری اُمید ہے"۔ پھر ہم دونو مولوی صاحب مذکور کے مکان پر گئے۔ آواز دی۔

وہ باہر آئے اور آتے ہی کہا کہ "منشی صاحب! اس وقت رات کو کیسے آئے ہم تو تمہاری صورت سے بھی نفرت کرتے ہیں"۔ منشی صاحب نے کہا کہ کچھ کتابوں کی ضرورت ہے آپ دیدیں تو بڑی مہربانی ہوگی"۔ اس پر مولوی صاحب بولے کہ "کل کو مرزا کا جناب مولانا مولوی محمد بشیر صاحب سے مباحثہ ہے۔ ہم کتاب نہیں دے سکتے۔ کل شہر میں اتفاق ہو کر عہد ہو گیا ہے کہ مرزا کو کوئی کتاب مستعار یا قیمت سے نہ دینی چاہیئے۔ اور مرزا کو کتابوں کی ضرورت کیا ہے۔ وہ الہام سے کتابوں کی عبارت معلوم کر سکتا ہے"۔ میں نے کہا کہ "مولوی صاحب! سب کام الہام پر نہیں رکھے گئے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں سے اونٹ کی حلت و حرمت پر مباحثہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی کتاب کی کوئی عبارت الہاماً نہیں بتلائی بلکہ یہ فرمایا کہ ان سے کہو فاتوا بالتورٰۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین کہ توریت لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ (کہ کہاں اونٹ حرام لکھا ہے) اگر سچے ہو۔ الہام اپنی جگہ ہے اور کتابیں اپنی جگہ ہیں۔ الہام الٰہی نے تو ظاہر کر دیا کہ مسیح زندہ نہیں وہ مر چکا۔ اب تمہاری آڑ پر تمہاری مسلمہ کتابیں تمہارے سامنے رکھی جائیں گی تاکہ تم پر حجت تمام ہو۔ مسلّمات خصم سے ہی خصم ساکت ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ"۔

مولوی صاحب کو سخت غصہ آیا۔ اور گالیاں دینے لگے اور بڑا شور و غل کیا اور کہا کہ ارے کوئی محلہ میں سے جوان دو شخص مرتد اور ملحد مرزائیوں کی خبر لے۔ منشی صاحب تو بحث کرنے لگے تھے مگر میں نے کہا کہ چلو ان کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ اتنے میں دو چار آدمی اور گالیاں دیتے ہوئے آ گئے تو منشی صاحب بھی بحث کو ختم کر کے چل دیئے۔ ہم دونوں وہاں سے چل کر جامع مسجد کے نیچے کھڑے ہو کر مشورہ کیا کہ اب کہاں جائیں۔ سوچ سوچ کر ایک منشی محمد حسین صاحب تھے وہیں جامع مسجد کے قریب رہتے تھے اُن کے پاس گئے۔ یہ صاحب میرے والد کے مرید اور وظیفہ خوان تھے۔ میں نے کہا منشی صاحب تم میرے والد صاحب کے مرید ہو اور ہمیشہ اُن کی محبت اور اپنی ارادت کا خلوص ظاہر کیا کرتے تھے ہمیں کتابوں کی ضرورت ہے تم کسی سے اپنی معرفت لے دو"۔ منشی صاحب نے کہا "مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ مرزا صاحب کے ارادتمند ہیں۔ مرزا صاحب کے واسطے کتابوں کی ضرورت ہوگی۔ کتابوں کا ملنا محال ہے۔ اس شہر میں یہ عہد ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کو کوئی کتاب نہ دی جائے۔ میں اس میں مجبور ہوں۔ بس اتنا ہی اس وقت ادب کافی ہے کہ آپ تشریف لیجا دیں اور زیادہ نہ ٹھہریں"۔

پھر ہم دونوں جامع مسجد کے منارہ کے نیچے کھڑے ہو گئے کہ اب کریں تو کیا کریں۔ یکایک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ بہرام خاں کے تراہے کے قریب کوچہ سعد اللہ خاں میں ایک صاحب نقشبندی حاجی علیم اللہ صاحب رہتے ہیں اور وہ میرے والد سے اور نیز مجھ سے بھی بڑے عقیدتمند

اور بوڑھے جاندیدہ ہیں۔ آؤ ان کے پاس چلیں۔ شاید اُن سے یا اُن کی معرفت کسی اور سے کتابیں مل جائیں۔ مگر دل میں دھڑکا اور خوف۔ مبادا وہاں بھی ایسا ہی یا اس سے زیادہ کوئی واقعہ پیش آجائے۔ خیر تن بہ تقدیر ہم دونو اُن کے مکان پر پہنچے اور ڈرتے ڈرتے آواز دی۔ پھر دوسری آواز دی۔ تیسری آواز پر حاجی صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ میں عشا کی نماز پڑھ رہا تھا اس واسطے دیر لگی بڑے شریفانہ طور سے خاطر سے تواضع سے حسب دستور سابق پیش آئے۔ پان منگوایا اور دریافت کیا کہ "کیسے تشریف لائے اور پھر رات کے وقت۔ بہت روز میں ملاقات ہوئی۔ آپ تشریف رکھیں چارپائی منگاتا ہوں"۔ میری چونکہ اُن سے بے تکلفی تھی میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ "بیٹھنے کا تو موقع نہیں ہے۔ اس وقت کتابوں کی ضرورت ہے۔ کوئی تفسیر یا حدیث یا نحو کی کتاب آپ کے پاس ہو تو دیدیجئے۔ تیسرے روز آپ کے پاس آپ کی کتابیں واپس آجائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ"۔ حاجی صاحب بولے کہ "کتاب تو میرے پاس کوئی نہیں لیکن میں ایک راہ آپ کو بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مولوی سلیم الدین خاں صاحب کوچہ بلیماراں کے قریب رہتے ہیں اور وہ آپ کے والد حضرت حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دادا حضرت مخدوم احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں اور اُن سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن کے پاس ہر قسم کی ہزاروں کتابیں مطبوعہ اور قلمی قدیم وجدید موجود ہیں اور وہ فروخت بھی کرتے ہیں۔ آپ اُن کے پاس چلے جاویں میں اُن کو ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں۔ وہ کتابیں ضرور دیدینگے لیکن اتنا کام کریں کہ حضرت مرزا صاحب کا وہاں کوئی ذکر نہ آوے۔ آجکل طوفان بے تمیزی اور شور وشر برپا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے ذکر خیر آنے پر وہ کتابیں نہیں دیں گے"۔ حاجی صاحب نے فوراً ایک رقعہ مجھے لکھ کر دیا اور اس میں لکھ دیا کہ "آپ کے پاس صاحبزادہ سراج الحق صاحب ابن حضرت شاہ حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نعمانی دجمالی دسرسادی تشریف لاتے ہیں۔ آپ کو اس وقت کچھ کتابوں کی ضرورت ہے جو کتاب طلب کریں مرحمانی فرما کر دے دیں۔ واپسی کا میں ذمہ دار ہوں۔ آپ مطمئن رہیں"۔

ہم دونو اس رقعہ کو لیکر خوش خوش چل پڑے اور مولوی سلیم الدین خاں صاحب کے مکان پر پہنچے۔ دیکھا تو ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے۔ الماریاں۔ صندوق۔ طاق۔ فرش۔ زمین سے چھت تک مکان کتابوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور کچھ لوگ اور بھی کتابیں خرید رہے ہیں اور مولوی صاحب عشا کی نماز ادا کر کے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ اُنہوں نے وعلیکم السلام کہہ کر اشارہ سے کہا کہ بیٹھ جایئے تھوڑا سا وظیفہ باقی ہے اس کو ختم کر لوں"۔ ہم دونو بیٹھ گئے مگر دل میں دھڑکا لگا ہوا تھا

کہ مبادا ایسے آدمی آجاویں جو ہمیں پہچان لیں اور غل مچادیں کہ یہ تو مرزائی ہیں تو کتابیں رہ جائیں گی خیر خدا خدا کر کے مولوی صاحب کا وظیفہ ختم ہوا۔ میں نے جھٹ پٹ وہ رقعہ حاجی صاحب کا انہیں دیا۔ رقعہ پڑھکر مولوی صاحب بولے کہ "صاحبزادہ صاحب آپ کب دہلی تشریف لائے۔ آپکے والد اور دادا رحمۃ اللہ علیہما تو اکثر دہلی میں تشریف رکھا کرتے تھے مگر آپ دہلی میں بہت کم آتے ہیں"۔ میں نے کہا کہ "دو چار روز سے دہلی آیا ہوا ہوں"۔ مولوی صاحب بولے کہ "کیا آپ کو بھی بحث مباحثہ کا شوق ہے" میں نے کہا "ہاں خوب شوق ہے"۔ اس پر مولوی صاحب کہنے لگے کہ "مرزا صاحب بھی قادیان سے آئے ہوئے ہیں۔ کل کو مرزا صاحب اور مولوی محمد بشیر میں مباحثہ ہے"۔ غالباً مولوی سلیم الدین خانصاحب اُس وقت یہ سمجھے کہ یہ بھی (یعنی پیر سراج الحق نعمانی) مرزا صاحب کے خلاف بحث کرے گا۔ میں نے کہا "ہاں کل دونوں صاحبوں کا مباحثہ ہے"۔ مولوی صاحب بولے کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ مولوی محمد بشیر مولوی ہیں مگر جناب مرزا صاحب کے مقابلہ کے نہیں ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مرزا صاحب کی تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔ بڑی زبردست تحریر ہے۔ صاحبزادہ صاحب تم ابھی صاحبزادہ ہو۔ مرزا صاحب سے ہرگز ہرگز مباحثہ نہ کر بیٹھنا۔ تم کیا اور مولوی محمد بشیر کیا۔ کوئی عالم آج میرے ذہن میں اُن کا مقابل نہیں ہے"۔ میں نے دل میں کہا کہ "بات تو سچی ہے۔ زمینی عالم آسمانی عالم کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اُن سے کہا کہ "بہت اچھا۔ مجھے کتابیں عنایت کر دیجئے"۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کون کون سی کتابیں چاہئیں"۔ میں نے جن کتابوں کے نام حضرت اقدس نے لکھ کر دیئے تھے وہ مولوی صاحب کو بتا دیں۔ مولوی صاحب نے ایک شخص سے کہا "سب کتابیں ان کو دیدو"۔ پھر مجھے کہا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ میں اپنے آدمی کے ہاتھ آپ کے مکان پر پہنچا دیتا ہوں"۔ میں مولوی صاحب کی یہ بات سُن کر گھبرا گیا کہ ان کا آدمی کتابیں لیکر جائے گا تو حضرت اقدس کے مکان پر جائیگا۔ اس طرح یہ بھید کھل جائے گا۔ میں نے کہا کہ ہم دو آدمی ہیں کتابیں لے جائیں گے۔ اور راستہ میں ایک قلی لے لیں گے۔ مولوی صاحب بولے "اچھا آپ کو اختیار ہے"۔ پس ہم دونو بمشکل تمام کتابیں لیکر چلے رستہ میں ایک قلی چار پیسے دے کر لیا۔ جب وہ کتابیں حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیں تو حضرت ہنس پڑے۔ اور فرمایا۔ کتابیں کیونکر ہاتھ آئیں۔ ہم دونو نے سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے تعجب فرمایا اور خاموش ہو گئے"۔

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی سے مباحثہ

مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی ثم بھوپالی سے تحریری مباحثہ حیات و ممات مسیح پر ہونے کو تھا۔ دونو طرف سے پانچ پانچ پرچے تحریر کئے جانے تھے۔ پہلے

معراج الحق نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ مباحثہ کے دن صبح کو مولوی محمد بشیر صاحب بعد چند آدمیوں کے حضرت اقدس کے مکان پر آ گئے۔ پہلے مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی سے سلام مسنون کے بعد مصافحہ کیا اور دریافت کیا کہ جناب مرزا صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اوپر بالاخانہ میں حضرت کو اطلاع دی۔ آپ تشریف لے آئے تو مولوی محمد بشیر صاحب نے السلام علیکم کہکر حضرت سے مصافحہ کیا۔ آپ نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ مولوی محمد بشیر صاحب نے مصافحہ کے بعد معانقہ کیا جیسا کہ یوپی اور راجپوتانہ میں دستور ہے۔ مگر حضرت اقدس کو یہ عادت نہ تھی اس لئے نیم معانقہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس اور مولوی محمد بشیر صاحب دونو بیٹھ گئے اور سب لوگ بھی بیٹھ گئے۔ حضرت اقدس نے مولوی محمد بشیر صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا اُس کا لب لباب یہ تھا:۔

"مولوی صاحب! مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سچا ہے۔ اس دعوے کی بنا یہ ہے کہ مجھے کئی ماہ تک متواتر الہام اور کشوف کے ذریعہ بتلایا جاتا رہا کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گئے۔ اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ ہے وہ تُو ہے۔ پہلے میں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن جب یہ امر تواتر اور پورے پورے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا تو میں نے اس امر کو کتاب اللہ پر عرض کیا۔ قرآن شریف کھولتے ہی سورہ مائدہ کی آیت فلما توفیتنی کل آئی میں نے اس پر غور کیا تو اپنے الہامات کو صحیح پایا اور ثابت ہو گیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گئے۔ پھر میں نے قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک خوب تدبّر اور غور سے پڑھا تو سوائے وفات مسیح کے حیات مسیح کا کہیں نشان نہ ملا۔ پھر میں نے اس امر کو حدیث شریف پر عرض کیا صحیح بخاری کھولی۔ خدا کی قدرت کھولتے ہی کتاب التفسیر میں یہ دو آیتیں ایک انی متوفیک الخ اور دوسری فلما توفیتنی الخ نکل آئیں۔ پہلی آیت میں متوفیک کا ترجمہ ممیتک خود ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کئے ہیں اور دوسری آیت فلما توفیتنی کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُوپر چسپان کر کے بات کو بالکل صاف کر دیا۔ گویا فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کے معنے خود آنحضرت صلعم نے کر دیئے وہ یہ کہ جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ان لوگوں پر نگہبان تھا۔ اور امام بخاری نے دونو آیتوں کو جو بہت سے مختلف مقام پر ہیں ایک جگہ جمع کر کے اپنا مذہب ظاہر کر دیا کہ ان دونو آیتوں سے مسیح کی موت ثابت ہے۔ پھر میں نے تمام صحیح بخاری کو اول سے آخر تک ایک ایک لفظ پڑھا اس میں سوائے موت کے حیات مسیح کا کوئی لفظ اشارتاً یا

کنایتاً نہ نکلا۔ پھر میں نے صحیح مسلم وغیرہ کل کتب احادیث کو لفظاً لفظاً دیکھا اور خوب غور سے ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف پڑھا لیکن کہیں سے بھی حیات مسیح نہ نکلی۔ اگر نکلی تو مسیح کی موت ہی نکلی۔ رہی نزول کی حدیثیں ان میں کہیں نزول من السماء نہیں ہے۔ پس جب آسمان سے نازل ہونا کہیں ذکر نہیں تو پھر محض نزول کا لفظ حیات مسیح کو ثابت نہیں کرتا۔ کیونکہ نزول کا لفظ عربی زبان میں بہت وسیع المعانی ہے۔ چنانچہ ذلیل مسافر کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے میں اب دہلی میں نزول کیا ہے۔ نزول کے معنے بعثت کے بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرًا رسولًا اور یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ مسیح ناصری اس اُمت میں کیونکر آسکتے ہیں وہ مختص الزمان اور مختص القوم رسول تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا جہان کیلئے رسول تھے۔ الخ"

ابھی آپ کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ مولوی محمد بشیر گھبرا کر بول اُٹھے کہ "آپ اجازت دیں تو میں اس دالان کے پرلے کونہ میں جا بیٹھوں۔ اور وہاں کچھ لکھوں" حضرت اقدس نے فرمایا کہ بہت اچھا آپ جہاں چاہیں بیٹھیں۔ پس مولوی صاحب پرلے کونہ میں جا بیٹھے اور مجد علی خاں سے مضمون لکھوانے لگے حضرت اقدس نے فرمایا کہ شرط اس بات پر ٹھیری تھی کہ قریب بیٹھ کر خود اپنے اپنے قلم سے اسی وقت سوال وجواب کے طور پر لکھیں گے۔ لیکن مولوی صاحب دُور جا کر کسی اور سے لکھوانے لگے۔ پیر سراج الحق صاحب نے عرض کیا کہ "میں مولوی صاحب سے کہہ دوں؟" آپ نے فرمایا "خیر جانے دو اور لکھنے دو یا لکھوانے دو" اتفاق کی بات ہے۔ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی ابھی تک بھوپال ہی میں تھے۔ اُن کا خط اُسی روز حضرت اقدس کی خدمت میں آیا تھا۔ اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ "مولوی محمد بشیر چھ مہینے سے مضمون لکھ رہے ہیں۔ ان کی کل کمائی بس یہی ہے جو وہ لکھ کر لائے ہیں اور مسالحہ ان کے پاس نہیں ہے" سو حضرت فاضل امروہی نے یہ سچ لکھا تھا۔ کیونکہ مولوی محمد بشیر صاحب نے جو مضمون مجد علی خاں سے لکھوانا شروع کیا وہ پہلے سے لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ شرط یہ تھی کہ کوئی اپنا مضمون پہلے سے لکھ کر نہیں لائیگا بلکہ جو کچھ لکھنا ہوگا وہ اسی وقت جلسہ میں بالمواجہ لکھنا ہوگا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اس طرف توجہ دلائی کہ یہ تو خلاف شرط ہے۔ پیر سراج الحق صاحب نے عرض کیا کہ "اگر حضور اجازت دیں تو میں مولوی صاحب سے کہہ دوں کہ لکھا ہوا تو آپ لائے ہی ہیں یہی دیدیجئے تاکہ اس کا جواب لکھا جاوے" حضرت اقدس نے بکراہت اجازت دیدی۔ پیر سراج الحق صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ "مولوی صاحب لکھے ہوئے مضمون کی نقل کرانے کی کیا ضرورت ہے دیر ہوتی ہے۔ وہی لکھا ہوا مضمون دیدیجئے تاکہ جلد جواب ادھر سے لکھا جاوے" مولوی صاحب پیر صاحب کی یہ بات سن کر بھونچکے سے رہ گئے۔ اور پھر کھڑی

ہوئی زبان سے کہا کہ "نہیں نہیں میں لکھ کر تو نہیں لایا۔ صرف نوٹ تھے ان کو مشرح اور مفصل لکھوا رہا ہوں"
پیر صاحب نے پھر اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر حضرت اقدس نے روک دیا اور فرمایا "جو عمداً جھوٹ
بول رہا ہے وہ کب ماننے لگا ہے"۔ الغرض یہ تحریری مباحثہ برابر جاری رہا۔ اگرچہ باہمی فیصلہ یہ ہوا تھا کہ
طرفین کے پانچ پانچ پرچے ہوں گے لیکن جب حضرت اقدس نے دیکھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کا مبلغ علم
ختم ہو چکا ہے اور وہ بار بار اپنی انہی پرانی دلیلوں کو جو غلط ثابت کر دی گئی تھیں اعادہ کرتے ہیں اور کوئی
نئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ تو آپ نے فریق مخالف کو یہ بات جتا کر کہ اب مناظرہ کو آگے جاری رکھنا تضیع
اوقات کا موجب ہے۔ تین تین پرچوں پر ہی بحث کو ختم کر دیا اور لوگوں کے تمسخر و استہزا کی پروا نہیں کی۔ یہ
مناظرہ الحق دہلی کے نام سے دسمبر ۱۸۹۱ء کو شائع ہو گیا۔ اصل کتاب موجود ہے۔ ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔
مولوی محمد بشیر صاحب کو چونکہ آیت وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ میں لام اور نون
ثقیلہ کی بحث پر بڑا ناز تھا وہ بار بار یہی پیش کرتے رہے کہ جس فعل پر لام اور نون ثقیلہ آ جائے اس کے معنے
ہمیشہ استقبال کے ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس نے خدا کی کتاب قرآن شریف کی متعدد آیتوں سے یہ
ثابت کر دیا کہ لام اور نون ثقیلہ کے باوجود اُن آیات کے معنے سوائے حال کے استقبال کے نہیں ہو سکتے۔
اور دوسری آیات ایسی بھی پیش کیں جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر اشتراکی طور پر مشتمل ہیں مفصل
بحث جس نے دیکھنی ہو وہ "الحق دہلی" کتاب ملاحظہ فرماویں۔ وہاں وہ خود دیکھ لیں گے کہ حضرت صاحب نے
بحث کو بجائے پانچ کے تین پرچوں پر اسلئے ختم کر دیا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کی ساری علمی پونجی ختم ہو چکی تھی
اور صرف تکرار سے کام لیا جا رہا تھا +

نصرت الٰہی کا ظہور عجیب و غریب رنگ میں

اس بحث میں دو امور نصرت الٰہی کے ایسے ظاہر ہوئے جن سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے:
(۱) حضرت اقدس کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تھا یا کوئی مضمون
بھی لکھنے بیٹھتے تھے تو اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر والناس تک پڑھ
جاتے تھے اور جو آیات اس مضمون پر روشنی ڈالتی تھیں اُن کو نوٹ کرتے جاتے تھے چنانچہ آپ نے
کبھی کوئی مضمون ایسا نہیں لکھا جس کا دعویٰ اور دلیل دونو قرآن شریف سے پیش نہ کیا ہو۔ حکیم
فضل دین بھیروی صاحب مرحوم مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ جب مولوی محمد بشیر بھوپالی نے لام اور نون
ثقیلہ پر بڑا زور دیا تو حضرت اقدس حسب عادت سارے قرآن شریف کو پڑھ گئے۔ باہر تشریف لائے
تو ہنستے ہوئے آئے۔ فرمانے لگے گذشتہ رات کو سراج الحق صاحب کو تفسیر اور نحو کی کتابیں تلاش
کرنے میں کس قدر تکلیف ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھو کہ میں نے قرآن شریف کی طرف جو توجہ کی تو

قرآن شریف میں لام اور نون ثقیلہ کا محل اس قدر تفصیل سے پایا کہ کسی نحو کی کتاب کی حاجت نہ رہی چنانچہ الحق دہلی میں اس مباحثہ کو پڑھو۔ آپ نے لام اور نون ثقیلہ کے متعلق اپنے دعوے کی تائید میں کس قدر آیات قرآنی پیش کی ہیں۔

(۲) دوسرا امر صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اپنی کتاب سیرۃ المہدی حصہ دوم میں حضرت مولانا نورالدین مرحوم سے روایت کرتے ہیں:۔

"ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود سے کسی مخالف نے کوئی حوالہ طلب کیا۔ اُس وقت وہ حوالہ حضرت کو یاد نہ تھا۔ اور نہ آپ کے خادموں میں سے کسی اور کو یاد تھا۔ لہٰذا شامت کا اندیشہ ہوا۔ مگر حضرت صاحب نے بخاری کا ایک نسخہ منگایا اور اس کی ورق گردانی شروع کردی اور جلد جلد ایک ایک ورق اس کو اُلٹانے لگ گئے اور آخر ایک جگہ پہنچکر آپ ٹھیر گئے اور کہا کہ لو یہ لکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کسی نے حضرت صاحب سے دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب ہاتھ میں لیکر ورق اُلٹانے شروع کئے تو مجھے صفحات کتاب کے ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور اُن پر کچھ نہیں لکھا ہوا۔ اسی لئے میں اُن کو جلد جلد اُلٹاتا گیا۔ آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ سوائے اس جگہ کے کہ جس پر حوالہ درج تھا باقی تمام جگہ آپکو خالی نظر آئی۔"

مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ یہی روایت مفتی محمد صادق صاحب نے ایک مجمع میں زیادہ تفصیل سے سنائی۔ انہوں نے بیان کیا کہ:۔

"یہ واقعہ لدھیانہ کا ہے اور اس وقت حضرت صاحب کو غالباً نون ثقیلہ یا خفیفہ کی بحث میں حوالہ کی ضرورت پیش آئی تھی۔ سو اوّل تو بخاری ہی نہیں ملتی تھی۔ اور جب ملی تو حوالہ کی تلاش مشکل تھی۔ اور اعتراض کرنیوالے مولوی کے سامنے حوالہ کا جلد رکھا جانا ازبس ضروری تھا۔ اس پر آپ نے بخاری اپنے ہاتھ میں لیکر اس کی ورق گردانی شروع کردی۔ اور چند چند صفحات کے بعد فرماتے تھے کہ "یہ لکھ لو"۔ اس جلدی کو دیکھ کر کسی خادم نے عرض کیا کہ حضور ذرا اطمینان سے دیکھا جاوے تو شاید زیادہ حوالے مل جاویں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بس یہی حوالے ہیں جو میں بتا رہا ہوں۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں کوئی حوالہ نہیں۔ کیونکہ سوائے حوالہ کی جگہ کے مجھے سب جگہ خالی نظر آتی ہے۔"

خاکسار مؤلف بشارت احمد یہ عرض کرتا ہے کہ نون ثقیلہ کی بحث دہلی میں مولوی محمد بشیر بھوپالی سے ہوئی تھی اور بخاری بھی وہیں مشکل سے دستیاب ہوئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ مفتی محمد صادق صاحب کو غلطی سے

بجائے دہلی کے لدھیانہ یاد رہا۔ وہ خود تو دونو جگہ موجود نہ تھے۔ روایت سُن کر بیان کی ہوئی معلوم ہوتی ہے پس ممکن ہے حافظہ نے غلطی کی ہو۔ بہرحال یہ واقعہ خواہ لدھیانہ کا ہو یا دہلی کا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی وقت پر کس طرح مدد کرتا ہے کہ ظاہری نظر کے ساتھ باطنی کشفی نظر کو اس طرح ملا دیا کہ سوائے اصل حوالہ کے اور کچھ نظر ہی نہ پڑتا تھا۔

سفر پٹیالہ اور قادیان کو واپسی

سفر پٹیالہ مولوی محمد بشیر سے مباحثہ ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس نے چلنے کی تیاری کر دی۔ اور چونکہ آپ کے خسر میر ناصر نواب صاحب پٹیالہ تبدیل ہو کر چلے گئے تھے اس لئے آپ دہلی سے بمعہ اہل و عیال پٹیالہ تشریف لے گئے۔ یا تو ایک وہ زمانہ تھا جب براہین احمدیہ کی تصنیف کے بعد ایک دفعہ آپ پٹیالہ تشریف لائے تھے تو خلیفہ محمد حسین صاحب وزیر ریاست پٹیالہ بمعہ ہزارہا آدمیوں کے پیشوائی کے لئے اسٹیشن پر تشریف لائے تھے اور آپ کی سواری کیلئے ہاتھی لائے تھے یا اب کے دفعہ یہ عالم تھا کہ سوائے تین چار دوست سنّوری اور پٹیالہ کے آپ کی پیشوائی کے لئے اسٹیشن پر کوئی موجود نہ تھا۔ گویا دعویٔ مسیحیت کی وجہ سے آپ نے اپنی بنی ہوئی شہرت اور عزت سب کو خاک میں ملا لیا تھا۔ کیا ایک دنیا کی شہرت کا طالب اپنی بنی بنائی شہرت کو یوں برباد کر سکتا ہے۔

پٹیالہ میں مولوی محمد اسحاق آپ کی مخالفت میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا اس لئے ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے اس مولوی کو حیات و ممات مسیح میں بحث کرنے کیلئے دعوت دی۔ لیکن وہ مباحثہ کے لئے مقابل پر نہ آیا۔ فقط ایک دفعہ زبانی بات چیت کرنے بمعہ مولوی غلام مرتضیٰ خاں بھیروی کے آیا تو نہایت بدتہذیبی سے کلام کرتا رہا۔ اور خود مولوی غلام مرتضیٰ خاں بھی نہایت بدتہذیبی سے پیش آیا حضرت صاحب نے دوران گفتگو میں ایک کتاب پر ہاتھ مارا تو مسخرے سے کہنے لگا کہ "خدا کیلئے کتاب کو تو نہ پیٹ ڈالئے"۔ اس پر مولوی محمد عبداللہ صاحب نے جو اس وقت بیعت میں داخل نہ تھے کہا کہ مولوی صاحب آپ نے تہذیب سے کام نہیں لیا۔ آپ کی مولویانہ شان اس سے بہت بلند ہے کہ ایسی سوقیانہ باتیں کریں"۔ بعد میں حضرت اقدس نے مولوی عبداللہ سنّوری صاحب سے دریافت کیا کہ "یہ کون صاحب تھے جنہوں نے مولوی غلام مرتضیٰ خاں کو ڈانٹا۔ ان میں سے ایمان کی خوشبو آتی ہے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر مدرسہ کالج پٹیالہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ سنّور میں مولوی محمد یوسف صاحب ایک بہت بڑے صاحب حال عالم حضرت کے خدام میں سے تھے ان سے ملنے کے لئے آپ

سنور تشریف لے گئے۔ چنانچہ خاکسار مؤلف ۱۹۰۳ء میں جب احباب طریقت سے ملنے پٹیالہ گیا تو مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر پٹیالہ کالج اور حکیم عباداللہ صاحب اور مولوی محمود حسن صاحب دہلوی و دیگر احباب وہاں موجود تھے۔ اللہ اللہ یہ لوگ کیسے مخلص بزرگ تھے۔ اس وقت سنور میں مولوی محمد یوسف صاحب زندہ تھے۔ انہوں نے مجھے دعوت دی تو مولوی محمود حسن صاحب اور یہ دیگر بزرگ بول اُٹھے کہ سنور ضرور جاؤ۔ حضرت اقدس جب تشریف لائے تھے تو سنور گئے تھے۔ تم بھی مرشد کی اس سنّت کو پورا کرو۔ چنانچہ میں سنور گیا اور مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم کی مقدس صورت اور سادہ حالت کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ آج تک ان دوستوں کی مقدس شکلیں نظروں میں پھرتی ہیں۔

پٹیالہ کے مخالف مولویوں کے تقویٰ کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب حضرت اقدس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تو حافظ عظیم بخش صاحب پٹیالہ میں ایک عالم تھے وہ حضرت اقدس پر نہایت حسن ظن رکھتے تھے ان کا نام بھی فتویٰ دینے والوں میں لکھ دیا حالانکہ ان بیچاروں کو خبر ہی نہ تھی۔ وہ بعد میں چلّاتے پھرے کہ مجھے تو خبر بھی نہیں۔ اُنہوں نے پھر ایک نظم مولویوں کی اس چالاکی اور جھوٹ پر لکھی اور بالآخر حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو گئے[1]۔

مولویوں کا فتویٔ کفر اور فیصلہ آسمانی کی تصنیف

علما کی طرف سے فتویٔ کفر ادھر پٹیالہ سے آپ قادیان تشریف لائے اور ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں نبوّت کا دعویٰ اور طرح طرح کے غلط عقائد حضرت اقدس کی طرف ناحق منسوب کر کے آپ کو نعوذ باللہ مفتری کافر و ملحد اور دجال ٹھیرایا۔ اور اس کفر کے فتوے پر سب سے پہلے اپنے استاد مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب سے دستخط کروائے اور پھر تمام ہندوستان کا دورہ کر کے ایک ایک مولوی سے جو ذرا بھی کوئی حیثیت رکھتا تھا اس کفر کے فتوے پر دستخط کروائے۔ کوئی کوئی خال خال مولوی جسے خدا کا خوف تھا وہ تو اس فتوے میں شامل نہیں ہوا باقی سب نے اس فتوے پر دستخط کر دیئے۔ اس کارنامہ کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اسی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں اس فتوے کو بڑے طمطراق سے شائع کیا اور اپنی طرف سے سمجھ لیا کہ وہ جو میں نے کہا تھا کہ میں نے ہی مرزا کو بلند کیا تھا اور میں ہی اسے نیچے گراؤں گا" وہ قول اس طرح پورا ہو گیا اب اس فتویٰ کفر سے یقیناً مرزا نیچے گر جائیگا لیکن خدا کا کرنا روشن کیا ہوا نور ان منکی پھونکوں سے بجھ نہ سکتا تھا۔ وہ اور بھی زیادہ روشن ہونے لگا۔

فیصلہ آسمانی کی تصنیف دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب کی طرف سے بار بار یہ مطالبہ ہوتا تھا کہ پہلے مرزا صاحب

---

[1] اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب ایک بزرگ عالم پٹیالہ میں تھے بڑے عابد و زاہد اور متقی تھے۔ مگر مولوی لوگ کفر کے فتوے کیلئے ان کے پاس بھی گئے مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ بڑا خطرناک فعل ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

مومن اور مسلمان تو بن لیں پھر مجھ سے مباحثہ کرنے کا نام لیں۔ اگرچہ حضرت اقدس نے بار بار کلمۂ شہادت پڑھ پڑھ کے اپنے مومن مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ بذریعہ اشتہار بھی اعلان کیا۔ اور جامع مسجد میں بھی لکھ کر دیا کہ میں نہ مدعی نبوت ہوں۔ نہ کسی امر میں سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہوں۔ بلکہ پکا مسلمان اور خادم اسلام ہوں۔ لیکن جب کسی شخص نے بھی اس شرعی اقرار پر کان نہیں دھرا تو حضرت اقدس نے دسمبر ۱۸۹۱ء میں ایک کتاب فیصلہ آسمانی تصنیف کر کے شائع فرمائی جس میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کو تحریری مباحثہ کے لئے پھر دعوت دی کہ وہ اپنی جگہ دہلی میں بیٹھے ہوئے میرے ساتھ مباحثہ کر لیں اور اُن کو خاص طور پر دعوت دینے کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ چونکہ شیخ الکل بنے ہوئے ہیں اس لئے بطور بیخ کے ہیں پس اُن سے مباحثہ اس مسئلہ میں ایک فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اپنے مومن ہونے کی نسبت یہ تحریر فرمایا کہ چونکہ باوجود میرے کئی مرتبہ اعلان کرنے کے کہ میں مومن مسلمان ہوں اُنہوں نے اس شرعی اقرار کو جس کو تسلیم کر لینا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کوئی وقعت نہیں دی تو پھر اب ضروری ہوا کہ باطن کو کھول کر دکھانے کیلئے ان علامات میں مولوی نذیر حسین صاحب اور دیگر علما مجھ سے مقابلہ کریں جو قرآن کریم اور احادیث میں کامل مومن کی بتائی گئی ہیں اور وہ چار علامتیں ہیں:۔

"اوّل یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں یعنی پیش از وقوع خوش خبریاں جو اس کی مرادات یا اس کے دوستوں کے مطلوبات ہیں اس کو بتلائی جاتی ہیں۔

دوم یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اُس کی ذات یا اس کے واسطہ داروں سے متعلق ہوں۔ بلکہ جو کچھ دنیا میں قضاوقدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیرات آنے والے ہیں ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔

سوم یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور اکثر ان دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع بھی دی جاتی ہے۔

چہارم یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ ولطائف وخواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔

ان چاروں علامتوں میں نسبتی طور پر مومن کامل دشمنوں پر غالب رہتا ہے"۔ (فیصلہ آسمانی صفحہ ۱۴ طبع ثانی)

قرآن و حدیث کے مطابق ایمان ثابت کرنے کا چیلنج

اس کتاب فیصلہ آسمانی میں مومن کامل کی یہ چار علامتیں نہایت شرح وبسط سے بیان کر کے آپ نے مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری۔ مولوی عبدالرحمٰن لکھوکے والے۔ مولوی محمد بشیر بھوپالی۔ مولوی رشید احمد گنگوہی۔

اور اُن کے بعد تمام مولویوں۔ سجادہ نشینوں۔ صوفیوں۔ پیرزادوں کو چیلنج کیا کہ وہ ان چار علامتوں میں جو ایک مومن کامل کی ہیں مجھ سے مقابلہ کرلیں۔ رات دن شور مچا رکھا ہے کہ مرزا پہلے ایمان ثابت کرے پھر کوئی بات کرے تو آؤ میں اپنا ایمان ثابت کرتا ہوں اور اس طریق پر کرتا ہوں جو عین مطابق قرآن و حدیث ہے۔ لیکن اسی معیار پر تمہیں بھی اپنا ایمان ثابت کرنا ہوگا"۔ مگر اس چیلنج کو کسی نے قبول نہ کیا۔ اور مومنوں کو کافر بنانے والے اور ایمان کی ڈگنگیں مارنے والے مولویوں اور سجادہ نشینوں میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں کچھ اِدھر اُدھر کی ہانکتے رہے۔ مگر اصل چیلنج پر کسی نے ہاتھ نہ ڈالا۔ اور اپنا ایمان ثابت کرنے کیلئے مومن کامل کی کسوٹی پر کسے جانے کی کسی نے جرأت نہ کی۔ بقول غالب ع "میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

جو مرزا کے ایمان پر حرف دھرتے تھے وہ کسوٹی سامنے رکھے جانے پر اس معیار پر خود اپنا ایمان ثابت نہ کرسکے۔ اور بیچارے مولوی نذیر حسین صاحب تو ایسی چپ سادھ گئے کہ جیسے پتہ ہی کچھ نہیں +

جلسۂ سالانہ کی بُنیاد

پہلا سالانہ جلسہ حضرت اقدس نے ۱۸۹۱ء میں جلسۂ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور پہلا سالانہ جلسہ قادیان میں ۲۷۔ دسمبر سے ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۱ء تک منعقد ہوا۔ آپ نے اس پہلے جلسہ میں اس قسم کے سالانہ جلسوں پر مداومت کرنے کیلئے اور ان جلسوں کی غرض غایت بیان کرنے کیلئے ۲۰۔ دسمبر ۱۸۹۱ء کو ایک اعلان شائع فرمایا جو کتاب فیصلہ آسمانی کے ساتھ شائع شدہ موجود ہے اور وہ حسب ذیل ہے:۔

"اور چونکہ ہر ایک کیلئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کیلئے آوے..... لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کیلئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷۔ دسمبر سے ۲۹۔ دسمبر تک قرار پائے یعنی آج کے دن کے بعد جو ۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷۔ دسمبر کی تاریخ آجائے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربّانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کیلئے اس تاریخ پر آجانا چاہئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کیلئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کیلئے حاضر ہوئیں

اور خاص توجہ ہوگی۔ اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائیگی کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی اُن میں بخشے۔ اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور دوستانہ سلسلہ آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کیلئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کیلئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کیلئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور کم مقدرت احباب کیلئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں۔ اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ سفر خرچ کیلئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایہ سفر میسر آجائے گا گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا ..... الخ"

ان جلسوں میں حضرت اقدس کی اپنی تقریر خاص اہمیت رکھتی تھی کیونکہ وہ علم و حکمت اور روحانیت کا ایک دریا ہوتا تھا جو طالبانِ حق کی روح اور قلب کو سیراب کرتا چلا جاتا تھا۔ ۱۸۹۱ء کے پہلے جلسہ سالانہ میں پچھتر احباب شامل ہوئے۔

ابتدائی جلسہ کی کیفیت انہی ابتدائی جلسوں میں سے ایک جلسہ کی کیفیت پیر سراج الحق نعمانی صاحب نے لکھی ہے جس کا خلاصہ میں اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جلسہ میں حضرت اقدس کے احباب خاصی تعداد میں قادیان حاضر ہوئے علاوہ مخالفوں کے یا ان کے جو حسن ظن رکھتے تھے۔ اُس وقت بجائے اسٹیج کے ایک اونچا چوبی تخت بچھایا گیا جس پر قالین کا فرش تھا۔ اور حضرت اقدس تقریر کرنے کے لئے اُس پر جلوہ افروز ہوئے۔ چاروں طرف آپ کے احباب حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ۔ مولوی برہان الدین صاحب جہلمی اور مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی اور پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور دیگر بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ جیسے چاند کے گرد ستارے۔ آپنے اُسوقت اپنی کتاب توضیح مرام کا وہ مقام نکالا جس میں ملائکہ پر بحث تھی اور مولویوں نے اپنی نادانی سے اُس پر اعتراض کیا تھا اور تقریر شرح و بسط سے فرمائی جو اسقدر پُر از معارف تھی کہ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی پر بہت رقت طاری ہوئی جس سے تمام حاضرین کے دل پگھل گئے اور سب پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی۔ اور بعض کے دلوں میں جو شکوک و شبہ تھے وہ سب نکل گئے۔

قیام لاہور

جنوری ۱۸۹۲ء میں حضرت مرزا صاحب لاہور تشریف لیگئے اور محبوب رایوں کے مکان واقعہ ہیرا منڈی میں مقیم ہوئے۔ یہاں ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو بابو میراں بخش صاحب کی کوٹھی میں آپ کی ایک پبلک تقریر ہوئی۔ خلقت کا اژدھام اسقدر تھا کہ دس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ آپ نے اپنی تقریر میں اپنے دعاوی کے متعلق لوگوں پر حجت تمام کی۔ لاہور میں بھی اگرچہ بہت مخالفت ہوئی مگر دہلی کی طرح طوفان بے تمیزی نہیں مچا۔ لاہور کے ایک بازار میں ایک دفعہ ایک شخص جو خود مہدی ہونے کا مدعی بنا پھرتا تھا آپ سے لپٹ گیا اور بُری طرح آپ کو پکڑ کر گھسیٹا اور کہنے لگا کہ تو کہاں سے مہدی بن گیا۔ مہدی تو میں ہوں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے اُسے مارنا چاہا مگر حضرت مرزا صاحب نے روک دیا اور اُسے کچھ نہ کہا۔ مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص بعد میں جلدی ہی ہلاک ہوگیا۔

مباحثہ لاہور کا سب سے اہم واقعہ آپکا مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مباحثہ تھا جو ۳۔ فروری ۱۸۹۲ء کو ختم ہوا مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری نے بڑا زور اس بات پر دیا کہ لفظ نبوت خواہ وہ مجازی طور پر ہی استعمال ہوا ور محدثیت کے معنی ہی اس سے آپ لیتے ہوں تب بھی مسلمان پبلک کے دلوں پر گراں گزرتا ہے۔ اُس پر آپ نے مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر دی جس پر ۳۔ فروری ۱۸۹۲ء کی تاریخ مرقوم ہے۔ اور آٹھ گواہوں کے دستخط ہیں۔ اور اس تحریر کو آپ کی طرف سے ایک اقرارنامہ تسلیم کرکے بحث کا خاتمہ کر دیا گیا۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے:۔

"تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جسقدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدّث ایک معنے میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کے رُو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیا ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ لفظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے جس حالت میں کہ ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد

نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متکلم مراد لئے ہیں۔ یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکون انبیاء فان یك فی امتی منھم احد فعمر (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱ پارہ ۱۴ باب مناقب عمر رض) ..... تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو وہ دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔ اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔"

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور مرزا ایوب بیگ صاحب کی بیعت

حضرت اقدس ابھی لاہور میں مقیم تھے جو ایک روز مرزا یعقوب بیگ صاحب زیارت کیلئے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب ان دنوں میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے۔ کلانور کے رہنے والے حد درجہ کے شریف اور نہایت نیک اور سادہ نوجوان تھے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی کے ساتھ گئے تھے حضرت مولانا نورالدین صاحب سے تعارف ہوا تو وہ بغلگیر ہوئے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب فرماتے تھے کہ اس معانقہ سے میرے اندر عجب ٹھنڈک محسوس ہوئی اور ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی جس سے میں پہلے آشنا نہ تھا۔ اب آگے خود ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی قلم سے سنو۔ لکھتے ہیں:۔

"ہم بیٹھک میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ حضرت صاحب کچھ لوگوں سے محو کلام تھے۔ اتنے میں ایک آدمی نے آکر آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ آپ خاموش سر جھکا کر سنتے رہے اور وہ بکتا رہا۔ جب وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی اور بھی کچھ کہنا ہے تو کہہ ڈالو۔ اس پر وہ بہت نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ حاضرین میں سے ایک تعلیم یافتہ ہندو کہنے لگا کہ حضرت مسیح کے تحمل کے متعلق بائیبل میں پڑھا ہوا تھا۔ مگر ایسا نمونہ آج دیکھنے میں آیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص کامیاب ہو جائے گا۔ ان واقعات نے میرے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ میں نے بیعت کر لی۔ اس سے دوسرے روز میرے بھائی مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم بھی داخل بیعت ہو گئے۔ مخالفت کی شدت کی وجہ سے اس بات کو اتنا مخفی رکھا گیا کہ اس وقت خود ہم دو بھائی بھی ایک دوسرے کے متعلق نہیں جانتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک نے بیعت کر لی ہے۔ بعد میں پتہ لگا۔ بیعت کا اثر اس قدر ہوا کہ تمام دنیا بے رغبتی کا فور ہو گئی

نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا۔ اُن دنوں میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا۔ دوسرے طلبا کا جو وقت کھیل کود میں صرف ہوتا تھا وہ ہم نماز اور قرآن خوانی میں صرف کرتے تھے اس تبدیلی کو ہمارے والد مرحوم نے جو ہماری بے دینی کے سخت شاکی تھے نہایت تعجب سے محسوس کیا۔ اور جب اصل حالات اُن پر کھُلے اور حضرت صاحب کی زیارت سے مشرف ہوئے تو وہ بھی بیعت میں داخل ہو گئے"

قیام سیالکوٹ

ورود سیالکوٹ لاہور سے حضرت اقدس سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اُن دنوں حضرت اقدس کے دعاوی کا چرچا ہر جگہ اور ہر شہر اور ہر مجلس میں ہوا کرتا تھا۔ میں (یعنی خاکسار مؤلف بشارت احمد) اُن دنوں صدر بازار سیالکوٹ میں رہا کرتا تھا۔ چونکہ اسکاچ مشن ہائی اسکول شہر سیالکوٹ میں پڑھتا تھا اور دن رات پادریوں کے اعتراضوں سے تنگ تھا اور یٰعیسٰی انی متوفیك ورافعك الیّ کے معنے پورا پورا بھر لینے اور آسمان پر چڑھا لینے کے پادریوں کی زبان سے سن کر دل ہی دل میں شرمندہ ہوا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ خدا نے ہمارے حضرت نبی کریم صلعم کو کیوں نہ آسمان پر چڑھا لیا۔ حضرت عیسٰی کو زندہ آسمان پر چڑھا کر ہمیں پادریوں کے آگے ناحق کو شرمندہ کرایا۔ حضرت اقدس کا رسالہ فتح اسلام جو میں نے پڑھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ میں نے کہا کہ اس شخص نے یہ جو لکھا ہے کہ مسیح ناصری مر گیا یہ میرے دل کی بات لکھی ہے۔ مگر ہمارے خاندان کے بزرگوں نے کہا تم ابھی بچے ہو تم نے ہمارے علمائے دین دیکھے کہاں ہیں۔ اس لئے میں چپ ہو رہا۔ اگرچہ میرے خاندان کے لوگ حنفی تھے لیکن بچپن سے مجھے دینی کتب کے مطالعہ اور علما کی صحبت میں بیٹھنے اور اُن کی باتیں سننے کا بیحد شوق تھا۔ میری دینی تحقیقات نے مجھے اہل حدیث بنا دیا تھا۔ چنانچہ میں سیالکوٹ شہر میں اہل حدیث کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھا کرتا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ہمارے امام ہوا کرتے تھے۔ یکایک سنا کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہی شخص مسیح موعود ہے۔ دوسری خبر یہ سُنی گئی کہ صدر بازار کی جامع مسجد کے امام مولوی مبارک علی صاحب نے بھی حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لی ہے۔ یہ مولوی صاحب حضرت اقدس مرزا صاحب کے اُستاد مولوی فضل احمد مرحوم کے بیٹے تھے اور نہایت فاضل اور عالم تھے۔ پھر تو بیعت کرنیوالوں کا تانتا بندھ گیا۔ اہل حدیث کے ٹولہ میں سے حکیم حسام الدین صاحب۔ شیخ مولا بخش صاحب سوداگر بوٹ وغیرہ کئی اشخاص نے بیعت کر لی۔ اب تو شہر اور صدر میں ایک ہلچل مچ گئی۔ کہ اتنے میں

حضرت اقدس مرزا صاحب فروری ۱۸۹۲ء میں سیالکوٹ میں رونق افروز ہوئے اور شہر میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام فرمایا۔ شہر میں غل مچ گیا۔ میں بمعہ ایک دوست کے تیسرے پہر کو آپ کو دیکھنے کیلئے شہر گیا۔ اسوقت حکیم حسام الدین صاحب کے کوچہ میں لوگوں کا بیحد اژدحام تھا۔ ہم دونو نوجوان لڑکے تھے۔ گھستے پھنستے آخر اس قطار تک پہنچ گئے جو عین دروازہ کے سامنے کھڑی تھی۔ حضرت اقدس ایک دروازہ سے نکلے اور کوچہ عبور کرکے دوسرے مکان کے دروازہ میں چلے گئے۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک نور کا جھماکا آنکھوں کے سامنے آکر یکایک گم ہوگیا۔ میں اپنے تخیل میں کسی بزرگ کی مقدس شکل کا جو بہتر سے بہتر تصور قائم کیا کرتا تھا یہ ویسا ہی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یہ نورانی شکل جھوٹے کی نہیں ہوسکتی۔ یہ شخص سچا ہے۔ اس کے بعد ہم حکیم حسام الدین والی مسجد کے اندر گئے۔ اور حضرت اقدس نے عصر کی نماز پڑھائی اور ہم نے بھی آپ کے اقتدا میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ مسجد کے درمیانی در میں جنوبی ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے اور مسجد کا اندرا ور صحن سب لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ صحن کے سامنے کی طرف ایک شہ نشین تھا اس پر میں اور مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میری نظریں حضرت اقدس کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب بولے کہ دیکھو چہرہ پر کس قدر نور برس رہا ہے۔ میں نے کہا واقعی اس قدر نورانی چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ لوگ مختلف مذہبی سوالات کرتے تھے جن کا آپ ایسا معقول جواب دیتے تھے کہ نہ صرف دل کو لگتے تھے بلکہ مجھے نہایت تعجب ہوتا تھا وجہ یہ کہ مذہبی لوگوں سے ایسی معقول باتیں میں نے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرگی زدہ کی شفا کے لئے دعا بھی کروائی۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب نزدیک ہوکر دریافت کیا کہ حضرت عرش کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد سلطنت اور نفاذ امر بھی ہیں۔ لیکن اہل حال اور صاحب باطن لوگوں کی نظر میں یہ وہ مقام ہے جہاں مادی اور روحانی ہر طرح کی مخلوق کی حد ختم ہوجاتی ہے اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی جلوہ گر ہے۔ غرضکہ آپ نے عرش پر ایسی لطیف تقریر فرمائی کہ سننے والوں کو وجد آگیا۔ شام ہوگئی۔ نماز مغرب کے بعد میں بمعہ اپنے دوست کے واپس چلا آیا۔ ہم دونو نے یہ فیصلہ کرلیا کہ یہ شخص صادق ہے۔ دوسرے دن ہم دونو آدمی پھر نماز ظہر کے وقت گئے حضرت اقدس نے نماز ظہر کے بعد ایک تقریر کی جس میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر فرمائی جو ایسی لطیف اور پُر از معارف تھی کہ ہم دونو عش عش کر گئے۔ اس سے قبل یہ حقائق و معارف کہاں سُنے تھے۔ بہت عالموں کے وعظ سُنے تھے مگر یہاں بات ہی کچھ اور تھی۔ اُن دنوں آریہ سماج کا بڑا زور تھا۔ اس تقریر کے دوران میں ہمارے لئے ایک نئی بات یہ بھی ہوئی کہ حضرت صاحب نے آریہ سماج کے ایسے پرخچے اُڑائے کہ آریہ سماج کا جتنا رعب

ہمارے جیسے نوعمر طالبعلموں پر تھا وہ سب ھباءً منثورا ہوگیا۔ اور اسلام کی عظمت اور شوکت نظروں کے سامنے ہویدا ہوگئی۔ تقریر کے بعد چند جٹ زمیندار حضرت اقدس کے گرد جمع ہوکر کچھ زور زور سے باتیں کرنے لگے جنہیں بھیڑ کی وجہ سے میں سمجھ نہ سکا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مشہور شاعر اُس زمانہ میں میرے ہم جماعت تھے یہ مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے "دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں"۔ ان دنوں انہیں حضرت اقدس سے بہت ارادت تھی۔ چنانچہ شہر سیالکوٹ کے ایک شاعر نے جو جلوہ تخلص کرتا تھا جب ایک نظم حضرت اقدس کی ہجو میں لکھی تو ڈاکٹر اقبال نے اس کا جواب نظم میں ہی لکھا اور اُس میں حضرت اقدس کی بڑی تعریف لکھی۔ خیر ادھر حضرت اقدس کی دعوت و تبلیغ جاری تھی جو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب پہنچ گئے۔ پنجاب میں اہل حدیث میں یہ چوٹی کے عالم گنے جاتے تھے۔ ان صاحب نے جابجا مسجدوں میں تقریریں کیں اور اس میں حضرت اقدس کے خلاف اس قدر بہتان طرازیاں کیں کہ آج مجھے یاد کر کے تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ مولوی کہلا کر اس شخص نے کسقدر لوگوں کو مغالطے دیئے اور کتنے لوگوں کو گمراہ کیا۔ صدر بازار سیالکوٹ کی بڑی مسجد میں اس کے وعظ میں میں بھی موجود تھا حضرت اقدس کی کتابوں کے حوالوں کو جس طرح غلط طریق پر اس نے پیش کر کے لوگوں کو اشتعال دلایا اُسے یاد کر کے حیرت ہوتی ہے کہ مولوی ہو کر عین خانہ خدا میں یہ شخص کس قدر افترا پردازیاں کرتا رہا اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اشتہار بازی شروع کر دی۔ حضرت اقدس نے بھی اشتہار کے ذریعہ جواب دیا۔ مباحثہ تو کیا ہونا تھا البتہ شہر کی پرامن فضا کو اس شخص نے اس قدر مکدر کر دیا کہ سخت فساد کا احتمال پیدا ہوگیا۔ مگر ان مولوی صاحب کی اس ساری تگ و دو کے باوجود سیالکوٹ میں لوگوں نے کثرت سے بیعت کی۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیالکوٹ وہ شہر تھا جہاں اس سے قبل حضرت اقدس اپنی جوانی کے زمانہ میں رہ چکے تھے اس لئے لوگ آپ کی پچھلی زندگی سے واقف تھے اور آپ کی راستبازی اور للّٰہیت کا اُن کے دلوں پر اثر تھا۔ چند روز سیالکوٹ رہ کر حضرت اقدس واپس تشریف لے گئے۔

نشان آسمانی

سفر جالندھر و لدھیانہ سیالکوٹ سے حضرت اقدس جالندھر تشریف لیگئے وہ نیچریوں اور وحدت وجودیوں کی سرزمین تھی۔ وہاں کچھ روز قیام فرما کر آپ لدھیانہ تشریف لے گئے وہاں آپ نے کریم بخش جمال پوری کو بلوایا اور اُن سے سائیں گلاب شاہ مجذوب والی پیشگوئی دوبارہ سُن کر قلمبند کر لی۔ کریم بخش صاحب نے اب کے دفعہ قسم کھا کر پہلے تو سائیں گلاب شاہ صاحب کی اور بہت سی پیشگوئیوں کا ذکر کیا جو بڑی

صفائی سے پوری ہوئی تھیں اور پھر اس پیشگوئی کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا جو حضرت اقدس کے متعلق تھی۔ جس کا ذکر میں "قیام لدھیانہ کی سُرخی کے نیچے کر آیا ہوں۔ اب کے دفعہ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ سائیں صاحب نے نہ صرف یہی بتلایا تھا کہ مسیح ناصری مر گیا ہے اور آنیوالا عیسٰی قادیان میں پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ مزید استفسار پر کہ قادیان تو لدھیانہ کے نزدیک ہے وہاں کون عیسٰی ہے۔ آپ نے کچھ عرصہ خاموشی کے بعد یہ بتلایا تھا کہ وہ قادیان اور ہے جو بٹالہ کے نزدیک ہے اور اُس عیسٰی کا نام غلام احمد ہے۔ پوری تفصیل اس پیشگوئی کی نشان آسمانی میں درج ہے ؛

نشان آسمانی کی تصنیف

حضرت اقدس نے لدھیانہ سے واپس آتے ہی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے نشان آسمانی۔ جسے آپ نے ۲۶ مئی ۱۸۹۲ء کو شائع فرمایا۔ اس میں مختلف مضمون کی پیشگوئیاں جو آپ کے متعلق تھیں درج کی ہیں۔ چنانچہ سائیں گلاب شاہ صاحب کی پیشگوئی بھی اس میں درج فرمائی ہے۔ اور خاص طور پر شاہ نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی اُس میں درج فرمائی جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔

قدرتِ کردگارے بینم | حالتِ روزگارے بینم
از نجوم ایں سخن نمے گویم | بلکہ از کردگارے بینم

اس منظوم پیشگوئی میں موجودہ زمانہ کا نقشہ نہایت صفائی سے کھینچکر پھر اس موعود کی آمد کا ذکر کیا ہے جس کا نام وہ احمد بتلاتے ہیں۔

ا۔ ح۔ م ودال مے خوانم | نام آں نامدارے بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر | علم و حلمش شعارے بینم

حضرت اقدس نے اس کتاب میں اس پیشگوئی کی تشریح بڑی خوبی سے کی ہے اور بتایا ہے کہ یہاں احمد صفائی نام ہے یعنی بوجہ آنحضرت صلعم کے اسم احمد کے بروز ہونے کے اس موعود کا نام احمد بتایا گیا ہے جو بنی تو نہیں ہے مگر نبیوں کے رنگ سے رنگین ہے۔ اور اُس کا کام علم و حکمت کے ذریعہ جمالی رنگ میں اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھانا ہے۔ قصّہ مختصر یہ کہ جس نے دیکھنا ہو وہ کتاب دیکھ لے۔ اور اس لئے بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس کتاب کے جواب میں آجکل بہت سی فرضی نظمیں مولویوں نے بنا کر شاہ نعمت اللہ ولی کی طرف منسوب کر دی ہیں جن کی فارسی تک درست نہیں اور جو فقط اسی زمانہ کی ایجاد ہیں۔ تاریخی طور پر ان کی کوئی اصلیت نہیں ؛

بعض معزز احباب کی قادیان کی طرف ہجرت

مولانا محمد احسن صاحب امروہی کی قادیان کی طرف ہجرت

اسی سال ۱۸۹۲ء میں بعض معزز احباب قادیان ہجرت کر کے آ گئے۔ سب سے پہلے تو حضرت مولانا مولوی محمد احسن صاحب امروہی قابل ذکر ہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ انہوں نے رسالہ اعلام للناس لکھ کر حضرت اقدس کے دعوے کی تصدیق کی تھی اسکی وجہ سے ریاست بھوپال سے ان پر عتاب ہوا۔ آپ نے ایمان کو ملازمت پر ترجیح دی اور ملازمت چھوڑ کر قادیان تشریف لے آئے آپ کی نسبت حضرت اقدس کو پہلے ہی سے الہام ہو چکا تھا ؎

از برایش محمد احسن را ✦ تارکِ روزگارے بینم

آپ بہت بڑے علامہ اور علم حدیث کے تو گویا پُتلے تھے۔ دنیا کے ہر ایک فوائد اور جاہ و آسائش کو چھوڑ کر قادیان آ بسے۔ حضرت اقدس کے مکان میں مسجد مبارک کے قریب ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ملا ہوا تھا اُسی میں بسر اوقات کرتے تھے۔ میں نے ایک بڑی خوبی جو اُن میں دیکھی وہ یہ تھی کہ وہ ہر شخص کا بھلا چاہتے تھے۔ حضرت اقدس کے سامنے کبھی کسی کی بُرائی نہ کرتے۔ ہمیشہ آپ کی زبان سے کلمہ خیر نکلتا۔

مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کی ہجرت

اسی سال ۱۸۹۲ء کے آخر میں مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی بھی قادیان ہجرت کر کے آ گئے۔ آپ سیالکوٹ میں ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول میں عربی اور فارسی کے ٹیچر تھے۔ انگریزی بھی جانتے تھے۔ آخر حضرت اقدس کے عشق نے مجبور کیا۔ ملازمت سے استعفا دیکر قادیان جا بیٹھے۔ سیالکوٹ شہر میں آپ اہل حدیث کی جماعت کے امام تھے۔ خاکسار مؤلف سیالکوٹ میں جمعہ اکثر ان کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔ خطیب بڑے زبردست تھے۔ درس قرآن بھی کیا کرتے تھے۔ قرآن بڑے جذبہ سے پڑھتے تھے۔ ابتدا میں سرسید احمد خاں کے بڑے شیدائی تھے۔ اُن کی تہذیب الاخلاق اور تفسیر پر دل و جان سے قربان تھے۔ غرضکہ نیچریت اُن کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ نہ معلوم حضرت اقدس کی رُوحانیت میں کیا جذب تھا کہ ان کو کھینچ لیا۔ بیعت تو ۱۸۸۹ء میں کر چکے تھے۔ مگر نیچریت کا اثر ابھی باقی تھا۔ خود ذکر فرماتے تھے کہ ۱۸۹۲ء کے آخر میں آئینہ کمالات اسلام زیر تصنیف تھی اور میں حضرت صاحب کے مکان کے نیچے گول کمرہ میں رہتا تھا اور آئینہ کمالات اسلام کے عربی حصہ کا فارسی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ حضرت اقدس نیچریت کو پسند نہ کرتے تھے۔ روزانہ میں حضرت سے بحث کیا کرتا تھا اور بعض دفعہ اثنائے بحث میں جوش سے میری آواز بلند ہو جاتی اور بڑی شدت کے ساتھ میں جھگڑتا۔ مگر حضرت صاحب نہایت نرمی سے جواب دیتے اور فرماتے کہ کوئی ڈر نہیں مولوی صاحب آپ آہستہ آہستہ

سب باتیں سمجھ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رفتہ رفتہ نیچریت میرے اندر سے نکل گئی۔ اور اب مجھے اس وقت کا اپنا سختی کے ساتھ جھگڑنا یاد آتا ہے تو بہت استغفار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماوے۔"

قادیان میں بھی آپ کو حضرت اقدس نے امامت سپرد کی۔ مسجد مبارک میں آپ ہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور خدمت یہ سپرد ہوئی کہ حضرت اقدس آئینہ کمالات اسلام میں ایک بڑا طویل دعوت نامہ عربی زبان میں تمام مشائخ وصوفیائے ہندوستان افغانستان ومصر وغیرہ ممالک اسلامیہ کے نام شائع فرما رہے تھے۔ اُس کا فارسی ترجمہ مولوی عبدالکریم صاحب کریں۔ چنانچہ عربی کے ساتھ ساتھ نیچے کے نصف صفحہ میں فارسی کا ترجمہ شائع شدہ موجود ہے۔ فارسی نثر نہایت اعلیٰ درجہ کی لکھتے تھے حضرت اقدس کی صحبت کا اثر جو مولوی عبدالکریم صاحب پر نمایاں طور پر پڑا وہ یہ تھا کہ ایک تو خطبات میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ اس قدر زور اور اثر پیدا ہوتا گیا کہ آپ کی تقریر وتحریر اپنے اندر عجب دلکشی رکھنے لگی۔ اور دوسرے سب سے بڑھکر جو بات پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ قرآن پڑھنے میں خوش الحانی اور اثر اس قدر پیدا ہوگیا کہ سُن کر انسان کی رُوح وجد کر اُٹھتی اور رقت سے پانی پانی ہو جاتی تھی۔ اور بے اختیار آنسو آنکھوں سے رواں ہو جاتے تھے۔ میں چونکہ سیالکوٹ میں جمعہ اُن کے پیچھے اکثر پڑھا کرتا تھا انکی قرآن خوانی کو خوب جانتا تھا۔ ان دنوں قرآن پڑھا تو جذبہ کے ساتھ کرتے تھے مگر خشک اور روکھا پڑھتے تھے۔ کوئی تری نہ تھی۔ خوش الحانی بھی ایسی کوئی خاص نہ تھی۔ لیکن فروری ۱۹۰۲ء میں جب میں پہلی دفعہ قادیان آیا اور بیعت کی[1] اور مولوی صاحب کی امامت میں نماز فجر ادا کی۔ اور ان کی قرأت سنی تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ قرآن آسمان سے نازل ہو رہا ہے اور خدا کے ملائکہ آسمان سے قرآن کا ترانہ گا رہے ہیں میرا دل تڑپتا تھا اور رُوح پانی پانی ہوئی چلی جاتی تھی۔ ساتھ ہی حیرت تھی کہ خدایا یہ وہی مولوی عبدالکریم ہیں جو سیالکوٹ میں ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ یہ کیا تھے اور کیا بن گئے۔

مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ کی قادیان کی طرف ہجرت

مولانا نورالدین صاحب بھیرہ کے رہنے والے تھے جموں میں آپ شاہی طبیب تھے۔ قرآن حدیث کے بڑے متبحر عالم تھے۔ قرآن کریم اور حدیث کا آپ کا

[1] جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں حضرت اقدس مرزا صاحب کی نورانی اور مقدس شکل تو اپریل ۱۸۹۲ء میں ہی میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی افترا پردازیوں نے اگرچہ بعض وساوس میرے دل میں پیدا کئے لیکن اس کا علاج تھا کہ مذہبی مطالعہ سے میری عادت تھی۔ اور آریہ سماج، عیسائیت، دہریت وغیرہ جو اعتراض بھی قرآن کریم اور آنحضرت صلعم پر وارد کرتی تھی اُس کا تشفی بخش علاج مجھے سوائے حضرت مرزا صاحب کے لٹریچر کے دوکیں سے نہ ملتا تھا۔ آخر ۱۸۹۶ء میں جب لاہور میں مشہور جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدس کا لکچر مولوی عبدالکریم صاحب کی زبان سے سنا اور وہ پُر تاثیر نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو یہ دلی تعلق مبدل بہ عقیدت وارادت ہوگیا لیکن بیعت کر کے حضرت اقدس کی جماعت میں شامل ہونا اُس شدید مخالفت کے زمانہ میں آگ میں کود پڑنے کے مترادف تھا۔ اس لئے یہ امر اس وقت تک ملتوی رہا جب تک کہ میں ملازم ہو کر آزاد نہ ہو گیا۔ (مؤلف)

درس مشہور زمانہ تھا۔ سینکڑوں عالم و فاضل اور عامی لوگ آپ کے علم کے دریا سے مستفیض ہوتے رہتے تھے حضرت اقدس مرزا صاحب کے دعوئی مسیحیت و مجددیت کے بعد آپ نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ حضور کی خدمت میں اپنی باقی زندگی گزاروں۔ اگر اجازت ہو تو میں ملازمت سے استعفا دیکر قادیان آبیٹھوں۔ حضرت اقدس نے لکھا کہ لگی ہوئی ملازمت چھوڑنا کفران نعمت ہے۔ آپ استعفا نہ دیں"۔ خدا کی شان اس کے کچھ عرصہ بعد پنڈت سورج کول جو ریاست میں بہت ذلیل تھا مولوی صاحب سے بگڑ گیا۔ مولوی صاحب کا راجہ امر سنگھ سے جو ان راجوں میں سب سے چھوٹا بھائی تھا بہت تعلق تھا۔ اور مہاراجہ کشمیر اس سے بہت بدظن تھا۔ سورج کول کو موقع مل گیا۔ اُس نے راجہ کے ایسے کان بھرے کہ مولوی صاحب کو نوٹس مل گیا کہ آپ ملازمت سے علیحدہ ہیں۔ مولوی صاحب اپنے وطن بھیرہ تشریف لے گئے اور کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ وہاں ایک نئے مکان کی تعمیر شروع کر دی جس میں آپ کا مقصد تھا کہ ایک شفاخانہ بھی مریضوں کے لئے کھولا جائے۔ وہ مکان ابھی ناتمام تھا اور اُس پر سات ہزار روپیہ ابھی تک خرچ ہوا تھا کہ آپ کسی ضرورت کیلئے لاہور تشریف لائے۔ یہ ۱۸۹۳ء کا واقعہ ہے۔ خود فرماتے تھے کہ:۔

"میرا جی چاہا کہ حضرت صاحب کو بھی دیکھوں اس واسطے میں قادیان آیا۔ چونکہ بھیرہ میں بڑے پیمانہ پر عمارت کا کام شروع تھا۔ اسلئے میں نے واپسی کا یکہ کرایہ کیا تھا۔ یہاں آکر حضرت صاحب سے ملا اور ارادہ کیا کہ آپ سے ابھی اجازت لیکر رخصت ہوں۔ آپ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے۔ میں نے کہا جی ہاں اب تو میں فارغ ہی ہوں۔ یکہ والے سے میں نے کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے کل پرسوں اجازت لیں گے۔ اگلے روز آپ نے فرمایا کہ آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہوگی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوالیں۔ میں نے حسب الارشاد بیوی کے بُلانے کیلئے خط لکھ دیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اس لئے عمارت کا کام بند کر دیں۔ جب میری بیوی آگئی تو آپ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوالیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پرانی ہے آپ اس کو ضرور بلالیں۔ لیکن مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو نورالدین کے متعلق الہام ہوا ہے اور وہ شعر حریری میں موجود ہے

لا تعبون الی الوطن فیہ تھان وتمتھن

خدائے تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میرے واہمہ اور خواب میں بھی پھر مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔ پھر تو ہم قادیان کے ہو گئے"۔

خاکسار مولف عرض کرتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد مہاراجہ جموں کو اپنی غلطی کا احساس ہؤا اور حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کو کہلا بھیجا کہ آپ پھر ریاست میں اپنے سابق عہدہ پر واپس آجاویں۔ آپ نے لکھ دیا کہ اگر اب آپ مجھے سلطنت بھی بخش دیں تو میں قادیان نہیں چھوڑ سکتا۔" حضرت مولوی صاحب نے پھر وہیں ڈھاب کے کنارے کچّے مکان بنالئے اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔ اور قرآن وحدیث کا درس جاری کر دیا بالخصوص قرآن کریم کا درس تو اس کمال کا ہوتا تھا کہ اس کے علم وحکمت اور معقولیت کے آگے ہر ایک قسم کے اہل علم کے قلوب جھکتے تھے۔ خواہ وہ اہل علم نئی روشنی کے ہوں یا پرانی روشنی کے۔ یہ تو روحانی مریضوں کی شفا کا سامان تھا جسمانی مریضوں کیلئے آپ نے مطب بھی جاری کر دیا۔ اور اس کا فیض قادیان سے نکل کر اردگرد کے علاقہ میں بھی پھیل گیا۔ دُور دُور سے لوگ علاج کرانے آتے اور جسمانی امراض کے علاوہ روحانی امراض سے بھی شفا پا کر جاتے۔ ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی متعدد احباب گھر بار عزیز واقربا چھوڑ کر حضرت اقدس کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کیلئے قادیان آجمع ہوئے۔ حضرت اقدس نے ایک کچّا مہمانخانہ تعمیر فرمالیا تھا اُس میں احباب آکر ٹھیرتے تھے۔ بعض مہاجرین جو تنہا تھے وہ تو اسی مہمانخانہ میں رہتے تھے جو اہل وعیال رکھتے تھے اُنہوں نے ڈھاب کے کنارے کچّے مکان بنالئے۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حضرت اقدس کے مکان کے ہی ایک ایک کمرہ میں رہتے تھے۔

جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء

۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو جو جلسہ سالانہ ہؤا اس میں یوں تو قریب پانسو کے لوگ جمع ہوئے تھے۔ لیکن وہ احباب اور مخلص جو محض للہ شریک جلسہ ہونے کیلئے دُور دُور سے تشریف لائے تھے ان کی تعداد قریب تین سو پچیس ۳۲۵ کے تھی۔ اس جلسہ کی کارروائی آئینہ کمالات اسلام میں شائع ہوجانے کی وجہ سے آج ہمارے سامنے ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے قرآن شریف کی اُن آیات کریمہ کی تفسیر بیان کی جن میں حضرت مریم صدیقہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا آپ نے حضرت مریم کی عفت وعصمت اور حضرت مسیح کی وفات پر ایک بڑی دلکش تقریر فرمائی جس کے ضمن میں آپ نے قرآن کریم کے بہت سے حقائق ومعارف ایسے دلچسپ بیان فرمائے کہ حاضرین پر بڑا اثر پڑا۔ اسی طرح نزول مسیح کے مسئلہ کو نہایت خوبصورتی اور صفائی کے ساتھ بیان کیا۔ ان کے بعد سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک قصیدہ مدحیہ سُنایا۔ اس تقریر کے بعد حضرت اقدس مرزا صاحب کی مختصر تقریر تھی

جس میں علماء حال کی چند اُن باتوں کا جواب دیا گیا تھا جو اُن کے نزدیک بنیاد تکفیر ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مسیح موعود ہونے کا آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے ثبوت دیا گیا تھا۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے معزز حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ اور یہ قرار پایا کہ ایک رسالہ جو اہم ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کا خوبصورت چہرہ معقول طور پر دکھاتا ہو تالیف ہو کر اور پھر چھاپ کر یورپ اور امریکہ میں بہت سی اس کی کاپیاں بھیجی جائیں۔ بعد اس کے قادیان میں اپنا مطبع قائم کرنے کے لئے تجاویز پیش ہوئیں اور ایک فہرست ان صاحبوں کے چندہ کی مرتب کی گئی جو اعانت مطبع کے لئے بھیجتے رہیں گے۔ یہ بھی قرار پایا کہ ایک اخبار اشاعت اور ہمدردئ اسلام کے لئے جاری کیا جائے۔ اور یہ بھی تجویز ہوا کہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی اس سلسلہ کے واعظ مقرر ہوں اور وہ پنجاب اور ہندوستان میں دورہ کریں۔ یہ بھی قرار پایا کہ آئندہ بھی ہمیشہ اس سالانہ جلسہ کے مقاصد یہی رہیں گے کہ اشاعت اسلام اور ہمدردئ نومسلمین امریکہ اور یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچی جائیں۔ اور دنیا میں نیک چلنی اور نیک نیتی اور تقویٰ وطہارت اور اخلاقی حالت کے ترقی دینے اور اخلاق اور عادات دنیہ اور رسوم قبیحہ کو قوم میں سے دُور کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کی جائیں۔ ان اغراض کے لئے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی جس کے صدر حضرت مولانا نورالدین صاحب اور سکرٹری مرزا خدا بخش صاحب قرار پائے اور دعائے خیر پر جلسہ ختم ہوا۔

میر عباس علی صاحب اس جلسہ کا اثر تو سب پر ہی نیک ہوا۔ مگر بالخصوص اس کا جو نیک اثر میر عباس علی صاحب پر ہوا وہ قابل ذکر ہے۔ میر صاحب اگرچہ حضرت اقدس کے خسر تھے مگر بہ سبب غیر مقلد ہونے اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے بہت معتقد ہونے کے حضرت صاحب کے سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ نعوذ باللہ آپ کی ہجو میں نظم بھی لکھا کرتے تھے۔ لیکن اب کے دفعہ جو سالانہ جلسہ پر آئے اور مختلف تقاریر سُنیں تو آپ کی آنکھیں کھل گئیں۔ باوجود اشد مخالفت کے حضرت اقدس جس اخلاق سے ملے اُس نے ان کے دل پر بہت اثر کیا۔ حضرت صاحب کی دن کی تقریر جو جلسہ میں آپ نے کی تھی اور رات کی تقریر جو نواب محمد علی خاں صاحب کے جائے قیام پر آپ نے کی تھی اس قدر مؤثر ثابت ہوئیں کہ سب شبہات دل سے دُور ہو گئے ایک شخص نے بعد از نماز صبح مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب سنایا کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ محمد حسین بٹالوی ایک لمبا کرتہ پہنے ہوئے ہے اور وہ کرتہ پارہ پارہ ہو گیا۔ اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کرتے سے مراد علم ہے۔ گویا ایک وقت آئے گا جب اس کے علم کی پردہ دری ہو گی۔ غرضکہ ان سب باتوں نے میر صاحب کے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہ بھی شامل جماعت ہو گئے۔

آئینہ کمالاتِ اسلام

یہ کتاب حضرت اقدس نے ۱۸۹۲ء میں تصنیف کرنی شروع کی اور فروری ۱۸۹۳ء میں اسے شائع فرمایا۔ میرے خیال میں آپ کی کتاب براہین احمدیہ کے بعد علمی رنگ میں اس کتاب کو اور اسکے بعد سرمہ چشم آریہ کو آپ کی دیگر کل تصانیف پر فوقیت ہے۔ سرمہ چشم آریہ کا تو میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس کتاب آئینہ کمالات اسلام میں واقعی آپ نے اسلام کے کمالات کھول کر بیان کئے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی ایک آیت بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کو لیکر اس کی تفسیر میں صدہا صفحے لکھ ڈالے ہیں اور اس میں سے اسلام کی تعریف۔ اسلام کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے سے جو درجات ملتے ہیں اس خوبی اور اس شرح وبسط سے بیان کئے ہیں کہ قرآن کریم کے علم وحکمت اور حقائق ومعارف کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ واقعی قرآن کریم کی ایک ایک آیت میں اگر اللہ تعالیٰ فہم عطا کرے تو علم و حکمت کا ایک سمندر بھرا ہوا ہے۔ آپ نے اسی مضمون کے اندر انسان کے روحانی ترقیات اور کمالات کے مختلف مدارج فنا اور بقا اور لقا پر اس خوبصورتی سے روشنی ڈالی ہے کہ تصوف جیسے مشکل باطنی علم کو ایسا سہل کر دیا ہے کہ تھوڑا سا علم رکھنے والا بھی اس سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ اسی ضمن میں اور بہت سی آیات کی تفسیر بھی آپ کی قلم سے نکل گئی ہے جو بجائے خود حقائق ومعارف سے لبریز ہیں۔ اور جا بجا نیچریت کی تردید بھی بہت زبردست طریق سے آپ فرماتے گئے ہیں۔ کتاب چھپی ہوئی موجود ہے ہر ایک شخص خود پڑھ کر دیکھ سکتا ہے۔ اسی کتاب کے آخر میں آپ نے وہ اشتہارات اور دعوت نامے بھی شامل کر دیئے ہیں جو اُن دنوں میں آپ نے مختلف مقاصد کیلئے شائع فرمائے تھے ان میں سے بعض ہم اعلانات کا میں یہاں ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:۔

تمام مذاہب باطلہ کے علما کو چیلنج

اس کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ساتھ ایک اشتہار آپ نے "بنام جملہ پادری صاحبان وہندو صاحبان وآریہ صاحبان وبرہمو صاحبان وسکھ صاحبان ودہریہ صاحبان و نیچری صاحبان وغیرہ صاحبان" کے عنوان سے شائع فرمایا اور اُس میں حضرت اقدس نے ان تمام علمائے غیر مذاہب کو اسلام کے لئے دعوت دی کہ وہ میرے پاس آکر مجھ سے اسلام کی تعلیم اور اس کی صداقت کے دلائل سُنیں۔ نیز وہ برکات اور ثمرات آسمانی نشانوں کی صورت میں دیکھیں تا ثابت ہو جائے کہ اسلام ہی ایک سچا اور زندہ مذہب ہے جس کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے سے انسان خدا کو پا لیتا ہے۔ اور اُس کی دعائیں مستجاب اور خدا اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ

اُس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور چیلنج کیا کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب کا پیرو اسلام کے مقابل میں نہ صداقت کے دلائل رکھتا ہے اور نہ اُن میں کوئی زندگی باقی ہے کہ اس کی اتباع سے خدا ملے۔ اگر کوئی ہے تو میرے مقابل پر آئے اور میری طرح قالی اور حالی دلائل سے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرے۔

غرضکہ اس اعلان میں آپ نے آریہ عیسائی، دہریہ وغیرہ ہر ایک پر حجت تمام کر دی اور اُنہیں اسلام کی صداقت کے دلائل سننے اور آسمانی نشانات دیکھنے کیلئے دعوت دی اور چیلنج دیا مگر کسی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور یہی ایک اعلان نہیں۔ بار بار اس قسم کے اعلانات آپ کی طرف سے نکلتے رہتے تھے چنانچہ اسی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں ایک بڑی زبردست نظم بھی جو اسی قسم کے مضمون پر مشتمل ہے آپ نے شائع فرمائی جس میں سے فقط سات شعر بطور نمونہ یہاں عرض کرتا ہوں:۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

مصطفٰے پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

التبلیغ کی اشاعت اسی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ساتھ ایک اشتہار عربی زبان میں آپ نے التبلیغ کے عنوان سے تمام پنجاب اور ہندوستان اور ممالک عرب اور عجم اور روم اور مصر اور ایران اور ترکستان اور دیگر بلاد کے مولویوں اور پیرزادوں اور سجادہ نشینوں اور بدعتی فقیروں اور زاہدوں اور صوفیوں اور خانقاہوں کے گوشہ گزینوں کے نام شائع فرمایا۔ اور اُنہیں اُن کی بدعات اور تمام سلوک کی طرف توجہ دلا کر دعوت دی کہ وہ آئیں اور امام وقت کا ساتھ دیں اور بدعات کو چھوڑ کر خدا اور رسولؐ کے طریق کو مضبوط پکڑیں اور خدمت دین کریں۔ اس میں آپ نے اپنی صداقت کے دلائل بھی دیئے ہیں۔ یہ اشتہار کیا ہے ایک کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ فارسی زبان میں مولوی عبدالکریم صاحب کا کیا ہوا ساتھ موجود ہے۔ اس کی عربی کے متعلق بھی ایک عجیب اعجاز نمائی جناب الٰہی کی طرف سے ہوئی جب حضرت اقدس نے ارادہ کیا کہ علما اور گدی نشینوں کو تبلیغ کی جائے تو آپ نے اس کے متعلق احباب سے مشورہ کیا

مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے لئے تو عربی زبان میں کوئی تصنیف ہونی چاہیئے حضرت اقدس نے فرمایا بات تو ٹھیک ہے مگر مشکل یہ ہے کہ میں کوئی ایسی اچھی عربی نہیں جانتا ہوں۔ ہاں میں اُردو میں مضمون لکھ لاتا ہوں اور پھر مل ملا کر عربی کرلیں گے۔ چنانچہ حضرت صاحب مدرون خانہ تشریف لیگئے۔ دوسرے وقت جب باہر تشریف لائے تو کچھ مضمون عربی زبان میں لکھ کر ساتھ لائے جسے دیکھکر مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب حیران رہ گئے حتیٰ کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عربی ادب کا بہت مطالعہ کیا ہے لیکن ایسی عمدہ عربی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق بہت دعا کی تو خدا کی طرف سے مجھے چالیس ہزار مادہ عربی زبان کا سکھایا گیا ہے"۔ آپ کے اس بیان کی تصدیق آپ کی عربی تصانیف سے ہوتی ہے جو حد درجہ کی فصیح و بلیغ ہیں اور جن کے متعلق آپ نے دنیا بھر کے عربی زبان کے فضلا کو چیلنج دیا کہ کوئی اتنے عرصہ میں جتنے میں نے یہ کتاب لکھی ہے ایسی ہی عربی کتاب تصنیف کر کے لے آئے تو میں اتنا انعام دوں گا۔ لیکن کسی نے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کی۔ عربی زبان پر یہ اعجازی قدرت اور خارق عادت مہارت دعاؤں کا نتیجہ اور جناب الٰہی کی موہبت تھی ورنہ آپ کا مطالعہ جہاں تک ادب عربی کی درسی تعلیم کا تعلق ہے بالکل معمولی تھا۔ اوائل عمر میں عام درسی کتب استاد سے پڑھی تھیں اور وہ بھی منتہی کے درجہ تک نہیں۔ بلکہ درمیانے درجہ کی کتب تک آپ کی تعلیم محدود رہی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی جو آپ کا ہم مکتب بھی رہا تھا مخالفت کے زمانہ میں آپ کو حقارت سے "منشی" لکھنے لگا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب جو بڑے غیور تھے اُنہوں نے بارہا حضرت صاحب سے عرض کیا کہ آپ ایک رباعی ہی عربی زبان میں لکھ کر دے دیں تو اسے شائع کر کے اس دشمن حق کا منہ بند کیا جاوے۔ لیکن حضرت صاحب ہمیشہ ہنسکر یہی فرماتے کہ مجھے تو لکھنی نہیں آتی۔ آخر اس موقعہ پر التبلیغ کو عربی زبان میں جو لکھنے کی ضرورت پڑی تو آپ کی توجہ خواہ مخواہ اس معاملہ میں جناب الٰہی کی طرف ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربی کا وہ بحر کھلا کہ عرب و عجم کو مقابلہ کے لئے چیلنج دیدیا۔ اور آپ کی عربی کتب فصاحت و بلاغت کا ایسا مرقع بنیں کہ ان کے آگے ہر ایک فطرت سلیم رکھنے والے اہل علم کی گردنیں جھک گئیں اور کسی دشمن سے بھی جواب نہ بن پڑا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے قبل مولوی عبدالکریم صاحب کے عرض کرنے پر آپ نے رباعی عربی میں کیوں نہ لکھی۔ جو بات اب کی وہ اس سے قبل کیوں نہ کی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مامورین الٰہی کوئی کام اپنی مرضی اور نفس کی خواہش اور تکلف سے نہیں کرتے۔ اس وقت ضرورت کوئی نہ تھی۔ صرف مولوی محمد حسین بٹالوی کے بالمقابل آپ کے مریدین میں سے ہر ایک آدمی کا نفس یہ چاہتا تھا کہ ہم دب کر کیوں رہیں

مولوی محمد حسین بٹالوی کے مقابلہ میں ایک رباعی لکھ کر ہم بڑے بن جائیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا۔ مگر مامورین الٰہی کا مقام اس سے بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ محض اپنے نفس کی بڑائی کے لئے کوئی کام نہیں کرتے۔ جب تک دین کی کوئی ضرورت پیش نہ آوے اُن کے دل میں تڑپ اور دماغ میں توجہ کسی معاملہ کی طرف پیدا ہی نہیں ہوتی۔ التبلیغ کیلئے جب عربی لکھنے کی ضرورت پڑی تو آپ کی طبیعت اس طرف متوجہ ہوئی اور اس مشکل کے حل کرنے کیلئے جو تڑپ آپ کے دل میں پیدا ہوئی وہ جنابِ الٰہی کی طرف سے ادب عربی کے علم کے لئے اس طرح جاذب بن گئی کہ ایک اعجاز کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

مکفّرین علما کو مباہلہ کا چیلنج

مباہلہ کن حالات میں ہونا چاہئے | ابتدا میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے مباہلہ سے پرہیز کیا اُس کی وجہ خود اُن کی قلم سے سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک خط نواب محمد علی خاں صاحب کو لکھتے ہیں جو الحکم ۲۴۔ مارچ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ میں نے مباہلہ سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا۔ اگر امر متنازعہ فیہ میں قرآن اور حدیث کے رو سے مباہلہ جائز ہو تو میں سب سے پہلے مباہلہ کیلئے کھڑا ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں ہرگز مباہلہ جائز نہیں جبکہ فریقین کا یہ خیال ہو کہ فلاں مسئلہ میں کسی فریق کے اجتہادی فہم یا سمجھ کی غلطی ہے کسی کی طرف سے عمداً افترا یا دروغ بافی نہیں کیونکہ اگر مجرد ایسے اختلافات میں جو قطع نظر مصیب یا مخطی ہونے کے صحت نیت اور اخلاص اور صدق قدم پر مبنی ہیں مباہلہ جائز ہوتا اور خدا تعالیٰ ہر ایک جزئی اختلاف کی وجہ سے مخطی پر عند المباہلہ عذاب نازل کرتا تو آج تک اسلام کا رشتۂ زمین سے خاتمہ ہو جاتا۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ مباہلہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جو فریق حق پر نہیں اُس پر عذاب نازل ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اجتہادی امور میں مثلاً کسی جزئی میں حنفی حق پر ہیں اور کسی میں شافعی حق پر اور کسی میں اہل حدیث۔ اب جبکہ فرض کیا جائے کہ سب فرقہ اسلام کے جزئی اختلافات کی وجہ سے باہم مباہلہ کریں اور خدا تعالیٰ اس پر جو حق پر نہیں عذاب نازل کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی اپنی خطا کی وجہ سے تمام فرقے اسلام کے روئے زمین سے نابود کئے جائیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس امر کے تجویز کرنے سے اسلام کا استیصال تجویز کرنا پڑتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جو حامی اسلام اور مسلمین ہے کیونکر جائز ہوگا..... اب میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کس صورت میں مباہلہ جائز ہے۔ سو واضح ہو کہ صرف دو صورت میں مباہلہ جائز ہے۔ (۱) اوّل اُس کافر کے ساتھ

جو یہ دعویٰ رکھتا ہو جو مجھے یقیناً معلوم ہے جو اسلام حق پر نہیں۔ اور جو کچھ غیر اللہ کی نسبت خدائی کی صفتیں میں مانتا ہوں وہ یقینی امر ہے۔ (۲) دوم اُس علم کے ساتھ جو ایک بیجا تہمت کسی پر لگا کر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً ایک مستورہ کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ عورت زانیہ ہے کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شراب خور ہے کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مباہلہ جائز ہے۔ کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور رویت پر بنا رکھ کر ایک مومن بھائی کو ذلت پہنچانا چاہتا ہے جیسے مولوی اسمٰعیل صاحب نے کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے ایک دوست کی چشم دید بات ہے کہ مرزا غلام احمد یعنی یہ عاجز پوشیدہ طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے اور انہیں کے ذریعہ سے کچھ کچھ آئندہ کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو کہہ دیتا ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسماعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ اس عاجز کی دیانت اور صدق پر ایک تہمت لگائی تھی جس کی اپنے ایک دوست کی رویت پر بنا رکھی تھی۔ لیکن اگر بنا صرف اجتہاد پر ہو اور اجتہادی طور پر کوئی شخص کسی مومن کو کافر کہے یا ملحد نام رکھے تو یہ کوئی تہمت نہیں بلکہ جہاں تک اس کی سمجھ اور اس کا علم تھا اس کے موافق اس نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی قطع اور یقین پر بنا رکھ کر دوسرے کو مفتری اور زانی وغیرہ قرار دیتے ہیں۔ پس ما نحن فیہ میں مباہلہ اس وقت جائز ہوگا کہ جب فریق مخالف یہ اشتہار دیں کہ ہم اس مدعی کو اپنی نظر میں اس قسم کا خطی نہیں سمجھتے کہ جیسے اسلام کے فرقوں میں مصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطی بھی۔ اور بعض فرقے بعض سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم یقین کلی سے اس شخص کو مفتری جانتے ہیں اور ہم اس بات کے محتاج نہیں کہ یہ کہیں کہ امر متنازعہ فیہ کی اصل حقیقت خدا تعالیٰ جانتا ہے بلکہ یقیناً اس پیشگوئی کی سب اصل حقیقت ہمیں معلوم ہو چکی ہے ..... پھر یہ بھی بات ہے کہ مباہلہ سے پہلے شخص مبلغ کا وعظ بھی سُن لینا ضروری امر ہے یعنی جو شخص خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر آیا ہے اسے لازم ہے کہ اوّل دلائل بیّنہ سے اشخاص منکرین کو اپنے دعوے کی صداقت سمجھا دے اور اپنے صدق کی علامتیں ان پر ظاہر کرے۔ پھر اگر اس کے بیانات کو سُن کر اشخاص منکرین باز نہ آویں اور کہیں کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تو مفتری ہے تو آخر الحیل مباہلہ ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی نہ کچھ سمجھا نہ بوجھا نہ کچھ سُنا پہلے مباہلہ ہی لے بیٹھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مباہلہ کی درخواست کی تو وہ اس وقت کی تھی کہ جب کئی برس قرآن شریف نازل ہو کر کامل طور پر تبلیغ ہو چکی تھی۔ مگر یہ عاجز

کئی برس ہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہے کہ ایک مجلس علما کی جمع ہو اور ان میں وہ لوگ بھی حاضر ہوں جو مباہلہ کی درخواست کرتے ہیں۔ پہلے یہ عاجز انبیا کے طریق پر شرط نصیحت بجا لاوے اور صاف صاف بیان سے اپنا حق پر ہونا ظاہر کرے۔ جب اس وعظ سے فراغت ہو جائے تو درخواست کنندۂ مباہلہ اُٹھ کر یہ کہے کہ وعظ میں نے سُن لیا مگر میں اب بھی یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص کاذب اور مفتری ہے۔ اور اس یقین میں شک اور شبہ کو راہ نہیں بلکہ رویت کی طرح قطعی ہے۔ ایسا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ ایسا شک و شبہ سے منزّہ ہے کہ جیسے رویت۔ تب اس کے بعد مباہلہ شروع ہو۔"

کفرین علما کو مباہلہ کا چیلنج لیکن جب حضرت مرزا صاحب کی تکفیر کو مولویوں نے انتہا تک پہنچا دیا اور حضرت اقدس کو نعوذ باللہ کافر خارج از اسلام دجال اور مفتری کہنا اُن کا دن رات کا مشغلہ بن گیا۔ اور آپ کے اور آپ کے مریدوں کے نکاح باطل قرار دیدیئے گئے۔ اور اُن کے مُردوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کرنے سے روکا گیا۔ اور باوجود اس کے کہ حضرت اقدس نے اپنے عقائد کو بار بار کھول کر بذریعہ کتب و اشتہارات انکو سنا دیا بایں ہمہ وہ حضرت صاحب کو کافر و مفتری علی اللہ کہنے سے باز نہ آئے۔ بلکہ اس پر اتنا یقین ظاہر کیا کہ مباہلہ تک کی دھمکیاں دینے لگے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت پاکر ان تمام علما کو جنہوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا مباہلہ کیلئے چیلنج دیدیا۔ یہ چیلنج بذریعہ ایک اشتہار کے ۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو آپ نے شائع فرمایا۔ اور آپ نے اعلان فرمایا کہ:۔

"آج سے چار ماہ تک مہلت دیتا ہوں۔ اگر چار ماہ تک ان لوگوں نے مجھ سے بہ شرائط متذکرہ بالا مباہلہ نہ کیا اور نہ کافر کہنے سے باز آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو گئی..... لیکن یاد رہے کہ ہماری طرف سے یہ شرط ضروری ہے کہ تکفیر کے فتوے لکھنے والوں نے جو کچھ سمجھا ہے اول اُس تحریر کی غلطی ظاہر کی جاوے اور اپنی طرف سے دلائل شافیہ کے ساتھ اتمام حجت کیا جاوے۔ اور پھر بھی اگر باز نہ آویں تو اسی مجلس میں مباہلہ کیا جاوے۔"

موخر الذکر شرط اس لئے تھی کہ ممکن ہے کسی مولوی کو پوری طرح حضرت کے عقائد کا علم نہ ہوا اور اس نے غلطی سے دوسرے مولویوں کے کہنے میں آکر کفر کے فتوے پر دستخط کر دیئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحیم کریم ذات ایسی ہے کہ وہ ایسی غلطی اور خطا پر عذاب دینا نہیں چاہتی۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ مباہلہ سے قبل فریق ثانی پر اپنے عقائد کو کھول کر سنا دیا جاوے تاکہ اگر وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو تو وہ دور ہو جاوے۔ اس پر بھی اگر وہ تکفیر سے باز نہ آوے تو اب اس پر حجت تمام ہو گئی۔ اور اس سے مباہلہ کرنا جائز ہو گیا۔

تعجب ہے کیا تو یہ مکفر مولوی اُچھل اُچھل کر مباہلہ مباہلہ پکارتے تھے یا جب حضرت اقدس کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج شائع ہوا تو ایک دم سناٹا ہو گیا۔ وہ ساری شیخی بازی جاتی رہی۔ ان میں سے کسی شخص کو مباہلہ کے لئے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ صرف مولوی عبدالحق غزنوی سامنے آیا تھا سو اس کا ذکر آگے آئے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) +

لیکھرام پشاوری کی نسبت پیشگوئی میں لیکھرام پشاوری کا ذکر اس سے قبل کر چکا ہوں کہ وہ کس طرح قادیان آیا تھا اور شوخی سے حضرت اقدس سے آسمانی نشان کا طالب ہوا تھا۔ آخر اس کی شوخیاں جب حد سے گزر گئیں تو حضرت اقدس نے اسی کتاب آئینۂ کمالات اسلام کے ساتھ ایک اشتہار شائع کیا جس میں اصل اشتہار سے پہلے آپ نے ایک نعت شریف بڑی اعلیٰ درجہ کی لکھی۔ جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔

عجب نوریست در جانِ محمدؐ + عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

اس نعت شریف کے آخر میں وہ اشعار ہیں جن میں لیکھرام کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے میں اصل اشتہار نقل کرنے سے پہلے اس کے آخر کے وہ اشعار بھی یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن کا تعلق اس لیکھرام کی پیشگوئی سے ہے۔ ان کے پڑھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ ان میں لیکھرام ہی مخاطب ہے۔ اور پھر ہاتھ بنا کر اس کی انگلی کا اشارہ جو اس پیشگوئی کے عنوان کی طرف آپ نے خود دکھایا ہے اس امر کو اور بھی واضح کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

آلائے دشمن نادان و بے راہ	بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ
رہِ مولیٰ کہ گم کردند مردم	بجو در آل و اعوانِ محمدؐ
آلائے منکر از شانِ محمدؐ	ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

"لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی"

"واضح ہو کہ اس عاجز نے اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں جو اس کتاب کے ساتھ شامل کیا گیا تھا اندرمن مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو اُن کی قضا و قدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندرمن نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو میری طرف سے اجازت ہے سو اس

کی نسبت جب توجہ کی گئی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ الہام ہؤا عجل جسد الہ خوار لہ نصب دعذاب۔ یعنی یہ صرف ایک بیجان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے۔ اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مل کر رہے گا۔ اور اس کے بعد آج جو ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء روز دوشنبہ ہے۔ اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کیلئے توجہ کی گئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی اُن بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ سو اب میں اس پیشگوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہؤا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اور نہ اس کی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ اور اگر میں اس پیشگوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا بھگتنے کیلئے میں تیار ہوں۔ اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جائے ..... واضح رہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبیاں کی ہیں جن کے تصوّر سے بھی بدن کانپتا ہے۔ اسکی کتابیں عجیب طور کی تحقیر اور توہین اور دشنام دہی سے بھری ہوئی ہیں۔ کون مسلمان ہے جو ان کتابوں کو سُنے اور اُس کا دل اور جگر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔ بایں ہمہ شوخی و خیرگی یہ شخص سخت جاہل ہے۔ عربی سے ذرہ مس نہیں بلکہ دقیق اُردو دیکھنے کا بھی مادہ نہیں۔ اور یہ پیشگوئی اتفاقی نہیں۔ بلکہ اس عاجز نے خاص اسی مطلب کیلئے دعا کی جس کا جواب یہ ملا۔ اور یہ پیشگوئی مسلمانوں کیلئے بھی نشان ہے۔ کاش وہ حقیقت کو سمجھتے اور اُن کے دل نرم ہوتے۔ اب میں اُسی خدائے عزوجل کے نام پر ختم کرتا ہوں جس کے نام سے شروع کیا تھا۔ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد المصطفےٰ افضل الرسل وخیر الوریٰ سیدنا وسید کل من فی الارض والسماء"

(خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور۔ ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء)

یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی اور یہ کرامت جس کا حضرت اقدس نے دعویٰ کیا کہ محمد مصطفےٰ صلعم کے غلاموں سے جس کا جی چاہے دیکھ لے کس طرح ظاہر ہوئی یہ آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ لکھا جائے گا۔ مگر اس اشتہار کے ڈیڑھ ماہ بعد آپ نے لیکھرام کے متعلق اسی پیشگوئی کے بارے میں مزید انکشافات جو جناب الٰہی کی طرف سے

آپ کو ہوئے ایک اشتہار کی شکل میں شائع فرمائے۔ وہ اشتہار یہ ہے :-

"لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر"

"آج جو ۲۔ اپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴۔ ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ ہجری ہے۔ صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اسکے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے۔ میرے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے۔ گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے۔ اور اُس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی۔ اور مَیں اُس کو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے۔ اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب مَیں نے اُس وقت یہ سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کیلئے مامور کیا گیا ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ دوسرا شخص کون تھا..... یہ یک شنبہ کا دن اور ۴ بجے صبح کا وقت تھا۔ فالحمد للہ علےٰ ذٰلک"۔

اس رویا نے لیکھرام کی موت کا رنگ پہلے سے بتا دیا کہ وہ قتل کیا جائے گا۔ یہ اشتہار آپ نے اپنی کتاب برکات الدعا کے ساتھ بھی چسپاں کیا تاکہ سرسید مرحوم پر استجابت دعا کے بارے میں ایک حجت ہو۔

برکات الدّعا

نیچریت کی تردید | سرسید احمد مرحوم کی قابلیت اور مسلمانوں کی ہمدردی کا کون مسلمان قائل نہیں۔ اور تعلیمی اور سیاسی رنگ میں جو خدمات انہوں نے مسلمانانِ ہندوستان کی کیں وہ سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہیں لیکن اسی خیر خواہی کے ضمن میں اُنہوں نے چاہا کہ کچھ دینی خدمت بھی کریں حالانکہ یہ کام اُن کے کرنے کا نہ تھا کیونکہ وہ کوئی رُوحانی اور صاحب حال شخص نہ تھے۔ اور اس مادہ پرستی کے زمانہ میں کسی بہت بڑی رُوحانی شخصیت کی ضرورت تھی جو مذہب کی پوزیشن کو اس نئی روشنی کے فلسفہ کے مقابلہ میں مضبوط اور مستحکم کر کے دکھاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید مرحوم اس مادہ پرستی کی زبردست رَو کے سامنے ٹھیر نہ سکے اور آخر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے یہ تسلیم کر گئے کہ وحی خارج سے نہیں آتی بلکہ دل سے اُٹھتی ہے اور دل پر ہی پڑتی ہے۔ اور استجابت دعا در اصل کوئی چیز نہیں فقط دل کی تسلّی کا ہی دوسرا نام ہے ورنہ دعا کا قبول ہونا بالکل بمعنی بات ہے۔ خدا اپنے کام سے غرض رکھتا ہے کسی کی دعائیں وغیرہ نہیں سنتا۔ افسوس ہے کہ یہ دونو معتقدات در اصل مذہب کی جڑ پر تبر کا حکم رکھتے ہیں کیونکہ جب وحی خارج سے نہیں آتی

تو اسکی حیثیت زیادہ سے زیادہ انسان کے دل کے ایک صحیح اور پاکیزہ خیال سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور جب دعا ہی قبول نہیں ہوتی تو عبادت کا کچھ فائدہ نہ رہا۔ کیونکہ عبادت دعا کی ہی دوسری شکل ہے۔ پھر خدا سے تعلقات قائم کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ایک بے فیض ہستی کو جو نہ کوئی فریاد سنتی ہے نہ رحم کرتی ہے نہ کسی قسم کی مدد کرتی ہے پوجنے کا فائدہ کیا اور اس سے تعلق رکھنے کی ضرورت کیا۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کو ان نیچری عقائد سے سخت نفرت تھی۔ وحی کے خارج سے نازل ہونے اور الفاظ کی شکل میں نازل ہونے کے وہ مدعی تھے اس کو انہوں نے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اور اپنے مشاہدے اور تجربات سے بڑے زور سے براہین احمدیہ میں ثابت کیا اور اپنی ہر کتاب میں ثابت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب برکات الدعا میں بھی آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وحی کی مثال اگر دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کے ساتھ دی جائے تو شاید تار برقی (یعنی بے تار کی تار برقی یا ریڈیو۔ ناقل) سے مشابہ ہے جو اپنے ہر ایک تغیر کی آپ خبر دیتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو بہ رنگ **وحی ولایت** میرے پر نازل ہوتی ہے۔ ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ اثر ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کی طرف کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے اب اس سے انکار کرنا ایک کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔ نومٹ۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ملائک بعض وقت نظر آتے ہیں بلکہ بسا اوقات ملائک کلام میں اپنا واسطہ ہونا ظاہر کر دیتے ہیں"

برکات الدعا کی تصنیف نیچریت کے خلاف آپ نے سرمہ چشم آریہ میں بڑے زبردست دلائل دیئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آئینہ کمالات اسلام میں بھی نیچریت کی تردید آپنے کی ہے اور استجابت دعا پر کچھ لکھا ہے۔ مگر آپ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ استجابت دعا پر ایک مستقل کتاب لکھیں۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام کے بعد آپ نے ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو ایک کتاب اس مضمون پر شائع فرمائی جس کا نام **برکات الدعا** ہے۔ اس میں آپ نے بڑے زبردست دلائل استجابت دعا پر دیئے ہیں اور اپنے آپ کو بطور گواہ کے پیش کیا ہے کہ میں اپنے تجربہ سے استجابت دعا کی سچائی پر گواہ ہوں۔ اور اس میں وہ تمام طریقے لکھے ہیں جن کے ذریعہ انسان اس مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں بندہ کی دعائیں جناب الٰہی میں

مستجاب ہوتی ہیں۔ سرسید احمد خاں اُس زمانہ میں زندہ تھے۔ بالعموم اس ساری کتاب میں وہی مخاطب ہیں لیکن کتاب کے آخر میں ایک نظم ہے جس میں خاص طور پر انہیں مخاطب کیا ہے۔ ان میں سے آخر کے تین اشعار یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا	چوں علاجِ مے زمے وقتِ خمار و التہاب
اے کہ گوئی گر دعا را اثر بودے کجا بست	سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب
ہاں بمن انکار زین اسرار قدرتہائے حق	قصہ کوتاہ کن بہ بیں از ما دعائے مستجاب

گویا سرسید احمد خاں کو دعوت دی ہے کہ مجھ سے دعائے مستجاب کے نمونے دیکھ لو۔ ان نمونوں میں سے جو آپ نے سرسید احمد خاں کے آگے اس کتاب میں پیش کئے ایک نمونہ لیکھرام پشاوری کی پیشگوئی بھی تھی مگر سرسید احمد خاں نے اس کتاب کا جواب مطلق نہ دیا خاموشی میں ہی مصلحت سمجھی۔ یا ممکن ہے دل میں رجوع کر لیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

قادیان میں مطبع کا قیام قادیان کے سالانہ جلسہ میں جو دسمبر ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا یہ ریزولیوشن پاس ہوا تھا کہ طباعت کی بڑھتی ہوئی ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ قادیان میں اپنا مطبع ہو۔ چنانچہ اسی سال ۱۸۹۳ء میں قومی چندہ سے اپنا مطبع قائم ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے طباعت کی مشکلات حل ہوگئیں۔ اس پریس کا نام ضیاء الاسلام رکھا گیا ؛

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو عربی تفسیر لکھنے کی دعوت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی چونکہ بار بار اپنی عربی کی علمیت اور فضیلت کی ڈینگیں مارتے تھے اور حضرت اقدس کو حقارت سے منشی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت صاحب نے انہیں چیلنج دیا کہ وہ عربی میں بالمقابل قرآن کریم کی تفسیر لکھ لیں جس سے عربی دانی اور قرآن دانی دونوں کا پتہ لگ جائے گا۔ اور یہ چیلنج یکم اپریل ۱۸۹۳ء کو انہیں پہنچا دیا گیا۔ مگر اس چیلنج کو پڑھ کر بٹالوی صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ جیسے خبر ہی نہیں باوجود اس کے کہ انہیں بار بار یاددہانی کرائی گئی اور انہوں نے جواب دینے کا وعدہ بھی کیا مگر انہیں اپنی نجات خاموشی میں ہی نظر آئی ؛

حجۃ الاسلام

عیسائیوں پر اتمام حجت حجۃ الاسلام ایک رسالہ ہے جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۸ مئی ۱۸۹۳ء کو شائع فرمایا۔ اس میں ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک صاحب اور بعض دوسرے عیسائی صاحبوں کو اس عظیم الشان صداقت

کی طرف دعوت دی گئی تھی کہ دنیا میں زندہ اور بابرکت اور اپنے اندر آسمانی روشنی رکھنے والا مذہب صرف اسلام ہے جس کے ثبوت کے نشان اب بھی اس کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ اور عیسائی مذہب بالکل تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔ اور زندہ مذہب کی علامتیں اس میں کچھ بھی موجود نہیں۔ اور پھر اس دعوے پر دلائل بھی پیش کئے۔

جنگ مقدس کی تمہید اس کے علاوہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو جو مباحثہ حضرت اقدس کا عیسائیوں سے بمقام امرتسر ہونے والا تھا۔ اس کتاب میں اس کی وجوہات اور شرائط کا ذکر کرکے آپ نے اپنی منظوری دیدی۔ اس میں سے ایک اقتباس یہاں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"واضح ہو کہ ڈاکٹر صاحب مندرج العنوان (یعنی ڈاکٹر پادری ہنری مارٹن کلارک صاحب) نے بذریعہ اپنے بعض خطوط کے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ علمائے اسلام کے ساتھ ایک جنگ مقدس کے لئے طیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے خط میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ جنگ ایک پورے پورے فیصلہ کی غرض سے کیا جائے گا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر علمائے اسلام نے اس جنگ سے منہ پھیر لیا یا شکست فاش کھائی تو آئندہ اُن کا استحقاق نہیں ہوگا کہ مسیحی علما کے مقابل پر کھڑے ہو سکیں یا اپنے مذہب کو سچا سمجھ سکیں یا عیسائی قوم کے سامنے دم مار سکیں۔ اور چونکہ یہ عاجز روحانی جنگوں کے لئے مامور ہو کر آیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر یہ بھی جانتا ہے کہ ہر ایک میدان میں فتح ہم کو ہے۔ اس لئے بلا توقف ڈاکٹر صاحب کو بذریعہ خط کے اطلاع دی گئی ہے کہ ہماری عین مراد ہے کہ یہ جنگ وقوع میں آکر حق اور باطل میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو جاوے اور نہ صرف اس پر کفایت کی گئی بلکہ چند معزز دوست بطور سفیران پیغام جنگ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بمقام امرتسر بھیجے گئے جن کے نام نامی یہ ہیں۔ مرزا خدا بخش صاحب ..... شیخ رحمۃ اللہ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب۔ منشی غلام قادر فصیح صاحب۔ میاں محمد یوسف خاں صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب ..... وغیرھم۔ تب ڈاکٹر صاحب اور میرے دوستوں میں جو میری طرف سے وکیل تھے کچھ گفتگو ہو کر بالاتفاق یہ بات قرار پائی کہ یہ مباحثہ بمقام امرتسر واقع ہو۔ اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اس جنگ کا پہلوان مسٹر عبداللہ آتھم سابق اکسٹرا اسسٹنٹ تجویز کیا گیا۔ اور یہ بھی ان کی طرف سے تجویز کیا گیا کہ فریقین تین تین معاون اپنے ساتھ رکھنے کے مجاز ہوں گے۔ اور ہر ایک فریق کو چھ چھ دن فریق مخالف پر اعتراض کرنے کیلئے دیئے گئے۔ اس طرح پر کہ اوّل چھ روز تک ہمارا حق ہوگا کہ ہم فریق مخالف کے مذہب اور تعلیم اور عقیدہ پر اعتراض کریں۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور

ان کے منجی ہونے کے بارے میں ثبوت مانگیں یا اور کوئی اعتراض جو مسیحی مذہب پر ہو سکتا ہے پیش کریں۔ ایسا ہی فریق مخالف کا بھی حق ہوگا کہ وہ بھی چھ روز تک اسلامی تعلیم پر اعتراض کئے جائیں۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ مجلسی انتظام کیلئے ایک صدر انجمن مقرر ہو جو فریق مخالف کے گروہ کو شور و غوغا اور ناجائز کارروائی اور دخل بیجا سے روکے۔ اور یہ بات بھی باہم مقرر اور مسلّم ہو چکی کہ ہر ایک فریق کے ساتھ پچاس سے زیادہ اپنی قوم کے لوگ نہیں ہوں گے۔ اور فریقین ایک سو ٹکٹ چھاپکر پچاس پچاس اپنے اپنے آدمیوں کے حوالے کریں گے اور بغیر دکھلانے ٹکٹ کے کوئی اندر نہ آسکیگا۔ اور آخر پر ڈاکٹر صاحب کی خاص درخواست سے یہ بات قرار پائی کہ یہ بحث ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہونی چاہئے۔ انتظام مقام مباحثہ اور تجویز مقام مباحثہ ڈاکٹر صاحب کے متعلق رہا اور وہی اس کے ذمہ دار ہوئے۔ اور بعد طے ہونے ان تمام مراتب کے ڈاکٹر صاحب اور اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کی اس تحریر پر دستخط ہو گئے جس میں شرائط بہ تفصیل لکھے گئے تھے۔ اور یہ قرار پایا کہ ۱۵ مئی ۱۸۹۳ء تک فریقین ان شرائط مباحثہ کو شائع کر دیں اور پھر میرے دوست قادیان پہنچے۔ اور چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس مباحثہ کا نام **جنگ مقدس** رکھا ہے۔ اس لئے ان کی خدمت میں بتاریخ ۲۵۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو لکھا گیا کہ وہ شرائط جو میرے دوستوں نے قبول کئے ہیں وہ مجھے بھی قبول ہیں"۔ (حجۃ الاسلام صفحہ ۴ طبع دوم)

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ

علاوہ ازیں حضرت اقدس نے بذریعہ رجسٹرڈ خط یہ امر بھی ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے سامنے پیش کیا کہ مباحثہ کے ہر چھ دن کے بعد فریقین میں مباہلہ بھی ہو اور صرف اس قدر کافی ہے کہ فریقین اپنے اپنے مذہب کی تائید کیلئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں اور ان نشانوں کے ظہور کیلئے **ایک سال کی میعاد** قائم ہو۔ پھر جس فریق کی تائید میں آسمانی نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہوگا کہ فریق مغلوب اس فریق کا مذہب اختیار کرے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے آسمانی نشان کے ساتھ غالب کیا ہے اور مذہب اختیار کرنے سے اگر انکار کرے تو واجب ہوگا کہ اپنی نصف جائداد کو اس سچے مذہب کی امداد کی غرض سے فریق غالب کے حوالے کر دے۔ مگر اس مباہلہ والی شرط کو عیسائیوں نے نہ مانا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب

حضرت اقدس نے ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی نسبت کے بارے میں ایک پیشگوئی کی تھی جسے آپ نے اسی کتاب حجۃ الاسلام میں عربی میں لکھکر شائع فرمایا۔ یہ ایک رویا تھی جسے میں آپ کے اصل عربی الفاظ میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔ "انی

رأیتُ انّ ھٰذا الرّجل یؤمن بایمانی قبل موتہٖ ورأیتُ کانّہٗ ترک قول التّکفیر وراٰب" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مَیں نے دیکھا کہ یہ شخص (یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی) اپنی موت سے قبل میرے مومن ہونے پر ایمان لائے گا اور مَیں نے دیکھا کہ جیسے اُس نے تکفیر کرنی چھوڑ دی ہے اور رجوع کر لیا ہے۔

اُسوقت بعض لوگوں کا یہ خیال ہؤا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کھُلم کھُلا حضرت اقدس کے مریدین کی جماعت میں شامل ہو جائے گا لیکن یہ خیال صحیح نہ تھا۔ وجہ یہ کہ عربی عبارت کو پڑھو۔ حضرت اقدس کے مومن ہونے پر مولوی محمد حسین صاحب کے ایمان لانے کی تشریح اگلا فقرہ کر رہا ہے۔ جس میں کانّہٗ کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت اقدس کے مومن ہونے پر ایمان لانے کی تشریح یہ ہے کہ "گویا اُس نے تکفیر کرنی چھوڑ دی ہے اور اس فعل سے رجوع کر لیا ہے" اور یہ نہایت صفائی سے پُورا ہؤا۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں مولوی محمد حسین صاحب نے ضلع گوجرانوالہ کے منصف لالہ دیوکی نندن کی عدالت میں حلفی شہادت میں حضرت اقدس کی جماعت کو مسلمان قرار دیا۔ تکفیر سے رجوع کرنا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے ✦

سچّائی کا اظہار

رسالہ سچّائی کے اظہار کی وجہ تصنیف

حضرت مرزا صاحب کو رسالہ حجّۃ الاسلام کے بعد جلدی ہی رسالہ "سچّائی کا اظہار" شائع کرنا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ دراصل یہ مباحثہ ابتداءً جنڈیالہ کے مسلمانوں اور مسیحیوں میں ہونا قرار پایا تھا۔ جنڈیالہ کے مسلمانوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کو اس مباحثہ کے لئے مدعو کیا اور وہاں کے مسیحیوں نے پادری ہنری مارٹن کلارک کو لکھا۔ اس طرح ابتداءً چھوٹوں سے شروع ہوئی مگر ان کی تحریک سے بڑے بڑے سامنے آگئے اور مباحثہ حضرت اقدس اور امرتسر کے مسیحی پادریوں کے درمیان بمقام امرتسر قرار پا گیا۔ مسیحی پادریوں کا نمائندہ عبداللہ آتھم ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ سسشنٹ کمشنر تھا جسے نہ صرف خود اپنے علم و فضل پر ناز تھا بلکہ کل مسیحیوں کو اس کے کمالات علمی پر فخر تھا۔ پادری ہنری مارٹن کلارک مباحثہ تو منظور کر بیٹھے مگر بعد میں بہت گھبرائے اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے فتوئے تکفیر کو لیکر بذریعہ ایک اشتہار مرقومہ ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء جو بطور ضمیمہ نور افشاں اخبار شائع ہؤا۔ جنڈیالہ کے مسلمانوں کو بھڑکایا کہ تم ایک ایسے شخص کو اپنا نمائندہ بنا رہے ہو جسے تمام "محمدی" علما کافر اور مرتد بنا رہے ہیں تم کو چاہیئے کہ کسی اور کو اس کام کیلئے کھڑا کرو۔ مگر جنڈیالہ کے مسلمانوں نے بسر و چشم محمد بخش پاھندھا دیسی مکتب جنڈیالہ اس کی ان باتوں سے ذرا بھی جنبش نہ کی اور صاف کہدیا کہ کوئی مذہبی اختلاف

سے خالی نہیں۔ اور عیسائی بھی اس سے باہر نہیں۔ اور ہم ایسے مولویوں کو جو ایک مسلمان مؤید الاسلام کی تکفیر کرتے ہیں خود مفسد سمجھتے ہیں۔ پھر حضرت مرزا صاحب کے ساتھ بھی کچھ کم علما نہیں ہیں اور بڑے بڑے پایہ کے علما ہیں جن کا علم و فضل مسلّم الثبوت ہے پس ہمارے نمائندہ تو حضرت مرزا صاحب ہی رہیں گے اس پر پادری ہنری مارٹن کلارک اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ اور اگرچہ انہوں نے کوشش بہت کی کہ یہ پیالہ ٹل جائے مگر وہ پیالہ آخر کار پینا ہی پڑا۔

ڈاکٹر کلارک کو خطاب

اس واقعہ کا حضرت صاحب نے اس رسالہ "سچائی کے اظہار" میں ذکر کر کے پادری ہنری مارٹن کلارک کو لکھا ہے اور لکھا ہے کہ

"تمام مستند علماء اسلام جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل بخشا ہے اور نور فراست ایمانیہ عطا کیا ہے وہ میرے ساتھ ہیں اور وہ اس وقت چالیس کے قریب ہیں۔ اور فریق ثانی کے ساتھ اکثر ایسے لوگ ہیں جو صرف نام کے مولوی اور علمی اور عملی کمالات سے تہیدست ہیں"

پھر لکھتے ہیں کہ:-

"عنقریب ایک ایسا جلسہ مباحثہ ۱۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہونیوالا ہے جس میں فریق مخالف مولوی غلام دستگیر قصوری اور ان کے ہم مشرب تمام علماء لاہور ہوں گے۔ اور اس طرف سے کوئی ایک دو فاضل مقابلہ کے لئے تجویز کئے جائیں گے۔ پھر پادری صاحب بچشم خود دیکھ سکتے ہیں کہ علماء ربانی اور مستند فاضل کس طرف ہیں اور نام کے مولوی اور ژولیدہ بیان کس طرف"

اس کے بعد تین عرب علماء و فضلا کے عربی خطوط درج فرمائے ہیں جنہوں نے حضرت اقدس کے علم و فضل کی داد دی ہے۔ اور کیا عربی کی فصاحت و بلاغت اور کیا دعوے کی صداقت سب کی تائید اور تصدیق کی ہے۔ گویا پادریوں پر حجت تمام کرنے کے لئے خود اہل عرب علماء کی شہادت اور سند کو پیش کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے عبداللہ آتھم کے اقرار نامہ کو شائع فرمایا ہے جس میں اس نے اقرار کیا ہے کہ بشرط مغلوبیت اسلام قبول کر لوں گا جس وعدہ کا افسوس ہے کہ اس نے بعد میں ایفا نہ کیا۔

اعلان مباہلہ بجواب اشتہار مولوی عبدالحق غزنوی

حضرت اقدس نے اس رسالہ "سچائی کے اظہار" کے آخر میں وہ اعلان بھی شامل کر دیا ہے جو آپ نے مولوی عبدالحق غزنوی کے اشتہار کے جواب میں شائع فرمایا تھا جسے میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں اس سے معلوم ہوگا کہ آپ نے ان مکفر مولویوں پر کس طرح ہر طریق سے حجت تمام کی ہے۔ وہ اشتہار حسب ذیل ہے:-

ایک اشتہار مباہلہ مؤرخہ ۲۶ شوال ۱۳۱۰ ہجری شائع کردہ عبدالحق غزنوی ہمیں نظر سے گذرا

سو اس کیلئے یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے کہ مجھ کو اس شخص اور ایسا ہی ہر ایک مکفّر سے جو عالم یا مولوی کہلاتا ہے مباہلہ منظور ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ القدیر میں تیسری یا چوتھی ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ تک امرتسر میں پہنچ جاؤں گا۔ اور تاریخ مباہلہ دہم ذیقعدہ اور بصورت بارش وغیرہ کسی ضروری وجہ سے گیارھویں ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ قرار پائی ہے جس سے کسی صورت میں تخلّف لازم نہیں ہوگا۔ اور مقام مباہلہ عیدگاہ جو قریب مسجد خان بہادر محمد شاہ مرحوم ہے قرار پایا ہے۔ اور چونکہ دن کے پہلے حصہ میں قریباً بارہ بجے تک عیسائیوں سے دربارہ حقّیت اسلام اس عاجز کا مباحثہ ہوگا اور یہ مباحثہ برابر بارہ دن تک ہوتا رہے گا اس لئے مکفّرین جو کہ مجھ سے مباہلہ کرنا چاہتے ہیں دو بجے سے شام تک مجھ کو فرصت ہوگی اس وقت میں تاریخ دہم ذیقعدہ یا بصورت کسی عذر کے گیاراں ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ کو مجھ سے مباہلہ کریں۔ اور دہم ذیقعدہ اس مصلحت سے تاریخ قرار پائی ہے تا کہ دوسرے علما بھی جو اس عاجز کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر ٹھیراتے ہیں شریک مباہلہ ہو سکیں جن میں محی الدین لکھوکے والے اور مولوی عبدالجبار صاحب اور شیخ محمد حسین بٹالوی اور منشی سعداللہ مدرس ہائی اسکول لدھیانہ اور عبدالعزیز واعظ لدھیانہ اور منشی محمد عرساقی ملازم ساکن لدھیانہ اور مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ اور میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور پیر مہر جید شاہ صاحب اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور میاں عبداللہ ٹونکی اور مولوی غلام دستگیر قصوری اور مولوی شاہ دین صاحب اور مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس ہائی اسکول لدھیانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور محمد علی واعظ ساکن بوپڑاں ضلع گوجرانوالہ اور مولوی محمد اسحاق اور سلیمان ساکن ریاست پٹیالہ اور ظہور الحسن سجّادہ نشین بٹالہ اور مولوی محمد ملازم مطبع کریم بخش لاہور وغیرہ ہیں۔ اور اگر یہ لوگ باوجود پہنچنے ہمارے رجسٹری شدہ اشتہارات کے حاضر میدان مباہلہ نہ ہوئے تو یہی ایک پختہ دلیل اس بات پر ہوگی کہ وہ درحقیقت اپنے عقیدۂ تکفیر میں اپنے تئیں کاذب اور ظالم اور ناحق پر سمجھتے ہیں۔ بالخصوص سب سے پہلے شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعت السنہ کا فرض ہے کہ میدان میں مباہلہ کیلئے تاریخ مقررہ پر امرتسر میں آجائے کیونکہ اُس نے مباہلہ کے لئے خود درخواست بھی کر دی ہے۔ اور یاد رہے کہ ہم بار بار مباہلہ کرنا نہیں چاہتے کہ مباہلہ کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ ابھی تمام مکفّرین کا فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ پس جو شخص اب ہمارے اشتہار کے شائع ہونے کے بعد گریز کرے گا اور تاریخ مقررہ پر حاضر نہیں ہوگا آئندہ اس کا کوئی حق نہیں رہیگا کہ پھر کبھی مباہلہ کی درخواست کرے اور پھر تک حیا میں داخل ہوگا کہ غائبانہ کافر کہتا ہے۔ اتمام حجت

کے لئے رجسٹری کرا کر یہ اشتہار بھیجے جاتے ہیں تاکہ اس کے بعد مکفّرین کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اگر بعد اس کے مکفرین نے مباہلہ نہ کیا اور نہ تکفیر سے باز آئے تو ہماری طرف سے اُن پر حجت پُوری ہوگئی۔ بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ مباہلہ سے پہلے ہمارا حق ہوگا کہ ہم مکفرین کے سامنے جلسۂ عام میں اپنے اسلام کے وجوہات پیش کریں۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

(المشتہر مرزا غلام احمد۔ ۳۰ شوال ۱۳۱۰ھ)

جنگ مقدس

جنگ مقدس یعنی تحقیق حق کے واسطے اہل اسلام اور عیسائیان امرت سر میں بمقام امرت سر مباحثہ ۲۲۔ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو ختم ہوا۔

اہل اسلام کی طرف سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بحث کیلئے قادیان سے امرت سر تشریف لائے۔ اور عیسائی صاحبان کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پنشنر انتخاب ہو کر جلسۂ مباحثہ میں پیش ہوئے۔

شرائط مباحثہ مباحثہ کے شرائط حسب ذیل تھے:۔

۱۔ یہ مباحثہ امرت سر میں ہوگا۔

۲۔ ہر ایک جانب سے صرف پچاس پچاس شخص حاضر ہوں گے۔ اور داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوگا۔

۳۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسلمانوں کی طرف سے اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب عیسائیوں کی طرف سے مقابلہ میں آئیں گے۔

۴۔ سوائے ان صاحبوں کے اور کسی صاحب کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں یہ صاحب تین شخصوں کو بطور معاون منتخب کر سکتے ہیں مگر اُن کو بولنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۵۔ مخالف جانب صحیح صحیح نوٹ بغرض اشاعت لیتے رہیں گے۔

۶۔ کوئی صاحب کسی جانب سے ایک گھنٹہ سے زیادہ بول نہ سکیں گے۔

۷۔ انتظامی معاملات میں انجمن کے صدر کا فیصلہ ناطق مانا جائے گا۔

۸۔ انجمن کے دو صدر ہوں گے یعنی ایک عیسائیوں کی طرف سے اور دوسرا مسلمانوں کی طرف سے۔ اور ان کا تقرر اُسی وقت موقعہ پر ہوگا۔

۹۔ جائے مباحثہ کا تقرر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کے اختیار میں ہوگا۔

۱۰- وقت مباحثہ ۶ بجے صبح سے ۱۱ بجے صبح تک ہوگا۔

۱۱- کُل وقتِ مباحثہ دو زمانوں پر منقسم ہوگا:-

(۱) پہلا زمانہ چھ دن کا ہوگا یعنی روز پیر ۲۲ مئی سے ۲۷ مئی تک ہوگا۔ ان دنوں میں مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنا یہ دعویٰ پیش کریں کہ ہر ایک مذہب کی صداقت زندہ نشانات سے ثابت کرنی چاہئے جیسے کہ اُنہوں نے اپنی چٹھی ۴- اپریل ۱۸۹۳ء بنام ڈاکٹر کلارک صاحب میں ذکر کیا ہے۔ پھر دوسرا سوال اٹھایا جائے گا مسئلۂ الوہیت مسیح پر۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ کوئی اور سوال بھی جو چاہیں پیش کریں۔ مگر چھ دن کے اندر اندر۔

(۲) دوسرا زمانہ بھی چھ دن کا ہوگا یعنی ۲۹ مئی سے ۳- جون تک۔ اس زمانہ میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنے سوالات بتفصیل ذیل پیش کریں۔ (ا) رحم بلا مبادلہ (ب) ایمان بالجبر (ج) جبر اور قدر (د) قرآن کے خدائی کلام ہونے کا ثبوت (ہ) اس بات کا ثبوت کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ ہیں۔ اور وہ اور سوال بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ ۶ دن سے زیادہ نہ ہو جائے۔

۱۲- مذکورہ بالا شرائط میں سے کسی شرط کا توڑنا توڑنیوالے فریق کی طرف سے ایک اقرار گریز خیال کیا جاویگا۔

۱۳- تقریروں پر صاحبان صدر اور تقریر کنندگان اپنے اپنے دستخط ان کی صحت کے ثبوت میں ثبت کرینگے۔

مباحثہ کا پہلا زمانہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو پیر کے دن ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر جلسۂ مباحثہ منعقد ہوا۔ صبح سوا چھ بجے کارروائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے منشی غلام قادر فصیح وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ میر مجلس قرار پائے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب میر مجلس قرار پائے۔ حضرت مرزا صاحب کے معاون مولوی نورالدین صاحب حکیم۔ سید محمد احسن صاحب امروہی اور شیخ اللہ دیا صاحب قرار پائے۔ اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے معاون پادری جے ایل ٹھاکر۔ اس صاحب اور پادری عبداللہ صاحب اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے۔ کسی تقریر کنندہ کو گھر سے کوئی تحریر لکھ کر لانے کی اجازت نہ تھی۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر ایک تقریر کنندہ اپنی تقریر ایک گھنٹہ تک لکھواتا تھا پھر وہ لکھی ہوئی تقریر بلند آواز سے پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ اس کے بعد فریق ثانی ایک گھنٹہ تک جواب لکھواتا تھا۔ پھر وہ لکھا ہوا جواب بھی بلند آواز سے پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد فریقین کی تحریروں پر دو نو پریذیڈنٹوں کے دستخط ہو جاتے تھے اور جلسہ برخاست ہو جاتا تھا۔

کامل کتاب وہ ہے جو دعوے کے ساتھ دلائل بھی خود ہی دے

چونکہ یہ مباحثہ جنگ مقدس کے نام سے کتاب کی شکل میں موجود ہے جسے ہر ایک طالب حق پڑھ سکتا ہے اس لئے میں نفس مباحثہ میں جانکی ضرورت نہیں سمجھتا۔ البتہ اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو شرائط مباحثہ کے شروع میں ہی لگائی تھیں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب اگر اس کی پابندی کرتے تو خود انہیں صاف پتہ لگ جاتا کہ قرآن اور انجیل میں سے کونسی کامل کتاب ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ انہوں نے انجیل کو کامل کتاب نہ پایا اسی لئے وہ ان شرائط کی پابندی نہ کر سکے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی خاکسار مؤلف سے ذکر کرتے تھے کہ پہلے دن میں حضرت اقدس کے عین عقب میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور میری طبیعت میں بشری کمزوری کی وجہ سے اس وقت ایک اضطراب اور گھبراہٹ تھی لیکن جب میں نے حضرت اقدس کے پہلے ہی پرچہ میں آپ کی یہ پیش کردہ شرائط پڑھیں جو آگے آتی ہیں تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا کہ یہ شخص کامیاب ہو گیا اور میری حالت یہ ہو گئی کہ دل چاہتا تھا کہ خوشی سے نعرے لگاؤں اور وجد کی حالت میں رقص کروں۔

حضرت اقدس نے پہلے ہی پرچے میں جو شرائط پیش کی تھیں وہ یہ ہیں:۔

"واضح ہو کہ اس بحث میں یہ نہایت ضروری ہوگا کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے ہو جس کو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو۔ اور ایسا ہی ہر ایک دلیل اور ہر ایک دعویٰ جو پیش کیا جاوے وہ بھی اسی التزام سے ہو۔ غرض کوئی فریق اپنی اس کتاب کے بیان سے باہر نہ جاوے جس کا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے۔"

سارا مباحثہ پڑھ جاؤ حضرت اقدس کے تمام پرچوں میں یہ التزام بڑی سختی کے ساتھ پاؤ گے کہ آپنے عیسائیت پر جو اعتراض بھی کیا ہے وہ قرآن سے کیا ہے اور جو دعویٰ بھی اسلام کے متعلق کیا ہے اُسے قرآن سے پیش کیا ہے۔ اور اس دعوے پر جو دلیل بھی دی ہے وہ قرآن سے دی ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے اعتراضات کا جو جواب بھی دیا ہے وہ قرآن سے دیا ہے۔ آپ کا دعویٰ یہ تھا اور قرآن کے رُو سے تھا کہ خدا کی کامل اور مکمل کتاب وہ ہے جو اگر کوئی دعویٰ کرے تو دلیل بھی خود ہی دے۔ وہ کتاب کامل نہیں کہلا سکتی جو ایک دعویٰ تو کر دے مگر دلائل کیلئے اپنے معتقدین کا منہ تکے۔ اور جب تک اس کے معتقدین طرح طرح سے طبع آزمائیاں نہ کریں اس کا کوئی دعویٰ ثابت ہی نہ ہو سکے۔ لیکن ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب اس کا التزام قطعاً نہ کر سکے کہ جو دعویٰ بھی وہ کرتے انجیل سے کرتے اور اس پر جو دلیل دیتے انجیل سے دیتے یا قرآن پر جو اعتراض کرتے وہ انجیل سے کرتے یا مسلمانوں کے اعتراضات کا جواب انجیل سے دیتے۔ بلکہ جو کچھ

دعوے یا دلائل پیش کرتے رہے وہ اُن کی اپنی ہی دماغ سوزی اور طبع آزمائیوں کے نتیجے تھے چنانچہ اسی بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آخر حضرت اقدس ۲۵ مئی کے اپنے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"مگر میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ یہ دردسر بے فائدہ اٹھائی گئی۔ میری طرف سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ فریقین میں سے جو صاحب اپنی الہامی کتاب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہیں اس میں یہ قاعدہ ہونا چاہئے کہ وہ دعویٰ بھی الہامی کتاب آپ پیش کرے اور اگر وہ بیان از قسم دلائل عقلیہ ہو تو چاہئے کہ الہامی کتاب دلائل عقلیہ آپ پیش کرے نہ یہ کہ الہامی کتاب پیش کرنے سے عاجز ہو۔ اور اس کی حالت پر رحم کر کے اس کی مدد کی جائے"

مگر ڈپٹی عبداللہ آتھم اس کی پابندی نہ کر سکے اور کر بھی کیسے سکتے تھے جب انجیل میں مسیح کی الوہیت وغیرہ اور ہمچو قسم دیگر عقائد کے متعلق نہ کوئی دعویٰ ہے نہ دلیل۔ تو اپنی طرف سے ڈپٹی صاحب طبع آزمائیاں نہ کرتے تو اور کیا کرتے۔ اسی طرح جب انجیل میں مختلف مذاہب پر کوئی تنقید ہی موجود نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے تو ڈپٹی صاحب کیا کر سکتے تھے۔ اور کوئی اور کیا کر سکتا ہے۔

پہلا زمانہ سات دن میں ختم ہوا ۲۷ مئی کو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کچھ بیمار ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے آخری جواب میں ایک پہلے سے لکھی ہوئی تحریر پیش کر کے کہا کہ کوئی اور صاحب اُن کی طرف سے سنا دیں۔ اس پر اہل اسلام کے میر مجلس نے اعتراض کیا کہ ایسی تحریر جو پہلے سے لکھی ہوئی ہے پیش کرنی خلاف شرائط ہے اس پر ایک عرصہ تک تنازعہ ہوتا رہا۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ پرکا دن اس زمانہ مباحثہ میں ایزاد کیا جائے اور ایسا ہی دوسرے زمانہ میں بھی ایک دن اور بڑھایا جاوے۔ مگر اس سے ڈپٹی آتھم نے فائدہ نہ اُٹھایا اس لئے مباحثہ کل تیرہ دن ہوا۔ لیکن درمیان میں دو اتوار پڑ جانے کی وجہ سے جن میں عیسائیوں نے چھٹی منائی مباحثہ کی مدت پندرہ دن تک ممتد ہو گئی۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ آخری دن یعنی ۲۹ مئی کو آخری جواب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے زمانہ میں آخری جواب مرزا صاحب کا ہوگا۔ ۲۹ مئی کو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب بہ وجہ علالت مباحثہ میں نہ آئے اسلئے بہ رضامندی فریقین ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اُن کی جگہ پیش ہو گئے۔ اور پادری احسان اللہ اس دن میر مجلس عیسائیوں کی طرف سے مقرر ہوئے۔ چنانچہ آخری پرچہ بجائے عبداللہ آتھم کے ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے ہوا۔ جس میں اس قدر شوخی اور لغویت ہے کہ پڑھکر حیرت آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اسی لئے آخری پرچہ ان سے کروایا گیا تا ادھر اُدھر کی ہانک کر وہ گھر پورا کر دیں۔

مباحثہ کا دوسرا زمانہ دوسرا زمانہ ۳۰ مئی سے شروع ہوا۔ آج سے عیسائیوں نے اہل اسلام پر اعتراضات کرنے تھے

غالباً اسی لئے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بھی آج تندرست ہو کر آن موجود ہوئے۔ کیونکہ اعتراض کرنا آسان ہوا کرتا ہے اور جواب دینا مشکل ہوتا ہے۔ خیر سات دن یہ حصہ مباحثہ کا چلتا رہا۔ چھ دن مباحثہ کا اور ایک دن اتوار کا۔ آخری دن ۵۔ جون کو تھا جس دن حضرت اقدس کا آخری پرچہ پڑھا گیا۔

مباحثہ ختم ہونے کے بعد خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر فرمائی اور حاضرین جلسہ کی طرف سے دونو میر مجلسوں کا خصوصاً ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کی خوش اخلاقی اور عمدہ انتظام کی وجہ سے یہ جلسہ ۸ دن تک بڑی خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ اور اگر کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا تو دونو میر مجلسوں نے ایک امر پر اتفاق کر کے ہر دو فریق کو رضامند کر لیا۔ اور ہر طرح انصاف کو مدّنظر رکھ کر صورت امن قائم رکھی۔

لطیفہ ۲۶۔ مئی کو عیسائیوں نے حضرت مرزا صاحب کو شرمندہ کرنے کیلئے ایک شرارت کی وہ یہ کہ تین شخصوں کو جن میں سے ایک لولا۔ ایک لنگڑا اور ایک اندھا تھا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر اکٹھا کیا گیا۔ اور عین دوران مباحثہ میں آپ کے سامنے لا کر کہا کہ "حضرت مسیح لولوں۔ لنگڑوں اور اندھوں کو اچھا کیا کرتے تھے۔ آپ کا دعویٰ مسیح ہونے کا ہے تو آپ بھی انہیں اچھا کر کے دکھائیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں یہ تینوں قسم کے مریض حاضر ہیں" جب اُنہوں نے یہ بات پیش کی تو سب لوگ حیران رہ گئے اور ہر ایک شخص محو حیرت و استعجاب ہو کر اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں مرزا صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اور مسیحی لوگ اپنی اس عجیب کارروائی پر بہت خوش تھے کہ آج ہم نے مرزا صاحب کو بھری مجلس میں کس قدر شرمندہ کیا۔ لیکن جب آپ نے اس مطالبہ کا جواب دیا تو ان کی ساری خوشی مبدّل بہ افسوس و ندامت ہو گئی اور فتح شکست سے بدل گئی اور سب لوگ آپ کے جواب کی برجستگی و معقولیت کے قائل ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ "اس قسم کے مریضوں کو اچھا کرنا تو انجیل میں لکھا ہے ہم تو اس کے قائل ہی نہیں بلکہ ہمارے نزدیک تو حضرت مسیح کے معجزات کا رنگ ہی اور تھا (یعنی روحانی تھا) یہ تو انجیل کا دعویٰ ہے کہ وہ ایسے بیماروں کو جسمانی رنگ میں اچھا کرتے تھے اور دعا اور دوا سے نہیں بلکہ صرف ہاتھ پھیر کر اچھا کر دیتے تھے۔ لیکن اُسی انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تم میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو تو تم لوگ اس سے بڑھ کر عجیب کام کر سکتے ہو اور ایک اور جگہ مرقس ۱۶۔ ۱۷ میں لکھا ہے اور "وے جو ایمان لائیں گے اُن کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنیوالی چیز پئیں گے اُنہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جاویں گے" پس ان مریضوں کا ہمارے سامنے پیش کرنا آپ لوگوں کا کام نہیں

بلکہ ہمارا کام ہے۔ اور اب ہم انہیں مریضوں کو جو آپ لوگوں نے نہایت مہربانی سے جمع کر لئے ہیں آپ کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں کہ براہِ مہربانی انجیل کے فرمودہ کے مطابق اگر آپ لوگوں میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے تو ان مریضوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ اچھے ہو جاؤ۔ اگر یہ اچھے ہو گئے تو ہم یقین کر لینگے کہ آپ لوگوں کے اندر کوئی ایمان ہے ورنہ نہ آپ میں کوئی ایمان ہے اور نہ آپ کے مذہب میں کوئی زندگی ہے۔ مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ ہم پر یہ الزام نہیں آسکتا کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ تمہارے ایمان کی نشانی یہ ہے کہ تم بیماروں پر جب ہاتھ رکھو گے تو وہ فوراً اچھے ہو جاویں گے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ اور اگر کوئی دعا قبول کرنے کے لائق نہ ہوگی اور مصلحت الٰہی کے مخالف ہوگی تو اگر خدا چاہے گا تو اس میں اطلاع دی جاوے گی۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائے گا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہ کر گزرو گے مگر حضرت مسیح تو اپنے تابعین کو بیماروں کو چنگا کرنے کا اختیار بخشتے ہیں (دیکھو متی باب ۱۰) اب آپ میں اگر کوئی رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے تو ان بیماروں کو ہاتھ رکھ کر اچھا کر دو۔" عیسائیوں نے جو دیکھا کہ الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں تو انہوں نے ان مریضوں کو وہاں سے کھسکا دیا اور بھری مجلس میں نہایت خفت اٹھائی۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی

آپ نے مباحثہ کے آخری دن اپنے آخری پرچہ کے آخر میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق یہ پیشگوئی بھی تحریر فرمائی کہ:۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونو فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔"

پھر آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشین گوئی اور خدا کی پیشینگوئی ٹھیرے گی یا نہیں ٹھیرے گی اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارے میں جن کو "اندرونہ بائیبل" میں دجّال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل

ہو جائے گی یا نہیں ہو جائے گی"

اس پیشینگوئی کو سنتے ہی ڈپٹی عبداللہ آتھم کا خوف سے چہرہ زرد پڑ گیا اور اُس نے زبان نکال کر اور کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا کہ معاذ اللہ میں نے کب آنحضرت صلعم کو دجال کہا ہے۔ گویا وہ اپنی گستاخی سے وہیں اور اُسی وقت رجوع کر گیا۔ مگر اس وقت کسی کا اس طرف خیال نہیں گیا۔ بات یہ تھی کہ دوران مباحثہ میں جیسا کہ عیسائی پادریوں کی عادت ہے ڈپٹی عبداللہ آتھم بھی شوخیاں دکھاتا رہا اور آنحضرت صلعم کی تحقیر کا مرتکب ہوتا رہا۔ جنگ مقدس کو پڑھ لو۔ اس نے کوئی دلیل یا دعویٰ انجیل سے پیش نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ سب اُس کی اپنی ہی طبع آزمائی تھی جس میں معقولیت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ اور بات سچ بھی یہی ہے کہ الوہیت مسیح کے متعلق کوئی شخص دلیل بھی کیا دے سکتا ہے۔ البتہ عیسائیوں کا بڑا حربہ یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ ناحق اور ناروا طور پر اسلام اور بانیٔ اسلام پر حملے کر کے اپنی پردہ پوشی کریں۔ چنانچہ قریباً قریباً یہی کام ڈپٹی عبداللہ آتھم کرتا رہا اور اس سے قبل وہ اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں بھی آنحضرت صلعم کو دجال لکھ چکا تھا (نعوذ باللہ منہا) ادھر حضرت اقدس کو آنحضرت صلعم کے لئے بڑی غیرت تھی۔ اور آپ کو اس معاملہ میں بڑا جوش تھا۔ اور اسی جوش کے ماتحت آپ نے دعائیں کیں جس کا نتیجہ یہ پیشینگوئی تھی جسے عبداللہ آتھم سنتے ہی ایسا ڈرا کہ بھری مجلس میں کانوں کو ہاتھ لگا کر اور زبان باہر نکال کر کہنے لگا کہ معاذ اللہ میں نے کب آنحضرت صلعم کو دجال کہا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے پندرہ ماہ تک ایک حرف بھی اسلام یا بانیٔ اسلام کے خلاف زبان سے نہ نکالا اور برابر پندرہ ماہ تک ڈرتا رہا۔ راتوں کو اس کی کوٹھی کے گرد پولیس کا پہرہ ہوا کرتا تھا۔ بایں ہمہ وہ سوتے سوتے چیخیں مار مار کر سارے گھر کو جگا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے گھوڑے پر سوار لوگ قتل کرنے آئے ہیں۔ کبھی کہتا تھا کہ پیدل لوگ مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔ اس کے داماد بیٹیاں بیوی سب کہتے تھے کہ کہاں آئے ہیں ہمیں تو کوئی بھی نظر نہیں آتے۔ تو کہتا تھا تم نہیں دیکھتے مگر میں دیکھتا ہوں۔ پھر اس کا یہ حال ہو گیا کہ ہر وقت کہتا رہتا تھا کہ مرزا صاحب نے میرے پیچھے ایک سانپ مسمرائز کر کے لگا دیا ہے جو کسی وقت میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ایک دفعہ بخار جو چڑھا تو روتا روتا بولا کہ ہائے میں پکڑا گیا۔ یہ سب باتیں اس کے رشتہ داروں نے عیسائی پرچہ نور افشاں میں چھپوائیں۔ خاکسار مؤلف کے چچا عنایت احمد صاحب مرحوم جو اُس زمانہ میں فیروز پور میں پولیس میں ایک ذمہ دار عہدہ پر تھے۔ اور حضرت اقدس اور آپ کی جماعت کے سخت مخالف تھے۔ اُنہوں نے میرے سامنے اقرار کیا کہ ان دنوں عبداللہ آتھم فیروز پور میں اپنے داماد کی کوٹھی میں مقیم تھا۔ اور جو گارد پولیس کی اُس کی حفاظت کیلئے رات کے وقت متعین تھی اس کا انچارج میں تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ وہ ہر شب کو شور مچایا کرتا اور غل مچا مچا کر ہمیں کہتا کہ وہ دیکھو لوگ گھوڑے پر سوار تلواریں لے کر

مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔ کبھی کہتا کہ پیدل لوگ تلواریں سونتے ہوئے مجھے قتل کرنے کے واسطے آئے ہیں تم انہیں کیوں نہیں ہٹاتے۔ ہم حیران ہو کر کہتے کہ کوئی ہو تو اُسے ہٹائیں۔ جب کوئی نہیں تو کسے ہٹائیں۔ عبداللہ آتھم کی بیٹی میری چچی صاحبہ کی ہم جماعت رہ چکی تھی۔ میری چچی صاحبہ کا بیان ہے کہ وہ اکثر کہا کرتی کہ مرزا قادیانی نے ایک سانپ مسمرائز کر کے میرے باپ کے پیچھے لگا دیا ہے جو اُسے تو نظر آتا ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتا۔ غرضکہ برابر پندرہ ماہ تک اس کا یہی حال رہا۔ وہ اس قدر ڈر تا رہا کہ اس کی حالت کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناب الٰہی کو بھی اس پر رحم آیا اور اس رجوع الی الحق کا پیشینگوئی کی شرط کے مطابق اُسے فائدہ دیا گیا اور اُس پر سے عذاب ایک وقت تک کیلئے ٹل گیا۔ گویا کہ پیشینگوئی میں جو یہ فقرہ تھا کہ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع کرے" تو عذاب ٹل جائے گا۔ خدا نے اس حصہ کی صداقت کو بھی ظاہر کر کے دکھا دیا۔ عذاب تو جلد ہی کچھ عرصہ کے بعد اس پر مسلط ہو گیا اور اس پیشینگوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا ہو گیا۔ لیکن اس کے رجوع پر عذاب میں تاخیر نہ ڈالی جاتی تو پھر اس صورت میں پہلا حصہ پورا نہ ہوتا مفصل ذکر انجام آتھم کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر آئے گا۔

اس مباحثہ کا نتیجہ جنگ مقدس یعنی اس مباحثہ سے جو حضرت اقدس اور عبداللہ آتھم کے درمیان ہوا عیسائی پادریوں کو یہ ضرور پتہ لگ گیا کہ ہمارا حریف مرزا غلام احمد قادیانی کس قدر زبردست اسلام کا پہلوان ہے اور آپ کی قلم میں کس قدر زور ہے۔ اور جو علم کلام آپ نے مسیحیت کے خلاف پیدا کیا ہے وہ ایک تیر ہے جس سے کسر صلیب ہو جانا بیّن نظر آ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر آپ سے مباحثہ کرنے کا کبھی نام نہیں لیا بلکہ ایک خفیہ سرکلر ان میں گھوم گیا کہ مرزا اور اس کے مریدوں سے کوئی مباحثہ نہ کرے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کسی پادری سے حضرت مرزا صاحب کے کسی مرید کا مباحثہ ہو رہا ہے اور اُسے درمیان میں پتہ لگ گیا کہ یہ مرزا صاحب کا مرید ہے تو وہ فوراً مباحثہ چھوڑ کے چلتا ہوا اور یہ کہتا گیا کہ ہمیں کسی مرزائی سے مباحثہ کرنے کا حکم نہیں۔

مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ حضرت اقدس بمعہ احباب جنگ مقدس کیلئے جو امرتسر تشریف لے گئے تو خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر ٹھیرے تھے۔ بہت سے احباب باہر سے بھی مباحثہ سننے امرتسر آئے ہوئے تھے اور خود امرتسر کے غیر از جماعت مسلمانوں کا معقول طبقہ اس مباحثہ میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔ چنانچہ خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ اور دیگر معزز کشمیری مسلمانان امرتسر بھی مباحثہ سننے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور حضرت اقدس کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اسی مباحثہ کے دوران میں آخر مباہلہ کی مقررہ تاریخ ۱۰۔ ذیقعدہ یعنی ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء آگئی آپ اس تاریخ کو تیسرے پہر بعہ اپنی جماعت کے امرتسر کی عیدگاہ میں تشریف لائے۔ آپ نے اپنے اشتہار مؤرخہ ۳۰۔ شوال ۱۳۱۰ھ میں (جو

میں اُوپر نقل کر آیا ہوں) ہندوستان بھر کے جن جن مولویوں کو مباہلہ کیلئے دعوت دی تھی اُن میں سے سوائے مولوی عبدالحق غزنوی کے مقابل پر کوئی نہ آیا۔ البتہ وہ اپنے طالبعلموں اور درویشوں کے ساتھ عیدگاہ مذکور میں موجود تھا آپ نے مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ مباہلہ فرمایا۔ ایک دوست نے جو غیر از جماعت ہیں اور اس روز عیدگاہ میں موجود تھے مجھ سے اپنے چشم دید واقعات بیان کئے۔ کہتے تھے کہ دونو فریق عیدگاہ میں جمع تھے۔ مولوی نورالدین صاحب تو حالات کے اثر سے بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ جب دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے گئے تو مولوی عبدالحق غزنوی نے اس قدر مرزا صاحب کیلئے بددعائیں کیں اور سخت کلامیوں کے ساتھ بددعائیں کیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ سارا دل کا بخار آج ہی نکال دیگا۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے عبدالحق غزنوی کے لئے کوئی بددعا نہ کی صرف اپنے متعلق یہ دعا کی کہ "اگر میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر بے ایمان پر نہ کیا ہو" اور یہ دعا اس اشتہار کے مطابق تھی جو حضرت اقدس نے ایک دن قبل یعنی ۲۶۔ مئی ۱۸۹۳ء کو شائع فرمایا تھا۔ جس میں آپ نے اعلان کیا تھا کہ میں صرف اپنے متعلق اس قسم کی بددعا کروں گا۔ اور اس مباہلہ میں کوئی میعاد نہ تھی۔ اب ایک عقلمند کے لئے یہ غور کا مقام ہے کہ آپ نے عبدالحق غزنوی کیلئے کوئی بددعا نہ کی تھی۔ صرف جھوٹے اور مفتری ہونے کی حالت میں اپنے لئے تباہی اور بربادی کی بددعا کی تھی۔ اور عبدالحق غزنوی نے بھی آپ کو جھوٹا اور مفتری قرار دیتے ہوئے صرف آپ کیلئے ہی بددعا کی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ کیا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونو فریق کی بددعائیں آپ کے حق میں دعائیں بن کر لگیں۔ اور اس مباہلہ کے بعد جو ترقی آپ کو اور آپ کی جماعت کو خدا تعالیٰ نے دی وہ کسی سے مخفی نہیں کیا مباہلہ کے بعد اسی طرح جھوٹے اور مفتری کی خدا تائید کیا کرتا ہے؟ کیا آپ کی صداقت پر یہ ایک زبردست نشان نہیں؟ اسی میدان مباہلہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی تشریف لے آئے۔ مباہلہ کرنے کی تو جرأت نہ ہوئی مگر جب عبدالحق غزنوی سے مباہلہ ہو چکا تو حسب عادت حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ آخر پولیس نے انہیں عیدگاہ سے چلے جانے پر مجبور کیا۔ تب آپ وہاں سے بکتے جھکتے تشریف لے گئے۔

تصنیف و اشاعت کرامات الصادقین اور تحفہ بغداد

کرامات الصادقین اور تحفہ بغداد دونو حضرت اقدس کی عربی کتابیں ہیں جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئیں۔

کرامات الصادقین کرامات الصادقین کی تصنیف کی وجہ یہ ہوئی کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے تکفیر اور مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا اور ہر جگہ اپنی عربی دانی کی شیخیاں بگھار بگھار کے حضرت اقدس کی نسبت

مشہور کرتا رہا کہ وہ عربی سے محض نابلد ہے اور ایک فقرہ بھی عربی کا صحیح نہیں لکھ سکتا تو آپ نے مولوی بٹالوی کو بذریعہ اشتہار کے دعوت دی کہ عربی میں قرآن کی ایک سورت کی تفسیر بالمقابل لکھے اور سو شعر کا ایک قصیدہ آنحضرت صلعم کی نعت میں لکھے نااہل علم موازنہ کر سکیں کہ عربی اور قرآن مجید کا علم اللہ تعالےٰ کی طرف سے کس کو ملا ہے۔ اور جو کوئی اس مقابلہ کیلئے نہ آئے اُس پر دس لعنتیں بھی آپ نے لکھیں۔ مگر مولوی بٹالوی صاحب مقابلہ کیلئے نہ آئے۔ اور ٹال مٹول کرتے رہے۔ آخر حضرت اقدس نے اپنی طرف سے یہ کتاب **کرامات الصادقین** عربی میں لکھ کر شائع کر دی۔ اس میں آپ نے آنحضرت صلعم کی تعریف میں چار عربی قصائد اور سورۂ فاتحہ کی عربی زبان میں تفسیر تحریر فرمائی ہے۔ آپ نے خود تو اسے ایک ہفتہ کے اندر لکھ کر شائع فرمایا تھا۔ لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور ہر ایک مولوی کو جو بالمقابل عربی اور تفسیر لکھنے کیلئے آمادہ ہو اجازت دی کہ اس کتاب کی اشاعت سے ایک ماہ کے عرصہ تک اس کے مقابل پر اپنا فصیح و بلیغ رسالہ شائع کر دیں۔ جس میں اسی تعداد کے مطابق اشعار عربیہ ہوں جو آپ کے اس رسالہ میں ہیں اور ایسے ہی حقائق اور معارف اور بلاغت کے التزام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہو جو اس رسالہ کرامات الصادقین میں لکھی گئی ہے تو ان کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ورنہ آئندہ اُن کو یہ دم مارنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ کہ وہ ادیب اور عربی دان ہیں یا قرآن کریم کی حقائق شناسی میں کچھ بھی اُن کو مس ہے۔

حضرت اقدس اپنی قلم سے لکھتے ہیں:۔

"اگر اس رسالہ کے بالمقابل میاں بطالوی یا کسی اور ان کے ہم مشرب نے سیدھی نیت سے اپنی طرف سے قصائد اور تفسیر سورۂ فاتحہ تالیف کر کے بصورت رسالہ شائع کر دی تو میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ثالثوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ اُن کے قصائد اور ان کی تفسیر جو سورۂ فاتحہ کے دقائق اور حقائق کے متعلق ہوگی میرے قصائد اور میری تفسیر سے جو اسی سورۂ مبارکہ کے اسرار لطیفہ کے بارہ میں ہے ہر پہلو سے بڑھ کر ہے تو میں ہزار روپیہ نقد ان میں سے ایسے شخص کو دوں گا جو روز اشاعت سے ایک ماہ کے اندر ایسے قصائد اور ایسی تفسیر بصورت رسالہ شائع کر دے ..... تفسیر لکھنے کے وقت یہ یاد رہے کہ کسی دوسرے شخص کی تفسیر کی نقل منظور نہیں ہوگی۔ بلکہ وہی تفسیر لائق منظوری ہوگی جس میں حقائق و معارف جدیدہ ہوں۔ بشرطیکہ کتاب اللہ اور فرمودۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالف نہ ہوں۔"

خدا کی شان اس کتاب کے شائع ہونیکے بعد ایک ماہ کیا ایک سال بلکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم مشرب مولویوں کی ساری عمر گزر گئی لیکن فرداً فرداً تو دور رہا سب مل کر بھی حضرت اقدس کی اس تحدّی کے مقابل

میں عربی قصائد اور تفسیر سورۂ فاتحہ نہ لکھ سکے۔ بات یہ ہے کہ عربی دانی اور قرآن دانی کی ڈینگیں مارنا اور چیز ہے اور میدان میں آکر بالمقابل عربی میں قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان کرنا اور چیز ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

تحفۂ بغداد تحفۂ بغداد کی تصنیف کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک شخص سید عبدالرزاق قادری بغدادی نے حیدرآباد دکن سے ایک اشتہار اور ایک خط عربی زبان میں آپ کو بھیجا جس میں اُس نے آپ پر نہایت سخت حملے کئے تھے اور آپ کو دجّال اور گمراہ اور واجب القتل ٹھیرایا تھا۔ اور یہ سب آئینہ کمالات اسلام کا عربی حصّہ پڑھ کر لکھا تھا۔ غالباً اُسے ہندی مولویوں نے بھی اشتعال دلایا ہوگا۔ حضرت اقدس نے اس خط اور اشتہار دونو کے جواب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام آپ نے تحفۂ بغداد رکھا اور اسے عام طور پر بلاد عربیہ میں شائع فرمایا تاکہ دیگر ممالک کے اہل عرب کو بھی تبلیغ ہو سکے اور وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اس کتاب میں آپ نے عربی زبان میں نہایت شرح و بسط سے وفات مسیح اور نزول مسیح اور ختم نبوت پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے دعوے کو نہایت مدلل اور معقول طریق پر پیش کیا ہے۔ اور اس امت میں مکالمات الٰہیہ اور مجددین کے سلسلہ کو ثابت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مولویوں کے فتوئے تکفیر سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ میرے پاس آؤ اور مجھے نزدیک سے دیکھو تا تم کو جھوٹے اور سچے کا فرق بیّن طور پر نظر آوے۔ اور آخر میں قوم کی حالت زار پر جو آپ کے دل میں درد تھا اس کے ماتحت ایک عربی قصیدۂ دعائیہ بھی لکھا ہے۔

شہادۃ القرآن

شہادۃ القرآن بھی ۱۸۹۳ء کی ہی تصنیف ہے۔ اس کی تصنیف کی وجہ یہ ہوئی کہ کسی شخص عطا محمد نامی نے جو نیچری یا چکڑالوی خیالات کا تھا اپنے خط مطبوعہ اگست ۱۸۹۳ء میں حضرت اقدس سے دریافت کیا تھا کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا انتظار کرنا ہم پر واجب ولازم ہے۔ یہ شخص وفات مسیح کا قائل تھا۔ اور یہ بھی مانتا تھا کہ احادیث میں نزول مسیح کی پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتا تھا۔ اس لئے آپ نے مطبوعہ خط کے جواب میں یہ کتاب تصنیف کی جس کا نام شہادت القرآن ہے۔ آپ نے معترض کے اعتراضات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین امور تنقیح طلب قائم کئے:۔

۱- اوّل یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبۂ یقین سے دور و مہجور ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ کیا قرآن کریم میں اس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں؟

۳۔ سوم یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس بات کا کیا ثبوت کہ اس کا مصداق آپ ہی ہیں۔

پھر ان تینوں امور تنقیح طلب پر جس خوبصورت اور معقول طریق پر آپ نے بحث کی ہے اور الگ الگ ایک ایک امر کو لے کر ان مسائل حقہ کو ثابت کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو جواب بجائے خود ایک کتاب ہو اس سوانح عمری میں اس کا نقل کرنا ناممکن ہے۔ اشارۃً یوں سمجھو کہ:۔

پہلا امر تنقیح طلب آپ نے اس کتاب میں پہلے تنقیح طلب امر میں یہ ثابت کیا ہے کہ حدیثوں کو سرے سے ناقابل اعتبار قرار دینے سے ہمارے ہاتھ میں دین کی تمام تفصیلات میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور آنحضرت صلعم کی سوانحعمری کل کی کل ضائع ہو جاتی ہے اور حضور کا قابل تقلید نمونہ ہمارے ہاتھوں سے گم ہو جاتا ہے۔ پس یہ بالکل غلط بات ہے کہ احادیث کا بالکل انکار کر دیا جائے اس طرح دنیا کی ساری تاریخ ناقابل اعتبار ٹھیر جاتی ہے۔ پس جو حدیثیں روایتاً اور درایتاً صحیح ثابت ہوں جب تک وہ صاف لفظوں میں قرآن کریم کے معارض نہ ہوں تب تک ان کو قبول کرنا لازم ہے۔ اور یہ خیال کر لینا قطعاً غلط ہے کہ احادیث کا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ محض ایک یا دو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کر اس روایت کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کر لیا گیا ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے سلسلہ کی ایک فرع اور اطراد بعد الوقوع کے طور پر ہے۔ مثلاً محدثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں اور فجر کی دو اور مع ذلک ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور رکوع اور قومہ اور سجدے اور جلسہ کرتے ہیں اور جلسہ میں التحیات اور درود پڑھتے ہیں اور رکوع اور سجود میں تسبیحیں پڑھتے ہیں۔ اور دونو طرف سلام پھیر کر نماز سے باہر ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرز عبادت کو دیکھ کر محدثین کو یہ ذوق اور شوق پیدا ہوا کہ تحقیق کے طور پر اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلعم تک پہنچا دیں۔ یہ تو سچ نہیں کہ اس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدثین تھے اور پہلے اس سے دنیا میں نماز نہ ہوتی تھی اور کئی صدیوں کے بعد ان محدثین نے ایک یا دو حدیثیں سُن کر نماز شروع کی گئی۔ پس یہ ایک بڑا دھوکا ہے جو یہ فرض کر لیا جائے کہ ان رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا مدار ثبوت صرف ان چند حدیثوں پر تھا۔ ایسا خیال سخت حماقت کا خیال ہوگا اور یہ خیال انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور واقعات اور رسوم اور عبادات اسلام کی طرف نظر نہیں کی کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا ان کو مرتبہ حاصل ہوا سو واضح ہو کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کیلئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلی بخش نمونہ ہے۔ مثلاً نماز فجر کی

دو رکعت یا نماز مغرب کی تین رکعت کیا حدیثوں کے جمع ہونے سے پہلے لوگ نہیں پڑھتے تھے۔ پڑھتے تھے اور یقیناً پڑھتے تھے۔ اور اگر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا تاہم کروڑہا کروڑ آدمی کے اس سلسلۂ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم وقتاً بعد وقت اور قرناً بعد قرنٍ یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نورٌ علیٰ نور بنا دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکابر ائمہ احادیث مثلاً امام بخاری و امام مسلم وغیرہ نے ایسی حدیثوں کا بہت کم ذکر کیا ہے جن کا تعامل کے سلسلہ میں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا یا لوگوں میں وہ مشہور اور تواتر کے رنگ میں موجود نہ ہوں علیٰ ہذا القیاس مسیح موعود کی پیشگوئی بھی ابتدا سے نہایت تواتر کے ساتھ مسلمانوں میں مشہور اور عقیدہ کی طرح ان کے رگ ریشہ میں داخل چلی آتی تھی۔ اور ائمہ احادیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے مطابق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے جن کا ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ان کی روایات کو اسناد صحیحہ سے آنحضرت صلعم تک پہنچا کر دکھا دیا علاوہ اس کے اس پیشگوئی کی مختلف روایات کے ساتھ ہی وہ روایات بھی موجود ہیں جن میں اس موجودہ زمانہ کا ایسا صاف نقشہ کھینچا ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ مثلاً اس آخری زمانہ میں علمائے اُمت کا یہود صفت ہو جانا ان میں سے خدا ترسی اور دیانت اور پاکیزگی کا جاتے رہنا اور اس زمانہ میں صلیبی مذہب کا زور ہونا۔ اور اُن کی سلطنت کا دنیا کے ایک بڑے حصہ میں پھیل جانا اور ریل اور موٹروں کا نکلنا اور اونٹنیوں کا بیکار ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ پس جب ان پیشگوئیوں کا جو آپس میں بالکل ملحق ہیں ایک بڑا حصہ اس صفائی سے پورا ہو گیا تو پھر دوسرے حصہ کی نسبت لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ حدیثیں آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلی ہیں کیونکہ اس قدر علوم غیبیہ سوائے رسول کے اور کسی پر ظاہر نہیں کئے جاتے جیسے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسولٍ۔ یعنی کسی کو غیب پر غلبہ نہیں دیا جاتا سوائے اس کے جسے خدا پسند کرے رسولوں میں سے۔ اسلئے مسیح موعود کی پیشگوئی کی صحت بھی جو ان ساری پیشینگوئیوں کا ہی ایک جزو ہے مسلم الثبوت ہو گئی۔ احادیث میں سے اکثر پیشگوئیاں جن میں اس آخری زمانہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے حضرت اقدس نے اس کتاب میں جمع کی ہیں جن کو پڑھنے سے نہ صرف مسیح موعود کی پیشینگوئی پر یقین پیدا ہو جاتا ہے بلکہ خود آنحضرت صلعم پر بھی بے انتہا ایمان بڑھتا ہے کہ آپ کو کس صفائی سے اس آخری زمانہ کا نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھایا گیا تھا۔

دوسرا امر تنقیح طلب دوسرے امر تنقیح طلب میں آپ نے قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ قرآن شریف میں یہ سنت اللہ مذکور ہے کہ جب زمین مردہ ہو جاتی تو آسمان سے بارش نازل ہو کر اسے زندہ کرتی ہے۔ اسی طرح جب دنیا میں رُوحانی مردگی پیدا ہو جاتی ہے اس وقت اس سنت اللہ کے ماتحت رُوحانی بارش کا نازل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اسلام میں ایسے صادقین کا وجود ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ جن کے ذریعہ لوگوں میں رُوحانی زندگی پیدا ہوتی رہی ہے۔ پھر قرآن سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم مثیل موسیٰ ہیں اور آیت استخلاف سے ثابت ہے کہ آپ کے خلفا حضرت موسیٰ کے خلفا کے مثیل ہیں۔ چنانچہ جس طرح وہاں چودھویں صدی پر مسیح آیا۔ یہاں بھی چودھویں صدی کسی مسیح کے ہی مثیل خلیفہ کو چاہتی تھی۔ پھر موجودہ زمانہ کا نقشہ جو قرآن شریف نے آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے کھینچا ہے اور قرب قیامت کی علامات کے متعلق جو قرآن کریم نے صدہا پیشگوئیاں کی ہیں (مثلاً یاجوج وماجوج یعنی یورپین اقوام کا غلبہ۔ بہت سے فرقوں کا پیدا ہونا۔ اونٹنیوں کا بیکار ہو جانا۔ نہروں کا نکلنا۔ کتابوں اور اخبارات کا شائع ہونا وغیرہ وغیرہ) وہ سب نقشہ آپ نے کھینچ کر روز روشن کی طرح دکھایا ہے کہ ان تمام آیات سے اس زمانہ کے مفاسد اور محمدی خلیفہ مثیل مسیح کا ظہور ایسی صفائی سے نظر آنے لگتا ہے کہ کسی طالب حق کو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں باقی رہ جاتی۔ ساری بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ کس قدر تسلی بخش اور معقول ہے۔

تیسرا امر تنقیح طلب تیسرے امر تنقیح طلب میں حضرت مرزا صاحب نے مسیح کی وفات۔ اسی اُمت میں سے ایک خلیفہ یا مجدد ہی مسیح موعود ہونا اور اسکے ظہور کیلئے اس زمانہ کا تعین بہ وجہ چودھویں صدی ہونیکا اور بہ وجہ غلبۂ مفاسد اور اُن پیشگوئیوں کے ظہور کے جو آخری زمانہ اور مسیح موعود کے نزول سے وابستہ تھیں۔ پھر اپنی پہلی زندگی میں آپ کی راستبازی اور آپ کا صدق۔ آپ کی دیانت اور امانت۔ آپ کی تعلیم تقویٰ وطہارت۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استجابت دُعا اور پیشگوئیوں اور علم قرآن کا نشان دیا جانا۔ آپ کی خدمت دین یعنی اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھانا اور اشاعت اسلام کا اس قدر جوش کہ خود مکہ معظمہ وکنٹوریہ اور شاہزادہ پرنس آف ویلز اور پرنس بسمارک وغیرہ کو اسلام کی دعوت دینا اور دن رات خدمت دین کے کاموں میں انہماک وغیرہ وغیرہ ان سب امور پر نہایت شرح وبسط سے بحث کر کے اپنے تئیں مسیح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ثابت کیا ہے۔ میں نے تو ایک فہرست سی یہاں دیدی ہے۔ لطف آتا ہے اصل کتاب کو پڑھنے میں۔ کتاب طبع شدہ موجود ہے جو صاحب چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

گورنمنٹ سے غداری کے الزام سے بریت اسی کتاب کے آخر میں آپ نے ایک اشتہار بعنوان "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق" شامل کیا ہے۔ جس میں آپ نے گورنمنٹ کے سامنے اپنے خاندان کی گورنمنٹ انگلشیہ سے

وفاداری اور خدمات سابقہ کا ذکر کیا ہے اور ایسی پُرامن گورنمنٹ سے جس کے سایۂ عاطفت میں ہمیں ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہے۔ یہاں تک کہ ہم گورنمنٹ کے مذہب پر سخت سے سخت نکتہ چینی کر سکتے اور اس کی تردید کو سکتے ہیں غداری اور بغاوت کرنے کو آپ نے کفرانِ نعمت قرار دیا ہے۔ آپ نے سکھوں کے زمانہ کی مسلّم کشی اور بدامنی دیکھی ہوئی تھی۔ اس سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ کو گورنمنٹ برطانیہ ایک فرشتۂ رحمت نظر آتی تھی۔ لہذا آپ نے جہاں ایک طرف گورنمنٹ برطانیہ کے مذہب کی سخت تردید کی۔ اور عیسائیوں اور پادریوں کو بلحاظ ان کے مذہب کے دجال قرار دیا اور اشتہاروں کے ذریعہ اسے دنیا بھر میں مشتہر کیا۔ وہاں دوسری طرف گورنمنٹ کے حسن انتظام اور مذہبی آزادی کی تعریف بھی کی اور ان حالات میں اس سے بغاوت یا غداری کرنے کو کفرانِ نعمت اور محسن کشی سے تعبیر کیا۔ اس اشتہار کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب جہاں حضرت اقدس کی مخالفت میں بہت سے کارنامے کرتے پھرے ہاں انہوں نے گورنمنٹ میں یہ بھی مخبری کی کہ یہ شخص مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ مہدی کس قدر خطرناک ہستی ہے۔ سوڈان والے مہدی نے کس قدر کشت وخون کیا۔ مرزا غلام احمد کے پاس ابھی طاقت نہیں۔ یہ جماعت بنا رہا ہے جس وقت جتھا کافی ہو گیا بس ایک دم جہاد کا اعلان کر دیگا۔ اور گورنمنٹ کو اُس وقت لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ بہتر ہے ابھی سے اس کا قرار واقعی انتظام کیا جاوے اور اس کی جڑیں ابتدا میں ہی کاٹ دی جائیں۔ اس لئے حضرت اقدس کو ضرورت پڑی کہ آپ اس قسم کا ایک اشتہار نکال کر گورنمنٹ کی غلط فہمی کو دور کریں اور بتادیں کہ ہمارا کام تلوار سے دین پھیلانا نہیں۔ بلکہ صلح اور آشتی اور دلائل وبراہین سے اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنا ہے۔ ہم بغاوت کیوں کرینگے جبکہ ہمیں اس گورنمنٹ کے زیرسایہ سب سے بڑھ کر مذہبی آزادی حاصل ہے اور ہم جس طرح چاہتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں اور ہمارا کوئی مزاحم نہیں ہوتا خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مامورین مقربین عدو درجہ کے عادل اور احسان شناس ہوتے ہیں ایک لطیفہ مجھے یاد آیا وہ یہ کہ حضرت اقدس کو حقہ سے سخت نفرت تھی۔ لیکن مہمانوں کی خاطر حقہ مہمان خانہ میں رکھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے حضرت کی نفرت کو دیکھ کر ایک نظم لکھی جس میں حقہ کی سخت مذمت کی۔ حضرت صاحب سنتے رہے ختم ہونے پر ہنس کر فرمانے لگے کہ "انسان کے کلام میں اور خدا کے کلام میں یہ فرق ہوتا ہے۔ انہوں نے حقہ کی اس قدر برائیاں کیں کہ کوئی انتہا نہ رہی لیکن خدا نے شراب کی نسبت جو حرام ہے اور حقہ سے بہت زیادہ بُری چیز ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ اس کے حرام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اثمھما اکبر من نفعھما کہ اس کے گناہ اور برائیاں اس کے نفع سے بڑھ کر ہیں گویا کسی حد تک نفع کو بھی تسلیم کر لیا۔ مگر چونکہ اس کے نقصانات اور برائیاں اس کے نفع سے بڑھ کر ہیں اس لئے اس کو حرام کر دیا" غرضکہ خدا کے بندے

جو خدائی اخلاق سے رنگین ہوتے ہیں کسی شخص یا کسی قوم میں اگر کچھ عیوب پاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم سے اس کو صریح طور پر دنیا میں مشتہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تو اُس کی وجہ سے اُس کی خوبیوں سے قطع نظر نہیں کرتے۔ بلکہ اُسے بھی بیان کر دینے سے اُنہیں عار نہیں ہوتا۔ وہ دھڑے باز نہیں ہوتے کہ غیر مذہب والوں کی ہر بات کی تردید ہی کرتے چلے جائیں۔ وہ حق کی تصدیق کرتے ہیں اور باطل کی تردید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے گورنمنٹ برطانیہ کے مذہب کو جو مسیحیت تھا جب غلط اور باطل پایا تو اُس کی ایسے دھڑے سے تردید کی کہ کسی نام کے مولوی جہاد کے شوقین کو کبھی اس کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان کی حکومت میں امن اور مذہبی آزادی کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر پایا تو اس کی تعریف کرنے میں عار نہیں سمجھا۔ اس پر بعض لوگوں کا بھڑکنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دھڑے بازی اور ضد اور ناحق کی عیب چینی کا نام سیاست بیشک رکھ لو۔ مگر اس کا نام مذہب نہیں ہو سکتا۔ سچا مذہب یعنی اسلام تو تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے جس کی پہلی سیڑھی انصاف ہے۔

التوائے جلسہ ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۳ء

۱۸۹۳ء کے ۲۷۔ دسمبر والے جلسہ کو حضرت اقدس نے ملتوی کر دیا اور ایک اشتہار کے ذریعہ اس التوا کا اعلان کر دیا۔ یہ اشتہار بھی شہادت القرآن کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ التوا کی وجہ یہ ہوئی کہ گذشتہ سال کے جلسہ میں جگہ کی قلت کی وجہ سے بعض مہمانوں نے آپس میں کوئی اچھا برتاؤ نہ کیا تھا۔ اس سے حضرت اقدس کو بہت رنج ہوا اور آپ نے ۱۸۹۳ء کے جلسہ کو ملتوی کر دیا کہ اگر جلسہ سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے تو ایسے جلسہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ نے اس اشتہار میں کج خلقی کرنیوالوں کو بہت جھاڑا ہے اور اصل دین اخلاق فاضلہ کو قرار دیا ہے۔ اور ایسی بیش بہا نصیحتیں اس اشتہار میں کی ہیں کہ اُن پر چل کر یقیناً ایک شخص اعلیٰ درجہ کا با اخلاق بن سکتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آمدنی کم تھی اور اس سال متعدد تصنیفات کی اشاعت کی وجہ سے اخراجات بہت زیادہ ہو گئے تھے جلسہ کے مصارف کثیر اس حالت میں ناقابل برداشت تھے۔

حضرت اقدس کی کثیر المشاغل زندگی بجائے خود ایک اعجاز تھی

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک سال ۱۸۹۳ء میں آٹھ کتابیں شائع ہو کر نکل گئیں۔ آئینہ کمالات اسلام۔ برکات الدعا۔ حجۃ الاسلام۔ سچائی کا اظہار۔ جنگ مقدس۔ تحفہ بغداد۔ کرامات الصادقین۔ شہادۃ القرآن جن میں سے آئینہ کمالات اسلام کا نصف اور تحفہ بغداد اور کرامات الصادقین ساری کی ساری نہایت فصیح و بلیغ عربی میں ہیں۔ اور بعض ان میں سے ضخیم کتابیں ہیں۔ پہلے آپ کی عمر ملاحظہ ہو۔ آپ پچپن سال کے

ہو چکے تھے جب دعوئے مسیحیت کیا۔ گویا جس عمر میں گورنمنٹ اپنے لائق و فائق ملازم کو پنشن دیدیتی ہے کہ بہ وجہ بڑھاپے کے چونکہ اس کے دماغ میں اب وہ تیزی اور قویٰ میں وہ چستی اور مستعدی نہیں رہی جو جوانی میں تھی۔ اس لئے مناسب ہے کہ اب وہ آرام کرے۔ لیکن یہاں پچپن سال کی عمر میں جب قویٰ کا اضمحلال ہونے لگتا ہے حضرت اقدس کو مسیحیت و مہدویت کے منصب پر کھڑا کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سکھوں عیسائیوں اور آریوں اور دہریوں اور خود مولویوں کی مخالفت کے بلاخیز طوفان میں آپ کو ڈال دیا گیا۔ اور طرح طرح کے مصائب اور ابتلاؤں کے پہاڑ سے ٹکرانے کے واسطے آپ کو چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بڑے بڑے مناظر میدان مناظرہ سے کنارہ کشی کر لیتے اور بڑے بڑے غور و فکر کرنیوالے اہل علم گوشہ نشینی میں دماغ اور دل کا سکون ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اور انسان ہیں جفاکشی اور محنت طلبی کے بجائے آرام طلبی اور خلوت پسندی کے آثار رونما ہو جاتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے حضرت اقدس مرزا صاحب کو اسی عمر میں جب انسان ابتلاؤں اور مشکلات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے حکم ہوتا ہے کہ اپنی پچھلی ساری بنی بنائی شہرت اور عزت کو خاک میں ملا دو۔ اور حق کی خاطر مخالفت کے ایک جہان سے ٹکر لو۔ ذرا غور کیجئے کہ مسیح کی وفات اور نزول مسیح کے عقائد میں اختلاف نے تمام مسلمانوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے۔ مہدی کے دعوے نے گورنمنٹ کو بدظن کر دیا ہے۔ اور آپ کے اس دعوے نے کہ میں تمام مذاہب باطلہ پر اسلام کو غالب کرنے کیلئے مامور ہوں۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے۔ اور آپ ہیں کہ تن تنہا اس چومکھی جنگ میں اس چستی اور مستعدی اور زیرکی و دانائی کے ساتھ قلمی اور روحانی جنگ میں منہمک نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ عمر ہے اور صبح سے شام تک سینکڑوں مشاغل ہیں۔ مگر کیا مجال جو کان یا گھبراہٹ اور پریشانی کبھی پاس تک پھٹک جائے یا فکر اور تشویش کبھی آپ کے چہرہ سے ظاہر ہو وہی ہنستا ہوا ہشاش بشاش چہرہ ہر وقت دیکھنے والوں کو نظر آتا تھا۔

آپ رات کو نہایت التزام سے تہجد خوانی کرتے تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس قدر تضرع اور ابتہال و گریہ زاری سے آپ تہجد کی نماز ادا کرتے تھے کہ اس کے بعد زکان اور کوفت کا ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن آپ تہجد کی نماز کے بعد معاً نماز فجر ادا کرنے مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی آپ اندر تشریف لیجاتے غالباً چاء یا ناشتہ کرتے ہوں گے۔ پھر ذرا سے وقفہ کے بعد آپ باہر تشریف لے آتے اور سیر کیلئے تشریف لیجاتے۔ احباب آپکے ساتھ ہیں۔ کچھ برابر ہیں۔ کچھ آگے۔ کچھ پیچھے۔ باتیں سننے کیلئے آپ پر گرے پڑتے ہیں۔ گرد اڑتی جاتی ہے۔ لیکن نہایت اطمینان سے آپ برابر تقریر کرتے چلے جاتے ہیں۔ کسی نے کوئی سوال کر دیا آپ نے جواب میں تقریر فرمانی شروع کر دی۔

وہ ختم ہوئی تو کسی نے دوسرا سوال کر دیا۔ اس پر تقریر شروع ہو گئی۔ تین چار میل کی سیر معمولی بات تھی۔ اس تمام سیر میں آپ برابر تقریر فرماتے رہتے تھے۔ واپسی پر مکان کے سامنے کے چوک میں کبھی آدھا آدھا گھنٹہ تقریر فرماتے اور باتیں کرتے گزر جاتا۔ اس کے بعد اندر تشریف لیجاتے اور اشراق کی نماز ادا کرتے۔ بارہ بجے دوپہر کو کھانا کھانے کیلئے باہر تشریف لے آتے اور احباب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ اس کے بعد اندر تشریف لے جاتے۔ وضو کر کے اور سنتیں پڑھ کر مسجد میں نماز ظہر کیلئے تشریف لے آتے۔ اس وقت بھی کوئی نیا مہمان ملنے آجاتا یا اپنے میں سے ہی کوئی علم کا پیاسا کوئی سوال کر دیتا تو تقریر شروع ہو جاتی۔ اس کے بعد اندر تشریف لیجاتے نماز عصر کے وقت پھر مسجد میں تشریف لے آتے۔ اُس وقت بھی ملنے والوں سے باتیں ہوتیں۔ پھر اندر تشریف لیجاتے۔ نماز مغرب کے وقت تشریف مسجد میں لاتے اور مغرب سے لے کر عشا تک باقاعدہ مسجد میں بیٹھے رہتے اور طرح طرح کی باتیں یا تقریریں ہوتیں جو حقائق و معارف قرآنی سے پُر ہوتیں۔ نماز عشا کے بعد اندر تشریف لے جاتے۔ سمجھ نہیں آتا کہ اسقدر کتابیں آپ کس وقت تصنیف کرتے تھے۔ خطوط بھی احباب کو خود لکھتے تھے۔ یہ تو بعد میں جب خط و کتابت بہت بڑھ گئی تو ایک آدمی اس کام پر متعین کیا گیا۔ ورنہ ابتدا میں تمام احباب کے خطوط کا جواب خود ہی دیا کرتے تھے۔ علاوہ مطبوعہ خطوط اور صدہا اشتہارات کے جو آپ نے وقتاً فوقتاً شائع فرمائے۔ آپ نے اپنی عمر میں نوّے سے زیادہ کتابیں جن کے قریباً دس ہزار صفحے بنتے ہیں تصنیف کر کے شائع کیں۔ ان میں سے دعویٰ مسیحیت سے قبل کے ایک ہزار صفحے ہیں اور بعد کے نو ہزار صفحے۔ گویا پچپن برس کی عمر کے بعد قریباً نو ہزار صفحے لکھ کر شائع کئے۔ آخر اتنے عظیم الشان سلسلۂ تصنیف کا وقت کب ملا۔ سیر اور دوپہر کے کھانے کے درمیان یا ظہر اور عصر یا عصر اور مغرب کے درمیان کچھ وقت ملتا ہوگا لیکن آخر آپ متاہل تھے۔ بیوی بچوں میں کچھ وقت صرف ہوتا ہوگا۔ آپ باقاعدہ شب بیدار آدمی تھے دن کو کچھ وقت آرام کی ضرورت بھی ہوتی ہوگی۔ ان سب کے بعد تصنیف کے لئے کیا وقت باقی رہ جاتا ہے۔ پھر تصنیف بھی کیسی کہ علم و حکمت کا ایک دریا ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ نئے سے نئے مضامین ہیں جو قلم سے نکل رہے ہیں۔ اُن میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث سے زبردست استدلال ہو رہا ہے۔ نیز ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ان میں نیا علم کلام پیدا ہو رہا ہے۔ روزانہ نئے سے نئے اعتراضات کے جواب دیئے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم کے جدید سے جدید حقائق و معارف بیان ہو رہے ہیں جن کو پڑھ پڑھ کر اہل علم اور طالبان حق سر دھنتے اور عش عش کرتے ہیں۔ پھر اس قدر کثرت مشاغل اور دماغی محنت کے باوجود تکان اور کوفت کا نام نہیں۔ دماغ میں خشکی اور چڑچڑے پن کا نشان نہیں جو عمر کے تقاضہ اور زیادہ دماغی محنت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ جب باہر تشریف لاتے ہیں تو ہمیشہ وہی ہنستا ہوا

ہشاش بشاش چہرہ نظر آتا ہے۔ کوئی گالیاں دے بُرا بھلا کہے پیشانی پر شکن تک نہیں پڑتی۔ اگر کوئی روتا ہوا آتا تو آپ کی صحبت میں بیٹھ کر ہنستا ہوا رخصت ہوتا۔ پھر گھر کے اندر بھی انہی اخلاق فاضلہ کا ظہور ہوتا رہتا۔ مخالفین کے گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے۔ قتل کی دھمکیاں لکھی ہوئی آتیں۔ گندے سے گندے اعتراضات آپ پر کئے جاتے۔ آپ کو نقصان پہنچانے کیلئے طرح طرح کے منصوبے کئے جاتے۔ قتل کے مقدمات بنائے جاتے۔ عدالتوں میں گھسیٹا جاتا۔ لیکن نہ کبھی آپ کے چہرہ پر گھبراہٹ اور پریشانی اضطراب اور کھسیاہٹ کے آثار نظر آئے اور نہ کبھی آپکے روزانہ مشاغل میں کوئی فرق آیا۔ عجیب نفس مطمئنہ تھا جس کے اطمینان اور استقامت میں کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی کوئی فرق نہ آتا تھا یہ عمر اور یہ کثرت مشاغل۔ یہ دماغی محنت شاقہ اور یہ ابتلاؤں کے طوفان اور پھر یہ اطمینان اور مسرت دبشاشت اور تصانیف کا ایک انبار اور علم وحکمت کا ایک دریا۔ پھر یہ شب وروز کی عبادات اور وعظ وتبلیغ۔ اور ان تمام چیزوں کا مالک ایک واحد شخص۔ جب تک خدا کی مدد نہ ہو اور اس کی پاک روح کا انسان کے قلب پر نزول نہ ہو یہ علم اور یہ حکمت یہ قوت اور یہ استقامت یہ مستعدی اور یہ جوش اور یہ اخلاق فاضلہ اور یہ نفس مطمئنہ کسی انسان میں پایا جانا ممکن نہیں۔

دو مشہور مسلم مشنریوں کی بیعت

مولوی حسن علی صاحب مسلم مشنری مولوی حسن علی صاحب کا ذکر میں مسٹر الگزنڈر وب کے حالات میں کر آیا ہوں۔ یہاں اُن کا کچھ اور بھی تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں جو مجدّد کی تلاش تھی تو آخر کس طرح انہیں وہ گوہر مقصود ملا۔ مولوی صاحب موصوف ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۴ء میں اپنے وطن بھاگلپور صوبہ بہار میں ہی ہیڈ ماسٹری پر ملازم ہوگئے۔ مذہبی ذوق وشوق ابتدا سے تھا۔ کتاب معراج المومنین کے مصنف بھی تھے بڑے عابد اور صاحب حال شخص تھے۔ آخر ۱۸۸۶ء میں مغرب کے وقت یکایک اللہ نے دل میں ڈالا کہ ملازمت چھوڑ کر اشاعت اسلام کے کام میں لگ جاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا اور دوستوں کے سمجھانے کی بھی پروانہ کی ایک ماہوار رسالہ بنام نورالاسلام جاری کیا۔ پٹنہ اور کلکتہ میں کئی تقریریں کیں۔ کلکتہ میں انگریزی میں جو اسلام پر لکچر دیا تو دھوم مچ گئی۔ ڈھاکہ میں لکچر ہوئے۔ آپ کی قبولیت دور ونزدیک بڑھتی گئی۔ مدراس میں آپ کے انگریزی لکچر اسلام پر اس قدر مقبول ہوئے کہ ایک مرتبہ خود گورنر مدراس ان کا لکچر سننے آیا بعض لوگوں نے اُنہیں کہا کہ آپ اس صدی کے مجدد معلوم ہوتے ہیں مگر اُنہوں نے انکار کیا اور لاہور میں چند احباب سے ذکر کیا کہ "اللہ پاک نے میرے دل پر اس بات کو کھول دیا ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت

کوئی بہت بڑے پایہ کا مجدّد پیدا ہونے والا ہے۔ اور میرے خیال کے مطابق اُس میں مندرجہ ذیل صفات ہونی چاہئیں۔ (۱) عالی خاندان ہو (۲) رزق میں غیروں کا محتاج نہ ہو۔ (۳) صورت و شکل میں اچھی وجاہت رکھتا ہو۔ (۴) بہت بڑا اسپیکر ہو (۵) عربی میں بہت بڑی لیاقت رکھتا ہو۔ (۶) مغربی علوم سے خوب واقف ہو اور انگریزی زبان میں بہت بڑا کمال رکھتا ہو۔ (۷) صاحبِ کرامات ہو تاکہ وہ موجودہ دہریت اور باطل فلسفہ کے زور کو خدائی نشان دکھا کر توڑ سکے۔ مولوی حسن علی صاحب لکھتے ہیں کہ "میں نے اپنے لاہور کے دوستوں سے کہا کہ معلوم نہیں کہ ایسے بزرگ کے ظہور تک میں زندہ رہوں گا یا نہیں۔ اگر سامعین میں سے اُس وقت کوئی صاحب زندہ ہوں تو میرا سلام اُن کو ضرور عرض کر دیں"۔ بعض نوجوان تعلیم یافتہ صاحبوں نے اُنہیں کہا کہ زمانہ حال کے مجدّد سر سیّد احمد خاں ہیں وغیرہ وغیرہ ..... انہوں نے جواب دیا کہ "مانا سب ٹھیک۔ لیکن افسوس ہماری بدقسمتی پر۔ سیّد صاحب کی عقلی آنکھیں تیز ہیں لیکن ایمان و عرفان کی آنکھیں یکبارگی اندھی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔

اس کے بعد مولوی حسن علی صاحب سارا ہندوستان پھرے اور بڑے بڑے علما اور سجادہ نشینوں کو دیکھا لیکن کہیں دل نہ ٹِکا۔ چنانچہ یہ سب باتیں تفصیل سے انہوں نے اپنی کتاب تائید حق میں بیان فرمائی ہیں۔ بہت دلچسپ کتاب ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔ بہرحال اس سب بیان کے بعد وہ لکھتے ہیں۔ اور اسے ۱۸۸۷ء کا واقعہ بیان کرتے ہیں جب وہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں شامل ہوئے تھے۔ اور انجمن مذکور کیلئے شہر بہ شہر چندہ جمع کرتے پھرتے تھے:۔

"جب میں امرت سر گیا تو ایک بزرگ کا نام سُنا جو مرزا غلام احمد کہلاتے ہیں۔ ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں اور عیسائیوں۔ برہمو اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ اُن کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے کچھ تعجب نہ ہوا گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں جو نبی کے بعد محدّث کو ہوتا رہا ہے۔ لیکن میں اس بات کو بہت عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگانِ خدا ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الٰہیہ سے ممتاز ہوا کئے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرت سر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ ریل پر سوار ہوا۔ بٹالہ پہنچا۔ ایک ایک دن بٹالہ میں رہا۔ پھر بٹالہ سے یکے کی سواری ملتی ہے اُس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ جناب مولوی صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام

لاہور کیلئے کچھ چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لیگئے وہ مرزا صاحب کے دعوئی الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل گئے۔ اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کیلئے معذرت کی۔ مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھے تعجب سا گزرا۔ ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بُری عادت تھی۔ امرتسر میں تو مجھے پان ملا لیکن بٹالہ میں مجھ کو پان کہیں نہ ملا۔ ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بُری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے دن کے وقت جب میں کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا! مرزا صاحب نے مجھ کو الکونڈرویب کا خط دکھایا میں نے اُس انگریزی خط کو پڑھا اس خط میں ویب صاحب نے اپنے تحقیقات دینی کے جوش کو ظاہر کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ میں نے ترک حیوانات کر دیا ہے۔ میں نے مرزا صاحب سے کچھ دینی باتیں بھی پوچھیں۔ قادیان کے رہنے والوں سے بھی ملا۔ حتّٰی کہ مرزا صاحب کے ایک سخت مخالف سے ملا جو غالباً ان کے چچا تھے یا کون۔ میں نے بوڑھے میاں سے سوال کیا کہ آپ مرزا صاحب کو کیسا سمجھتے ہیں تو اُس کا جواب اُنہوں نے یہ دیا کہ ہم اُس کے دعوئے الہام کو جھوٹا سمجھتے ہیں لیکن ایک بات ضرور کہیں گے کہ یہ لڑکا (یعنی جناب مرزا صاحب) شروع سے ہی نیک چلن تھا اور کتابوں کے پڑھنے کا اس کو بہت شوق تھا۔ اور عبادت الٰہی کا اس کو بچپن سے ہی ذوق تھا۔ غرض میں مرزا صاحب سے رخصت ہوا۔ چلتے وقت انہوں نے اس کمترین کو براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کی ایک ایک جلد عنایت کی۔ اُنہیں میں نے پڑھا۔ اُن کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ جناب مرزا صاحب بہت بڑے رتبے کے مصنف ہیں۔ خصوصاً براہین احمدیہ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر دیکھ کر مجھ کو کمال درجہ کی حیرت مرزا صاحب کی ذہانت پر ہوئی۔ الہامات جو میں نے براہین احمدیہ میں دیکھے اُن پر مجھ کو یقین نہ ہوا۔ لیکن چونکہ میں مرزا صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا میرے دل میں کسی وقت بھی یہ خیال نہیں آیا کہ معاذ اللہ مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔ بلکہ خیال بدا گر آیا تو یہ آیا کہ خود حضرت مرزا صاحب کو دھوکا ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ (جیسا کہ میں سابق میں بیان کر چکا ہوں) میرے خیال میں اس عددی کے مجرّد کا ایک نقشہ تھا اور اُس نقشے کے مطابق مرزا صاحب میں کئی باتیں نہیں پاتا تھا اس لئے

میرا خیال یہ نہیں ہوا کہ وہ اس صدی کے مجدّد ہیں۔" (تائید حق صفحہ ۵۳-۵۴-۵۵)

اس کے بعد مولوی حسن علی صاحب وعظ ولکچر اشاعت اسلام وحمایت اسلام میں برابر سرگرم رہے کئی سو ہنود ان کے ہاتھ پر داخل اسلام ہوئے اور صدہا طالبعلم جو مغربی تعلیم وفلسفہ کے بدا ثر سے دہریہ گمراہ اور شست ہو گئے تھے آپ کے لکچروں کو سُن کر اسلام پر مضبوط ہو گئے۔ کئی شہروں میں اُنہوں نے یتیم خانے کھلوائے۔

تائید حق صفحہ ۶۱ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"ابھی تک میں نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی مکرمی جناب قاضی سید رضا حسین صاحب مرحوم ومغفور سے میں اکثر سوال کرتا رہا کہ حضرت بتایئے تو سہی میں کس شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں تو قاضی صاحب مرحوم فرماتے رہے کہ جو وسیع نگاہ تیری تیز ہو گئی ہے اور اخلاق جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اعلیٰ نقشہ تیرے دماغ میں پیدا ہو گیا ہے مجھ کو ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہندوستان میں کوئی شیخ ایسا پایا جائے جو تیری نگاہ میں پُورا پُورا نائب رسول اللہ نظر آئے اگر کسی شیخ میں تو نے علم توجہ کا بڑا کمال دیکھا بھی تو کیا۔ اُس سے تیرے دل میں اس کی کوئی عظمت وقعت نہ ہو گی جس حال میں کہ تو اس میں غیرت اسلامی وحمیت اسلامی کے جوش کو یکبارگی مردہ دیکھے گا۔ اگر کسی میں علمی کمال دیکھا اور اخلاق محمدی کا کوئی اثر نہ پایا تو ہرگز اس کو اپنا شیخ بنانے کے قابل نہ سمجھے گا۔ غرض جناب قاضی صاحب مرحوم کے خیال میں میرے لئے کسی شیخ کا ملنا محال تھا۔"

(تائید حق صفحہ ۶۱)

آگے چل کر مولوی صاحب موصوف صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں:-

"جب میں مدراس گیا ہوا تھا تو میرے مکرم دوست جناب عبدالرحمان ابن حاجی اللہ رکھا سیٹھ صاحب جن کو اُردو کی جدید کتابوں کے پڑھنے اور اخباروں کے دیکھنے کا شوق ہے مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم نے سنا ہے کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے ایک عجیب دعویٰ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلعم نے جس مسیح کے آخر زمانہ میں مسلمانوں کی تائید کیلئے آنے کا وعدہ فرمایا تھا وہ مسیح ابن مریم میں ہوں۔ اس دعوے کے سبب علمائے ہند میں بڑی شورش مچ گئی ہے۔ اور مرزا صاحب کی تکفیر کی جا رہی ہے۔ اس خبر کو سن کر میں نے اپنے مہربان دوست سے کہا کہ میں مرزا صاحب سے مل کر آیا ہوں وہ مکار وفریبی آدمی نہیں۔ ان کو خود دھوکا ہو گیا ہو گا۔ پھر میں نے کہا عشق الٰہی کی راہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں بعض اولیاء اللہ تو انا الحق کا نعرہ مارنے لگتے ہیں۔ علماء حق ان کی تکفیر کرتے ہیں۔" (تائید حق صفحہ ۶۳)

اس کے بعد مسٹر الگزنڈر وب کا واقعہ پیش آیا جس کا خاکسار مؤلف ذکر کر چکا ہے وہ یہ کہ مسٹر الگزنڈر وب کے چندہ میں ناکامی پر حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اپنے پیر سندھ کے ولی کامل سیّد اشہد الدین صاحب کی طرف رجوع کیا تھا اور ان کی شہادت پر کہ خواب میں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُنہیں فرمایا کہ "مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جیسے کہے سو کرو" حاجی عبداللہ عرب صاحب اور سیّد صاحب کے صاحبزادہ قادیان حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے گئے تھے۔ لیکن مولوی حسن علی صاحب ساتھ نہ گئے۔ اس کے بعد کا واقعہ مولوی حسن علی صاحب کی قلم سے سُنو:۔

"۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اُس عالم و مفسّر قرآن سے ملا جو اپنی نظیر اسوقت سارے ہند کیا بلکہ دور دور تک نہیں رکھتا یعنی مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۴ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سُن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے اُن کے معنی و مطالب کو بیان کرنا شروع کئے۔ کیا کہوں اُس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا۔ حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسّر کو دیکھا۔ اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان میں اس زمانہ میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔ جب رات کو میں اپنے قیام گاہ پر آیا تو وہاں ایک نامی لکچرار صاحب بھی قیام پذیر تھے۔ اُن کی ملاقات کو بہت سے حضرات جمع تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ موافقین اُس جلسہ میں بہت کم تھے۔ زیادہ مخالفین ہی تھے۔ مخالفین نے بہت سے الزامات حضرت مرزا صاحب کے بارے میں پیش کئے مگر میں چُپ چاپ سُنتا رہا۔ جب رات کو نماز کیلئے اُٹھا تو میں نے دعا کی کہ خدایا مجھ کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا ہے۔ اس میں آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اور مجھ سے سوال کیا "کیا تم جناب مرزا غلام احمد صاحب کے بارے میں پوچھتے ہو؟" میں نے کہا "ہاں"۔ تو اُنہوں نے کہا "ایک توے کی روٹی کیسی چھوٹی کیا موٹی"۔ اتنا سننا تھا کہ میری نیند کھل گئی۔ صبح کو میں نے احباب سے تذکرہ کیا اور خواب کا حال سنایا۔ مجھ کو اس خواب کی کئی تعبیریں بتائی گئیں۔ کسی نے کہا کہ تمہاری روح کی بناوٹ اور جناب مرزا صاحب کے روح کی بناوٹ ایک طرح ہی کی ہے صرف درجہ کا فرق ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب اور مخالفین مرزا صاحب دونو مسلمان ہیں۔ لوگ ناحق تکفیر کر رہے ہیں۔ روٹی سے مراد مسلمان ہوتا ہے۔ چھوٹا اور موٹا ہونا صرف فرق

مراتب کا بتانا منظور ہے۔ ایک تعبیر یہ بتائی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مثیل عیسیٰ دونوں ایک ہی ڈھنگ کے ہیں گویا ایک توے کی روٹی ہیں یعنی مرزا صاحب کا دعویٰ سچا ہے واللہ اعلم بالصواب میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نورالدین سے ملاقات کرتا۔ لیکن مولوی صاحب ازراہ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آئے۔ میں نے اُن سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ "ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی" جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا۔ حکیم صاحب فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن میں نہ گیا" (تائید حق صفحہ ۶۴ و ۶۵)

اس کے بعد مولوی حسن علی صاحب نے اپنی کتاب تائید حق میں ولی کی شناخت پر بحث کی ہے اور لوگوں کے بنائے ہوئے مختلف معیاروں کو رد کر کے قرآن مجید کے معیار کو لیا ہے جو سورۂ کہف میں مذکور ہے جہاں حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ولی کامل کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ وہ بزرگ نبی و مرسل نہ تھے صرف ولی تھے۔ اس لئے وہاں جو تعریف اس ولی کی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ مشعل ہدایت کا کام دیتی ہے۔ وہ آیت یہ ہے:۔ فوجدا عبدًا من عبادنا اتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علما۔ پس ان دونوں نے (یعنی حضرت موسیٰ اور یوشع بن نون نے) ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی تھی اور اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ولی کامل کی شناخت یہ ہے کہ پہلے وہ خود خدا کا بندہ بنے یعنی اُس کی فرمانبرداری میں کامل طور پر فنا ہو جائے۔ اور ماسوی اللہ اور جذبات نفسانی سے بکلی منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسقدر تعلق پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت اور فضل روحانی اور انکشاف معارف اس طرح حاصل کر سکے کہ اس کے علوم کا سرچشمہ خود جناب باری تعالےٰ ہو جائے۔ ایک بار حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے سوال کیا کہ جب آپ وعظ بیان فرماتے ہیں اس وقت آپ کی زبان سے ایسے معارف نکلتے ہیں کہ جو کسی کتاب کے اوراق میں نہیں دیکھے جاتے تو پھر یہ آپ کہاں سے لاتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ "میں ان کو وہاں سے لاتا ہوں جہاں سے سب علوم اس جہان میں آئے ہیں" حقیقت میں وہ شخص جو صرف دوسروں کے اقوال کا ناقل ہے وہ ایک قسم کی لغت ہے اور بس۔ مبارک ہیں وہ بندے جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے اور جن کا قلب نور بصیرت سے منور ہو گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف بیان فرمائی ہے

وہ ہے ھوالذی بعث فی الامّیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتٰب والحکمۃ رسولِ اجمع یعنی آنحضرتؐ قرآن مجید کی آیات سناتے۔ دلوں کو گناہوں سے پاک وصاف کرتے اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔ مولانا حسن علی صاحب اسی امر کو بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اب اگر حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جانشین ہونا ہے تو ضرور ہے کہ اللہ اس کو اخلاق احمدی سے کچھ حصّہ عنایت فرمادے۔ اس کے کلام میں اثر ہو۔ اُس کی دعا اور باطنی توجّہ کا یہ اثر ہو کہ اسکے معتقدین کے دلوں سے گناہ دور ہوں اور گناہوں سے پاک ہونے کی وجہ سے دل اس قابل ہوجائے کہ علم وحکمت کی باتیں اس پر کھولی جائیں۔ میں معجزہ کا منکر نہیں۔ میں کرامات اولیا کو حق مانتا ہوں۔ لیکن میں سب سے بڑھکر کرامت یہی جانتا ہوں کہ بگڑے ہوئے دل کو کوئی سنوار دے۔ تو بس میاں ہم تو اس کے قائل ہیں ؎

ابن مریم ہوا کرے کوئی ✦ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب اگر جناب مرزا غلام احمد صاحب کی کرامات اور پیشگوئیوں کا ذکر کرتے تو مجھ نالائق پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ لیکن بات اُنہوں نے کہی ایسی کہ کھٹ سے دل میں لگی۔"

(تائید حق صفحہ ۶۸-۶۹)

واعظ فصیح وبلیغ ہونے کے باوجود بعض عملی کمزوریوں کا ذکر کرکے مولوی حسن علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں انجمن حمایت اسلام مدراس کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کیلئے حسب دعوتِ انجمن چلا جارہا تھا تو بمبئی میں جناب عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ جلسۂ انجمن ایک ماہ کیلئے ملتوی رکھا گیا ہے۔ جناب سیٹھ صاحب نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کروں اور ان کے ساتھ قادیان شریف بھی جاؤں جناب عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب کا ارادہ تھا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے بیعت کریں۔ پہلے تو میں نے حیلہ حوالہ کرکے اس سفر کی تکلیف سے بچنا چاہا لیکن سیٹھ صاحب نے مجھکو خوب مضبوط پکڑا۔ سیٹھ صاحب کو مجھ سے حسن ظن تھا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ چل کر دیکھ کہ مرزا صاحب صادق ہیں یا کاذب میں نے کہا الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل مجھ پر کیا ہے کہ میں چہرہ دیکھ کر آدمی کی باطنی کیفیت سے آگاہ ہوجاتا ہوں۔ انسان سے سب کچھ ممکن ہے نیک بد ہوجاتا ہے بد نیک ہوجاتا ہے۔ اگر مرزا صاحب وہ نہیں رہے جو میں نے ۱۸۸۵ء میں دیکھا تھا اور اگر ان میں دنیا داری مکاری آگئی ہے تو میں چہرہ دیکھ کر کہہ دوں گا۔ سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں تجھ کو ساتھ لیجانا چاہتا ہوں

غرض میں عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب کے ساتھ قادیان شریف روانہ ہوا۔ راہ میں بمقام علیگڑھ کانفرنس کا تماشہ دیکھتا اور امرتسر ہوتا قادیان شریف پہنچا۔ ہاں امرت سر میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک پلنگ خاص جناب مرزا صاحب کا ہے۔ حضرت مرزا صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ اس پلنگ پر جا کر لیٹ رہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں یہ گستاخی کیونکر کروں کہ حضور کے بستر پر لیٹوں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ نہیں جی کوئی مضائقہ نہیں تکلف کیوں کرتے ہو۔ غرض تاریخ ۲۰ جنوری ۱۸۹۴ء کو قادیان پہنچا۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے حسب دستور ہم سے ملاقات فرمائی۔ میرے اور سیٹھ صاحب کے قیام کا بندوبست کیا اور نہایت محبت و اخلاق سے باتیں کیں۔ اس پہلی ملاقات ہی میں نگاہ دوچار ہوتے ہی ہمارے پیارے دوست جناب عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب تو اس امام الوقت کے ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ مجھ سے سیٹھ صاحب نے پوچھا کہ جناب مرزا صاحب کو کیسا پاتے ہو۔ میں کیا جواب دیتا۔ میرے تو ہوش دنگ ہو گئے تھے ۱۸۸۶ء میں جن مرزا صاحب کو دیکھا تھا یہ وہ نہ تھے۔ آواز و نقشہ تو وہی تھا لیکن کل بات ہی بدلی ہوئی تھی۔ اللہ اللہ سر سے پاؤں تک ایک نور کے پُتلے نظر آتے تھے۔ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور اخیر رات کو اُٹھ کر اللہ کی جناب میں رویا دھویا کرتے ہیں اُن کے چہروں کو بھی اللہ اپنے نور سے رنگ دیتا ہے۔ اور جن کو کچھ بھی بصیرت ہے وہ اس نور کو پرکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو تو اللہ نے سر سے پاؤں تک **محبوبیت کا لباس** اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ تیرہ ۱۳ دن قادیان شریف میں رہا۔ دونو وقت اس امام ربانی محبوب سبحانی سے ملاقات رہی۔ یہ زمانہ میری عمر کا بہت ہی عمدہ زمانہ تھا۔ حضرت کی بہتیل تصانیف کے دیکھنے کا مجھ کو یہاں اچھا موقعہ ملا۔ آئینہ کمالات اسلام۔ فتح اسلام توضیح مرام۔ ازالہ اوہام۔ شہادت القرآن۔ برکات الدعا وغیرہ کتابوں کو تھوڑا تھوڑا دیکھا۔ عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب نے مہربانی فرما کر ایک ایک جلد حضرت کی تصانیف کی میرے دیکھنے کے لئے خرید فرمائی۔ سیٹھ صاحب کی یہ عمدہ یادگار ابھی تک میرے پاس موجود ہے اور میں نے اس سے بہت بڑا نفع اُٹھایا۔ حضرت کی تصانیف کو دیکھ کر مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ جس مجدد زمان کی مجھ کو تلاش تھی درحقیقت علم آلہی میں وہ جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہی تھے۔ اللہ نے حضرت کو ہی اس موجودہ زمانہ کے فتن کے مقابلہ میں غلبۂ اسلام ظاہر کرنے کیلئے پیدا کیا تھا۔ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ پنجاب کے ایک مولوی صاحب کی سراسر ظالمانہ کارروائی سے علمائے پنجاب و ہند حضرت مرزا صاحب کے سخت مخالف ہو گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے حضرت کے بارے میں وہ وہ عقائد

جو حضرت کے خواب و خیال میں بھی نہیں گزرے تھے تصنیف کر کے علماء سے فتویٰ لیا تھا اور افسوس کہ علماء موجودہ نے کچھ غور و فکر نہیں کیا حقیقت حال کی تفتیش نہیں کی۔ اس تکفیر نامہ پر دستخط کر دیا اور مُہر لگا دی۔ اس تکفیر کی وجہ سے سارے ہند میں حضرت مرزا صاحب سے بڑھ کر کوئی بدنام شخص نہ تھا۔ اب بہت بڑا سوال یہ پیش آیا کہ آیا میں ایسے جلیل القدر امام کا متبع ہو جاؤں اور ناحق کی تکفیر اور ملامت کا ٹوکرا سر پر اٹھاؤں۔ اور جو کچھ عزت میں نے عمدہ واعظ ہونیکی حیثیت سے سارے ہند میں پیدا کی ہے اس کو حق پر قربان کر کے بجائے مقبول خلائق ہونے کے مردود و ملعون بن جاؤں یا شیعوں کی پالیسی اختیار کر کے حضرت مرزا صاحب کے پاس ان کا موافق اور ان کے مخالفوں کے پاس (معاذ اللہ) مرزا صاحب کا مخالف بن کر واہ واہ کی صدا سنوں۔ عجیب کشمکش میں کئی دن میرے قادیان شریف میں گزرے۔ روز رو رو کر جناب باری تعالیٰ میں دعائیں کرتا کہ خداوندا اگر تیری خوشنودی مرزا صاحب کی تابعداری و فرمانبرداری میں ہے تو مجھ پر بذریعہ خواب کے جیسا کہ تو نے بارہا کیا ہے اصل حال کھول دے۔ لیکن ادھر سے سناٹا تھا۔ مالک کی یہی مرضی تھی کہ میں خود خداداد عقل کو استعمال کر کے اپنا نفع و نقصان دیکھ بھال کر کام کروں۔ پٹنہ اسکول کی ہیڈ ماسٹری چھوڑنے سے اس دفعہ بھاری معاملہ تھا۔ اس دفعہ ایک بھاری قربانی کا موقعہ آگیا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں نے تو اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر پیاری اور عزیز چیزوں کو حق پر قربان کر دیا ہے۔ لیکن میں کیا تھا اور میری ہمت ہی کیا تھی۔ ایک قدم آگے رکھتا ایک قدم پیچھے رکھتا۔ شیطان کہتا کہ میاں بربادی اور تباہی اور ذلت و رسوائی سے بچنا ہے تو چپ چاپ قادیان سے نکل چلو۔ فرشتہ کہتا کہ او کم بخت کیا تو نے حدیث نہیں پڑھی کہ جس نے امام وقت کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت پر مرا۔ پھر جس حالت میں خداداد عقل تجھ کو بتا رہی ہے کہ جناب حضرت مرزا صاحب امام زمان ہیں تو اُن سے رُوگردان ہو کر کہاں جائے گا۔ کیا دنیا کی چند روزہ زندگی کے نام اور جھوٹی عزت پر اپنے ابدالآباد کے نفع کو غارت کر دیگا۔ او کوتہ اندیش جس رُوحانی مرض میں تو مبتلا ہے اس کی دوا تک اللہ نے تجھکو پہنچا دیا۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب ایسا بے ریا فاضل اپنا ذاتی تجربہ پیش کر کے اس دوا کا فائدہ مند ہونا بتاتا ہے۔ پھر کیسی کم بختی تجھ کو آئی ہے۔ اپنی صحت رُوحانی کا دشمن بن کر اندرونی پلیدی اور منافقانہ زندگی میں ڈوبا رہنا چاہتا ہے۔ اے حضرات میں نے فرشتہ کی بات سُن لی اور تاریخ ۱۱۔ جنوری ۱۸۹۱ء شب جمعہ کو حضرت امام الوقت مجدد زمان جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سے بیعت کر لی اور ان کو اپنا امام قبول کر لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ بیعت کرنیکے بعد

تین دن تک قادیان شریف میں رہنے کا موقعہ ملا۔ ان اخیر کے تین دن میں جب میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اب میں نماز پڑھتا ہوں یعنی مجھے عجیب حلاوت اور عجیب مزہ نماز میں ملتا تھا۔ ۱۳۔ جنوری ۱۸۹۴ء کو میں اپنے امام سے رخصت ہو کر لاہور میں آیا اور ایک بڑی دھوم دھام کا لکچر انگریزی میں دیا۔ جس میں حضرت اقدس کے ذریعہ سے جو کچھ روحانی فائدہ ہوا تھا اس کا بیان کیا۔ جب میں اس سفر پنجاب سے ہو کر مدراس پہنچا تو میرے ساتھ وہ معاملات پیش آئے جو صداقت کے عاشقوں کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں اُٹھانے پڑتے ہیں۔ مسجد میں وعظ کہنے سے روکا گیا۔ ہر مسجد میں اشتہار دیا گیا کہ حسن علی سنت جماعت نہیں ہے کوئی اس کا وعظ نہ سُنے۔ پولیس میں اطلاع دی گئی کہ میں فساد پھیلانے والا ہوں۔ وہ شخص جو چند ہی روز پہلے شمس الواعظین جناب مولانا مولوی حسن علی صاحب واعظ اسلام کہلاتا تھا صرف حسن علی لکچرار کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پہلے واعظوں میں ایک ولی سمجھا جاتا تھا اب مجھ سے بڑھکر شیطان دوسرا نہ تھا۔ جدھر جاتا انگلیاں اٹھتیں۔ سلام کرتا جواب نہ ملتا۔ مجھ سے ملاقات کرنے سے لوگ خوف کرتے ہیں۔ ایک خوفناک جانور بن گیا۔[1] جب مدراس میں مسجدیں میرے ہاتھوں سے نکل گئیں تو ہندوؤں سے پچھیا ہال لیکر ایک دن انگریزی میں اور دوسرے دن اُردو میں حضرت اقدس امام زمان کے حال کو بیان کیا جس کا اثر لوگوں پر پڑا۔" (تائید حق صفحہ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵)

مولوی حسن علی صاحب پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

رمضان شریف میں اپنے وطن شہر بھاگلپور میں آیا۔ میرے دوست وہم خیال وہم مشرب مولوی صاحبوں میں سے ایک صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تم نے بڑی غلطی کی۔ اچھے طور سے مرزا صاحب کے عقائد کی جانچ پڑتال کر کے بیعت کرنی تھی۔ تمہاری اس عجلانہ حرکت سے اہل اسلام کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ تمہاری

[1] اسی مخالفت کے متعلق مولوی حسن علی صاحب نے ایک نہایت مزیدار لطیفہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ "مدراس کی مسجد والاجاہی میں حضرت مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد جب میں نے درود شریف کا وعظ کہنا چاہا تو روک دیا گیا۔ جب میں وہاں سے چلا تو ایک مسلمان یا ایمان نے مجھ کو کہنا شروع کیا "یہ کافر ہے۔ کافر ہے۔ یہ دجّال ہے۔ یہ دجّال ہے"۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ شخص بھی ہمارے ہی دعوے کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ نہ میں ایک چشم تھا نہ سترہ ہاتھ کے گدھے پر سوار تھا۔ نہ زندہ کو مردہ نہ مردہ کو زندہ کرتا تھا۔ پھر وہ بھلا آدمی مجھ کو دجال کیوں کہتا تھا۔ صرف اسی وجہ سے کہ اس نے اپنے خیال میں یہ سمجھ لیا تھا کہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا متبع ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گیا۔ اور گمراہی پھیلانا چاہتا ہوں۔ پھر جب وہ ایک کلمہ گو اہل قبلہ کو جو فوراً نماز جمعہ پڑھکر درود شریف کے فضائل بیان کرنا چاہتا تھا دجال کہنا جائز سمجھتا تھا۔ تو پھر اگر ہم نے عیسیٰ پرست قوم کو جو گمراہ کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی دجال کہا تو کیا بے جا کیا۔" (تائید حق صفحہ ۱۳۶)

کوششوں سے اہل اسلام کو نفع عظیم پہنچ رہا تھا۔ ایک دوسرے مولوی صاحب نے جو براہین احمدیہ وغیرہ دیکھے ہوئے تھے اور حضرت اقدس کو مجدد زمان مانتے ہیں یہ لکھا تھا کہ تم نے مصلحت زمانہ کے برخلاف کیا۔ صرف جناب مولانا مولوی حکیم احمد حسین صاحب صوفی نے ہی ایک ایسا خط لکھا تھا کہ پڑھ کر دل کو ٹھنڈک ہوئی کہ خیر صوبۂ بہار کے عالموں میں ایک بہت بڑے رتبہ کا عالم مجھکو بیوقوف تو نہیں سمجھتا ہے۔ [1]

جناب مولوی صاحب (یعنی مولانا مولوی احمد حسین صاحب صوفی) کا خط درج ذیل ہے:۔

"فخر انام واعظ اسلام سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مرزا صاحب ایسے رتبۂ عالی کے بزرگ ہیں کہ میں اُن کے کمتر اور ادنیٰ احوال نہیں لکھ سکتا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے وہ گویا قوم کے قلوب کی اصلاح کے لئے تحریر کیا ہے۔ ورنہ اگر جناب مرزا صاحب سلمہٗ کے اوصاف حمیدہ لکھوں تو ایک مجلد کتاب شاید کافی نہ ہوگی۔ زہے نصیب آپ کے کہ آپ نے دست ارادت ان کے ہاتھ میں دیا۔ بارک اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ قوم کے افراد علماء کو نظر انصاف عنایت فرمائے۔ اور لوگوں کی ملامت وغیرہ سے تنگ نہ ہوجیئے اور اپنا کام کئے جایئے۔ انہیں بکنے دیجئے اور کچھ خیال نہ کیجئے۔ قدیم سے یہی حال رہا ہے۔ میں اپنے ایک جانی دوست کا حال لکھتا ہوں کہ جن کے صادق ہونے پر مجھ کو اتنا یقین ہے کہ جتنا مجھ کو اپنے موجود ہونے پر یقین ہے۔ اور چونکہ ان کی اجازت نہیں ہے اس لئے ان کا نام ظاہر نہیں کرسکتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب مرزا صاحب کی زیارت کی ہے اور عجب العجائب بات یہ بیان کی۔ کہ میں نے جس وقت جناب مرزا صاحب کو دیکھا اس وقت میرے پیر و مرشد کا برزخ شریف ہو بہو دکھائی دیا اور فی عمرہ ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا اگرچہ علمائے ظاہر اور مشائخ وقت کی صحبت اکثر رہی اور رہا کرتی ہے۔ اور دو شب پے در پے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا تو ایک مکان عالی میں دیکھا۔ لیکن اس طرح دیکھا کہ وہ مکان عالی خاص مرزا صاحب کا ہے اور میرے پیر و مرشد بطور مہمان کے جناب مرزا صاحب کے یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ تب میں نے ان سے پوچھا کہ تم نے استخارہ کیا ہوگا یا مرزا صاحب کا خیال کرتے سوگئے ہوگے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہی تو زیادہ توجہ کرنے کی بات ہے کہ سونے کے وقت مطلقاً مرزا صاحب کا تصور نہ تھا۔ اور اُنہوں نے کہا کہ

---

[1] مولوی حسن علی صاحب ان مولانا مولوی حکیم احمد حسین صاحب صوفی کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ اتنے بڑے عالم ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب انکے علم کے سامنے ایک طفل مکتب کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ اور ساتھ اس کے ایک صاحب باطن بزرگ ہیں۔

لا شک ولاریب جناب مستطاب حضرت مرزا صاحب دام فیضہٗ ایسے عالی منزلت کے بزرگ ہیں کہ شاید ہی کوئی شخص تختۂ ہند میں ہو۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ تمام عالم میں کوئی نہیں ہے۔ جسے پیا چاہے وہی سہاگن۔ آپ کے سب احباب کو سلام۔

(راقم احمد حسین صوفی عفی عنہ ۸۔ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۰ھ روز سہ شنبہ" (تائید حق صفحہ ۷۶۔۷۷)

آگے چل کر مولوی حسن علی صاحب فرماتے ہیں:۔

"پوچھو کہ مرزا صاحب سے مل کر کیا نفع ہوا۔ اجی بے نفع ہوئے کیا میں دیوانہ ہو گیا تھا کہ ناحق بدنامی کا ٹوکرا سر پر اٹھا لیتا۔ اور مالی حالت کو سخت پریشانی میں ڈال دیتا۔ کیا کہوں کیا ہوا۔ مردہ تھا زندہ ہو چلا ہوں۔ گناہوں کا ذکر کرنا اچھا نہیں (جن سے نجات ملی) ..... قرآن کریم کی جو عظمت اب میرے دل میں ہے۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جو میرے دل میں اب ہے پہلے نہ تھی یہ سب حضرت مرزا صاحب کی بدولت ہے۔ گو میرا جسم بھاگلپور یا بنگالہ میں ہوتا ہے لیکن میری روح قادیان ہی میں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک" (تائید حق صفحہ ۷۹)

خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری انگلستان

خواجہ کمال الدین صاحب جو بعد میں آکر مسلم مشنری انگلستان بنے یہ سب حضرت اقدس مرزا صاحب کا فیض تھا ورنہ یہ خود عیسائی ہو چلے تھے۔ فورمین کرسچن کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ ملانوں کے اسلام سے چونکہ متنفر ہو چکے تھے۔ اور اندر سے دہریہ بن چکے تھے اس لئے اس خیال میں تھے کہ مذہب تو یونہی ایک مذاق ہے۔ پس اس زمانہ میں دنیوی ترقی کے لئے مسیحیوں کی سوسائٹی بہت اچھی ہے کیوں نہ عیسائی ہو جاؤں۔ پادری یولانگ جو فورمین کرسچن کالج کا پرنسپل تھا وہ اُن کا رجحان عیسائیت کی طرف دیکھ کر ان پر بہت مہربان ہو گیا۔ اور یہ بھی بپتسمہ لینے کو تیار ہو گئے۔ پادریوں کی اب ان کے مکان پر بھی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اور بائیبل کے گھنٹہ میں پادری یولانگ صاحب جو بھی عیسائیت کی تائید میں یا اسلام کے خلاف بات کرتے خواجہ صاحب سے وہ اس کی داد طلب کرتے اور خواجہ صاحب فوراً اس کی تائید کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بھی کام نیارے نیارے ہیں۔ وہ خواجہ جو ایک یورپین کے ہاتھ پر عیسائی ہونے لگا تھا آگے چل کر قدرت نے مسیح محمدی کے طفیل اسی کے ہاتھ پر سینکڑوں یورپین عیسائی مسلمان کروانے تھے۔ نہ معلوم خواجہ صاحب کو کہاں سے براہین احمدیہ پہنچ گئی۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا بس پکڑے گئے۔ براہین احمدیہ پڑھ کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہ صرف خدا اور مذہب پر ہی یقین پیدا ہو گیا بلکہ پتہ لگ گیا کہ اگر کوئی سچا مذہب ہے تو اسلام ہی ہے۔ جوں جوں اُسے پڑھتے گئے سچے مسلمان بنتے گئے اور اپنے تمام دہریت اور مسیحیت کے عقائد سے توبہ کی۔ اب جو بائیبل کے گھنٹے میں پادری یولانگ صاحب نے حسب معمول عیسائیت کی تائید میں

کسی بات کی ان سے تصدیق چاہی تو اُنہوں نے ایسی سختی سے اس کی تردید کی کہ پادری غریب حیران رہ گیا۔ اس کے بعد تنہائی میں پادری صاحب سے گفتگو ہوئی تو اُس کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب قادیان پہنچے اور حضرت اقدس کی بیعت کر لی۔ افسوس کہ مجھے خواجہ صاحب کی بیعت کی تاریخ اور سنہ سے باوجود دریافت کرنے کے اُن کے کسی رشتہ دار نے مطلع نہ کیا۔ مگر اتنا جانتا ہوں کہ ۱۸۹۴ء میں مَیں لاہور سے امرتسر جا رہا تھا تو ٹرین میں خواجہ صاحب ملے جو بعد چند احبابِ سلسلہ قادیان جا رہے تھے اس وقت وہ بیعت کر چکے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء میں بیعت کر لی تھی۔ ٹرین میں مسئلہ نبوّت پر ہی بحث تھی۔ اور خواجہ صاحب ثابت کر رہے تھے کہ جزئی نبوّت اُمت محمدیہ میں باقی ہے اسے ہی محدثیت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

حمامۃ البشریٰ

تصنیف و اشاعت کتاب حمامۃ البشریٰ ۱۸۹۴ء میں تصنیف اور شائع ہوئی۔ محمد بن احمد مکّی ایک عرب صاحبِ علم و فضل مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے وہ حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اور کچھ عرصہ قادیان رہ کر وطن کو واپس گئے تو انہوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ ایک کتاب اہل حجاز میں تبلیغ کے لئے عربی میں تصنیف فرما کر مجھے بھیجیں تا مَیں مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں تقسیم کروں۔ اس پر حضرت نے یہ کتاب تصنیف کی جس میں اپنے تمام عقائد اور دعاوی صاف صاف بیان کر دیئے ہیں۔ اور کھول کر لکھا ہے کہ میرا کوئی دعویٰ نبوّت کا نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں :۔ وَمَا كَانَ أَنْ أَدَّعِيَ النُّبُوَّةَ وَأَخْرُجَ مِنَ الْإِسْلَامِ وَالْحَقُّ بِقَوْمٍ كَافِرِينَ۔ ترجمہ: "مجھے یہ کب شایان ہے کہ نبوّت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں میں جا ملوں"۔ اور صاف لکھا ہے کہ میرا مذہب وہی ہے جو اہل السنّت والجماعت کا ہے۔ یہ کتاب عربی کتابوں میں بلحاظ اپنی معقولیت اور دلائل کے حضرت کی کُل کتب عربی میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب عربی دانوں میں بہت مقبول ہوئی ۔

رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان

آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۸۹۴ء میں مارچ اور اپریل کے مہینے میں رمضان کا مہینہ پڑا تھا۔ رمضان کی ۱۳ تاریخ کو چاند گرہن ہوا۔ اور اُسی رمضان کی ۲۸ تاریخ کو سورج گرہن ہوا۔ اور تمام ہندوستان اور مشرقی ممالک میں دیکھا گیا۔ اور یہ ایک زبردست آسمانی نشان تھا جو مدعی مہدویت حضرت مرزا صاحب کی

صداقت کے بارے میں ظاہر ہوا جس کے ظہور کی تیرہ سو برس سے حدیثوں میں پیشگوئی چلی آتی تھی۔ جیسا کہ دارقطنی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت آتی ہے۔ اور امام بیہقی نے بھی اسی قسم کی روایت کا ذکر کیا ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ ان لمهدينا آيتين لم تكونا منذ خلق السموات والارض ينكسف القمر لاول ليلة من رمضان وتنكسف الشمس في النصف منه۔ کہ "بیشک ہمارے مہدی کیلئے دو نشان ہیں جو کبھی کسی دوسرے کیلئے نہیں ہوئے جب سے کہ آسمان و زمین پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رمضان میں چاند گرہن اس کی پہلی رات میں ہوگا اور اُسی مہینہ میں سورج گرہن اس کے درمیان کے دن میں ہوگا" یعنی جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے کسی اور مدعی کے لئے یہ نشان ظاہر نہیں ہوا کہ رمضان کے مہینہ کے اندر ان تاریخوں میں کسوف و خسوف ہوا ہو۔ رمضان میں خسوف پہلی رات میں اور کسوف اُس کے درمیان کے دن میں کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم ہیئت کے رُو سے یہ ایک مسلّم امر ہے کہ چاند گرہن ہمیشہ چاند کے مہینہ کی ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخوں میں سے کسی ایک دن میں ہوتا ہے۔ اور سورج گرہن ہمیشہ چاند کے مہینہ کی ۲۷-۲۸-۲۹ تاریخوں میں سے کسی ایک دن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح حدیثوں میں پیشگوئی تھی کہ رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں یعنی ۱۳۔ رمضان کو چاند گرہن ہوا۔ اور سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیان کے دن میں یعنی ۲۸ رمضان کو سورج گرہن ہوا۔ یہ ایسا زبردست آسمانی نشان تھا جس نے مخالفوں کی کمر توڑ دی۔ اب اُنہوں نے کج بحثی کے رنگ میں یہ بات پیدا کی کہ چاند گرہن رمضان کی پہلی تاریخ کو ہونا چاہئے تھا اور سورج گرہن رمضان کی ۱۵ تاریخ کو ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ رمضان کی پہلی تاریخ کو جو چاند نکلے گا وہ قمر نہیں کہلائے گا ہلال کہلائے گا۔ بلکہ عرب میں پہلی تین تاریخوں تک کا چاند ہلال کہلاتا ہے۔ اس کے بعد قمر کہلاتا ہے۔ اس پیشگوئی میں قمر کا لفظ موجود ہے[1]

دوسری بات جو مولویوں کے خلاف بڑی زبردست ہے وہ یہ کہ چاند گرہن اسی وقت ہو سکتا ہے جب چاند مشرق میں ہو اور سورج مغرب میں ہو۔ تاکہ زمین سورج اور چاند کے درمیان آکر زمین کا سایہ چاند پر پڑ سکے۔ اسی لئے علم ہیئت میں اس کی فقط تین تاریخیں ہیں یعنی چاند کے مہینہ کی ۱۳-۱۴-اور ۱۵ تاریخ۔ اور سورج گرہن اسی وقت ہو سکتا ہے جب چاند اور سورج ایک ہی طرف ہوں اور بالکل نزدیک ہوں تا چاند سورج کے سامنے آکر سورج گرہن پیدا کرے۔ اسی لئے علم ہیئت میں اس کی بھی فقط تین تاریخیں

[1] حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی مولوی عربی زبان میں قمر کا لفظ پہلی رات کے چاند کے متعلق مستعمل ہوتا دکھا دے گا تو اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا لیکن اس چیلنج کے جواب میں کوئی مولوی مقابل پر نہ آیا۔

ہیں اور وہ ہیں چاند کے مہینہ کی ۲۷-۲۸ اور ۲۹ تاریخ۔ پس اس حدیث کے یہ معنی کرنا تو بالکل لغو ہے کہ رمضان کی پہلی تاریخ کو چاند گرہن ہوگا اور رمضان کی ۱۵ تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ یہ مولویوں کی علم ہیئت سے محض ناواقفی کا نتیجہ ہے یا عناد اور تعصب کا۔ صحیح معنے اس حدیث کے یہی ہو سکتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات کو یعنی ۱۳۔ رمضان کو چاند گرہن ہوگا اور سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیانی دن کو یعنی ۲۸۔ رمضان کو سورج گرہن ہوگا اور ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ اور واقعات نے اس حدیث کی صحت اور نیز اس کے اس مفہوم کی صحت پر مہر لگا دی۔ اور لطف یہ ہے کہ اگلے سال ۱۸۹۵ء میں رمضان کے مہینہ کی انہی تاریخوں میں امریکہ میں چاند گرہن اور سورج گرہن ہوا۔ گویا پہلے سال زمین کے مشرقی کرہ کیلئے مہدی کی بعثت پر یہ آسمانی نشان ظاہر ہوا تو دوسرے سال مغربی کرہ کیلئے یہ آسمانی نشان نمودار ہوا۔ یہ اشارہ تھا کہ مہدی کی طرف سے اسلام کی دعوت اور اشاعت مشرق و مغرب یعنی تمام دنیا میں ہوگی۔ یہ ایسا نوادر و عجیب و غریب تھا کہ ان دنوں پایونیر اور سول ملٹری گزٹ نے بھی اقرار کیا کہ یہ خسوف کسوف ایسا عجیب ہے کہ پہلے اس سے اس شکل و صورت پر کبھی نہیں ہوا۔

نور الحق حصہ اوّل و دوم

وجہ تصنیف نور الحق حضرت اقدس مرزا صاحب کی عربی کی تصنیف ہے۔ اس کا پہلا حصہ فروری ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا۔ اور دوسرا حصہ مئی ۱۸۹۴ء میں۔ اس کی تصنیف کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت اقدس کے ساتھ مباحثہ کر کے جب عبداللہ آتھم نے منہ کی کھائی اور عیسائیت کو اس سے سخت زک پہنچی تو پادری عمادالدین امرتسری نے جل کر ایک کتاب توزین الاقوال لکھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ بکواس کی اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر بھی اعتراض کیا۔ اور حضرت اقدس کے خلاف گورنمنٹ کو اکسایا کہ وہ انگریزوں کو دجّال کہتے ہیں اور کوئی دن جاتا ہے جو قوت حاصل کر کے یہ شخص بغاوت کرے گا۔ یہ کتاب پادری عمادالدین نے دورہ کرتے ہوئے سرساوہ میں پیر سراج الحق نعمانی صاحب کو دی۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بھیج دی۔ پندرہ سولہ روز کے بعد پیر صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ مکان کے باہر ٹہل رہے تھے۔ پیر صاحب کو دیکھ کر آپ نے پادری عمادالدین کا ہی ذکر چھیڑا۔ اتنے میں چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس بھی یکہ میں آ گئے حضرت اقدس دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور عمادالدین کی کتاب کا ذکر کیا۔ چودھری صاحب نے عرض کیا کہ وہ کتاب میں بھی لایا ہوں۔ کتاب کے دیکھنے اور پڑھنے سے مجھ کو سخت رنج ہے کہ پادری عمادالدین نے وہ باتیں لکھی ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔ صرف افترا اور بہتان سے پُر ہے۔

پیر سراج الحق صاحب نے عرض کیا کہ پادری عماد الدین لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ولی نہیں۔ اس پر فرمایا کہ اس کو خبر ہی کیا ہے کہ ولی کیسے ہوتے ہیں اور کن پر ولایت کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ اب پادری عماد الدین آنکھیں کھول کر دیکھے اور دم نقد دیکھے کہ ولی کیسے ہوتے ہیں۔ اور اب تو ولی الاولیاء موجود ہے۔

نور الحق حصہ اوّل چنانچہ حضرت اقدس نے کتاب نور الحق حصہ اوّل میں توزین الاقوال کے ان اعتراضات کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر تھے جواب نہایت زبردست اور معقول و مدلّل دے کر پادری عماد الدین کو بڑے زور سے چیلنج کیا کہ تو جو قرآن کریم جیسی افصح و ابلغ کتاب پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اس عربی کتاب نور الحق حصہ اوّل کی اشاعت کی تاریخ سے دو ماہ[1] کے اندر اس کتاب کا جواب اسی قسم کی فصیح عربی زبان میں اگر لکھ کر پیش کرے تو ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ پانچ ہزار روپے تجھے انعام دیں گے۔ اور یہ پانچ ہزار روپے ہم سرکاری بینک میں جمع کرا دینے کو تیار ہیں۔ اور اس کام کے لئے تو اپنے مددگاروں کو خواہ وہ پادری ہوں یا مولوی بلا لے۔ اور اپنے خداوند مسیح کو بھی بیشک پکار لے۔ کیونکہ تو عربی زبان سے بالکل نابلد ہے۔ اور دو لفظ جوڑ کر ایک فقرہ بھی عربی زبان کا نہیں بنا سکتا۔ اس نالائقی اور عربی زبان سے لاعلمی کے باوجود تیرا قرآن جیسی فصاحت و بلاغت سے پُر کتاب پر اعتراض کرنا محض اپنی جہالت کا اظہار نہیں ہے تو کیا ہے۔ پس اب مقابلہ کے میدان میں نکل اور اس کتاب کی تاریخ اشاعت سے دو ماہ تک عربی زبان میں جواب لکھ کر شائع کرا اور پانچ ہزار روپے انعام لے۔ اور اگر مقابلہ پر نہ آیا تو ایک ہزار لعنت وصول کر۔ چنانچہ اس کتاب کے آخر میں آپ نے ایک ہزار لعنت نمبروار لکھی ہے اور فرمایا ہے کہ مقابلہ سے پیٹھ پھیرنے والا ان ایک ہزار لعنت کا مستحق ہے۔ اس کے بعد مذہب عیسائیت کی سخت تردید کی اور گورنمنٹ برطانیہ کو بتلایا کہ ہم یورپین اقوام کو بلحاظ اُن کے مذہب کے ضرور دجال کہتے ہیں کیونکہ ان مسیحی لوگوں نے مذہب میں بڑے بڑے دھوکے دیئے ہیں اور آنحضرت صلعم اور اسلام کے متعلق نہایت درجہ غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔ مگر حکومت کے لحاظ سے ہم گورنمنٹ برطانیہ کے بہت شکرگزار ہیں کہ ہمیں پوری مذہبی آزادی اور ہر طرح امن حاصل ہے۔ ایسی پُرامن گورنمنٹ سے بغاوت یا ان کے ساتھ جہاد بالسیف کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ پھر جہاد پر نہایت لطیف بحث کرتے ہوئے بتلایا کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کا کام یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و یدعون الی الخیر بتلایا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے اور اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کا کام کافروں کو قتل کرنا کہیں نہیں بتلایا۔ البتہ جہاں دشمن مسلمانوں کو اور اسلام کو تلوار سے نیست و نابود کرنا چاہے جیسا کہ

---

[1] حضرت اقدس نے نور الحق کتاب دو ماہ کے اندر لکھی تھی۔

ابتدائے اسلام میں ہتھیار اٹھانا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن خواہ مخواہ کافروں کو قتل کرتے پھرنا یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ پھر لکھا کہ ہمارا کام غیر مسلم اقوام کو دلائل اور براہین کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ تحریر فرماتے ہوئے کہ میں انگریز قوم کے محقق لوگوں کو اسلام کے انڈے سمجھتا ہوں۔ اسی کتاب میں آپ نے قیصرۂ ہند ملکہ معظمہ وکٹوریہ کو بھی اسلام کی طرف دعوت دی۔

یہ کتاب آپ نے رجسٹری کرا کے بہت سے پادریوں کو بھیجی اور سب کو مقابلہ پر آنے کے لئے للکارا۔ مگر دوسرے پادریوں نے تو کیا سامنے آنا تھا خود اس سارے فتنہ کا بانی پادری عماد الدین ایسا چپ ہوا کہ بات نہ منہ سے نکلی اور ایک ہزار لعنت قبول کر لینے میں ہی اُس نے اپنی نجات سمجھی۔ لیکن آپ نے جھوٹے کو اسکے گھر تک پہنچانے کے چھوڑا۔

نور الحق حصہ دوم نور الحق کا دوسرا حصہ ۱۸ مئی ۱۸۹۴ء کو جو آپ نے شائع فرمایا تو اس کے سرورق پر یہ تنبیہ تحریر فرما دی کہ "یہ کتاب معہ پہلے حصہ کے پادری عماد الدین اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعت السنۃ اور ان کے انصار و اعوان کی حقیقت علمیہ ظاہر کرنے کیلئے تیار ہوئی ہے جس کے ساتھ پانچ ہزار روپے انعام کا اشتہار ہے۔ اگر چاہیں تو روپیہ پہلے جمع کرا لیں۔ اور اگر بالمقابل کتاب لکھنے کے لئے تیار ہوں اور انعامی روپیہ جمع کرانا چاہیں تو ایسی درخواست کی میعاد اخیر جون ۱۸۹۴ء تک ہے بعد اس کے سمجھا جائے گا کہ بھاگ گئے اور کوئی درخواست منظور نہ ہوگی۔

نور الحق حصہ دوم میں آپ نے اپنے دعوے پر بحث کی ہے اور رمضان میں سورج گرہن اور چاند گرہن والے نشان پر جو تازہ واقع ہوا تھا بڑا زور دیا ہے اور ان اعتراضات کا بڑا مبسوط اور تسلی بخش جواب دیا ہے جو مولوی لوگ اس پیشگوئی پر کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے اس کتاب میں عیسائیوں اور بالخصوص مغربی اقوام یورپ و امریکہ کے لوگوں کی اسلام کے بارے میں بے خبری کا ذکر کرتے ہوئے ان ممالک میں مبلغین بھیجے جانے اور وہاں اسلام کی صحیح تعلیم کو بذریعہ لٹریچر پھیلانے پر بڑا زور دیا ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد جون کا سارا مہینہ گزر گیا۔ مگر نہ کسی پادری نے اور نہ کسی مولوی نے مقابل میں آنے کی جرأت کی۔

یہاں میں حضرت اقدس کی ایک نظم میں سے جو براہین احمدیہ حصہ سوم میں ہے چند اشعار نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اس موقعہ کے نہایت حسب حال ہیں کیونکہ ان میں بھی اسی رنگ کے معترض عیسائیوں کو نہایت زبردست چیلنج دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

؎ آؤ عیسائیو ادھر آؤ	نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ
جسقدر خوبیاں ہیں قرآں میں	کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

کب تلک چھوٹ سے کرو گے پیار | کچھ تو مسیح کو بھی کام فرماؤ
اے عزیزو سنو گہ بے قرآں | حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں | اُن پہ اس یار کی نظر ہی نہیں
اس کے منکر جو بات کہتے ہیں | یونہی ایک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہے کہ میرے پاس آویں | میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اُس دلستاں کا حال سُنیں | مجھ سے وہ صورت جمال سُنیں

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی
نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

اتمام الحجۃ

وجہ تصنیف اتمام الحجۃ بھی حضرت اقدس کی عربی تصنیف ہے اور جون ۱۸۹۴ء میں مولوی رسل بابا امرتسری پر حجت تمام کرنے کیلئے شائع ہوئی۔ مولوی رسل بابا امرت سر کے ایک مشہور کشمیری عالم و فاضل تھے اور حضرت اقدس کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے۔ اُنہوں نے ایک رسالہ حیات المسیح لکھا تھا۔ اس میں مسیح ناصری کی حیات اور اُن کے آسمان پر زندہ بجسدہ العنصری ہونے پر بڑا زور دیا تھا۔ اسکے جواب میں حضرت اقدس نے عربی میں یہ رسالہ اتمام الحجۃ تصنیف کیا۔ اور وفات مسیح کو اس شرح وبسط کے ساتھ اس میں ثابت کیا ہے کہ اس مسئلہ پر دن چڑھ گیا ہے۔ اور چونکہ مولوی رسل بابا نے رسالہ حیات المسیح میں اپنے بالمقابل وفات مسیح ثابت کرنیوالے کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے اس رسالہ میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ "مولوی رسل بابا صاحب ماہ جون ۱۸۹۴ء کے اخیر تک یہ ایک ہزار روپیہ امرتسر کے رؤسا شیخ غلام حسن صاحب اور خواجہ یوسف شاہ صاحب اور میر محمود شاہ صاحب یعنی بالاتفاق ان تینوں صاحبان کے پاس جمع کرا کے اُن کی دستی تحریر کے ساتھ ہم کو اطلاع دیں جس تحریر میں ان کا یہ اقرار ہو کہ ہزار روپیہ ہم نے وصول کر لیا اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے غلبہ ثابت ہونے کے وقت یہ ہزار روپیہ ہم بلا توقف مرزا مذکور کو دیدیں گے اور رسل بابا کا اس سے کچھ تعلق نہ ہوگا۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

"فیصلہ کیلئے یہی کافی ہوگا کہ شیخ بطالوی (یعنی محمد حسین بٹالوی) مولوی رسل بابا صاحب کے رسالہ کو پڑھ کر اور ایسا ہی ہمارے رسالہ کو اوّل سے آخر تک دیکھ کر ایک عام جلسہ میں قسم کھا جائیں بالله

قسم کا یہ مضمون ہو کہ اے حاضرین ایجزا میں نے اول سے آخر تک دونوں رسالوں کو دیکھا اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ درحقیقت مولوی رسل بابا صاحب کا رسالہ یقینی اور قطعی طور پر حضرت عیسیٰ کی زندگی ثابت کرتا ہے۔ اور جو مخالف کا رسالہ نکلا ہے اس کے جوابات سے اس کے دلائل کی بیخکنی نہیں ہوئی۔ اور اگر میں نے جھوٹ کہا ہے یا میرے دل میں اس کے برخلاف کوئی بات ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ ایک سال کے اندر مجھے جذام ہو جائے یا اندھا ہو جاؤں یا کسی اور بڑے عذاب سے مر جاؤں۔ فقط۔ تب تمام حاضرین تین مرتبہ بلند آواز سے کہیں کہ آمین آمین۔ آمین۔ اور جلسہ برخاست ہو۔ پھر اگر ایک سال تک وہ قسم کھانے والا ان بلاؤں سے محفوظ رہا تو کمیٹی مقررشدہ رسل بابا کا ہزار روپیہ اسکو عزت کیساتھ واپس دیگی۔ تب ہم بھی اقرار شائع کریں گے کہ حقیقت میں مولوی رسل بابا نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی ثابت کر دی ہے۔ مگر ایک برس تک وہ روپیہ کمیٹی مقررشدہ کے پاس جمع رہے گا۔ اور اگر مولوی رسل بابا صاحب نے اس رسالہ کے شائع ہونے سے دو ہفتہ تک ہزار روپیہ نہ جمع کرا دیا تو ان کا کذب اور دروغ ثابت ہو جائے گا۔ تب ہر ایک کو چاہئے کہ ایسے دروغ گو لوگوں کے شر سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور اُن سے پرہیز کریں۔" (اتمام الحجۃ صفحہ ۲۸)

اس رسالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جب ان مولویوں کے سب و شتم اور فتاوائے کفر سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو یہ لوگ میرے بارے میں بددعائیں کرنے لگے۔ اور جب بددعائیں بھی بیکار گئیں تو گورنمنٹ میں جھوٹی مخبریاں شروع کر دیں۔ غرضکہ شب و روز ہماری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں مگر جس نور کو خدا نے روشن کیا ہے وہ اُن کی منہ کی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا۔

اس رسالہ کے شائع ہونے کے بعد مولوی رسل بابا صاحب کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ پھر آواز نکالیں۔ اُن کا وہ ایک ہزار روپیہ کا انعام بھی کہیں غائب غلّہ ہو گیا۔ البتہ اپنی جگہ دوسرے مولویوں کے دوش بدوش حضرت مرزا صاحب کی مخالفت اور امرتسر کے احمدیوں کی ایذا دہی میں لگے رہے۔ جب پنجاب میں طاعون پھیلی تو مولوی رسل بابا صاحب کے بعض نادان دوست اُن کو اور اپنے آپ کو طاعون کا نشانہ نہ ہونے میں بطور نشان پیش کرنے لگے کہ ہمیں کیوں طاعون نہیں ہوتی۔ رسل بابا کو کیوں طاعون نہیں ہوتی۔ آخر خدائے غیور نے رسل بابا کو طاعون میں پکڑا اور وہ بیچارے ۸۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کو طاعون سے امرتسر میں فوت ہو گئے۔

سرالخلافہ

آیت استخلاف کے صحیح و کامل مصداق حضرت ابوبکر تھے

یہ کتاب بھی حضرت اقدس کی عربی تصنیف ہے اور جولائی ۱۸۹۴ء کو شائع ہوئی۔ اس میں مسئلہ خلافت پر بحث فرمائی ہے۔ اور شیعہ اور سنیوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چاروں خلفاء کی نسبت یہ امر ماننے کے باوجود کہ ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی اپنی جگہ نہایت موزوں اور قابل اور خدا کا برگزیدہ اور خادم اسلام تھا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ آیت استخلاف کا صحیح اور کامل طور پر مصداق اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر تھے۔ اور اس کے لئے آپ نے آیت استخلاف پر بڑی شرح وبسط سے بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ اس آیت کا ایک ایک لفظ جس طرح حضرت ابوبکر کی خلافت کی تصدیق کرتا ہے وہ کسی اور کی خلافت کی تصدیق نہیں کرتا۔ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین سخت تزلزل میں پڑ گیا تھا اور کس قدر زبردست خوف کی حالت اس پر طاری ہوگئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے ذریعہ دین کے اس تزلزل کو دور کرکے اسے تمکین بخشی اور خوف کو امن سے بدل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب توحید پھر نہایت مضبوطی اور استحکام سے تمام عرب میں پھیل گیا اور اس کی اشاعت دیگر ممالک میں ہونے لگی۔ اس کے بالمقابل حضرت علی کے زمانہ میں باوجود اُن کے زہد وتقویٰ کے نہ تو دین کی کسی رنگ میں تمکین ہوئی اور نہ خوف ہی امن سے بدلا۔ بلکہ پہلا بھی سارا امن خوف سے بدل گیا اور دین کی جڑیں تک ہل گئیں۔ اس لئے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آیت استخلاف کے مطابق خلافت محمدیہ کا کوئی نشان اُن کی خلافت میں نہیں ملتا۔ پس آیت استخلاف کا مصداق حقیقی اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر تھے جن کے زمانہ میں آیت استخلاف کے پیش کردہ علاماتِ خلافت محمدیہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا کا نظارہ ہمیں بیّن طور پر نظر آتا ہے یعنی دین کو تمکین حاصل ہوئی اور خوف امن سے بدل گیا۔

تبرّے بازی خلاف قرآن ہے

اسی کتاب میں آپ نے قرآن کریم کی آیات بیّنات سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اصحاب ثلاثہ پر تبرّے بازی کرنا قطعاً خلاف قرآن ہے اور آیات قرآنی سے اس پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم فرماتا ہے کہ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الحجرات) کہ اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کروادو۔ گویا مسلمانوں میں سے

باغی گروہ کو بھی مومن ہی قرار دیتا ہے۔ کافر یا فاسق نہیں کہتا۔ بلکہ اسی سورت میں دوسری جگہ کافر یا فاسق یا بُرے نام سے یاد کرنے والوں کو ظالم ٹھیراتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد کیا ہے کہ ولا تنابزوا بالالقاب بئس اسم الفسوق بعد الایمان۔ ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون ۰ (الحجرات) کہ ایک دوسرے کا بُرا نام نہ دھرو۔ ایمان کے بعد فسق کا نام دینا بہت بُرا ہے۔ اور جو اس سے باز نہیں آئینگا پس وہی لوگ ظالم ہیں۔ گویا مومن کا نام کافر یا فاسق رکھنے یا اسے اور کسی بُرے نام سے یاد کرنے کی سخت مذمت کی۔ اور اس سے باز نہ آنے والے کو ظالم قرار دیا۔ تو صحابہ کی دو جماعتوں میں اگر اختلاف ہوگیا اور وہ آپس میں لڑ بھی پڑے تو ان میں سے کسی ایک جماعت کو بُرے نام سے یاد کرنا کس قدر بڑا ظلم اور خلاف ہدایت قرآن ہے ۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا مقصود دنیا پرستی نہ تھا

پھر اسی کتاب میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے غاصب و ظالم ہونے کے الزام کو رد کیا ہے اور دکھایا ہے کہ اگر انہیں خلافت سے کچھ بھی دنیا پرستی مقصود ہوتی تو خلافت کے زمانہ میں جبکہ انہیں ایک عظیم الشان شہنشاہ کا مقام حاصل تھا وہ فقر کے لباس میں کیوں رہتے اور اپنے بعد اپنی اولاد کو خلافت کیلئے کیوں نہ نامزد کر جاتے جیسا کہ ابناء الدنیا کا قاعدہ ہے۔ غرضکہ اس ساری بحث کو بڑے مشرح و بسط کے ساتھ نہایت مدلل طور پر آپ نے اس کتاب میں بیان فرمایا ہے اور پھر جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم لدنی ملا تھا اُس کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے کہ حضرت ابوبکر تمام صحابہ میں سب سے بڑی شان اور سب سے بڑا درجہ رکھتے تھے۔ پھر قرآن اور حدیث سے حضرت ابوبکر کی خدمات دینیہ اور آپ کے فنا فی الرسول ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر کے بالخصوص اور تمام صحابہ کے بالعموم فضائل پر بحث کی ہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانہ کے امن اور حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ کے فتن و فساد کا مقابلہ کیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے فضائل کا بھی ذکر کیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ دونو بزرگ خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں لیکن خلافت کا معاملہ جدا ہے۔ اس معاملہ میں آیت استخلاف کے مطابق جو کامیابی حضرت ابوبکر کو نصیب ہوئی وہ اور کسی کو نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں چونکہ مہدی کی پیشگوئی شیعوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے اس لئے آمد مہدی کے مسئلہ اور اپنے دعوئے مہدویت پر بھی اس کتاب کے دوسرے باب میں بحث فرمائی ہے اور بڑی خوبی اور بسط سے اپنے دعوئے مہدویت کو ثابت کیا ہے۔ کتاب کی خوبی پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے ۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم کا رجوع الی الحق سے فائدہ اُٹھانا

اور حضرت مرزا صاحب کا اسکو مباہلہ اور قسم کے لئے چیلنج دینا

انوار الاسلام۔ ضیاء الحق۔ کتاب انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم کی اشاعت

عبداللہ آتھم کا رجوع الی الحق سے فائدہ اُٹھانا

جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں ڈپٹی عبداللہ آتھم نے اپنے متعلق پیشگوئی میں رجوع الی الحق سے فائدہ اٹھایا۔ اوّل تو جس وقت حضرت اقدس نے ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو یہ پیشگوئی سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دجال کہنے کی سزا میں وہ پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائیگا اُسی وقت اُس نے زبان نکال کر اور کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا کہ معاذ اللہ میں نے کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہا۔ گویا جس امر کی سزا سے ملنے لگی تھی اس سے رجوع تو اس نے اُسی وقت کر لیا تھا لیکن اس وقت اس امر کی طرف سے لوگوں کو ذہول رہا۔ پھر اس کے بعد اُس نے اس پیشگوئی کے رعبناک مضمون کو اپنے اوپر وارد کر لیا۔ اور جس قدر ایک انسان ایک سچی اور واقعی بلا سے ڈر سکتا ہے اسی قدر وہ اس پیشگوئی سے ڈرا اور اس کا دل ظاہری حفاظتوں سے بھی مطمئن نہ ہو سکا اور حق کے رعب نے اسے دیوانہ سا بنا دیا۔ اسے ہر وقت نظر آنے لگا کہ ایک سانپ ہے جو اس کے ہر وقت پیچھے پڑا رہتا ہے کہ اُسے ڈسے اور جس سے وہ کسی وقت بھی محفوظ نہیں ہے۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اُسے مسمرائز کر کے اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وجہ سے امرتسر سے بھاگ کر لدھیانہ اپنے داماد کے پاس چلا گیا وہاں اُسے اتوں کو ایسا نظر آتا تھا گویا مسلح آدمی کبھی پیدل اور کبھی سوار کوٹھی کے احاطہ میں گھس آئے ہیں اور اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ان نظاروں کے اثر سے آتھم صاحب اپنی کوٹھی میں بہت رویا کرتے تھے۔ لیکن کبھی یہ نہیں بیان کیا کہ کسی انسان نے اُن پر حملہ کیا بلکہ ہر وقت ایک پوشیدہ ہاتھ کا خوف اُن کے چہرہ پر نمایاں تھا۔ اور وہ خوف اور بے آرامی بڑھتی گئی اور دل کی غمناکی اور دھڑکا زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ باوجود پولیس کے پہرہ کے وہ کوٹھی ڈراؤنی معلوم ہونے لگی۔ وہاں سے وہ بھاگ کر فیروز پور اپنے دوسرے داماد کے پاس پہنچے۔ وہاں بھی وہی تلواروں یا نیزوں والے آدمی نظر آتے رہے۔ گو پولیس کا پہرہ برابر لگا رہتا تھا۔ مگر بار بار وہ مسلح سوار یا پیدل اُنہیں شب کو نظر آتے اور وہ چلایا کرتے اور پولیس والوں اور اپنے رشتہ داروں کو حیرت میں ڈال دیتے کہ آدمی تو کہیں نظر نہیں آتا یہ انہیں ہو کیا گیا ہے۔ لیکن ہونا کیا تھا۔ یہ تو یقینی بات تھی کہ ظاہر طور

پر تو نہ کوئی سانپ اُن کے پیچھے لگا ہوا تھا اور نہ کوئی مسلح آدمی اُنہیں قتل کرنے آتے تھے۔ ورنہ ضرور تھا کہ کسی اور شخص کو بھی کچھ نظر آتا۔ ان کے اعزّا و اقربا بھی سب حیران تھے۔ اور پولیس جو پہرہ پر تھی وہ بھی حیران تھی کیونکہ کسی کو بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ خود ڈپٹی آتھم صاحب نے ہی جو تمام عمر ڈپٹی رہے اور قانون فوجداری سے بخوبی واقف تھے کسی تھانہ میں رپورٹ کر کے کبھی یہ درخواست کی کہ مرزا غلام احمد کو پکڑو یہ سانپ بھی اُسی کا چھوڑا ہوا ہے اور آدمی بھی اُسی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ بات یہ تھی کہ وہ خود بھی یہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ نظارے مادی نہیں بلکہ باطنی ہیں۔ اسی لئے ظاہری حفاظت یہاں کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان نظاروں کے بعد وہ رویا بھی کرتے تھے۔ انہوں نے نور افشاں اخبار میں یہ سب حالات چھپوائے مگر قانونی طور پر کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔

اب ظاہر ہے کہ آتھم صاحب کے یہ باطنی نظارے دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو واقعی خدا کی طرف سے عذاب کے ملائکہ سانپ یا مسلح آدمیوں کی شکل میں نظر آتے تھے اور یا اگر اس طرح نہ مانو تو پھر ان کا دل اس پیشگوئی کے رعب سے اس قدر ڈر گیا تھا کہ دماغ تک خراب ہو گیا تھا اور ان کو مجنونوں کی طرح نظارے نظر آنے لگے تھے۔ وہ مجنون تو قطعاً نہ تھے یہ سب کو مسلّم ہے۔ پھر یہ پیشگوئی کا ڈر تھا جس نے ان کے دل و دماغ پر اس قدر اثر ڈالا ہوا تھا کہ وہ ڈرتے پھرتے تھے اور اُنہیں کوئی پناہ کی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ مقام غور ہے کہ جب تک اسلام کی صداقت پر دل کے اندر ایمان نہ ہو گیا کوئی شخص اسقدر ڈر سکتا ہے؟ اگر انہیں صرف اتنا ڈر ہوتا کہ مرزا غلام احمد صاحب کوئی آدمی بھیجکر قتل نہ کروا دیں تو پھر پولیس کے پہرہ کے باوجود ایسے مسلح آدمیوں کا نظر آنا کیا معنے رکھتا ہے جو دوسرے لوگوں کو نظر نہ آتے تھے۔ اور باوجود ان کے بار بار نظر آنے کے تھانہ میں رپورٹ کیوں نہ لکھوائی اور باقاعدہ تفتیش کیوں نہ کروائی کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح بار بار حملے کرنے آتے ہیں۔ پھر مسمرائز شدہ سانپ کا نظارہ کس لئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈپٹی آتھم صاحب خود بھی ان تمام نظاروں کو اچھی طرح جانتے تھے کہ باطنی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ باطنی نظارے اسی بات کا نتیجہ ہو سکتے ہیں کہ دل پیشگوئی کی صداقت سے مرعوب ہو۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کی صداقت کا دل میں ایمان نہ ہو۔ یہ دل کے ایمان کا ہی اثر تھا جو وہ اس پیشگوئی سے اسقدر ہراساں و ترساں تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آتھم کو ایسی حالت میں ہلاک کرے کیونکہ یہ اس کے قانون قدیم اور سنّت قدیمہ کے مخالف ہے۔ اور نیز یہ الہامی شرط سے بھی مغائر اور برعکس تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق جب چالیس دن کے اندر عذاب آنے کی پیشگوئی کی تھی تو وہاں تو کوئی شرط بھی نہ تھی لیکن ان کے ڈرنے اور اپنی کرتوتوں سے توبہ کرنے اور

گریہ وزاری کرنے کی وجہ سے وہ عذاب ٹال دیا گیا۔ اس میں حضرت یونس جیسے عظیم الشان نبی کو شرمندہ بھی ہونا پڑا اور بڑا سخت ابتلا آیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ناحق اپنے بندوں کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ عذاب کی پیشگوئی دراصل ہوتی ہی اسی لئے ہے کہ بندہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجاوے اور ڈر کر اپنی اصلاح کرلے تا وہ عذاب سے بچ جاوے۔ پس وعید کی پیشگوئیاں خواہ شرط مذکور ہو یا نہ ہو ہمیشہ مشروط ہوتی ہیں۔ اور یہاں تو شرط بھی موجود تھی کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور حق کی طرف رجوع کرنا مذکورہ بالا امور سے صاف عیاں ہے۔ علاوہ بھی ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب جو ہمیشہ اسلام کے خلاف زہر اگلا کرتے تھے ایسے چپ ہوئے کہ اس پندرہ ماہ میں کبھی ایک لفظ اسلام کے خلاف نہ زبان سے نکالا اور نہ قلم سے لکھا دیپالپور ضلع منٹگمری مجھے (یعنی خاکسار مؤلف کو) ایک دفعہ جانا پڑا تو وہاں کا ذیلدار مجھے ملا۔ وہ حضرت مرزا صاحب کا مرید نہ تھا۔ باتوں باتوں میں آتھم صاحب کا جو ذکر آگیا تو کہنے لگا آتھم صاحب اس ضلع میں مال افسردہ چکے ہیں۔ دورہ پر جب آتے تو ہمیشہ مذہبی مباحثہ کرتے رہتے اور اسلام کے خلاف زہر اگلتے رہتے۔ لیکن پیشگوئی کے بعد اس پندرہ ماہ کے اندر مجھے اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اسلام کے متعلق ایک لفظ تک نہیں بولے۔ غرضکہ تقریر و تحریر دونوں میں اسلام کے خلاف ایک لفظ بھی اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں آتھم صاحب بولے اور نہ لکھا۔ اور ڈرتے اس قدر رہے کہ اس قدر ڈر سوائے اس شخص کے جو اندر ہی اندر اسلام کی صداقت سے کھایا گیا ہو کسی اور سے کبھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اسی حالت میں جب پندرہ ماہ گزر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس رجوع الی الحق کی وجہ سے انہیں مہلت عطا فرمائی تو عیسائیوں نے اُس پر بڑی خوشیاں منائیں اور اپنی جہالت اور نادانی سے اسے عیسائیت کی فتح سمجھ کر ۶۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو امرتسر میں اس کا ایک جلوس نکالا اور جشن بھی منایا۔ لیکن آتھم صاحب کا دل اس قدر پژمردہ اور افسردہ تھا کہ اُن کے چہرہ پر کوئی خوشی کے آثار نمایاں نہ تھے۔ چنانچہ امرت سر شہر میں جس وقت عیسائیوں نے آتھم صاحب کا جلوس نکالا تو آتھم صاحب ایک فٹن پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایسے بے حس حرکت بیٹھے ہوئے تھے جیسے ایک لاش ہوتی ہے چونکہ امرتسر میں حضرت اقدس کا مباحثہ آتھم صاحب سے ہوا تھا اسلئے اسکے متعلق پیشگوئی کا یہاں بہت چرچا تھا۔ آتھم صاحب کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر شہر بھر میں مشہور ہو گیا کہ آتھم تو پیشگوئی کے مطابق مر گیا۔ مگر انگریزوں نے لاش میں بھس بھر کر اسے فٹن میں بٹھایا ہوا ہے۔ اور یہ افواہ اس زور سے عوام الناس میں پھیلی کہ میں (یعنی خاکسار مؤلف) جو اُن دنوں امرتسر میں موجود تھا نماز عصر کیلئے مسجد میں گیا (وہ حنفیوں کی مسجد تھی) تو وہاں لوگوں کو ذکر کرتے ہوئے سُنا کہ "واہ رے فرنگیوں کی چالاکی۔ مرے ہوئے آدمی میں بھس بھر کر اور فٹن میں بٹھا کر اُس کا جلوس نکال مارا"۔ میں نے پوچھا کہ "کس مرے ہوئے آدمی میں بھس بھر کر جلوس نکالا" کہنے لگے

واہ صاحب آپ کو پتہ نہیں۔ آج آتھم کا جلوس پادریوں نے نکالا تھا۔ آتھم تو مرزا صاحب قادیانی کی پیشگوئی کے مطابق پندرہ ماہ کے اندر مر چکا تھا مگر آج پندرہ ماہ پورا ہونے کے بعد فرنگیوں نے لوگوں کو یہ بتانے کو کہ وہ زندہ ہے اس کی لاش میں بھس بھر کر اس کا ایک جلوس نکالا۔" میں نے کہا یہ کیسے پتہ لگا کہ "مردہ میں بھس بھرا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ زندہ ہی ہو۔" وہ بولے۔ "واہ صاحب کیا ہم مرے ہوئے اور زندہ آدمی میں فرق نہیں کر سکتے۔ آتھم کا بیجان بُت صاف نظر آتا تھا۔ نہ بولتا تھا نہ حرکت کرتا تھا۔ آنکھیں تک تو جھپکتی نہ تھیں۔" مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا بالخصوص اس لئے کہ وہ لوگ حضرت مرزا صاحب کے مرید نہ تھے بلکہ پکے حنفی تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ اب کہاں ہے۔ کہنے لگے "پادری ہنری مارٹن کلارک کی کوٹھی پر عیسائیوں نے بڑا جشن منایا ہے وہیں اس کا مُردہ بھی ہوگا۔" میں نماز پڑھ کر سیدھا پادری ہنری مارٹن کلارک کی کوٹھی کی طرف دوڑا۔ کوٹھی شہر سے باہر خاصہ فاصلہ پر تھی۔ میں دوڑتا ہوا سیدھا وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ پادری کلارک صاحب کی کوٹھی کے صحن میں شامیانہ تنا ہوا ہے۔ کرسیاں میز لگے ہوئے ہیں اور بہت سے عیسائی جمع ہیں اور چائے کی پارٹی ہو رہی ہے۔ سامنے ایک کرسی پر عبداللہ آتھم بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن بالکل بے حس و حرکت۔ میں اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور کچھ عرصہ دیکھنے کے بعد مجھے بھی یہی گمان ہوا کہ یہ واقعی لاش ہے جو ایک کرسی پر رکھی ہوئی ہے۔ نہ بولے نہ کوئی حرکت کرے یہاں تک کہ پلکیں تک نہ جھپکتی تھیں۔ اب تو مجھے بڑا شوق ہوا کہ اُسے نزدیک سے دیکھوں۔ چنانچہ ایک صاحب سے جو چائے کے مہتمم تھے میں نے کہا کہ میں آتھم صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اس پر وہ مجھے آتھم صاحب کے پاس لے گیا اور اُن کے سامنے کی کرسی پر میں بیٹھ گیا۔ تب مجھے یقین ہوا کہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن سچ یہی تھا کہ مُردوں سے بدتر تھے۔ آتھم صاحب بولے کہ "دیکھئے شہر کے لوگ کہتے ہیں کہ میں مر چکا ہوں اور بھس بھر کر مجھے بٹھایا ہوا ہے۔" میں نے کہا کہ "ہاں میں بھی یہی افواہ سُن کر آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔" (دل میں کہا کہ واقعی ذرا فاصلہ سے تو آپ بھس بھرے ہوئے مردہ لاش سے نظر آتے ہیں) دو چار باتیں کر کے میں چلا آیا۔ غرض یہاں یہ کارروائی ہو رہی تھی۔ وہاں قادیان میں ۵ ستمبر ۱۸۹۷ء سے ایک دن قبل کثرت سے احباب جماعت جمع ہو گئے تھے۔ اُس وقت تک عام طور پر رجوع الی الحق کی شرط کے متعلق یہی خیال تھا کہ آتھم مسلمان ہو جائیگا ورنہ مر جائیگا۔ حالانکہ پیشگوئی میں مسلمان ہونے کا کوئی لفظ موجود نہ تھا۔ رجوع الی الحق کے معنے مسلمان ہونے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنی اس کرتوت سے باز آجائے جس کی وجہ سے اس پر عذاب مقدر ہوا تھا اور اسلام کی صداقت سے اس کا دل مرعوب ہو جائے لیکن ابھی اس کے اس مفہوم کی طرف

ذہول تھا۔ ۴ اور ۵ ستمبر کی درمیانی رات کو جو اس پندرہ ماہ کی میعاد کی آخری رات تھی۔ لوگوں نے تہجد کی نماز میں آتھم کی موت یا مسلمان ہونے کے متعلق دعاؤں میں اسقدر گریہ وزاری اور شور و شیون کرنا شروع کیا کہ رات کے سناٹے میں غل مچ گیا۔ یہ شور و غل سُن کر حضرت اقدس باہر نکل آئے۔ مسجد میں آکر لوگوں سے فرمایا کہ نماز میں یہ شور و پکار خلافِ سنت رسول اللہ صلعم ہے۔ اور شریعت میں منع ہے۔ جو کچھ دعا کرنی ہے آہستہ اور دل میں کرو۔ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بہرا نہیں ہے وہ دلوں کے بھید کو جانتا اور آہستہ سے آہستہ آواز کو بھی سنتا ہے۔" اس کے بعد ۶ ستمبر کا دن آیا جب سورج ڈوب گیا تو مولوی عبدالکریم صاحب کی تو ایسی حالت ہوگئی جیسے غش آجاتا ہے اور احباب بھی حیران تھے۔ کیونکہ کچھ سمجھ نہ آتا تھا۔ دوسرے دن حضرت اقدس نے نہایت اطمینان سے لمندی وغیرہ لگائی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ مگر ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور مطمئن۔ اور آتے ہی فرمایا کہ میں نے جناب الٰہی میں توجہ کی تھی تو الہام ہوا کہ اطلع اللہ علیٰ همّه وغمّه ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔ کہ اللہ نے آتھم کے غم اور پریشانی پر اطلاع پائی اور تم اللہ کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے" یعنی یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک بندہ اس قدر غم اور ہم میں مبتلا ہو اور خدا کے عذاب سے اس قدر ڈرے اور دل میں حق کی طرف اس قدر رجوع کرے پھر بھی عذاب اس پر وارد کر دیا جائے یہ خدا کی سنت قدیمہ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد آپ نے وعید کی پیشگوئیوں کے متعلق نہایت پُر از معارف تقریر فرمائی جس کا ملخص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ وعید کی پیشگوئی اسی لئے ہوتی ہے کہ بندہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے۔ چنانچہ اگر وہ ذرا بھی رجوع کرے تو وہ عذاب ٹل جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس کی قوم سے عذاب ٹل گیا۔ ہاں اگر رجوع نہ کرے بلکہ شوخیوں میں بڑھتا جائے تو وہ عذاب جو انہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے اُس پر وارد ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی عبداللہ آتھم نے ان پندرہ ماہ میں اپنی اُن بداعمالیوں کو ترک کر دیا جو اُس کے لئے عذاب کا موجب بنی ہوئی تھیں۔ اور اُس کے اس قدر ڈرنے نے ظاہر کر دیا کہ اس کے دل میں اسلام کی صداقت کا اثر تھا۔ ورنہ اس قدر ڈرنے کے پھر کیا معنے ہیں۔ پس حق یہ ہے کہ اُس نے پیشگوئی کی شرط سے فائدہ اٹھایا اور اس حالت میں یقیناً فتح اسلام کی ہوئی۔ کیونکہ پیشگوئی کی شرط نے اپنی صداقت کا اثر دکھایا۔ اور خدا نے چاہا کہ پیشگوئی اپنے دونو پہلوؤں سے پوری ہو۔ چنانچہ اب اگر اس نے اس رجوع الی الحق سے انکار کیا تو عذاب کا وعدہ بھی پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ ہم ایک اشتہار کے ذریعہ سے اُس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ خدا کی قسم کھا کر بیان دے کہ اسلام کی صداقت کا اثر اُس کے دل پر پڑا یا نہیں۔ اگر اس نے مان لیا تو فبہا لیکن اگر اس نے انکار کیا

تو پھر ہم اس امر پر مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اس تقریر نے جو علم اور حکمت سے پُر تھی۔ احباب کے دلوں کو تسلی اور تشفی سے بھر دیا۔ اسلئے دوستوں نے درخواست کی کہ حضور نے پیشگوئیوں کے متعلق جو تقریر پُر از حقائق و معارف ارشاد فرمائی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ اسے تحریر میں لاکر چھپوایا جائے تا ہر ایک خاص و عام اُس سے نفع اٹھا سکے۔ آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے۔ کچھ اشخاص بیعت کرنے آئے ہوئے تھے آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا جب تک یہ ابتلا کے دن نہ گزر جائیں ہم بیعت نہیں لیں گے کیونکہ اس وقت لوگوں کے ایمانوں اور اخلاص کا امتحان ہے۔ دوسرے دن بیعت کے لئے آنیوالوں میں سے صرف خلیفہ رجب دین صاحب کی بیعت لی۔ کیونکہ صبح کی سیر میں انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے عبداللہ آتھم کی پیشگوئی سے کوئی غرض نہیں۔ میں آپ کو ہر حال میں صادق مانتا ہوں۔ لیکن باقی لوگوں سے اس وقت بیعت لی جب بار بار اشتہار دیکر آپ نے جھوٹوں پر میدان تنگ کر دیا اور اُن کا جھوٹ ہر ایک اہل نظر پر عیاں ہو گیا۔

انوار الاسلام کی اشاعت اور آتھم صاحب اور عیسائیوں پر اتمام حجت

میعاد گزرتے ہی آپ نے فوراً ایک رسالہ انوار الاسلام ۶ ستمبر ۱۸۹۷ء کو شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے عبداللہ آتھم کے ڈرتے رہنے اور بھاگتے پھرنے کا سارا قصہ ذکر کر کے جو اُس نے خود بھی نور افشاں (عیسائی اخبار لدھیانہ) میں چھپوایا تھا۔ ثابت کیا کہ یہ شخص دل میں اسلام کی صداقت کا خود قائل ہو گیا تھا۔ پس اس کے لئے بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس امر حق کا اعتراف کرے۔ اور اگر وہ اس کا اعتراف نہ کرے تو پھر اظہاراً للحق اس کا فرض ہے کہ میرے ساتھ مباہلہ کرے۔ چنانچہ اس مباہلہ کے متعلق اس رسالہ انوار الاسلام کے صفحہ ۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکارانہ کارروائیوں کو کچھ چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے تو اس بات کے تصفیہ کیلئے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ درحقیقت ہے یا عیسائیوں کو جیسا کہ وہ ظلم کی راہ سے خیال کرتے ہیں تو میں انکی پردہ دری کیلئے مباہلہ کیلئے طیار ہوں اور اگر وہ دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں تو مباہلہ اس طور پر ہوگا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ کا اقرار کریں کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رعب کی طرف العین کیلئے بھی میرے دل پر نہیں آیا اور میں اسلام اور نبی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناحق پر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت اور الوہیت پر یقین رکھتا رہا اور رکھتا ہوں اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے

عیسائی رکھتے ہیں۔ اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے تو اے خدائے قادر مجھ پر ایک برس میں عذابِ موت نازل کر۔ اس دعا پر ہم آمین کہیں گے۔ اور اگر دعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپیہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو بطور تاوان کے دیں گے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرالیں۔ اور اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں اور غلو کے باعث اپنی سزا پائیں گے۔ ہمیں صاف طور پر الہام معلوم ہوگیا ہے کہ اس وقت تک عذاب موت کے ٹلنے کا یہی باعث ہے کہ عبداللہ آتھم نے حق کی عظمت کو اپنی خوفناک حالت کی وجہ سے قبول کرکے اُن لوگوں سے کسی درجہ پر مشابہت پیدا کرلی ہے جو حق کی طرف رجوع کرتے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ ان کو کسی قدر اس شرط کا فائدہ ملتا اور اس امر کو وہ لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ جو ان کے حالات پر غور کریں اور انکی تمام بیقراریوں کو ایک جگہ میزان دیکر دیکھیں کہ کہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ کیا وہ ہاویہ تھا یا کچھ اور تھا۔ اور اگر کوئی ناحق انکار کرے تو اس کے سمجھانے کیلئے وہ قطعی فیصلہ ہے جو میں نے لکھ دیا ہے تا سیہ رُوئے شود ہر کہ دروغش باشد"

یہ رسالہ انوار الاسلام ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو تحریر فرما کر شائع کیا اور مباہلہ کیلئے درخواست کرنے کے واسطے ایک ہفتہ کی آپ نے میعاد مقرر فرمائی لیکن کوئی جواب عبداللہ آتھم اور عیسائیوں کی طرف سے نہ آیا اس لئے آپ نے ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اور اشتہار اسی قسم کے مباہلہ کا دیا اور لکھا کہ عبداللہ آتھم فقط قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہم نے اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں کوئی رجوع الی الحق اندرونی طور پر نہیں کیا۔ اب کے دفعہ آپ نے تاوان کی رقم بجائے ایک ہزار کے دو ہزار روپے کردی۔ اس کے جواب میں عبداللہ آتھم صاحب نے قسم تو کیا کھانی تھی البتہ دبی زبان سے اتنا اقرار کرگئے کہ "میں عام عیسائیوں کے عقیدۂ ابنیت والوہیت کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں اُن عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ (یعنی حضرت مرزا صاحب) کے ساتھ کچھ بیہودگی کی" (نور افشاں ۲۱ ستمبر ۱۸۹۴ء) اب اہل انصاف بہ نظر غور ملاحظہ فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر رجوع الی الحق اور کیا ہو سکتا ہے۔ عقیدۂ ابنیت والوہیت مسیح ہی پر تو پندرہ دن تک حضرت مرزا صاحب کے ساتھ امرتسر میں وہ بحث کرتا رہا۔ جب وہ اس سے متفق نہ رہا اور نہ حسب مطالبہ اپنے رجوع کے خلاف قسم کھانے پر تیار ہوا تو رجوع الی الحق کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ لیکن عیسائیوں نے اس کے اتنے سے بیان پر اس قدر شور مچایا کہ اُس نے پھر خاموشی اختیار کرلی اور امر حق کو کھول کر بیان کرنے سے احتراز کیا۔ تو پھر حضرت مرزا صاحب نے ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اور اشتہار قسم کے مطالبہ کا دیا اور انعام کی رقم تین ہزار روپے کردی۔ اس کے جواب میں پادری ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے ایک نہایت

گندہ اشتہار نکلا جس میں علاوہ گندہ دہنی کے یہ بات بڑی زور سے لکھی تھی کہ ہمارے مذہب میں قسم کھانا ایسا ہی منع ہے جیسا کہ مسلمانوں میں سؤر کا گوشت کھانا۔ اس پر حضرت اقدس نے ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار نکالا جس میں آپ نے انجیل اور بائیبل سے قسم کھانے کے جواز کی آیتیں نکال کر سامنے رکھ دیں اور ثابت کر کے دکھا دیا کہ عیسائیوں کے بزرگ برابر قسم کھاتے رہے ہیں یہاں تک کہ ان کا پولوس رسول بھی جس کے اجتہاد اور طریق سے منہ پھیرنا ایک عیسائی کیلئے کفر اور بے ایمانی میں داخل ہے وہ بھی قسم کھانے سے بچ نہیں سکا (دیکھو قرنتیان باب ۱۵ آیت ۳۱) خود پطرس نے قسم کھائی۔ اور زبور میں لکھا ہے کہ جو جھوٹا ہے وہی قسم نہیں کھاتا (دیکھو زبور باب ۶۳ آیت ۱۱) پھر اس بات کو کون نہیں جانتا کہ قسم کھانا عیسائیوں میں صرف جائز ہی نہیں بلکہ بعض موقعوں پر واجبات میں سے ہے۔ چنانچہ انگریزی عدالتیں جو کسی شخص کو خلافِ مذہب کرنے پر مجبور نہیں کرتیں انہوں نے بھی عیسائی مذہب والوں کو قسم کھانے سے باہر نہیں رکھا۔ کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کے موقعہ پر قسم کھانی پڑتی ہے۔ خود بادشاہ انگلستان کو تاجپوشی کے وقت قسم کھانی پڑتی ہے اور قسم دلانے والا خود لاٹ پادری ہوتا ہے۔ پھر عبداللہ آتھم کے لئے قسم کھانا کیوں حرام ہو گیا جس حالت میں کہ یہی عبداللہ آتھم صاحب دو مرتبہ عدالت میں اپنا حلفی بیان دیتے ہوئے قسم کھا چکے ہیں اگر انہیں اس سے انکار ہو تو ہم نقل لیکر دکھا سکتے ہیں"۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے اس اشتہار کا جواب عیسائیوں کی طرف سے کچھ نہ دیا گیا بلکہ صاف طور پر بات کو ٹال دیا گیا۔ اور شور و غل مچا کر قسم کے معاملہ کو دبا دینا چاہا۔ کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

مکفر مولویوں کا نہایت بے غیرتی سے عیسائیوں کا ساتھ دینا

سب سے بڑھ کر قابل افسوس بات یہ ہوئی کہ مکفر مولویوں نے اس معاملہ میں ابتدا سے عیسائیوں کا ساتھ دیا اور ان کے شور و غل اور استہزا میں برابر کا حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی کتاب انوار الاسلام میں ان مکفر مولویوں کو بھی جو عیسائیوں کی حمایت میں صداقت اسلام کے نشان کو جھٹلانے کے درپے تھے مخاطب کیا ہے اور انہیں بڑے زور سے چیلنج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اگر کوئی مولویوں میں سے کہے کہ (رجوع الی الحق) ثابت نہیں تو اگر وہ اس بات میں سچا اور جلال زادہ ہے تو عبداللہ آتھم کو اس حلف پر آمادہ کرے جو ہم لکھ چکے ہیں۔ اگر عبداللہ آتھم قسم کھالے تو ہم بلا توقف ہزار روپے بلکہ اب تو دو ہزار روپے کی باضابطہ تحریر لکھ دیویں گے۔ پھر اگر وہ ایک سال تک فوت نہ ہوا تو مولوی لوگ ہمارا جو نام رکھیں سب سچ ہوگا۔ ورنہ اس تصفیہ سے پہلے جو شخص اس فتح نمایاں کو قبول نہیں کرتا خواہ وہ امرتسر کا ہے یا غزنوی یا لدھیانوی یا دہلوی یا بٹالوی وہ سراسر ظلم کرتا ہے اور خبردار رہے کہ خدا تعالیٰ کی ظالموں اور کاذبوں پر لعنت ہے" (انوار الاسلام صفحہ ۲۴)

حق کی مخالفت اور تعصب میں انسان کے اخلاق اس قدر گر جاتے ہیں کہ انسان ساری غیرت دینی اور اسلام کے نفع و نقصان سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان مکفر مولویوں نے بھی یہی کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کے جوش میں اس بات کی کوئی پروا نہ کی کہ یہ پیشگوئی تو حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی صداقت کے اظہار کے لئے کی تھی اور عیسائی عبداللہ آتھم کے میعاد کے اندر نہ مرنیکو اسلام پر مسیحیت کی فتح گردان رہے تھے تو کیا غیرتِ اسلامی کا یہ تقاضہ نہ تھا کہ مولوی صاحبان اگر اس معاملہ میں عیسائیوں کا مقابلہ اور ان کی تردید نہ کرتے تو کم سے کم اُن کا ساتھ تو نہ دیتے۔ کیا وہ غیرتمند مسلمان کہ جب حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں خلافت کے بارے میں جنگ ہو رہی تھی اور قیصر روم نے جو عیسائی تھا اس نازک موقعہ پر اسلامی ممالک پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت امیر معاویہ نے اس کو کہلا بھیجا کہ اگر تو نے اس طرف رُخ کیا تو یاد رکھ ہمہ مخالفت حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے سب سے پہلے جو شخص تیرے مقابلہ پر آئے گا وہ میں ہوں گا" اس پیغام سے قیصر روم مرعوب ہو گیا اور اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کے خیال سے درگزرا۔ مگر ایک یہ غیرتمند مسلمان مولوی تھے کہ مباحثہ تو ہوتا ہے عیسائیت اور اسلام کی صداقت پر۔ اور اسی مباحثہ کے دوران میں حضرت مرزا صاحب کے اسلامی جوش نے اسلام کی صداقت کے بارے میں آپ سے یہ فقرہ لکھوا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ "ہر ایک مقابلہ میں جو رُوحانی برکات اور سماوی تائیدات میں کیا جائے۔ میں تیرے ساتھ ہوں اور تجھ کو غلبہ ہوگا" اور اسی بنا پر عبداللہ آتھم کو مخاطب کرتے ہوئے آپنے اسلام اور عیسائیت کے درمیان فیصلہ کا یہ سیدھا اور آسان رستہ تجویز کر دیا کہ "میں زندہ اور کامل خدا کے کسی نشان کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ حضرت مسیح سے دعا کریں" اس پر عیسائیوں نے جیسا کہ میں اسی کتاب میں ذکر کر آیا ہوں دوسرے دن ایک اندھا اور ایک لنگڑا اور ایک لولا پیش کر کے آپ کا مذاق اڑانا چاہا یعنی آپ سے مطالبہ کیا کہ ان کو آپ اچھا کر کے دکھائیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے جس کا یہ جواب دیا کہ اس قسم کے اقتداری نشانات دکھانے کا اسلام کے رُو سے کوئی مسلمان دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہمارا ہی ایسا دعویٰ ہے۔ یہ تو مسیحیوں کے ایماندار ہونے کا نشان خصوصی ہے جیسا کہ حضرت مسیح ناصری انجیل میں فرماتے ہیں کہ:-

"وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھا لیں گے۔ اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے"

پس آپ اپنے مسیحی ہونے کے ثبوت میں خود ہی ان بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں چنگا کر کے دکھا دیں تو ہم مان جائیں گے

کہ آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں۔ اسلام میں یہ ایماندار ہونے کا نشان نہیں۔ اسلام میں نشان نمائی کا طریق تو یہ ہے کہ کسی امر کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے تو اُسے منظور کر کے قبل از وقت اس کے نتیجہ کے متعلق اطلاع بخشتا ہے تو اس کیلئے ہم تیار ہیں۔ اس کا جواب عیسائیوں نے کیا دینا تھا۔ شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ اور ان بیماروں کو چپکے سے بھگا دیا۔ اس کے بعد آخری پرچہ میں حضرت مرزا صاحب نے یہ بیان لکھوایا کہ:۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تُو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اُس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونو فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔..... اب میں ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا۔ تو کیا یہ آپ کے منشا کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھیرے گی؟ اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارے میں جن کو "اندرونہ بائیبل" میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائیگی یا نہیں ہو جائے گی؟" (۵۔ جون ۱۸۹۳ء)

کیا اس پیشگوئی کے الفاظ سے یہ صاف طور پر ظاہر نہیں کہ یہ پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان کے طور پر کی گئی تھی جنہیں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں معاذاللہ دجال قرار دیا تھا۔ خود عیسائیوں میں یہ امر مسلّم تھا کہ یہ پیشگوئی اسلام کی صداقت ثابت کرنے کیلئے حضرت مرزا صاحب نے کی تھی۔ چنانچہ یہ بات اس وقت مسیحی اخبار نور افشاں نے مسلمانوں پر حجت ملزمہ کے طور پر لکھ کر شائع کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا کہ:۔

"مرزا صاحب نے مسیحیوں کے ساتھ مباحثہ اپنے ملہم اور مثیل مسیح ہونے کے بارے میں نہیں کیا بلکہ محمدیت کو مذہب حق اور قرآن کو کلام اللہ ثابت کرنے اور مسیحیوں کو رد کرنے کے لئے کیا تھا اور وہ پیشگوئی اختتام مباحثہ پر اُنہوں نے محمدیت ہی کے مذہب حق اور منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں کی تھی۔" (نور افشاں ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء)

لیکن ہمارے مولویوں کی بے غیرتی ملاحظہ ہو کہ عیسائیوں کے اس اعلان کے باوجود محض حضرت مرزا صاحب

کو نیچا دکھانے کی خاطر یہ لوگ عیسائیوں کی تائید میں مسیحیت کی فتح کا نقارہ بجاتے اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف اشتہار نکالتے رہے۔ چنانچہ اسی درد کو حضرت مرزا صاحب نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"بعض نام کے مسلمان جن کو نیم عیسائی کہنا چاہئے اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ عبداللہ آتھم پندرہ ماہ تک نہیں مرسکا۔ اور مارے خوشی کے صبر نہ کرسکے۔ آخر اشتہار نکالے اور اپنی عادت کے موافق بہت کچھ ان میں گند بکا اور اس ذاتی بخل کی وجہ سے جو میرے ساتھ تھا اسلام پر بھی حملہ کیا۔ کیونکہ میرے مباحثات اسلام کی تائید میں تھے نہ میرے مسیح موعود ہونے کی بحث میں۔ غایت درجہ میں ان کے خیال میں کافر تھا یا شیطان تھا یا دجال تھا۔ لیکن بحث تو جناب رسول اللہ صلعم کی صداقت اور قرآن کریم کی فضیلت کے بارے میں تھی اور صادق کاذب کی یہ تشریح لکھی گئی ہے کہ جو شخص سچے دل سے حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکاری ہے وہ کاذب ہے۔ اسی فیصلہ کے لئے الہام پیش کیا گیا تھا۔ لیکن ہمیں آہ کھینچ کر کہنا پڑا کہ مخالف مولویوں نے مجھے دروغگو ثابت کرنے کے لئے اللہ اور رسول کی عزت کا ذرا خیال نہ کیا اور میرا مغلوب ہونا اس بحث میں تسلیم کرلیا۔ اور اس صریح نتیجہ سے کچھ بھی نہ ڈرے جو مغلوب ہونے کی حالت میں فریق مخالف کے ہاتھ میں آتا ہے۔ اور جب میاں ثناء اللہ و سعد اللہ و عبدالحق وغیرہ نے عیسائیوں کا غالب ہونا مان لیا تو پھر کیوں یہ لوگ اپنے اشتہاروں میں عیسائیوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی تکذیب کیلئے یہ حجت قرار دی۔ جبکہ بحث اسلام اور عیسائیت کے صدق و کذب کی تھی نہ میرے کسی خاص عقیدہ کی۔ تو نعوذ باللہ اگر میں مغلوب ہوں تو پھر دشمن کے لئے حق پیدا ہوگیا کہ اپنی عیسائیت کے صدق کا دعویٰ کرے۔ امر بحث پر نظر چاہئے نہ مباحث پر۔ مثلاً اگر ہماری طرف سے ایک بھنگی یا چمار جو دین سے بالکل الگ ہے اسلامی حمایت میں عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کرے تو پھر بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ عیسائی فتحیاب ہوں۔ خدا تعالیٰ اس کا بھنگی یا چمار ہونا نہیں دیکھے گا بلکہ اپنے دین کی عزت محفوظ رکھے گا اور کبھی اسلام کو سبکی نہیں دکھلائے گا۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ بعض کافر اور بت پرست آنحضرت صلعم سے عمداً کے دوسرے کافروں کے ساتھ لڑتے تھے۔ اور چونکہ اس حالت میں موید اسلام تھے تو دشمنوں پر فتح پاتے تھے۔ سو فرض کرو کہ میں تمہاری نظر میں سب کافروں سے بدتر ہوں ..... مگر تاہم سوچنے کا مقام تھا کہ امر بحث میں ان باتوں کا کچھ بھی دخل نہ تھا جن کی وجہ سے مجھ کو آپ لوگ کافر کافر اور دجال کہتے ہیں۔ بلکہ زیر بحث وہی

باتیں تھیں جن کے لئے ہر ایک مسلمان کو غیرت کرنی چاہئے۔" (انوار الاسلام صفحہ ۲۲)

آتھم صاحب اور عیسائیوں پر مزید اتمام حجت

مَیں اُوپر دکھا چکا ہوں کہ عبداللہ آتھم سے مباحثہ اور پیشگوئی جو کچھ بھی تھی وہ فقط اس تڑپ کو ظاہر کرتی ہے جو آپ کے دل میں اسلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے تھی۔ چنانچہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مباہلہ کے لئے دعوت دیتے ہوئے جو آپ نے ۵۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو اشتہار دیا تھا اور جس میں آپ نے انعام کی رقم تین ہزار روپے کر دی تھی اس اشتہار میں اسلام کی صداقت کے متعلق خود قسم کھانے کو کس دلیری سے تیار نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"آپ مجلس عام میں قسم غلیظ موکد بہ عذاب موت کھا دیں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے اور دنیا تاریکی میں نہ رہے اور اگر آپ چاہیں گے تو مَیں بھی ایک برس یا دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھا لوں گا۔ کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ سچا ہرگز برباد نہیں ہو سکتا بلکہ وہی ہلاک ہوگا جس کو جھوٹ نے پہلے سے ہلاک کر دیا ہے اگر صدقِ الہام اور صدقِ اسلام پر مجھے قسم دی جائے تو مَیں آپ سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت تین ہزار روپے کے بدلے پہلے پیش کئے جاویں گے یا تحریر باضابطہ لے کر پہلے ہی دیدیئے جائیں گے۔ اگر مَیں روپیہ دینے میں ذرا بھی توقف کروں تو اسی مجلس میں جھوٹا ٹھیر جاؤں گا مگر وہ روپیہ ایک سال تک آپ کے عنانوں کے پاس رہے گا۔ پھر اگر آپ زندہ رہے تو آپ کی ملک ہو جائے گا اور اگر اس کے سوا میرے لئے میرے کاذب نکلنے کی حالت میں سزائے موت بھی تجویز ہو تو بخدا اس کے بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔"

ملاحظہ فرمائیے فریق مخالف کو تین ہزار روپے پیش کر رہے ہیں کہ اپنی صداقت پر قسم کھا جائے اور وہ نہیں کھاتا۔ اور خود نہ پیسہ مانگتے ہیں نہ دھیلا۔ کوئی مطالبہ کرے سہی۔ آپ اسلام اور اپنے ملہم ہونے کی صداقت پر قسم موکد بہ عذاب موت کھانے کیلئے فوراً اور ہمہ وقت تیار ہیں۔ یہ حق الیقین کا مقام سوائے اہل حال اور مقربین الٰہی کے کسی کو میسر نہیں آتا۔

قصہ کوتاہ یہ کہ جب اس اشتہار پر بھی عبداللہ آتھم صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے تو ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو آپ نے ایک اور اشتہار کے ذریعہ آتھم صاحب کو قسم کے لئے بلایا اور اس میں انعام کی رقم چار ہزار روپے کر دی اس میں صاف طور پر لکھ دیا کہ:۔

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفا کر کے دنیا کو دھوکا دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں

یعنی اس کی موت کے دن"۔

کتاب ضیاء الحق کی اشاعت

عبداللہ آتھم صاحب کو قسم پر آمادہ کرنے اور عیسائیوں پر حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے اشتہاروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ آخر اسی سلسلہ میں آپ نے مئی ۱۸۹۵ء میں ایک کتاب ضیاء الحق شائع فرمائی۔ اس میں آپ نے صاف طور پر لکھ دیا کہ قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے اب آتھم صاحب سزا سے بچ نہیں سکتے۔ فرماتے ہیں:۔

"مگر تاہم یہ کنارہ کشی آتھم کی (یعنی قسم سے انکار کرنا) بے سود ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ نادان پادریوں کی تمام یاوہ گوئی آتھم کی گردن پر ہے۔ اگرچہ آتھم نے نالش اور قسم سے پہلوتہی کر کے اپنے اس طریق سے صاف جتلا دیا کہ ضرور اُس نے رجوع بحق کیا۔ اور تین حملوں کے طرز وقوع سے بھی جن کا وہ مدعی تھا کھلے طور پر تبلا دیا کہ وہ حملے انسانی حملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی آتھم اس جرم سے بری نہیں ہے کہ اُس نے حق کو علانیہ طور پر زبان سے ظاہر نہیں کیا"۔ (ضیاء الحق صفحہ ۱۶)

قسم کھانے سے ڈپٹی عبداللہ آتھم کے انکار پر اس کی موت کے متعلق حضرت اقدس کی پیشگوئی

پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرائے جانے کی پیشگوئی پر نظر کرو تو اُس میں عمداً جھوٹ بولتے ہوئے سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو خدا بنانے والے فریق کے ہاویہ میں گرائے جانے کا ذکر ہے۔ موت کا خاص طور پر اس میں کوئی ذکر نہیں۔ اور ایک حقیقت شناس نظر پہچانتی ہے کہ دراصل آتھم ہاویہ میں تو اُسی دن گر گیا تھا جب وہ لرزہ براندام ہو کر شہر بہ شہر بھاگتا پھرا اور سانپوں اور بندوقوں اور حملہ آور سواروں کی شکلیں دیکھ دیکھ کر روتا اور چلّاتا رہا۔ اس قدر شدید خوف اور حزن کیا اسی دنیا میں ہاویہ کا نمونہ نہیں؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ہاویہ سے مراد موت ہی لی تھی تو اس مفہوم کے مطابق بھی ۱۵ ماہ کے اندر اُس پر موت ضرور وارد ہوتی اگر وہ شرط رجوع الی الحق سے جیسا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں فائدہ نہ اُٹھاتا۔ لیکن جب حضرت اقدس نے بار بار اُسے قسم موکّد بہ عذابِ موت کیلئے بلایا اور یکے بعد دیگرے سات اشتہار دیئے۔ رسالے لکھے انعام مقرر کئے۔ پھر ایک ہزار روپے سے شروع کر کے انعام کی رقم چار ہزار تک پہنچا دی اور مطالبہ فقط یہ تھا کہ اگر اس نے رجوع الی الحق کیا ہے تو صاف اس کا اقرار کر لے وہ بچ جاوے گا۔ اور اگر اُسے انکار ہے تو پھر قسم موکّد بہ عذابِ موت کھائے لیکن یاد رکھے کہ جھوٹی قسم کھانے کی صورت میں اُس کی موت ایک سال کے اندر یقینی اور تقدیر مبرم ہے۔ ان تمام تقاضوں کے باوجود جب آتھم صاحب کسی طرح بھی قسم کھانے پر راضی نہ ہوئے تو حضرت اقدس نے ۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۵ء کو یہ اعلان شائع فرمایا کہ:۔

"آتھم صاحب اگر قسم نہیں کھائیں گے تو اس انکار سے جو اُن کا اصل مدعا ہے یعنی باقی ماندہ عمر سے ایک کافی حصہ پانا۔ اُن کو ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ انکار کے بعد جو اُن کی بیباکی کی علامت ہے جلدی اس جہان سے اُٹھائے جائیں گے"

یعنی قسم کھانے سے اس نے اگر گریز کیا تو بھی اخفائے حق کی سزا میں وہ موت سے جو کسی عرصہ تک اس پر سے ٹال دی گئی تھی بچ نہیں سکیگا۔ اور جلدی ہی عذاب موت سے دوچار ہوگا۔ اس اعلان کے بعد ایک سال کے اندر ہی جو عام طور پر ان حالات میں عذاب کی میعاد ہوا کرتی ہے۔ ابھی سات مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ ۲۷۔ جولائی ۱۸۹۶ء کو آتھم صاحب پکڑے گئے اور موت کے ذریعہ بڑے ہاویہ میں گرائے گئے جیسا کہ پیشگوئی میں ذکر تھا۔

اس پیشگوئی میں ایک اور اشارہ اور عیسائی فریق کا حشر

اس پیشگوئی میں ایک اور اشارہ بھی تھا جو "فریق" کے لفظ میں مضمر تھا یعنی پیشگوئی کے یہ الفاظ کہ "جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کر رہا ہے" اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ آتھم کے ساتھ وہ دوسرے پادری بھی جو اس کے پشت پناہ تھے بالواسطہ پیشگوئی کی زد میں آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ اگرچہ اصل پیشگوئی تو عبداللہ آتھم کے متعلق ہی تھی۔ لیکن "فریق" کی حیثیت سے وہ دوسرے پادری بھی بالواسطہ اس پیشگوئی کی لپیٹ میں آگئے جو اس کے دست و بازو تھے اور وہ اس طرح وقوع میں آیا کہ سب سے پہلے ڈاکٹر یوحنا جو اس بحث کا بانی مبانی تھا اور خاص جنڈیالہ ہی میں جہاں سے بحث کی ابتدا ہوئی تھی رہتا تھا میعاد مقررہ کے اندر مرگیا۔ ڈاکٹر یوحنا عیسائیوں میں ایک اعلیٰ کارکن سمجھا جاتا تھا اور مباحثہ کے دوران میں اسے مباحثہ کی طباعت کا اہتمام سپرد کیا گیا تھا۔ پھر پادری رائٹ فوت ہوا جو آنریری طور پر مشن کا کام کرتا تھا۔ یہ شخص اپنی حیثیت اور منصب کے لحاظ سے اس "فریق" کا سرگروہ تھا۔ اور عین جوانی میں ناگہانی موت کا شکار ہوا۔ اس کی موت سے ڈاکٹر کلارک اور تمام دوسرے عیسائیوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اور انہوں نے ماتمی لباس پہن لیا۔ اس کی موت پر اظہار افسوس کے لئے امرتسر کے گرجے میں جو جلسہ منعقد ہوا اس میں پادری عماد الدین نے یہ الفاظ کہے کہ:-

"آج رات خدا کے غضب کی لاٹھی ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے خبری میں ہم کو قتل کیا"

امرتسر کی عیسائی سوسائٹی نے اس موت کو خدا کی قہری تجلی کا ایک نشان اور خدا تعالیٰ کے غضب کا ایک ظہور قرار دیا۔ خود پادری عماد الدین پر جس نے کتاب "توزین الاقوال" لکھکر قرآن پر سخت حملہ کیا تھا جس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے کتاب نور الحق تصنیف فرما کر اس باطل کے سر پر حق کی نہایت زبردست ضرب لگائی تھی اور اُسے مقابلہ پر آنے کے لئے دعوت دیتے ہوئے گریز کر جانیوالے فریق پر ایک ہزار لعنت لکھ کر

شائع فرمائی تھی اخلاقی موت وارد ہوگئی اور وہ حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ سے گریز کر کے ایک ہزار لعنت کا مستحق ٹھیرا۔ گویا وہ جیتے جی اس ذلت ولعنت کے ہاویہ میں جا گرا۔ یہ سب کچھ اس پندرہ ماہ کے اندر اندر ہوگیا۔ عبداللہ آتھم کے خوف وحزن اور گریہ وزاری نے سنت اللہ کے ماتحت اس پر سے عذاب کو ایک قلیل مدت کیلئے ٹال دیا۔ لیکن جب اُس نے حق کے اظہار سے گریز کیا اور قسم کھانے سے انکار کیا تو آخر کار دوسری پیشگوئی کے مطابق جس کا میں ذکر اُوپر کر آیا ہوں وہ عذاب جو ٹل گیا تھا اُس پر وارد ہوگیا۔ یہ تمام واقعات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ عیسائی فریق ہی وہ فریق تھا جو عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا تھا۔ اور اسلام جس کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے یہ پیشگوئی کیگئی تھی سچا مذہب ہے۔

قرآن کریم اور حدیث سے اس پیشگوئی کی صداقت پر استدلال

میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس پیشگوئی پر جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے عبداللہ آتھم صاحب کے متعلق کی اور اس کے اندرونی طور پر رجوع کر لینے کی وجہ سے میعاد کے اندر اس کی موت ٹل گئی۔ قرآن کریم کے رُو سے کسی قدر روشنی ڈالوں۔ میں اسی کتاب میں محمدی بیگم والی پیشگوئی میں مفصل طور پر ذکر کر آیا ہوں کہ عذاب کی پیشگوئی ہمیشہ مشروط ہوتی ہے۔ خدا اپنے کسی بندہ کو بھی عذاب دینا نہیں چاہتا۔ عذاب اس کے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر قبل از وقت اسے عذاب کی خبر دی جاتی ہے تو فقط اس وجہ سے کہ تا وہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے اور آنیوالے عذاب سے بچ جائے جیسا کہ سورۂ ہُود میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الیٰ اجل مسمّی ویؤت کل ذی فضل فضلہ ط وان تولّوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر ۝ (ہود) (ترجمہ) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تم کو وقت مقررہ تک دنیا میں اچھی طرح رسائے بسائے گا اور جو کوئی زیادہ نیکی کرے گا اس کو زیادہ دے گا۔ اور اگر پیٹھ پھیرو گے تو پھر میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے سخت دن کا عذاب آجائے گا۔ اس آیت سے صاف نظر آتا ہے کہ استغفار اور توبہ یعنی اپنے اعمال بد سے باز آجانے سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ اور اگر شرارت اور تکذیب سے انسان باز نہ آوے تو پھر وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے وقت مقررہ سے پہلے ہلاک ہو جاتا ہے پس وعید یعنی عذاب کی پیشگوئیوں میں ہمیشہ استغفار اور رجوع کرنے اور اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کر لینے سے عذاب ٹل جایا کرتا ہے۔ خواہ پیشگوئی میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر موجود ہو یا نہ ہو۔ حضرت یونسؑ نے چالیس دن میں عذاب کے آنے کی پیشگوئی کی اور اسکے پورا ہونے پر ان کو اس قدر یقین تھا کہ خود وہاں سے تشریف بھی لے گئے۔ مگر قوم نے جو عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ و استغفار شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب ٹل گیا[1]

[1] جیسا کہ سورۂ یونس میں ذکر ہے۔ لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا۔ کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس دنیا میں رسوائی کا عذاب اُن پر سے ٹال دیا۔

پیشگوئی کے ظاہر الفاظ میں کوئی شرط نہ تھی۔ لیکن وعید کی پیشگوئی میں خواہ رجوع کرنے سے عذاب ٹل جانے کی شرط ہو یا نہ ہو سنت اللہ یہی ہے کہ حالت بدلنے سے عذاب ٹل جائے گا۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی میں تو "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" کی صاف شرط موجود تھی۔ تو پھر آتھم نے رجوع کر کے اگر شرط سے فائدہ اٹھایا تو یہ تو عین مطابق سنت اللہ ظہور میں آیا اور پیشگوئی نہایت صفائی سے سچی ثابت ہوئی۔ غلط تو تب ٹھیرتی کہ باوجود آتھم کے رجوع کرنے کے پھر بھی وہ عذاب میں پکڑا جاتا۔

ہاں یہاں ایک یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس کی تبدیل شدہ حالت تو ضرور اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اُس نے اندرونی طور پر دل میں رجوع کر لیا تھا لیکن کیا یہ سچ ہے کہ اس طرح اندرونی طور پر رجوع کر لینے سے بھی عذاب ٹل جاتا ہے۔ تو اس کے متعلق میں خود قرآن کریم اور حدیث سے دلیل پیش کرتا ہوں جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اندرونی طور پر بھی رجوع کر لینے سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ ہمارے حضرت نبی کریم صلعم کی پیشگوئی کے مطابق کفار مکہ پر سات سال کے قحط کا عذاب پڑا جس میں ان کا ایسا بُرا حال ہوا کہ لوگ جوتی کے چمڑے تک کھا گئے آخر ابوسفیان وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور آپ سے دعا کروائی جس سے وہ قحط کا عذاب دور ہو گیا۔ حالانکہ کفار مکہ ایمان نہ لائے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اتنے رجوع کا بھی انکو فائدہ دیا۔ چنانچہ سورۃ الدخان میں اس کا ذکر موجود ہے۔ فرماتے ہیں۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ ترجمہ "اس دن کا انتظار کر جب آسمان کھلی کھلی خشک سالی لائیگا جو لوگوں کو ڈھانک لے گی۔ یہ دردناک عذاب ہوگا (لوگ کہہ اٹھیں گے کہ) اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب دور کر دے بیشک ہم ایمان لے آئے۔ انہیں کہاں نصیحت ہو سکتی ہے حالانکہ ان کے پاس کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول آیا۔ پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہا کہ یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا مجنون ہے بیشک ہم عذاب کو دور کر دیں گے کچھ مدت کیلئے تو تم پھر وہی حرکتیں کرنے لگو گے۔ ہم جس دن بڑی پکڑ سے پکڑیں گے پھر اُس دن پوری پوری سزا دیں گے"۔

دیکھ لیجئے یہاں صاف صاف کفار مکہ کے اتنے رجوع کو کہ وہ دعا کے لئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ سے تعبیر فرمایا کہ "ہم ایمان لے آئے"۔ حالانکہ وہ بظاہر مسلمان نہ ہوئے تھے گویا ان کے اتنے سے رجوع کو کہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں قحط کا عذاب دور ہونے کے واسطے دعا کرانے آئے۔ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ فرمایا کہ اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب ٹالیے ہم مومن ہیں۔ ظاہر ہے کہ

یہ دعا ان کی زبان حال سے تھی اور اگر مومنوں ان کے اندر کے رجوع کا اظہار تھا۔ والا وہ بظاہر مسلمان نہ ہوئے تھے۔ یہاں ایک اور امر بھی قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بہت اچھا ہم عذاب ہٹائے دیتے ہیں۔ مگر تم پھر اپنی شرارتوں اور مخالفتوں کی طرف عود کرو گے۔ گویا باوجود اس بات کو جاننے کے کہ وہ اپنی پرانی حالت کی طرف عود کر آئیں گے اُن کی موجودہ حالت میں تبدیلی کا ان کو فائدہ ضرور دیا اور اُن پر سے عذاب ٹال دیا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات رحیم کریم ہے سبقت رحمتی علی غضبی اس کی شان ہے یعنی اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ وہ بندہ کو اس کے رجوع کا خواہ وہ عارضی ہی ہو۔ یا محض اندرونی طور پر خوف اور خشیت کے رنگ میں ہو فائدہ ضرور دیتا ہے۔ یہی معاملہ عبداللہ آتھم کے ساتھ ہوا۔ جناب الٰہی نے اس کے خوف اور گریہ وزاری اور خاموشی کا جو اس کے اندرونی طور پر رجوع کرنے کا صریح نشان تھا اُسے فائدہ ضرور دیا۔ اس میں ابتلا بھی لوگوں کو آیا۔ مگر خدا نے اپنی سنت نہیں بدلی جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کو اُس کے بارے میں الہام ہوا تھا کہ اطلع اللہ علی ھمہ و غمہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ کہ اللہ نے اس کے غم اور پریشانی پر اطلاع پائی اور تُو خدا کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پائے گا۔

آنحضرت صلعم کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

جب اللہ تعالیٰ دنیا کو کوئی علم سکھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے سامان جمع کر دیتا ہے اس میں کیا شک ہے کہ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی میں ابتدا میں جو ایک پہلو اخفا کا چلتا رہا اُس کا مطلب ہی یہ تھا کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو پیشگوئیوں کے بارے میں دقیق علم و حکمت کی تعلیم دی جائے۔ نہ یہ پہلو ابتلا کا پیدا ہوتا اور نہ وہ تمام حقائق و معارف منکشف ہوتے جو حضرت مجدد وقت کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ اسی وجہ سے یہ واقعہ اپنے اندر ایسی اہمیت رکھتا تھا کہ حضرت سید الکتاب محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ایک پیشگوئی کروادی جو حدیثوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ وہ ہو ہذا:۔

"وعن جعفر الباقر علیہ السلام قال ینادی من السماء ان الحق فی آل محمد ثم ینادی من الارض لات الحق فی آل عیسیٰ او قال العباس تشک فیہ وانما الاسفل کلمۃ الشیطان والصوت اعلیٰ کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ رواہ نعیم بن حماد (اقتربت الساعۃ صفحہ ۱۰۴) یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے نعیم بن حماد نے روایت کی ہے کہ آسمان سے پکارا جائیگا کہ حق محمد صلعم کے متبعین میں ہے اور زمین سے پکارا جائیگا کہ حق عیسیٰ کے متبعین میں رہا (عباس نے یہ بھی کہا کہ اسمیں شک پڑ جائیگا) مگر یاد رکھو کہ وہ جو زمین کی طرف سے آواز آئے گی وہ شیطانی کلمہ ہے اور جو اوپر کی طرف سے آواز آئیگی

وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند ہے۔"

حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی کتاب ضیاء الحق میں عبد اللہ آتھم کی پیشگوئی اور اس کے رجوع الی الحق سے فائدہ اٹھانے اور پر پندرہ ماہ تک ڈرتے رہنے اور بار بار قسم کھانے کے لئے بلانے کے باوجود اُس کا قسم کھانے سے گریز کرنے کا ذکر کر کے حدیث شریف کی مذکورہ بالا پیشگوئی پر نہایت شرح وبسط سے بحث فرمائی ہے۔ اور دکھایا ہے کہ آتھم کے متعلق جو کچھ ظہور میں آیا وہ عین اس حدیث کی پیشگوئی کے مطابق ہے جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ مہدی موعود کے وقت میں جو آخری زمانہ میں آنیوالا ہے مہدی کے گروہ اور عیسائیوں کا ایک مباحثہ وقوع میں آئے گا۔ اس کے بارے میں آسمانی آواز یعنی آسمانی نشانوں اور علامتوں اور قرائن سے یہ ثابت ہوگا کہ الحق فی آل محمدؐ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جو آپ کے آل کی طرح ہیں اور آپ کے وارث ہیں حق پر ہیں اور شیطان یہ آواز دے گا کہ الحق فی آل عیسےٰ۔ یعنی شیطانی مکائد والے لوگ یہ کہیں گے کہ حق عیسیٰ کے لوگوں میں ہے یعنی عیسائی سچے ہیں۔ مگر آخر کار آسمانی آواز ہی کہ حق آل محمدؐ کے ساتھ ہے غالب آئے گی یعنی بذریعۂ الہام اور نشانات آسمانی اللہ تعالیٰ یہ کھول کر دکھا دیگا کہ حق آل محمدؐ کے ساتھ ہے اور فتح دین اسلام کی ہے۔ اس موقعہ پر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ اس فتنہ کے وقت جس قدر لوگ عیسائیوں کا ساتھ دیں گے وہ شیطان کی ذریات ہیں۔ اور اُن کی آواز شیطان کی آواز ہے۔ اور حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اُنہی دنوں میں خسوف کسوف بھی رمضان میں ہوگا۔ چنانچہ ایک خسوف کسوف تو مباحثہ کے بعد ہوا۔ اور ایک کسوف خسوف رمضان میں اس فتنہ کے بعد امریکہ میں ہوگیا۔ یہ دوبارہ خسوف کسوف ایک قطعی علامت ظہور مہدی کی ہے جو کبھی کسی مدعی کے ساتھ جب سے کہ دنیا کی بنیاد ڈالی گئی جمع نہیں ہوا۔ اور یہ آسمانی آواز تھی جو مصدّق مہدی موعود تھی۔" (ضیاء الحق)

یعنی مہدی موعود حضرت مرزا صاحب کی تائید میں اس موقعہ پر جہاں اور آسمانی نشانات نے ظاہر ہو کر اس بات پر گواہی دی کہ حق آل محمدؐ کے ساتھ ہے۔ وہاں مہدی کی اس خاص علامت نے بھی جو بطور پیشگوئی حدیثوں میں مذکور ہے کہ اس کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ کی خاص تاریخوں میں سورج اور چاند کو گرہن لگیگا ظاہر ہو کر گواہی دی کہ حضرت مرزا صاحب مہدی موعود ہیں اور حق آل محمدؐ کے ساتھ ہے۔ گویا یہ آسمانی نشانات اور الہامات آسمانی آوازیں تھیں (جن کا کہ حدیث میں ذکر ہے) جو اس بات پر گواہی دینے کے لئے ظہور میں آئیں کہ حق آل محمدؐ کے ساتھ ہے۔ تاکہ وہ شک و شبہ دور ہو جائے جو اس معاملہ میں عوام الناس کے دلوں میں علم دین اور سنت اللہ سے ناواقفی کی وجہ سے پیدا ہو رہا تھا۔

کتاب انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم کی اشاعت

آتھم کی موت پر حضرت مرزا صاحب نے کتاب انجام آتھم تصنیف فرمائی۔ جسے شروع تو آپ نے ۱۸۹۶ء میں کیا تھا مگر اسے شائع جنوری ۱۸۹۷ء میں فرمایا۔ اس کے کچھ دنوں بعد اسی سال ضمیمہ انجام آتھم شائع فرمایا۔ ان دونوں کتابوں میں آپ نے عیسائیت پر علمی رنگ میں ایسی سخت ضرب لگائی ہے کہ اس کا کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ اور کہنا پڑتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی میں اگر یہ پیچ نہ پڑتا تو انجام آتھم اور ضمیمہ انجام آتھم جیسی زبردست کتابیں عیسائیت کی رد میں کیسے لکھی جاتیں یوں سمجھو کہ خدا نے ایک تحریک پیدا کر دی جس نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے قلم سے علمی رنگ میں ایسا شاندار مسیحیت کا رد لکھوا دیا کہ سچ پوچھو تو آتھم کی موت کے ساتھ مسیحیت بھی ہلاک ہو گئی۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ (الانفال ۴۳) تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلائل کے ساتھ ہلاک ہوا اور جو زندہ رہے وہ دلائل کے ساتھ زندہ رہے۔ ان ہر دو کتب میں مسیحیت کے رد میں دلائل دینے کے علاوہ حضرت اقدس نے آتھم اور اس کے انجام کا مفصل ذکر کر کے آخر میں تمام عیسائیوں کو چیلنج دیا ہے اور انہیں مخاطب کر کے لکھا ہے کہ:۔

"اگر اب تک کسی عیسائی کو آتھم کے اس افترا پر (کہ اس پر چار حملے ہوئے تھے) شک ہو تو آسمانی شہادت سے رفع شک کرا لیوے۔ آتھم تو پیشگوئی کے مطابق فوت ہو گیا۔ اب وہ اپنے تئیں اس کا قائم مقام ٹھیرا کر آتھم کے مقدمہ میں قسم کھا لیوے اس مضمون سے کہ آتھم پیشگوئی کی عظمت سے نہیں ڈرا بلکہ اس پر چار حملے ہوئے تھے۔ اگر یہ قسم کھانے والا بھی ایک سال تک بچ گیا تو دیکھو کہ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے شائع کر دوں گا کہ میری پیشگوئی غلط نکلی۔ اس قسم کے ساتھ کوئی شرط نہ ہوگی۔ یہ نہایت صاف فیصلہ ہو جاوے گا۔ اور جو شخص خدا کے نزدیک باطل پر ہے اس کا بطلان کھل جائے گا۔" (انجام آتھم صفحہ ۱۵)

اس اعلان کے مشتہر ہونے کے بعد سب پادری دبک گئے۔ کوئی اس خدا کے شیر کے مقابلہ پر نہ آیا۔ اور اپنی اس صریح گریز سے حضرت اقدس کی سچائی اور اپنے بطلان پر مہر لگا گئے۔

تمام پادریوں کو مباہلہ کا چیلنج

حضرت مرزا صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا۔ اس کتاب انجام آتھم کے آخر میں آپ نے تمام پادریوں کو اسلام اور عیسائیت کے درمیان آخری فیصلہ کے لئے مباہلہ کرنے کے واسطے چیلنج دیدیا۔ اس چیلنج میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک۔ پادری عماد الدین۔ پادری حسام الدین۔ فتح مسیح۔ صفدر علی اور ٹامس ہاول کو تو نام لے کر بلایا ہے۔ لیکن علاوہ ان کے تمام دنیا کے پادریوں کو مباہلہ کیلئے دعوت دی ہے۔ اور فیصلہ کا طریق یہ پیش کیا کہ:۔

"فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ میدان مقررہ میں حاضر ہو جاویں اور خدا تعالیٰ سے دعا کے ساتھ یہ فیصلہ چاہیں کہ ہم دونوں میں سے جو شخص درحقیقت خدا کی نظر میں کاذب اور مورد غضب ہے۔ خدا تعالیٰ ایک سال میں اس کاذب پر وہ قہر نازل کرے جو اپنی غیرت کے رُو سے وہ ہمیشہ کاذب اور مکذّب قوموں پر کیا کرتا ہے۔ نمرود پر کیا اور نوح کی قوم پر کیا اور یہود پر کیا۔"

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"اگر میری تائید میں خدا کا فیصلہ نہ ہو تو میں اپنی کل املاک منقولہ و غیر منقولہ جو دس ہزار روپے کی قیمت سے کم نہیں ہوگی عیسائیوں کو دے دوں گا۔ اور بطور پیشگی تین ہزار روپے تک ان کے پاس جمع بھی کرا سکتا ہوں۔"

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس رسالہ کے شائع ہونے کے بعد اگر دو ماہ تک کوئی بھی نہ نکلا اور صرف شیطانی عذر و بہانہ سے کام لیا۔ تو پنجاب اور ہندوستان کے تمام پادریوں کے جھوٹے ہونے پر مُہر لگ جائے گی۔"

آپ نے یہ کتاب بعنوان اس دعوت مباہلہ کے حتی المقدور ایک ایک پادری کے نام تمام پنجاب ہندوستان میں بھیجی مگر پادریوں نے اپنے جھوٹے ہونے پر مہر لگوانا پسند کیا لیکن مباہلہ کے لئے باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ زبان کی چالاکی اور شوخ کلامی سے ناحق کے اعتراضات کرنا اور بات ہے اور خدا کے سامنے کھڑے ہو کر جو دانائے راز ہے حق و باطل میں فیصلہ چاہنا اور بات ہے۔ اہل باطل کبھی اس فیصلہ کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کر سکتے۔

تصنیف کتاب منن الرحمٰن

میں عبداللہ آتھم صاحب والی پیشگوئی کے سلسلہ میں ۱۸۹۷ء تک پہنچ گیا اور یہ اس لئے کہ تا قارئین کرام کی خدمت میں تمام امور یکجائی طور پر پیش ہو کر پیشگوئی کے ہر ایک پہلو پر روشنی پڑ جائے۔ اب میں پھر سال ۱۸۹۵ء کی طرف واپس آتا ہوں۔ کیونکہ درمیان میں کئی واقعات رہ گئے۔

عربی زبان ام الالسنہ ہے سال ۱۸۹۵ء میں آپ نے ایک نہایت عظیم الشان تحقیقات اور تصنیف کی بنیاد ڈالی وہ یہ کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے یعنی تمام زبانوں کی ماں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبان سکھائی گئی تھی وہ عربی تھی۔ آگے پھر جس طرح نسل انسانی دنیا میں پھیلتی گئی اور مختلف اطراف ارض میں آباد ہوتی گئی۔ زبانوں میں بھی اختلاف ہوتا گیا۔ اس کتاب کا نام آپ نے منن الرحمٰن

رکھا چنانچہ آپ نے اسی سال ۱۸۹۵ء میں اس کتاب کے متعلق ایک اشتہار دیا جو حسب ذیل ہے :-

"یہ ایک نہایت عجیب و غریب کتاب ہے جس کی طرف قرآن شریف کی بعض پر حکمت آیات نے ہمیں توجہ دلائی کہ قرآن عظیم نے یہ بھی دنیا پر ایک بھاری احسان کیا ہے جو اختلاف لغات کا اصل فلسفہ بیان کر دیا۔ اور ہمیں اس دقیق حکمت پر مطلع فرمایا کہ انسانی بولیاں کس منبع اور معدن سے نکلی ہیں۔ اور کیسے وہ لوگ دھوکے میں رہے جنہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ انسانی بولی کی جڑھ خدا تعالیٰ کی تعلیم ہے۔ اور واضح ہو کہ اس کتاب میں تحقیق السنہ کے رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں صرف قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے جو اس زبان میں نازل ہوئی جو ام الالسنہ اور الہامی اور تمام بولیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ الٰہی کتاب کی تمام تر زینت اور فضیلت اسی میں ہے کہ ایسی زبان میں ہو جو خدا تعالیٰ کے منہ سے اور اپنی خوبیوں میں تمام زبانوں سے بڑھی ہوئی اور اپنے نظام میں کامل ہو۔ اور جب ہم کسی زبان میں وہ کمال پاویں جس کے پیدا کرنے سے انسانی طاقتیں اور بشری بناوٹیں عاجز ہوں اور وہ خوبیاں دیکھیں جو دوسری زبانیں اُن سے قاصر اور محروم ہوں اور وہ خواص مشاہدہ کریں جو بجز خدا تعالیٰ کے قدیم اور صحیح علم کے کسی مخلوق کا ذہن ان کا موجد نہ ہو سکے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ سو کامل اور عمیق تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ وہ زبان عربی ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے ان باتوں کی تحقیقات میں اپنی عمریں گزاری ہیں اور بہت کوشش کی ہے کہ اس بات کا پتہ لگاویں کہ ام الالسنہ کونسی زبان ہے مگر چونکہ ان کی کوششیں خط مستقیم پر نہیں تھیں اور نیز خدا تعالیٰ سے توفیق یافتہ نہ تھے اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اور یہ بھی وجہ تھی کہ عربی زبان کی طرف ان کی پوری توجہ ہی نہیں تھی بلکہ ایک بخل تھا لہذا وہ حقیقت شناسی سے محروم رہ گئے۔

اب مجھے خدا تعالیٰ کے مقدس اور پاک کلام قرآن شریف سے اس بات کی ہدایت ہوئی کہ وہ الہامی زبان اور ام الالسنہ جس کیلئے پارسیوں نے اپنی جگہ اور عبرانی والوں نے اپنی جگہ اور آریہ قوم نے اپنی جگہ دعوے کئے کہ انہی کی وہ زبان ہے۔ وہ عربی مبین ہے۔ اور دوسرے تمام دعویدار غلطی پر اور خطا پر ہیں۔ اگرچہ ہم نے اس رائے کو سرسری طور پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنی جگہ پوری تحقیقات کر لی ہے اور ہزارہا الفاظ سنسکرت وغیرہ کا مقابلہ کر کے اور ہر ایک لغت کے ماہروں کی کتابوں کو سن کر اور خوب عمیق نظر ڈال کر اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ زبان عربی کے سامنے سنسکرت وغیرہ[1]

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ جو زبان سنسکرت کے بہت بڑے ماہر ہیں وہ حضرت اقدس کے اس خیال کے بہت بڑے مصدق ہیں۔

زبانوں میں کچھ بھی خوبی پائی نہیں جاتی ۔ بلکہ عربی کے الفاظ کے مقابل پر ان زبانوں کے الفاظ لنگڑوں ۔ لولوں ۔ اندھوں ۔ بہروں ۔ مبروصوں ۔ مجذوموں کے مشابہ ہیں جو فطری نظام کو بگلی کھو بیٹھے ہیں ۔ اور کافی ذخیرہ مفردات کا جو کامل زبان کے لئے شرط ضروری ہے اپنے ساتھ نہیں رکھتے لیکن اگر ہم کسی آریہ صاحب یا کسی پادری صاحب کی رائے میں غلطی پر ہیں اور ہماری یہ تحقیقات ان کی رائے میں اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ ہم ان زبانوں سے ناواقف ہیں تو **اوّل** ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ جس طرز سے ہم نے اس بحث کا فیصلہ کیا ہے اس میں کچھ ضروری نہ تھا کہ ہم سنسکرت وغیرہ زبانوں کے املاء انشا سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ ہمیں صرف سنسکرت وغیرہ کے مفردات کی ضرورت تھی سو ہم نے کافی ذخیرہ مفردات کا جمع کر لیا ۔ اور پنڈتوں اور یورپ کے زبانوں کے ماہروں کی ایک جماعت سے ان مفردات کے ان معنوں کی بھی جہاں تک ممکن تھا تنقیح کر لی اور انگریز محققوں کی کتابوں کو بھی بخوبی غور سے سن لیا۔ اور ان باتوں کو مباحثات میں ڈال کر بخوبی رفع کر لیا اور پھر سنسکرت وغیرہ کے زبان دانوں سے مکرر شہادت لے لی جس سے یقین ہو گیا کہ درحقیقت ویدک سنسکرت وغیرہ زبانیں ان خوبیوں سے عاری اور بے بہرہ ہیں جو عربی زبان میں ثابت ہوئیں

پھر **دوسرا** جواب یہ ہے کہ اگر کسی آریہ صاحب یا کسی اور مخالف کو یہ تحقیقات ہماری منظور نہیں تو ان کو ہم بذریعہ اس اشتہار کے اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے زبان عربی کی فضیلت اور کمال اور فوق الالسنہ ہونے کے دلائل اپنی اس کتاب میں مبسوط طور پر لکھ دیئے ہیں جو بتفصیل ذیل ہیں:۔

(۱) عربی کی مفردات کا نظام کامل ہے (۲) عربی اعلیٰ درجہ کی علمی وجوہ تسمیہ پر مشتمل ہے جو فوق العادت ہیں (۳) عربی کا سلسلۂ اطراد مواد اتم و اکمل ہے ۔ (۴) عربی کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں (۵) عربی زبان انسانی ضمائر کا پورا نقشہ کھینچنے کے لئے پوری پوری طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔

اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ ہماری کتاب چھپنے کے بعد اگر ممکن ہو تو یہ کمالات سنسکرت یا کسی اور زبان میں ثابت کرے یا اس اشتہار کے پہنچنے کے بعد ہمیں اپنے منشا سے اطلاع دے کہ وہ کیونکر اور کس طور سے اپنی تسلی کرنا چاہتا ہے یا اگر اس کو ان **فضائل** میں کچھ کلام ہے یا سنسکرت وغیرہ کی بھی کوئی ذاتی خوبیاں بتلانا چاہتا ہے تو بے شک پیش کرے ہم غور سے اس کی باتوں کو سنیں گے مگر چونکہ اکثر وہمی مزاج اس قسم کے بھی ہر ایک قوم میں پائے جاتے ہیں کہ یہ خدشہ ان کے دل میں باقی رہ جاتا ہے کہ شاید سنسکرت وغیرہ میں کوئی ایسے چھپے ہوئے کمالات ہوں جو انہی لوگوں

کو معلوم ہوں جو ان زبانوں کی کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اسلئے ہم نے اس کتاب کے ساتھ پانچہزار روپے کا انعامی اشتہار شائع کر دیا ہے۔ اور یہ پانچ ہزار صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ کسی آریہ صاحب یا کسی اور صاحب کی درخواست کے آنے پر پہلے ہی ایسی جگہ جمع کرا دیا جائیگا جس میں وہ آریہ صاحب یا کوئی اور صاحب بخوبی مطمئن ہوں اور سمجھ لیں کہ فتحیابی کی حالت میں بغیر حرج کے وہ روپیہ ان کو وصول ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ روپیہ جمع کرانے کی درخواست اس وقت آنی چاہئے جبکہ تحقیق السنہ کی کتاب چھپ کر شائع ہو جائے۔ اور جمع کروانے والے کو اس امر کے بارے میں ایک تحریری اقرار دینا ہوگا کہ اگر وہ پانچہزار روپیہ جمع کروانے کے بعد مقابلہ سے گریز کر جائے یا اپنی لاف وگزاف کو انجام تک پہنچا نہ سکے تو وہ تمام حرجہ ادا کرے جو ایک تجارتی روپے کیلئے کسی مدت تک بند رہنے کی حالت میں ضروری الوقوع ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ"

عربی ہی کامل زبان ہے

علاوہ ازیں اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ عربی زبان ہی وہ کامل اور جامع زبان ہے جو خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات اور عالم روحانیات و عالم معاد کی اصطلاحات کو پوری طرح ادا کر سکتی ہے نہ کہ کوئی اور زبان۔ پس اسی لئے یہ زبان خود جناب الٰہی کی طرف سے انسان کو سکھائی گئی تا وہ معرفت و توحید الٰہی کو کما حقہ سمجھ سکے۔

تحقیقات کو کمال تک پہنچایا گیا تھا

جس زمانہ میں اس کتاب منن الرحمٰن کے متعلق تحقیقات شروع تھی۔ جو تعلیم یافتہ اصحاب قادیان حاضر ہوتے۔ تمام تمام دن حضرت اقدس ان کے ساتھ انہی مباحث میں خرچ کرتے اور عربی اور دیگر زبانوں کے مفردات خود بھی اور دوسرے احباب سے بھی جمع کرواتے۔ ان احباب میں خواجہ کمال الدین مرحوم سب سے پیش پیش تھے اور مفردات کے جمع کرنے اور اس تحقیقات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے میں حضرت اقدس کا ہاتھ بٹاتے۔ یہاں تک کہ میرے ایک دوست بابو نبی بخش صاحب جو ان مجلسوں میں شریک رہا کرتے تھے فرماتے تھے کہ حضرت صاحب نے عربی زبان کے پندرہ لاکھ سے زیادہ مفردات جمع کر لئے تھے اور ابھی سلسلہ تحقیقات کا چل رہا تھا۔ ہزارہا الفاظ سنسکرت اور انگریزی کے ایسے جمع کر لئے تھے جو عربی سے نکلے تھے جنہیں دیکھ کر اور سن کر تعجب آتا تھا کہ تحقیقات کس قدر وسیع پیمانہ پر پہنچ گئی ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت اقدس کی توجہ کو دوسرے امور نے اپنی طرف جذب کر لیا۔ اور وہ مسودات اور ذخیرۂ مفردات نہ معلوم کہاں گیا۔ اغلب یہی ہے کہ ضائع ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ بعد میں ان مسودات کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوئے۔

منن الرحمان کی اشاعت

حضرت کی وفات کے بعد یہ کتاب نہایت ناتمام حالت میں شائع ہوئی۔ مگر جس قدر

حصّہ چھپا ہے وہ اس قدر زبردست دلائل پر مشتمل ہے کہ اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر یہ کتاب تکمیل کو پہنچ جاتی تو علم السنہ کے بارے میں دنیا میں کس قدر عظیم الشان انقلاب پیدا ہو جاتا۔ حضرت کی اس ناتمام کتاب کو دیکھ کر آپ کے خدام کا دل خون ہو گیا۔ آخر خواجہ کمال الدین مرحوم نے جو اس تحقیقات میں حضرت اقدس سے بہت تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔ انہی خیالات کا چربہ یکدایک کتاب ام الالسنہ لکھی جس میں اگرچہ وہ تفصیل وبسط ہے اور نہ وہ سب دلائل ہیں جو حضرت اقدس کے پیش نظر تھے۔ لیکن اس میں خواجہ صاحب نے عربی کو ام الالسنہ ثابت کرنے میں بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ زبان کے ماہرین فن کے لئے یہ کتاب قابل توجّہ ہے۔

نور القرآن

حصّہ اوّل وحصّہ دوم

وجہ تصنیف نور القرآن بھی ۱۸۹۵ء کی ہی تصنیف ہے۔ حضرت اقدس کا ارادہ تھا کہ ایک ماہوار رسالہ نکالا جائے جس کا نام نور القرآن ہو۔ لیکن کثرت مشاغل کی وجہ سے صرف اس کے دو رسالے نکل کر رہ گئے یعنی نور القرآن حصّہ اوّل اور نور القرآن حصّہ دوم۔ پہلا حصہ نور القرآن کا ۱۵۔ جون ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا اور دوسرا حصہ نور القرآن کا ۲۰۔ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ یہ دو کتابیں نور القرآن حصّہ اول وحصّہ دوم حضرت اقدس مرزا صاحب کی ان کتابوں میں سے ہیں جو شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے نظر آتا ہے کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق میں حضرت اقدس کا علم کتنا وسیع اور قلم کسقدر زبردست چلتا تھا کہ خطرناک سے خطرناک اعتراضات ھباءً منثورا ہو کر اُڑ جاتے تھے۔ اور جہاں معترض اپنی انگلی رکھتا تھا وہیں سے معارف اور حقائق کے خزانے اُبل پڑتے تھے۔ یہ دونو رسالے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان رسالوں کے مقاصد خود حضرت اقدس کی قلم سے سنو:۔

"اور چونکہ اس تالیف سے مقصود یہی ہے کہ کلام الٰہی کے معارف اور حقائق لوگوں کو معلوم ہوں اسلئے اس رسالہ میں ہمیشہ کیلئے یہ التزام کیا گیا ہے کہ کوئی دعویٰ اور دلیل اپنی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ قرآن کریم کی طرف سے ہو جو خدا تعالیٰ کا کلام اور اس دنیا کی تاریکیوں کے مٹانے کیلئے آیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ قرآن میں ہی ایک اعجازی خاصیت ہے کہ وہ اپنے دعوے اور دلیل کو آپ ہی بیان کرتا ہے۔ اور یہی ایک اوّل نشانی اس کے منجانب اللہ ہونے کی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنا ثبوت ہر ایک پہلو سے آپ دیتا ہے۔ اور آپ ہی دعویٰ کرتا اور آپ ہی اس دعوے کے

دلائل پیش کرتا ہے۔ اور ہم نے قرآن کی اس اعجازی خاصیت کو اس رسالہ میں اس لئے شائع کرنا چاہا کہ تا اس تقریب سے وہ تمام مذاہب بھی جانچے جائیں جن کے پابند اسلام کے مقابل پر ایسی کتابوں کی تعریف کر رہے ہیں جن میں یہ طاقت ہرگز نہیں کہ وہ اپنے دعوے کو دلیل کیساتھ ثابت کر سکیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ الٰہی کتاب کی پہلی نشانی **علمی طاقت** ہے۔ اور یہ امر ممکن ہی نہیں کہ ایک کتاب فی الحقیقت الہامی کتاب ہو کر کسی سچائی کے بیان میں جو عقائد دینیہ کی ضروریات میں سے ہے قاصر ہو یا ایک انسانی کتاب کے مقابل پر تاریکی اور نقصان کے گڑھے میں گری ہوئی ہو بلکہ الٰہی کتاب کی اوّل نشانی تو یہی ہے کہ جس نبوت اور عقیدہ کی اس نے بنیاد ڈالی ہے اس کو معقولی طور پر ثابت بھی کرتی ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے دعاوی کو ثابت نہیں کرتی بلکہ انسان کو گرداب حیرت میں ڈالتی ہے تو ایسی کتاب کو منوانا اکراہ اور جبر میں داخل ہوگا..... کوئی عقل صحیح تجویز نہیں کر سکتی جو دین میں اکراہ اور جبر جائز ہو۔ اسی واسطے اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں فرمایا لا اکراہ فی الدین۔ جب ہم انصاف کے ساتھ سوچتے ہیں کہ الٰہی کتاب کیسی ہونی چاہئے تو ہمارا نور قلب بڑے زور سے شہادت دیتا ہے کہ الٰہی کتاب کے چہرہ کا حقیقی حلیہ یہی ہے کہ وہ اپنی روشنی سے علمی اور عملی طریقوں میں حق الیقین کی آپ راہ دکھاتی ہو اور پوری بصیرت بخش کر اسی جہان میں بہشتی زندگی کا نمونہ قائم کر دیتی ہو۔ کیونکہ الٰہی کتاب کا زندہ معجزہ صرف یہی ہے کہ وہ علم اور حکمت اور فلسفہ حقہ کی معلم ہو۔ اور جہاں تک ایک سوچنے والے کیلئے روحانی حقائق کے سلسلہ کا پتہ لگ سکتا ہو وہ تمام حقائق اس میں موجود ہوں اور صرف مدعی نہ ہو بلکہ اپنے ہر ایک دعوے کو ایسے طور سے ثابت کرے کہ پوری تسلی بخش دیوے اور جس تعمق اور امعان کے ساتھ اس پر نظر ڈالی جاوے صاف دکھائی دے کہ فی الواقعہ وہ ایسا ہی معجزہ اپنے اندر رکھتی ہے کہ دینی امور میں انسانی بصیرتوں کو ترقی دینے کے لئے اعلیٰ درجہ کی مذکار اور اپنے کاروبار کی آپ ہی وکیل ہے.....“ (نور القرآن حصہ اوّل)

اس تمہید کے بعد قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایسے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ تحریر فرمائے ہیں کہ پڑھنے والا محو حیرت ہو جاتا ہے۔ اور واقعی قرآن کریم کے نور اور آنحضرت صلعم کی صداقت کی روشنی سے دل کی آنکھیں منوّر ہوتیں اور ایمان اور معرفت ترقی کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی گئی

نور القرآن حصہ دوم کے سرورق کی پشت پر ایک اعلان حضرت اقدس نے شائع فرمایا ہے جس کا عنوان ہے ”ناظرین کے لئے ضروری اطلاع“ میں اس اعلان کو تمام وکمال یہاں پر نقل کرتا ہوں تا کہ معترضین کا جواب ہو جائے جو حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ اعتراض

کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عیسٰی کی شان میں گستاخی کی ہے۔ وہ اعلان یہ ہے:-

"ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نورالقرآن کا جاری ہوا ہے جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی خباثت سے اس امام الطیبین و سید المطہرین پر سراسر افترا سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہذا محض ایسے یاوہ گو لوگوں کے علاج کے لئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے۔ اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اُس کے پیارے تھے۔ اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا **یسوع** پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا یعنی اُن بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا۔ اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے پاکوں کو جو ہزار ہا درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا یہی **فرضی یسوع** مراد لیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسٰی ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں۔ اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔ بعض نادان مولوی جن کو اندھے اور نابینا کہنا چاہئے عیسائیوں کو معذور رکھتے ہیں کہ وہ بیچارے کچھ بھی منہ سے نہیں بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بے ادبی نہیں کرتے۔ لیکن یاد رہے کہ درحقیقت پادری صاحبان تحقیر و توہین اور گالیاں دینے میں اوّل نمبر پر ہیں۔ ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جنہوں نے اپنی عبارت کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے جس مولوی کی خواہش ہو وہ آکر دیکھ لیوے۔ اور یاد رہے کہ آئندہ جو پادری صاحب گالی دینے کے طریق کو چھوڑ کر ادب سے کلام کریں گے۔ ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آویں گے۔ اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملے کر رہے ہیں کہ کسی طرح سب و شتم سے باز ہی

نہیں آتے ہم سنتے سنتے تھک گئے۔ اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو کیا اس مظلوم کا حق نہیں ہے کہ اس کے باپ کو بھی گالی دے۔ اور ہم نے جو کچھ کہا واقعی کہا وانما الاعمال بالنیات "

(خاکسار غلام احمد ۲۰۔ دسمبر ۱۸۹۵ء)

حضرت عیسیٰ کی قبر سرینگر کشمیر میں

اسی نور القرآن حصّہ دوم میں ایک مضمون معیار المذاہب حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے جس میں فطرتی معیار سے مختلف مذاہب کا مقابلہ کیا ہے۔ انہی میں سے عیسائیت پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے ڈاکٹر برنیر کی تحقیقات کے مطالعہ اور حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کے بیان پر نہایت غور وفکر اور تحقیقات کرنے کے بعد یہ تازہ تاریخی انکشاف دنیا کے سامنے پیش کیا کہ حضرت عیسیٰ کی قبر محلہ خاں یار سرینگر کشمیر میں ہے۔ پہلے تو یہ آپ نے ثابت کیا کہ کشمیری لوگ یہودی الاصل ہیں اور ڈاکٹر برنیر کی تحقیقات کو اپنے اس بیان کی تصدیق میں نقل کرتے ہوئے بتایا کہ بخت نصر کے زمانہ میں جب اُس نے بنی اسرائیل کی دو قوموں کو ظلم سے اپنا غلام بنایا تو باقی کی دس قومیں مشرق کی طرف ہجرت کر آئیں اور افغانستان اور کشمیر میں آباد ہوگئیں۔ اسی لئے کشمیریوں کی شکلیں۔ مکانوں کی طرز تعمیر۔ عادات اور رسم ورواج۔ شہروں اور مقامات کے نام سب بنی اسرائیل سے اس قدر مشابہ ہیں کہ ہر ایک محقق آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ وہی بنی اسرائیل قوم ہے جو بخت نصر کے زمانہ میں کشمیر و افغانستان کی طرف ہجرت کر آئی تھی۔ اور چونکہ حضرت مسیح کا صریح طور پر دعویٰ تھا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے جب فلسطین میں بنی اسرائیل کی دو قوموں کی طرف وہ حق تبلیغ ادا کر چکے اور ان کے ہاتھوں سے صلیب تک پر چڑھ چکے جہاں سے خدا نے اپنے فضل سے انہیں زندہ اتار لیا تو آپ مشرق کی طرف بنی اسرائیل کی باقی کی دس قوموں یعنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں ہجرت کر کے آ گئے! اور نصیبین کے رستہ افغانستان میں اور وہاں سے کشمیر میں وارد ہوئے اور ۱۲۰ سال کی عمر تک جیسا کہ حدیثوں میں لکھا ہے زندہ رہے اور بنی اسرائیل کی ان باقی ماندہ قوموں کی اصلاح کرتے رہے اور آخر کار اپنا فرض منصبی ادا کر کے دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے اور سرینگر میں محلہ خان یار میں مدفون ہوئے چنانچہ اُن کی قبر یوز آسف یا عیسیٰ صاحب کی قبر کہلاتی ہے اور کشمیریوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نبی تھے۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ صاحب اگر نبی تھے تو یقیناً وہ وہی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ کیونکہ مسلمان لوگ آنحضرت صلعم کے بعد تو کسی شخص کو نبی مان نہیں سکتے۔ لابد ہے کہ آپ سے پہلے کے کسی نبی کی یہ قبر ہو اور آپ سے قبل عیسیٰ نبی تو وہی گزرے ہیں جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ اور کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر آئے تھے اور یوز آسف کا لفظ بھی یسوع آسف سے بگڑا ہوا ہے۔ آسف کے معنے ہیں افسوس کرنیوالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

یسوع جب کشمیر تشریف لائے تو گزشتہ واقعات سے متاثر ہوں گے اور اپنی قوم کے لئے غمگین رہتے ہوں گے جو انہیں صلیب پر چڑھانے کی وجہ سے ملعون اور مردود ہو گئی تھی۔ اسی لحاظ سے ان کا نام یسوع آسف پڑ گیا ہو گا جو بعد میں بگڑ کر یوز آسف ہو گیا۔ اس کے ساتھ اگر یہ واقعہ ملا لیا جائے کہ تبت سے انجیل کے نسخے انگریزوں کو ملے ہیں تو اور بھی بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تبت کے لوگوں نے بھی حضرت عیسیٰ کی تعلیم سے فائدہ اُٹھایا ہو گا۔ ان باتوں میں سے کچھ تو حضرت اقدس نے اسی نور القرآن حصۂ دوم میں تحریر کی ہیں اور کچھ اپنی تصنیف کردہ ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" تحریر فرمائی ہیں جس کا مسودہ تو آپ نے خود تصنیف فرمایا تھا مگر وہ شائع آپ کی وفات کے بعد ہوئی۔

وفد برائے تحقیقات قبر مسیح مزید تحقیقات کے لئے اسی سال ۱۸۹۵ء میں آپ نے ایک وفد اپنی جماعت کے احباب کا سرینگر بھیجا تا کہ وہ پوری طرح تحقیقات کر کے رپورٹ کریں۔ چنانچہ ان کی تحقیقات کے بعد آپ نے ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" تصنیف فرمائی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس میں طرح طرح کے دلائل سے اس امر کو پایۂ ثبوت پر پہنچایا ہے کہ کشمیری قوم بنی اسرائیل ہے جن میں اصلاح و تبلیغ کے لئے صلیب کے واقعہ کے بعد حضرت عیسیٰ تشریف لائے اور کہ حضرت عیسیٰ کی قبر وہی ہے جو محلہ خان یار میں سرینگر کشمیر میں واقع ہے۔ علاوہ اس کتاب کے خود آپ کی قلم سے اور آپ کے خدام کی قلم سے بہت سے مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں اس تحقیقات کے متعلق چھپتے رہے۔ جن میں مسیح کی قبر کا محلہ خان یار شہر سرینگر میں ہونا بڑی زور سے ثابت کیا گیا یعنی وہی قبر جو سرینگر میں یوز آسف یا عیسیٰ صاحب کی کہلاتی ہے حضرت عیسیٰ یعنی مسیح اسرائیلی کی قبر ہے۔ اس تحقیقات نے مخالفین میں خواہ وہ مولوی ہوں یا عیسائی پادری ایک ہلچل ڈال دی اور اہل تحقیقات کے سامنے ایک تاریخی مسئلہ پیش کر دیا۔ چنانچہ لارڈ ارون نے جو حال ہی میں ہندوستان کا وائسرائے رہ کر گیا ہے اور مادری منش تھا۔ جب کشمیر میں دورہ پر آیا تو اس نے سرینگر کے محلہ خان یار میں جا کر خاص طور پر اُس قبر کو دیکھا۔

سکھوں پر اتمام حجت۔ کتاب ست بچن کی تصنیف

چولا صاحب کی شہادت بابا نانک صاحب کے اسلام پر

بابا نانک صاحب کے اسلام پر مختلف شہادتیں حضرت اقدس مرزا صاحب چونکہ اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کر کے دکھانے کے لئے مامور تھے اس لئے ہمہ وقت آپ کی نظر غیر مذاہب کی کتب اور لٹریچر پر رہتی تھی۔

آپ کو سکھوں کی مختلف جنم ساکھیوں اور سکھوں کے متعلق دیگر کتب سے یہ صاف پتہ لگتا تھا کہ بابا نانک صاحب مسلمان تھے۔ چنانچہ بابا صاحب کا حضرت باوا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہکر فیض پانا (بلکہ آپ کی بیعت بھی کرنا) اور مختلف سفروں میں اُن کے ساتھ ساتھ رہنا۔ اور سلطان پور میں نواب دولت خاں اور وہاں کے قاضی صاحب کے ساتھ نماز پڑھنا۔ اور بابا صاحب کا سفر کی تکلیف شاقہ اُٹھا کر مکہ معظمہ حج کیلئے جانا۔ پھر باوا صاحب کے اقوال سے یہ ثابت ہونا کہ وہ درود شریف پڑھنے کے بغیر کسی برکت کے ملنے کے قائل ہی نہ تھے اور ان کے بہت سے اشعار کا ٹھیک قرآنی آیات کا مفہوم اپنے اندر رکھنا۔ پھر ایک شعر میں نماز جنازہ اور اس کی تکبیروں کا ذکر کر کے موت کے وقت اپنی بے بسی کا ذکر کرنا اور باوا صاحب کی وفات پر حنفی مسلمانوں کا اُن کا نماز جنازہ پڑھنا اور جس حالت میں کہ حنفیوں کے ہاں نماز جنازہ غائب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ باوا صاحب کی نعش کسی طرح اُنہیں مل گئی تھی۔ ورنہ جب تک نعش موجود نہ ہوتی وہ جنازہ پڑھ نہ سکتے تھے۔ اور بجائے نعش کے چادر دفن کرنا خلاف اسلام ہے۔ چادر ملتی تو وہ بطور تبرک کے رکھ لیتے نہ کہ دفن کر کے اسے ناپید کر دیتے۔ پس مسلمانوں کا ان کا جنازہ پڑھنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ ورنہ اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو مسلمان ہرگز ان کا جنازہ نہ پڑھتے کیونکہ مسلمانوں کی تو وہ قوم ہے کہ اگر کسی کے اسلام کی نسبت ذرا بھی شک پڑ جائے تو وہ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے) پھر محققین یورپ کا بابا نانک صاحب کے اسلام پر شہادت دینا۔ مسٹر ہیوز کا اُنہیں باوا فرید کا مرید بتانا۔ پھر سیر المتاخرین جلد اول میں صفحہ ۱۱۰ پر ایک اور یورپین برگ صاحب کا یہ بیان موجود ہونا کہ بابا نانک صاحب نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک شخص سید حسین صاحب سے اسلام کی بڑی بڑی تصنیفات پڑھی تھیں اور ایک دوسرے یورپین ڈاکٹر ٹرمپ کا اپنے ترجمہ گرنتھ نمبر الف میں صفحہ ۴۲ پر لکھنا کہ بابا نانک صاحب کا جنم ساکھی میں ایک یہ شعر ہے کہ قیامت کے دن صرف نیک کاموں والوں کی کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ نجات وہی پائیں گے جن کی پناہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ پھر بابا نانک صاحب کا یہ قول گرنتھ صاحب میں ہونا کہ بغیر کلمہ پڑھے بخت بیدار مل نہیں سکتا اور بغیر درود پڑھنے کے آخرت کی برکات نہیں مل سکتیں۔ اور جنم ساکھی میں بابا صاحب کا یہ قول موجود ہونا کہ وہ لوگ لعنتی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے۔ پھر بابا فرید صاحب اور بابا نانک صاحب جس گاؤں میں جاتے تو جس جگہ بیٹھتے اُن کے اُٹھ جانے کے بعد ہندوؤں کا اس جگہ کو پلید سمجھ کر وہاں گوبر لیپنا وغیرہ وغیرہ بہت سی شہادتیں ہیں جن سے اُن کا مسلمان ہونا صاف نظر آتا ہے۔

چولا صاحب علاوہ ازیں انگد کی جنم ساکھی میں یہ بڑے زور سے لکھا ہوا تھا کہ بابا نانک صاحب کو ایک

چولا آسمان سے ملا تھا جس پر آسمانی کلمات لکھے ہوئے تھے۔ اور بابا صاحب اُسے اکثر اوقات پہنے پھرا کرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد وہ چولا صاحب ڈیرہ نانک میں بااصل موجود ہے جس کے درشن کرنے اور اُس سے برکت لینے کے لئے بڑے بڑے سکھ بزرگ وہاں حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اور اس پر بڑا چڑھاوا چڑھتا رہا ہے۔ اور سکھوں کو جب کبھی بھی کوئی مشکل پیش آئی ہے تو اُس چولے کو سر پر رکھ کر دعائیں کی ہیں تو خدا نے وہ مشکل حل کر دی ہے۔ چولا صاحب کی اس تعریف کو پڑھ کر حضرت اقدس کو یہ خیال ہوا کہ اس چولا صاحب کو دیکھنا چاہئے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بابا نانک صاحب کو ملا تھا اور جس پر آسمانی کلمات لکھے ہوئے ہیں چنانچہ آپ نے ایک وفد دوستوں کا ڈیرہ نانک بھیجا جو مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ منشی تاج الدین صاحب اکونٹنٹ ریلوے دفتر لاہور۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ میاں عبدالرحمان صاحب لاہوری چار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ قادیان سے روانہ ہو کر ڈیرہ نانک پہنچے اور اُس موقعہ پر گئے جہاں چولا کی زیارت کے لئے ایک مندر بنایا گیا ہے اور کابلی مل کی اولاد سے ملے جو بہت خاطر داری اور تواضع سے پیش آئے اور انہیں چولا بھی دکھلایا۔ جب اس وفد نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ چولہ پر لکھا ہوا دیکھا اور ایسا ہی اور بھی کئی آیات دیکھیں تو واپس آکر تمام حال حضرت اقدس کو سنایا۔ حضرت صاحب نے فرمایا یہ چولہ تو پھر ایک وصیت ہے جو جناب بابا نانک صاحب سکھوں کیلئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں اس لئے اسے خود دیکھنا چاہئے۔

سفر ڈیرہ نانک چنانچہ بعد استخارہ مسنونہ کے ۳۔ ستمبر ۱۸۹۵ء کو پیر کے دن صبح آپ ڈیرہ نانک کی طرف روانہ ہوئے۔ معیت میں دس احباب تھے۔ مولوی نورالدین صاحب۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی۔ منشی غلام قادر فصیح صاحب سیالکوٹی۔ شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی۔ مرزا ایوب بیگ صاحب۔ میر ناصر نواب صاحب۔ سید محمد اسماعیل صاحب۔ شیخ حامد علی صاحب۔ دن کے دس بجے ڈیرہ نانک پہنچ گئے۔ سفر اور حضر میں حضرت اقدس کا سلوک اپنے احباب کے ساتھ ایسا برادرانہ اور مساویانہ ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں کو پتہ نہ لگتا تھا کہ ان میں سے حضرت مرزا صاحب کونسے ہیں۔ چنانچہ ڈیرہ نانک پہنچنے پر ایک بڑ کے درخت کے نیچے کچھ کپڑے بچھا کر جماعت کے لوگ موجود حضرت اقدس کے بیٹھ گئے۔ حضرت کے تشریف لانے کی خبر سن کر ڈیرہ نانک کے لوگ وہاں جمع ہونے لگے تو اُن میں سے چند آدمی جو پہلے آئے تھے مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو مسیح موعودؑ خیال کر کے ان کے ساتھ مصافحہ کر کے بیٹھ گئے۔ تین چار آدمیوں کے مصافحے کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ ان کو دھوکا ہوا ہے۔ اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب ہر ایسے شخص کو جو اُن کے ساتھ مصافحہ کرتا تھا

حضور کی طرف متوجہ کر دیتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ یہ ہیں۔

چولا صاحب کے درشن آخر ایک مخلص کی نہایت درجہ کوشش اور سعی سے دن کے ۱۱ بجے چولا صاحب کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور دیکھنے کا بھی ایسا موقعہ ملا کہ شاید ہی اور کسی کو ملا ہو یعنی آپ کیلئے وہ بہت ہی اچھی طرح کھولا گیا اور اس کی تمام تحریرات کو آپ نے پڑھا۔ اس پر تین سو سے زیادہ تو رومال ہی لپٹے ہوئے تھے جن میں سے بعض بہت نفیس اور قیمتی تھے۔ کچھ تو ریشمی رومال تھے اور کچھ سوتی اور بعض پشمینہ کے تھے۔ اور بعض پشمینہ کے شال اور ریشمی کپڑے ایسے تھے کہ اُن کی بُنت میں اس راجہ یا سردار کا نام کڑھا ہوا تھا جس نے وہ رومال چڑھایا تھا۔ اس قدر رومالوں کا چولا صاحب پر چڑھایا جانا بتلاتا ہے کہ اس چولا صاحب کی تعظیم کس قدر ہوتی تھی اور اب سے نہیں بلکہ اسی زمانہ سے یہ تعظیم ہوتی چلی آتی تھی جب سے کہ بابا نانک صاحب فوت ہوئے تھے۔ غرض ایک گھنٹہ تک تو یہ رومال ہی اُترتے رہے۔ پھر آخر وہ کپڑا نمودار ہوا جو چولا صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت اقدس اپنی کتاب ست بچن میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"درحقیقت یہ نہایت ہی مبارک کپڑا ہے جس میں بجائے زری کے کام کے آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کپڑے کا نقشہ اسی رسالہ میں کھنچوا کر ان تمام قرآنی آیات کو جا بجا دکھلا دیا ہے جو اس کپڑے پر لکھی ہوئی ہم نے دیکھی ہیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کپڑے کے دکھلانے کے وقت دکھلانے والوں کو کچھ شرم سی دامنگیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ حتی للمقدور نہیں چاہتے کہ اس حقیقت سے لوگ اطلاع پا جائیں۔ کیونکہ جو عقیدہ باوا صاحب نے اس کپڑے یعنی چولا صاحب کی تحریروں میں ظاہر کیا ہے وہ ہندو مذہب سے بکلی مخالف ہے۔ اور اسی وجہ سے جو لوگ چولا صاحب کی زیارت کراتے ہیں وہ بڑی احتیاط رکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی اصل بھید کی بات دیکھنا چاہے تو ان کا دل پکڑا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ناخواندہ محض ہیں اسلئے کچھ طمع دینے سے دکھلا دیتے ہیں۔ اور ہم نے جب دیکھنا چاہا تو اوّل اُنہوں نے صرف لپیٹا ہوا کپڑا دکھایا مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار تھا جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور پشت پر ایک اور باریک کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو ارجن صاحب کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بُنوا کر اس پر لگایا تھا۔ اور بیان کرنے والا ایک بڈھا بیری باوا صاحب کی اولاد میں سے تھا جو چولا صاحب کو دکھلا رہا تھا اور اس نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ تب ہم نے بہت

اصرار سے کہا کہ وہ قدرتی حروف ہم دیکھنا چاہتے ہیں جو خاص پرمیشر کے ہاتھ کے ہیں اور اسی لئے ہم دُور سے آئے ہیں تو پھر اُس نے تھوڑا سا پردہ اُٹھایا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہایت خوشخط قلم سے لکھا ہوا تھا اور پھر اس بڈھے نے چاہا کہ کپڑے کو بند کرلے۔ اور پھر اس سے بھی زیادہ اصرار کیا گیا۔ اور ہر ایک اصرار کرنیوالا ایک معزز آدمی تھا۔ اور ہم اس وقت غالباً بیس کے قریب آدمی ہوں گے اور بعض اسی شہر کے معزز تھے جو ہمیں ملنے آئے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ پھر اٹھایا تو ایک گوشہ نکلا۔ جس پر موٹے قلم سے بہت جلی اور خوشخط لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر اس بڈھے نے بند کرنا چاہا مگر فی الفور شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی نے مبلغ تین روپے اس کے ہاتھ پر رکھدیئے جن میں سے دو روپے اُن کے اور ایک روپیہ مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا۔ اور شیخ صاحب پہلے اس سے بھی چار روپے دے چکے تھے۔ تب اس بڈھے نے ذرا اور پردہ اٹھایا ایک دفعہ ہماری نظر ایک کنارہ پر جا پڑی جہاں لکھا تھا انّ الدّین عند اللہ الاسلام۔ یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے میں کچھ قبض خاطر ہوگئی۔ تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ یہ دو روپے اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کی طرف سے تھے اور پھر اس کے خوش کرنے کیلئے شیخ صاحب نے چار روپے اور اپنی طرف سے دیدیئے۔ اور ایک روپیہ اور ہمارے ایک مخلص کی طرف سے دیا تب چودہ روپے پاکر وہ بڈھا خوش ہوگیا اور ہم بے تکلف دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے اٹھائے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ کے اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے۔ انہوں نے تب بڈھے کو کہا کہ چولہ کو اس گرد سے صاف کرنا چاہئے۔ لاؤ ہم ہی صاف کردیتے ہیں۔ یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اُٹھا دیں اور ثابت ہوگیا کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ اور کسی جگہ سورۃ اخلاص۔ اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اس کو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگادیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ کھول دیا تھا کہ اللہ رسولؐ کے عاشق زار ہوگئے تھے غرض باوا صاحب کے اس چولہ صاحب سے نہایت قوی روشنی اس بات پر پڑتی ہے کہ وہ دین اسلام پر نہایت ہی فدا ہوگئے تھے۔ اور وہ اس چولہ کو اسی غرض سے بطور وصیت چھوڑ گئے تھے کہ تا سب لوگ اور آنے والی نسلیں ان کی اندرونی حالت پر زندہ گواہ ہوں۔ اور ہم نہایت

افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بعض مفتری لوگوں نے یہ کیسا جھوٹ بنالیا کہ چولہ پر سنسکرت اور شاستری لفظ اور زبور کی آیتیں بھی لکھی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ بالکل جھوٹ اور سخت مکروہ افترا پردازی ہے اور کسی شریر انسان کا کام ہے نہ بھلے مانس کا۔ ہم نے بار بار کھول کے دیکھ لیا تمام چولہ پر قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے۔ اور بعض جگہ آیات کو صرف ہندسوں میں لکھا ہوا ہے۔ مگر زبور اور سنسکرت کا نام و نشان نہیں۔ ہر ایک جگہ قرآن شریف اور اسماء الٰہی لکھے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ صرف اسلئے بنایا ہے کہ تا لوگ یہ سمجھ جاویں کہ چولا صاحب پر جیسا کہ قرآن شریف لکھا ہوا ہے ویدبھی لکھا ہوا ہے مگر ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ باوا صاحب گواہی دیتے ہیں کہ بجز دین اسلام کے تمام دین جھوٹے اور باطل اور گندے ہیں۔ پھر وہ وید کی تعریف اس میں کیوں لکھنے لگے۔ چولا موجود ہے جو شخص چاہے جاکر دیکھ لے۔ اور ہم تین ہزار روپیہ نقد بطور انعام دینے کیلئے تیار ہیں۔ اگر چولہ میں کہیں وید یا اس کی شرتی کا ذکر بھی ہو یا بجز اسلام کے کسی اور دین کی بھی تعریف ہو بجز قرآن شریف کے کسی اور کتاب کی بھی آیتیں لکھی ہوں۔ ہاں یہ اقرار ہمیں کرنا مناسب ہے کہ چولا صاحب میں یہ صریح کرامت ہے کہ باوجودیکہ وہ ایسے شخصوں کے ہاتھ میں رہا جن کو اللہ اور رسولؐ پر ایمان نہ تھا۔ اور ایسی سلطنت کا زمانہ اس پر آیا جس میں تعصّب اس قدر بڑھ گئے تھے کہ بانگ دینا ہی قتل عمد کے برابر سمجھا جاتا تھا مگر وہ ضائع نہیں ہوا۔ تمام مغلیہ سلطنت بھی اس کے وقت میں ہی ہوئی اور اُسی کے وقت میں ہی نابود ہوگئی مگر وہ اب تک موجود ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس پر نہ ہوتا تو ان انقلابوں کے وقت وہ کب کا نابود ہوجاتا۔ مقدر تھا کہ ہمارے زمانہ تک رہے اور ہم اس کے ذریعہ سے باوا صاحب کی عزت کو بے جا الزاموں سے پاک کریں۔ اور اُن کا اصل مذہب لوگوں پر ظاہر کردیں۔" (راست بچن صفحہ ۲۲-۳۳-۳۴)

لہ ہاں (یعنی خاکسار مؤلف) ۱۹۰۱ء کے آخر میں شکر گڑھ ضلع گورداسپور میں پلیگ ڈیوٹی پر تھا۔ میرے ساتھ ایک اور ڈاکٹر آریہ بھی اسی ڈیوٹی پر تھا جو اگرچہ بہت شریف آدمی تھا مگر تھا کٹر آریہ۔ وہ روز صبح کو بابا نانک صاحب کی جپ جی پڑھا کرتا تھا۔ میں نے اُسے کئی مرتبہ کہا کہ آپ ناحق جپ جی پڑھا کرتے ہیں۔ بابا نانک صاحب تو مسلمان تھے۔ آخر اسی بحث بحثی میں چولا صاحب کا ذکر آگیا اور میں نے حضرت اقدس کا حوالہ دیا کہ اُنہوں نے بچشم خود اُسے دیکھا اور اس پر قرآنی آیات اور کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت لکھا دیکھا۔ اور اس کے سوا اس پر کچھ نہ تھا تو اس نے اس بات پر یقین نہ کیا۔ آخر صلاح ہوئی کہ چل کر اس چولہ کو خود دیکھیں۔ چنانچہ ہم دونوں ڈیرہ نانک گئے۔ ہمارے ساتھ ہمارا ایک دوست بھی تھا جو حضرت اقدس کا مرید تھا۔ بڑی مشکل سے ان صاحبوں کو راضی کیا جنکی تحویل میں چولہ صاحب تھا

(باقی برصفحہ ۴۲۸)

کتاب ست بچن کا شائع ہونا حضرت اقدس نے ڈیرہ نانک سے واپس آکر ایک کتاب ست بچن تصنیف کی اور گرو نانک صاحب کے مسلمان ہونے پر جس قدر بھی دلائل ممکن تھے جن میں سے چند کا میں اُوپر اشارہ کر آیا ہوں بڑی شرح وبسط اور تفصیل کے ساتھ اس میں درج کر دیئے اور چولا صاحب کی تصویر کو

(بقیہ صفحہ ۴۲۷) پہلے انہوں نے دکھانے سے انکار کیا کہنے لگے کہ آگے ہی ہم مرزا قادیانی کو چولا صاحب کا درشن کرا کے سکھوں میں بہت بدنام ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا آخر آپ کی بدنامی کیوں ہوئی۔ کہنے لگے کہ مرزا چولا صاحب کی تصویر کھینچکر لے گیا۔ اور ایک "بھیڑ" جتنی موٹی کتاب لکھ ماری اور اس میں چولا صاحب کی تصویر بھی چھاپ دی اور ثابت کر دیا کہ بابا نانک صاحب مسلمان تھے۔ اس پر سکھوں نے ہمیں بہت لعنت ملامت کی کہ تم نے کیوں مسلمانوں کو چولا صاحب کے درشن کرا دیئے۔ اس پر میں نے اس آریہ ڈاکٹر کو کہا کہ تم زور دو اور کچھ روپے دو۔ تب اس ڈاکٹر نے کہا کہ مہاراج میں تو ہندو دھرم ہوں اور بڑی دور سے درشن کرنے آیا ہوں آپ اپنا پرشاد لے لیں اور درشن کرا دیں۔ اور آپ ہماری تلاشی لے لیں کہ ہمارے پاس تصویر کھینچنے کا کوئی سامان نہیں۔ پرشاد کا نام سن کر وہ بڈھے نرم پڑ گئے۔ ایک روپیہ میں نے اور ایک روپیہ آریہ ڈاکٹر نے نکال کر انہیں دیا تب وہ اندر لیگئے اور ایک نواڑی کھٹولے پر ایک بہت بڑا گٹھڑ لے آئے اور اسے اس مندر میں رکھا جو اس کیلئے مخصوص ہے۔ اب ڈھولکی اور چھینے والے بھائی بھی آگئے اور خوب گانا بجانا شروع ہوا۔ اس گانے بجانے کے دوران میں ایک ایک رومال اُترنے لگا۔ بڑے بڑے بیش قیمت رومال نظر آئے جو راجاؤں اور بڑے بڑے سکھ سرداروں کے چڑھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک رومال شام سنگھ اٹاری والے کا بھی تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر ایک ایک رومال اسی طرح اُترا تو رات پڑ جائے گی۔ میں نے آریہ ڈاکٹر کو اشارہ کیا کہ آپ خود کئی کئی کی تعداد میں جلدی جلدی اتاریں۔ چنانچہ اُس نے اُن سے اجازت لیکر پانچ پانچ چھ چھ رومال ایک دم اتارنے شروع کئے پھر بھی قریب ایک گھنٹہ کے لگ گیا۔ تب وہ چولا نمودار ہوا۔ اُلٹا کر کے رکھا ہوا تھا اصلی طرف اندر تھی۔ چنانچہ وہ سکھ بولے اب پھر پرشاد رکھو تب اسے اُلٹا کر درشن کرائے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے ایک روپیہ اور دیا تب اُنہوں نے دامن کو اُلٹایا۔ تو جیسا کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے جابجا آیات قرآنی۔ کلمہ طیبہ۔ کلمہ شہادت لکھے ہوئے تھے۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص بھی لکھی ہوئی موجود تھی۔ اور جو آیت بار بار جابجا لکھی ہوئی تھی وہ تھی لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اسلام کو باوا صاحب نے چونکہ مخفی رکھا اس لئے اس کے اعلان پر آپ بار بار اس آیت کا ورد رکھتے ہوں گے کہ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں ظالموں میں سے تھا یعنی اسلام کو اب تک مخفی رکھنے میں غلطی کی۔ جابجا ہندسوں میں بھی آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں اور تعویذ سے بنے ہوئے تھے۔ ایک اسی قسم کے گول تعویذ کے گرد اگرد مجھے پنجتن کے نام نظر پڑے یعنی محمدؐ۔ علیؓ۔ فاطمہؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ ایک دائرہ کے گرد اگرد لکھے ہوئے تھے۔ ہاں درمیان میں ہم نے ایک دفعہ اوپر پرشاد رکھا تب ہمیں چولا صاحب کی آستینیں بھی کھائی گئیں اس اثنا میں میری نظر جو اُس آریہ ڈاکٹر پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا چہرہ فق ہو رہا ہے۔ رنگت زرد پڑ رہی ہے اور ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے دل کو بڑا صدمہ پہنچا ہے کیونکہ باوا نانک صاحب کا اسلام تو اس چولا صاحب سے عیاں نظر آرہا ہے۔ آخر وہ بولا کہ "مہاراج یہ کیا بات ہے کہ چولا صاحب پر قرآن ہی قرآن لکھا ہوا ہے اور وید کوئی نہیں۔ نہ اس پر گو مکھی ہی لکھی ہے"۔ وہ بولے کہ گو مکھی تو اس لئے نہیں کہ لفظ گو مکھی گو اور مکھ دو لفظوں سے مرکب ہے جو زبان گرو کے منہ یعنی منہ سے نکلی وہ گو مکھی کہلائی۔ باقی رہا قرآن کا لکھا ہونا۔ سو مہاراج وہ توحید کے عاشق تھے اس لئے توحید کی آیتیں لکھ لیں"

(باقی بر صفحہ ۴۲۹)

بڑی آب و تاب سے شائع کیا اور اُس سے بابا نانک صاحب کے مسلمان ہونے پر ایسا زبردست استدلال کیا کہ اگر تعصب اور ضد نہ ہوتی اور ایک لمبے عرصہ تک دوسرے گروؤں کے خیالات کے زیر اثر رہنے سے سکھ قوم کا نقطۂ نظر نہ بدل گیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ سکھ صاحبان اپنے معزز گرو حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ کا مذہب یعنی اسلام نہ اختیار کر لیتے۔

ملتان کے چلّہ کی کیفیت حضرت مرزا صاحب نے اس کتاب میں ملتان کے مشہور ولی شاہ شمس صاحب کی خانقاہ میں جو بابا نانک صاحب کا چلّہ ہے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس خانقاہ کی جنوبی دیوار میں ایک مکان محراب دار دروازہ کی شکل پر بنا ہوا ہے اس پر یا اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے اور اُس کے نیچے ایک پنجہ بنا ہوا ہے۔ ملتان کے تمام ہندو مسلمان سکھ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ لفظ یا اللہ کا باوا نانک صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور پنجہ کی شکل بھی اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔ دیوار کے ساتھ بائیں دیوار میں ایک مکان کا نشان بنا ہوا ہے جو قریباً ڈیڑھ گز طول میں اور ایک گز عرض میں ہے جسے سب ہندو مسلمان مانتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں بابا نانک صاحب چالیس روز چلّہ میں بیٹھے تھے۔ چنانچہ ہندو اور سکھ صاحبان بھی اس جگہ کو متبرک سمجھ کر زیارت کرنے کو آتے ہیں اور باوا صاحب کا یہ مکان چلّہ رو بقبلہ ہے۔ اور اس کے نزدیک ہی ایک مسجد بھی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چلّہ رو بقبلہ اس لئے بنایا کہ تا نماز پڑھنے میں آسانی رہے اور مسجد کے قریب اس لئے بنایا تا فرض نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں سہولیت کے ساتھ ادا کر سکیں شاہ شمس صاحب سبزواری کے سجادہ نشین صاحب کا بیان ہے کہ جناب بابا نانک صاحب جب حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ملتان پہنچ کر اس خانقاہ پر چلّہ کشی کی اور اُن کا ورد خدا تعالےٰ کے

(بقیہ صفحہ ۴۲۸) میں نے کہا اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بابا نانک صاحب کو قرآن کریم کے سوا توحید کی آیتیں کسی اور کتاب سے نہیں ملیں۔ نہ وید سے۔ نہ زبور سے نہ کسی اور کتاب سے۔ ورنہ چاہئے تھا کہ چند آیتیں اگر قرآن سے لکھی تھیں تو چند شرتیاں وید میں سے بھی لکھ لیتے۔ لیکن اُن کا ایسا نہ کرنا بتلاتا ہے کہ یا تو ویدوں پر ان کو کوئی ایمان نہ تھا اور یا کم سے کم وہ ویدوں کو توحید سے خالی سمجھتے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس چولہ پر صرف توحید کی آیتیں ہی نہیں ہیں بلکہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت بھی لکھا ہوا ہے جس میں خدا کی توحید کے علاوہ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت پر بھی ایمان لانے کی گواہی موجود ہے۔ اور پھر پنجتن کا نام لکھا ہوا ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ اور ان الدین عند اللہ الاسلام لکھنے کے کیا معنی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین فقط اسلام ہی ہے" اس پر وہ سکھ چپ ہو گئے صرف اتنا کہا کہ مہاراج آپ بڑی قسمت والے تھے جو چولا صاحب نے آپ کو درشن دیدیئے۔ ورنہ سینکڑوں لوگ آتے ہیں اور درشن سے محروم چلے جاتے ہیں۔ مگر اُس آریہ ڈاکٹر کی یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ وہ گر پڑے میں اُسے پکڑ کر باہر لے آیا اور ہم واپس شکر گڑھ کو روانہ ہو گئے۔ شام ہو گئی تھی۔ رات تاریک تھی۔ رستہ بھر وہ ڈاکٹر بالکل خاموش اور سخت غمگین رہا۔ (مؤلف)

ناموں میں سے یا ھُوَ کا تھا کیونکہ شاہ شمس صاحب کا بھی وِرد یہی اسم باری تعالیٰ تھا +

سرسہ کے چلہ کی کیفیت اسی طرح سرسہ میں شاہ عبدالشکور صاحب کی خانقاہ ہے وہاں بھی بابا نانک صاحب نے چالیس دن تک چلہ کشی کی۔ اور مسجد کے قریب ایک خلوت خانہ روبقبلہ بنا کر اس میں نماز و نوافل پڑھتے رہے۔ اور فرائض پنجگانہ قریب ہی ایک مسجد ہے اس میں ادا کرتے رہے۔ اب اس خلوت خانہ کا نام **چلہ بابا نانک** کر کے مشہور ہے۔ اور پنجاب اور سندھ وغیرہ سے سکھ صاحبان اس چلہ کی زیارت کرنے آتے ہیں اور بہت کچھ روپیہ چڑھاتے ہیں۔ اور وہ روپیہ اُن مجاور مسلمانوں کو ملتا ہے جو شاہ عبدالشکور صاحب کی خانقاہ پر مقرر ہیں۔ اسی طرح یہ بھی سنا جاتا ہے کہ اجمیر میں اور پاک پٹن میں بھی آپ نے چلہ کشی کی ہے لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے تحقیقات نہ کی جا سکی +

پوتھی صاحب پوتھی صاحب کی تحقیقات کی تاریخ تو اپریل ۱۹۰۸ء ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے اس واقعہ کو چشمۂ معرفت میں شائع فرمایا ہے جو مئی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ لیکن چونکہ گرونانک صاحب کے مذہب کا بیان کر ہو رہا ہے اور ان دلائل کے علاوہ جو سکھوں کی مختلف مقدس مذہبی کتابوں میں موجود ہیں اور جن سے جناب باوا صاحب کے مذہب اسلام پر استدلال ہو سکتا ہے یہاں باوا صاحب کے ایک تبرک چولا صاحب کا خاص طور پر ذکر ہوا ہے جو انکے مسلمان ہونے پر ایک حتمی دلیل ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جناب باوا صاحب کے ایک اور تبرک کا بھی یہیں ذکر کر دوں جو **پوتھی صاحب** کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق میری معلومات براہ راست ان لوگوں سے حاصل شدہ ہیں جو اس وفد کے ممبر تھے جسے حضرت اقدس مرزا صاحب نے پوتھی صاحب کی تحقیقات کے لئے گرو ہرسہائے ضلع فیروزپور بھیجا تھا۔ یعنی مفتی محمد صادق صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ۔ اس تحقیقات کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے سُنا کہ موضع گرو ہرسہائے میں جو ضلع فیروزپور میں ہے گرو بابا نانک صاحب کا ایک تبرک چلا آتا ہے جو **پوتھی صاحب** کہلاتا ہے۔ اور جو گرو رامداس صاحب کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔ یہ گرو رامداس صاحب بابا نانک صاحب کے بعد سکھوں کے چوتھے گرو ہیں اور یہ وہی گرو رامداس ہیں جن کے نام نامی پر امرت سر کا مشہور سنہری مندر دربار صاحب نامزد ہے۔ ان گرو صاحب کی اولاد پہلے تو محمدی پور تحصیل چونیاں ضلع لاہور میں آباد تھی۔ پھر اس خاندان کا بزرگ گرو جیون مل نقل مکان کر کے موجودہ مقام میں آگیا۔ اور یہاں اس نے ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر گرو ہرسہائے رکھا حضرت مرزا صاحب کی اس تحقیقات کے زمانہ میں گرو بشن سنگھ صاحب گدی نشین تھے۔ اور انہی کی تحویل میں گرو بابا نانک صاحب کے وہ تبرکات تھے جو اس خاندان کے قبضہ میں چلے آتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس پوتھی صاحب کے متعلق سکھوں کا عقیدہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے

جسے بابا نانک صاحب نہایت عقیدت کے ساتھ ہر وقت گلے میں ڈالے پھرتے تھے اور اکثر اوقات اسی کو پڑھتے رہتے تھے اور اس کے پڑھنے کو عبادت شمار کرتے تھے۔ بڑی بڑی دُور سے راسخ العقیدہ سکھ لوگ آکر اس کے درشن کرتے اور اُس پر ہزار ہا روپے کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ مہاراجہ فرید کوٹ بھی اس کے درشن کرنے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن عام طور پر یہ کتاب رومالوں میں لپٹی ہوئی دکھا دی جاتی ہے اور سکھ لوگ اسے متھا ٹیک کر چلے جاتے ہیں۔ کھول کر بہت کم کسی کو دکھائی جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ اسے کھول کر دکھلانے کیلئے ایک سو ایک روپیہ نذرانہ گروجی کی خدمت میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ پھر وہ ایک سو ایک دفعہ نہاتے ہیں تب اس قابل ہوتے ہیں کہ اس پوتر اور مقدس کتاب کو ہاتھ لگائیں۔ کوئی بڑے ہی متمول اور درشن کے شوقین سکھ بزرگ آتے ہیں اور وہ ایک سو ایک روپے نذرانہ دیتے ہیں تو گروجی ایک سو ایک دفعہ نہا کر پوتھی صاحب کو کھول کر درشن کرواتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت اقدس مرزا صاحب کے قلب روشن کو یہ احساس ہوا کہ اس پوتھی صاحب سے بھی کوئی نہ کوئی امر ایسا ظاہر ہوگا جس سے بابا نانک صاحب کے مسلمان ہونے پر روشنی پڑے گی۔ چنانچہ آپ نے اپنے مریدوں کا ایک وفد پوتھی صاحب کی تحقیقات کے لئے گروہر سہائے بھیجا۔ ان دنوں اتفاق سے آپ کے مرید سید امیر علی شاہ صاحب جلال آباد ضلع فیروز پور میں سب انسپکٹر پولیس تھے اور موضع گروہر سہائے ان کے حلقہ میں تھا وفد سیدھا جلال آباد شاہ صاحب کے پاس پہنچا۔ ان سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ بڑے موقعہ پر آئے۔ گروہر سہائے میں ابھی گروجی کے ہاں چوری ہوگئی ہے اور میں تفتیش کے لئے وہیں جا رہا ہوں میرے ساتھ چلے چلو۔ چنانچہ یہ سب صاحب اُن کے ساتھ گروہر سہائے جا پہنچے۔ گروبخش سنگھ صاحب نے سب کی بڑی خاطر مدارات کی۔ وفد نے کہا کہ گروجی سب سے بڑی مدارات یہ ہے کہ ہمیں پوتھی صاحب کے درشن کروا دیں۔ گروجی کو سب انسپکٹر صاحب کی رعایت بھی مدنظر تھی۔ بولے کہ "بڑی تقدیر والے ہو۔ مجھے آج ہی ایک شخص ایک سو ایک روپے نذر دے گیا ہے۔ میں کل ایک سو ایک دفعہ نہاؤں گا اور پوتھی صاحب کو کھول کر اس کے درشن کرواؤں گا۔ آپ لوگ بھی ساتھ ہی درشن کر لینا۔ الگ نذرانہ دینے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی"۔ دوسرے دن گروجی نے نہانا شروع کیا۔ ایک سو ایک دفعہ نہانا کوئی آسان کام ہے۔ نہاتے نہاتے گھنٹوں گزر گئے۔ تب گروجی اس قابل ہوئے کہ اس پوتر کتاب کو ہاتھ لگائیں وہ کتاب جب لائی گئی تو اُس پر بھی چولا صاحب کی طرح سینکڑوں بیش قیمت رومال چڑھے ہوئے تھے جب یکے بعد دیگرے وہ رومال ہٹے تو پوتھی صاحب نظر آئی۔ کھولا تو ہمارے دوست یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ قرآن شریف تھا۔ بسم اللہ اور سورہ فاتحہ سے شروع کر کے والناس تک پورا مکمل قرآن شریف تھا۔

حمائل کا سا لٹھا قلمی تھا۔ اور ہر صفحہ پر اردگرد سنہری لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔ گروجی بولے کہ "جو بانی (زبان) اس میں لکھی ہوئی ہے اسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کوئی آسمانی بانی (زبان) ہے جسے بابا صاحب ہی سمجھتے تھے" اور یہ انہوں نے سچ کہا۔ موجودہ گروجی بیچارے عربی زبان کہاں سمجھ سکتے تھے۔ اُنہیں پتہ ہوتا کہ یہ پوتھی صاحب قرآن شریف ہے تو وہ مسلمانوں کی ایک محقق جماعت کو اس کے درشن ہی کیوں کروانے۔ یہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۸ء شنبہ کا دن تھا جس روز پوتھی صاحب کا درشن کیا گیا۔ درشن کرنے کے بعد ہمارے دوست اپنا ایمان تازہ کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے اور درود شریف پڑھتے واپس ہوئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں آکر تمام ماجرا عرض کیا تو حضرت خوشی سے پھول کی طرح کھل گئے۔ اور فرمایا کہ بس یہ شہادت جو سب کے آخر میں ہمیں ملی ہے اس نے بابا نانک صاحب کے مسلمان ہونے پر مہر لگا دی۔ چنانچہ بڑی آب و تاب سے اس تحقیقات کو اپنی کتاب چشمہ معرفت میں درج فرمایا۔ اب کوئی مانے یا نہ مانے یہ اس کا اختیار ہے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت اقدس نے سکھوں پر حجت ضرور تمام کر دی۔

مرہم حواریین یا مرہم عیسیٰ کی تحقیقات

مرہم عیسیٰ

اللہ تعالیٰ جب کسی مرد کامل کو کسی امر کے لئے مامور کرتا ہے تو ایک تڑپ اور جوش اس کے دل کے اندر اس امر کے متعلق ایسا زبردست رکھ دیتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اس شخص سے الگ نہیں ہوتا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کسر صلیب یعنی مذہب عیسائیت کی تردید کے لئے مامور فرمایا تو آپ کے دل میں اس کے لئے جوش بھی ویسا ہی عطا فرمایا۔ چونکہ مسیح کی وفات کا مسئلہ عیسائیت کی جڑ پر کلہاڑا تھا۔ اس لئے وفات مسیح کی طرف شب و روز آپ کی توجہ مبذول رہتی تھی اور اس کے متعلق اس قدر انہماک تھا کہ ایک دفعہ ایک مولوی نے جب آپ کی بیعت کی تو آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا کہ میں قرآن پڑھایا کرتا ہوں کچھ اسکے بارے میں مجھے ہدایات دیجئے۔ فرمانے لگے قرآن میں جو یٰعیسیٰ انی متوفیک آتا ہے وہاں متوفیک کے معنے ممیتک پڑھایا کرو جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس سے اس کے معنے ممیتک مروی ہیں۔ یعنی اے عیسیٰ میں تجھے موت دینے والا ہوں۔ باقی جس طرح مرضی چاہے پڑھاؤ۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ مجھ سے پوچھتا تو میں اور بیسیوں باتیں بتاتا اور شاید یہی نہ بتاتا لیکن مامور کے دل میں جو تڑپ ہوتی ہے وہ اسے اپنی ڈیوٹی سے کبھی غافل نہیں ہونے دیتی۔ مسیح کی وفات کے اعلان کی جو لگن لگی ہوئی تھی اس کے ماتحت آپ کو سب سے ضروری ہدایت یہی نظر آئی کہ وفات مسیح کے مسئلہ پر کوئی ابہام نہ باقی رہ جائے۔ اور قرآن کریم کو پڑھانے والا اس مسئلہ کو اسکی صحیح روشنی میں پڑھائے

اسی سلسلہ میں بڑی تلاش سے آپ نے طب کی کتابوں میں سے ایک مرہم کا نسخہ نکالا جو مرہم حواریین یا مرہم عیسیٰ کہلاتا ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ یہی وہ مرہم ہے جو حضرت عیسیٰ کے صلیب دیئے جانے اور وہاں سے زندہ اُتر آنے کے بعد حواریوں نے اُن کے ہاتھوں کے زخموں پر لگایا تھا۔ اور اس مرہم کے اشتہار کو آپ نے بڑی زور سے اسی کتاب ست بچن کے ساتھ شائع کیا جس میں آپ نے اس امر کو پایۂ ثبوت پر پہنچا دیا کہ اکثر محقق اطبا نے اس کو اپنی کتابوں میں مرہم حواریین یا مرہم عیسیٰ کے نام سے درج کیا ہے۔ اور قرابادین قادری میں جو ایک مشہور طب کی کتاب ہے صاف لکھا ہے کہ یہ وہ مرہم ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زخموں کیلئے حواریوں نے تیار کی تھی۔ آپ نے اس اشتہار میں بہت سی طب کی کتابوں کے نام بھی درج کئے جن میں یہ نسخہ نقل ہے اور جن میں اس نام کی وجہ تسمیہ بھی یہی درج ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور ان طب کے مصنفین میں نہ صرف مسلمان ہی شامل ہیں بلکہ عیسائی اور یہودی بھی شامل ہیں اور اُن کی کتابیں اُن پرانی یونانی اور رومی کتابوں سے ترجمہ شدہ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد کے قریب ہی تالیف ہوئی تھیں۔ اس اشتہار میں آپ نے بڑے زور سے یہ بھی ثابت کیا کہ کس طرح حضرت مسیح زندہ صلیب سے اُتارے گئے اور آپ کے زخموں کیلئے حواریوں نے یہ مرہم تیار کی جس سے آپ کے زخموں کو شفا ہوئی اور پھر اس کے بعد آپ کشمیر میں ہجرت کر گئے تاکہ بنی اسرائیل کے باقی دس قبیلوں کو ہدایت دیں جو افغانستان اور کشمیر میں آباد تھے۔ اور آخر کار آپ نے سرینگر میں وفات پائی اور محلہ خان یار میں دفن ہوئے۔ جہاں آپ کی قبر یوز آسف نبی یا عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے موسوم ہے

چونکہ مرہم حواریین یا مرہم عیسیٰ سے بھی مسیح کے واقعہ صلیب اور وفات پر روشنی پڑتی تھی اسلئے بڑے زور شور سے آپ نے اعلان فرمایا۔ اور وفات مسیح پر جو دلائل کا انبار آپ نے جمع کر دیا تھا اس میں ایک دلیل کا اور اضافہ ہو گیا۔

کتاب آریہ دھرم کی تصنیف

جس طرح پادریوں کے ناپاک اور متواتر حملوں سے جو نادانستہ اور نادانستہ پر وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر کیا کرتے تھے تنگ آ کر آخر حضرت اقدس نے عیسائیوں کی پیش کردہ یسوع کی شخصیت پر نور القرآن حصہ دوم میں وہ زبردست تنقید کی کہ مسیحیت کے پرخچے اُڑ گئے اور پادریوں کا ناطقہ بند ہو گیا۔ اسی طرح جب آریوں نے پادریوں کی کا سا لیسی کرتے ہوئے اسی قسم کی گندہ دہنی میں حد کر دی، تو حضرت اقدس نے بھی تنگ آ کر جواب ترکی بہ ترکی دیا اور انکے مسلمہ پیشوا کو سامنے رکھ کر ایک

کتاب آریہ دھرم تصنیف کی۔ اُس میں نیوگ کے مسئلہ کو لیکر آریہ دھرم کی وہ مٹی پلید کی کہ ایک دفعہ تو آریوں کو بھی ہوش آگیا کہ کس زبردست سے پالا پڑا ہے۔ چونکہ آریہ نیوگ کے مقابلہ میں اسلام کے مسائل کثیر الازدواجی اور طلاق کو پیش کرویا کرتے تھے اس لئے ان مسائل کو بھی اس کتاب میں خوب صاف کیا ہے۔ اور نیوگ کے ایک سچے واقعہ کو بطور مثال پیش کرکے اس کی تمام اخلاقی برائیاں اس خوبی سے دکھائی ہیں کہ ایک معقول انسان ایسی گندی تعلیم سے بکلی بیزار ہوجاتا ہے۔ ستیارتھ پرکاش دوسرے چھاپہ کے صفحہ ۱۳۱ پر پنڈت دیانند صاحب نے ویدکی تعلیم کے ماتحت بیوہ عورت کو نکاح ثانی سے روکا ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کوئی لڑکا اپنی ذات کا متبنّیٰ کرلے اس طرح خاندان کا نام بھی باقی رہے گا اور کسی غیر محرم مرد سے ہم بستر ہونے یعنی نیوگ کی حاجت نہ ہوگی۔ لیکن اگر رہبانیت اختیار نہ کرسکے تو نیوگ کرواکے شہوت فرو کرے اور اولاد حاصل کرے۔ اگرچہ یہ بھی اخلاقی رنگ میں بہت بُری بات ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر آگے آتا ہے جسے حضرت اقدس نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:۔

"میں نے کہا کہ آگے پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ مقام آگیا جس میں آریہ صاحبوں کا وید ایک زندہ خصم والی عورت کو بھی ہدایت کرتا ہے کہ وہ اولاد نہ ہونے کی حالت میں کسی غیر سے ہم بستر ہو۔ اس مقام کو پڑھ کر ہر ایک غیرتمند نے پانچوں انگلیاں منہ میں ڈال لیں۔ اور سب توبہ توبہ کر اُٹھے کہ دنیا میں ایسی تعلیمیں بھی ہیں کہ بجائے تہذیب اور پاکیزگی سکھلانے کے اپنے پیروؤں کو اپنی حالت سے بھی نیچے گراتی اور ان کی نیک چلنی کا ستیاناس کرتی ہیں۔ میرے دل پر اس وقت بہت ہی صدمہ گزرا اور قریب تھا کہ میں آہ مار کر روتا اس خیال سے کہ جن لوگوں کی کتاب کی ایسی تعلیم ہے وہ بھی اسلام کی پاک تعلیم پر اعتراض کرتے اور اس زناکاری کی حالت پر راضی ہوکر تعدد ازدواج کے اس مسئلہ پر شور مچاتے ہیں جو نکاح کی پابندی سے دراصل انہیں ضرورتوں کی بنا پر ہے جن ضرورتوں نے ان قوموں کی حرامکاری تک نوبت پہنچائی۔ پاک طریق پر اعتراض اور ٹھٹھا۔ اور ناپاکی اور دیوثی پر راضی ہونا اور جھوٹے طور پر دوسرے کے نطفہ کو اپنا نطفہ قرار دینا کہ یہ میری ہی اولاد ہے کس قدر سچائی اور شرم اور غیرت کا خون کرنا ہے۔ مگر میں اس افسوس کو اندر ہی اندر کھا گیا ....." (آریہ دھرم صفحہ ۶)

سو روپے کا انعام اس کتاب سے قبل حضرت اقدس نے ایک اشتہار ۱۳۔ جولائی ۱۸۹۵ء کو نیوگ کے متعلق دیا تھا اور آریوں کو مخاطب کرکے لکھا تھا کہ ایسی گندہ تعلیم کو اُمید ہے آریہ لوگ پسند نہ کریں گے اور پنڈت دیانند صاحب نے اگر یہ مسئلہ غلط لکھا ہے اور وید میں ایسا نہیں ہے تو آریہ صاحبان کو چاہیئے

کہ پنڈت صاحب کی کھلم کھلا تردید کریں اور ایسی گندہ تعلیم سکھلانے والے سے پرہیز کریں۔ اور وید سے صحیح تعلیم ہمارے آگے پیش کریں۔ اور اگر پنڈت دیانند صاحب کا بیان درست ہو اور نیوگ ہی ویدوں کی تعلیم ہے تو پھر چاہئے کہ وید سے پرہیز کریں کیونکہ کوئی خدا کی کتاب ایسی گندی تعلیم نہیں دے سکتی۔ اس کے جواب میں آریہ صاحبان کی طرف سے ایک گول مول گالیوں سے بھرا ہوا اشتہار مطبع ست دھرم پرچارک جالندھر سے نکلا جس میں حضرت اقدس کو گالیاں بھی دیں اور غلط بیانی کا الزام بھی آپ پر لگایا۔ مگر ساتھ ہی دبی زبان سے نیوگ کا اقرار بھی کر لیا۔ اس لئے حضرت اقدس نے جب یہ کتاب آریہ دھرم ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کو شائع فرمائی تو ساتھ ہی آپ نے سو روپے کے انعام کا بھی اعلان کیا کہ اگر اس معاملہ میں کوئی آپ کی غلط بیانی ثابت کرے تو اُسے سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ آریہ دھرم صفحہ ۱۳ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس لئے ہم اس رسالہ کے ساتھ ایک سو روپے کا اشتہار بھی دیتے ہیں کہ اگر یہ بات خلاف نکلے کہ پنڈت دیانند نے وید کے حوالہ سے نہ صرف بیوہ کا غیر سے بغیر نکاح کے ہم بستر ہونا ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے بلکہ عمدہ عمدہ وید کی شرتیوں کا حوالہ دیکر اس قسم کے نیوگ کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ خاوند والی عورت اولاد کے لئے غیر سے نطفہ لیوے۔ اور غیر اس سے اس مدت تک بخوشی ہم بستر ہوتا رہے جب تک کہ چند لڑکے پیدا نہ ہو لیں۔ تو ہم اس بیان کے خلاف واقعہ نکلنے کی صورت میں نقد سو روپے اشتہار جاری کرنیوالے کو دیدیں گے اور اس وقت وہ گالیاں جو اشتہار میں لکھی ہیں ہمارے حق میں راست آئیں گی....." (آریہ دھرم صفحہ ۱۳)

اس کے جواب میں آریوں کے پاس سوائے خاموشی کے اور کیا تھا۔ ہاں غل مچاتے رہے کہ ہمارے ساتھ بہت سختی کی گئی اور ان کے ساتھ مکفر مولوی بھی ہمنوا ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ مرزا صاحب خواہ مخواہ آریوں اور عیسائیوں کو چھیڑتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بھی اسلام اور بانیٔ اسلام پر منہ آتے ہیں اور نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں +

اشتہار باعث تالیف آریہ دھرم دست بچن

اپنی قوم کے مولویوں کی اس بیہودہ گوئی سے تنگ آکر آخر حضرت اقدس نے ۱۵ نومبر ۱۸۹۵ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "اشتہار باعث تالیف آریہ دھرم دست بچن"۔ اس میں بتلایا کہ ابتدا ہم نے کبھی نہیں کی۔ فقط آریوں اور عیسائیوں کی گندہ دہنی سے تنگ آکر ہم نے انہیں جواب ترکی بہ ترکی دیا ہے اور ان کی اصل حقیقت ان کے آگے پیش کی ہے جس سے یہ گھبرا اُٹھے کیونکہ وہ حقیقت بجائے خود ایسی سیاہ اور مکروہ ہے کہ جب آنکھوں سے خوش عقیدگی اور تقلید آبائی کا پردہ اُتار دیا جائے اور اس کی صحیح شکل اُن کے آگے پیش کر دی جائے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے

ساتھ سختی کی گئی ہے حالانکہ سختی نہیں کی گئی بلکہ اصل حقیقت کو آشکارا کیا گیا۔ میں وہ اشتہار یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آج بھی مولوی اور بعض لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں۔ وہ اشتہار یہ ہے جو ۱۵ نومبر ۱۸۹۲ء کو شائع کیا گیا:۔

"یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہم برسوں تک آریوں کے مقابل پر بالکل خاموش رہے۔ قریباً چودہ برس کا عرصہ ہو گیا کہ جب ہم نے پنڈت دیانند اور اندرمن اور کنہیالعل کی سخت بدزبانی کو دیکھ کر اور اُن کی گندی کتابوں کو پڑھ کر کچھ ذکر ہندوؤں کے ویدکا براہین احمدیہ میں کیا تھا۔ مگر ہم نے اس کتاب میں بجز چند باتوں کے جو ویدوں کی تعلیم سے معلوم ہوتا تھا ایک ذرا زیادتی نہ کی۔ لیکن دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں اور اندرمن نے اپنی کتابوں میں اور کنہیالعل نے اپنی تالیفات میں جس قدر بدزبانی اور اسلام کی توہین کی ہے اس کا اندازہ ان لوگوں کو خوب معلوم ہے جنہوں نے یہ کتابیں پڑھی ہوں گی۔ غرض دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں وہ گالیاں دیں اور سخت زبانی کی جن کا مرتکب صرف ایسا آدمی ہو سکتا ہے جس کو نہ خدا تعالیٰ کا خوف ہو نہ عقل ہو نہ شرم ہو نہ فکر ہو نہ سوچ ہو۔ غرض ہم نے ان سفید مخالفوں کے افتراؤں کے بعد صرف چند ورق براہین میں آریوں کے خیالات کے بارے میں لکھے۔ اور بعد ازاں باوجودیکہ لیکھرام وغیرہ نے اپنی ناپاک طبیعت سے بہت سا گند ظاہر کیا اور بہت سی توہین مذہب کی ہم بالکل خاموش رہے۔ ہاں سرمہ چشم آریہ اور شحنۂ حق جن کی تالیف پر نو برس گزر گئے آریوں کی ہی تحریک اور سوالات کے جواب میں لکھے گئے۔ چنانچہ سرمہ چشم آریہ کا اصل موجب مرلیدھر آریہ تھے جنہوں نے بمقام ہوشیارپور کمال اصرار سے مباحثہ کی درخواست کی۔ اور سرمہ چشم آریہ درحقیقت اس سوال و جواب کا مجموعہ ہے جو ہمارے اور منشی مرلیدھر کے مارچ ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ پھر ان کتابوں کی تالیف کے بعد آج تک ہم خاموش رہے۔ اور چوداں برس سے آج تک یا اگر ہوشیارپور کے مباحثہ سے حساب کرو تو نو برس سے آج تک ہم چپ رہے اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گندے رسالے آریوں کی طرف سے نکلے۔ اور گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں اور اخباریں انہوں نے شائع کیں۔ مگر ہم نے بجز اعراض اور خاموشی کے اور کچھ بھی کارروائی نہ کی پھر جب آریوں کا ظلم حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اُن کی بے ادبیاں انتہا تک پہنچ گئیں تب اب یہ رسالہ آریہ دھرم لکھا گیا۔ ہمارے بعض اندھے مولوی جو ہر ایک بات میں ہم پر ہی الزام لگاتے ہیں اور آریوں اور عیسائیوں کو بالکل معذور سمجھ کر ہر ایک سخت زبانی ہماری طرف ہی منسوب

کرتے ہیں ان کو کیا کہیں اور ان کی نسبت کیا لکھیں وہ تو بخل اور حسد کی زہر سے مر گئے۔ اور ہمارے بغض سے اللہ اور رسول کے بھی دشمن ہو گئے۔ اے سیہ دل لوگو! تمہیں صریح جھوٹ بولنا اور دن کو رات کہنا کس نے سکھایا۔ گو یہ سچ ہے کہ ہم نے براہین میں ویدوں کا کچھ ذکر کیا مگر اس وقت ذکر کیا کہ جب دیانند ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ستیارتھ پرکاش میں صدہا گالیاں دے چکا۔ اور اسلام کی سخت توہین کر چکا اور ہندو بچے ہر ایک گلی کوچہ میں اسلام کے منہ پر تھوکنے لگے۔ پس کیا اس وقت واجب نہ تھا کہ ہم بھی ویدوں کی حقیقت کھولیں اور آیت کریمہ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون پر عمل کر کے اپنے مولیٰ کو راضی کریں۔ اور پھر اس وقت سے آج تک ہم خاموش رہے۔ لیکن آریوں کی طرف سے اس قدر سختی اور گندی اخباریں توہین اسلام کے بارے میں اس وقت تک شائع ہوئیں کہ اگر ان کو اکٹھا کریں تو ایک انبار لگتا ہے۔ یہ کیسا خبث باطن ہے کہ مسلمان کہلا کر پھر ظلم کے طور پر ان لوگوں کو ہی حق بجانب سمجھتے ہیں جو سالہا سال سے ناحق شرارت اور افترا کے طور پر اسلام کی توہین کر رہے ہیں اے مولویت کے نام کو داغ لگانیوالو! ذرا سوچو کہ قرآن میں کیا حکم ہے۔ کیا یہ روا ہے کہ ہم اسلام کی توہین کو چپکے سنتے جائیں۔ کیا یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالی جائیں اور ہم خاموش بیٹھے رہیں؟ ہم نے برسوں تک خاموش رہ کر بھی دیکھا۔ ہم کو دکھ دیئے گئے اور صبر کرتے رہے مگر پھر بھی ہمارے بدگمان دشمن باز نہ آئے۔ اگر تمہیں شک ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے ہی عیسائیوں اور آریوں کو توہین مذہب کیلئے برانگیختہ کیا ہے ورنہ یہ بیچارے نہایت سلیم المزاج اور اسلام کی نسبت خاموش تھے۔ بے ادبی اور توہین نہیں کرتے تھے اور نہ گالیاں نکالتے تھے۔ تو آؤ ایک جلسہ کرو۔ پھر اگر یہ ثابت ہو کہ زیادتی ہماری طرف سے ہے اور ابتدا سے ہم ہی محرک ہوئے۔ اور ہم نے ہی ان لوگوں کے بزرگوں کو ابتداءً گالیاں دیں تو ہم ہر ایک سزا کے سزاوار ہیں۔ لیکن اگر اسلام کے دشمنوں کا ہی ظلم ثابت ہو تو ایسے خبیث طبع مولویوں کو کسی قدر سزا دینا ضروری ہے جو ہماری عداوت کیلئے اسلام کو درندوں کے آگے پھینکتے ہیں۔ ہر ایک امر کی حقیقت تحقیقات کے بعد کھلتی ہے۔ اگر سچے ہیں تو ایک جلسہ کریں۔ پھر اگر ہم کاذب نکلیں تو بیشک ہندوؤں اور عیسائیوں کی تائید میں ہماری کتابیں جلا دیں۔ اور یہ ہرگز ایسا جلسہ نہیں کریں گے کیونکہ ان لعنتی لوگوں کے اب دل مجزوم ہو گئے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ محض افترا کے طور پر بخل کے تقاضہ سے اُن کے منہ سے یہ باتیں نکل رہی

ہیں۔ لیکن باوا (نانک) صاحب کے بارے میں جو ہم نے رسالہ ست بچن لکھا ہے اس میں ہم نے باوا صاحب کی نسبت کوئی توہین کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا یہ رسالہ ان کی تعریف توصیف سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم ایسے نیک منش اور قابل تعریف انسان کی مذمت کرنا سراسر خبث اور ناپاکی کا طریق جانتے ہیں۔ اور ہماری رائے اُن کی نسبت یہی ہے کہ وہ سچے دل سے خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر خدا تعالیٰ کی برکات نازل ہوتی ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ الراقم خاکسار غلام احمد"

مذہبی مباحثات کی اصلاح کیلئے نوٹس اور گورنمنٹ کو میموریل

نوٹس حضرت اقدس آریوں اور عیسائیوں کی گندہ دہنی اور بدزبانیوں سے ایسے سخت تنگ تھے کہ آپ نے ۲۲۔ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ایک "نوٹس بنام آریہ صاحبان و پادری صاحبان و دیگر صاحبان مذاہب مخالفہ" طبع کرکے جاری کیا اور اسی میں گورنمنٹ آف انڈیا کو بھی توجہ دلائی کہ چونکہ مباحثات میں کسی قاعدہ اور اصول کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور جو جس کے منہ میں آتا ہے فریق ثانی کا دل دکھانے کی غرض سے بکواس کر دیتا ہے اس لئے ان مذہبی مباحثات اور مناظرات کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے مداخلت ہو کر کچھ اصول بن جانے چاہئیں جن کی خلاف ورزی کرنیوالا قانونی طور پر مجرم قرار دیا جائے۔ اس نوٹس میں سے چند اقتباسات میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر ہم اس شکایت کے رفع کیلئے اپنی محسن اور مہربان گورنمنٹ کو اس طرف توجہ نہ دلاویں تو کس کو دلاویں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مذہبی مخالف صرف بے اصل روایات اور بے بنیاد قصوں پر بھروسہ کرکے جو ہماری کتب مسلّمہ اور مقبولہ کے رُو سے ہرگز ثابت نہیں ہیں بلکہ منافقوں کے مفتریات ہیں۔ ہمارا دل دُکھاتے ہیں۔ اور ایسی باتوں سے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں اور گالیوں تک نوبت پہنچاتے ہیں جن کا ہماری معتبر کتابوں میں نام و نشان نہیں..... اور جس کو ہم اپنی پوری تحقیق کے رُو سے سیّد المعصومین اور ان تمام پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور اس کو خاتم الانبیا جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہوگئے۔ اس انصاف پسند گورنمنٹ کے ملک میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور بڑے بڑے پیرایوں میں ہمارے اس مقدس مذہب کی توہین کی جاتی ہے..... یہ لوگ بے ثبوت بتانوں سے سرکار انگریزی

کی وفادار رعایا اہل اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔ ہم نہایت ادب سے گورنمنٹ عالیہ کی جناب میں یہ عاجزانہ التماس کرتے ہیں..... کہ اس مضمون کا ایک قانون پاس کر دیوے یا کوئی سرکلر جاری کرے کہ آئندہ جو مناظرات اور مجادلات اور مباحثات مذہبی امور میں ہوں اُن کی نسبت ہر ایک قوم مسلمانوں اور عیسائیوں اور آریوں وغیرہ میں سے دو امر کے ضرور پابند رہیں:۔

(۱) اوّل یہ کہ ایسا اعتراض جو خود معترض کی ہی الہامی کتاب یا کتابوں پر جن کے الہامی ہونے پر وہ ایمان رکھتا ہے وارد ہو سکتا ہو۔ یعنی وہ امر جو بنا اعتراض کی ہے ان کتابوں میں بھی پایا جاتا ہو جن پر معترض کا ایمان ہے۔ ایسے اعتراض سے چاہئے کہ ہر ایک ایسا معترض پرہیز کرے۔

(۲) دوم۔ اگر بعض کتابوں کے نام بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے کسی فریق کی طرف سے اس غرض سے شائع ہو گئے ہوں کہ درحقیقت وہی کتابیں ان کی مسلّم اور مقبول ہیں تو چاہئے کہ کوئی معترض ان کتابوں سے باہر نہ جائے۔ اور ہر ایک اعتراض جو اس مذہب پر کرنا ہو انہیں کتابوں کے حوالہ سے کرے۔ اور ہرگز کسی ایسی کتاب کا نام نہ لیوے جس کے مسلّم اور مقبول ہونے کے بارے میں اشتہار میں ذکر نہیں۔ اور اگر اس قانون کی خلاف ورزی کرے تو بلا تامل اس سزا کا مستوجب ہو جو دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند میں مندرج ہے۔ یہ التماس ہے جس کا پاس ہونا ہم بذریعہ کسی ایکٹ یا سرکلر کے گورنمنٹ سے چاہتے ہیں۔"

اس کے بعد آگے چل کر آپ نے مسلمانوں کی کتب مسلمہ مقبولہ کو مشتہر کیا ہے جن کو آپ معتبر سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"اوّل قرآن شریف۔ مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔ اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کیلئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر نہ آسکے تو یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل ہی اس کی مفسر ہو۔ غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں۔ پس ہر ایک معترض پر لازم ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جاوے۔"

"دوم دوسری کتابیں جو ہماری مسلّم کتابیں ہیں۔ اُن میں سے اوّل درجہ پر صحیح بخاری ہے اور اس کی وہ تمام احادیث ہمارے نزدیک حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں

اور انہیں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو۔ اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی۔ ابن ماجہ۔ موطا۔ نسائی ابن داؤد۔ دارقطنی۔ کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔

یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں اور یہ شرائط ہیں جن کے رُو سے ہمارا عمل ہے۔ اب ہم قانونی طور پر آپ لوگوں کو ایسے اعتراضوں سے روکتے ہیں جو خود آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں۔ کیونکہ انصاف جس پر قوانین مبنی ہیں ایسی کارروائی کو صحت نیت میں داخل نہیں کرتا۔ اور ہم ایسے اعتراضوں سے بھی آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں جو ان کتابوں اور ان شرائط پر مبنی نہیں جن کا ہم اشتہار میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسی کارروائی بھی تحقیق حق کے برخلاف ہے"

اسی سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور آپ سب صاحبوں کو بھی اختیار ہوگا کہ اپنی مقبولہ مسلمہ کتابوں کا اشتہار دیدیں۔ اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان معترض اپنے اعتراض میں آپ کے اشتہار کا پابند نہ ہو اور کوئی ایسا اعتراض کرے کہ جو ان کتابوں کی بنا پر نہ ہو جن کے مقبول ہونے کی نسبت آپ اشتہار دے چکے ہیں یا کوئی ایسا امر مورد اعتراض ٹھیرادے جو خود اسلام کی تعلیم میں موجود ہے تو بیشک ایسا معترض مسلمان بھی اشتہار کے بعد اُسی دفعہ ۲۹۸ کے رُو سے سزا پانے کے لائق ہوگا جس دفعہ سے ہم فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں"

اس نوٹس کے نیچے ہزارہا معززین شرفائے اسلام کے دستخط کروائے گئے جو جماعت میں سے تھے یا جماعت کے باہر سے تھے اور تعصب نہ رکھتے تھے اور مسلمانوں کے معقول اور تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے

میموریل آپنے بذریعہ مطبعہ عکسی چٹھی کے تمام اہل اسلام کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ وہ اس نوٹس پر دستخط کریں تاکہ گورنمنٹ کو معلوم ہو کہ یہ تمام مسلمانوں کی متفقہ آواز ہے۔ چنانچہ ہزاروں مسلمانوں نے جو شرفا اور معززین میں سے تھے اس نوٹس کے نیچے اپنے دستخط ثبت کئے اور اس کے بعد گورنمنٹ کی خدمت میں ایک باقاعدہ میموریل اس بارے میں بھیجا گیا جس کا ذرا مختصر کر کے یہی مضمون تھا جو اس نوٹس میں درج ہے۔ اُس وقت تو گورنمنٹ نے ایسا کوئی ایکٹ یا قانون پاس نہیں کیا۔ مگر اس کے بہت سالوں کے بعد اب یہ قانون پاس کیا ہے کہ کسی مذہب کے بانی کو گالی دینا یا اُس کی ہتک کرنا چونکہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں باہمی منافرت پھیلانے کا موجب ہے اس لئے قانون ۱۵۳ (ب) کے

ماتحت ایسا شخص جو کسی بانیٔ مذہب کی ہتک کرے گا مستوجب سزا ہوگا۔

قانون دکھائی کے خلاف آواز اُٹھائی | چونکہ انگریز اپنی گورہ فوج کے لئے کسبیوں کا انتظام چھاؤنی میں کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً اُن کی دکھائی یعنی ڈاکٹری ملاحظہ ہوتا رہتا تھا تاکہ گورہ سپاہیوں کو اُن سے آتشک اور سوزاک نہ ہو۔ یہ دکھائی کا طریق بعد میں قانوناً بند کر دیا گیا تھا۔ وزارت کے تبدیل ہونے پر اخبار ٹائمز نے پھر اس قانون دکھائی کو پاس کرنے کے لئے بڑے زور شور سے مضامین لکھنے شروع کئے۔ حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو آپ نے ایک اشتہار کے ذریعہ گورنمنٹ کو توجہ دلائی کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے زنا کو ہر حالت میں حرام کیا ہے۔ اگر گورنمنٹ کسی اور طریق سے اپنے گورہ سپاہیوں کی اخلاقی حالت درست نہیں رکھ سکتی اور انہیں زنا سے روک نہیں سکتی تو پھر چاہئے کہ ولایت سے یورپین کسبیاں لاکر چھاؤنیوں میں رکھے۔ ہماری دیسی عورتوں کو گوروں کی شہوت رانیوں کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

تحریک تعطیل جمعہ

وائسرائے کی خدمت میں میموریل | یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو حضرت اقدس نے جمعہ کی تعطیل کیلئے وائسرائے ہند کو ایک میموریل بھیجا۔ جس پر کثیر تعداد مسلمانوں کے خواہ وہ جماعت میں سے تھے یا غیر از جماعت دستخط و مواہیر تھے۔ اس میموریل میں بڑے زور سے جمعہ کی تعطیل کیلئے آپ نے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی اور جو وجوہات اس میں درج کی تھیں اُن میں سے بعض کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

۱۔ اوّل یہ کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے مذہبی عبادات اور دینی فرائض کے ادا کرنے کے لحاظ سے بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ اتوار عیسائیوں اور ہندوؤں کیلئے۔ پس چونکہ گورنمنٹ عالیہ نے عیسائیوں اور ہندوؤں کی بجا آوریٔ رسوم عبادت وغیرہ کے لئے اتوار کی تعطیل مقرر کر رکھی ہے تو اس صورت میں یہ گروہ کثیر مسلمانوں کا حق رکھتا ہے کہ گورنمنٹ ان کیلئے بھی جمعہ کے دن کی تعطیل عطا فرماوے۔

۲۔ دوم یہ کہ صرف یہی بات نہیں کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے بعض خاص عبادات اور رسوم کی بجا آوری کیلئے مقرر ہے بلکہ اس کے ترک کرنے کی حالت میں قرآن شریف اور احادیث میں سخت وعید ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ایک خاص سورت الجمعہ کے نام سے موجود ہے۔ لہٰذا مذہبی حیثیت سے جمعہ ترک کرنے میں ہر ایک دیندار مسلمان اپنے تئیں ایک گناہ عظیم کا مرتکب خیال کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اس بات کا

بڑے زور سے خواہاں ہے کہ سرکار انگریزی ضرور یہ تعطیل ہندوستان میں منظور فرمائے۔

۳۔ اسلامی تعطیلیں ہندوؤں کی تعطیلوں سے نصف سے بھی کم ہیں۔ پس اس صورت میں مسلمانوں کے حق میں جو کمی ہے وہ جمعہ کی تعطیل مل جانے سے پوری ہو سکتی ہے۔

۴۔ اسلامی سلطنت کے زمانہ میں تعطیل کا دن جمعہ ہی تھا اور اب بھی اسلامی ریاستوں میں جمعہ کو ہی تعطیل ہوتی ہے۔ تو اگر گورنمنٹ برطانیہ بھی مسلمانوں کو جمعہ کے دن تعطیل دیدے گی تو گورنمنٹ کی خیر خواہی مسلمانوں کے دلوں میں بیش از بیش ترقی کر جائے گی۔ کیونکہ مسلمانوں کے اتنے بڑے عظیم الشان دن کو جو برٹش انڈیا میں مردہ کی طرح پڑا ہے پھر نئے سرے سے زندہ کر کے یہ گورنمنٹ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مرہون منت اور ممنون احسان کر لیگی۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی وجوہات لکھیں۔ بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ اگر ضرورت ہو تو ہم مسلمان اتوار کی چھٹی کو جمعہ کی چھٹی کے لئے چھوڑنے کو بھی تیار ہیں۔

خیر قصہ کوتاہ یہ کہ یہ میموریل وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے مولویوں نے اور ان کے زیر اثر مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی طرف توجہ نہ کی بلکہ اس کی مخالفت کی۔ صرف اس لئے کہ یہ میموریل مرزا غلام احمد قادیانی کی قلم سے لکھا گیا اور ان کی تحریک سے بھیجا گیا تھا۔ حضرت مرزا صاحب تو یہ کام محض للّٰہیت سے کر رہے تھے۔ آپ کو کسی تحسین و داد کی تمنا نہ تھی۔ آپ کا مدعا تو فقط یہ تھا کہ کسی طرح یہ اہم دینی خدمت سرانجام پا جائے خواہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔ آپ نے اس میموریل کو بھیجنے سے قبل مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھا بھی تھا کہ اگر وہ اس معاملہ میں خود کوشش کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ وہی یہ کام کریں اور جو کچھ ہم نے اب تک اس میں سعی کی ہے وہ بھی سب اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مگر انہوں نے نہ آپ کیا اور نہ اوروں کو کرنے دیا۔ نتیجہ یہ کہ اس وقت اس معاملہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن ایک مرد خدا کی توجہ اور اس کی اٹھائی ہوئی تحریک ضائع نہ گئی۔ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں یہ تحریک پھر زندہ ہوئی۔ اور اب کے دفعہ چونکہ مسلمانوں کا فہمیدہ طبقہ قریباً سب کا سب اس کا پیش کرنے والا تھا اس لئے گورنمنٹ ہند نے یہ منظور کر لیا کہ نماز جمعہ کے وقت مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے چھٹی دیدی جایا کرے۔ اور اس کو اس قدر لازمی قرار دیا کہ کسی مسلمان کو نماز جمعہ پڑھنے کے لئے چھٹی سے کوئی افسر روکنے کا مجاز نہیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس رخصت سے کما حقہٗ فائدہ نہ اٹھایا۔ کوئی معدودے چند ہی مسلمان ہوں گے جو نماز جمعہ کے وقت نماز پڑھنے جاتے ہوں گے۔ ورنہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ آج جمعہ کا دن بھی ہے یا نہیں اور

نماز جمعہ کا وقت کس وقت آیا اور کس وقت نکل گیا۔ اُن ایام میں جن دنوں گورنمنٹ نے نماز جمعہ کی چھٹی منظور کی تھی مجھے ایک مسلمان ڈپٹی صاحب ملے جو بہت صاف گو آدمی تھے کہنے لگے آپ لوگوں نے زور دے دلا کر نماز جمعہ کی چھٹی منظور کرا کے ہماری پردہ دری کروائی۔ مَیں نے پوچھا۔ "وہ کیسے"؟ کہنے لگے۔ "نماز جمعہ نہ پہلے ہم پڑھا کرتے تھے نہ اب ہم نے پڑھنی ہے۔ پہلے ہمارے لئے ایک عذر تھا کہ کیا کریں چھٹی نہیں ملتی۔ اب عذر کوئی نہ رہا۔ اس لئے اب جو نماز جمعہ نہ پڑھیں گے تو ہماری کمزوریوں اور بے نماز ہونے کا علم سارے جہان کو ہو جائے گا۔ پس پردہ دری تو خود ہی ہو گئی"۔

سبت کی بے حرمتی مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ذلت اور ادبار کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب سبت کے دن کی بے حرمتی تھی۔ سو مسلمانوں کی بھی ذلت اور ادبار کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اپنے سبت کے دن یعنی جمعہ کی بے حرمتی ہے اللہ کرے مسلمان اپنے سبت کے دن جمعہ کی عزت کرنا سیکھیں جس کیلئے قرآن کریم میں اسقدر تاکید ہے۔

جلسۂ اعظم تحقیق مذاہب لاہور
اور
تصنیف و اشاعت "اسلامی اصول کی فلاسفی"

جلسہ کی تجویز ۱۸۹۶ء وہ سال ہے جس میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام لاہور کی عمارت واقعہ شیرانوالہ دروازہ میں وہ عظیم الشان جلسہ تحقیق مذاہب کا ہوا جس کی یاد دیکھنے والوں کے دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ اور جو دراصل ایک دنگل تھا جس میں ہر ایک مذہب نے اپنا پہلوان یا نمائندہ دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح کر کے بھیجا تھا۔ اس دنگل میں جو فتح حضرت اقدس مرزا صاحب کے مضمون کو ہوئی وہ ایسی شاندار تھی کہ علم و حکمت اور دلائل و براہین کے ساتھ اسلام کا غلبہ تمام مذاہب عالم پر ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ حضرت مرزا صاحب کی مدت سے یہ خواہش تھی کہ مباحثات میں اگر دوسرے مذاہب کی عیب شماری کے بجائے صرف اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کی جایا کریں تو وہ بہت زیادہ فائدہ مند ہو گا۔ اس کے لئے آپ نے کئی دفعہ تجاویز پیش کیں۔ گورنمنٹ کو بھی ایک میموریل بھیجا کہ ایسا قانون بنا دیا جائے لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے ایک مذہبی کانفرنس بھی تجویز کی جس میں آپ یہ چاہتے تھے کہ تمام مذاہب کے حامی اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں اور دوسروں پر حملہ نہ کریں۔ اگرچہ یہ تجویز اس وقت پوری نہ ہو سکی لیکن آپ کے

دل کی تڑپ ضائع نہ گئی ۱۸۹۶ء میں لاہور کے فہمیدہ طبقہ کے چند لوگوں نے اس قسم کی مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی جس میں سب مذاہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ اور کوئی مذہب والا کسی دوسرے مذہب پر حملہ نہ کرے۔ اس کانفرنس کا مجوز سوامی شوگن چندر جب حضرت اقدس کی خدمت میں قادیان حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ بھی اس کانفرنس میں حصہ لیں تو آپ نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔ کیونکہ دراصل اس قسم کی کانفرنس کی تحریک تو خود آپ کی ہی تھی مگر آپ کا ہر کام نمود و نمائش سے بالاتر ہوتا تھا۔ آپ کو اس سے غرض نہ تھی کہ اس کانفرنس کے ارباب حل وعقد کون کون بنے گا۔ آپ کی غرض فقط یہ تھی کہ دنیا کو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا جائے اور اس کے نورانی چہرہ پر جو نقاب پڑا ہوا ہے اس کو کسی طرح اُٹھایا جائے۔ اس لئے آپ نے اُس شخص کی بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کانفرنس کے انعقاد میں ہر طرح مدد دینے کا وعدہ فرمایا بلکہ اس کانفرنس کا پہلا اشتہار اس مجوز کو قادیان میں ہی چھاپ کر دیا۔ اس اشتہار میں سوامی شوگن چندر نے مسلمانوں اور عیسائیوں اور آریوں وغیرہ سب کو قسم دی تھی کہ ان کے نامی علما اس جلسہ میں اپنے اپنے مضمون ضرور پڑھیں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے بھی مضمون لکھنے کا وعدہ فرمایا۔ علاوہ ازیں اپنے ایک مرید کو بھی مقرر کیا کہ وہ ہر طرح سوامی صاحب کو اس کانفرنس کے انعقاد میں مدد دے۔

وہ مضامین جن پر مختلف مذاہب نے روشنی ڈالنی تھی

اس مذہبی کانفرنس میں ہر ایک مذہب کے پیرو سے جن مضامین پر اپنے اپنے مذہب کے رو سے روشنی ڈالنے کی استدعا کی گئی تھی وہ پانچ تھے:۔

۱۔ انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور رُوحانی حالتیں۔

۲۔ انسان کی زندگی کے بعد کے حالات۔

۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے۔ اور وہ کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

۴۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔

۵۔ علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں۔

یہ پانچ سوال ایسے ہیں جو مذہب کے اغراض و مقاصد کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

حالات جلسہ

اس کانفرنس کا اعلان ہونے پر تمام اہل علم طبقوں کو خواہ وہ کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتے تھے اس سے شدید دلچسپی پیدا ہو گئی اور ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء اس کے انعقاد کی تاریخیں مقرر ہو گئیں۔ جلسہ کے انتظام کے لئے چھ ماڈریٹر صاحبان مقرر ہوئے جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ رائے بہادر پرتول چندر صاحب جج چیفکورٹ پنجاب۔

۲۔ خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج اسمال کاز کورٹ لاہور۔
۳۔ رائے بہادر پنڈت رادھا کشن پلیڈر چیفکورٹ سابق گورنجوں۔
۴۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب طبیب شاہی۔
۵۔ رائے بہادر بھوانی داس صاحب ایم۔اے سٹلمنٹ آفیسر جہلم۔
۶۔ سردار جواہر سنگھ صاحب سکرٹری خالصہ کالج کمیٹی امرتسر۔

چونکہ اس کانفرنس کے لئے مختلف مذاہب کے مشہور علما نے مضامین تیار کئے تھے اسلئے لوگوں کو اس کانفرنس سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور جب جلسہ شروع ہوا تو کثرت سے فہمیدہ طبقہ اور عوام الناس نے اس میں بہت شوق سے حصّہ لیا۔ اور اس مذہبی دنگل میں ہر ایک مذہب کا پیرو اپنے اپنے قائم مقام کی فتح دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ عیسائی۔ سناتن دھرم۔ ہندو۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج دیو سماج۔ سکھ۔ یہود۔ مسلمان۔ ہر ایک مذہب کے بڑے بڑے عالم و فاضل نمائندوں نے اس مذہبی کانفرنس میں مذکورہ بالا سوالات کے جواب میں مضامین پڑھے۔ مسلمانوں میں سے دوسرے علما نے بھی اپنے اپنے مضامین پڑھے لیکن افسوس ہے کہ ان تمام اہل مذاہب کے مضامین میں سے کسی نے بھی لوگوں کے دلوں کو تسلی بخشنے والے علم سے بہرہ اندوز نہ کیا۔ اور سب سے بڑھ کر نقص یہ تھا کہ ہر ایک نے جو کچھ پیش کیا وہ زیادہ تر اپنے دماغ کا تخیل پیش کیا۔ اپنی اپنی الہامی کتابوں میں سے اوّل تو کچھ پیش ہی نہ کیا۔ اور کیا بھی تو بہت کم۔ البتہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے ان سوالات کے جو جوابات دیئے وہ اس قدر تسلی بخش اور علم و حکمت سے پُر تھے کہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اس سارے جلسہ کا مقصد صرف اس مضمون نے پورا کیا اور بہ وجہ احسن پورا کیا۔ اور آپ نے جو کچھ پیش کیا سب قرآن کریم میں سے پیش کیا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ تھا۔ اپنی طرف سے اگر کچھ تھا تو ان آیات قرآنی کی تفسیر تھی جو آپ نے پیش کی تھیں اور جو اس قدر معارف و حقائق کے خزانہ سے پُر تھی کہ تمام اہل علم کو حیران کر دیا۔ خود مسلمان اور تفسیر کو سُن سُن کر جھومتے اور سر دُھنتے تھے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا مضمون آخری دن ۲۸۔ دسمبر کو پڑھا جانے کو تھا۔ آپ مضمون لکھنے لگے تو آپ سخت بیمار ہو گئے۔ دستوں کی بیماری شروع ہوگئی۔ وہ جو حدیثوں میں مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں ملبوس ہوگا۔ اور علم الرؤیا میں زرد چادروں کی تعبیر بیماری ہوا کرتی ہے۔ اُس کا تقاضہ یہ تھا کہ دو بیماریاں اکثر آپ کے لاحق حال رہتی تھیں ایک تو اُوپر کی چادر تھی یعنی سر درد کا دورہ اور برد اطراف یعنی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جایا کرتے تھے اور نبض سخت کمزور پڑ جایا کرتی تھی۔ دوسری نیچے کی چادر تھی کہ آپ کو کثرت سے پیشاب آنے لگتا تھا۔ یا اسہال آنے

شروع ہو جاتے تھے۔ اور یہ بیماریاں خصوصیت سے اس وقت نمودار ہوتی تھیں جب کوئی سخت دماغی محنت کا کام آپڑتا تھا۔ اور کسی اہم مسئلہ پر آپ مضمون لکھنے لگتے تھے۔ اور یہ کچھ اس قدر تواتر سے واقعہ ہوتا رہا کہ رفتہ رفتہ احباب کے دل میں یہ خیال مستحکم ہو گیا کہ آپ کی بیماری کسی اعلیٰ درجہ کے علم و حکمت سے لبریز مضمون کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ جہاں کوئی دورہ بیماری کا آپ پر پڑا اور وہ سب منتظر ہو گئے کہ اب کوئی علم و معرفت اور معارف و حقائق کا دریا بہنے کو ہے۔ چنانچہ اب کے دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ مضمون لکھنے لگے تو آپ بیمار ہو گئے۔ اور اسی حالت میں آپ نے یہ مضمون لکھا جو اس مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا۔ ابھی مضمون لکھ رہے تھے جو الہام ہوا کہ "مضمون بالا رہا" یعنی آپ کا مضمون اس کانفرنس میں تمام دوسرے مضامین پر غالب آئے گا۔ پھر آپ نے کشف میں دیکھا کہ آپ ایک محل میں ہیں اور اور اس محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطع نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور آپ کے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی ہوئی۔ تب ایک شخص جو آپ کے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا۔ اللہ اکبر۔ خربت خیبر۔ آپ نے اس کی تعبیر یوں کی کہ اس محل سے مراد میرا دل ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں۔ اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے۔ پھر آپ کو یہ جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جبتک کہ اپنا دائرہ پورا کرے۔" آپ نے یہ تمام باتیں ایک اشتہار کی شکل میں ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو شائع فرما کر اسے تمام لاہور کے در و دیوار پر چسپاں کروا دیا۔ اور بڑے زور اور تحدی سے اعلان کیا کہ اس کانفرنس میں میرا مضمون تمام مضامین پر غالب رہے گا۔ لاہور میں مخالفت کا یہ عالم تھا کہ ادھر اشتہار لگایا اُدھر لوگوں نے پھاڑا۔ ناچار رات کے وقت تمام شہر میں یہ پوسٹر لگائے گئے اور ویسے بھی لوگوں میں اشتہارات تقسیم کئے گئے۔ لوگ حیران تھے کہ لوگ تو مرزا صاحب کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے لکچر کس نے سننا ہے۔ اور اس کا سب پر غالب ہونا تو ایک خواب خیال کی بات ہے۔

حضرت اقدس کے مضمون کا جلسہ میں پڑھا جانا

خیر آپ کی تقریر کا وقت ۲۸۔ دسمبر کو ڈیڑھ بجے سے ساڑھے تین بجے دن تک تھا۔ آپ خود تو بوجہ ناسازیٔ طبع وہاں نہ جا سکے مگر اپنا لکھا ہوا مضمون مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو پڑھنے کیلئے دیا۔ جیسے وہ مضمون بے نظیر تھا اُس کا پڑھنے والا مولوی عبدالکریم بھی غضب کا آتش بیان تھا۔ جلسہ میں تمام مذاہب کے نمائندے ہزارہا کی تعداد میں موجود تھے۔ لیکن چونکہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ تمام مذاہب عالم پر اسلام کو غالب کرنے

کے لئے میں مامور ہوں۔ اور یہی وجہ تھی کہ دن رات آپ کا تمام غیر مذاہب والوں سے مقابلہ رہتا تھا اسلئے غیر مسلم طبقہ آئے دن آپ سے شکست کھا کھا کر دل سے آپ کا سخت مخالف تھا اور آپ کو بہت برا سمجھتا تھا۔ خود مسلمان بھی بہ وجہ مکفر مولویوں کے پروپاگنڈے اور فتوئے تکفیر کے آپ سے سخت متنفر تھے اس لئے یہ اخیال کیا جاتا تھا کہ لوگ آپ کے لکچر کو ہرگز توجہ سے نہ سنیں گے بلکہ مخالفت کریں تو عجب نہیں۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب مولوی عبدالکریم صاحب نے اس تقریر کو پڑھنا شروع کیا تو تھوڑی ہی دیر گزری تھی جو اس لکچر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ نہ معلوم اس میں علم و حکمت اور حق و معرفت کا کیا جادو بھرا ہوا تھا جس نے تمام اہل جلسہ کو آناً فاناً میں مسحور کر لیا اور یہ حال ہو گیا کہ دوست و دشمن مسلم و غیر مسلم سب بُت بنے بیٹھے ہوئے تھے اور لکچر کا ایسا فوق العادت اثر تھا کہ گویا ملائک آسمان سے نور کے طبق لیکر اُتر رہے تھے اور ہر ایک دل اس کی طرف ایسا کھینچا گیا تھا کہ گویا ایک دست غیب اس کو کشاں کشاں عالم وجد کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس حالت وجد میں وقت کے ختم ہونے کا کسی کو احساس تک نہ ہوا۔ جب صدر جلسہ نے یہ اعلان کیا کہ وقت ختم ہو گیا تو سامعین کو سخت صدمہ ہوا۔ کیونکہ آپ کے مضمون کا ابھی پہلا سوال بھی ختم نہ ہوا تھا۔ اور علم و حکمت کے یہ موتی ابھی لُٹائے جا رہے تھے جو درمیان میں وقت کے ختم ہو جانے نے بڑی پریشانی پیدا کر دی۔ آپ کے لکچر کے بعد مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کا لکچر تھا۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں اپنے مضمون کا وقت بھی حضرت اقدس کے لکچر کے لئے دیتا ہوں۔ اس اعلان پر مجمع میں اس قدر خوشی کا اظہار ہوا کہ دیکھ کر تعجب اور حیرت ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ کہ مولوی عبدالکریم صاحب اس مضمون کو پڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ ساڑھے چار بج گئے اور جلسہ کا وقت ختم ہو گیا۔ لیکن ابھی پہلا سوال بھی ختم نہ ہوا تھا۔ آخر لوگوں نے بڑے زور سے اصرار کیا کہ اس لکچر کو برابر اختتام تک پڑھا جائے۔ چنانچہ منتظمین جلسہ نے اعلان کیا کہ بلالحاظ وقت کے یہ مضمون جاری رہے۔ ساڑھے پانچ بجے جا کر پہلا سوال ختم ہوا۔ جاڑوں کا موسم۔ چھوٹے دن۔ بالکل شام ہو گئی۔ اور لوگوں کا اصرار برابر جاری تھا کہ مضمون کو ختم کیا جائے۔ آخر منتظمین جلسہ نے خاص اس لکچر کے لئے کانفرنس کا ایک دن اور بڑھایا۔ چنانچہ ۲۹۔ دسمبر کا دن بھی پروگرام میں شامل کیا گیا۔ ایک دن بڑھنے پر چونکہ اور مذاہب کے نمائندوں نے بھی اس دن وقت ملنے کی درخواست کر دی تھی اس لئے کارروائی جلسہ ۲۹۔ دسمبر کی صبح کو بجائے ساڑھے دس بجے کے ساڑھے نو بجے شروع کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اور سب سے پہلے حضرت اقدس کا ہی مضمون رکھ دیا گیا۔ اور گو پہلے دنوں میں لوگ ساڑھے دس بجے بھی پوری طرح نہ آتے تھے۔ مگر اس دن یعنی ۲۹۔ دسمبر کو ابھی نو بھی نہ بجے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ

جوق در جوق جلسہ گاہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے اور تمام جگہ ہزارہا سامعین سے اس طرح پُر ہو گئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ چنانچہ عین وقت پر جلسہ شروع کیا گیا۔ اُس روز گو آپ کے مضمون کے لئے اڑھائی گھنٹے مقرر تھے لیکن مضمون کے اس عرصہ میں ختم نہ ہونے کی وجہ سے منتظمین کو اور وقت دینا پڑا کیونکہ تمام حاضرین اس تقریر کے جاری رکھنے پر مُصر تھے۔ غرض دو بجے کے قریباً ۱/۲ ۷ گھنٹوں میں جا کر یہ مضمون ختم ہوا۔ میں (یعنی خاکسار مؤلف) بھی اس جلسہ میں شامل تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ دوران تقریر میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ چہروں پر خوشی اور مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور جوش میں کرسیوں سے اُچھلے پڑتے تھے۔ اور بعضوں کا یہ حال تھا کہ خوشی اور اثر سے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور بعض رقیق القلب تو زار زار روتے تھے۔ اور مجھے خود کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ایمان اور عرفان کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ ہر نئے نکتۂ معرفت اور دقیقۂ علم و معرفت پر آیات کا ایک گھونٹ کانوں کے ذریعہ حلق میں اُترتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بالخصوص جس وقت جنت اور جہنم کے فلسفہ کا ذکر آیا جس میں حضرت اقدس نے تشریح کر کے بتلایا تھا کہ کس طرح انسان کے اپنے اعمال سے ہی جنت اور جہنم بنتا ہے تو اسوقت ایک بہت بڑا پردہ آنکھوں سے اُٹھ گیا اور علم و حکمت کے اس خزانہ کے لٹ جانے کے وقت آخرت کا نقشہ اس قدر علم اور یقین کے ساتھ سامنے آگیا کہ اسی دنیا میں اگلا جہان نظر آنے لگا۔ یہ ایک نیا علم تھا جو اہل زمانہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا جس سے وہ تمام باتیں جنہیں نیچریت اور مادیت نے اَنہونی بنا کر دکھایا تھا حل ہو گئیں اور موجب ازدیاد ایمان بن گئیں۔ یہ لکچر آیات قرآنی سے پُر تھا۔ پس جہاں جہاں آیت آجاتی تھی مولوی عبدالکریم صاحب اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ روح وجد کر اُٹھتی تھی اور دل پانی ہو کر بہ جاتے تھے۔

مضمون بالا رہا" اس لکچر کے ساتھ ہی تمام لاہور میں ایک شور پڑ گیا اور نہ صرف اس کانفرنس کے ارباب حل و عقد نے بلکہ ہر موافق و مخالف نے یہ تسلیم کر لیا کہ جناب مرزا صاحب کا "مضمون بالا رہا"۔ پیسہ اخبار کا ایڈیٹر محبوب عالم جو حضرت اقدس کا سخت مخالف تھا دوران تقریر میں اس قدر خوش اور متاثر تھا کہ کرسی سے اُچھل اُچھل پڑتا تھا۔ چنانچہ مخالف اخبارات میں بھی آپ کے اس مضمون کے سب سے بالا رہنے کا اعتراف کیا گیا۔ اور لاہور کے نیم سرکاری اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ اس مذہبی کانفرنس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مضمون سب سے بالا رہا۔ اسکے الفاظ کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"اس جلسہ میں سامعین کی دلی اور خاص دلچسپی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حفاظت اور حمایت کے کامل ماسٹر ہیں۔ اس لکچر کے سننے کے واسطے دور و نزدیک سے لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو رہا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود نہیں تشریف لا سکے تھے اس لئے

یہ لکچر ان کے ایک لائق شاگرد مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ ۲۸۔ دسمبر کو یہ لکچر ۲ بجے سے ۳ بجے تک ہوتا رہا اور عوام الناس نے نہایت خوشی اور توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا تھا۔ مولوی عبدالکریم نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی کو بھی سنا دوں گا۔ اس لئے اگزکٹو کمیٹی اور پریزیڈنٹ نے تجویز کر لی ہے کہ ۲۹۔ تاریخ کا دن بھی بڑھا دیا جائے"

چنانچہ ایک دن اور بڑھایا گیا اور باقی مضمون کو بھی سامعین نے اسی ذوق و شوق سے سنا۔ اخبار آبزرور کے بھی اسی قسم کے ریمارکس تھے اور اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کا انگریزی ترجمہ کر کے مغربی ممالک میں پہنچایا جائے۔ سو الحمد للہ کہ مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کام کر دیا۔ الغرض اس لکچر کو سن کر سب دوست دشمن کے دل پر حضرت اقدس مرزا صاحب کے علم و فضل کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور سب لوگوں نے مسلمانوں کو مبارکباد دی کہ اسلام کی فتح ہوئی۔ اور یہی لوگ بول اٹھے کہ اگر یہ مضمون نہ ہوتا تو محمد حسین بٹالوی کی وجہ سے آج اسلام کو بڑی سبکی اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ اس نے جو لکچر دیا تھا وہ نہایت ہی لغو اور مہمل تھا۔ اس روز محمد حسین بٹالوی بھی طوعاً و کرہاً اس لکچر کی تاثیر کے قائل ہو گئے اور فرمانے لگے کہ اس لکچر کی وجہ سے آج اسلام کو نمایاں فتح ہوئی +

اسلامی اصول کی فلاسفی اس مضمون کو حضرت اقدس نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے کتاب کی شکل میں چھاپ کر شائع فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ بعد میں مولوی محمد علی صاحب نے کیا اور ٹیچنگز آف اسلام نام رکھا۔ اس کتاب نے یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر قبولیت حاصل کی۔ چنانچہ انگلستان میں اشاعت اسلام کے کام میں اس کتاب نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ جس انگریز نے ایک دفعہ اسے پڑھا وہ اسلام کا گرویدہ ہو گیا +

اسلام کا تمام مذاہب پر غلبہ غرضکہ اس جلسہ میں اسلام کو تمام مذاہب عالم پر وہ نمایاں فتح حاصل ہوئی کہ لیظھرہ علی الدین کلہ کا نقشہ آنکھوں کے نیچے پھر گیا۔ آج اس جلسہ اعظم تحقیق مذاہب کی روئداد" ساری کی ساری اسی نام سے ایک کتاب کی شکل میں چھپی ہوئی موجود ہے جس میں ہر ایک مذہب کے نمائندہ کی تقریریں بھی طبع شدہ موجود ہیں۔ ان کو پڑھو تو صاف نظر آئے گا کہ دوسری تمام تقریریں دھندلے سے مٹی کے دیئے (چراغ) ہیں جن کی ٹمٹماتی روشنی حضرت اقدس کی تقریر کے آفتاب کی روشنی کے سامنے ناپید ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر انسان کے دل میں اسلام کی صداقت پر ایمان کا ایک نور پیدا ہوتا ہے اور روح لذت عرفان سے وجد کرتی ہے +

مولوی نورالدین صاحب کی آخری تقریر حضرت اقدس مرزا صاحب نے پہلے سوال کے جواب میں انسان کی جسمانی

اخلاقی اور روحانی حالتوں کا نام قرآن کریم سے نفس امارہ۔ نفس لوامہ۔ اور نفس مطمئنہ نکال کر دکھایا تھا اور اس کی تشریح ایسی خوبصورت اور مکمل کی تھی کہ تمام حاضرین جلسہ پر ایک وجد کی حالت طاری کر دی تھی مختصراً یہ کہ نفس امارہ تو وہ حالت ہوئی کہ جب انسان ایک حیوان کی طرح جسم کی خواہشات اور جذبات کا غلام ہوتا ہے۔ اور نفس لوامہ وہ حالت ہوئی جب وہ خدا کی رضا کیلئے اس کی دی ہوئی ہدایتوں کے مطابق اپنے جذبات اور خواہشات کا اپنی ضمیر اور عقل کی مدد سے مقابلہ کرتا ہے اور خدا کی بتائی ہوئی ہدایتوں پر چل کر اخلاق فاضلہ انسانیہ کو اپنے اندر پیدا کرتا اور تہذیب کا وارث ٹھیرتا ہے لیکن جذبات و خواہشات نفسانی کے ساتھ اس جنگ میں کبھی وہ غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب۔ مگر مغلوب ہونیکی حالت میں اس کا ضمیر اسے ملامت ضرور کرتا ہے جس کی وجہ سے اُسے نفس لوامہ کہا گیا۔ اور نفس مطمئنہ وہ حالت ہوئی جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں اپنے جذبات اور خواہشات کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کر لیتا ہے اور اس کا غلبہ کامل اور دائم ہو جاتا ہے۔ اور جذبات و خواہشات کے ساتھ دن رات کی جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر کے اپنے نفس کے اندر ایک عجیب سکینت و طمانیت پاتا ہے۔ اب اس مقام پر وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سے خواہ وہ شریعت کے ہوں یا تقدیر کے راضی اور خوش رہتا ہے۔ اور اس کے نفس کے اندر ایک جنت اسی دنیا میں پیدا ہو جاتی ہے جس کا کامل ظہور مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ یہ انسان کی روحانی جدوجہد کا معراج ہے۔ پس قرآن کریم کی ہدایتوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو پہلے اس کی جسمانی حالت سے جسے نفس امارہ کہتے ہیں نکال کر نفس لوامہ کی حالت میں پہنچائے جس سے اس کے اندر اخلاقی کمال کیلئے جدوجہد پیدا ہو اور پھر اُسے اس جدوجہد میں کامیاب کر کے نفس مطمئنہ تک پہنچا دے جو اس کی اخلاقی و روحانی حالت کا کمال ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اسے ایک وحشی انسان سے مہذب اور با اخلاق انسان بنا دے اور با اخلاق انسان سے ترقی دیکر باخدا انسان بنا دے نفس کے ان تینوں مراتب کو جس شرح و بسط اور تفصیل و تشریح کے ساتھ حضرت اقدس نے اپنے اس لکچر میں پہلے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے اور علم النفس میں وہ ایک زبردست اضافہ ہے جس کیلئے علمی دنیا جس قدر بھی آپ کی مرہون منت ہو کم ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو کچھ بھی بیان کیا ہے سب قرآن کریم میں سے نکال کر دکھایا ہے جس سے قرآن مجید کے علم و حکمت اور معارف و حقائق کے آگے بڑے بڑے فلسفیوں اور عقلمندوں کے سر جھک جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ یورپ کے بڑے بڑے صاحب علم و حکمت نے جب اس کتاب کو پڑھا تو اُن کے قلوب قرآن کی عظمت کے آگے جھک گئے اور وہ اسلام لے آئے +

قصہ کوتاہ یہ کہ آخری دن ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو صدر جلسہ حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ تھے۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے اُٹھ کر آخری تقریر کی اور فرمایا کہ ہم نے یہاں مختلف مذاہب کے عقائد اور فلسفے سنے ہیں۔ اُن میں سے بعض حق تھے اور بعض باطل۔ پس میں قرآن کریم کی آخری سورت الناس پڑھتا ہوں جس میں شیطان کے وساوس سے پناہ مانگی ہے وہ ایک دعا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عقائد باطلہ کو سُن کر جو وساوس قلوب میں پیدا ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ اُن سے پناہ میں رکھے۔ پھر آپ نے اس سورت کی اس کمال کی تفسیر کی کہ لوگ عش عش کر گئے۔ آپ نے رب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس سے نفس انسانی کی ان تینوں حالتوں نفس امارہ نفس لوامہ نفس مطمئنہ کو جس وقت نکال کر دکھایا تو لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کس طرح رب الناس یعنی انسانوں کے رب نے قرآن کے ذریعہ اس کی ربوبیت کا سامان کیا تاکہ اُسے جذبات و خواہشات کی غلامی سے نکالے اور کس طرح ملک الناس نے اُس کو مہذب اور با اخلاق انسان بنانے کے لئے قرآن کریم کے ذریعہ وہ تمام قوانین سکھائے جن کے سیکھنے کے بغیر وہ اس کائنات پر تہذیب و اخلاق اور علم و حکمت کے ساتھ حکمرانی نہ کر سکتا تھا اور پھر کس طرح الٰہ الناس نے قرآن کریم کے ذریعہ وہ تمام راہیں سکھائیں جن سے انسان نہ صرف مہذب اور با اخلاق انسان بنے بلکہ باخدا انسان بن جائے۔ اور اپنا معبود اور محبوب اور اپنی ساری زندگی کا مقصود اور مطلوب محض خدا کو بنائے۔ اس تقریر کے بعد جلسہ بڑی شان و شوکت اور خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اور اسلام کو اس دنگل میں وہ عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی کہ اُس کی یاد مدتوں تک دلوں کو گرماتی اور ایمان کو ترقی دیتی رہی گی۔ اور لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ کا نظارہ اس روز ایسا سامنے آیا کہ قرآن کریم کی اس پیشگوئی پر حق الیقین پیدا ہونے کا موجب بن گیا۔

الاشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار

تمام دنیا کے پادریوں کو چیلنج

۱۴۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو آپ نے ایک اشتہار مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ دیا جس میں عیسائیت کی زبردست تردید کرنے کے بعد تمام دنیا کے عیسائی پادریوں کو خصوصاً اور تمام غیر مذاہب کے علما اور مقتداؤں کو عموماً ایک فیصلہ کی طرف بلایا اور طریق فیصلہ یوں تجویز فرمایا:۔

"سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے..... اس اشتہار دینے کی اصل غرض یہی ہے کہ جس مذہب میں سچائی ہے وہ کبھی اپنا رنگ نہیں بدل سکتی۔ جیسے اوّل ہے ویسے ہی آخر ہے۔ سچا مذہب کبھی خشک قصّہ نہیں بن سکتا۔ سو اسلام سچا ہے۔ میں ہر ایک کو کیا

عیسائی کیا آریہ اور کیا یہودی اور کیا برہمو اس سچائی کے دکھلانے کیلئے بلاتا ہوں۔ کیا کوئی ہے جو زندہ خدا کا طالب ہے۔ ہم مُردوں کی پرستش نہیں کرتے۔ ہمارا خدا زندہ خدا ہے وہ ہماری مدد کرتا ہے۔ وہ اپنے الہام اور کلام اور آسمانی نشانوں سے ہمیں مدد دیتا ہے اگر دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی عیسائی طالب حق ہے تو ہمارے زندہ خدا اور اپنے مُردہ خدا کا مقابلہ کرکے دیکھ لے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس باہم امتحان کیلئے چالیس دن کافی ہیں۔"

اللہ اللہ کیا تحدی ہے۔ اسلام کی صداقت کا کس زور سے اعلان ہے لیکن کوئی مخالف اسلام حق کا طالب بن کر مقابل پر نہ آیا جیسا کہ خود حضرت اقدس ایک شعر میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کی بددعا اور اس کا اثر

مسنون مباہلہ کا چیلنج

۱۵۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدس نے مولوی غلام دستگیر قصوری کا جواب ایک اشتہار کے ذریعہ دیا۔ مولوی غلام دستگیر قصوری بڑے جید اور سخت مکفّر مولوی تھے۔ اُنہوں نے اپنی مولویت کے زعم میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دیدیا۔ مگر ساتھ ہی شرط لگادی کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو عین مباہلہ کے وقت اُن مولوی صاحب پر عذاب نازل کردیں۔ حضرت اقدس نے جو اشتہار ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو دیا اُس میں لکھا کہ یہ مباہلہ کا طریق تو مسنون نہیں۔ حضرت نبی کریم صلعم نے نجران کے پادریوں سے جب مباہلہ کیا تھا تو عذاب کیلئے ایک سال کی میعاد رکھی تھی۔ نہ کہ فوراً عذاب نازل کردیا تھا۔ تو جب حضرت نبی کریم صلعم نے ایک سال کی میعاد رکھی تو آپ کے ایک غلام سے یہ توقع کیوں رکھی جاتی ہے کہ وہ فوری عذاب نازل کردے۔ اور اگر مولوی صاحب کے نزدیک حق اور باطل کا یہی معیار ہے کہ مباہلہ کے وقت فوری عذاب ہی نازل ہوا کرتا ہے تو اپنے عقیدہ کی تائید میں وہ ہم پر فوری عذاب نازل کرکے دکھادیں۔ باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ چونکہ آپ نبوت کے مدعی ہیں اس لئے فوری عذاب نازل کریں تو یہ اُنکا کہنا صحیح نہیں۔ مَیں یہاں حضرت مرزا صاحب کے اصل الفاظ نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"اُن کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ مَیں تو نبوت کا مدعی نہیں کرتا فوری عذاب نازل کروں۔ اُن پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوّت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کے قائل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایۂ نبوّت محمدیہ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر جو شخص ہم پر الزام لگائے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے اور اگر قرآنی الہامات سے کوئی کافر ہو جاتا ہے تو پہلے یہ فتویٰ کفر سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ پر لگانا چاہئے کہ انہوں نے بھی قرآنی الہامات کا دعویٰ کیا ہے۔ غرض جبکہ نبوّت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے"

مگر مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب اس مسنون طریق مباہلہ کی طرف نہ آئے۔ البتہ انہوں نے ایک اور طریق مباہلہ کا اختیار کیا جو عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار نے اس مہدی کاذب کے مقابل میں اختیار کیا تھا جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب نے ایک کتاب فتح رحمانی ۱۳۱۵ھ میں لکھی جس میں صفحہ ۲۶ و ۲۷ پر یہ دعا تحریر کی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اللّٰھم یا ذوالجلال والاکرام یا مالک الملک جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع البحار کی دعا اور سعی سے اُس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجا اس فقیر قصوری کان اللہ لہٗ کی ہے جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تو مرزا قادیانی اور اُس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق رفیق فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کا بنا۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین۔ انک علیٰ کل شئی قدیر وبالاجابۃ جدیر۔ آمین۔ یعنی جو لوگ ظالم ہیں وہ جڑ سے کاٹے جائیں گے اور خدا کے لئے حمد ہے تو ہر چیز پر قادر ہے اور دعا قبول کرنے والا ہے"

پھر صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں:۔

تبًّا لہٗ وکاتباعہٖ۔ یعنی وہ اور اس کے پیرو ہلاک ہو جائیں۔

مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کی ہلاکت

پس خدا کی شان۔ خدا نے اسی آیت قرآنی کے ماتحت جس کے مطابق انہوں نے فیصلہ چاہا تھا ظالم کی جڑ کاٹ دی یعنی وہ اس بددعا کے چند روز بعد ہی ہلاک ہو گئے اور حضرت اقدس کو اور آپ کی جماعت کو اللہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائی۔ مقام غور ہے کہ حضرت محمد طاہر صاحب کی بددعا کا کیا اثر ہوا اور مولوی غلام دستگیر قصوری کی بددعا کا کیا اثر ہوا۔ دونوں جگہ جو ظالم تھا وہ ہلاک ہو گیا۔ وہاں جھوٹا مہدی مر گیا تھا یہاں سچے مہدی کا مکذب منکر ہلاک ہو گیا۔

مخالف علما کا نام لے لیکر مباہلہ کی دعوت

جیسا کہ میں اس کتاب میں ذکر کر چکا ہوں حضرت مرزا صاحب نے سب سے پہلے علما مکفرین کو آئینہ کمالات اسلام (التبلیغ) میں دعوت مباہلہ دی تھی جس کے ماتحت امرتسر میں مولوی عبدالحق غزنوی سے آپ کا مباہلہ ہوا تھا۔ مگر اس مباہلہ میں آپ نے بددعا فقط اپنے لئے کی تھی مولوی عبدالحق کیلئے نہ کی تھی۔ اور مولوی عبدالحق نے تو بددعا آپ کیلئے کرنی ہی تھی جو ۲۲۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاملہ کے بعد آپ کی اللہ تعالیٰ نے اسقدر تائید و نصرت کی کہ یوں کہنا چاہیئے کہ مولوی عبدالحق غزنوی کی بددعائیں آپ کو دعائیں بنکر لگیں۔ چونکہ شفقت علے خلق اللہ کا رنگ آپ میں غایت درجہ پر تھا اس لئے ابتدا میں آپ کی طرز یہی تھی کہ بددعا فقط اپنے لئے ہی کیا کرتے تھے فریق مخالف کے لئے نہ کرتے تھے۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپ کے ان فارسی اشعار میں موجود ہے جن کو میں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

اے قدیر و خالق ارض و سما
اے رحیم و مہربان و رہنما

اے کہ بینی ہر دلہا را نظر
اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر
گر تو دیدستی کہ ہستم بدگہر

پارہ پارہ کن من بدکار را
شاد کن این زمرۂ اغیار را

بر دلِ شان ابر رحمت ہا ببار
ہر مرادِ شان بفضلِ خود برآر

آتش افشاں بر در و دیوار من
دشمنم باش قبلہ کن کار من

در مرا از بندگانت یافتی
قبلۂ من آستانت یافتی

در دلِ من آں محبت دیدۂ
کز جہاں آں راز را پوشیدۂ

با من از روئے محبت کار کن
اند کے افشاء آں اسرار کن

اے کہ آئی سوئے ہر جویندۂ
واقفی از سوز ہر سوزندۂ

زاں تعلق ہا کہ با تو داشتم
زاں محبت ہا کہ در دل کاشتم

خود بروں آ از پئے ابراء من
اے تو کہف و ملجا و ماوائے من

آتشے کاندر دلم افروختی
دز دم آں غیر خود را سوختی

ہم ازاں آتش رخ من بر فروز
ویں شب تارم مبدل کن بروز

چشم بکشا ایں جہان کور را | اے شدید البطش ببیں زور را
ز آسماں نورِ نشانِ خود نما | یک گلے از بوستانِ خود نما
ایں جہاں ہیزم پُر از فسق و فساد | غافلاں را نیست وقتِ موت یاد
از حقائق غافل و بیگانہ اند | ہمچو طفلاں قائل افسانہ اند
سرد شد دلہا ز مہرِ روئے دوست | رفتہ دلہا تا فتہ از کوئے دوست

سیل در جوش است و شب تار یک و تار
از کرم آفتابے را برآر

ان اشعار مذکورہ بالا سے آپ کا اخلاص اور آپ کی صداقت روز روشن کی طرح نظر آتی ہے۔ اور جو بددعا ہے وہ جھوٹا ہونے کی حالت میں فقط اپنے لئے ہے۔ یہی رنگ آپ کا مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ مباہلہ میں تھا یعنی جو بددعا تھی اپنے لئے تھی مولوی عبدالحق غزنوی کیلئے نہ تھی۔ اس لئے اس مباہلہ کا اثر جو کچھ ظاہر ہونا تھا وہ آپ کی حالت پر ہونا تھا نہ کہ عبدالحق پر۔ چنانچہ اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس مباہلہ کے بعد جس قدر ترقی اور کامیابی اللہ تعالیٰ نے آپ کے مشن کو دی وہ اظہر من الشمس ہے۔ روز بروز آپ کا سلسلہ نہایت زور سے ترقی کرتا گیا اور آپ کی تائید اور نصرت میں نشانات سماویہ کا اسقدر ظہور ہوا کہ آپ کی صداقت پر دن چڑھ گیا۔

علماء مکفرین کو دوسری بار دعوت مباہلہ

لیکن علماء سوء اپنی تکذیب و تکفیر سے کب باز آنیوالے تھے۔ ان کی تکذیب و استہزا میں اگر کچھ ہوا تو اضافہ ہی ہوا بلکہ عبدالحق کے زندہ رہنے کو اس کی جیت قرار دیکر آپ کی تکذیب میں اور بھی زیادہ جوش دکھانے لگے اس لئے تنگ آکر اور جناب الٰہی سے اجازت پاکر حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی کتاب انجام آتھم میں دوبارہ ان تمام علماء مکفرین کو نام بنام مباہلہ کے لئے دعوت دی اور لکھا کہ مولوی عبدالحق غزنوی کے مباہلہ میں تو میں نے اس کے لئے بددعا نہیں کی تھی کیونکہ وہ ایک غبی آدمی تھا اور معاملہ کو سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا لیکن اب میں بھی بالمقابل بددعا کرونگا اس دعوت مباہلہ میں آپ اس طرح تحدی فرماتے ہیں:۔

"میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار۔ اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اگر میں مرگیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام

ہو جائے گا۔ میرے مباہلہ میں یہ شرط ہے کہ اشخاص مندرجہ ذیل میں سے کم سے کم دس آدمی حاضر ہوں اس سے کم نہ ہوں اور جس قدر زیادہ ہوں میری خوشی اور مراد ہے کیونکہ بہتوں پر عذاب الٰہی کا محیط ہو جانا ایسا کھلا کھلا نشان ہے جو کسی پر مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان۔ کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔ اور اے مومنو! برائے خدا تم سب کہو کہ آمین۔" (انجام آتھم صفحہ ۶۷)

ویسے تو یہ مباہلہ عام تھا جس مولوی کا دل چاہے بالمقابل مباہلہ کے لئے آجائے لیکن حضرت مرزا صاحب نے ان علما اور سجادہ نشینوں کی فہرست بھی اسی کتاب میں دی ہے جنہیں خاص طور پر مخاطب کیا گیا تھا:۔

اُس فہرست میں سے چند مشہور نام یہاں درج کرتا ہوں:۔

"مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی۔ شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مؤلف تفسیر حقانی۔ مولوی عبدالعزیز لدھیانوی۔ مولوی محمد لدھیانوی۔ مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ۔ سعداللہ نومسلم لدھیانوی۔ مولوی احمداللہ امرتسری مولوی ثناءاللہ امرتسری۔ مولوی غلام رسول عرف رسل بابا امرتسری۔ مولوی عبدالجبار غزنوی مولوی عبدالواحد غزنوی۔ مولوی عبدالحق غزنوی۔ محمد علی بوپڑی واعظ۔ مولوی غلام دستگیر قصوری۔ مولوی عبداللہ ٹونکی۔ مولوی اصغر علی روحی۔ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی۔ مولوی محمد بشیر بھوپالی۔ شیخ حسین عرب یمانی۔ مولوی محمد حسن مؤلف تفسیر امروہیہ۔ مولوی عین القضاۃ صاحب لکھنؤ فرنگی محل۔ مولوی محمد فاروق کانپور۔ مولوی عبدالوہاب کانپور۔ مولوی دلدار علی صاحب۔ مولوی احمد حسن صاحب شوکت اخبار شحنہ ہند میرٹھ۔ مولوی احمد علی صاحب سہارنپور۔ قاضی عبدالاحد خانپور ضلع راولپنڈی۔ مولوی حاجی عابد حسین صاحب دیوبند" وغیرہ وغیرہ کل ساٹھ علما کے نام درج ہیں۔ اس کے علاوہ سجادہ نشینوں کے پچپن نام ہیں جن میں سے چند یہاں درج کرتا ہوں:۔

غلام نظام الدین صاحب سجادہ نشین۔ نیاز احمد صاحب بریلوی۔ میاں اللہ بخش صاحب تونسوی۔ میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں۔ محمد حسین صاحب گنگوہی ظہور الحسن گدی نشین بٹالہ۔ صادق علی شاہ صاحب ترچھتر۔ پیر مہر شاہ صاحب گولڑوی۔ مولوی قاضی سلطان محمد صاحب آئی اعوان الہ پیر حیدر شاہ صاحب جلالپور کیران۔ شاہ اشرف شاہ صاحب سجادہ نشین پہلواری ضلع گیا وغیرہ وغیرہ

اس کے بعد آپ نے ایک مکتوب مفتوح عربی زبان میں کل علماء و مشائخ ہند و بلاد اسلامیہ کے نام شائع کیا جسے انجام آتھم کے ساتھ شامل کیا ہے۔ اس میں پھر اپنی صداقتِ دعویٰ پر دلائل دیئے ہیں تا اُن پر حجت تمام ہو۔

خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے بزرگ کی طرف سے تصدیق

خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے بزرگ کا خط

اس دعوت مباہلہ کے جواب میں کوئی شخص علماء و مشائخ میں سے نہ نکلا جو یا تو تائید و تصدیق کرتا یا اگر اپنے انکار اور تکذیب پر اُسے اصرار تھا تو مباہلہ کے لئے میدان میں آتا۔ سوائے خواجہ غلام فرید صاحب چشتی کے جو چاچڑاں کے سجّادہ نشین تھے اور نواب بہاولپور کے پیر تھے۔ یہ ایک صالح اور مردِ متقی تھے۔ اُنہوں نے آپ کی تصدیق میں ایک خط عربی میں آپ کو لکھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"اللہ کے دروازہ کے فقیر غلام فرید سجادہ نشین کی طرف سے بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جو رب الارباب ہے اور درود اس رسولؐ مقبول پر جو یوم الحساب کے شفیع ہیں اور نیز آپ کی آل اور اصحاب پر۔ اور تم پر سلام اور ہر ایک پر جو راہ صواب میں کوشش کرنے والا ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کی وہ کتاب پہنچی جس میں مباہلہ کے لئے جواب طلب کیا گیا ہے۔ اور اگرچہ میں عدیم الفرصت تھا تاہم میں نے اس کتاب کے ایک جزو کو جو حسن خطاب اور طریق عتاب پر مشتمل تھی پڑھا ہے۔ سو اے ہر ایک حبیب سے عزیز تر تجھے معلوم ہو کہ میں ابتدا سے تیرے لئے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر بجز تعظیم اور تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا۔ اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ میں بلاشبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے۔ اور تیری سعی عند اللہ قابل شکر ہے جس کا اجر ملے گا اور خدائے بخشندہ بادشاہ کا تیرے پر فضل ہے میرے لئے عاقبت بالخیر کی دعا کر۔ اور میں آپ کے لئے انجام خیر و خوبی کی دعا کرتا ہوں۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں زیادہ لکھتا۔ والسلام علیٰ من سلک سبیل الصواب۔

از مقام چاچڑاں (مہر)"

حضرت اقدس مرزا صاحب کے دل پر اس قحط الرجال کے زمانہ میں ایک شخص کے اس طرح حق کی تائید و تصدیق کرنے کا بڑا اثر ہوا۔ آپ ضمیمہ انجام آتھم میں اس خط کو درج کرتے ہوئے صفحہ ۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

"(یہ خط) ہم اس غرض سے درج کرتے ہیں کہ تا دوسرے مشائخ مدعوئین بھی کم سے کم ان کے نمونہ پر چلیں۔ اور اگر زیادہ توفیق یاری نہ کرے تو البتہ ان کے (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے) خیال سے کم نہ رہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اسقدر بھی اس عاجز کی تصدیق کرے گا جیسا کہ خواجہ غلام فرید صاحب نے اپنے خط کے ذریعہ کی۔ اُس کا بھی خدا ان لوگوں میں حشر کریگا جنہوں نے سچائی کو رد کرنا نہ چاہا" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۶)

آپ نے ایک خط بھی میاں غلام فرید صاحب کو اُن کے خط کے جواب میں لکھا جس میں ایک طویل فارسی نظم میں اُن کو خطاب کرتے ہوئے اپنے اس درد کا اظہار کیا ہے جو ان مکفر علماء کی تکفیر اور مخالفت کی وجہ سے آپ کے دل کو پہنچ رہا تھا۔ اور اپنا مذہب بھی اس میں ظاہر کیا ہے۔ وہ نظم کیا ہے ایک دریائے معرفت ہے۔ اس میں سے میں چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

اے فرید وقت در صدق و صفا | با تو باد آں رُو کہ نامِ او خدا
بر تو بارد رحمتِ یارِ ازل | در تو تابد نورِ دلدارِ ازل
از تو جانِ من خوش است ای خوش خصال | دیدمت مردے دریں قحط الرّجال

.....

اے مرا روئے محبت سوئے تو | بوئے اُنس آید مرا از کوئے تو
کس ازیں مردم بما روئے نہ کرد | ایں نصیبت بود اے فرخندہ مرد
ہر زماں با لعنتے یادم کنند | خستہ دل از جور دیدارم کنند
کس بچشمِ یار صدیقے نہ شد | تا رہِ چشمِ غیر زندیقے نہ شد
کافرم گفتند و دجال و لعین | ہر قلم ہر لیلمے در کمین
بنگر ایں بازی کناں را چوں جمند | از حسد بر جانِ خود بازی کنند
مومنے را کافرے دادن قرار | کارِ جاں بازیست نزدِ ہوشیار
زانکہ تکفیرے کہ از ناحق بود | واپس آید بر سرِ اہلش فتد
سفلہ کو غرق در کفرِ نہاں | ہر زہ نالد بہرِ کفرِ دیگراں
گر خبر زاں کفرِ باطن داشتے | خویشتن را بدتر ے انگاشتے

.....

ما مسلمانیم از فضلِ خدا | مصطفےٰ مارا امام و پیشوا

اندرایں دیں آمدہ از ما دریم — ہم بریں از دارِ دنیا بگذریم
آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست — بادۂ عرفانِ ما آں جام اوست
آں رسولے کش محمدؐ ہست نام — دامنِ پاکش بہ دستِ ما مدام
مہرِ او با شیر شد اندر بدن — جاں شد و با جاں بدر خواہد شدن
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوت را بر و شد اختتام
ما ازو نوشیم ہر آبے کہ ہست — ز و شدہ سیراب سیرابے کہ ہست
آنچہ مارا وحی و ایمائے بود — آں نہ از خود از ہماں جائے بود
ما ازو یابیم ہر نور و کمال — وصلِ دلدارِ ازل بے او محال
اقتدائے قولِ او در جانِ ماست — ہر چہ ز و ثابت شود ایمانِ ماست
از ملائک و ز خبر ہائے معاد — ہر چہ گفت آں مرسلِ رب العباد
آں ہمہ از حضرتِ احدیت است — منکرِ آں مستحقِ لعنت است
معجزاتِ او ہمہ حق اندر است — منکرِ آں موردِ لعنِ خدا ست
معجزاتِ انبیائے سابقین — آنچہ در قرآں بیانش بالیقین
بر ہمہ از جان و دل ایمانِ ماست — ہر کہ انکارے کند از اشقیاست

یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب
زندِ ما کفر است و خسران و تباب

مذکورہ بالا آخری اشعار میں حضرت مرزا صاحب نے کس صفائی سے اپنا مذہب ظاہر فرما دیا ہے۔ اس کے بعد بھی آپ کے اسلام میں شک لانے کی وجہ سوائے ضد اور تعصب اور حسد یا نادانی اور جہالت کے کیا ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا چاچڑاں پہنچنا

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے جو میاں غلام فرید صاحب چاچڑاں والے سجادہ نشین کا خط پڑھا تو وہ فوراً چاچڑاں پہنچے اور حضرت مرزا صاحب کی نسبت بہت کچھ انہیں بہکانے کی کوشش کی اور چاہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب اپنے اس خط کے خلاف کوئی تحریر لکھ کر اُن کو دیدیں حضرت مرزا صاحب کے ایک مرید بھی وہاں پیر صاحب سے ملاقات کی غرض کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے شش و پنج میں تھے کہ دیکھیں اب کیا بنتا ہے۔ خواجہ غلام فرید صاحب نے اُن کی حیرانی دیکھ کر فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں میں دیکھوں کس خوبصورتی سے ان

کو ٹالتا ہوں۔ پہلے تو انہیں کہا کہ ہم لوگ علمائے ظاہر کی طرح بحث مباحثے فتوے وغیرہ سے کام نہیں رکھتے اس لئے آپ نے اپنا حق تبلیغ ادا کر دیا۔ بس قصہ ختم ہوا۔ اب آپ اس سے زیادہ مجھے تنگ کریں مگر جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے کہ یا تو مجھ سے بحث کرو اور یا مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ لکھ کر دو۔ تو آپ چپکے سے اندر چلے گئے اور کچھ روپے اپنے ایک مرید خاص کی معرفت مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو بھیج دیئے۔ بس روپے لیکر مولوی صاحب موصوف چپ چاپ وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ خواجہ غلام فرید صاحب نے فرمایا کہ ان مولویوں کا منہ بند کرنے کا مجھے تو یہی احسن طریق نظر آتا ہے۔

ملفوظات خواجہ غلام فرید صاحب خواجہ غلام فرید صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے نے اپنے والد بزرگ کے ملفوظات کو ایک کتاب کی شکل میں شائع فرمایا ہے جس کا نام اشارات فریدی ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے اس کے صفحہ ۶۹ سے لیکر ۷۲ تک کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"مجلس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اور اس بات کا ذکر شروع ہوا کہ منکرین کیا کیا ردو قدح کرتے ہیں اور کس طرح بُرا کہتے ہیں۔ ایک دانشمند حاضر تھا اُس نے مرزا صاحب کی صفت اور ثنا شروع کی۔ حضور خواجہ صاحب نہایت خوش اور مسرور ہوئے۔ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کا سارا وقت خدائے عزّ وجلّ کی عبادت میں گزرتا ہے یا نماز پڑھتے ہیں یا تلاوت قرآن شریف کرتے ہیں یا دوسرے ایسے ہی شغل رکھتے ہیں اور اسلام اور دین کی حمایت پر ایسی کمر ہمت باندھی ہے کہ دین محمدی کی دعوت ملکۂ لنڈن کو بھی کی ہے اور بادشاہان روس و فرانس وغیرہ کو بھی دعوت اسلام کی ہے۔ اور تمام سعی و کوشش ان کی اسی میں ہے کہ یہ لوگ یعنی عیسائی عقیدۂ تثلیث اور صلیب کو جو سراسر کفر ہے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کریں۔ اور علمائے وقت کو دیکھو کہ جھوٹے مذہبوں والوں کو چھوڑ کر صرف ایک اسی نیک مرد کے دلپے ہو گئے ہیں جو اہل سنت و جماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے اور ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ ان کے عربی کلام کو دیکھو جو انسانی طاقت سے بالا تر ہے اور ان کا ہر ایک کلام معارف اور حقائق اور ہدایت سے پُر ہے اور وہ عقائد اہل سنت و جماعت اور دین کے ضروری امور سے ہرگز منکر نہیں ہیں۔"

بعد اس کے فرمایا کہ:۔

"مرزا صاحب نے اپنے مہدی ہونے کی تائید میں بہت سی علامتیں بیان کی ہیں لیکن ان سب

میں سے دو علامتیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی اور بیان کی ہیں ان کے مہدی ہونیکے دعوے پر اعلیٰ درجہ کی گواہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوگا جس کا نام کدعہ ہے۔ اور کدعہ دراصل قادیان کا معرب ہے یعنی اس کی عربی صورت ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دارقطنی میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں جو جب سے اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں کسی مدعی کیلئے ظاہر نہیں ہوئیں یعنی قمر کو ماہ رمضان میں (گرہن میں سے) درمیان کے دن گرہن لگے گا۔ چنانچہ جب ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو خسوف قمر اور کسوف شمس واقع ہوا تو مرزا صاحب نے اتمام حجت کیلئے چاروں طرف دنیا میں یہ اشتہار شائع کیا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی موعود کے ظاہر ہونے کیلئے بیان فرمائی تھی اب پوری ہوگئی ہے۔ اور سب پر واجب ہے کہ میرے مہدی ہونے کا اقرار کریں۔ اس پر اس زمانہ کے مولویوں نے بچوں کی طرح یہ سوال کیا کہ حدیث شریف کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن لگیگا اور رمضان کے نصف میں سورج کو گرہن لگیگا۔ اور چاند گرہن ۱۳۔ رمضان کو اور سورج گرہن ۲۸۔ رمضان کو واقع ہوا ہے اور یہ خلاف منشائے حدیث ہے۔ وہ خسوف اور کسوف اور ہوگا جو سچے مہدی کے وقت ظاہر ہوگا"

بعد ازاں حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا:۔

"سبحان اللہ۔ مرزا صاحب نے حدیث شریف مذکور کے کیا عمدہ معنے بیان فرمائے ہیں اور منکر مولویوں کو کیسا اچھا جواب دیا ہے۔ سنو۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حدیث شریف کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے مہدی کی تصدیق اور تائید کیلئے دو نشان مقرر ہیں اور جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں وہ دو نشان کسی مدعی کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے اور وہ دو نشان یہ ہیں کہ مہدی موعود کے دعوے کے وقت میں چاند گرہن اس پہلی رات میں ہوگا جو چاند گرہن کی تین راتوں میں سے پہلی رات ہے یعنی تیرھویں رات رمضان کی۔ اور سورج گرہن اس دن واقع ہوگا جو سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیان کا دن ہے یعنی اٹھائیسویں تاریخ رمضان کی۔ بعد اس کے حضور نے فرمایا کہ بیشک حدیث شریف کے یہی معنی ہیں جو مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں کیونکہ چاند گرہن ہمیشہ تیرھویں یا چودھویں یا پندرھویں تاریخ کو واقع ہوتا ہے اور سورج گرہن

ہمیشہ ستائیسویں یا اٹھائیسویں یا انتیسویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ پس جو چاند گرہن ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو واقع ہوا ہے وہ رمضان کی تیرھویں رات کو یعنی چاند گرہن کی پہلی رات کو ہی واقع ہوا ہے اور ایسا ہی سورج گرہن درمیان کے دن میں واقع ہوا ہے۔"

دوسری جگہ جو تذکرہ ہے وہ اس طرح ہے:۔

"اسی اثنا میں حافظ گموں نے جو حد درگڑھی اختیار خاں کا رہنے والا ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نسبت گندے اور بُرے الفاظ میں ذکر شروع کیا جس سے حضور خواجہ عباحب کا روشن چہرہ متغیر ہوگیا۔ اور اس حافظ پر آپ نے آواز بلند کی اور اُسے جھڑکا۔ اُس نے عرض کیا کہ قبلہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام کی صفتیں اور حالات اور مہدی موعود کے وصف مرزا صاحب میں نہ پائے جائیں تو ہم کیونکر مان لیں کہ وہ عیسیٰ اور مہدی ہے۔ حضور خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مہدی کے وصف پوشیدہ اور پنہاں ہیں۔ اور وہ ایسے نہیں جو لوگوں نے اپنے دلوں میں سمجھ رکھے ہیں۔ اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ یہی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی ہوں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ دجال ہیں پس اسی قدر مہدی بھی ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ عیسیٰ اور مہدی ایک ہی ہیں۔" بعد اس کے فرمایا کہ "یہ ضروری نہیں ہے کہ مہدی کی ساری نشانیاں اسی کے مطابق ظاہر ہوں جو لوگوں نے اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق اپنے دلوں میں قائم کر رکھی ہیں۔ حافظا! بات تو اس کے خلاف ہے۔ اگر وہی بات ہوتی جو لوگ خیال کرتے ہیں تو ساری خلقت اس کو مہدی جان کر اس پر ایمان لے آتی۔ حالانکہ پیغمبروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نبی کی قوم کے چند گروہ ہوتے تھے۔ بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال ظاہر ہو جاتا پس وہ ایمان لے آتے۔ اور بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال مشتبہ رہتا۔ اور بعض پر اس کا حال بالکل ظاہر ہی نہ ہوتا۔ پس اس گروہ نے انکار کیا اور کافر کہلائے۔ اگر ہر پیغمبر کی کل کی کل قوم پر اس پیغمبر کا حال کھل جاتا تو وہ سارے ہی مسلمان ہو جاتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پر ہی نظر ڈالو کہ آپ کے اوصاف اور علامتیں کتب سماوی میں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر اور مبعوث ہوئے تو لوگوں نے بعض نشانیوں کو اپنے خیال کے اور سمجھ اور فہم کے مطابق نہ پایا۔ پس وہ لوگ جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کھل گیا وہ ایمان لے آئے۔ اور جن پر حال نہ کھلا انہوں نے انکار کیا۔ یہی حال مہدی کا ہے۔ پس اگر مرزا صاحب مہدی ہوں تو کونسا امر مانع ہے۔"

اسی طرح اسی کتاب میں صفحہ ۵۷ پر لکھا ہے کہ:-

"مرزا صاحب کا ذکر مجلس میں ہو رہا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ مرزا صاحب عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے توڑنے کے درپے ہیں اور اس زمانہ کے علما ان کے مخالف ہو گئے ہیں اور اُن پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور اُن سے جنگ کر رہے ہیں تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ حق غالب است و طرف حق غالب است" یعنی علما جتنا چاہیں جنگ کریں حق ہی غالب ہوگا کیونکہ حق کا پلہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ایسا ہی جہاں خواجہ صاحب کے پہلے خط کا جو عربی میں آپ نے لکھا تھا ذکر ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں اور اُنہوں نے اپنے الہامات کی ایک کتاب میرے پاس بھیجی ہے جس سے ان کی فضیلت اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس فقرہ میں خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے الہامات کا منجانب اللہ ہونا صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب آپ کی اس تصدیق پر بعض علمائے ظاہری نے مرزا صاحب کو بُرا کہنا شروع کیا اور آپ کے حق پر ہونے کا انکار کیا تو آپ نے فرمایا "نہیں نہیں وہ (یعنی مرزا صاحب) مرد صادق ہیں۔ مفتری اور کاذب نہیں"۔

غرض کہ اس کتاب میں حضرت مرزا صاحب کا جہاں کہیں ذکر آیا ہے خواجہ صاحب نے ہمیشہ آپ کے منجانب اللہ اور صادق ہونے کی گواہی دی۔ اور جیسا کہ اُوپر کی عبارتوں سے ظاہر ہے وہ نہ صرف حسن ظن کے طور پر حضرت مرزا صاحب کو صادق کہتے تھے بلکہ ان کو آپ کے ظاہری اور باطنی حالات سے ہر طرح کی آگاہی تھی۔ اور آپ کے دعوے اور اس کے دلائل اور مخالفین کے انکار کی وجوہ پر بھی آپ پوری اطلاع رکھتے تھے۔ اور نہ صرف آپ کے قلب کی پاکیزگی نے ہی آپ کو حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے تسلیم کرنے کے لئے ہدایت کی تھی بلکہ آپ کے دعوے اور دلائل پر بھی آپ نے پورا پورا غور کیا ہوا تھا اور اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ مخالفین کے اعتراضات طفلانہ اعتراض ہیں۔

دو صوفیوں کا قادیان آنا خاکسار مؤلف ۱۹۰۶ء میں لمبی رخصت لیکر قادیان حضرت اقدس کی خدمت میں رہا تھا۔ اُن دنوں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے دو مرید کچھ روز قادیان آکر رہے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب موصوف کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے یہ دونو مرید اپنے مرشد سے حضرت اقدس کی تعریف سُن کر اس لئے قادیان آئے تھے کہ امام مہدی کی زیارت کریں۔ صوفی مشرب لوگوں میں مرشد ایک ہی ہوتا ہے فیض ہر جگہ سے لے لیتے ہیں۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت تو نہیں کی۔[1]

[1] اسی طرح قاضی امیر حسین صاحب کے والد جو ایک صوفی منش عالم تھے حضرت اقدس مرزا صاحب کے اعتقاد معتقد تھے کہ جب قادیان آتے تو جہاں سے مسجد مبارک کے مینار نظر آتے برہنہ پا ہو جاتے لیکن چونکہ کسی بزرگ سے دست بیعت ہو چکے تھے اس لئے حضرت کی بیعت نہ کی۔ (مؤلف)

لیکن حضرت کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو اس قدر ادب سے کھڑے ہوتے کہ ہم لوگوں کو تعجب ہوتا جس طرح نماز میں ہاتھ باندھتے ہیں اس طرح ہاتھ ناف پر باندھ کر آنکھیں نیچی کئے خاموش مؤدب کھڑے رہتے۔ ان کے نام تو کچھ اور تھے لیکن کسر نفسی سے ایک نے اپنا نام شیطان رکھا ہوا تھا اور دوسرے نے ابلیس۔ شیطان اذان نہایت خوش الحانی سے دیا کرتا تھا۔ بالخصوص جب اشھدُ انّ محمّدًا رسولُ اللہ کہتا تھا تو اُسے رقت ہو جاتی تھی۔ غرضکہ بہت دلچسپ آدمی تھے مولوی نورالدین صاحب کے پاس اکثر بیٹھے رہا کرتے تھے۔ عابد آدمی تھے۔ رات کا اکثر حصّہ ذکر کرتے رہتے۔

تیسری بار علما و مشائخ کے نام مباہلہ کی دعوت

مباہلہ کے اعلان پر جو انجام آتھم میں شائع ہوا جب میاں غلام فرید صاحب چاچڑاں والے بزرگ یا ایک دو اور اسی قسم کے راستباز انسانوں کے سوا کوئی شخص تصدیق کو نہ اُٹھا اور نہ ہی کوئی مباہلہ کیلئے میدان میں آیا تو حضرت اقدس نے بذریعہ ایک اشتہار کے تیسری دفعہ مباہلہ کیلئے ضمیمہ انجام آتھم میں اعلان فرمایا۔ اور اب کے دفعہ ایسا آسان طریق مباہلہ کرنے کا شائع فرما دیا جس پر چل کر دور و نزدیک کا ہر ایک مولوی بڑی آسانی سے مباہلہ کر سکتا تھا۔ اور وہ یہ تھا:۔

"اور یہ ضروری ہوگا کہ مباہلہ کرنے والا صرف ایک نہ ہو بلکہ کم سے کم دس ہوں۔ اور چونکہ مباہلہ کے لئے ہر ایک شخص بلایا گیا ہے خواہ پنجاب کا ہو یا ہندوستان کا یا بلادِ عرب کا یا بلاد فارس کا۔ اس لئے یہ مشقت مخالفوں پر جائز نہیں رکھی گئی کہ وہ دور دراز سفر کر کے پہنچیں بلکہ حسب منطوق وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ ویریں اللہ بکم الیسر ولا یریں بکم العسر۔ یہ تجویز قرار پائی ہے کہ ہر ایک شخص اشتہارات کے ذریعہ سے مباہلہ کرے۔ مگر یہ شرط ضروری ہے کہ جو الہامات میں نے رسالہ انجام آتھم میں صفحہ ۵۱ سے ۶۲ تک لکھے ہیں وہ کل الہامات اپنے اشتہار مباہلہ میں لکھے اور محض حوالہ نہ دے بلکہ کل الہام صفحات مذکورہ کے اشتہار میں درج کرے اور پھر بعد اس کے عبارت ذیل کی دعا اس اشتہار میں لکھے اور وہ یہ ہے:۔

"دُعا"

"اے خدائے علیم و خبیر میں جو فلاں ابن فلاں ساکن قصبہ فلاں ہوں اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے دعوئے مسیح موعود ہونے میں کاذب اور مفتری اور کافر جانتا ہوں۔ اور یہ تمام الہام اس کے جو میں نے انجام آتھم کے صفحہ ۵۱ سے ۶۲ تک اس اشتہار میں لکھے ہیں یہ سب

میرے نزدیک افترا یا شیطانی وساوس ہیں تیری طرف سے نہیں ہیں۔ پس اے خدائے قادر اگر تو جانتا ہے کہ میں اپنے اس اعلان میں سچا ہوں اور اُس کا یہ دعویٰ تیری طرف سے نہیں اور یہ الہام تیری طرف سے ہیں بلکہ وہ درحقیقت کافر ہے۔ تو اس اُمت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے۔ تا لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آجائیں۔ اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں تو مجھ پر جو میں اُس کو کافر اور کذاب سمجھتا ہوں دُکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب آج کے دن سے ایک برس کے اندر نازل کر۔ آمین"

"یہ اشتہار جب کسی مباہلہ کرنیوالے کی طرف سے بغیر کسی تغیر و تبدل کے آئے گا تو ایک شخص کو کہا جائے گا کہ اس اشتہار کو ہماری جماعت میں پڑھے تب اس کے ختم ہونے پر تمام جماعت آمین کہے گی اور ایسا ہی سمجھا جائے گا کہ گویا بالمواجہ مباہلہ ہوا۔ ایسا ہی میری طرف سے اس اشتہار آنے کے بعد اس مضمون کی تحریر مباہلہ چھپیگی کہ میں وہ تمام الہامات جو انجام آتھم کے صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۶۲ تک لکھے گئے ہیں اُس اپنی تحریر میں درج کروں گا اور یہ دعا بعد اس کے لکھوں گا کہ:۔

"اے خدائے قادر و علیم اگر تو جانتا ہے کہ میں نے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا اپنی طرف سے بنا لیا ہے اور یہ تیرے الہامات نہیں جو اس اشتہار میں لکھے گئے ہیں بلکہ میرا افترا ہیں یا شیطانی وساوس ہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو۔ لیکن اگر تو جانتا ہے کہ میرا دعویٰ تیرے الہام سے ہے اور یہ سب الہامات تیرے الہامات ہیں جو اس اشتہار میں لکھے گئے ہیں تو اس مخالف کو جو اپنے اشتہار مباہلہ کے ذریعہ سے میری تکذیب کرتا اور مجھ کو کاذب جانتا ہے ایک سال کے عرصہ میں نہایت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ آمین"

"اور جب یہ اشتہار اس مخالف مباہلہ کنندہ کے پاس پہنچے تو چاہئے کہ وہ ایک جماعت میں پڑھا جائے۔ اور بعد ختم ہونے مضمون کے ساری جماعت آمین کہے۔ یہ تجویز مباہلہ ان لوگوں کے لئے ہے جو پچاس کوس سے زیادہ فاصلہ پر رہتے ہیں۔ لیکن اگر پچاس کوس کے اندر ہوں جیسے شیخ محمد حسین بٹالوی اور ثناء اللہ امرتسری۔ اور احمد اللہ امرتسری اور عبدالحق غزنوی اور میاں عبدالجبار غزنوی تو اُن کے لئے یہ طریق احسن ہے کہ وہ بالمواجہ مباہلہ کر لیں۔ آدھی مسافت میں طے کروں اور آدھی وہ طے کریں اور ایک درمیانی جگہ میں مباہلہ ہو جائے۔

یہ ہماری آخری اتمام حجت ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص ظلم کو نہیں چھوڑے گا تو اس پر خدا تعالیٰ کی حجت پوری ہو گئی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳۳-۳۴-۳۵)

مولویوں کا مباہلہ سے گریز اور اُن پر اتمام حجت

لیکن پھر بھی کوئی مولوی میدانِ مباہلہ میں نہ آیا۔ بعد میں جس کا جو جی چاہے شیخی مارتا اور افترپردازیاں کرتا پھرے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح قرآن حدیث کے مطابق صدق و کذب کے فیصلہ کے واسطے علما یا مشائخ میں سے کوئی بھی مباہلہ کیلئے میدان میں نہ نکلا سب اپنی اپنی جگہ دبک کر بیٹھ گئے اور اس طرح خدا کی طرف سے اُن پر حجت پُوری ہو گئی۔

سیّد اشہد الدین صاحب پیر صاحب العلم کی تصدیق

سیّد اشہد الدین صاحب کا تصدیقی خط

ضمیمہ انجام آتھم میں حضرت اقدس نے سید اشہد الدین صاحب پیر صاحب العلم کا جو سندھ میں ایک بہت بڑے بزرگ اور ظاہر و باطن کے علم سے آراستہ اور صاحب الحال تھے ذکر فرمایا ہے۔ اس سے قبل ان بزرگ کا ذکر میں مسٹر الگزنڈر وب صاحب کے حال میں کر آیا ہوں کہ مولوی عبداللہ عرب صاحب کی تحریک پر انہوں نے استخارہ کیا تھا اس میں جو کچھ انکو جناب الٰہی کی طرف سے بتایا گیا اسکی بنا پر پہلے تو وہ خود قادیان آنے کو تیار ہو گئے بعد میں لوگوں کے کہنے سُننے سے خود تو وہ گئے مگر ایک تصدیقی خط اُنہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا اور اپنے بیٹے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور شیخ عبداللہ عرب صاحب کی معرفت وہ خط آپ کی خدمت میں بھیجا جو عربی میں ہے اور جسے حضرت مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶۰ پر نقل فرمایا ہے۔ میں اس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کشف میں دیکھا پس میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا اور مفتری ہے یا صادق ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے۔ پس اگر آپ یہ کہیں کہ ہم امریکہ چلے جائیں تو ہم وہیں جائیں گے۔ اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیں فرمانبردار پاؤ گے"

پھر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ وہ باتیں ہیں جو اُن کے خلیفہ عبداللطیف مرحوم اور شیخ عبداللہ عرب نے زبانی بھی مجھے سنائیں۔ اور اب بھی میرے دلی دوست سیٹھ صالح محمد حاجی اللہ رکھا صاحب جب مدراس سے اُنکے پاس

گئے تو انہیں بدستور مُصدّق پایا۔ بلکہ اُنہوں نے عام مجلس میں کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں عصا لیکر تمام حاضرین کو بلند آواز سے سنا دیا کہ مَیں اُن کو اپنے دعوے میں حق پر جانتا ہوں اور ایسا ہی مجھے کشف کے رُو سے معلوم ہؤا ہے۔ اور انکے صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ جب میرے والد صاحب تصدیق کرتے ہیں تو مجھے بھی انکار نہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶۰)

اِسلام کے زندہ مذہب ہونیکا پُرشوکت اعلان
اور
اس پر زبردست تحدّی

غیر مسلموں اور عیسائیوں پر اتمام حجت

حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا اعلان جس زور اور تحدّی سے جلی حرفوں میں فرمایا ہے اُس سے اس یقین اور عرفان کا پتہ لگتا ہے جو آپ کو اسلام کی صداقت پر تھا۔ اور نیز جس سے آپ کے صادق اور صاحب حال ہونے کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ اور منکر پر بکلّی حجّت تمام ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"بالآخر مَیں پھر ایک طالب حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دین حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جس سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں وہ مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ مجھے بھیجا گیا ہے تا مَیں ثابت کردں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مقابلہ سے تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔ مَیں ہر ایک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور اپنے علوم حکمیہ اور اپنے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کے رُو سے معجزہ ہے۔ موسیٰ کے معجزہ سے بڑھ کر۔ اور عیسیٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ۔

مَیں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی محبت رکھنا اور سچّی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحبِ کرامات بنا دیتا ہے۔ اور اسی کامل انسان پر علوم غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور دُنیا میں کسی مذہب والا رُوحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مَیں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مُردے۔ اُنکے خادم مُردے اور خود وہ تمام پیرو مُردے ہیں اور خدا تعالےٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنیکے

ہرگز ممکن نہیں ہرگز ممکن نہیں۔

اے نادانو! تمہیں مُردہ پرستی میں کیا مزہ ہے؟ اور مُردار کھانے میں کیا لذّت؟!!! آؤ مَیں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے؟ وہ اسلام کے ساتھ ہے۔ اسلام اس وقت موسیٰ کا طُور ہے جہاں خدا بول رہا ہے وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ کلام کرتا تھا اور پھر چُپ ہوگیا آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں؟ کہ اس بات کو پرکھے۔ پھر اگر حق کو پائے تو قبول کر لیوے۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا ایک مردہ کفن میں لپٹا ہوا؟ پھر کیا ہے؟ کیا ایک مشتِ خاک؟ کیا یہ مردہ خدا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ تمہیں کچھ جواب دے سکتا ہے؟ ذرا آؤ! ہاں! لعنت ہے تم پر اگر نہ آؤ۔ اور اس سڑے گلے مردہ کا میرے خدا کے ساتھ مقابلہ نہ کرو۔

دیکھو مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ چالیس دن نہیں گزریں گے کہ وہ بعض آسمانی نشانات سے تمہیں شرمندہ کرے گا۔ ناپاک ہیں وہ دل جو سچّے ارادہ سے نہیں آزماتے۔ اور پھر انکار کرتے ہیں۔ اور پلید ہیں وہ طبیعتیں جو شرارت کی طرف جاتی ہیں نہ طلب حق کی طرف۔

او میرے مخالف مولویو! اگر تم کو شک ہو تو آؤ چند روز میری صحبت میں رہو۔ اگر خدا کے نشان نہ دیکھو تو مجھے پکڑو۔ اور جس طرح چاہو تکذیب سے پیش آؤ۔ مَیں اتمام حجّت کر چکا۔ اب جب تک تم اس حجّت کو نہ توڑ لو تمہارے پاس کوئی جواب نہیں۔ خدا کے نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی نہیں؟ جو سچّا دل لیکر میرے پاس آوے۔ کیا ایک بھی نہیں؟ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ ۲۲۔ جنوری ۱۸۹۷ء (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶۱-۶۲-۶۳)

لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلم اور غیر مسلم مکذبین میں سے کوئی بھی ایسا حق پرست اور حق طلب نہ نکلا جو آزمائش کیلئے ہی آپ کے پاس آتا اور آپ کے دعوے کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھتا۔ خود حضرت اقدس کس درد سے فرماتے ہیں ؎

آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں
وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طُورِ تجلّی کا بتایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

ہزار روپے کے انعام کا اشتہار

مقابلہ دربارۂ معجزات یسوع انجیلی و مسیح محمدی

یسوع انجیلی اور مسیح محمدی کے مقابلہ کے متعلق انعامی اشتہار

۲۸۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو آپ نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان تھا "ہزار روپے کے انعام کا اشتہار" اس میں عیسائیوں پر بڑی صفائی سے حجت تمام کی ہے اشتہار کے اصل الفاظ نقل کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"میں اس وقت ایک مستحکم وعدہ کے ساتھ یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب عیسائیوں میں سے یسوع کے نشانوں کو جو اس کی خدائی کی دلیل سمجھے جاتے ہیں میرے نشانوں اور فوق العادت خوارق سے قوت ثبوت اور کثرت تعداد میں بڑھے ہوئے ثابت کر سکیں تو میں انکو ایک ہزار روپیہ بطور انعام دوں گا۔ میں سچ سچ اور حلفاً کہتا ہوں کہ اس میں تخلف نہیں ہوگا میں ایسے ثالث کے پاس یہ روپیہ جمع کرا سکتا ہوں جس پر فریقین کو اطمینان ہو۔ اس فیصلہ کے لئے غیر مذہب والے منصف ٹھیرائے جائیں گے۔ درخواستیں جلد آنی چاہئیں۔

الراقم عیسائی صاحبوں کا خیر خواہ مرزا غلام احمد قادیانی (۲۸۔ جنوری ۱۸۹۷ء)"

لیکن اس معیار پر پرکھنے کے لئے کوئی عیسائی پادری سامنے نہ آیا۔ سب دم بخود ہو کر رہ گئے۔ ایک آدھ نے کرسچین ایڈووکیٹ کے حوالہ سے اخبار عام میں نہایت لچر بات چھپوائی کہ جھوٹے رسول اور جھوٹے مسیح بھی ایسے بڑے بڑے نشانات دکھا سکتے ہیں جو مسیح نے دکھلائے تھے تا برگزیدوں کو گمراہ کریں۔ اس پر آپ نے ۲۸۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ اس کا نہایت دندان شکن جواب شائع فرمایا جس میں آپ نے نہایت معقول طریقہ سے یہ بتایا کہ کیا وجہ ہے کہ جن نشانات کی وجہ سے یسوع کو خدا قرار دیا جائے وہی نشانات اگر دوسرا دکھائے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر دکھائے تو اُسے سچا ملہم بھی نہ قرار دیا جائے اور جھوٹا مسیح کہا جائے پھر کیوں نہ خود یسوع کو بھی انہی نشانات کی بنا پر جھوٹا مسیح نہ قرار دیا جائے۔ اسی ذیل میں آپ نے پھر مسیح کے مردے زندہ کرنے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور نقلی اور عقلی دونو طریق سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب فرضی باتیں ہیں جن کے اندر حقیقت کوئی نہیں۔ پھر قرآن کریم سے بھی ثابت کیا کہ حقیقی مردے دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے اور قرآن کریم میں نبیوں کے مردے زندہ کرنے سے مراد مردہ قوم یا مردہ دل افراد کو نئی زندگی بخشنا ہے وغیرہ۔ پھر آپ نے انجیل سے بھی

ثابت کیا کہ انجیل میں خود یسوع نے معجزہ دکھانے سے قطعاً انکار کیا ہے۔ بلکہ غصہ میں آکر معجزات مانگنے والوں کو "حرامکار" کہہ دیا ہے۔ غرضکہ ایسا مسکت جواب دیا کہ پھر کسی کو جواب الجواب کیلئے یا سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ اور اپنی خاموشی اور عجز سے اپنی شکست کا اعتراف کر گئے۔

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی طرف سے مخالفت

شیخ محمد رضا طہرانی کے مخالفانہ اشتہار کا جواب

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی ایک شیعہ مجتہد تھے جنہوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت میں علم بلند کیا اور ایک اشتہار میں حیات مسیح اور ظہور مہدی پر بہت سی باتیں آئیں بائیں شائیں کہہ ڈالیں۔ اور یہ بھی شیخی ماری کہ میں چالیس لمحوں میں نشان دکھا سکتا ہوں اور علاوہ ازیں حق و باطل کے فیصلہ کا یا نوکھا طریق پیش کیا کہ میں اور مرزا صاحب بادشاہی مسجد لاہور کے منارہ سے بیک وقت نیچے کود پڑیں جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا اور جو جھوٹا ہوگا وہ مر جائے گا۔ شیخ نجفی صاحب کی ان باتوں پر حضرات شیعہ پھولے نہ سمائے۔ اور حضرت اقدس کو خط لکھا کہ اگر شیخ نجفی صاحب سے مناظرہ اور مقابلہ کر لو۔ اس پر حضرت اقدس نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کو ایک فارسی اشتہار شائع کیا جس میں نجفی صاحب کو صاف صاف لکھا کہ آپ ہم سے براہ راست خط و کتابت کریں اور اس کے بعد اپنے دعاوی مسیح و مہدی کو قرآن و حدیث سے نہایت واضح اور مدلل طور پر پیش کیا۔ اور چونکہ نجفی صاحب نے حضرت اقدس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ بھی شیخی ماری تھی کہ میں چالیس دقیقے یعنی چالیس لمحوں میں نشان دکھا سکتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ آپ چالیس لمحے چھوڑ کر چالیس گھنٹوں میں ہی کوئی نشان دکھا دیں۔ البتہ ہم چالیس روز میں نشان دکھانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یعنی آج سے چالیس روز کے اندر اللہ تعالیٰ کوئی نشان ہماری صداقت پر واضح اور بیّن ظاہر فرماویگا۔ اور چلو ہم نجفی صاحب کو چالیس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس عرصہ میں انہوں نے کوئی نشان دکھا دیا تو ہم اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اور اگر ان سے کوئی نشان ظاہر نہ ہوا اور ہماری تائید میں کوئی نشان ظاہر ہو گیا تو پھر وہ نشان ہماری صداقت اور ان کے کذب پر دلیل واضح ہوگا اور شیخ نجفی صاحب نے جو بادشاہی مسجد کے منارہ سے کود پڑنے کا مطالبہ کیا ہے۔ سو ایسا کوئی طریق مقابلہ کا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں بلکہ یہ ایک بدعت ہے۔ تعجب ہے کہ پہلے مسیح اسرائیلی سے شیخ نجدی نے یہی مطالبہ کیا تھا کہ اگر تو سچا مسیح ہے تو پہاڑ سے اپنے آپ کو نیچے گرا دے۔ اگر سچا ہے تو بچ جائیگا اور جھوٹا ہے تو مر جائے گا۔ تعجب ہے کہ اسی قسم کا مطالبہ شیخ نجفی مسیح محمدی سے یعنی مجھ سے کرتے ہیں۔ زہے حماقت!

پس جو جواب پہلے مسیح اسرائیلی نے شیخ نجدی کو دیا وہی جواب آج میں شیخ نجفی کو دیتا ہوں۔ جواب انجیل میں پڑھ لیں۔

چالیس دن کے اندر خدائی نشان کا ظہور

شیخ نجفی صاحب پہلے تو خاموش رہے لیکن پھر ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایک عربی و اردو مطبوعہ خط حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا جس میں انہی واہی تباہی باتوں کا اعادہ تھا کوئی کام کی بات نہ تھی۔ لیکن خدا نے ۷۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو حق و باطل کا خود ہی فیصلہ کر دیا۔ اور چالیس دن کے اندر موعودہ نشان دکھا کر شیخ نجفی کے کذب اور حضرت مرزا صاحب کے صدق پر دلیل واضح قائم کر دی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور نشان لیکھرام کی ہلاکت کا ظہور میں آیا۔ حضرت اقدس کا اشتہار یکم فروری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا تھا۔ اس کے ٹھیک ۳۵ روز کے بعد لیکھرام ہلاک ہو گیا۔ اور چالیس دن کے اندر یہ عظیم الشان نشان ظاہر ہوا جس نے خود شیخ نجفی صاحب پر بجائے خود اخلاقی موت طاری کر دی اور انہیں بادشاہی مسجد لاہور کے منارہ سے کودنے کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ ۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدس نے شیخ نجفی صاحب کو مخاطب کر کے ایک اشتہار شائع فرمایا اور اپنے اشتہار یکم فروری ۱۸۹۷ء کا حوالہ دیکر انہیں متنبہ کیا کہ اگر کوئی حق پرستی ان کے قلب کے کسی گوشہ میں محفوظ ہے تو انہیں اب نادم ہونا چاہئے۔ مگر اس کے بعد نجفی صاحب کہیں گم ہی ہو گئے۔

اشتہار چندہ برائے مہمانخانہ جدید

مہمانخانہ جدید کیلئے تحریک چندہ

جماعت روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ اور مہمان خانہ کی تنگی محسوس ہو رہی تھی۔ پہلا مہمانخانہ کافی نہ تھا اس لئے حضرت اقدس نے اس تنگی کو محسوس کرتے ہوئے ۱۷۔ فروری ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار دیا جس میں جماعت سے چندہ کا مطالبہ کیا تاکہ ایک نیا مہمانخانہ بنایا جائے چنانچہ آپ نے اس اشتہار میں یہ کلمات بھی ارقام فرمائے:۔

"ایک عرصہ ہوا کہ مجھے الہام ہوا تھا وسّع مکانک یاتون من کلّ فجٍّ عمیق یعنی اپنے مکان کو وسیع کر کہ لوگ دور دور کی زمین سے تیرے پاس آئیں گے۔ سو پشاور سے مدراس تک تو میں نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ مگر اس کے بعد دوبارہ پھر یہی الہام ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ پیشگوئی پھر زیادہ قوت اور کثرت کے ساتھ پوری ہوگی۔ واللہ یفعل ما یشاء ولا مانع لما اراد۔ اور لازم ہے کہ ہر ایک صاحب اپنی موجودہ حالت کے لحاظ سے اس چندہ میں شریک ہوں۔"

اس اشتہار پر جماعت نے چندہ دیا جس سے نیا مہمانخانہ تعمیر ہوا جو حضرت اقدس کے مکان اور بڑی مسجد کے درمیان تھا۔ حضرت اقدس کے زمانہ میں وہ ہمیشہ مہمان خانہ رہا کیونکہ وہ ایک قومی عمارت تھی اور مہمان خانہ کے لئے تعمیر ہوئی تھی مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد آجکل وہ کس مصرف میں آرہی ہے۔

خدا کی لعنت اور کسر صلیب

اشتہار کسر صلیب

کسر صلیب پر تو حضرت اقدس مامور ہی تھے اس لئے دن رات آپ کو مسیحیت کے قلع قمع کرنے میں ہی شغف تھا۔ اسی سلسلہ میں ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو آپ کی طرف سے ایک اشتہار "خدا کی لعنت اور کسر صلیب" نکلا جس نے واقعی کفارہ کا قلع قمع کر کے صلیب کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس اشتہار میں آپ نے بتلایا کہ لعن کا لفظ عربی اور عبرانی میں مشترک ہے اور عربی کی تمام مستند لغات میں خواہ وہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی ہیں مثلاً لسان العرب وغیرہ اور خواہ وہ عیسائیوں کی بنائی ہوئی ہیں جیسے قطر المحیط اور اقرب الموارد وغیرہ سب میں لعنت کے معنے یہ لکھے ہیں کہ:۔

"لعنتی اس کو کہتے ہیں جو ہر ایک قسم کی خیر و خوبی اور ہر ایک قسم کی ذاتی صلاحیت اور خدا کی رحمت اور خدا کی معرفت سے بکلی بے بہرہ اور بے نصیب ہو جائے اور ہمیشہ کے عذاب میں پڑے یعنی اس کا دل بکلی سیاہ ہو جائے اور بڑی نیکی سے لیکر چھوٹی نیکی تک کوئی خیر کی بات اُس کے نفس میں باقی نہ رہے۔ اور شیطان بن جائے اور اُس کا اندر مسخ ہو جائے ..... اور شماخ نے ایک شعر میں لعنتی انسان کا نام بھیڑیا رکھا ہے اس مشابہت سے کہ لعنتی کا باطن مسخ ہو جاتا ہے ایسا ہی عرف عام میں بھی جب یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص پر خدا کی لعنت ہے تو ہر ایک ادنیٰ اعلیٰ یہی سمجھتا ہے کہ وہ شخص خدا کی نظر میں واقعی طور پر پلید باطن اور بے ایمان اور شیطان ہے اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے روگردان ہے۔"

لعنت کا یہ مفہوم لغت اور عرف عام سے دکھا کر پھر حضرت اقدس نے پادریوں کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا کہ تم جو یسوع کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ وہ مصلوب ہو کر لعنتی ہوا تو کیا سچ مچ یہ لعنت کا مفہوم اُس پر صادق آگیا تھا۔ کیونکہ کوئی لفظ اپنے مفہوم سے الگ نہیں ہو سکتا پس کیا یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ نعوذ باللہ "خدا کی لعنت اور غضب کے نیچے آکر سیاہ دل اور خدا سے روگردان ہو گیا تھا میرے نزدیک تو ایسا شخص خود لعنتی ہے کہ ایسے برگزیدہ کا نام لعنتی رکھتا ہے۔" اس پر بحث کرتے ہوئے

آپ آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب اگر خدانخواستہ کچھ دنوں تک یسوع پر لعنت پڑ گئی تھی تو اُس وقت اُس کا خدا تعالیٰ سے انبیت کا علاقہ اور پیارا بیٹا ہونے کا لقب کیونکر باقی رہ سکتا تھا۔ کیونکہ بیٹا ہونا تو ایک طرف خود پیارا ہونا لعنت کے مفہوم کے برخلاف ہے۔ خدا کے کسی پیارے کو ایک دم کیلئے بھی شیطان کہنا کسی شیطان کا کام ہے نہ کہ انسان کا۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شریف آدمی ایک سیکنڈ کیلئے بھی یسوع کے لئے یہ تمام نام جائز رکھے جو لعنت کی حقیقت اور روح ہیں۔ پس اگر جائز نہیں تو دیکھو کہ کفارہ کی تمام عمارت گر گئی۔ اور تثلیثی مذہب ہلاک ہو گیا۔ اور صلیب ٹوٹ گئی۔ کیا کوئی دنیا میں ہے جو اس کا جواب دے؟"

چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہؤا کہ اگرچہ اس اشتہار سے پادریوں اور مسیحیوں کے گھر میں ماتم بپا ہو گیا۔ مگر اس کا جواب آجتک کسی سے نہ بن پڑا۔ اور کیونکر بن پڑتا لعنت کے مفہوم کے اس طرح واضح ہو جانے کے بعد کفارہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی ٹھیر نہیں سکتا کیونکہ لعنت کے اس مفہوم کے ظاہر ہو جانے کے بعد کوئی عیسائی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیح ملعون ہو گیا تھا۔ جب ملعون نہیں ہؤا تو کفارہ کہاں گیا۔ نیز ملعون ہونا اور صلیب پر مرنا دونو لازم ملزوم تھے۔ اگر یسوع ملعون نہیں ہؤا تو وہ صلیب پر مرا بھی نہیں پس صلیب ٹوٹ گئی اور مسیحیت مر گئی۔

لیکھرام کی ہلاکت

اور اس کے متعلق پیشگوئی کا پورا ہونا اور رسالہ استفتا کی اشاعت

جیسا کہ میں اس کتاب میں ذکر کر آیا ہوں۔ لیکھرام پشاوری نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کے مقابلہ میں ایک کتاب تکذیب براہین احمدیہ لکھی تھی جس میں کسی دلیل کا تو نشان بھی نہ تھا البتہ نہایت شوخی اور گندہ دہنی سے اسلام اور بانیٔ اسلام کا مذاق اڑایا تھا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت گندی گالیاں دی تھیں۔ اس کے بعد یہ گستاخ شخص ۱۸۸۵ء میں مرزا امام الدین کی تحریک پر قادیان آیا اور آریوں کے پاس مقیم رہ کر حضرت اقدس سے مباحثہ کے لئے خط و کتابت کرتا رہا۔ مگر چونکہ یہ ایک نہایت جاہل شخص تھا اس لئے بحث مباحثہ کے متعلق کسی معقول شرائط پر نہ آیا اور یونہی ٹال مٹول کر کے ڈینگیں مارتا اور جھوٹ بولتا رہا کہ مرزا صاحب میرے مقابلہ پر آنے سے جی چراتے ہیں۔ حالانکہ جو شرط حضرت مرزا صاحب پیش کرتے تھے وہ یہی تھی کہ وہ وید کی پابندی سے اور اس کی شرتیوں

کے حوالوں سے بحث کرے اور ہم قرآن شریف کی پابندی سے اور اس کی آیتوں کے حوالوں سے بحث کریں گے۔ لیکن وہ جاہل محض تھا۔ اُس میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہر ایک مقام میں وید کی شرتی پیش کر سکے اس لئے وہ چالاکی سے حضرت اقدس کے اصل مطالبہ کو تحریر میں ہی نہیں لاتا تھا۔ ہاں ٹھٹھے اور ہنسی سے بار بار نشان مانگتا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب کی طرف سے جب اُس پر ہر طرح حجت تمام کر دی گئی تو اس نے خط لکھا:۔

"میرا مدعا پشاور سے چل کر قادیان میں آنے سے صرف یہی تھا اور اب تک بھی اسی اُمید پر یہاں مقیم ہوں کہ آپ کے معجزات و خرق عادات و کرامات و الہامات و آسمانی نشانات کی تصدیق کر کے مشاہدہ کروں اور پیشتر اس سے کہ کسی اور اصول پر بحث کی جائے یہی معاملہ ایک خاص معزز لوگوں کی مجلس میں بخوبی طے ہو جانا چاہئے وغیرہ وغیرہ"

اس کے بعد اور خط و کتابت ہوئی جس میں اس شخص کی طرز تحریر نہایت سوقیانہ تھی۔

لیکھرام کا خدائی نشان مانگنا آخر کار اس نے وہ خط لکھا جو میں لیکھرام کے ابتدائی حالات میں نقل کر آیا ہوں۔ اس کا آخری فقرہ میں یہاں دوبارہ نقل کر دیتا ہوں جو اس پیشگوئی کے لئے بطور بنیاد کے ہے۔ وہ نہایت شوخی سے لکھتا ہے:۔

"اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں۔ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو۔ لیکھرام" (استفتا صفحہ ۷)

اس خط کے جواب میں حضرت اقدس نے وہ خط لکھا جو میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں اور اب دوبارہ نقل کئے دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ اپنے اندر ایک لطیف علم و حکمت رکھتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب پنڈت صاحب۔ آپ کا خط میں نے پڑھا۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ ہمیں نہ بحث سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے۔ مگر آپ سیدھی نیت سے طلب حق نہیں کرتے۔ بیجا شرائط زیادہ کر دیتے ہیں۔ آپ کی زبان بدزبانی سے رکتی نہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ اگر بحث کرنا نہیں چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں۔ یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں۔ گویا آپ اس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بیباکوں کو تنبیہ کرتا ہے۔ باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور مکر کرتا ہے۔ یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے۔ مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں۔ اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے زیادہ اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود

قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اُس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش پر اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے۔ آپ عربی سے بے بہرہ ہیں۔ آپ کو مکر کے معنے بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں اُن کا نام مکر ہے۔ لغت دیکھو پھر اعتراض کرو۔ میں اگر بقول آپ کے دید سے اُمّی ہوں تو کیا ہرج ہے کیونکہ میں آپ کے مسلّم اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کرتا ہوں۔ مگر آپ تو اسلام کے اصول سے باہر ہو جاتے ہیں۔ صاف افترا کرتے ہیں۔ چاہئے تھا کہ عرش پر خدا کا ہونا جس طور سے مانا گیا ہے اہل مجھ سے دریافت کرتے پھر اگر گنجائش ہوتی تو اعتراض کرتے۔ اور نشان خدا کے پاس ہیں وہ قادر ہے جو آپ کو دکھلا دے۔ والسّلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ۔

خاکسار مرزا غلام احمد" (استفتا صفحہ ۸ و ۹)

معاہدہ مابین حضرت مرزا صاحب اور لیکھرام

اس خط و کتابت کے بعد ایک معاہدہ مابین حضرت اقدس مرزا صاحب اور لیکھرام تحریر ہوا جسے حضرت مرزا صاحب نے اپنے رسالہ استفتا میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا عنوان جو لیکھرام نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا یہ ہے:۔

"اوم پرماتمنے نمہ۔ ہے سچدانند سروپ پرماتما ست کا پرکاش کر اور راست کا ناش کر تا کہ تیری ست ویدوِدیا سب سنسار میں پرگھٹ ہووے"

اس طول طویل معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی لیکھرام کو بتلائی جائے اور وہ سچی نہ ہو تو وہ ہندو مذہب کی سچائی کی دلیل ہوگی اور فریق پیشگوئی کرنے والے پر لازم ہوگا کہ آریہ مذہب کو اختیار کرے یا تین سو ساٹھ روپے لیکھرام کو دیدے جو پہلے سے شرمپت ساکن قادیان کی دوکان پر جمع کرا دینا ہوگا۔ اور اگر پیشگوئی کرنے والا سچا نکلے تو اسلام کی سچائی کی یہ دلیل ہوگی۔ اور پنڈت لیکھرام پر واجب ہوگا کہ مذہب اسلام قبول کرے۔ [1] (استفتا صفحہ ۹)

اس کے بعد ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار میں حضرت اقدس نے لیکھرام سے استفسار کیا کہ اگر اُس کے متعلق پیشگوئی میں کوئی ایسا امر ہو جس کے ظاہر کرنے سے اُسے رنج پہنچے تو اُسے ظاہر کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اس کے جواب میں لیکھرام نے بڑی شوخی اور دلیری سے ایک کارڈ اپنا دستخطی حضرت صاحب

[1] حاشیہ استفتا صفحہ ۹ "یہ شرط کہ لیکھرام اسلام قبول کرے۔ یہ اُس وقت کی شرط ہے جب کہ کچھ معلوم نہ تھا کہ جو پیشگوئی خدا کی طرف سے ہوگی اُس کا مضمون کیا ہوگا منہ"

کی طرف بھیجا کہ "میں آپ کی پیشگوئیوں کو واہیات سمجھتا ہوں میرے حق میں جو چاہو شائع کر دو میری طرف سے اجازت ہے اور میں کچھ خوف نہیں کرتا"۔ اس کارڈ کو لیکھرام کی موت کی پیشگوئی شائع کرنے سے قبل حضرت اقدس نے چھاپ کر شائع کر دیا۔

لیکھرام کے متعلق پیشگوئی حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس کارڈ کے موصول ہونے پر بھی بہت توقف کیا اور اس کا ایک باعث یہ بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پیشگوئی کی میعاد نہیں کھلی تھی۔ اور لیکھرام کا اصرار تھا کہ میعاد کی قید کے ساتھ پیشگوئی بتلائی جائے۔ آخر ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو بہت توجہ اور دعا اور تضرع کے بعد معلوم ہوا کہ آج کی تاریخ سے یعنی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء سے چھ برس کے اندر لیکھرام پر عذاب شدید جس کا نتیجہ موت ہے نازل کیا جائے گا اور اس کے ساتھ یہ عربی الہام بھی ہوا عجل جسدٌ لہٗ خوار لہٗ نصبٌ وعذاب یعنی یہ گوسالہ بے جان ہے جس میں سے نمل آواز آرہی ہے۔ پس اس کیلئے دکھ کی مار اور عذاب ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی تاریخ ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو بذریعہ ایک اشتہار کے لیکھرام کے متعلق یہ پیشگوئی شائع فرما دی۔ اس کے صفحہ ۲ و ۳ پر یہ عبارت قابل توجہ ہے۔

"اب میں اس پیشگوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ تک آج کی تاریخ سے یعنی ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء سے کوئی ایسا عذاب جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت ہو اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو نازل نہ ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اس کی روح سے یہ میرا نطق ہے اور اور اگر میں اس پیشگوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا کے بھگتنے کیلئے تیار ہوں اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر سولی پر کھینچا جائے"۔

ہر ایک اہل خرد و انصاف اگر اس تحدی اور چیلنج پر غور و فکر سے کام لے گا تو صاف نظر آئے گا کہ اس پیشگوئی کے دروغ نکل جانے کی صورت میں حضرت مرزا صاحب کیلئے کس قدر ذلت متصور تھی کیونکہ آپ نے اپنے صدق اور کذب کا سارا انحصار اس پیشگوئی پر خاص طور پر رکھا تھا۔ پس جو لوگ خدا کی ہستی کو مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کے ارادہ کے نیچے سب کچھ ہو رہا ہے اور ہر ایک جھگڑے کا آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ مفتری کو ہمیشہ ذلیل کرتا ہے۔ وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ بغیر خدا کے علم اور ارادہ کے یونہی ظہور میں آگیا۔

نمونہ تحریر پیشگوئی اس پیشگوئی کو جو لیکھرام کے بارے میں تھی حضرت اقدس مرزا صاحب نے دوبارہ آئینہ کمالات اسلام میں اس شان سے شائع کیا کہ پہلے آنحضرت صلعم کی شان میں ایک نعت لکھی ہے جو اس شعر سے

شروع ہوتی ہے کہ ؎ عجب نوریست در جانِ محمدؐ ۔ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

اس نعت شریف کے آخری اشعار کے بعد آپ نے ایک ہاتھ کی تصویر بنائی ہے جو لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کے عنوان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس عنوان کے نیچے پھر آپنے اصل پیشگوئی کو درج کیا ہے اس طرح ؎

چہ ہیبت ہا بداد ندایں جواں را | کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ
الا اے دشمنِ نادان بے راہ | بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ
رہ مولیٰ کہ گم کردند مردم | بجو در آل و اعوانِ محمدؐ
الا اے منکر از شانِ محمدؐ | ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی"
(آئینہ کمالات اسلام)

حضرت مرزا صاحب کا محمد رسول اللہ صلعم کے منکر اور دشمن کو مخاطب کر کے بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ فرمانا اور اس کو محمد رسول اللہ صلعم کے غلاموں کی کرامت قرار دیکر لیکھرام پشاوری کی پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنا صاف بتلاتا ہے کہ اس مصرعہ میں آپ نے اس موت کا نقشہ کھینچ دیا ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی کی سزا میں لیکھرام پر وارد ہونے والی تھی۔

لیکھرام کے متعلق دوسری الہامی پیشگوئی

اس کے بعد ایسا ہوا کہ "بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ" کا نقشہ آپ کو ایک کشف کے ذریعہ بھی دکھایا گیا جسے آپ نے برکات الدعا کے ٹائیٹل پیج کے آخری صفحہ پر شائع فرمایا ہے۔ وہاں "لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر" کے عنوان سے آپ اس کشف کو شائع فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آج ۲۔ اپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴۔ ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے۔ گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے اور اس کی ہیبت دلوں پر

طاری تھی اور مَیں اُس کو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پُوچھا کہ "لیکھرام کہاں ہے"؟ اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب مَیں نے اُس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کیلئے مامور کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے ..... وغیرہ وغیرہ۔[1]

یہ تمام پیشگوئیاں بہ آواز بلند کہہ رہی تھیں کہ لیکھرام کی زندگی کا بذریعہ قتل خاتمہ ہونا مقدر ہے۔

لیکھرام کے متعلق تیسری الہامی پیشگوئی

لیکن معاملہ یہیں تک نہیں رہا۔ حضرت مرزا صاحب نے لیکھرام کے متعلق تیسری پیشگوئی کرامات الصادقین کے صفحہ ۵۴ اور صفحہ اخیر ٹائیٹل پیج پر ۲۴۔ اگست ۱۸۹۳ء کو شائع فرمائی اور وہ یہ ہے:۔

"وبشّرنی ربّی وقال مبشّرًا۔ ستعرف یوم العید والعید اقرب ومنها ما وعدنی ربّی واستجاب دعائی فی رجُلٍ مفسد عدو اللہ ورسولہ المسمی لیکھرام الفشادؔ واخبرنی ربّی انہٗ من الهالکین ہ انّہٗ کان یسب نبی اللہ ویتکلم فی شانہٖ بکلمات خبیثۃ فدعوت علیہ فبشّرنی ربّی بموتہٖ فی ستۃ سنۃ ان فی ذلک لآیۃ للطالبین"

ترجمہ۔ اور مجھے خدا نے ایک نشان کی خوش خبری دیکر کہا کہ تو عید کا دن قریب پہچان لے گا۔ (یعنی وہ خوشی کا دن جس میں وہ نشان ظاہر ہوگا۔ اور اس دن کی نشانی یہ بتائی کہ) اس دن سے اسلامی عید اقرب یعنی بہت ہی زیادہ نزدیک ہوگی۔ اور خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ اُس نے خدا اور رسول کے ایک دشمن اور مفسد کے بارے میں جو لیکھرام پشاوری ہے میری دعا سنی اور مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک ہوگا۔ وہ شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور پلید باتیں آپ کی شان میں بکتا تھا۔ پس مَیں نے اُس پر بددعا کی۔ سو خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی کہ وہ چھ برس کے عرصہ کے اندر مر جائے گا اور اس میں طالبان حق کیلئے ایک نشان ہوگا۔

لیکھرام کی میعاد کے اندر ہلاکت

یہ تین پیشگوئیاں علی التواتر اس طرح شائع ہوئیں کہ اس معاملہ پر دن چڑھ گیا۔ اور صاف پتہ لگ گیا کہ لیکھرام خنجر کے ذریعہ قتل ہوگا اور وہ دن عید کے دن کے ساتھ ہوگا اور عجیب تر یہ

[1] حقیقۃ الوحی میں جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی حضرت مرزا صاحب اس دوسرے شخص کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں "ابھی تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ اور شخص کون ہے اس فرشتہ خونی نے اسکا نام تو بتایا مگر مجھے یاد نہ رہا۔ کاش اگر مجھے یاد ہوتا تو اُسے میں متنبہ کرتا۔ تا اگر ہو سکتا تو میں اسے وعظ و نصیحت سے توبہ کی طرف مائل کرتا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بھی لیکھرام کا روپ یا یوں کہو کہ اس کا بروز ہے اور توہین اور گالیاں دینے میں اس کا مثیل ہے۔ واللہ اعلم"۔ یہ شخص بعد میں اچھال ثابت ہوا جس نے لیکھرام کی طرح آنحضرت صلعم کی شان میں ایک نہایت ناپاک دشنام گالیوں سے بھری ہوئی کتاب شائع کی اور آخر کار لاہور میں علم الدین کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ (مؤلف)

کہ آپ کے ایک الہام کے الفاظ یقضی امرہ فی ستٍ یعنی چھ میں اس کا کام تمام کیا جائے گا عجیب و غریب وسعت اپنے مفہوم کے اندر رکھتے ہیں جہاں اس کے معنے یہ ہیں کہ چھ سال کے اندر مارا جائیگا وہاں یہ بھی اس میں اشارہ ہے کہ عدد چھ سے یہ واقعہ ایک خاص تعلق رکھیگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ لیکھرام چھ سال کے اندر مارا گیا اور چھ مارچ ۱۸۹۷ء کو چھٹے گھنٹے میں قاتل کا خنجر اس پر چلا۔ وہ سنیچر کا دن تھا اور ۲۰ تاریخ شوال تھی یعنی عید الفطر کے ساتھ کا دن تھا۔ اور یہ ٹھیک اس پیشگوئی کے مطابق ہوا جو آپ نے ستعرف یوم العید والعید اقرب میں فرمائی تھی کہ اُس عید یعنی خوشی کے دن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اسلامی عید سے بہت نزدیک ہوگا۔ چنانچہ یکم شوال کو عید الفطر تھی۔ اور ۲۰ شوال کو مطابق ۶ مارچ ۱۸۹۷ء چھٹے گھنٹے میں لیکھرام زخمی ہوا۔ اور دوسرے دن اتوار کو وہ مرگیا۔ اور اس کی نعش کو جلا کر دریا میں راکھ پھینک دی گئی۔ اور لطف یہ کہ وہ دن آریوں کے لئے بھی ایک عید کا دن تھا کہ اس دن سے پہلی شدھی ہونیوالی تھی۔

واقعۂ قتل اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لیکھرام پہلا شخص تھا جس نے شدھی یا اشدھی کو رواج دینا چاہا۔ ہندو دھرم کے مطابق ہندو پیدائشی ہوتا ہے کسی غیر مذہب والا کوئی شخص ہندو دھرم میں داخل نہیں ہو سکتا مگر لیکھرام نے یہ نیا شاخسانہ نکالا کہ ہندوستان میں جو لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں وہ چونکہ بقول اسکے مسلمان بادشاہوں کی زبردستی اور ظلم سے مسلمان ہوئے تھے اسلئے انہیں ہندوؤں میں پھر لے لینا چاہیئے جو کچھ اُس نے مسلمان بادشاہوں کی زبردستی کے متعلق کہا وہ یقیناً جھوٹ اور بکواس تھی مسلمان بادشاہوں نے کبھی کسی پر زبردستی نہیں کی۔ یہ سب ناحق کا پروپاگنڈا ہے بعض ہندوؤں نے اورنگ زیب کے برخلاف تو یہاں تک مشہور کر رکھا ہے کہ شوالے ڈھاتا تھا اور روز سوا من جنیو جلا کر اپنے وضو کا پانی گرم کروایا کرتا تھا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو دہلی اور اس کے گرد و نواح میں کوئی ہندو ڈھونڈے سے دو کیلے بھی نہ ملتا۔ کیونکہ کتنے ہزار ہندوؤں کو روز قتل یا مسلمان کروایا جاتا تب سوا من جنیو جمع ہوتا مگر حالت یہ ہے کہ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں دور دور تک ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ ہے۔ خود اورنگ زیب کے ہاتھ کی تحریریں بنگالی ہندو محققین نے نکالی ہیں جن میں اُس نے مندروں کو جاگیریں عطا کی ہیں۔ بنارس میں دریائے گنگا کے کن لے بے شمار بت خانوں کے جمگھٹے سے اس موحّد بادشاہ کی طبیعت گھبرائی ہے تو وہاں یہ نہیں کیا کہ بت خانے گرا دیئے ہوں حالانکہ اس وقت جو طاقت اور حکومت مغلیہ سلطنت کو حاصل تھی اس کے ہوتے ہوئے ایسا کر لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا صرف ایک مسجد وہاں تعمیر کر دی کہ اس بتکدوں کے گھمسان میں اگر کوئی موحّد آن پھنسے تو اُسے خدائے واحد کو سجدہ دینے کے لئے کوئی جگہ تو ہو۔ الغرض یہ بعض ہندوؤں کا محض فرضی پروپاگنڈا ہے جس سے لیکھرام نے فائدہ اُٹھا کر شدھی کی بنیاد ڈالی اور اس کا بڑے زور سے پرچار کیا

نتیجہ یہ کہ ایک مسلمان آکر اُس سے ملتجی ہوا کہ مجھے شدھ کیا جائے۔ میرے آباواجداد ہندو تھے۔ مسلمانوں کے زیر اثر وہ مسلمان ہو گئے تھے اب میں پھر ہندو دھرم میں آنا چاہتا ہوں۔ لیکھرام جی بہت خوش ہوئے اور اُسے سماج اور مختلف آریہ معاشوں کے مکان پر لئے پھرے کہ دیکھو مہاراج یہ پہلا شکار آیا ہے۔ چنانچہ ۷۔ مارچ ۱۸۹۷ء اتوار کا دن اس مبارک تقریب کیلئے مقرر ہوا کیونکہ یہ پہلی شدھی تھی اور اس کو بڑی خوشیوں اور جلسوں کے ساتھ منایا جانا تھا۔ گویا کہ یہ لیکھرام اور آریوں کیلئے ایک عید کا دن تھا۔ لیکھرام جی ان دنوں لاہور کے محلّہ وچھووالی میں کسی آریہ معاشہ کے مکان پر ایک گلی میں رہا کرتے تھے۔ ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء سنیچر کے دن ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ لیکھرام جی مہاراج بالائی منزل پر برہنہ بدن ہو کر سندھیا کر رہے تھے۔ سندھیا سے فارغ ہو کر انہوں نے انگڑائی لی جس سے اُن کا پیٹ آگے کو اُبھر آیا۔ وہ شدھ ہونے والا مسلمان پاس ہی کمل اوڑھے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے ایک پورا ہاتھ خنجر کا لیکھرام جی کے توند پر ایسا چلایا کہ انتڑیاں باہر آگئیں۔ لیکھرام جی کے منہ سے بیل کی طرح نہایت زور کی آواز نکلی جس کو سن کر اُن کی بیوی اور والدہ اُس کمرہ میں آگئیں۔ مگر قاتل جا چکا تھا۔ وہ یہ حال دیکھ کر گھبرائیں اور دروازہ کی طرف دوڑیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یہ بیان کرتی تھیں کہ ہم نے قاتل کو سیڑھیاں اُترتے دیکھا لیکن آگے پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا۔ کیونکہ وہ گلی جو بالکل ہندوؤں کی تھی ایک طرف سے تو بالکل بند تھی یعنی اُدھر سے کوئی رستہ نہ تھا۔ اور جدھر سے رستہ تھا اُدھر گلی میں کسی لالہ جی کی شادی تھی۔ ساری گلی میں کڑھاؤ چڑھے ہوئے تھے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کسی ہندو نے کسی مشتبہ شخص کو اُدھر سے بھاگتے یا گزرتے نہیں دیکھا۔ تو فرمایئے وہ گیا کہاں؟ اس سے بعض لوگوں کے دلوں میں اُن دنوں یہ بدگمانی پیدا ہو گئی تھی اور پیسہ اخبار وغیرہ نے شائع بھی کر دیا تھا کہ یہ قتل کسی غیرتمند باپ یا شوہر کا فعل ہے۔ اُس بیچارہ مسلمان کو جو شدھی ہونے آیا اور چلا گیا تھا ناحق بدنام کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو اُسی کہانی کو تسلیم کر لینے میں کوئی تامل نہیں جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ شدھی کا خواہاں مسلمان خنجر مار کر چلتا بنا۔ لیکن آجتک یہ عقدہ نہ کھلا کہ وہ گیا کہاں۔ اور کس طرف سے گیا۔ سوائے ایک رستہ کے گلی میں سے بھاگ جانے کا اور کوئی رستہ نہ تھا اور جدھر سے رستہ تھا اُدھر سے گلی لوگوں سے بھری پڑی تھی۔ محلّہ ہندوؤں کا تھا۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ کسی ہندو کے مکان میں وہ گھس گیا ہو۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ ہندوؤں نے اس قدر شور و غل مچایا اور حکّام پر ایسا ناجائز دباؤ ڈالا کہ لاہور میں اکثر اسلامی اداروں کی تلاشی لوائی۔ اور بعض بڑے بڑے مسلمانوں تک کی خانہ تلاشی کروائی۔ یہاں تک کہ قادیان میں خود حضرت مرزا صاحب کی تلاشی کروائی۔

گئی لیکن کچھ سراغ نہ ملا۔ اُن دنوں کچھ ایسا جنون ہندو قوم کے سر پر چڑھا ہوا تھا کہ مختلف شہروں میں ناحق کئی مسلمانوں کو شبہ میں گرفتار کروایا لیکن خوش قسمتی سے لیکھرام کی ماں اور بیوی اُس شدھی کے خواہاں مسلمان کو پہچانتی تھیں چنانچہ اُن بیماریوں کو دُور دُور شہروں میں شناخت کیلئے جانا پڑا۔ اور ہر جگہ پکڑا ہوا آدمی بے قصور ثابت ہوا۔ کئی دفعہ ایسا بھی افواہاً سُنا گیا کہ کوئی ہندو لڈو یا کوئی مٹھائی مسلمان بچوں میں بانٹتا ہوا نظر آیا۔ اور جس مسلمان بچہ نے وہ لڈو یا مٹھائی کھائی اُس میں زہر کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ مر گیا۔ جب اس قسم کی خبریں شہر میں بہت اُڑیں تو اُن سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے لاہور میں جلسہ کر کے اور چندہ جمع کر کے اپنی اسلامی دوکانیں بنیوں اور حلوائیوں کی کھول دیں اور بہت سے چھابڑی والے مسلمان محلوں میں پھیری کرنے لگے۔ اور ہندوؤں سے کسی حد تک مقاطعہ کر لیا۔ اس سے مسلمانوں کی تجارت کو فروغ ہوا۔ بعد میں جب یہ آگ ذرا فرو ہوئی تو ہندوؤں کو سمجھ آئی کہ بڑی غلطی کی۔ پھر مسلمانوں سے مصالحت کی ٹھیرائی اور شرط یہ پیش کی کہ مسلمان حلوائی اور پھیری والے وغیرہ سب موقوف کر دیئے جائیں۔ اور حالات بدستور سابق عود کر آئیں۔ اُن کی شرط تو منظور نہیں کی گئی مگر مقاطعہ ترک کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے ایکا کر کے مسلمان دوکانداروں کو فیل کرنے کی بڑی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے۔ مگر تاہم کچھ اسلامی دوکانیں اس زمانہ کی یادگار ابھی تک لاہور میں موجود ہیں۔

اب لیکھرام کی سُنئے اُسے فوراً پولیس نے میو ہاسپٹل پہنچایا۔ شام کا وقت تھا ڈاکٹر پیری کو جو اس وقت کے بہترین سرجن تھے اطلاع دی گئی۔ لیکھرام جی اپریشن ٹیبل پر پڑے ہوئے بڑی بیتابی سے ڈاکٹر کے منتظر تھے اور بار بار اپنی تقدیر کو کوستے تھے کہ ہائے ڈاکٹر بھی نہیں بوڑدا (یعنی ڈاکٹر بھی نہیں پہنچتا) خیر ڈاکٹر پیری جسقدر جلد ممکن تھا آن موجود ہوئے۔ اپریشن ہوا۔ اُس نے پیٹ میں ٹانکے لگائے۔ اُن دنوں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم میو ہاسپٹل میں ہوس سرجن تھے۔ اپریشن سے پہلے ڈاکٹر پیری نے کئی دفعہ مرزا صاحب موصوف کو آواز دی کہ مرزا صاحب یہ کام اس طرح کرو یا اُس طرح کرو۔ "مرزا صاحب" کی آواز جو لیکھرام کے کان میں پڑی تو ایک دفعہ ہی چونک کر اُس نے چاروں طرف دیکھا کہ ہائے وہ مرزا قادیانی یہاں بھی پہنچ گیا۔ خیر ہر دفعہ جب "مرزا صاحب" کی آواز اس کے کان میں پڑتی اُسے رُوحانی اذیت ہوتی۔ اپریشن کے بعد ڈاکٹر پیری نے پولیس کو اُس کا بیان لینے سے روک دیا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ چنانچہ بیان نہ ہوا اور صبح ہوتے ہوتے لیکھرام جی چل بسے۔ خدا کی شان اس اتوار کو جو آریہ سماج کیلئے عید کا دن تھا کیونکہ اُس روز سب سے پہلی شدھی ہونی تھی۔ لیکھرام جی کا پوسٹ مارٹم ہوا اور

ان کی نعش چیری پھاڑی گئی۔ اور اس کے بعد ان کی ارتھی اُٹھی۔ آریوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ مرگھٹ میں لیکھرام جی کا مُنہ ننگا کر کے فوٹو لیا گیا اور اُس کے بعد اُنہیں جلا کر انکی راکھ دریائے راوی میں بہا دی گئی۔

الہام کے لطائف اور اس طرح وہ الہام نہایت صفائی کے ساتھ پُورا ہُوا کہ عجل جسد لہٗ خوار۔ لہ نصب وعذاب یعنی یہ ایک بیجان گوسالہ ہے جس میں مارے جانے کے وقت گوسالہ کی طرح ایک آواز نکلے گی۔ اور اس میں جان نہیں اور اس کے لئے نصب اور عذاب ہے۔ لسان العرب میں جو لغتِ عرب کی بہت مستند لغت ہے۔ اس میں نصب کے جہاں اور معنے ہیں وہاں یہ بھی ہیں کہ جب کہا جائے نَصَبَ فلانٌ لفلانٍ تو اسکے یہ معنے ہونگے کہ کسی شخص نے اُس شخص پر جان لینے کے لئے حملہ کیا۔ اور دشمنی کی راہ سے اُسے فنا کرنے کی پوری پوری کوشش کی (دیکھو لسان العرب صفحہ ۲۵۸) اور خوار کا لفظ لغت عرب میں گوسالہ کی آواز کیلئے آتا ہے لیکن جب انسان پر اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو اس موقعہ پر کرتے ہیں جبکہ کوئی مقتول قتل ہونے کے وقت گوسالہ کی طرح آواز نکالتا ہے جیسا کہ لیکھرام نے خنجر کھانے کے وقت بیل کی طرح آواز نکالی تھی۔ چنانچہ لسان العرب میں خوار کے لفظ کے بیان میں اس معنے کے سند میں یہ حدیث بھی پیش کی گئی ہے کہ وفی حدیث مقتل ابیّ بن خلف فخرّ یخور کما یخور الثور یعنی جب ابی بن خلف قتل کیا گیا تو وہ یوں آواز نکالتا تھا جیسے کہ بیل آواز نکالتا ہے۔ اور کبھی خوار کا لفظ عربی زبان میں اس ہتھیار کی آواز پر بولا جاتا ہے جو چلایا جاتا ہے (دیکھو لسان العرب صفحہ ۳۴۵) غرضکہ لسان العرب سے جو لغت عرب کی نہایت معتبر کتاب ہے ثابت ہے کہ خوار اور خوار کے لفظ کو انسان پر اس حالت میں بھی بولتے ہیں کہ جب وہ قتل ہونے کے وقت بیل یا بچھڑے کی طرح چلاتا ہے اور قتل کرنے کے وقت جو ہتھیار کی آواز ہوتی ہے اس کا نام بھی خوار ہے۔ پس جناب الٰہی نے عجل جسد لہٗ خوار۔ لہٗ نصب وعذاب فرما کر اخبار غیبیہ کا ایک دریا بہا دیا۔ پہلے تو بتایا کہ اگرچہ ہندو قوم نے اسے بہت بڑھا چڑھا کر ایک گوسالہ کی طرح اس کی عزت اور پرستش کرنی شروع کر دی ہے۔ لیکن اس کے اندر نہ کوئی رُوحانیت ہے اور نہ کوئی علم ہے محض ایک بیجان جسد کی طرح ہے جو گوسالہ کی طرح بھاں بھاں کرتا یعنی مہمل اور لغو اور بیہودہ کلام کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ اس کے لئے نصب ہے یعنی خنجر سے اس پر حملہ کیا جائے گا اور اس وقت اس کے منہ سے بچھڑے یا بیل کی طرح آواز نکلے گی (یہی آواز تھی جسے سُن کر لیکھرام کی ماں اور بیوی دوڑ کر اس کے کمرہ میں آئی تھیں) اور خنجر کے اس کے توند پر لگنے کے وقت بھی آواز پیدا ہوگی۔ اور گوسالہ نام رکھنے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جس طرح گوسالۂ سامری یہودیوں کی

عید کے دن ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا (دیکھو توریت خروج باب ۳۲) لیکھرام بھی شنبہ کے دن جو یہودیوں کے عید کا دن ہے قتل کیا گیا اور جس طرح گوسالہ سامری کو جلا کر اس کی راکھ دریا برد کی گئی تھی اسی طرح لیکھرام کو بھی جلا کر اس کی راکھ دریا برد کر دی گئی۔ اور جس طرح یہودیوں میں گوسالہ سامری کو جلا کر دریا برد کر دینے کے بعد اس جگہ طاعون پڑی تھی۔ اسی طرح یہاں پنجاب میں بھی لیکھرام کو جلا کر دریا برد کر دینے کے بعد طاعون پڑی +

خیرالماکرین سے نشان مانگنے پر ویسا ہی نشان ملا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنے رسالہ استفتا کے صفحہ ۷ کے حاشیہ میں لیکھرام کے خیرالماکرین سے نشان مانگنے پر ایک لطیف نکتہ تحریر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

اس جگہ لیکھرام نے نشان مانگنے کے وقت خدا تعالیٰ کا نام خیرالماکرین رکھا اور خدا تعالیٰ کے بارے میں ماکر کا لفظ اس صورت میں بولا جاتا ہے کہ جب وہ باریک اسباب سے مجرم کو ہلاک یا ذلیل کرتا ہے۔ پس لیکھرام کے منہ سے خود وہ الفاظ نکل گئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی موت کا نشان مانگتا ہے۔ یعنی ایسا نشان جس کے اسباب بہت باریک ہوں۔ سو خدا کی قدرت ہے کہ اسی طرح اس کی موت ہوئی اور ایسے قاتل کے ہاتھ سے مارا گیا جس کی کارروائی ہر ایک کو نہایت تعجب میں ڈالتی ہے کہ کیونکر اس نے عین روز روشن میں حملہ کیا۔ اور کیونکر آباد گھر میں ہاتھ اٹھانے کی اس کو جرأت ہوئی۔ اور کیونکر وہ چھری مار کر صاف نکل گیا۔ اور پھر کیونکر ہندوؤں کی ایک آباد گلی میں باوجود مقتول کے وارثوں کے شور و ہائے کے پکڑا نہ گیا۔ سو جب ہم ان واقعات کو غور سے سوچتے ہیں تو فی الفور طبیعت اس طرف چلی جاتی ہے کہ یہی وہ کام ہے جس کو خیرالماکرین کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ خدا کا نام قرآن شریف کے رُو سے خیرالماکرین اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی مجرم مستوجب سزا کو باریک اسباب کے استعمال سے سزا میں گرفتار کرتا ہے۔ یعنی ایسے اسباب اس کی سزا کے اس کیلئے مہیا کرتا ہے کہ جن اسباب کو مجرم کسی اور ارادہ سے اپنے لئے آپ مہیا کرتا ہے۔ پس وہی اسباب جو اپنی بہتری یا ناموری کے لئے مجرم جمع کرتا ہے وہی اس کی ذلت اور ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قانون قدرت صاف گواہی دیتا ہے کہ خدا کا یہ فعل بھی دنیا میں پایا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات بے حیا اور سخت دل مجرموں کو سزا ان کے ہاتھ سے دلواتا ہے۔ سو وہ لوگ اپنی ذلت اور تباہی کے سامان اپنے ہاتھ سے جمع کر لیتے ہیں اور ان کی نظر سے وہ امور اس وقت تک مخفی رکھے جاتے ہیں جب تک خدا تعالیٰ کی قضا و قدر نازل نہ ہو جاوے۔ پس اس مخفی کارروائی

کے لحاظ سے خدا کا نام ماکر ہے۔ دنیا میں ہزاروں نمونے اسکے پائے جاتے ہیں۔ سو لیکھرام کے معاملہ میں خدا کا کہنا یہ ہے کہ اول اسی کے منہ سے کہلوایا کہ میں خیر الماکرین سے اپنی نسبت نشان مانگتا ہوں۔ سو اس درخواست میں اُس نے ایسا عذاب مانگا جس کے اسباب مخفی ہوں اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیونکہ جس شخص کو شدھ کرنے کیلئے اُس نے اتوار کا دن مقرر کیا تھا اور اتوار کے دن آریوں کا ایک خوشی کا جلسہ قرار پایا تھا جیسا کہ عید کا دن ہوتا ہے تا اس شخص کو شدھ کیا جائے۔ سو وہی خوشی کے اسباب اس کے لئے اور اس کی قوم کے لئے ماتم کے اسباب ہو گئے۔ اور خیر الماکرین کے نام کو خدا تعالیٰ نے تمام آریوں کو خوب سمجھا دیا۔"

حضرت اقدس مرزا صاحب کی خانہ تلاشی

لیکھرام کی پیشگوئی۔ صورت قتل اور میعاد اور عید کے قریب اس واردات کا ہونا وغیرہ سب امور اس صفائی سے پورے ہوئے کہ آریہ اخباروں نے بڑا شور مچایا کہ ضرور یہ سب کچھ مرزا قادیانی کی سازش سے ہوا۔ چنانچہ اس بارے میں پوری پوری تفتیش کی گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب کے مکان کو پولیس نے ۸۔ تاریخ اپریل ۱۸۹۷ء کو اچانک گھیر لیا اور آپ کے مکان کی تلاشی لی گئی۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس جو انگریز تھا خود تلاشی لے رہا تھا۔ اور بھی کئی پولیس افسر موجود تھے۔ حضرت صاحب اپنے کل کاغذات کپتان پولیس کے حوالہ کر کے ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے۔ جب کسی کاغذ کی نسبت کپتان پولیس کچھ پوچھتا تو آپ آکر بتا دیتے اور پھر اسی کونے میں جا کھڑے ہوتے۔ آپ کا مطلب تو یہ تھا کہ میں الگ رہوں اور کپتان پولیس بطور خود سارے مکان کی تلاشی لیلے۔ لیکن کپتان پولیس نے آپ کے بار بار اس کونے میں جا کر کھڑے ہونے کو کچھ اور سمجھا۔ اس نے سمجھا کہ شائد وہاں کوئی ایسی چیز ہے جسے یہ چھپانا چاہتے ہیں چنانچہ اس نے اس کونے کی خاص طور پر تلاشی لی۔ بلکہ اسے کھدوا کر بھی دیکھا لیکن جب کچھ نہ پایا تو شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ حضرت اقدس کے کاغذات میں سب سے پہلے ایک تار نکلی جس میں آپ کے کسی مرید نے لیکھرام والی پیشگوئی کے پورا ہونے پر آپ کو مبارکباد دی تھی۔ کپتان پولیس نے جب وہ تار علیحدہ کر لی تو حضرت اقدس نے اُنہی کاغذات میں سے بہت سی ایسی مبارکباد کی تاریں نکال کر کپتان کو دکھا دیں اور فرمایا کہ ہمارے دوستوں کو خدا کے منہ کی باتیں پوری ہونے پر بیحد خوشی ہے۔ اور اسی لئے انہوں نے مبارکبادوں کے تار دیئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی آدمی کے قتل سے ہمیں خوشی ہے۔ بلکہ میں اگر قتل کے وقت لیکھرام کے پاس موجود ہوتا تو اسے بچانے کی ضرور کوشش کرتا کہ یہ میرا انسانی فرض ہے۔ ہمیں خوشی فقط اس بات کی ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اُس معاہدہ کے مطابق جو میرے اور لیکھرام کے درمیان ہوا تھا اسلام کی صداقت

ظاہر ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد تلاشی میں وہ تمام خطوط لیکھرام کے دستخطی برآمد ہوئے جو اُس نے حضرت مرزا صاحب کو لکھے تھے اور نیز وہ معاہدہ کا کاغذ بھی نکل آیا جس میں آسمانی نشانوں کے دکھلانے کے بارے میں شرطیں قائم ہو کر دو فریق کی رضامندی سے سچّی پیشگوئی کو معیار صدق و کذب ٹھیرایا گیا تھا۔ چنانچہ کپتان پولیس کے سامنے وہ کاغذ پڑھا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ جو پیشگوئی لیکھرام کے حق میں کی جائے گی وہ دین اسلام اور آریہ مذہب میں ایک فیصلۂ ناطق ہوگی۔ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو وہ دین اسلام کی سچائی پر گواہ ہوگی اور ہندو مذہب کے بطلان پر دلیل ٹھہریگی۔ اور اگر جھوٹی نکلی تو وہ ہندو مذہب کی سچائی پر گواہ ہوگی۔ اور نعوذ باللہ دین اسلام کے بطلان پر دلالت کریگی۔ اور یہ شرط پنڈت لیکھرام نے اپنے اصرار سے لکھوائی تھی اور چونکہ حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اسلام کی صداقت پر یقین کامل تھا اسلئے آپنے اسکو منظور کر لیا تھا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ کپتان پولیس اور اسکے ساتھ تفتیش کنندہ افسروں نے ہر طرح تلاشی اور تفتیش کر کے جب تسلی کر لی کہ کسی قسم کی سازش اور منصوبہ کا یہاں کوئی نشان نہیں اور یہ سب آریہ لوگوں کا ناحق کا پروپاگنڈا ہے۔ تو وہ رخصت ہو گئے۔ کپتان پولیس اتفاق سے اس دروازہ سے باہر نکلا جو مسجد مبارک میں کھلتا ہے۔ وہ دروازہ بہت چھوٹا ہے اور آدمی کو خاصہ جھک کر اُس میں سے نکلنا پڑتا ہے۔ کپتان پولیس انگریز تھا سر پر ٹوپ نہ تھا اُس دروازہ میں سے نکلنے لگا تو ابھی پوری طرح نکلا نہ تھا جو وہ سیدھا ہو گیا۔ سر اُوپر کی چوکھٹ سے اس زور سے لگا کہ صاحب بہادر چکرا کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب فوراً تشریف لے آئے اور اظہار افسوس و ہمدردی کیا اور اجازت چاہی کہ تھوڑا سا دودھ لا دیتا ہوں جسے آپ پی لیں تو طبیعت بحال ہو جائے لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ وہاں سے چلے جانیکے بعد اُس نے گورنمنٹ کو رپورٹ کر دی کہ سب الزامات بے بنیاد ہیں۔ کوئی سازش اور منصوبہ نہیں ہوا۔ جو کچھ پروپاگنڈا کیا جا رہا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس تلاشی میں یہ فائدہ بھی ہوا کہ بعض مولویوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ شخص مخفی طور پر آلاتِ نجوم اپنے پاس رکھتا ہے جس کے ذریعہ یہ پیشگوئیاں کرتا ہے سو اس کے متعلق بھی سب کو پتہ لگ گیا کہ یہ سب مولوی لوگوں کی مفتریات تھیں۔ نہ کوئی ایسے آلات تھے نہ کوئی نجوم و رمل کا سامان تھا۔

سر سید احمد خاں صاحب کو خطاب اور ان کے متعلق ایک پیشگوئی

چونکہ سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنے رسالہ الدعا والاستجابت میں استجابتِ دعا کا انکار کیا تھا اس لئے آپ نے اس کے جواب میں جیسا کہ میں ذکر کر آیا ہوں رسالہ برکات الدعا تصنیف فرمایا تھا۔ اس رسالہ میں جہاں استجابت دعا پر نہایت سیر کن بحث کی ہے وہاں سر سید احمد خاں کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے ٹائیٹل پیج پر اور نیز اپنی کتاب

کرامات الصادقین کے ٹائیٹل پیج پر نمونہ "دعائے مستجاب" کے نیچے لیکھرام کی پیشگوئی کو بڑے زور سے پیش فرمایا ہے۔ اب جو لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہوئی تو ۱۲۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ آپ نے بڑے زور سے سرسید احمد خاں کو اس طرف توجہ دلائی کہ مستجاب دعا کا نمونہ آپ نے اب ملاحظہ فرمالیا ہے اس لئے چاہئے کہ اپنے اس غلط عقیدہ سے آپ رجوع کرلیں۔ اور ساتھ ہی اس پیشگوئی کی طرف بھی توجہ دلائی جو ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں خود سرسید احمد خاں کی نسبت آپ نے کی تھی اور وہ یہ تھی کہ "آپ کو اپنی عمر کے ایک حصہ میں ایک سخت غم و ہم پیش آئے گا"۔ اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور اس پیشگوئی کے شائع ہونے سے آپ کے بعض احباب ناراض ہوئے تھے اور انہوں نے اخبار میں رد چھپوایا تھا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ پیشگوئی بھی بڑی ہیبت کے ساتھ پوری ہوئی۔ اور یکدفعہ ناگہانی طور سے ایک شریر انسان کی خیانت سے ڈیڑھ لاکھ روپے کے نقصان کا آپ کو صدمہ پہنچا۔ اس صدمہ کا اندازہ آپ کے دل کو معلوم ہوگا کہ اسقدر مسلمانوں کا مال ضائع گیا۔ میرے ایک دوست مرزا خدا بخش صاحب مسٹر سید محمود صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس نقصان کے وقت علیگڑھ میں موجود نہ ہوتا تو میرے والد صاحب ضرور اس غم سے مرجاتے۔ یہ بھی مرزا صاحب نے سنا کہ آپ نے اس غم سے تین دن روٹی نہیں کھائی اور اس قدر قومی مال کے غم سے دل بھر گیا کہ ایک مرتبہ غشی بھی ہوگئی۔ سو اے سید صاحب! یہی حادثہ تھا جس کا اس اشتہار میں صریح ذکر ہے۔ چاہو تو قبول کرو!

والسلام"

لیکھرام کے قتل کے بارے میں آریوں کی افترا پردازیوں پر حضرت مرزا صاحب کا چیلنج

لیکھرام کے قتل کے متعلق آریوں نے ناحق کا شور مچا رکھا تھا کہ یہ قتل مرزا صاحب قادیانی کی سازش سے ہوا ہے اور جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں اسی کی بنا پر ۸۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو آپ کی خانہ تلاشی بھی ہوئی تھی جس میں آپ کا دامن بالکل پاک ثابت ہوا۔ لیکن آپ تو ایک مذہبی پیشوا تھے۔ آپ نے گورنمنٹ کی اس مداخلت سے قبل ہی ایک خدائی فیصلہ کا طریق ان آریوں کے سامنے پیش کر دیا تھا جسے آپ نے بذریعہ ایک اشتہار "لیکھرام کے متعلق آریوں کے خیالات" کے عنوان سے ۱۵۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو شائع کیا تھا۔ اس میں تمام واقعہ کو نہایت صفائی سے بیان کرنے کے بعد آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"میں ایک نیک صلاح دیتا ہوں کہ جس سے یہ سارا قصہ فیصلہ ہوجائے اور وہ یہ ہے کہ ایسا

شخص میرے سامنے قسم کھائے جس کے الفاظ یہ ہوں کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص سازش قتل میں شریک یا اس کے حکم سے واقعۂ قتل ہوا ہے۔ پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اے قادر خدا ایک برس کے اندر مجھ پر وہ عذاب نازل کر جو ہیبت ناک عذاب ہو مگر کسی انسان کے ہاتھوں سے نہ ہو۔ اور نہ انسان کے منصوبوں کا اس میں کچھ دخل متصور ہو سکے۔ پس اگر یہ شخص ایک برس تک میری بددعا سے بچ گیا۔ تو میں مجرم ہوں اور اس سزا کے لائق جو ایک قاتل کے لئے ہونی چاہیئے۔ اب اگر کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ ہے جو اس طور سے تمام دنیا کو شبہات سے چھڑا دے تو اس طریق کو اختیار کرے یہ طریق نہایت سادہ اور راستی کا فیصلہ ہے۔"

گنگا بشن کا فرار اس اشتہار کے جواب میں کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ اس طریق فیصلہ کے لئے سامنے نہ آیا۔ سوائے ایک شخص گنگا بشن نامی کے جس نے اخبار پنجاب سماچار ۳۔ اپریل ۱۸۹۷ء میں یہ چھپوایا کہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں لیکن اس شرط سے کہ اگر پیشگوئی پوری نہ ہو تو پیشگوئی کرنیوالے کو پھانسی دی جائے۔ دوسرے یہ کہ پہلے دس ہزار روپیہ جمع کرا دیا جائے جو پیشگوئی پوری نہ ہونے کی صورت میں مجھے مل جائے۔ تیسرے یہ کہ جب میں قادیان میں قسم کھانے کے لئے آؤں تو مرزا صاحب فرما اٹھاویں کہ میں قتل نہ ہو جاؤں گا۔ حضرت مرزا صاحب نے فوراً ۵۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ گنگا بشن کو اطلاع دی کہ مجھے یہ تینوں شرطیں منظور ہیں۔ مگر گنگا بشن کو اب موت سامنے نظر آنے لگی۔ لگا ٹال مٹول کرنے۔ اور ۱۲۔ اپریل ۱۸۹۷ء کے اخبار "ہمدرد ہند" میں ایک اور شرط بڑھائی کہ مرزا صاحب جب جھوٹے نکلیں اور انہیں پھانسی ملے تو اُن کی لاش مجھے مل جائے تاکہ میں اُنہیں جلا کر دریا برد کروں۔ حضرت اقدس نے فوراً ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار نکالا جس میں یہ شرط بھی منظور کر لی اور ساتھ ہی فرمایا کہ ہم کوئی نجومی یا رمّال نہیں بلکہ مذہبی آدمی ہیں ہمارا مقصد اس قسم کھانے سے اگر کچھ ہے تو فقط اپنی صداقت اور اسلام کی صداقت ظاہر کرنے کا ہے۔ پس گنگا بشن کو اس طرح قسم کھانی ہوگی کہ:۔

"بالضرور لیکھرام غلام احمد کی سازش اور شرکت سے قتل کیا گیا ہے اور ایسا ہی پورے یقین سے جانتا ہوں کہ یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی بلکہ ایک انسانی منصوبہ تھا جو پیشگوئی کے بہانہ سے عمل میں آیا۔ اگر میرا یہ بیان صحیح نہیں ہے تو اے خدائے قادر مطلق اس شخص کا سچ ظاہر کرنے کے لئے اپنا یہ نشان دکھلا کہ ایک سال کے اندر مجھے ایسی موت دے کہ جو انسان کے منصوبہ سے نہ ہو۔ اور میں ایک سال کے اندر مر گیا تو تمام دنیا یاد رکھے کہ

میرا مرنا اس بات پر گواہی ہوگی کہ واقعی طور پر یہ خدا کا الہام تھا۔ انسانی سازش نہیں تھی۔ اور نیز یہ کہ واقعی طور پر سچا دین صرف اسلام ہے۔ اور دوسرے تمام مذاہب جیسے آریہ مذہب اور سناتن دھرم اور عیسائی وغیرہ تمام بگڑے ہوئے عقیدے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ بالمقابل ایک شرط ہماری بھی ہوگی وہ یہ کہ جس طرح ہماری پیشگوئی جھوٹی نکلنے کی صورت میں ہمیں پھانسی کی سزا ملتی ہے اور ہماری لاش گنگا بشن کو ملتی ہے اسی طرح گنگا بشن کے ایک سال کی میعاد کے اندر مرجانے کی صورت میں اُس کی لاش ہمیں ملنی چاہیئے۔ اور اس بات کی ضمانت کے لئے وہ دس ہزار روپے گورنمنٹ کے کسی بنک میں جمع کرادے کہ اگر اُس کے ورثا اُس کی لاش ہمیں نہ دیں تو اُس صورت میں وہ دس ہزار روپے ہمیں مل جاویں۔ اس اشتہار کے نکلنے پر گنگا بشن صاحب نے دس ہزار روپے کی ضمانت والی شرط کو غنیمت جانا کیونکہ عذر کے لئے ایک حیلہ مل گیا۔ اور کہہ دیا کہ میرے پاس دس ہزار روپیہ نہیں جو پہلے سے بنک میں جمع کرادوں۔ اس پر حضرت اقدس نے ۲۷۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو پھر ایک اشتہار نکالا جس میں یہ فرمایا کہ آریہ سماج کی طرف سے جب لیکھرام کے قاتل کو پکڑنے کیلئے اسقدر تگ و دو ہو رہی ہے اور ہمیں اس قتل میں شریک سمجھا جاتا ہے تو کیوں نہیں اس آسان فیصلہ کے لئے آریہ سماج دس ہزار روپے بطور ضمانت جمع کرا دیتی اگر اپنے دس ہزار روپے بچانے منظور ہوں گے تو لاش دیدیگی۔ ورنہ روپے۔ اور جب میں جھوٹا ہوں تو اس دس ہزار روپے کے ساتھ تو اور بھی دس ہزار روپے آنیوالے ہیں۔ نفع کا سودا ہے۔ میری تو لاش بھی تمہیں ملے گی اور دس ہزار روپے بھی ملیں گے۔ اور پھر یہ شرط تو تمہارے لاش لینے کی شرط کی وجہ سے ہے۔ اگر تم شرط چھوڑ دو تو یہ شرط خود بخود چھوٹ جائے گی۔ لیکن لالہ گنگا بشن نے نجات اسی میں سمجھی کہ نہ لاش لینے کی شرط چھوڑتے ہیں نہ روپے جمع کرواتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس اینچ پینچ میں بات درمیان میں رہ جائے اور جان چھوٹے۔ ورنہ ایک راستباز اور حق پرست کے لئے یہ شرطیں کیا معنی رکھتی ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت اقدس کے پیش کردہ طریق فیصلہ کے مطابق مقابلہ پر نہ لیرانہ آتا۔ اگر واقعی اُنہیں شریک قتل سمجھتا تھا تو صاف طور پر قسم کھاتا۔ اس قسم کی پیچدار شرائط کا کیا مطلب حق پرستی کی تو یہ شان نہیں ہوا کرتی۔ ایک راستباز انسان کے لئے تو حق کی فتح ہی مقصود کلی ہوتی ہے نہ یہ کہ فضول شرطیں لگانی کہ مجھے دس ہزار روپے ملیں۔ فلاں کو پھانسی ملے پھر مجھے لاش ملے۔ یہ تو صاف طور پر ٹال مٹول کرنے کی علامتیں ہوتی ہیں۔ ایسے ٹال مٹول کرنیوالے باطل پرستوں کا مقصد یہ ہوتا ہے

کہ ذرا پبلک کے سامنے آگئے تو شہرت ہو گئی مگر اندر سے دل ڈرتا بھی ہے اس لئے بعد میں کوئی بہانہ کر کے فرار بھی ہو گئے۔ چنانچہ یہی لالہ گنگا بشن نے کیا۔ آخر بھاگ گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا گریز

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب وہ بدقسمت انسان تھے جو ہمیشہ حضرت اقدس کی مخالفت میں دشمنانِ اسلام کا ساتھ دیتے رہے چنانچہ یہاں بھی وہ لالہ گنگا بشن کی مدد کو پہنچے اور ایک اشتہار کے ذریعہ گنگا بشن کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا کہ "یکھرام کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ مگر عذاب فوری ہو ایک سال کی میعاد منظور نہیں"۔ حضرت اقدس نے اس کے جواب میں یکم مئی ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں ان مولوی صاحب کو خوب لتاڑا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ میں مامور ہوں اور خدا کے حکم سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ ایک سال کی میعاد خدا کے حکم سے ہے اور نیز آنحضرت صلعم کی یہی سنت ہے۔ گنگا بشن نہیں تو میرے پیش کردہ طریق فیصلہ کے مطابق تم ہی سامنے آجاؤ۔ مگر بٹالوی صاحب کا مقصد بھی محض مخالفت میں قدم رکھنا اور شہرت طلبی تھی پیشتر سے بدلکر وہ بھی فرار ہو گئے۔

رسالہ استفتا

آخر حضرت اقدس نے ۱۶ مئی ۱۸۹۷ء کو ایک رسالہ استفتا لکھا جسمیں یکھرام کی پیشگوئی کے کل حالات کو ابتدا سے لیکر انتہا تک درج فرما کر اس رسالہ کو بڑے بڑے فہیم اور معقول ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو بذریعہ ڈاک بھیجا اور پوچھا کہ ان تمام واقعات پر نظر ڈالتے ہوئے کیا یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی یا نہیں؟ چنانچہ اس پر بہت سے فہیم اور غیر متعصب مزاج لوگوں نے جن میں مسلمان سکھ عیسائی اور ہندو سبھی قسم کے لوگ شامل تھے اور جو آپکے مریدوں میں سے نہ تھے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی۔ ان مصدقین کی تعداد قریب چار ہزار کے تھی جن میں سے ۲۷۹ اصحاب کے نام حضرت اقدس نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں تحریر فرمائے ہیں۔ سب کے سب شرفاء اور معززین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی طوالت کے خوف سے حذف کر دیئے ہیں۔ ان میں سے خان بہادر سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر انبالہ۔ شیخ فضل الٰہی صاحب آنریری مجسٹریٹ بھیرہ۔ شیخ غلام نبی صاحب وزیر ریاست جس بیلہ۔ علاؤ الدین صاحب حکیم اور محمد الدین صاحب حکیم ساکنان شیخوپورہ۔ بھیرہ۔ جناب خلیل الرحمان صاحب رئیس اعظم و سجادہ نشین سرساوہ۔ چودھری نصر اللہ خاں صاحب نمبردار سرساوہ مرید سائیں توکل شاہ صاحب وغیرہ بھی شامل تھے۔ ہندوؤں میں پریم داس صاحب ساہوکار رہتاس۔ ملاوامل صاحب لاہور۔ ویر بھانا نان صاحب بدوملی۔ دونی چند صاحب بدوملی۔ نمال چند حقیقت رام۔ لچھمن داس۔ ٹھاکر داس۔ بیربل صاحبان وغیرہ اور سکھوں میں جیون سنگھ صاحب نمبردار۔ آتما سنگھ صاحب بدوملی۔ جوالا سنگھ صاحب نمبردار وغیرہ شامل تھے۔ جن صاحب نے ساری فہرست دیکھنی ہو تو تریاق القلوب صفحہ ۲۴ سے ۳۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا مولوی محمد علی صاحب کی بیعت

جہاں ایک طرف حضرت اقدس کے خلاف آریوں نے یہ طوفان بے تمیزی بپا کر رکھا تھا اور جیسا کہ مختلف خطوط سے پتہ لگا تھا خفیہ طور پر آپ کے قتل کے لئے سازشیں ہو رہی تھیں اور روپیہ جمع ہو رہا تھا وہاں طالبانِ حق کا ایک گروہ حضرت اقدس کی طرف کھنچا چلا آ رہا تھا۔ اور اس پیشگوئی کے ایسی صفائی سے پُورا ہونے نے ایک گروہ کو آپ کی طرف رجوع کر دیا تھا۔ انہی میں مولانا مولوی محمد علی صاحب بھی تھے۔ حضرت اقدس کی صداقت کے تو آپ ۱۸۹۱ء میں ہی قائل ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں مولوی صاحب موصوف اور آپ کے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب کپورتھلہ میں ہائی اسکول میں پڑھتے تھے۔ وہیں بھائی جان عبدالعزیز صاحب دہلوی بھی پڑھتے تھے۔ وہ حضرت اقدس کی بیعت میں شامل ہو چکے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں ازالہ اوہام اُن سے لیکر مولوی محمد علی صاحب اور مولوی عزیز بخش صاحب نے پڑھا اور فوراً حضرت اقدس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اور اسی سال جب حضرت صاحب لاہور تشریف لائے اور ہیرا منڈی میں ٹھیرے تو دونو بھائی لاہور جا کر زیارت سے مشرف ہوئے اور نہایت نیک اثر دل پر لے کر آئے۔ تعطیلوں میں اپنے گاؤں گئے تو اپنے والد صاحب سے جو نہایت زاہد و عابد بزرگ تھے ذکر کیا۔ اور کتاب ازالہ اوہام بھی دکھائی۔ وہ بھی کتاب پڑھ کر حضرت اقدس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں مولوی محمد علی صاحب اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور خواجہ کمال الدین مرحوم بھی اسی کالج میں پروفیسر لگے ہوئے تھے۔ لیکھرام کے قتل کے بعد خواجہ صاحب کی تحریک پر مولوی محمد علی صاحب قادیان حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کر لی۔ ان کے بعد پھر آپ کے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور آپ کے والد ماجد نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کو قتل کی دھمکیاں

حضرت اقدس کے قتل کی سازشیں ہوتی تھیں مگر آپ کوئی پرہ نہ رکھتے تھے

میں عرض کر چکا ہوں کہ لیکھرام کے قتل پر آریوں میں بڑا طوفان بے تمیزی بپا ہوا اور اُن کے دلوں میں ایسی آگ لگی کہ خفیہ طور پر حضرت اقدس کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں جس کی اطلاع بہت سے دوستوں نے حضرت اقدس کو دی اور پہرہ وغیرہ مقرر کرنے کی صلاح دی لیکن آپ نے ذرا بھی پروا نہ کی۔ ہندوؤں کے اخبار آفتاب ہند مطبوعہ ۱۸۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں ایک ہندو بشیشر داس نامی نے ایک مضمون "مرزا قادیانی خبردار" کے عنوان سے شائع کیا جس میں اس نے یہ فقرے خاص طور پر لکھے:-

"مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منا سکتی ہے۔ آج کل اہل ہنود کے خیالات مرزا قادیانی کی نسبت بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ عموماً مسلمانوں کی بابت۔ پس مرزا قادیانی کو خبردار رہنا چاہیئے کہ وہ بھی بکرعید کی قربانی نہ ہو جاوے"

پھر اخبار رہبر ہند ۱۵۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا۔

"کہتے ہیں کہ ہندو قادیان والے کو قتل کر آئیں گے۔ اور یہ بھی افواہ ہے کہ علیگڈھ والے بوڑھے (یعنی سرسید احمد خاں) کا بھی خاتمہ کیا جائے گا"

حضرت اقدس نے رعایت اسباب کے طور پر گورنمنٹ انگریزی کو ایک مطبوعہ عرضداشت کے رنگ میں ۲۲۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو اطلاع تو ضرور دیدی لیکن اسکے سوا آپ کے کسی طرز عمل میں فرق نہیں آیا۔ نہ کوئی پہرہ تھا نہ باڈی گارڈ۔ وہی درویشانہ رنگ تھا۔ سیر کو بھی نکلتے ہیں۔ وعظ و نصائح بھی فرماتے رہتے ہیں۔ احباب اور اجنبی مسلم اور غیر مسلم سبھی قسم کے لوگ آتے ہیں سب سے بے تکلف ملتے ہیں۔ اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے دل میں کسی قسم کا خطرہ یا اندیشہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہی ہنستا ہوا بشاش چہرہ ہے۔ طمانیت قلبی چہرہ سے صاف پڑی جھلکتی ہے۔ پھر آریہ ہی نہیں۔ عیسائی بھی جان کے دشمن ہیں (چنانچہ آپ پر ایک فرضی قتل کا مقدمہ آخر بنا کر چھوڑا) مولویوں نے بھی آپ کو واجب القتل ٹھیرایا ہوا ہے۔ بعض جاہل مسلمان جان لینے کے درپے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ ملنے والے لوگ جو کثرت سے چلے آرہے ہیں ان میں کوئی چھپا ہوا قاتل ہو۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ذرا بھی کسی سے ڈر نہیں۔ آپ کے کسی معمول میں فرق نہیں آتا۔ بشاشت اور طمانیت قلبی کا جو رنگ ہمیشہ سے تھا وہ اب بھی اسی طرح قائم تھا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو پیدا نہیں ہوتیں۔ جب تک کسی شخص کا تعلق خدا سے نہ ہو اور اُس کی طرف سے حفاظت کا وعدہ نہ ہو۔ جو خالق سے صحیح معنیں میں ڈرتا ہے اُسے مخلوق سے کیا ڈر۔ دنیا دار آدمی تو ان حالات میں پہروں اور باڈی گارڈوں کے بغیر خلوت یا جلوت میں قدم بھی نہیں دھرتا۔ راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے۔ یورپ کے ڈکٹیٹروں پر نظر ڈالو۔ بالشویزم کے لیڈروں کو دیکھو۔ آج کل کے مذہبی مقتداؤں پر نگاہ دوڑاؤ۔ پہرہ داروں اور باڈی گارڈوں کے ہنگامہ میں اصل شخصیت عموماً نظروں سے پنہاں رہتی ہے مگر یہاں یہ کیا تماشہ ہے کہ جب ایک دنیا حضرت اقدس کی جان لینے کی فکر میں ہے تو آپ کے گرد نہ کوئی حفاظت کے سامان نظر آتے ہیں اور نہ آپ کے چہرہ پر کسی قسم کے تشویش کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ وہی خوشی اور خرمی آپ کے چہرہ پر برس رہی ہے۔ اور مذاہب باطلہ پر آپ کے حملوں کا

وہی رنگ ہے۔ اس میں کیا مجال ہے جو ذرا بھی فرق آیا ہو۔ اس کی وجہ وہی تعلق باللہ تھی اور وہی جناب الٰہی کی طرف سے حفاظت کا وعدہ تھا۔ آپ کو الہام ہوا تھا کہ واللہ یعصمک من الناس۔ کہ اللہ تجھے لوگوں کے ہاتھوں سے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

فریمسن لوگوں کے ہاتھوں سے بچانے کا خدائی وعدہ

انہی ایام میں آپ کو بذریعہ الہام الٰہی یہ بھی بتایا گیا کہ فریمسنوں کی خفیہ سوسائٹی میں بھی آپ کو ضرر پہنچانے کا ریزولیوشن پاس ہو چکا ہے لیکن خدا اُن کے شر سے تجھے محفوظ رکھے گا۔ اصل الہام کے الفاظ یہ تھے جو الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئے کہ "فریمسن مستطر نہیں کئے جائیں گے کہ اس کو ہلاک کریں"۔ اس کے ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ کو رویا میں بتایا گیا کہ "عیسیٰ کا مسئلہ حل ہو گیا۔ خدا کہتا ہے میں جب عیسیٰ کو اتارتا ہوں تو پوڑی (سیڑھی) کھینچ لیتا ہوں"۔

واضح ہو کہ فریمسن لاج ایک خفیہ سوسائٹی ہے۔ اس کی ابتدا کس طرح ہوئی اس کے متعلق بعض اہل علم کی تحقیق یہ بیان کی جاتی ہے کہ بنی اسرائیل قوم کو بخت نصر بادشاہ پکڑ کر بابل لے گیا تھا اور وہاں غلام بنا کر ان سے معماری کا کام لیتا تھا۔ اُس نے اس قوم کو بیحد ذلیل کیا اور سخت تکلیف میں ڈال رکھا تھا۔ تنگ آ کر ان لوگوں نے فارس و میدیاہ کے بادشاہ سے خفیہ ساز بازی کی اور اس سے خفیہ معاہدہ یہ کیا کہ اگر وہ انہیں آزادی دلانے کا وعدہ کرے تو بادشاہِ فارس کے بابل پر حملہ کے وقت یہ لوگ شہر کے اندر سے بغاوت کر کے اس معاملہ میں اس کا ہاتھ بٹا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ باہر سے فارس کے بادشاہ نے حملہ کیا اور اندر سے ان لوگوں نے بغاوت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بابل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور بنی اسرائیل قوم کو آزادی مل گئی۔ اس خفیہ ساز باز کے لئے قوم بنی اسرائیل کو ایک خفیہ سوسائٹی بنانی پڑی تھی جس میں نہایت رازداری برتی جاتی تھی چونکہ بخت نصر کا محکمۂ جاسوسی بہت تیز تھا اس لئے ان لوگوں نے یہاں تک رازداری برتی کہ اس معاملہ میں منہ سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا۔ بیگار میں معماری تو کرتے ہی تھے۔ معماری کے اوزار اُن کے پاس ہوتے تھے اُنہی اوزاروں کو اپنے مقاصد کے اظہار کیلئے بطور علامات استعمال کرتے تھے۔ منہ سے نہ بولتے تھے اور ان علامات سے ہی وہ ایک دوسرے کا مطلب سمجھ جاتے تھے۔ بہرحال اس سوسائٹی کو بڑی کامیابی ہوئی اور وہ قوم آزاد ہو گئی۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر بنی اسرائیل نے اس سوسائٹی کو قائم رکھا اور اس کا نام اس واقعہ کی یادگار کے طور پر "آزادی معماران کی سوسائٹی" رکھا جو انگریزی میں آکر "فری میسن لاج" بن گیا۔ یعنی آزاد معماروں کی سوسائٹی۔ بنی اسرائیل سے یہ سوسائٹی مصر میں منتقل ہو کر آخر کار یورپ پہنچی اور وہاں اس نے بہت ترقی کی۔ سوسائٹی کی

موجودہ حالت جو کچھ ہے۔ اس میں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رازداری کے معاملہ میں اس سوسائٹی کے ارباب حل وعقد نے اس کے دو حصے کر رکھے ہیں۔ ایک تو مبتدی ممبر ہوتے ہیں جنہیں اندر کی کارروائیوں کی کوئی اطلاع نہیں ہوتی۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک باہمی محبت اور ہمدردی کرنے اور کھانے پینے کی سوسائٹی ہے اور بس۔ ان ممبروں میں سے ان لوگوں کو جو کارآمد ثابت ہوتے ہیں اور عزم صمیم رکھتے اور اخفائے راز میں ثابت قدم نظر آتے ہیں ان کو اندر کی سوسائٹی میں جو اُس کا دوسرا اور اصل حصہ ہے رفتہ رفتہ داخل کر لیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ وہاں وہی معماروں کے اوزاروں میں بات چیت ہوتی ہے۔ منہ سے کلام نہیں کیا جاتا۔ جو ریزولیوشن پاس کرنا ہو وہ معماروں کے مختلف اوزاروں کی علامت میں ہی پیش کیا جاتا اور سمجھا جاتا اور پاس کیا جاتا ہے۔ فریمسنوں کے شر سے بچنے کے متعلق حضرت اقدس کی اہلیہ محترمہ کو جو رویا میں بتایا گیا تھا کہ میں جب عیسیٰ کو اتارتا ہوں تو پوڑی یعنی سیڑھی کھینچ لیتا ہوں وہ ایک حل طلب معمہ تھا۔ خدا کی شان مسٹر ڈوئی امریکہ کے مدعی نبوت نے ایک کتاب فریمسنوں کے متعلق لکھی جس میں اس نے ان کے بہت سے اندرونی حالات اور کاموں کا پردہ فاش کیا تھا۔ یہ کتاب قادیان پہنچی اور حضرت اقدس کو تھوڑا تھوڑا کر کے سنائی جاتی تھی۔ اس کتاب نے رازداری کی اصل وجہ یہ بتلائی کہ بعض باتیں سیاسی رنگ کی ایسی ہوتی ہیں جن کا ظاہر طور پر کر گزرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اُن کو یہ خفیہ سوسائٹی نہایت رازداری کے ساتھ خفیہ طور پر سرانجام دیتی ہے اور ایسے عزم صمیم اور خفیہ طریق پر عمل میں لاتی ہے کہ کام بھی ہو جاتا ہے اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ یہ کام کس طرح ہو گیا۔ چونکہ رازداری کی وجہ سے تمام امور معماروں کے اوزاروں کی علامتوں میں طے ہوتے ہیں اس لئے جب کسی شخص کو کسی کام کیلئے مامور کیا جاتا ہے اور اس کو یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ اُس نے یہ کام اب ضرور کر کے ہی آنا ہے تو اس کو ایک کوٹھے پر لکڑی کی سیڑھی کے ذریعہ چڑھاتے ہیں اور بعد میں سیڑھی کھینچ لیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تو نے اب اس رستہ واپس نہیں آنا بلکہ اس کام کو پورا کر کے دوسرے رستہ سے یعنی کامیابی کے رستہ سے واپس آنا ہے۔ گویا "پوڑی" یعنی سیڑھی کھینچ لینے سے مراد ہوتی ہے کسی کام کے لئے عزم صمیم کر لینا۔ اس کتاب کو پڑھکر دیا کے الفاظ "پوڑی" یعنی سیڑھی کھینچ لینے کے معنے سمجھ میں آ گئے۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ اگرچہ فریمسنوں نے عزر پہنچانے کے لئے اپنی جگہ سیڑھی کھینچ لی ہے یعنی عزم صمیم کر لیا ہے تو تسلی رکھو کہ خدا نے بھی اپنے مسیح کو محفوظ رکھنے کے لئے سیڑھی کھینچ لی ہے یعنی عزم صمیم کر لیا ہے پس وہ اسے کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ گویا ان کے فعل کے مقابل میں خدا کا یہ فعل ہے۔ اور ایسا ہی ہوا کہ خدا نے آپ کو نہ صرف فریمسنوں بلکہ عیسائیوں آریوں

اور ہر ایک قسم کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور کوئی بھی بال بیکا نہ کر سکا +

سراج منیر کی اشاعت

سراج منیر کی تصنیف و اشاعت

ایک طرف یہ شور و شر بپا تھا دوسری طرف تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی حضرت کی قلم سے چل رہا تھا۔ چنانچہ ۲۴۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو آپ کی مشہور تصنیف سراج منیر شائع ہوئی۔ جو کہ مشتمل بہ نشانہائے قدیر ہے۔ یعنی آپ نے اس کتاب میں اُن آسمانی نشانوں میں سے جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ ۳۷ نشانات تحریر فرمائے ہیں اور لیکھرام کی پیشگوئی اور عبداللہ آتھم کی پیشگوئی پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ اور خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں ریاست بہاولپور کے بھی تین خطوط اس میں درج فرمائے ہیں۔ جن میں انہوں نے حضرت اقدس سے نہایت اخلاص اور ارادت کا اظہار کیا ہے +

سکھوں پر ایک اور اتمام حجت

حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو مطالعہ کر کے انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ آپ اسلام کے غلبہ کیلئے کس قدر جوش اور تڑپ اور جرأت اور دلیری رکھتے تھے۔ ایک طرف عیسائیوں سے مقابلہ لگا ہوا ہے۔ عبداللہ آتھم کے مرنے سے عیسائیوں کے اندر غیظ و غضب کی لہر دوڑی ہوئی ہے اور وہ طرح طرح سے آپ پر اور اسلام پر حملے کر رہے ہیں اور آپ برابر دندان شکن جواب دیئے چلے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف لیکھرام کے قتل نے آریوں میں غیر معمولی جوش پیدا کر رکھا ہے۔ وہ الگ آپ کی جان۔ عزت۔ اور مذہب پر طرح طرح کے حملے کر رہے ہیں۔ دہریئے الگ ناراض ہیں۔ سکھ اور برہمو سماج اور دیو سماج الگ خفا ہیں۔ اور مسلمانوں میں مولویوں کا فرقہ بعد اپنے لاکھوں پیروؤں کے الگ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہوا ہے مگر آپ ہیں کہ چاروں طرف چومکھی جنگ لڑ رہے ہیں اور ذرا بھی تو ماتھے پر بل نہیں آتا۔ تکان نزدیک نہیں پھٹکتی۔ قلم ہے کہ ہر طرف چل رہا ہے اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور ہر جگہ آپ کی تمام تحریروں میں ایک ہی اسپرٹ کام کر رہی ہے وہ یہ کہ فقط اسلام ہی اکیلا زندہ اور سچا مذہب ہے۔ اور اسی پر عمل کر کے انسان زندہ خدا کو پاتا ہے ۔ میں خود اس معاملہ میں تجربہ کار ہوں پس جو کچھ کہتا ہوں تجربہ کر کے کہتا ہوں سو جس کی مرضی چاہے میرے مقابلہ پر آوے اور آزمالے۔ کیا خوب فرماتے ہیں

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا | نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
آؤ لوگو کہ ہیں نور خدا پاؤ گے | لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ان باتوں سے آپ کی تحریریں بھری پڑی ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس سے بڑھکر جہاد اور کیا ہو سکتا ہے۔ لوگ نادانی سے اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جہاد سے کیوں روکا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ مرزا سے بڑھ کر مجاہد اس زمانہ میں مَیں نے تو کوئی دیکھا نہیں۔ ہاں تلوار سے جہاد کی چونکہ اس زمانہ میں ضرورت نہ تھی اس لئے اُس سے روک کر جس رنگ کے جہاد کی ضرورت تھی اس پر قوم کو لگایا اور خود بھی اس جہاد میں تمام عمر مصروف رہے۔

راجندر سنگھ صاحب کو چیلنج اس گھمسان کے دن میں جب عیسائیوں اور آریوں سے شب و روز مصروف پیکار تھے ایک سکھ صاحب سردار راجندر سنگھ درمیان میں کود پڑے۔ سردار جی کو بڑا غصہ اس بات کا تھا کہ کتاب ست بچن میں حضرت مرزا صاحب نے گرو بابا نانک صاحب کو مسلمان کیوں لکھ دیا اس پر وہ اس قدر بگڑے کہ ایک رسالہ خبط قادیانی لکھ مارا جس میں سردار جی نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شان میں نہایت ناپاک اور گستاخانہ الفاظ استعمال کئے اور لکھا کہ گرو بابا نانک جیسا مقدس انسان ایسے شخص کو کبھی خدا کا رسول نہیں مان سکتا۔ حضرت اقدس کو جس وقت وہ رسالہ ملا تو حضور نبی کریم صلعم کی شان میں گستاخانہ الفاظ پڑھکر آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے فوراً اس کے جواب میں ایک زبردست پُرتحدی اشتہار ۱۸۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو شائع فرمایا جس کا عنوان یہ قائم کیا کہ "سردار راجندر سنگھ صاحب متوجہ ہو کر سُنیں"۔ اس اشتہار میں آپ نے سردار راجندر سنگھ صاحب کو سامنے رکھ کر تمام سکھوں پر حجت تمام کی ہے۔ ایک جگہ سردار جی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یوں تو کوچہ کوچہ اور گلی گلی میں مذہب پھیلے ہوئے ہیں اور ہر ایک اپنے نبی یا اوتار کے اعجوبے قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں بیان کر رہا ہے۔ اور پستکوں اور کتابوں کے حوالہ سے ہزاروں خوارق ان کے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ان قصوں کا ثبوت کیا ہے۔ اور کس کو ہم جھوٹا کہیں اور کس کو ہم سچا سمجھیں؟ اور اگر یہ قصے صحیح تھے تو اب کیوں یہ مصیبت پیش آئی کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں صرف قصے ہی قصے رہ گئے؟ سچوں کا نور ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ ذرا خود انصاف کر کے کہ گذشتہ باتوں کا فیصلہ صرف باتوں سے ہو سکتا ہے، کوئی بُرا مانے یا بھلا۔ مگر مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان تمام مذہبوں میں سے سچ پر قائم وہی مذہب ہے جس پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور وہی مقبول دین ہے جس کی قبولیت کے نور ہر ایک زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ سو دیکھو! مَیں گواہی دیتا ہوں کہ وہ روشن مذہب اسلام ہے جس کے ساتھ خدا کی تائیدیں ہر قت شامل ہیں۔ کیا ہی بزرگ قدر وہ رسول ہے

جس سے ہم تازہ بتازہ روشنی پاتے ہیں۔ اور کیا ہی برگزیدہ وہ نبیؐ ہے جس کی محبت سے روح القدس ہمارے اندر سکونت کرتی ہے۔ تب ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور عجائب کام ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ زندہ خدا کا مزہ ہم اسی راہ میں دیکھتے ہیں۔ باقی سب مُردہ پرستیاں ہیں۔

کہاں ہیں مردہ پرست! کیا وہ بول سکتے ہیں؟ کہاں ہیں مخلوق پرست کیا وہ ہمارے آگے ٹھیر سکتے ہیں؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو شرارت سے کہتے تھے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی پیشگوئی نہیں ہوئی اور نہ کوئی نشان ظاہر ہوا؟ دیکھو میں کہتا ہوں وہ شرمندہ ہوں گے اور عنقریب وہ چھپتے پھریں گے! اور وہ وقت آتا ہے۔ بلکہ آگیا کہ اسلام کی سچائی کا نور منکروں کے منہ پر طمانچے ماریگا اور اُنہیں نہیں دکھائی دیگا کہ کہاں چھپیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ میں نے دو مرتبہ باوا نانک صاحب کو کشفی حالت میں دیکھا ہے اور اُن کو اس بات کا اقراری پایا کہ اُنہوں نے اسی نور سے روشنی حاصل کی ہے۔ فضولیاں اور جھوٹ بولنا مردار خوروں کا کام ہے۔ میں وہی کہتا ہوں کہ جو میں نے دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے میں باوا نانک صاحب کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اسی چشمہ سے پانی پیتے تھے جس سے ہم پیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اُس معرفت سے بات کر رہا ہوں کہ جو مجھے عطا کی گئی ہے۔

اب اگر آپ کو اس بات سے انکار ہے کہ باوا صاحب مسلمان تھے۔ اور نیز آپ کو اس بات پر اصرار ہے کہ بقول آپ کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ بدکار آدمی تھے۔ تو میں آپ پر صرف منقولی استدلال سے اتمام حجت کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ایک اور طریق سے آپ پر خدا کی حجت پوری کرنا چاہتا ہوں جو آگے چل کر بیان کروں گا۔ اور منقولی استدلال پر اس لئے حصر رکھنا پسند نہیں کرتا کہ بوجہ قلت استعداد یہ راہ آپ کیلئے نہایت مشکل ہے۔ آپ لوگ صرف نادان پادریوں اور ایسا ہی اور بیہودہ اور ناسمجھ آدمیوں کے اعتراضات سن کر بوجہ دلی بخل کے ان کو سچ سمجھ بیٹھے ہیں اور پھر بغیر تحقیق و تفتیش کے اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بدزبانی شروع کر دی ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اسی شتاب کاری نے جو نادانی اور تعصب کے ساتھ ملی ہوئی تھی دنیا کو تباہی میں ڈال دیا ہے۔ اور جہالت اور مفتریانہ روایات نے آفتاب پر تھوکنے کے لئے اُن کو دلیر کر دیا ہے۔ اگر آنکھیں

ہوں تو کس قدر ندامت ہو۔ اور اگر بصیرت ہو تو کس قدر اپنی خطا پر روویں ۔۔۔۔۔"

آگے چل کر اس طریق کو بیان فرماتے ہیں جس سے آپ نے راجندر سنگھ پر اور اُس کے ذریعہ تمام سکھوں پر حجت تمام کرنی چاہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اور وہ طریق جس کے رُو سے اس وقت آپ پر خدا کی حجت پُوری کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ باوا نانک صاحب مسلمان نہیں تھے اور میں کہتا ہوں کہ درحقیقت وہ مسلمان تھے ۔۔۔۔۔ دوسرے آپ کا دعویٰ ہے کہ نعوذ باللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدکار اور فاسق آدمی تھے اور باوا نانک صاحب آنجناب سے بیزار تھے ۔۔۔۔۔ اب فیصلہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ آپ اگر اپنے اس عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں تو ایک مجلس عام میں اس مضمون کی قسم کھاویں کہ درحقیقت باوا نانک دین اسلام سے بیزار تھے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کو بُرا سمجھتے تھے اور نیز درحقیقت پیغمبر اسلام نعوذ باللہ فاسق اور بدکار تھے اور خدا کے سچے نبی نہیں تھے۔ اور اگر یہ دونو باتیں خلاف واقعہ ہیں تو اے قادر کرتار مجھے ایک سال تک اس گستاخی کی سخت سزا دے۔ اور ہم آپ کی اس قسم پر پانسو روپیہ ایک جگہ پر جہاں آپ کا اطمینان ہو جمع کرا دیتے ہیں۔ پس اگر آپ درحقیقت سچے ہوں گے تو سال کے عرصہ تک آپ کے ایک بال کا نقصان بھی نہیں ہوگا بلکہ مفت پانسو روپیہ آپ کو ملے گا۔ اور ہماری ذلت اور روسیاہی ہوگی۔ اور اگر آپ پر کوئی عذاب نازل ہو گیا تو تمام سکھ صاحبان درست ہو جائیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ سکھ صاحبوں کو اسلام سے ایک مناسبت ہے جو ہندوؤں کو نہیں۔ اور جلد آسمانی نشان کو سمجھ لیں گے۔ آپ لوگ ہندوؤں کی طرح بزدل نہیں بلکہ ایک بہادر قوم ہیں۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آپ اس طریق فیصلہ کو ضرور قبول کر لیں گے۔ اوّل ایک اخبار میں حسب بیان مذکورہ بالا چھپوانا ہوگا کہ میں ایسی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔ اور پھر ہماری چھپی ہوئی تحریر پہنچنے کے بعد قادیان میں آکر جلسۂ عام میں تین مرتبہ قسم کھانی ہوگی

اب اس میں آپ زیادہ پیچ نہ ڈالیں۔ اس بات کو منظور کر لیں۔ ہمارے دل گالیاں سنتے سنتے زخمی ہو گئے ہیں۔ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہمیں رُوسیاہی اور ذلت پیش آئے گی اور لعنت کی موت سے ہم مریں گے۔ اور اگر ہم سچے ہیں تو خدا ہمارا انصاف کرے گا۔ میں آپ کو اُس پرمیشر کی قسم دیتا ہوں جس کی جناب میں آپ باوا نانک صاحب کو واصل سمجھتے ہیں۔ اور باوا صاحب کی عزت کا آپ کی خدمت میں واسطہ ڈالتا ہوں کہ آپ ضرور اس طریق امتحان

کو قبول کرلیں۔ اور اگر اب بھی آپ میدان میں نہ آئیں اور حسب تصریح بالا قسم نہ کھائیں اور کمینے بہانے پیش کریں تو **تمام دنیا گواہ رہے** کہ ان چند سطور کے ساتھ آپ کے رسالہ کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا۔

اور ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں بار بار موت یا عذاب کی پیشگوئیاں کی جاتی ہیں۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا کے پاک بندوں کو ستانے والے کس **بشارت** کی پیشگوئی کے مستحق ہیں؟ نبیوں کے وقت میں بھی یہی ہوا۔ اور مسیح موعود کے لئے بھی یہی لکھا ہے کہ "اس کے دم سے کافر مریں گے" یعنی اس کی دعا سے ان پر عذاب نازل ہوگا۔ سو اگر عذاب کی پیشگوئیاں بدنامی ہیں۔ تو یہ بدنامی تو خدا کے قول سے ہمارے حصہ میں آگئی ؎

در کوئے نیکنامی مارا گذر نہ دادند ✱ گر تو نمے پسندی تغیر کن قضارا"[1]

مگر مہدار راجندر سنگھ اس فیصلہ کے قریب بھی نہ پھٹکے اور اپنے فرار سے اپنے کذب پر مُہر لگا گئے۔ مگر میں عرض کروں گا کہ اس اشتہار پر غور کرو۔ اسلام کی صداقت پر حضرت مرزا صاحب میں کس قدر مضبوط اور زندہ ایمان نظر آتا ہے کہ ایک لحہ کے لئے بھی آپ کے دل میں یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوتا کہ ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء کا نظارہ اسی ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ کس طرح راجندر سنگھ صاحب کو منتوں سے گرونانک صاحب کا واسطہ دے دیکر مقابلہ پر بلاتے ہیں۔ پانسو روپیہ انعام بھی پیش کرتے ہیں۔ گویا زندہ خدا سامنے ہے جو مخالف کے قسم کھانے پر یقیناً حق کو غالب اور باطل کو ہلاک کر دیگا۔ مگر دوسری طرف راجندر سنگھ یا ہمچو قسم دوسرے مخالفین آریوں یا پادریوں یا مخالف مولویوں کی ٹال مٹول اور فرار میں وہ ایمان اور یقین نظر نہیں آتا۔ ان کا دھرم یا ایمان اجتثت فوق الارض مالہا من قرار کا نظارہ پیش کرتا ہے یعنی جڑیں کوئی نہیں۔ اُوپر اُوپر باتیں بہت۔ مگر ان کی بنیادیں کھوکھلی۔ جس کی وجہ سے اُن میں وہ ایمانی جرأت نہیں پیدا ہونے پاتی جو اُنہیں حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ پر آنے اور قسم کھانے کے لئے آمادہ کرسکے۔ ایسا پختہ ایمان اور یقین و معرفت جو حضرت مرزا صاحب میں نظر آتا ہے بہت بلند پایہ صاحب حال لوگوں کا طغرائے امتیاز ہے۔

---

[1] ہم آپ سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کسی انسان کے ہاتھ سے آپ کو تکلیف پہنچے تو وہ ہماری بددعا کا اثر ہرگز نہیں سمجھا جائیگا بلکہ ہم صرف اس صورت میں صادق ٹھیریں گے کہ جب بغیر انسانی ہاتھوں کے محض خدا کی تقدیر سے آپ کسی لاعلاج بیماری اور آفت اور مصیبت میں ایک سال تک مبتلا ہوجائیں جس کا خاتمہ موت پر ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو بہرحالت ہم جھوٹے ٹھیریں گے۔ اور آپ پانسو روپیہ پانے کے مستحق ٹھیر جائیں گے" منہ

جس کی مضبوطی اور پختگی کو دیکھ کر ایک عقلمند حیران رہ جاتا ہے۔

مسلمانوں میں تکفیر بازی کو روکنے کی کوشش

حضرت اقدس کو جہاں رات دن اسلام کی ترقی اور مذاہب باطلہ پر غلبہ کی دُھن لگی ہوئی تھی وہاں اسلام کے اندر تفرقہ اور تکفیر بازی روکنے کے لئے بھی آپ کی کوشش شب و روز جاری تھی۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہا جائے۔ کہ اسی طرح مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اتحاد ہو سکتا ہے اختلاف طبائع اور اختلاف خیالات مٹائے نہیں جا سکتے۔ مگر اسلام کے اصول ایسے موجود ہیں جن پر اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں۔ اور ان میں اتحاد اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو ان اصولوں کو مانتا ہو وہ مسلمان ہے اُسے کافر کہنے کا کسی کو حق نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا جو مذہب ہے کہ جس مسلمان میں ننانوے جہت کفر کی ہوں اور ایک جہت ایمان کی ہو اُسے بھی کافر نہ کہو۔ تو آپ کے نزدیک وہ جہت کلمہ گوئی کی تھی۔ یعنی جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے اُسے کافر کہنے کا کسی کو حق نہیں۔ اس کے برخلاف موجودہ زمانہ کے علما یا بات بات پر مسلمانوں کو کافر بنانے کیلئے آمادہ رہتے ہیں۔ چنانچہ مختلف فرقوں کے علما میں جو آپس کی تکفیر بازی شب و روز جاری ہے اور اس سے اسلام کی وحدت جس طرح پارہ پارہ ہو رہی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت مرزا صاحب پر بھی مولویوں کی تکفیر بازی برابر جاری تھی۔ آپ نے اپنے عقائد کھول کھول کر بیان کئے۔ کتابیں لکھیں۔ اشتہار دیئے۔ غرضکہ ہر ایک ممکن طریق اختیار کیا کہ کسی طرح یہ تکفیر بازی اور تفرقہ اندازی بند ہو مگر کسی مولوی پر اثر نہ ہوا۔ تو پھر آپ نے چاہا کہ مباہلہ کے ذریعہ ہی حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ چنانچہ اس دعوتِ مباہلہ کے سلسلہ میں آپ نے جیسا کہ میں ذکر کر آیا ہوں ۸۔ جنوری ۱۸۹۷ء کو ضمیمہ انجام آتھم کے ذریعہ تمام علما کو نام بنام مباہلہ کے لئے بڑے زور سے دعوت دی۔

"اشتہار قطعی فیصلہ کیلئے" مگر قریباً پانچ مہینے گزر گئے اور مباہلہ کیلئے مقابل پر کوئی نہ آیا۔ اور اس طریق پر حق و باطل میں فیصلہ کرنے کے بجائے علماء سوء نے بدستور اپنی تکفیر بازی اور تفرقہ اندازی کا سلسلہ جاری رکھا تو حضرت اقدس نے ۱۹۔ مئی ۱۸۹۷ء کو ایک "اشتہار قطعی فیصلہ کیلئے" کے عنوان سے شائع فرمایا جس میں ہندوستان بھر کے چار چوٹی کے علما کو آپ نے مخصوص کیا۔ ایک مولوی محمد حسین بٹالوی دوسرے مولوی عبدالجبار غزنوی۔ تیسرے مولوی عبدالحق غزنوی اور چوتھے مولوی رشید احمد گنگوہی۔ ان علما کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ اگر آپ لوگ مباہلہ کیلئے تیار نہیں ہیں تو یوں فیصلہ کر لو کہ

آپ لوگ یہ دعا کریں کہ اگر آپ لوگ سچے ہیں تو آپ لوگوں کی تائید میں اللہ تعالیٰ کوئی زبردست نشان ایک سال کے اندر ظاہر کرے۔ اور میں بالمقابل یہ دعا کروں گا کہ اگر میں سچا ہوں تو اللہ تعالیٰ میری تائید میں ایک سال کے اندر کوئی زبردست نشان ظاہر کرے۔ پس ہم میں سے جس کی تائید میں اللہ تعالیٰ ایک سال کے اندر نشان ظاہر کرے وہ فریق سچا سمجھا جائے گا۔ اور دوسرا فریق اُس کے ہاتھ پر توبہ کریگا آپ نے پھر لکھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ اس طریق سے یہ روز کے جھگڑے طے ہوں اور ہم سب متفق ہو کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں" اور اس امر کیلئے آپ کے دل میں اس قدر درد تھا کہ اسی اشتہار میں آپ نے امرتسر اور لاہور کے مسلمان اکابر سے بھی اپیل کی کہ خدا کیلئے اٹھو اور انصاف سے فیصلہ کرو اور ہمارے آپس کے جھگڑوں کو طے کرا کے اسلام اور مسلمانوں پر رحم کرو اور اتحاد اور اتفاق کی بنیاد ڈالو۔ مگر افسوس ہے کہ نہ تو یہ علماء مکفرین ہی اس فیصلہ کی طرف آئے اور نہ مسلمان اکابر ہی کے دل میں یہ درد پیدا ہوا کہ اس طریق فیصلہ کی طرف توجہ کر کے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ کرائیں۔ مسلمانوں کی انہی بے پروائیوں نے ان مکفر علماء کو اسقدر دلیر بنا دیا ہے کہ دن رات مسلمانوں کو لڑواتے اور اسلام کو کمزور کرتے رہتے ہیں +

قادیان میں ترکی قونصل کی آمد

اور سلطنت ٹرکی کی نسبت بعض پیشگوئیاں

حسین کامی کا ورود لاہور میں مئی ۱۸۹۷ء میں حسین کامی ترکی قونصل متعینہ کراچی لاہور آئے۔ یہ سلطان عبدالحمید ثانی سلطان ٹرکی کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکوں سے عشق تھا نتیجہ یہ کہ لاہور کے اسٹیشن پر حسین کامی بک کے استقبال کیلئے لاہور کے تمام مسلمان رؤسا اور جم غفیر مسلمانوں کا موجود تھا۔ میں (یعنی خاکسار مؤلف) اُن دنوں میڈیکل کالج لاہور میں پڑھتا تھا میں بھی اُنہیں دیکھنے اسٹیشن گیا۔ حسین کامی صاحب فسٹ کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سُرخ و سفید رنگ نہایت خوبصورت انسان۔ بھورے بالوں کی نہایت شاندار داڑھی۔ ترکی ٹوپی۔ لمبا فراک کوٹ جو اس وقت ترکوں کا لباس تھا۔ مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی صورت کھُب گئی۔ بڑی آؤ بھگت ہوئی لاہور شہر میں ان کا بڑا بھاری جلوس نکالا گیا۔ ڈپٹی برکت علی خاں صاحب شاہجہانپوری پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ لاہور کی کوٹھی بیرون موچی دروازہ لاہور میں انہوں نے قیام کیا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب

کے مریدوں کو اُن دنوں تبلیغ کا بڑا جوش تھا۔ چنانچہ انہیں بھی تبلیغ جو کی تو حسین کامی صاحب اپنی کسی سیاسی غرض سے قادیان جانے کو تیار ہو گئے اور ایک نہایت مؤدبانہ و مخلصانہ رقعہ کے ساتھ حضرت عاصاحب سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دیدی۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر کر کے وہ قادیان آ گئے جس روز عشا کے وقت وہ قادیان پہنچے حضرت اقدس کو دوران سر کا دورہ پڑا۔ آپ شہ نشین پر بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے اُتر کر مسجد کے فرش پر لیٹ گئے۔ مولوی عبدالکریم عاصاحب قرآن کریم بہت ہی عجیب و غریب خوش الحانی سے مصری لہجہ میں پڑھا کرتے تھے حضرت نے مولوی عاصاحب موصوف کو فرمایا کہ قرآن شریف پڑھو۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ قرآن شریف سنتے سنتے طبیعت بحال ہو گئی۔ حسین کامی بک سے اس وقت تو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی مگر دوسرے دن اس کی درخواست کے مطابق آپ نے اُس سے تخلیہ میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں جو باتیں ہوئیں اس کا تو کسی کو علم نہیں۔ البتہ حضرت مرزا عاصاحب کے اشتہار سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ کسی خاص امر کی طرف وہ آپ کو لانا چاہتا تھا اور اُسی کیلئے آپ سے دعا کرنے کی بظاہر درخواست کرتا تھا مگر اُس کی باتیں حضرت اقدس کو گوارا نہ تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملاقات سے حسین کامی بک کو اپنا مدعا حاصل نہ ہوا اور وہ بے نیل مرام لاہور واپس چلا گیا۔ لاہور میں حسین کامی کے قادیان جانے کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا گیا تھا بلکہ لوگ بہت بگڑ رہے تھے۔ حسین کامی جو واپس آیا تو اخبار ناظم الہند کے ایڈیٹر نے بذریعہ ایک رقعہ کے حسین کامی بک سے پوچھا کہ آپ کا مرزا غلام احمد قادیانی کی نسبت کیا خیال ہے۔ اُس نے بذریعہ ایک پرائیویٹ رقعہ کے حضرت مرزا عاصاحب کے خلاف لکھا۔ بس پھر کیا تھا ایڈیٹر عاصاحب نے اپنے اخبار میں اس رقعہ کو بلا اجازت چھاپ کر اس امر کو خوب شہرت دی۔ اور مولویوں نے وہ طوفان اٹھایا کہ الامان۔ اور اس فتوے کو چمکانے کی غرض سے حسین کامی کی پاک باطنی اور دیانت اور امانت کو خوب سراہا گیا اور اُسے زبردستی نائب خلیفۃ المسلمین قرار دیکر اُس کے فتوے کو ایک آسمانی سند کا مقام دیدیا۔ پہلے تو حضرت مرزا عاصاحب نے خود سے کوئی امر شائع کرنا مناسب نہ سمجھا مگر جب اخبار ناظم الہند وغیرہ نے افترا پردازی کی حد کر دی تو پھر حضرت اقدس نے ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں اصل حالات پر سے کچھ پردہ اُٹھایا۔ چنانچہ آپ اُس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن جب وہ میرے پاس آیا تو اس کی شکل دیکھنے سے ہی میری فراست نے یہ گواہی دی کہ یہ شخص امین اور دیانتدار اور پاک باطن نہیں ہے اور ساتھ ہی میرے خدا نے مجھ کو القا کیا کہ رومی سلطنت انہی لوگوں کی شامت اعمال سے خطرہ میں ہے کیونکہ یہ لوگ کہ جو علی حسب مراتب

قرب سلطان سے کچھ حصہ رکھتے ہیں اور اس سلطنت کے اکثر نازک خدمات پر مامور ہیں یہ اپنی خدمات کو دیانت سے ادا نہیں کرتے اور سلطنت کے سچے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ اپنی طرح طرح کی خیانتوں سے اس اسلامی سلطنت کو جو حرمین شریفین کی محافظ اور مسلمانوں کیلئے مغتنمات میں سے ہے کمزور کرنا چاہتے ہیں سو میں اس الہام کے بعد محض القاء الٰہی کی وجہ سے حسین بک کامی سے سخت بیزار ہو گیا لیکن نہ رومی سلطنت کے بغض کی وجہ سے بلکہ محض اُس کی غیر خواہی کی وجہ سے۔"

پھر حسین کامی بک کی درخواست پر جو آپ نے اسے جواب دیا اُس کا ذکر اس اشتہار میں اس طرح کرتے ہیں:۔

"سلطان روم کی سلطنت کی حالت اچھی نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے اُس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں۔"

پھر آپ اسی اشتہار میں لکھتے ہیں کہ میں نے اُس ترک کو نصیحت کی اور اشارہ سے اُس کو سمجھایا کہ اس کشف کا اوّل نشانہ تم ہو اور تمہارے حالات الہام کے رُو سے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ "توبہ کرو تا نیک پھل پاؤ" جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اگر تیری حالت یہی رہی تو تجھے اچھا پھل نہیں ملیگا۔ اور تیرا انجام بد ہوگا۔ پھر اسی اشتہار میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کے لئے (یعنی کونسل مذکور کیلئے) بہتر تھا کہ میرے پاس نہ آتا۔ میرے پاس سے ایسی بدگوئی سے واپس جانا اس کی سخت بدقسمتی ہے۔"

اس کا مطلب صاف طور پر یہی تھا کہ اُس نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی نسبت بدگوئی کر کے دراصل اپنی ذلت کا سامان پیدا کر لیا۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا تھا کہ "انی مھین من اراد اھانتک" کہ جو تجھے ذلیل کرنا چاہے گا میں اُسے ذلیل کروں گا۔ پس حسین کامی نے حضرت اقدس کی نسبت بدگوئی کر کے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ذلت کیلئے سامان جمع کیا۔ پھر اسی اشتہار میں حضرت اقدس آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"اللہ جل شانہٗ جانتا ہے جس پر جھوٹ باندھنا لعنت کا داغ خریدنا ہے کہ اُس عالم الغیب نے مجھے پہلے سے اطلاع دیدی تھی کہ اس شخص کی سرشت میں نفاق کی رنگ آمیزی ہے۔"

اس اشتہار کے نکلنے پر لاہور میں ایک آگ لگ گئی۔ اور حسین کامی بک کو ایک فرشتہ قرار دے کر حضرت

مرزا صاحب کے خلاف وہ گند بکا گیا کہ الامان اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکایا گیا کہ دراصل مرزا قادیانی نے سلطان روم کی ذات پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ سلطان کی ذات سے اس پیشگوئی کو کوئی تعلق نہ تھا بلکہ بعض ارکان سلطنت اور کارکن لوگوں کی نسبت الہام شائع کیا گیا تھا کہ وہ امین اور دیانتدار نہیں ہیں۔ جن میں حسین کامی بک خصوصیت سے شامل تھا۔ ترکی سلطنت کو تو اس اشتہار میں حرمین شریفین کی محافظ اور مسلمانوں کے لئے مغتنمات میں سے قرار دیا تھا اور اسی سلطنت کی "خیر خواہی" کی وجہ سے حسین کامی سے آپ بیزار ہوئے تھے۔

اخبار "چودھویں صدی" کی برزہ سرائی اور اس کا جواب

ان دنوں راولپنڈی سے ایک اخبار "چودھویں صدی" نکلتا تھا۔ اُس کے ۱۵۔ جون ۱۸۹۷ء کے پرچہ میں اس ترکی قونصل حسین کامی کی حمایت میں ایک مضمون نکلا جس میں حضرت اقدس پر سخت حملے کئے گئے اور یہ بھی لکھا گیا کہ مرزا قادیانی کا حسین کامی کے متعلق مضمون سُن کر ایک "بزرگ" نے یہ شعر پڑھا۔

؎ چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس دَرَد ✤ میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد

گویا حضرت اقدس نے حسین کامی جیسے مردِ خدا پر حملہ کر کے اپنی پردہ دری کا سامان کر لیا۔ حضرت اقدس کے دل کو چودھویں صدی کے اس مضمون اور اس کے نامبردہ بزرگ کے اس شعر پڑھنے سے سخت تکلیف ہوئی چونکہ عام طور پر دوسرے اخباروں میں بھی اسی قسم کا شور و شغب مچا ہوا تھا۔ آپ نے اس "چودھویں صدی والے بزرگ" کو مخاطب کر کے ۲۵۔ جون ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا "کیا وہ جو خدا کی طرف سے ہے لوگوں کی بدگوئی اور سخت عداوت سے ضائع ہو سکتا ہے؟" اور اس عنوان کے نیچے سرخی کے طور پر مولانا روم کا یہ شعر بھی تحریر فرمایا کہ ؎

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد ✤ ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

اس کے بعد ان مفتریات کا جو اخبار چودھویں صدی میں شائع ہوئے تھے ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"آجکل ہمارے مخالفوں کو گالیاں دینے کے لئے یہ نیا بہانہ ہاتھ آگیا ہے کہ انہوں نے ہمارے ایک اشتہار کے اُلٹے معنے کر کے یہ مشہور کر دیا ہے کہ گویا ہم سلطان روم اور اس کی سلطنت اور دولت کے سخت مخالف ہیں اور اُس کا زوال چاہتے ہیں اور انگریزوں کی حد سے زیادہ خوشامد کرتے ہیں اور انگریزی سلطنت کی دولت اور اقبال کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر حصوں میں بعض پُر افترا اشتہاروں اور اخباروں کے ذریعہ سے یہ خیال بہت پھیلایا گیا ہے اور عوام کو دھوکا دینے

کیلئے ہمارے اشتہار کی بعض عبارتیں محرّف اور مبدّل کر کے لکھی گئی ہیں اور اس طرح پر بیوقوفوں کے دلوں کو جوش دلانے اور اُبھارنے کے لئے کارروائی کی گئی ہے ۔ ہر ایک مسلمان عقلمند بھلا مانس نیک فطرت جو اپنی شرافت سے سچی بات کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے اس بات کو متوجہ ہو کر سُنے ۔ کہ ہم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کلمہ گو سے بھی کینہ نہیں رکھتے چہ جائیکہ ایسے شخص سے کینہ ہو جس کی ظلّ حمایت میں کروڑہا اہل قبلہ زندگی بسر کرتے ہیں اور جس کی حفاظت کے نیچے خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس مکانوں کو سپرد کر رکھا ہے ۔ سلطان کی شخصی حالت اور اس کی ذاتیات کے متعلق نہ ہم نے کبھی کوئی بحث کی اور نہ اب ہے ۔ بلکہ اللہ جلّ شانہٗ جانتا ہے کہ ہمیں اس موجود سلطان کے بارے میں اس کے باپ دادے کی نسبت زیادہ حسن ظن ہے ۔ ہاں ہم نے گذشتہ اشتہارات میں ترکی گورنمنٹ پر بلحاظ اس کے بعض عظیم الدخل اور خراب اندرون ارکان اور عمائد اور وزرا کے نہ بلحاظ سلطان کی ذاتیات کے ۔ ضرور اُس خداداد نور اور فراست اور الہام کی تحریک سے جو ہمیں عطا ہوا ہے چند ایسی باتیں لکھی ہیں جو خود ان کے مغموم کے خوفناک اثر سے ہمارے دل پر ایک عجیب رقت اور درد طاری ہوتی ہے ۔ سو ہماری وہ تحریر جیسا کہ گندے خیال والے سمجھتے ہیں کسی نفسانی جوش پر مبنی نہ تھی بلکہ اس روشنی کے چشمہ سے نکلی تھی جو رحمت الٰہی نے ہمیں بخشا ہے ۔"

پھر اسی اشتہار میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

"کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو کچھ میں نے رومی سلطنت کے اندرونی نظام کی نسبت بیان کیا وہ دراصل صحیح ہو اور ترکی گورنمنٹ کے شیرازہ میں ایسے دھاگے بھی ہوں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری سرشت ظاہر کرنے والے ہوں ۔"

حسین کامی کی پردہ دری چودھویں صدی والے بزرگ کے بارے میں اس اشتہار میں جو کچھ حضرت اقدس نے لکھا وہ تو میں انشاء اللہ آگے چل کر بیان کروں گا ۔ مجھے یہاں ابھی حسین کامی اور ترکی سلطنت کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے کہ آخر اُنکا انجام کیا ہوا ۔ یہ اشتہار نکلا ۔ مگر جب لوگوں میں تعصّب اور مخالفت حد سے گزری ہوئی ہو تو اثر کیا خاک ہونا تھا ۔ بلکہ حضرت مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم دیا گیا ہے کہ یہ شخص حسین کامی سلطنت ترکی کے ساتھ دیانتدارانہ تعلق نہ رکھتا اور اس شخص کی سرشت میں نفاق کی رنگ آمیزی ہے (یہی وجہ تھی جو آپ نے اُس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "توبہ کرو تا نیک پھل پاؤ ۔")

لوگوں کے لئے اس قدر اشتعال انگیز ثابت ہوا کہ آپ پر ایک دنیا ٹوٹ پڑی اور آپ کی کوئی وضاحت قابل پذیرائی نہ سمجھی گئی۔ اور حسین کامی کو نہایت درجہ کا فرشتہ سیرت اور متقی اور بزرگ قرار دے کر اخباروں اور اشتہاروں اور ہر مجلس اور ہر تحریر و تقریر میں حضرت مرزا صاحب کو بُرا بھلا کہا گیا اور اتنی گالیاں دی گئیں کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ ان حالات میں سوائے صبر کے اور کیا ہو سکتا تھا لیکن مولانا روم نے کیا سچ فرمایا ہے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد ✦ میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد

آخر خدا کے پاک بندہ مرزا غلام احمد پر رات دن کی طعن و تشنیع وہ وقت لے آئی جس میں حسین کامی اور اس کے حامیوں کی پردہ دری مقدر تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خدا کی باتیں پوری ہونے کا وقت آ گیا اور الہام انّی مھینٌ من اراد اھانتک[1] کے ماتحت (کہ جو تجھے ذلیل کرنا چاہے گا خدا اُسے ذلیل کرے گا) حسین کامی کی دیانتداری کا پول کھل گیا جس سے اُسے حد درجہ کی ذلّت اور اسکے حامی اخباروں اور مولویوں کو پرلے درجہ کی خفت اور ندامت نصیب ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ۱۸۹۷ء میں یونان نے جزیرہ کریٹ پر جو ترکوں کے ماتحت تھا قبضہ کر کے اُس کے مسلمان باشندوں میں اس قدر قتل اور غارت کا بازار گرم کیا کہ تمام اسلامی دنیا چیخ اُٹھی۔ چنانچہ وہاں کے مظلوموں کے لئے ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع ہوا اور اسی حسین کامی بک کو جو کراچی میں ترکی کونسل کے عہدہ پر ممتاز تھا بھیجا گیا کہ سلطان روم کی خدمت میں پہنچا دیں۔ ایسے دیانتدار ہاتھوں میں بھیج کر لوگ مطمئن تھے کہ چندہ سلطان روم کو پہنچ گیا ہوگا۔ لیکن ۱۸۹۹ء کا ذکر ہے کہ ایک معزز ترک کی معرفت حضرت مرزا صاحب کو یہ خبر ملی کہ حسین کامی مذکور ایک مجرمانہ خیانت کی وجہ سے اپنے عہدہ سے موقوف کر دیا گیا ہے اور اس کی املاک ضبط ہو گئی ہے۔ لیکن اس خبر پر جو ایک فرد واحد نے دی تھی پوری طرح اعتماد نہ کیا جا سکتا تھا کہ اتنے میں اخبار نیر آصفی مدراس مجریہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حسین کامی بک ہندوستان کا چندہ جو مظلومان کریٹ کے لئے تھا بددیانتی سے کھا گیا جس کی پاداش میں وہ ملازمت سے معزول کیا گیا اور اس کی املاک نیلام کرائی گئی۔ پس اس طرح خدا کی باتیں پوری ہوئیں اور وہ جو اسے کہا گیا تھا کہ "تو یہ کر تو نیک پھل پاؤ"، اور اُس نے اُس پر عمل نہ کیا تھا تو آخر وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ وہ خبر جو اخبار نیر آصفی مدراس ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی میں لفظ بہ لفظ یہاں نقل کئے دیتا ہوں:۔

---

[1] اس الہام کے ماتحت اس کثرت سے مختلف نشانات ظاہر ہو چکے ہیں جبکہ ہم سب کو اگر لکھے جائیں تو ایک علیحدہ تصنیف بنتی ہے۔ مرتب

"چندہ مظلومان کریٹ اور ہندوستان"

"ہمیں آج کی ولایتی ڈاک میں اپنے ایک لائق اور معزز نامہ نگار کے پاس سے ایک قسطنطنیہ والی چٹھی ملی ہے جس کو ہم اپنے ناظرین کی اطلاع کیلئے درج ذیل کئے دیتے ہیں۔ اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں کمال افسوس ہوتا ہے۔ افسوس اس وجہ سے کہ ہمیں اپنی ساری امیدوں کے برخلاف اس مجرمانہ خیانت کو جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مہذب و منتظم اسلامی سلطنت کے وائس قونصل کی جانب سے بڑی بے دردی کے ساتھ عمل میں آئی اپنے ان کانوں سے سُننا اور پبلک پر ظاہر کرنا پڑا ہے۔ جو کیفیت جناب مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب السندی نزیل قسطنطنیہ نے ہمیں معلوم کرائی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حسین بک کامی نے بڑی بیشرمی کے ساتھ مظلومان کریٹ کے روپے کو بغیر ڈکار لینے کے ہضم کر لیا۔ اور کارکن کمیٹی چندہ نے بڑی فراست اور عرقریزی کے ساتھ اُن سے روپیہ اگلوایا مگر یہ دریافت نہیں ہوا کہ وائس قونصل مذکور پر عدالت عثمانیہ میں کوئی نالش کی گئی یا نہیں۔ ہماری رائے میں ایسے خائن کو عدالتانہ کارروائی کے ذریعہ عبرت انگیز سزا دینی چاہیئے۔ بہرحال ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہی ایک کیس غبن کا ہوگا جو اس چندہ کے متعلق وقوع میں آیا ہو اور جو رقوم چندہ جناب ملا عبدالقیوم صاحب اول تعلقدار لنگسگور اور جناب عبدالعزیز بادشاہ صاحب ٹرکش قونصل مدراس کی معرفت حیدرآباد اور مدراس سے روانہ ہوئیں وہ بلا خیانت قسطنطنیہ کی کمیٹی چندہ کے پاس برابر پہنچ گئی ہوں گی"

"قسطنطنیہ کی چٹھی"

"ہندوستان کے مسلمانوں نے جو گزشتہ دو سالوں میں مہاجرین کریٹ اور مجروحین عساکر جنگ یونان کے واسطے چندہ فراہم کر کے قونصل ہائے دولت علیہ ترکیہ مقیم ہند کو دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زر چندہ تمام و کمال قسطنطنیہ میں نہیں پہنچا۔ اور اس امر کے باور کرنے کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ حسین کامی بک وائس قونصل مقیم کراچی کو جو ایک ہزار چھ سو روپے کے قریب مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر اور مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے مختلف مقامات سے وصول کر کے بھیجا تھا وہ سب غبن کر گیا۔ ایک کوڑی تک قسطنطنیہ میں نہیں پہنچائی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ سلیم پاشا ملحمہ کارکن کمیٹی چندہ کو جب خبر پہنچی تو اُس نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اس روپیہ کے اگلوانے کی کوشش کی اور اس کی اراضی منقولہ کو نیلام کر کے

وصولی رقم کا انتظام کیا اور باب عالی میں غبن کی خبر بھیجوا کر نوکری سے موقوف کرایا۔ اس لئے ہندوستان کے جملہ اصحاب جرائد کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس اعلان کو قومی خدمت سمجھکر چار مرتبہ متواتر اپنے اخبارات میں مشتہر فرمائیں۔ اور جس وقت ان کو معلوم ہو کہ فلاں شخص کی معرفت اس قدر روپیہ چندہ کا بھیجا گیا تو اس کو اپنے جریدہ میں مشتہر کرائیں۔ اور نام مع عنوان کے ایسا مفصل لکھیں کہ بشرط ضرورت اس سے خط و کتابت ہو سکے۔ اور ایک پرچہ اس جریدہ کا خاکسار کے پاس بمقام قاہرہ اس پتہ سے روانہ فرمائیں۔

(حافظ عبدالرحمٰن الہندی الامرتسری۔ سکہ جدیدہ۔ وکالہ صالح آفندی۔ قاہرہ۔ ملک مصر)"

اس خبر کے شائع ہونے پر جو کچھ ذلت اور ندامت ان مولویوں اور ایڈیٹران اخبار کو ہوئی جنہوں نے حسین کامی بک کو آسمان پر چڑھایا تھا اور اس کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب پر بُری طرح برسے تھے وہ بیان سے باہر ہے۔ اور خاکسار مؤلف بھی حیران ہی رہ گیا کیونکہ حسین کامی بک صورت سے تو واقعی ایک مقدس فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اُسے دیکھ کر کبھی ایک منٹ کیلئے بھی یہ واہمہ تک نہیں دل میں گزرتا تھا کہ اس کی سرشت میں بقول حضرت مرزا صاحب نفاق کی رنگ آمیزی ہوگی اور یہ ایک بددیانت اور خائن آدمی ہے۔ حضرت اقدس کے اشتہار پر خود مجھے بہت تعجب اور دل کو انقباض ہوا تھا کہ آپ نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ اس شخص میں نفاق ہے اور یہ بددیانت آدمی ہے۔ لیکن جب کورہ بالا خبر اخباروں میں نکلی تو یہی واقعہ دل کے انشراح اور ایمان کی زیادتی کا موجب ہو گیا اور ماننا پڑا کہ واقعی وہ فراست کی روشنی جس سے حضرت مرزا صاحب نے اس کی سرشت کو پہچانا تھا وہ خدا کی طرف سے تھی۔ انسان اپنے قیاس سے اس کی شکل دیکھ کر قطعاً یہ اندازہ لگا نہ سکتا تھا۔ اور دیکھ لو آخر ہزارہا مسلمان اچھے پڑھے لکھے سمجھدار اُس کی شکل سے دھوکا کھا گئے۔ مگر وہ شخص جس کی آنکھوں کو خدا نے نورِ فراست اور دل کو الہام کی روشنی بخشی تھی اُس کی نظر خطا نہ گئی اور حسین کامی کے خبثِ اندرونی کو پہچان لیا اور جو کچھ آپ نے لکھا تھا لفظاً لفظاً پُورا ہوا۔ نہ صرف حسین کامی کے متعلق بلکہ ترکی گورنمنٹ کے متعلق بھی ساری باتیں اُسی طرح پُوری ہوئیں جس طرح آپ نے لکھی تھیں۔

رومی سلطنت کے شیرازہ کے دھاگے ٹوٹنے اور غداروں کی سرشت ظاہر ہونے کی پیشگوئی

ذرا آپ کا یہ فقرہ دوبارہ غور سے پڑھو:۔

"کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو کچھ میں نے رُومی سلطنت کے اندرونی نظام کی نسبت بیان کیا وہ دراصل صحیح ہو اور ترکی گورنمنٹ کے شیرازہ میں ایسے دھاگے بھی ہوں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غدّاری سرشت ظاہر کرنیوالے ہوں" (اشتہار ۲۵۔ جون ۱۸۹۷ء)

پھر اس فقرہ کو بھی پڑھو:۔

"سلطان روم کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں ہے۔ اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔ اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ اس کا انجام اچھا نہیں"

(اشتہار ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء)

پھر کیا یہ سچ نہیں کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات کے بعد ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کی حکومت کے شیرازہ کے دھاگے کس بُری طرح ٹوٹے اور غدّاری سرشت رکھنے والے ارکان نے کس طرح حکومت کا تختہ پلٹ دیا۔ اور سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول کر کے قید کر دیا اور وہ جو حضرت مرزا صاحب نے سلطان روم کی نسبت فرمایا تھا کہ ان حالتوں کے ساتھ اس کا انجام اچھا نہیں وہ کیسا لفظ بہ لفظ صحیح ثابت ہوا سلطان محمد خامس کو اس کی جگہ بٹھایا گیا مگر وہ ایک کٹھ پتلی کی طرح بادشاہ گروں کے ہاتھ میں تھا سلطنت ٹرکی کی اس حالت زار سے خود حضرت اقدس کو سخت درد اور رقت ہوتی تھی۔ جیسا کہ وہ سلطنت ٹرکی کے متعلق ۵ جون ۱۸۹۷ء کے اشتہار میں اپنے الہامات لکھکر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"خود اُن کے مفہوم کے خوفناک اثر سے ہمارے دل پر ایک عجیب رقت اور درد طاری ہوتی ہے"

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطنت ٹرکی کو "ایک اسلامی سلطنت" اور "حرمین شریفین کی محافظ اور مسلمانوں کیلئے مغتنمات میں سے" سمجھتے تھے۔ (دیکھو اشتہار ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء)

سلطنت ٹرکی کیلئے دردِ دل سے دعا اور اس کے غالب ہونے کی پیشگوئی

چنانچہ اس سلطنت کی حالت زار پر جو درد اور رقت آپ پر طاری ہوئی اُس نے آپ سے اس معاملہ میں نہ معلوم کس قدر دعائیں کروائیں جن کے جواب میں جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو یہ الہام ہوا کہ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ کہ روم مغلوب ہو گیا ساتھ کی زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے پیچھے عنقریب غالب ہو جائے گا" آپ نے اس الہام کو فوراً شائع کر دیا۔ اس پیشگوئی میں دراصل دو پیشگوئیاں تھیں۔ ایک تو یہ کہ روم یعنی ٹرکی کی حالت جو حضرت اقدس کے وقت میں تھی ابھی اُس سے بھی زیادہ بُری ہونے کو تھی یہاں تک کہ ایک وقت آنے کو تھا جب اُس نے بکلی مغلوب ہو جانا تھا اور دوسری پیشگوئی یہ تھی کہ اس مغلوبیت کی انتہائی حالت پر پہنچ جانے کے باوجود جب اُس کی حالت پر ہر طرف یاس چھا جائیگی ایک اعجازی رنگ میں پھر اُسے غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سلطنت ٹرکی کی حالت دن بدن گرتی گئی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کی مغلوبیت انتہا کو پہنچ گئی۔ اور خاص اس کے دارالسلطنت

قسطنطنیہ پر دول یورپ کا قبضہ ہو گیا اور اُن سب کی یہ صلاح ہوئی کہ ایشیا کوچک کا تمام علاقہ سلطنت یونان کو دیدیا جائے۔ چنانچہ عملی طور پر یونانی تمام علاقہ پر قابض بھی ہو گئے۔ جسے دیکھ کر قسطنطنیہ میں ساری ترکی قوم نے ایک دن مقرر کر کے اپنی مری ہوئی سلطنت پر نوحہ اور ماتم کیا۔ تب خدا نے اس پیشگوئی کے دوسرے حصہ کا ظہور ایک عجیب خارق عادت رنگ میں شروع کیا۔ اور وہ اس طرح کہ مصطفےٰ کمال اور ویسے ہی چند مخلصین قوم پرست ترکوں کے دلوں میں ہمت اور حوصلہ پیدا کیا اور وہ خفیہ طور پر قسطنطنیہ سے نکل کر ایشیا کوچک میں آ گئے اور یہاں اپنی منتشر افواج کو جمع کر کے یونانیوں پر اس طرح حملے شروع کر دیئے کہ باایں ہمہ کہ اُنکی پشت پر اٹلی اور انگلستان اور فرانس تھے مگر اُن کو وہ تاڑ توڑ شکستیں ہوئیں کہ اپنا بوریا بستر سنبھال کر وہ علاقہ خالی کر کے چلتے ہوئے۔ اور یورپ کا سب سے اہم علاقہ قسطنطنیہ اور ایڈریانوپل اور آبنائے ڈارڈانلز وغیرہ کا جو تمام سلطنت ٹرکی کے لئے بمنزلہ جان کے تھا سب واپس ترکوں کو مل گیا۔ اور انگورہ دارالسلطنت مقرر کر کے ترکوں نے دوبارہ اپنی سلطنت پہلے سے زیادہ منظم اور محکم قائم کر لی۔ مغلوب ہوئے پیچھے یہ دوبارہ غلبہ محض خدا کے فضل سے تھا اور اُس مرد خدا کی دعاؤں کا اثر تھا جس کے دل کے درد نے ان افضال الٰہیہ کو جذب کیا۔ یہ سچ ہے کہ بظاہر نظر سلطنت ٹرکی کی دوبارہ زندگی کا موجب مصطفےٰ کمال پاشا کی جدوجہد ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ لیکن ہر ایک مسلمان جانتا ہے کہ کوئی کام دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوتا جبتک پہلے اُس کا فیصلہ آسمان پر نہ ہو۔ خدا کے فضل کا اس رنگ میں ظاہر ہونا کہ مری ہوئی ترکی سلطنت دوبارہ زندہ ہو گئی۔ یہ درحقیقت مرد کامل مرزا غلام احمد مسیح محمدی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جو آپ نے اس سلطنت کی تباہی کو دیکھتے ہوئے جناب الٰہی میں کی تھیں اور جس کے متعلق قبل از وقت بذریعہ الہام جناب الٰہی نے آپ کو بشارت دی تھی کہ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون کہ اگرچہ ٹرکی کی مغلوبیت انتہائی حالت کو پہنچ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ پھر اُسے غلبہ دیگا اور نئے سرے سے زندگی بخشے گا۔ مصطفےٰ کمال اور اس کے احباب کی جدوجہد بیشک اسباب ظاہری تھے لیکن باطنی و حقیقی سبب پس پردہ مجدد صدچہاردھم کی دعائیں تھیں جنہوں نے جناب الٰہی کے فضل کو جذب کیا[1]

---

[1] اس حقیقت سے جو اس مصرعہ میں بتائی گئی ہے کہ ع "دعائیں مردِ مومن کی بدل دیتی ہیں تقدیریں"۔ اسلامی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ اسی ترکی قوم کے مشہور فاتح سلطان محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو بظاہر نظر اس شہر کے سر ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ مگر ایک بزرگ شاہ شمس الدین صاحب علیحدہ ایک خیمہ میں دعائیں (باقی برصفحہ ۵۱۰)

چودھویں صدی والے بزرگ کی توبہ اب اس بزرگ کا حال بھی سُن لیجئے جس نے حضرت مرزا صاحب کی تحریر کو جو حسین کامی کے متعلق تھی سُن کر یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس دَرد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اور جسے "چودھویں صدی" اخبار نے اپنی ۱۵۔ جون ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں بڑی آب و تاب سے چھاپا تھا۔ مَیں لکھ چکا ہوں کہ اس بزرگ کے اس شعر پڑھنے سے حضرت اقدس کے دل کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ جس سے

(بقیہ صفحہ ۵۰۹) ہمہ تن منہمک تھے اور اپنے خیمہ پر پہرہ نگار رکھا تھا کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے۔ دفعۃً جنگ کی حالت نازک ہوگئی اور ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ ہراول شکست کا خطرہ تھا۔ سلطان نے سپاہی بھیجا کہ حضرت شاہ صاحب کو جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچا دو۔ لیکن سر بسجود شاہ صاحب نے ایک نہ سُنی برابر دعا میں لگے رہے جب سجدہ سے سر اُٹھایا تو الحمد للہ کہتے ہوئے سر اُٹھایا اور فرمایا کہ شہر فتح ہوگیا۔ وہ سپاہی حیران تھا کہ مَیں شکست کی حالت چھوڑ آیا ہوں اور یہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ فتح ہوگئی کہ اتنے میں دوسرا سپاہی آیا اُس نے آکر عرض کیا کہ شہر فتح ہوگیا ہے اور سلطان نے عرض کیا ہے کہ آپ شہر میں تشریف لاکر آیا صوفیہ میں خطبہ پڑھیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ کہدو کہ ہم جاتے ہیں ہمارا کام ختم ہوچکا۔ آنحضرت صلعم نے اس شہر قسطنطنیہ کا فاتح جس امیر کو بطور پیشگوئی فرمایا ہے اس کو اپنا ہمنام بتایا ہے۔ پس اس شہر کے فاتح سلطان محمدؒ ہیں۔ مجھے اس شہر میں داخل ہونیکا حکم نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بزرگ رخصت ہوگئے۔ دنیا نے سلطان محمد ثانی کو فاتح جانا اور یہ بظاہر اسباب ٹھیک تھا لیکن باطنی سبب حضرت شاہ شمس الدین صاحب کی دعائیں تھیں + اسی طرح پرتھی راج اور شہاب الدین غوری کی لڑائی میں جب پرتھی راج نے ہاتھیوں کی صفوں کو شہاب الدین غوری کی فوج پر ریلا ہے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ نے جو میدان جنگ میں موجود تھے محسوس کیا کہ اس کالی آندھی کا زور اگر کوئی توڑ سکتا ہے تو وہ خود خدا ہے مٹھی بھر مسلمانوں کی فوج اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ آپ فوراً علیحدہ ہوکر سجدہ میں گرے اور دعا میں منہمک ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتھی راج کا ہاتھی دلدل میں پھنس گیا اور اسے مجبوراً ہاتھی سے اُترنا پڑا۔ ہاتھی کا ہودج خالی دیکھ کر فوج کو خیال ہوا کہ پرتھی راج مارا گیا۔ بس پھر کیا تھا فوج میں بھاگڑ پڑی اور وہی ہاتھی جو مسلمانوں کی فوج کو پیروں میں روندنے کیلئے حملہ آور ہوئے تھے خود اپنی فوج کو روندتے ہوئے واپس بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ سومنات کی فتح بھی سلطان محمود غزنوی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ جب مختلف راجاؤں کی کثیر التعداد فوجیں سامنے آکر جمع ہوئیں اور بظاہر نظر آتا تھا کہ مٹھی بھر مسلمانوں کا ایک ایک فرد آج ذبح کردیا جائے گا تو سلطان محمود گھوڑے سے اُتر کر زمین پر سجدہ میں گرا اور نہایت درد سے جناب الٰہی کے حضور میں گڑگڑا کر دعا کی تو اجپوتوں کی پرانی دشمنیاں جاگ اُٹھیں اور وہ آپس میں ہی لڑ کر فنا ہوگئے۔ اور خدا نے مسلمانوں کو فتح بخشی۔ رات کو رؤیا میں سلطان محمود نے اپنے مرشد حضرت ابوالحسن خرقانی کو دیکھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ محمود۔ افسوس ہے کہ ایسی اضطراری حالت اور اس قدر قبولیت کے وقت میں تو نے کتنی ذرا سی چیز خدا سے مانگی (یعنی صرف اپنی فتح) کاش کہ تو اس وقت یہ دعا کرتا کہ خدایا سارا ہندوستان مسلمان ہوجائے تو یہ بھی ہوجاتا" اسی طرح پنجاب سے سکھوں کی سلطنت کا مٹ جانا بظاہر اسباب انگریزوں کے ہاتھوں ہوا۔ لیکن دراصل اس کا باطنی سبب حضرت سید احمد صاحب بریلوی مجدد عہد سیزدہم کی دعائیں تھیں۔

(مؤلف)

اثر پذیر ہو کر آپ نے ۲۵ جون ۱۸۹۷ء والا اشتہار شائع کیا تھا۔ اس میں جہاں آپ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم سلطان روم کی عزّت کرتے ہیں اور ترکی سلطنت کی بقا کے دل سے متمنّی ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ خلاف لکھا ہے وہ حسین کامی جیسے بددیانت اور غدار عمّال ترکی کی نسبت لکھا ہے۔ وہاں اس اشتہار کا ایک حصّہ اس چودھویں صدی کے اخبار والے بزرگ کے متعلق بھی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن ایک عجیب بات ہے کہ جس کا اس وقت ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ جب یہ اخبار چودھویں صدی میرے روبرو پڑھا گیا تو میری رُوح نے اس مقام میں بددعا کیلئے حرکت کی جہاں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے جب یہ اشتہار (یعنی اس عاجز کا اشتہار) پڑھا تو بیساختہ اُن کے منہ سے یہ شعر نکل گیا۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ✦ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

مَیں نے ہر چند اس روحی حرکت کو روکا اور دبایا۔ اور بار بار کوشش کی کہ یہ بات میری رُوح میں سے نکل جائے مگر وہ نکل نہ سکی۔ تب مَیں نے سمجھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے تب مَیں نے اُس شخص کے بارے میں دعا کی جس کو "بزرگ" کے لفظ سے اخبار میں لکھا گیا ہے۔ اور مَیں جانتا ہوں کہ وہ دعا قبول ہو گئی۔ اور وہ دعا یہ ہے کہ یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ مَیں کذاب ہوں اور تیری طرف سے نہیں ہوں اور جیسا کہ میری نسبت کہا گیا ہے ملعون اور مردود ہوں اور کاذب ہوں اور تجھ سے میرا تعلق اور تیرا مجھ سے نہیں تو مَیں تیری جناب میں عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ہلاک کر ڈال۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ مَیں تیری طرف سے ہوں اور تیرا بھیجا ہُوا ہوں اور مسیح موعود ہوں تو اس شخص کے پردے پھاڑ دے جو بزرگ کے نام سے اس اخبار میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس عرصہ میں قادیان میں آکر مجمع عام میں توبہ کرے تو اُسے معاف فرما کہ تو رحیم و کریم ہے۔

یہ دعا ہے جو مَیں نے اُس بزرگ کے حق میں کی۔ مگر مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور کس مذہب اور کس قوم کے ہیں جنہوں نے مجھے کذاب ٹھیرا کر میری پردہ دری کی پیشگوئی کی۔ اور نہ مجھے جاننے کی کچھ ضرورت ہے مگر اس شخص کے اس کلمہ سے میرے دل کو دکھ پہنچا اور ایک جوش پیدا ہُوا تب مَیں نے دعا کر دی اور یکم جولائی ۱۸۹۷ء سے یکم جولائی ۱۸۹۸ء تک اس کا فیصلہ کرنا خدا تعالیٰ سے مانگا۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہی ایک لگن لگی ہوئی تھی کہ حق ظاہر ہو اور جو کچھ تھا حق پرستی کی خاطر تھا نہ کہ اپنے نفس کیلئے۔ فرماتے ہیں :-

"اگر میں سچا ہوں تو اس بزرگ کی خدا تعالیٰ سے ایسے طور سے پردہ دری چاہتا ہوں جو بطور نشان ہو اور جس سے سچائی کو مدد ملے۔ ورنہ لعنتی زندگی سے میرا مرنا بہتر ہے۔ میرے صادق یا کاذب ہونے کا یہ آخری معیار ہے جس کو فیصلۂ ناطق کی طرح سمجھنا چاہئے"

اس اشتہار کے نکلنے کے بعد اس چودھویں صدی والے بزرگ کو کچھ ایسے آثار نظر آئے جس سے اُس کی سخت پردہ دری ہونے کا احتمال تھا۔ چونکہ وہ ایک سعید الفطرت انسان تھا۔ اور بعض غلط فہمیوں کے ماتحت جیسا کہ اُس نے اپنے خط میں بھی ظاہر کیا ہے اُس کے منہ سے وہ شعر نکل گیا تھا۔ اس لئے اپنی پردہ دری کے آثار نظر آنے پر وہ بزرگ متنبہ ہو گیا۔ اور ایک خط کے ذریعہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے نہایت عجز و الحاح کے ساتھ معافی مانگی۔ یہ خط اس بزرگ نے ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو تحریر کیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں ارسال کیا۔ میں اس خط میں سے کچھ اقتباس یہاں پیش کرتا ہوں پہلے تو عنوان قائم کیا ہے :-

"اخبار چودھویں صدی والا مجرم"

پھر لکھتے ہیں :-

"سیدی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

ایک خطا کار اپنی غلط کاری سے اعتراف کرتا ہے (اس نیاز نامہ کے ذریعہ سے) قادیان کے مبارک مقام پر رگویا) حاضر ہو کر آپ کے رحم کا خواستگار ہوتا ہے۔ یکم جولائی ۹۷ء سے یکم جولائی ۹۸ء تک جو اس گنہگار کو مہلت دی گئی۔ اب آسمانی بادشاہت میں آپ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مجرم قرار دیتا ہے (اس موقعہ پر مجھے القا ہوا کہ جس طرح آپکی دعا مقبول ہوئی۔ میری التجا و عاجزی قبول ہو کر حضرت اقدس کے حضور سے معافی و رہائی دی گئی) مجھے اب زیادہ معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اس قدر ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں ابتدا سے آپ کی اس دعوت پر بہت غور سے جویائے حال رہتا رہا۔ اور میری تحقیق ایمانداری و صاف دلی پر مبنی تھی۔ حتیٰ کہ (۹۰) فیصدی یقین کا مدارج پہنچ گیا۔

(۱) آپ کے شہر کے آریہ مخالفوں نے گواہی دی کہ آپ بچپن سے صادق و پاکباز تھے۔

(۲) آپ جوانی سے اپنے تمام اوقات خدائے واحد حی و قیوم کی عبادت میں لگاتار صرف

فرماتے رہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

(۳) آپ کا حسن بیان تمام عالمان ربانی سے صاف صاف علیحدہ نظر آتا ہے۔ آپ کی تمام تصنیفات میں ایک زندہ روح ہے (فیھا ھدًی و نور)

(۴) آپ کا مشن کسی فساد اور گورنمنٹ موجودہ کی (جو تمام حالات سے اطاعت و شکر گزاری کے قابل ہے) بغاوت کی راہ نمائی نہیں کرتا۔ ان اللہ لا یحب فی الارض الفساد۔

حتّٰی کہ میرے بہت سے مہربان دوستوں نے جو اُن سے آپ کے معاملات پر میں ہمیشہ بحث کرتا رہتا تھا۔ مجھے ..... خطاب سے مخاطب کیا"

اس کے بعد اُس بزرگ نے وہ غلط فہمیاں بیان کی ہیں جو عارضی طور پر حضرت اقدس کے متعلق اُسے پیدا ہوگئی تھیں اور جن کی وجہ سے وہ شعر اُس کی زبان سے نکلا تھا۔ لیکن وہ غلط فہمیاں آخر کار آپ کی تصنیفات پڑھ کر اور استبصار کی توضیح دیکھ کر دُور ہوگئیں۔ اور اب چونکہ اُس بزرگ کو ایسے آثار نظر آنے لگے جن سے پردہ دری کا خوف تھا۔ اس لئے اس بزرگ نے فوراً توبہ کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

"مگر یہ صرف میرا دلی خیال ہی نہیں رہا بلکہ اُس کا ظاہری اثر محسوس ہونے لگا۔ کچھ بناہیں ایسی خارج میں پڑنے لگیں جس سے ہیں ..... (اعوذ باللہ) مصداق ہو جانے لگا (یعنی آثار خوف ظاہر ہوئے) چودہ سو برس ہوئے کو آتے ہیں کہ خدا کے ایک برگزیدہ کے منہ سے یہ لفظ ہماری[1] قوم کے حق میں نکلے تو کیا قدرت کو ہباءً منثورا کرنے کا خیال ہے (تُبتُ الیک یا ربّ) کہ پھر ایک مقبول الٰہی کے مُنہ سے وہی کلمہ سُن کر مجھے کچھ خیال نہ ہو۔ پس یہ ظاہری خطرات مجھ کو اس خط کے تحریر کرتے وقت سب کے سب اُڑتے ہوئے دکھائی دیئے (جن کی تفصیل پھر کبھی کروں گا) اس وقت تو میں ایک مجرم گنہگاروں کی طرح آپ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔

[1] حضرت اقدس نے تو عفو و درگزاری سے کام لیکر خط کے ذریعہ نام کا علم ہو جانے پر بھی ان چودھویں صدی والے بزرگ کا نام نہیں لیا۔ لیکن چونکہ وہ عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں اس لئے مجھے اب ان کا نام لے دینے میں احتراز نہ ہونا چاہئے۔ وہ بزرگ راجہ جہانداد خاں صاحب چیف آف گکھڑ تھے۔ یہاں ہماری قوم کے حق میں جن الفاظ کے نکلنے کا ذکر انہوں نے کیا ہے وہ دراصل حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے ان الفاظ کی طرف اشارہ ہے جو حضور نے کسرائے ایران کے متعلق فرمائے تھے۔ اور جن کے مطابق کسریٰ ہلاک ہوگیا اور اس کی قوم تباہ ہو کر ایران سے جلاوطن ہوگئی۔ راولپنڈی کے ضلع میں جو گکھڑ قوم آباد ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم انہی ایرانیوں کی اولاد میں۔ پس راجہ صاحب نے یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہماری قوم کے جد اعلیٰ اور بادشاہ ایران نے خدا کے ایک مقبول کی مخالفت کر کے کیا پھل پایا جو آپ میں پھر خدا کے ایک مقبول کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالوں۔ (مؤلف)

(مجھ کو حاضر ہونے میں بھی کچھ عذر نہیں مگر بعض حالات میں ظاہری حاضری سے معاف کیا جانے کا مستحق ہوں) اور شاید جولائی ۱۸۹۸ء سے پہلے حاضر ہی ہو جاؤں۔ امید کہ بارگاہ قدس سے بھی آپ کو راضی نامہ دینے کے لئے تحریک فرمائی جائے کہ نسی ولم نجد لہ عزما۔ قانون کا بھی یہی اصول ہے کہ جو جرم عمداً و جان بوجھ کر نہ کیا جائے وہ قابل راضی نامہ و معافی کے ہوتا ہے فاعفوا واصفحوا ان اللہ یحب المحسنین۔ میں ہوں حضور کا مجرم

(دستخط بزرگ)

راولپنڈی۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء"

حضرت اقدس نے اس خط کو ایک اشتہار کی شکل میں جس کا عنوان تھا "اخبار چودھویں صدی والے بزرگ کی توبہ" ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۷ء کو شائع فرمایا۔ اور نہایت خوشی کے ساتھ معافی دیدی۔ چنانچہ اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ اس بزرگ کی خطا کو معاف کرے اور اس سے راضی ہو۔ میں اس سے راضی ہوں اور اس کو معافی دیتا ہوں۔ چاہئے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک شخص اس کے حق میں دعائے خیر کرے"

اس اشتہار میں آپ نے اس واقعہ کو آتھم کے واقعہ سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں اس جگہ یہ بات ظاہر کرنے کے لائق ہے کہ ڈپٹی آتھم کی نسبت جو کچھ شرطی طور پر بیان کیا گیا تھا وہ بیان بالکل اُس بیان سے مشابہ ہے جو اس بزرگ کی نسبت کیا گیا یعنی جیسے کہ اُس عذابی پیشگوئی میں ایک شرط رکھی گئی تھی۔ ویسے ہی اس میں بھی ایک شرط تھی۔ اور ان دونو شخصوں میں فرق یہ ہے کہ یہ بزرگ۔ ایمانی روشنی اپنے اندر رکھتا تھا اور سچ سے محبت کرنے کی سعادت اس کے جوہر میں تھی لہذا اس نے آثار خوف دیکھ کر اور خدا تعالیٰ سے الہام پاکر اس کو پوشیدہ کرنا نہ چاہا اور نہایت تذلل اور انکسار سے جہاں تک کہ انسان تذلل کر سکتا ہے تمام حالات صفائی سے لکھ کر اپنا معذرت نامہ بھیجوا دیا۔ مگر آتھم چونکہ نور ایمان اور جوہر سعادت سے بے بہرہ تھا اس لئے باوجود سخت خوفناک اور ہراسان ہونے کے بھی یہ سعادت اُس کو میسر نہ آئی الخ"

سارا اشتہار پڑھنے کے لائق ہے اور آپ کی تصنیف ایام الصلح اُردو کے ساتھ شائع شدہ موجود ہے۔

ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کو تبلیغ

تحفۂ قیصریہ و ستارۂ قیصریہ کی تصنیف و اشاعت

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا اور تمام زمانوں کے لئے رسول ہو کر آئے تھے اس لئے آپ نے اپنے زمانہ میں قیصر روم۔ بادشاہ ایران۔ بادشاہ مصر۔ بادشاہ حبش۔ ملک غسان وغیرہ شاہان زمانہ کو تبلیغی خطوط بھیجے اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ حضرت مرزا صاحب بھی چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم اور خلیفہ ہونے کے مدعی تھے۔ اس لئے آپ کے دل میں بھی یہ تڑپ تھی کہ اسلام کا پیغام ہر ایک قوم تک پہنچایا جائے۔ سلاطین زمانہ میں سے ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا آپ کو خاص خیال تھا جیسا کہ اپنی عربی کتاب نور الحق میں جو ۱۸۹۴ء میں شائع فرمائی آپ اپنا یہ خیال نہایت وضاحت سے تحریر فرما بھی چکے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ سلطنت برطانیہ کی رعیت تھے۔ اور سکھوں کے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد سے بھری ہوئی سلطنت کے بعد جس میں مذہبی آزادی مفقود ہو گئی تھی سلطنت برطانیہ کے امن و انصاف اور مذہبی آزادی کو آپ غنیمت جانتے اور نظر استحسان سے دیکھتے تھے۔ اس لئے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے ماتحت آپ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ کسی طرح ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کو جو سلطنت برطانیہ کی بادشاہ تھیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ ویسے بھی ملکہ وکٹوریہ بہت سعید الفطرت واقع ہوئی تھیں۔ ۱۸۹۷ء میں ان کو سلطنت کرتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے تھے اسلئے جون ۱۸۹۷ء میں ان کی ڈائمنڈ جوبلی بڑی دھوم سے منائی جانے کو تھی۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب رعیت کی طرف سے اگر ذرا بھی حکومت کی خوشیوں میں شرکت نہ کی جاتی تو ایسا شخص ایک قسم کا باغی سمجھا جاتا تھا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو تو ان کے دعوئ مہدویت کی وجہ سے ویسے بھی گورنمنٹ برطانیہ نہایت مشتبہ نظروں سے دیکھتی تھی۔ چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک خفیہ پولیس کا آدمی سفید کپڑوں میں قادیان میں رہا کرتا تھا۔ اور ہر ایک شخص جو حضرت مرزا صاحب سے ملنے آتا تھا وہ اُس کا نام اور پتہ لکھ لیا کرتا تھا۔ اور گورنمنٹ کو خفیہ طور سے اطلاع دیتا رہتا تھا۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے قلب میں گورنمنٹ کے خلاف قطعاً کوئی بغاوت کا خیال نہ تھا۔ وہ تلوار اور بغاوت سے اسلام کی اشاعت کو اسلام پر ایک بہتان عظیم سمجھتے تھے اُنہوں نے اس خفیہ پولیس کے آدمی کو

اپنی صفائی کے لئے بہت اچھا جانا۔ چنانچہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی مشورہ کرنا ہوتا اور احباب جمع ہوتے تو خاص طور سے اس خفیہ پولیس کے آدمی کو بھی بلوا لیتے تاکہ وہ بھی اچھی طرح اپنی تسلی کرلے کہ یہاں کوئی دورنگی یا منافقت نہیں۔ ڈائمنڈ جوبلی کی تقریب جو آئی تو ہندوستان میں ہر ایک مسلم اور غیر مسلم جماعت اور سوسائٹی نے مبارکبادی کے جلسے کئے۔ ان حالات میں آپ نے بھی مناسب سمجھا کہ ایک جلسہ مبارکبادی کا اس تقریب پر کیا جائے +

کتاب تحفہ قیصریہ کی اشاعت

لیکن آپ کا قاعدہ تھا کہ ہر ایک امر میں اپنے تبلیغ اور دعوت اسلام کا پہلو ضرور نکال لیتے تھے۔ ڈائمنڈ جوبلی کی اس تقریب کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ نے قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریہ کو تبلیغ کرنی چاہی اور اس مقصد کے لئے آپ نے ایک رسالہ "تحفہ قیصریہ" کے نام سے تصنیف کرکے ۲۵ مئی ۱۸۹۷ء کو شائع کیا جس میں پہلے تو آپ نے ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کو ڈائمنڈ جوبلی کی مبارکباد دیتے ہوئے لکھا کہ جس طرح ہمارے سید و آقا حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے زمانہ میں نوشیروان عادل کے زمانہ پر فخر کیا تھا میں بھی اپنے زمانہ کی عادل ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ پر فخر کرتا ہوں۔ پھر آپ نے اپنا اور اپنے خاندان کا تعارف کرایا اس کے بعد مذہبی تبلیغ نہایت احسن طریق پر فرمائی۔ پہلے تو یہ اصول بتایا کہ تمام انبیا توحید کی تعلیم ہی لائے تھے۔ مرور زمانہ سے شرک اُن میں مل گیا ورنہ کوئی مشرکانہ تعلیم کسی نبی کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد دوسرا اصول یہ قائم کیا کہ جھوٹے نبی کو خدا مہلت نہیں دیتا۔ اس لئے جس قدر انبیا دنیا میں آئے اور جنہیں دنیا کے ایک معتدبہ حصہ نے نبی مانا ان کو منجانب اللہ ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ اور یہی تعلیم دنیا میں ایک عالمگیر اور امن پھیلانے والا مذہب دے سکتی ہے کہ وہ ہر ایک قوم میں نبی کے وجود کو تسلیم کرے۔ اور کسی قوم کے مسلّمہ بزرگ کو جھوٹا کہنے کیلئے اپنے پیروؤں کو مجبور نہ کرے۔ اس عقیدہ سے دنیا کی مختلف قوموں میں محبت اور اتحاد پیدا ہوسکتا ہے اور ایک عالمگیر اخوت کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے۔ اور یہ اصول دنیا میں اگر کسی الہامی کتاب نے سکھایا ہے تو وہ فقط قرآن کریم ہے۔ اور اس لئے یہی ایک کتاب ہے جس نے ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ تیسرا اصول یہ بتلایا کہ ایک سچے اور منجانب اللہ انسان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ خدا کی دائمی تائیدوں کا سلسلہ اسکے شامل حال ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ خدا کی تائیدوں کا سلسلہ برابر ہر زمانہ میں چلتا رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں میرے ذریعہ اسلام کی تائید میں نصرت الٰہیہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو بھی نشان دکھا سکتا ہوں۔ مگر نشان کا تعین کرنا آپ کا یا کسی انسان کا

بھی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کا کام ہے کہ وہ جو چاہے نشان دکھائے۔ ہاں وہ ایک بشارت کا نشان گا مگر اس کے بعد ضروری ہوگا کہ حضور ملکہ وکٹوریہ میرے پیغام کو قبول کریں اور میری سفارت جو یسوع مسیح کی طرف سے ہے اس کے موافق ملک میں عملدرآمد کراویں۔ اور وہ پیغام یہ تھا کہ کشفی حالت میں یسوع مسیح نے مجھے خود بتلایا ہے کہ میں اس تثلیثی عقیدۂ مذہب نصاریٰ سے بیزار ہوں اور یہ کفارہ اور تثلیث اور ابنیت کا عقیدہ ایک افترا ہے جو مجھ پر کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح کے اس پیغام کے متعلق میں آپ کی اصل عبارت بھی نقل کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"اور خدا کی عجیب باتوں میں سے جو مجھے ملی ہیں ایک یہ بھی ہے جو میں نے عین بیداری میں جو کشفی بیداری کہلاتی ہے یسوع مسیح سے کئی دفعہ ملاقات کی ہے۔ اور اُس سے باتیں کر کے اُس کے اصل دعوے اور تعلیم کا حال دریافت کیا ہے۔ یہ ایک بڑی بات ہے جو توجہ کے لائق ہے کہ حضرت یسوع مسیح ان چند عقائد سے جو کفارہ اور تثلیث اور ابنیت ہے ایسے متنفر پائے جاتے ہیں کہ گویا ایک بھاری افترا جو اُن پر کیا گیا ہے وہ یہی ہے۔ یہ مکاشفہ کی شہادت بے دلیل نہیں ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق نیت کی صفائی سے ایک مدت تک میرے پاس رہے اور وہ حضرت مسیح کو کشفی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ اور دعا کی برکت سے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے اُن سے باتیں بھی کر سکتا ہے اور میری نسبت اُن سے گواہی بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس کی روح میں بروز کے طور پر یسوع مسیح کی رُوح سکونت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جو حضرت ملکۂ معظمہ قیصرۂ انگلستان و ہند کی خدمتِ عالیہ میں پیش کرنے کے لائق ہے۔" (تحفہ قیصریہ صفحہ ۱۶)

پھر اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ یسوع مسیح کی نسبت "ملعون" ہونیکا عقیدہ ایک نہایت گندہ اور خطرناک عقیدہ ہے۔ یہودیوں نے تو دشمنی اور شرارت سے "ملعون" کا لفظ ان کیلئے استعمال کیا تھا مگر عیسائیوں نے فرطِ محبت اور غلو کے ماتحت وہی ملعون کا لفظ اُن کیلئے استعمال کیا اور اُس سے کفارہ کا عقیدہ نکالا۔ اور نہ سمجھا کہ ملعون کے معنے تو ہیں ایسا شخص جو خدا سے دور اور برگشتہ ہو اور بے ایمانی اس کے قلب میں رچ جائے اور وہ خدا کا دشمن اور خدا اُس کا دشمن ہو جائے۔ اور اسی لئے شیطان کے متعلق یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو پھر ایسا بُرا مفہوم رکھنے والا لفظ یسوع مسیح جیسے خدا کے برگزیدہ اور پاک دل انسان پر بولنا خواہ وہ یہودیوں کی طرف سے بولا جائے یا عیسائیوں کی طرف سے نہایت ناپاک بات ہے جس کے خیال سے ہی دل پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ پس یہ ایک ایسی فاحش غلطی ہے

جس کی اصلاح ملکۂ معظمہ وکٹوریہ پر فرض ہے تاکہ خدا کے برگزیدہ حضرت عیسیٰ کی عزت کو اس ناپاک عقیدہ کی زد سے بچایا جائے۔ پس اس شصت سالہ جوبلی کے موقعہ پر حضور ملکۂ وکٹوریہ اُس یسوع مسیح کو چھوڑ دیں جو عیسائی پادریوں نے پیش کیا ہے جس کے متعلق عیسائیوں نے یہ غلط عقیدہ تراش ہے کہ وہ ملعون ہو کر کفارہ ہوا۔ بلکہ اُس مسیح کو اختیار کریں جو اسلام نے پیش کیا ہے کہ وہ ایک برگزیدہ نبی تھا اور خدا کا مقرب تھا اور کبھی بھی کسی وقت ملعون نہیں ہوا کہ یسوع مسیح کی اصل عزت اسی میں ہے۔

اسکے بعد آپنے اسلام کی تعلیم کو پیش فرمایا اور اس کی فوقیت اور برتری عیسائیت کی تعلیم پر دکھلائی اور بتایا کہ پادریوں نے اسلام کی جو تصویر یورپ میں پیش کی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اسلام کے متعلق ان کی کتابوں کی مثال اس طرح دیتے ہیں:-

"پادریوں کی کتابیں جن میں وہ دوسرے مذاہب کا ذکر کرتے ہیں اس کثیف نالی کی طرح ہیں جس کا پانی بہت سی میل کچیل اور خس وخاشاک ساتھ رکھتا ہے۔ پادری صاحبان سچائی کی حقیقت کھولنا نہیں چاہتے بلکہ چھپانا چاہتے ہیں۔ اور اُن کی تحریروں میں تعصب کی ایسی زنگ آمیزی ہے جس کی وجہ سے انگلستان تک مذاہب کی اصل حقیقت پہنچنا مشکل بلکہ محال ہے"

پھر بتایا کہ پادریوں نے اسلام کو ناحق بدنام کر رکھا ہے کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے حالانکہ اسلام کبھی بھی تلوار سے نہیں پھیلا۔ اور نہ آئندہ کبھی تلوار سے پھیلے گا۔ اسلئے کسی تلوار سے اشاعت اسلام کرنے والے مہدی کا عقیدہ غلط ہے۔ بلکہ تلوار جب بھی مسلمانوں نے دین کے بارے میں اُٹھائی دین کی حفاظت کے لئے اُٹھائی نہ کہ اشاعت کے لئے۔ اور اسلام ہمیشہ دلائل عقلیہ ونقلیہ اور اپنی رُوحانیت کی وجہ سے پھیلا۔ اور آئندہ بھی وہ اسی طرح پھیلے گا۔ اور اس حقیقت کو ظاہر کرنے کیلئے بہتر ہوگا کہ حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ خاص لنڈن میں ایک مذہبی جلسہ منعقد فرماویں جس میں تمام مذاہب عالم کو دعوت دی جائے اور وہاں ہر ایک مذہب کا نمائندہ فقط اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور کسی دوسرے کے مذہب پر حملہ نہ کرے۔ پھر حضور ملکہ معظمہ پر یہ امر روشن ہو جائے گا کہ اسلام کیسا سچا اور پاکیزہ مذہب ہے۔ میں یہاں اصل الفاظ نقل کر دیتا ہوں فرماتے ہیں:-

"اگر ایسا ہوا تو یہ جلسہ بھی ہماری ملکہ معظمہ کی طرف سے ہمیشہ کیلئے ایک رُوحانی یادگار ہوگا۔ اور انگلستان جس کے کانوں تک بڑی خیانتوں کے ساتھ اسلامی واقعات پہنچائے گئے ہیں ایک سچے نقشہ پر اطلاع پا جائے گا بلکہ انگلستان کے لوگ ہر ایک مذہب کی سچی فلاسفی سے مطلع ہو جائیں گے"

پھر آخر میں قرآن اور انجیل کی تعلیموں کا فرق دکھلاتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح قرآن عمیق حکمتوں سے پُر ہے۔ اور ہر ایک تعلیم میں انجیل کی نسبت حقیقی نیکی کے سکھلانے کیلئے آگے قدم رکھتا ہے۔ بالخصوص سچے اور غیر متغیر خدا کے دیکھنے کا چراغ تو قرآن ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ دنیا میں نہ آیا ہوتا تو خدا جانے دنیا میں مخلوق پرستی کا عدد کس نمبر تک پہنچ جاتا۔ سو شکر کا مقام ہے کہ خدا کی وحدانیت جو زمین سے گم ہو گئی تھی دوبارہ قائم ہو گئی"

جلسۂ ڈائمنڈ جوبلی اور کتاب تحفۂ قیصریہ کا پیش کش

۲۰۔ جون ۱۸۹۷ء کو قادیان میں بھی ڈائمنڈ جوبلی کی تقریب پر ایک جلسہ کیا گیا۔ جس میں باہر سے بھی احباب تشریف لائے۔ اور گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق مبارکباد کا تار وائسرائے ہند کو بذریعہ تار بھیجا گیا اور کتاب "تحفۂ قیصریہ" کی چند جلدیں نہایت خوبصورت مجلد کرائی گئیں جن میں سے ایک جلد ملکۂ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کی خدمت میں معرفت صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور بھیجی گئی۔ اور ایک ایک جلد وائسرائے ہند اور لفٹننٹ گورنر پنجاب کو بھیجی گئی۔ اس جلسہ میں ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے لئے جو خدا سے دعا کی گئی اور جو ۲۵ جون ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار میں شائع بھی ہوئی اس کا ایک حصہ بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے:۔

"اے قادر توانا! ہم تیری بے انتہا قدرت پر نظر کر کے ایک اور دعا کے لئے تیری جناب میں جرأت کرتے ہیں کہ ہماری محسنہ قیصرۂ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اُس کا خاتمہ کر اے عجیب قدرتوں والے۔ اے عمیق نصرتوں والے! ایسا ہی کر"

اس کا اثر ملکہ وکٹوریہ پر کیا ہوا اس کا علم کسی کو نہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اپنی کوشش تبلیغ کو ترک نہیں کیا۔

ستارۂ قیصریہ کی تصنیف

آپ نے دو سال انتظار کرنے کے بعد پھر ایک اور کتاب تصنیف کی جس کا نام "ستارۂ قیصریہ" رکھا۔ اور جو ۲۴۔ اگست ۱۸۹۹ء کو شائع ہوئی۔ اس میں آپ نے اسی پیغام تحفۂ قیصریہ والے کو دُہرایا ہے۔ درحقیقت وہ ایک قسم کی یاد دہانی ہے۔ اور اس کتاب کو بھی ملکۂ وکٹوریہ کی خدمت میں بھجوایا۔

ولیم قیصر جرمنی کی تصدیق

حضرت اقدس کو تبلیغ کی جو دُھن تھی اُس کے ماتحت آپ کا لٹریچر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کو بھی پہنچا آپ کے دعویٰ الہام کو سُن کر اُس نے تصدیق کی اور کہا کہ میں اس امر کا قائل ہوں کہ خدا کے برگزیدوں کو الہامات ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ مرزا صاحب کو الہام ہوتے ہیں اُن کے

صحیح ہونے میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ آپ نے کتاب تذکرۃ الشہادتین کے عربی حصّہ میں اس کی تعریف لکھی ہے۔

بادشاہ افغانستان کو تبلیغ

حضرت مرزا صاحب نے امیر عبدالرحمان خان بادشاہ افغانستان کو بھی ایک تبلیغی خط لکھا تھا جس میں آپ نے اپنے دعاوی کو کھول کر بیان کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک پٹھان عبدالرحمان خاں نے آپ کی بیعت کی تھی۔ چونکہ افغانستان میں ملّانوں کا زور تھا اور حضرت اقدس پر فتویٰ کفر افغانستان کے مولوی بھی لگا چکے تھے اور وہاں اختلاف عقیدہ پر قتل کر دینا ایک معمولی بات تھی۔ اس لئے عبدالرحمان خان جب واپس افغانستان جانے لگا تو آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک خط امیر عبدالرحمان خاں والیٔ افغانستان کے نام فارسی میں لکھ دیا جائے جس میں اپنے دعاوی کی وضاحت کر کے اس غلط فہمی کو رفع کر دیا جائے جو ملّا لوگوں نے وہاں پھیلا رکھی تھی۔ چنانچہ وہ خط لکھا گیا جسے لیکر عبدالرحمان خاں پٹھان افغانستان گیا۔ لیکن وہ خط امیر عبدالرحمان خاں تک مولویوں نے پہنچنے ہی نہیں دیا۔ یا پہنچا تو خدا جانے کیا سکھایا پڑھایا کہ مولویوں کے فتوے کے ماتحت اس غریب عبدالرحمان کو شہید کر دیا گیا۔

کتاب حجّۃ اللہ کی تصنیف

حضرت مرزا صاحب کا عربی میں مباحثہ کا چیلنج منظور کرنا اور مولوی عبدالحق غزنوی کا فرار

حضرت مرزا صاحب نے جب کئی عربی تصنیفات شائع فرمائیں اور مخالف علماء وقت کو جنہوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ مرزا غلام احمد فقط ایک منشی ہے اور عربی سے قطعاً نابلد ہے۔ چیلنج دیا کہ وہ ان عربی کتابوں کے مقابلہ میں اتنی ہی مدت میں جس میں وہ لکھی گئی تھیں اُن سے بڑھکر یا ویسی ہی عربی کتب فصیح و تبلیغ لکھ لاویں تو مولوی محمد حسین بٹالوی اور عبدالحق غزنوی اور شیخ نجفی شیعہ مجتہد وغیرہ نے جب ان کا جواب لکھنے سے اپنے آپ کو عاجز پایا تو اپنی نجات اس امر میں دیکھی کہ یہ مشہور کر دیا جائے کہ ان کتابوں کی عربی ہی نہایت لچر ہے۔ ان میں فصاحت و بلاغت ہی کیا ہے جس کا مقابلہ کیا جائے۔ اور عبدالحق غزنوی نے تو یہاں تک مشہور کیا کہ مرزا قادیانی دوسرے لوگوں سے عربی کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کرتا ہے۔ چنانچہ ان مولوی صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ:-

"یہ کتابیں جو وہ شائع کرتا ہے عربی دان لوگوں سے عربی کرا کے چھپواتا ہے اور مجھ کو یقیناً معلوم ہے کہ اس کو عربی کی ہرگز لیاقت نہیں۔ اگر اس کو ضرور لیاقت دی گئی ہے تو مجھ سے

عام علما کی مجلس میں عربی زبان میں بحث کرے۔ دونوں کی عربی تلمیذ ہو جائے گی۔ بعدہٗ علماؤں پر پیش کی جائے گی اگر فوقیت لے گیا تو مانا جائے گا کہ یہ رسائل عربی اس نے بنائے ہیں اور بحث تقریری بالمشافہ ہوگی۔ اگر بحث میں تجھ سے کچھ نہ بنا تو لعنت اللہ علی الکاذبین"

پھر اسی اشتہار میں آگے چل کر میں مولوی عبدالحق غزنوی صاحب حضرت مرزا صاحب کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"بدکار۔ شیطان لعنتی۔ لعن وطعن کا جوت اس کے سر پر۔ ذلیل وخوار خستہ خراب۔ اللہ عزوجل کا دشمن۔ خدا کے ولی عبدالحق کا دشمن"

پھر خبر کاریوں پیشگوئی کرتے ہیں کہ "عنقریب اللہ کا غضب تیرے پر اُترے گا" اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم میں بڑے زور سے تحریر فرمایا کہ ہمیں بالمشافہ عربی میں بحث کرنا منظور ہے۔ مگر جب اس منظوری کو پڑھا تو مولوی عبدالحق غزنوی صاحب کا ایسا دم بند ہوا کہ گویا وہ جیتے جی مر گئے۔ بالمقابل عربی میں مباحثہ کیلئے آنے کی تو سکت نہ تھی اس لئے اب یہ نالائق کارروائی شروع کی گئی کہ مولوی عبدالحق صاحب اور دیگر غزنویوں کی طرف سے گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط حضرت اقدس کے نام آنے لگے جن میں سے تھوڑا سا بطور نمونہ یہاں نقل کرتا ہوں:۔

"دس ہزار تیرے پر لعنت لعنت لعنت لعنت لعنت لعنت عشر الف، ثبتہ۔ کافر۔ اکفر۔ دجال شیطان۔ فرعون۔ قارون۔ ہامان۔ اژدر پوپو۔ وادی کا وحشی کلب یلمث یعنی جنگلی کتا"

حجۃ اللہ کی اشاعت اسی طرح برابر جب گالیوں سے بھرے اشتہار اور خطوط کی بھرمار ہوئی تو حضرت اقدس نے ۱۷۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ میں ایک رسالہ عربی میں لکھتا ہوں۔ جتنے دن میں میں یہ رسالہ لکھ کر شائع کروں اُتنی ہی میعاد کے اندر تم بھی بالمقابل عربی میں اس کا جواب لکھ کر شائع کرو۔ چنانچہ آپ نے یہ عربی رسالہ جس کا نام حُجّۃ اللہ ہے اکتالیس دن میں لکھ کر ۲۶۔ مئی ۱۸۹۷ء کو شائع فرما دیا اور تمام علما کو جن میں مولوی عبدالحق غزنوی اور شیخ نجفی خاص طور پر مخاطب تھے چیلنج دیا کہ اگر تم میں کچھ بھی غیرت ہے اور اپنے بیان میں سچے ہو تو تم بھی اتنی ہی میعاد اکتالیس دن میں اس سے بڑھ کر یا ایسا ہی ایک رسالہ عربی میں لکھ کر شائع کرو جو اس رسالہ کا جواب ہو۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ مطلوبہ پورا ہو گیا آپ حسب ذیل طریق پیش کرتے ہیں:۔

"اور پروفیسر عربی مولوی عبداللہ صاحب یا کوئی اور پروفیسر جسے مخالف تجویز کریں ایسی قسم کھا کر جو موکد بعذاب الٰہی ہو جلسہ عام میں کہدیں کہ یہ مضمون تمام مراتب بلاغت و فصاحت کے

رُو سے مضمون پیش کردہ سے بڑھ کر یا برابر ہے اور پھر قسم کھانے والا میری دعا کے بعد اکتالیس دن تک عذاب الٰہی میں ماخوذ نہ ہو تو میں اپنی کتابیں جلا کر جو میرے قبضہ میں ہوں گی اُن کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اس طریق سے روز کا جھگڑا طے ہو جائے گا اور اس کے بعد جو شخص مقابلہ پر نہ آیا تو پبلک کو سمجھنا چاہئے کہ وہ جھوٹا ہے۔"

آپ نے مخالفوں کی اس افترا پردازی کا کہ "ممکن ہے تم نے کسی دوسرے سے مدد لی ہو" اسی رسالہ میں جواب نفی میں دیکر پھر مخالفوں کو اجازت دی ہے کہ تم بیشک دوسرے عربی دانوں سے مدد لے لو۔ جاؤ کسی ادیب کے آگے ہاتھ جوڑو۔ شاید وہ رحم کر کے تمہیں کچھ بنا دے۔ پھر عربی میں بالمقابل تصنیف کرنے کی وجہ بھی اسی رسالہ حجۃ اللہ میں تحریر فرما دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

"ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ یہ عربی کتابیں اس لئے تالیف نہیں ہوئیں کہ لوگ ہمیں عربی دان سمجھیں اور مولوی خیال کریں۔ بلکہ ان کتابوں میں بار بار یہ جتلایا گیا ہے کہ یہ خدا کا نشان ہے اور بطور معجزہ کے مجھ کو دیا گیا ہے تا میرے دعوے پر یہ بھی ایک دلیل ہو۔ میں نے کب اور کہاں لکھا ہے کہ عربی کتابوں سے یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی مغلوب ہو تو مجھے عربی دان مان لے۔ سو یہ اقرار کرنا چاہئے کہ اگر تم باوجود اتنے دعوئ فضیلت اور عربی دانی کے میرے جیسے انسان سے صاف شکست کھا جاؤ جس کی نسبت تمہیں اسی اشتہار میں اقرار ہے کہ اس شخص کو عربی دانی کی ہرگز لیاقت نہیں۔ تو یہ نشان تم تسلیم کر لوگے اور یقین دل سے سمجھ لوگے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور اُسی وقت توبہ کر کے میری بیعت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

الغرض یہ کتاب حجۃ اللہ ۲۶ مئی ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی۔ اس کے بعد کئی اکتالیس دن گزر گئے لیکن کسی مولوی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے جواب میں ایک سطر بھی عربی کی لکھتا۔ اس کتاب میں آپ نے آیت استخلاف کے ماتحت خلافت محمدیہ کا وارث اپنے آپ کو ثابت کیا ہے۔ اور چونکہ شیخ نجفی شیعہ مجتہد بھی اس میں مخاطب ہے اس لئے خلافت محمدیہ پر بحث کرتے ہوئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت حقہ پر بھی خوب دلائل دیئے ہیں اور اہل تشیع کا نہایت خوبصورتی کے ساتھ رد کیا ہے اور اپنے دعوے پر دلائل اور نشانات سماویہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ ایک سو آٹھ ۱۰۸ صفحے کی کتاب ہے جس میں ۱۳۲ صفحے عربی نثر کے ہیں۔ اور ۲۸ صفحے عربی نظم کے ہیں۔ اس کی عربی کی فصاحت و بلاغت واقعی ایک خارق عادت نشان کے طور پر ہے۔

محمد حسین بٹالوی کو پکڑنے کا طریق حضرت مرزا صاحب نے اس کتاب میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب پر

ایک اور طریق سے بھی حجت تمام کی ہے اور وہ اس طرح کہ یہ شخص جو کہتا پھرتا ہے کہ مرزا کی عربی کچھ بھی نہیں ہے۔ تو اس امر کے فیصلہ کا آسان طریق یہ ہے کہ ہم اس کے سامنے اپنا کلام اور بعض دوسرے ادیب عربوں کا کلام پیش کریں گے اور اپنا نام اور ان کا نام اُس پر پوشیدہ رکھیں گے اور پھر اس سے دریافت کریں گے کہ بتلایئے ان میں سے ہمارا کلام کونسا ہے اور دوسرے ادیب عربوں کا کلام کونسا ہے۔ اگر اُس نے میرے کلام میں اور دوسرے ادیب عربوں کے کلام میں شناخت کر لی تو اس کو پچاس روپے بطور انعام یا تاوان ہم دیں گے۔ اور اُس کی عیب گیری کو سچ مان لیں گے پس اگر اُس کو یہ طریق فیصلہ منظور ہو تو ہمیں اطلاع دے اور نیز اخباروں میں بھی شائع کر دے۔ لیکن بٹالوی صاحب اس طریق سے بھی فیصلہ کیلئے تیار نہ ہوئے اور سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کی۔ ویسے حسب عادت گندہ دہنی کرتے پھرے۔

فقیر محمد صاحب مجذوب کی شہادت حقہ

اسی کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے ایک مجذوب فقیر فقیر محمد نامی کا اشتہار بھی نقل فرمایا ہے یہ فقیر ایک مجذوب تھے جو سیالکوٹ شہر میں ایک ندی کے کنارے رہا کرتے تھے۔ ان کی اس نواح میں بہت عظمت اور شہرت تھی۔ میں اُن کا اشتہار یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ وھوھٰذا:۔

"اشتہار واجب الاظہار۔

خدا کے فضل اور الہام سے۔ روح جناب رسول مقبول صلعم سے۔ روح کل شہداء سے۔ روح کل ابدالوں سے۔ روح کل اولیا سے جو زمین پر ہیں۔ اور ان روحوں سے جو چودہ طبقوں کی خبر رکھتی ہیں۔ میں نے ان سب سے الہام اور گواہی پائی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ جل شانہٗ نے بھیجا ہے۔ رسول مقبول کے دین میں سخت فتنے برپا ہو گئے۔ وہ حد درجہ کا ضعیف ہو گیا۔ ہزاروں ملعون فرقے جیسے نصاریٰ اور رافضی پیدا ہو کر لوگوں کی گمراہی کا باعث ہوئے۔ اس لئے مسیح موعود کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی۔ اس وقت یہ جو خوفناک فتنے پیدا ہوئے ان کی اصلاح ایک بھاری نبی کا کام تھا۔ مگر چونکہ رسول مقبول کے بعد کوئی نبی نہیں آنا تھا خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو جو رسول مقبول کے دستار مبارک ہیں بھیجا۔ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اس جسم سے زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے وہ جھوٹے ہیں۔ کوئی آسمان پر موت کا مزہ چکھے بغیر اور جسم کے ساتھ نہیں گیا۔ اے علما گدی نشینو! اے فقرا گدی نشینو! اے اہل بیت گدی نشینو! سن رکھو۔ عنقریب آسمان سے بڑی بھاری

جلالی گواہی اس سلسلہ کی سچائی کی ظاہر ہونے والی ہے۔ خود خدا بڑے زور سے گواہی دیگا۔ پھر تم اس مخالفت میں بڑے ذلیل اور شرمندہ ہوگے۔ یہ میرا اشتہار سچا ہے۔ یہ لوح محفوظ کی نقل ہے۔ میں دیکھتا ہوں اس مخالفت سے خدا تعالیٰ تم پر سخت ناراض ہے۔ رسولؐ مقبول تم سے حد درجہ بیزار ہیں"

سراج الدین عیسائیؔ کے چار سوالوں کا جواب

وجہ تصنیف لاہور مشن کالج میں ایک عیسائی پروفیسر سراج الدین نامی ہوا کرتا تھا اُس نے چار سوالات حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجے۔ اور اپنی طرف سے ان سوالات کو بڑے فلسفیانہ رنگ میں رنگین کر کے بھیجا۔ اُن میں درحقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح کا اور ان کی تعلیمات کا ایک قسم کا مقابلہ تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے جو اس کا جواب لکھا ہے وہ ایسا مکمل اور لطیف ہے کہ اُس میں سے بطور خلاصہ بھی بیان نقل کرنا اس کی خوبی کو تباہ کر دینا ہے۔ وہ ایک رسالہ کی شکل میں ہے جس کا نام ہی "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" ہے۔ ۴۸ صفحہ کا رسالہ ہے۔ جس کا دل چاہے اُسے پڑھ لے۔ لطف آجائیگا۔ یہ رسالہ ۲۲۔ جون ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا +

عیسائیوں کو چیلنج اس میں سے آخر کی چند سطریں میں یہاں نقل کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

"اگر ایمان واقعی کوئی برکت ہے تو بے شک اس کی نشانیاں ہونی چاہئیں۔ مگر کہاں ہے کوئی ایسا عیسائی جس میں یسوع کی بیان کردہ نشانیاں پائی جاتی ہوں؟ پس یا تو انجیل جھوٹی ہے اور یا عیسائی جھوٹے ہیں۔ دیکھو قرآن کریم نے جو نشانیاں ایمانداروں کی بیان فرمائیں وہ ہر زمانہ میں پائی گئی ہیں۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ایماندار کو الہام ملتا ہے۔ ایمان دار خدا کی آواز سنتا ہے۔ ایماندار کی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ ایماندار پر غیب کی خبریں ظاہر کی جاتی ہیں۔ ایماندار کے شامل حال آسمانی تائیدیں ہوتی ہیں۔ سو جیسا کہ پہلے زمانوں میں یہ نشانیاں پائی جاتی تھیں اب بھی بدستور پائی جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے۔ اور قرآن کے وعدے خدا کے وعدے ہیں۔ اُٹھو عیسائیو! اگر کچھ طاقت ہے تو مجھ سے مقابلہ کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے بے شک ذبح کر دو۔ ورنہ آپ لوگ خدا کے الزام کے نیچے ہیں۔ اور جہنم کی آگ پر آپ لوگوں کا قدم ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"

مگر کوئی عیسائی مقابلہ پر نہ آیا۔ البتہ دل ہی دل میں جلتے بھنتے رہے۔ اور یہی جلن تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت مرزا صاحب پر ایک جھوٹا قتل کا مقدمہ بنایا مگر اس میں بھی خدا نے ان کو ذلیل اور ناکام کیا۔ اس مقدمہ کا ذکر آگے آتا ہے۔

میاں محمود احمد صاحب کی آمین

حضرت اقدس کا قرآن کریم سے عشق

حضرت مرزا صاحب کو جو قرآن سے عشق تھا اُس کا میں ذکر کر ہی چکا ہوں۔ کوئی مرید اگر اپنا بچہ لیکر آتا تو سب سے پہلے یہی دریافت کرتے کہ اس نے قرآن شریف پڑھ لیا ہے؟ تو پھر وہ خود اپنے بچوں کو کیوں نہ قرآن شریف پڑھواتے۔ چنانچہ میاں محمود احمد صاحب کو بھی بچپن میں ہی قرآن شریف ناظرہ پڑھوایا۔ قرآن شریف ختم ہونے پر آپ نے اس خوشی میں اسی ماہ جون ۱۸۹۷ء میں ایک جلسہ احباب کا کیا جس میں میاں محمود احمد صاحب کی آمین ہوئی۔ اور ایک نظم اس تقریب کیلئے خود لکھی جو اس جلسہ میں پڑھی گئی۔ یہ نظم ۷۔ جون ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی

پنجاب اور ہندوستان کے مشائخ اور صلحا اور اہل اللہ باصفا سے
حضرتِ عزّت اللہ جلّ شانہ کی قسم دے کر ایک درخواست

حضرت مرزا صاحب کو تکفیر بازی سخت ناپسند تھی

اسلام کی وحدت کو مولویوں کی تکفیر بازی نے پاش پاش کر دیا تھا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب اسلام کی خدمت اور حفاظت و اشاعت کا جو جذبہ لیکر اُٹھے تھے اس میں مولویوں کے فتاوائے کفر سخت روکیں ڈال رہے تھے اور اس کا آپ کو بڑا صدمہ تھا۔ اسی لئے آپ علما کے ساتھ فیصلۂ حق و باطل کیلئے مختلف طریق سوچتے اور پیش کرتے رہتے تھے تاکہ آئے دن کی یہ تکفیر بازی اور تفرقہ انگیزی کا سلسلہ ختم ہو۔ اور اسلام کی وحدت اور اشاعت کو تفرقہ اور تکفیر بازی کا یہ فتنہ تباہ نہ کرے۔ چنانچہ آپ نے مختلف طریقے علما کے سامنے پیش کئے جیسا کہ میں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ لیکن وہ مولوی ہی کیا جو سچے دل سے حق و باطل میں فیصلہ کرنے کے لئے کسی معقول طریق کو اختیار کرے۔

فیصلہ کا ایک آسان طریق

آخر ۱۵۔ جولائی ۱۸۹۷ء کو آپ نے ایک اشتہار نکالا جس کا عنوان تھا "پنجاب اور ہندوستان کے مشائخ اور صلحا اور اہل اللہ باصفا سے حضرتِ عزت اللہ جل شانہٗ کی قسم دیکر ایک درخواست"

اس اشتہار میں آپ نے پنجاب اور ہندوستان کے تمام مشائخ اور صلحا اور اہل اللہ با صفا مرد اور عورت سب کو مخاطب کیا ہے۔ شروع اس طرح کرتے ہیں :-

"اے بزرگان دین و عباد اللہ الصالحین میں اس وقت اللہ جل شانہٗ کی قسم دیکر ایک درخواست آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس پر توجہ کرنا آپ صاحبوں پر رفع فتنہ و فساد کے لئے فرض ہے کیونکہ آپ لوگ نور فراست اور بصیرت رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف اٹکل سے بلکہ نور اللہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اگرچہ ایسے ضروری امر میں جس میں تمام مسلمانوں کی ہمدردی ہے اور اسلام کے ایک بڑے بھاری تفرقہ کو مٹانا ہے قسم کی کچھ بھی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ بعض صاحب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنے بعض مصالح کی وجہ سے خاموش رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ سچی شہادت میں عام لوگوں کی ناراضگی متصور ہے۔ اور جھوٹ بولنے میں معصیت ہے۔ اور نہیں سمجھتے کہ اخفار شہادت بھی ایک معصیت ہے ان لوگوں کو توجہ دلانے کیلئے قسم دینے کی ضرورت پڑی"

اس کے بعد آپ نے دلائل کے ساتھ اپنے مجدد عصر چہاردہم اور مسیح موعود ہونے کو پیش کیا ہے اور وفات مسیح کو ثابت کیا ہے اور آپ کے ہاتھ پر جو نشانات ظاہر ہوئے ان کا بھی ذکر کیا ہے اس کے بعد آپ نے وہ طریق فیصلہ پیش کیا ہے جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے اور یہ تفرقہ مٹ جائے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

"لہٰذا اب مجھے اتمام حجت کیلئے ایک اور تجویز خیال میں آئی ہے۔ اور امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے اور یہ تفرقہ جس نے ہزارہا مسلمانوں میں سخت عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے رُو بہ اصلاح ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کے تمام مشائخ اور فقرا اور صلحا اور مردان باصفا کی خدمت میں اللہ جل شانہٗ کی قسم دیکر التجا کی جائے کہ وہ میرے بارے میں اور میرے دعوے کے بارے میں دعا اور تضرع اور استخارہ سے جناب الٰہی میں توجہ کریں۔ پھر اگر ان کے الہامات اور کشوف اور رویاء صادقہ سے جو حلفاً شائع کریں کثرت اس طرف نکلے کہ گویا یہ عاجز کذّاب اور مفتری ہے تو بے شک تمام لوگ مجھے مردود اور مخذول اور ملعون اور مفتری اور کذّاب خیال کرلیں اور جس قدر چاہیں لعنتیں بھیجیں ان کو کچھ بھی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں ہر ایک ایمان دار کو لازم ہوگا کہ مجھ سے پرہیز کرے۔ اور اس تجویز سے بہت آسانی کے ساتھ مجھ پر اور میری

جماعت پر وبال آجائیگا۔ لیکن اگر کشوف اور الہامات اور رویا، صادقہ کی کثرت اسطرف ہو کہ یہ عاجز منجانب اللہ اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو پھر ہر ایک خدا ترس پر لازم ہوگا کہ میری پیروی کرے۔ اور تکفیر اور تکذیب سے باز آئے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص کو آخر ایک دن مرنا ہے۔ پس اگر حق کے قبول کرنے کیلئے اس دنیا میں کوئی ذلت بھی پیش آئے تو وہ آخرت کی ذلت سے بہتر ہے۔ لہٰذا میں تمام مشائخ اور فقراء اور صلحاء پنجاب اور ہندوستان کو اللہ جل شانہ، کی قسم دیتا ہوں جس کے نام پر گردن رکھ دینا سچے دینداروں کا کام ہے کہ وہ میرے بارے میں جناب الٰہی میں کم سے کم اکیس ۲۱ روز توجہ کریں۔ یعنی اس صورت میں کہ اکیس ۲۱ روز سے پہلے کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ اور خدا سے انکشاف اس حقیقت کا چاہیں کہ میں کون ہوں؟ آیا کذّاب ہوں یا منجانب اللہ؟ میں بار بار بزرگان دین کی خدمت میں اللہ جل شانہ، کی قسم دیکر یہ سوال کرتا ہوں کہ ضرور اکیس ۲۱ روز تک اگر اس سے پہلے معلوم نہ ہو سکے اس تفرقہ کے دور کرنے کے لئے دعا اور توجہ کریں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی قسم سُن کر پھر التفات نہ کرنا راستبازوں کا کام نہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس قسم کو سُن کر ہر ایک پاک دل اور خدا تعالیٰ کی عظمت سے ڈرنے والا ضرور توجہ کرے گا۔ پھر ایسی الہامی شہادتوں کے جمع ہونے کے بعد جس طرف کثرت ہوگی وہ امر منجانب اللہ سمجھا جاوے گا۔ اگر میں حقیقت میں کذّاب اور دجّال ہوں تو اس اُمت پر بڑی مصیبت ہے کہ ایسی ضرورت کے وقت میں اور فتنوں اور بدعات اور مفاسد کے طوفان کے زمانہ میں بجائے ایک مصلح اور مجدد کے چودھویں صدی کے سر پر دجال پیدا ہوا۔ یاد رہے کہ ایسا ہر ایک شخص جس کی نسبت ایک جماعت اہل بصیرت مسلمانوں کی صلاح اور تقویٰ اور پاک دلی کا ظن رکھتی ہے وہ اس اشتہار میں میرا مخاطب ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو صلحاء شہرت کے لحاظ سے کم درجہ پر ہیں میں اُن کو کم نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ شہرت یافتہ لوگوں سے خدا تعالیٰ کی نظر میں زیادہ اچھے ہوں۔ اسی طرح میں صالحہ عفیفہ عورتوں کو بھی مردوں کی نسبت تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ بعض شہرت یافتہ صالح مردوں سے بھی اچھی ہوں۔ لیکن ہر ایک صاحب جو میری نسبت کوئی رویا یا کشف یا الہام لکھیں ان پر ضروری طور پر واجب ہوگا کہ وہ حلفاً اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں۔ تا ایسی تحریریں ایک جگہ جمع ہوتی جائیں اور پھر حق کے طالبوں کے لئے شائع کی جائیں۔ اس تجویز سے انشاء اللہ بندگان خدا کو بہت فائدہ ہوگا اور مسلمانوں کے دل کثرت

شواہد سے ایک طرف تسلی پاکر فتنہ سے نجات پاجائیں گے ..... سوائے عزیز اور بزرگو!
برائے خدا عالم الغیب کی طرف توجہ کرو۔ آپ لوگوں کو اللہ جل شانہ کی قسم ہے
کہ میرے اس سوال کو مان لو۔ اُس قدیر ذوالجلال کی تمہیں سوگند ہے کہ اس عاجز کی یہ
درخواست رد مت کرو۔"

لیکن افسوس ہے کہ جو قوم غفلت کے لحافوں میں پڑی سو رہی ہو اس نے اس طریق فیصلہ کی طرف کیا رجوع کرنا تھا۔ الّا ماشاء اللہ۔ اسلام کیلئے کوئی درد ہو۔ تفرقہ کو مٹانے کیلئے کوئی تڑپ ہو۔ تکفیر بازی کے بُرے اثر کو کسی کا دل محسوس کرتا ہو تو اس طرف توجہ بھی کرے۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہ ہو تو اس پکار کی طرف کس نے توجہ کرنی تھی۔ چنانچہ یہ اشتہار بھی صدا بصحرا ہی ثابت ہوا۔ حضرت مرزا صاحب نے کیسا صحیح فرمایا ہے ؎ یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں ۔ وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

مسجد مبارک کی توسیع کیلئے چندہ کا اشتہار

مسجد مبارک کی توسیع کیلئے چندہ کا اشتہار

حضرت مرزا صاحب کے مکان سے بالکل ملحق جو مسجد تھی وہ مسجد مبارک کے نام سے موسوم تھی۔ میں اس کا ذکر پہلے بھی کر آیا ہوں۔ حضرت اقدس پانچوں وقت اسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی ایک خاص تعداد سے اُوپر کے لوگ گھر کی کسی کوٹھڑی میں یا کسی دوسری چھت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوتے تھے۔ اس لئے اس مسجد کی توسیع کے واسطے چندہ جمع کرنے کیلئے آپ نے تعاونوا علی البر والتقویٰ کے عنوان سے ایک اشتہار ۲۹۔ جولائی ۱۸۹۷ء کو شائع فرمایا جس میں پانچ سو روپے کا تخمینہ آپ نے پیش کیا۔

حضرت اقدس مرزا صاحب پر مقدمہ اقدام قتل منجانب پادری ہنری مارٹن کلارک اور کتاب البریّہ کی اشاعت

مقدمہ کی وجہ

عیسائیوں کے مذہب پر جو رات دن حضرت اقدس کی طرف سے لے دے ہو رہی تھی اور ان کے عقائد باطلہ کے سر کچلنے کیلئے جو شب و روز حربے آپ کی طرف سے چل رہے تھے انہوں نے عیسائیوں کو زچ کر رکھا تھا۔ پادری عبداللہ آتھم کی موت کی پیشگوئی سونے پر سہاگہ ہو گئی۔ اس کی موت پر آپ نے

ایک بڑی زبردست کتاب انجام آتھم بعد ضمیمہ اس قیامت کی معقول اور مدلل شائع کی جس نے عیسائیت کا رہا سہا قلع قمع کر دیا۔ اور انجیلی یسوع کی زندگی پر ایسی تنقید کی کہ اس کی شخصیت کا کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ پھر اشتہار "کسر صلیب" میں لعنت کے مفہوم پر روشنی ڈال کر مسیح کے ملعون ہو کر کفارہ بن جانے کی خطرناک غلطی اور ضلالت کو بالکل اظہر من الشمس کر دیا۔ ان متواتر حملوں کی تاب نہ لا کر آخر عیسائی چھوٹے ہتھیاروں پر اُتر آئے۔ اُنہوں نے سوچا کہ کوئی ایسی چال چلی جائے جس سے اس مرزا سے جان چھوٹے۔ لیکھرام ابھی تازہ تازہ قتل ہوا تھا۔ اور عیسائیوں اور آریوں نے جو جھوٹا پروپاگنڈا شروع کیا تھا کہ نعوذ باللہ آپ ہی نے اُسے قتل کروایا ہے۔ اس میں انہیں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور ان کا جھوٹ طشت از بام ہو چکا تھا تو بعض پادریوں نے سوچا کہ اقدام قتل کا کوئی ایسا مقدمہ بنایا جائے جس کو پہلے سے ہی ایسا قانونی طور پر مکمل کر کے عدالت میں دائر کیا جائے کہ بس مرزا کے چھٹنے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہو سکے۔

عبدالحمید کا فتنہ مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کا عبدالحمید نامی ایک بھتیجا تھا جو بہت آوارہ اور بدمعاش تھا۔ وہ مختلف مذاہب بدلتا کبھی عیسائی ہوتا کبھی مسلمان بنتا طرح طرح کی بدچلنیاں کرتا سوزاک کا مارا ہوا دبلا پتلا کمزور آخر بھٹکتا ہوا ۱۸۹۷ء میں قادیان چلا آیا۔ مولوی نورالدین صاحب سے مل کر کہنے لگا کہ میں مولوی برہان الدین صاحب کا بھتیجا ہوں۔ مجھے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کرا دو۔ مولوی نورالدین صاحب نے حضرت اقدس سے عرض کیا۔ آپ کے نورفطرت نے آپ کو اُس سے کچھ ایسا متنفر کر دیا کہ فرمایا کہ ایسے مشتبہ اشخاص کی نسبت جب تک اچھی طرح تسلی نہ ہو جائے کہ یہ مخلص ہیں میں بیعت نہیں لینا چاہتا۔ اس پر وہ چلا گیا لیکن اِدھر اُدھر پھر پھرا کر وہ دوبارہ پھر قادیان آگیا اُس کے چچا مولوی برہان الدین صاحب اتفاق سے جو آگئے تو انہوں نے کہا کہ اسے نکلوا دو ورنہ یہ بہت بُرا آدمی ہے۔ آپ خط کھائیں گے۔ مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ کیا عجب ہے کہ اصلاح ہی ہو جائے۔ مولوی برہان الدین صاحب نے کہا میں اسے آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ اصلاح کیا ہونی ہے کوئی نقصان نہ پہنچا جائے۔ جب حضرت اقدس مرزا صاحب کو پتہ لگا تو آپ نے اُسے قادیان سے نکال دیا۔ قادیان سے نکل کر وہ سیدھا امرتسر پہنچا۔ وہاں نورالدین ایک مسیحی واعظ تھا اس کو جا کر کہنے لگا کہ میں بٹالہ کا ہندو تھا۔ مرزا قادیانی نے مسلمان کر کے میرا نام عبدالمجید رکھا تھا اور اب میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ اُس نے اپنی اصلیت اس لئے چھپائی کہ وہ پہلے جب عیسائی تھا تو گجرات مشن سے بوجہ اپنی بدچلنی کے نکالا گیا تھا۔ اس لئے اُس نے نہ چاہا کہ ان لوگوں

کو پتہ لگے ورنہ یہ پھر اپنے مشن میں گھسنے نہ دیں گے۔ نورالدین مسیحی واعظ نے اسے اپنے بڑے پادری صاحب کے پاس جو اُن کے مشن کے معتمد تھے اور جن کا نام پادری گرے تھا بھیجدیا۔ اُس نے پادری گرے سے جاکر کہا کہ میں ہندو تھا اور رلیا رام میرا نام تھا۔ میں مسلمان ہوکر کچھ دنوں مرزا قادیانی کا مرید رہا ہوں۔ اور اب میرا نام عبدالمجید ہے۔ مگر میں اب عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ پادری گرے کو یہ کچھ آوارہ سا آدمی معلوم ہوا اس لئے کہا کہ بہت اچھا تم ہفتہ میں دو بار یا روزانہ میرے پاس آیا کرو میں تمہیں عیسائیت کی تعلیم دوں گا۔ عبدالحمید نے کہا کہ میرا گزارہ کیسے ہوگا۔ پادری گرے ٹال گیا کہ یہ ایک لغو آدمی ہے جو محض پیسہ کی خاطر یہاں آیا ہے۔ اس لئے اُس نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں ایک پیسہ بھی نہ دوں گا جب عبدالحمید اس طرف سے مایوس ہوا کہ یہاں کوئی روٹی نہیں ملے گی تو پھر نورالدین مسیحی واعظ کے پاس واپس آیا اُس نے اسے مشورہ دیا کہ یہاں پادری ہنری مارٹن کلارک کا بھی ایک مشن ہے تم وہاں چلے جاؤ شائد وہ تمہیں لے لیں اور تمہاری روٹی کا گذارہ وہاں سے نکل آوے۔

عیسائیوں کی سازش اس پر عبدالحمید پادری ہنری مارٹن کلارک کے پاس چلا گیا اور وہاں بھی وہی کہانی سُنائی جو پادری گرے کو سنائی تھی۔ پادری ہنری مارٹن کلارک نے اسے اپنے اسسٹنٹ دیسی عیسائی عبدالرحیم کے سپرد کیا۔ اُس نے جب اس شخص کی زبان سے یہ بیان سُنا کہ یہ قادیان میں حضرت مرزا صاحب کا مرید رہا ہے اور اب وہیں سے آیا ہے تو اُس کی اور دوسرے عیسائیوں کی دلی مراد بر آئی۔ اُن کو صاف نظر آگیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ جو منصوبہ حضرت مرزا صاحب کو پھنسانے کا عرصہ سے اُنہوں نے سوچا ہوا ہے اُسے عمل میں لایا جائے۔ قادیان سے تو یہ آیا ہی ہے اس سے ایک بیان حسب منشا لینے کی کسر ہے۔ اس غرض کو مدنظر رکھکر پہلے اسے امرتسر شہر کے مشن کے شفاخانہ میں کام پر لگایا گیا۔ پھر اُسے بیاس بھیجدیا گیا۔ اور تجویز یہ کی گئی کہ وہاں پر یہ اس اور وارث دین دیسی عیسائیوں کی صحبت میں رہے اور اُن کو درپردہ یہ ہدایت تھی کہ وہ اس سے یاری گانٹھیں اور اپنا خیرخواہ ہونا اس کے دل پر ثبت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک روز پادری ہنری مارٹن کلارک صاحب بمعہ ایک دو حواشی کے بیاس گئے اور اس کا فوٹو لیکر واپس امرتسر چلے آئے۔ مگر وہ فوٹو سب لازمین کے ساتھ تھا اس لئے اس کا علیحدہ فوٹو لینے کے لئے دو روز بعد اُسے بذریعہ تار امرتسر بلوایا گیا۔ اسٹیشن سے محمد یوسف عیسائی اُسے ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی پر لے گیا۔ وہاں اس کا فوٹو دوبارہ لیا گیا مگر وہ خراب ہوگیا تو بازار میں اس کا فوٹو دوبارہ اُتروایا گیا۔ پھر اُسے کسی بہانہ ہسپتال بھیج دیا۔ وہاں عبدالرحیم عیسائی اُسے پھر ملا۔ اور اُس نے اُسے تنگ کرنا شروع کیا اور کہا کہ سچ سچ بیان کر کہ تو کس کام

کے لئے آیا ہے ہمیں پتہ لگ گیا ہے تو جس کام کیلئے آیا ہے۔ مگر اُس نے یہی کہا کہ میں عیسائی ہونے آیا ہوں۔ جب اس نے اُن کے حسب منشا کوئی بیان نہ دیا تو اسے پھر بیاس بھیجدیا گیا۔ مگر کچھ دنوں کا وقفہ دیکر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک بمعہ عبدالرحیم وارث دین اور پریدا اس عیسائیوں کے بیاس پہنچے۔ وہاں عبدالحمید تو معہ دیگر اشخاص کے فرش پر بیٹھا اور ڈاکٹر کلارک صاحب سامنے ایک کرسی پر بیٹھے۔ اُسے پھر کہا گیا کہ ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ تجھے مرزا قادیانی نے بھیجا ہے کہ ڈاکٹر کلارک صاحب کو قتل کرے مگر عبدالحمید نے اس بات سے انکار کیا اور اُن کے اصرار پر بڑے استقلال کے ساتھ برابر انکار کرتا رہا اور صاف کہہ دیا کہ مجھے مرزا صاحب قادیانی نے ہرگز قتل کیلئے نہیں بھیجا میں فقط عیسائی ہونے آیا ہوں۔ مگر عبدالرحیم نے پھر اس کو سمجھایا اور کہا کہ بہتر ہے کہ تو یہ تحریر لکھ دے کہ میں ڈاکٹر کلارک صاحب کو مرزا قادیانی کے کہنے پر ایک پتھر سے مار ڈالنے کیلئے آیا تھا۔ ورنہ تیرے لئے بہت خرابی کا باعث ہوگا۔ تیرا فوٹو لے لیا گیا ہے اگر تو کہیں بھاگے گا تو بھی پکڑا جائیگا۔ اگر تو ایسی تحریر نہ لکھ کردے گا تو ہم تجھے ویسے بھی پولیس میں دیدیں گے کہ یہ شخص مرزا قادیانی کا بھیجا ہوا ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے آیا تھا۔ پس تو یقیناً پھنس جائے گا لیکن اگر تو ایسی تحریر لکھکر دیدے جیسی ہم کہتے ہیں تو ڈاکٹر کلارک صاحب اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ تجھے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ آخر اس نے ڈر کر اُن کا کہنا مان لیا اور اُن کے حسب منشا تحریر لکھ دی جو حسب ذیل تھی:-

"منکہ عبدالحمید ولد سلطان محمود سکنہ جہلم کا ہوں حال وارد بیاس جو کہ میں موضع قادیان میں مرزا صاحب غلام احمد قادیان سے روانہ کیا گیا تھا کہ تم ڈاکٹر کلارک صاحب کا نقصان کردیں یعنی مار ڈالنا اور مجھ کو اس کام کے واسطے میں چلا آیا ہوں۔ یہ قادیان میں زبانی مسل خانہ میں کہی"

یہ غلط سلط اُردو اُس نے لکھ کردے دی۔ پہلے اُس نے فقط اتنا لکھا تھا کہ تم ڈاکٹر کلارک صاحب کا نقصان کردو مگر مار ڈالنا کا لفظ اُس نے نہیں لکھا تھا۔ مگر عبدالرحیم نے اُسے کہا کہ بجائے "نقصان" کے "مار ڈالنا" کا لفظ لکھو چنانچہ اس نے اس تحریر کی دوبارہ نقل کی اور اس میں نقصان کردیں یعنی مار ڈالنا" لکھ دیا۔ جب وہ لکھ چکا تو وہ سب عیسائی بولے "ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں ہماری مراد پوری ہوگئی"۔ اسکے بعد عبدالرحیم۔ وارث دین اور پریدا اس نے ایک مفصل بیان تیار کرکے اُسے دیا کہ عدالت میں ایسا بیان دینا۔

امرتسر میں مقدمہ کا دائر کیا جانا

اس کے بعد امرتسر آکر وہاں کے ڈپٹی کمشنر اے۔ ای مارٹینو صاحب کی عدالت میں پادری ہنری مارٹن کلارک نے حضرت اقدس مرزا صاحب پر اقدام قتل کی نالش کردی اور عبدالحمید

سے بیان عدالت میں دلوا دیا کہ میں مرزا قادیانی کے کہنے سے پادری ہنری مارٹن کلارک کو ایک بڑے پتھر سے قتل کرنے آیا تھا۔ اُس کا بیان میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ ان عیسائیوں اور پادریوں کے دجل کا حال کسی قدر ناظرین کو معلوم ہو۔ کس صفائی سے یہ جھوٹا بیان عبدالحمید کے منہ سے کہلوایا ہے۔ مذہب کی آڑ میں یہ جھوٹ کا کھیل کس قدر حیرت انگیز ہے:۔

بیان عبدالحمید جو اُس نے مسٹر اے۔ ای مارٹینو ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر کی عدالت میں دیا۔

"میں سلطان محمود کا بیٹا ہوں جو جہلم میں رہتا تھا۔ مجھے امرتسر آئے اُنیس بیس دن گزرے ہیں میرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان ضلع گورداسپور نے مجھے اپنے گھر بلایا اور مجھ سے گفتگو کی۔ اُس نے مجھے کہا کہ امرتسر میں ڈاکٹر کلارک کے پاس جا کر اس کو کسی نہ کسی طرح قتل کروں۔ وہ مجھے پہلے سے جانتا تھا۔ لیکن اُس نے مجھے اس کے متعلق اُس خاص دن کہا۔ میں راضی ہو گیا کہ میں ایسا ہی کروں گا جیسے اُس نے کہا تھا۔ میں نے یہ امر اس لئے کیا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور ڈاکٹر کلارک عیسائی تھے۔ مرزا صاحب نے مجھے کہا تھا کہ مسلمان کو عیسائی کا قتل کرنا جائز ہے۔ اس ارادہ کے ساتھ پھر امرت سر گیا۔ میں نے ڈاکٹر کلارک کے پاس جا کر کہا کہ میں پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوا اور اب عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرف سے آیا ہوں۔ مجھے ڈاکٹر کلارک نے ہسپتال میں بھیج دیا۔ جہاں عیسائی رہتے اور تعلیم پاتے ہیں۔ میں امرت سر میں چار پانچ دن رہا اور پھر ڈاکٹر کلارک نے مجھے ایک اور ہسپتال میں بھیج دیا جو بیاس میں ہے۔ مجھے کل ڈاکٹر کلارک نے پوچھا کہ میں امرت سر کیوں آیا تھا۔ اور پھر میں نے اصل حقیقت کھول دی۔ اور کہہ دیا کہ مجھے مرزا صاحب نے ڈاکٹر کلارک کے قتل کیلئے بھیجا تھا۔ اور میں نے اب اپنا ارادہ بدل لیا ہے۔ اور میں اس کیلئے پچھتاتا اور توبہ کرتا ہوں۔ میں نے یہ بیان اپنی مرضی اور آزادی سے لکھایا ہے۔ میں دو تین مہینے تک قادیان میں مرزا صاحب کا مرید رہا ہوں پیش ازیں کہ اُس نے امرتسر جانے کیلئے کہا۔ قادیان جانے سے پہلے میں گجرات میں رہا ہوں جہاں مجھے ایک پادری تعلیم دیتا تھا وہ مجھے راولپنڈی بھیجنا چاہتا تھا۔ مگر مسلمانوں نے مجھ پر قبضہ پا کر مرزا صاحب کے پاس بھیج دیا۔ میرا باپ زمیندار اور مولوی تھا۔ وہ مرزا صاحب کا مرید نہیں تھا۔ اُس کے مرنے پر میرے چچا برہان الدین نے میری پرورش کی۔ وہ جہلم میں رہتا تھا اور مرزا صاحب کا مرید تھا۔ میرا ایک اور چچا لقمان تھا۔ اُس نے میری والدہ سے میرے باپ کے مرنے کے بعد شادی کی۔ کوئی آدمی موجود نہ تھا جب مرزا صاحب

نے مجھے امرتسر جانے کی تعلیم دی۔ مجھے وہ اپنے مکان کے ایک الگ کمرہ میں لے گیا اور مجھ سے یہ کہا۔ میں صرف قرآن پڑھتا تھا جب میں مرزا صاحب کے پاس تھا۔ مولوی نورالدین مجھے پڑھاتا تھا۔ مرزا صاحب مجھ سے اس خاص دن سے پہلے جب اُس نے مجھے اس کام کیلئے کہا بہت محبت کرتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے اُس نے مجھ سے کبھی ڈاکٹر کلارک کے قتل کرنے کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حکیم نورالدین نے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ کوئی اور آدمی قادیان سے میرے بعد آیا۔ مرزا صاحب نے مجھے کہا کہ میں ڈاکٹر کلارک کو کسی موقعہ پر جب میں اکیلا پاؤں پتھر سے مار ڈالوں۔ میرا چچا برہان الدین پُرجوش مسلمان تھا۔ مرزا صاحب نے مجھے کہا تھا کہ ڈاکٹر کلارک کو قتل کرنیکے بعد قادیان میں چلے آنا جہاں بالکل محفوظ رہو گے۔ میں ذات کا گکھڑ ہوں میں سولہ یا سترہ برس کا ہوں۔"

"پڑھا گیا اور صحیح تسلیم کیا گیا۔ دستخط اے ای مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر۔ مؤرخہ یکم اگست ۱۸۹۷ء"

اس کے بعد پادری ہنری مارٹن کلارک صاحب کا بیان ہوا۔ مسیحی مذہب کے ایک مشہور و معروف مقتدا کا بیان اس جھوٹے مقدمہ میں ضرور سننے کے لائق ہے۔ دیکھو کس صفائی سے جھوٹ بولتے ہیں۔

اظہار ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب

"میں میڈیکل مشنری ہوں اور امرتسر میں رہتا ہوں۔ عبدالحمید نے میرے پاس ۱۵ جولائی ۱۸۹۷ء کو آکر بیان کیا کہ میں بٹالہ کا برہمن ہوں مجھے غلام احمد قادیانی نے مسلمان کیا تھا اور میں اُس کے پاس سات سال طالب علم ہو کر رہا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ بہت بڑا آدمی ہے اور اب اس کو چھوڑ کر میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کو داخل کر لیا۔ اس کی کہانی مجھے قرین قیاس نہ معلوم ہوئی میں نے اُس کے متعلق تحقیق کرنی شروع کی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کہانی بالکل جھوٹ تھی۔ اور اس کا نام عبدالحمید تھا نہ عبدالمجید جیسا اُس نے بیان کیا تھا۔ نہ وہ بٹالہ کا برہمن تھا بلکہ پیدائشی مسلمان علاقہ جہلم سے تھا۔ اس کا چچا برہان الدین غازی ایک مشہور مذہبی جنونی ہے۔ ان کا تمام خاندان میرزا قادیانی کا فدائی مرید ہے۔ یہ نوجوان عیسائی مذہب کے متلاشیوں کی طرح گجرات میں رہا تھا۔ اس نے اپنے چچا کے چالیس روپے چُرا کر بُرے کاموں میں خرچ کئے۔ جس پر اس کے چچا نے اس کو مرزا قادیانی کے پاس بھیجدیا میں خود بیاس گیا۔ اور پھر اس سے دریافت کیا اور پانچ گواہوں کے سامنے اس نے کھلا کھلا اقرار کیا کہ اُسے مرزا غلام احمد نے میرے قتل کیلئے بھیجا ہے۔ وہ موقعہ کی تلاش میں تھا کہ جب کبھی وہ

مجھے سویا ہوا یا کسی اور حالت میں پائے تو میرے سر کو پتھر سے یا کسی اور چیز سے پھوڑے۔
اس نے یہ تمام واقعات اپنی مرضی سے لکھے۔ میں اس لکھے ہوئے کاغذ کو پیش کرتا ہوں
جس پر اُس نے آٹھ گواہوں کے سامنے دستخط کئے۔ میری واقفیت مرزا صاحب سے اُس
مباحثہ کے وقت سے ہے جو ۱۸۹۳ء میں موسم گرما میں ہوا تھا۔ میں نے اُس مباحثہ میں
بڑا بھاری حصّہ لیا تھا۔ یہ مباحثہ اُس میں اور ایک بڑے بھاری عیسائی عبداللہ آتھم کے
مابین ہوا جو مرگیا ہے۔ میں میر مجلس تھا۔ اور دو موقعوں پر مسٹر آتھم کی جگہ بطور مباحث کے بیٹھا
تھا۔ مرزا صاحب کو بہت ہی رنج ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے ان تمام کی موت کی پیشگوئی
کی جنہوں نے اس مباحثہ میں حصّہ لیا تھا اور میرا حصّہ بہت ہی بھاری تھا۔ اُس وقت سے
اُس کا سلوک میرے ساتھ بہت ہی مخالفانہ رہا۔ اس مباحثہ کے بعد خاص دلچسپی کا مرکز
مسٹر آتھم رہا۔ چار الگ کوششیں اُس کی جان لینے کی کی گئیں۔ اسکی موت کی مقررکردہ
میعاد کے آخری دو ماہ میں خاص پولیس کا پہرہ دن رات فیروزپور میں رکھا گیا۔ اُسے امرتسر
سے انبالہ اور انبالہ سے فیروزپور بھاگنا پڑا ان کوششوں کے باعث جو اس کی جان
لینے کی کی گئیں۔ اور یہ کوششیں عام طور پر مرزا صاحب سے منسوب کی گئی ہیں۔ اسکی موت
کے بعد میں ہی پیش نظر رہا ہوں اور کئی ایک مبہم طریقوں سے یہ پیشگوئی مرزا صاحب کی
تصنیفات میں مجھے یاد دلائی گئی ہے جس کے لئے سب سے بڑی کوشش وہ تھی جسکو عبدالحمید
نے بیان کیا ہے۔ لاہور میں لیکھرام کی موت کے بعد جس کو تمام لوگ مرزا صاحب کی طرف
منسوب کرتے ہیں میرے پاس اس بات کے یقین کرنے کیلئے خاص وجہ تھی کہ میری جان لینے
کی کوئی نہ کوئی کوشش کی جائے گی۔ میں تین ماہ کیلئے رخصت پر گیا ہوا تھا۔ میری واپسی پر
میرا آنا مرزا صاحب کو فوراً معلوم ہوگیا اور عبدالحمید میرے پاس پہنچ گیا۔ عبدالحمید کے بیان
پر یقین کرنے کیلئے میرے پاس کافی وجوہ ہیں اور نیز اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ مرزا
صاحب مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا یہ ایک ہمیشہ کا طریقہ
ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔"

"پڑھکر سنایا گیا صحیح تسلیم کیا گیا۔ دستخط اے ای مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر"

امرتسر میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا بڑا اثر تھا۔ یورپین پادری۔ یورپین مجسٹریٹ۔ نتیجہ
یہ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً حکم لکھ کر حضرت مرزا صاحب کے نام وارنٹ

جاری کر دیا۔ حکم کی نقل بھی ملاحظہ ہو:۔

"حکم"

"عبدالحمید اور ڈاکٹر کلارک کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے عبدالحمید کو ڈاکٹر کلارک ساکن امرتسر کے قتل کرنے کی ترغیب دی۔ اس بات کے یقین کرنے کیلئے وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد مذکور نقض امن کا مرتکب ہوگا یا کوئی قابل گرفت فعل کرے گا جو باعث نقض امن اس ضلع میں ہوگا اس بات کی خواہش کی گئی ہے کہ اس سے حفظ امن کیلئے ضمانت طلب کی جائے۔ واقعات اس قسم کے ہیں کہ جس سے اُس کی گرفتاری کیلئے وارنٹ کا شائع کرنا زیر دفعہ ۱۱۴ ضابطہ فوجداری ضروری معلوم ہوتا ہے لہٰذا میں اس کی گرفتاری کیلئے وارنٹ جاری کرتا ہوں۔ اور اُس کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آکر بیان کرے کہ کیوں زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری حفظ امن کے لئے ایک سال کے واسطے بیس ہزار روپے کا مچلکہ اور بیس ہزار روپے کی دو الگ الگ ضمانتیں نہ لی جائیں"۔

دستخط اے ای مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر۔ یکم اگست ۱۸۹۷ء

وارنٹ کا اجرا اور اس کا گم ہو جانا

یہ وارنٹ جس وقت نکلا تو امرت سر میں عیسائیوں اور آریوں اور مخالف مولویوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے۔ اور چونکہ عیسائیوں اور مخالف مولویوں نے نے اس امر کو خوب شہرت دی تھی اسلئے دوسرے دن سے ہی دشمنانِ حق ٹالہ اور امرت سر کے اسٹیشنوں اور امرتسر کی عدالت کے اردگرد اس بات کے منتظر کھڑے نظر آنے لگے کہ کب مرزا قادیانی ہتھکڑی لگا ہوا نظر آئے اور کب ہم اس نظارہ سے اپنا دل ٹھنڈا کریں۔ لیکن نہ معلوم وہ وارنٹ کہاں غائب ہو گیا کہ آجتک پتہ نہ لگا۔ امرتسر کی عدالت سے نکلا ضرور ہے اور ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے نام گیا ہے۔ آگے نہ معلوم اُسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ پتہ ہی نہ لگا وہ گیا کہاں۔ کوئی ایسا تصرف الٰہی ہوا کہ وہ دنیا سے ناپید ہی ہو گیا۔ وارنٹ نکالنے کے ایک ہفتہ بعد ۷ تاریخ اگست کو نہ معلوم کس طرح (میں تو اسے بھی تصرف الٰہی سمجھتا ہوں۔ مؤلف) غیب سے ڈپٹی کمشنر امرت سر کو یہ سمجھ آئی کہ میں تو اس مقدمہ میں وارنٹ جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتا کیونکہ ملزم ضلع غیر میں سکونت رکھتا ہے۔ یہ اختیار گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ہے۔ اس پر اس نے ۷ تاریخ اگست کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو تار دی کہ اس وارنٹ کو جو میں نے بھیجا تھا روک لو۔ اس پر ڈپٹی کمشنر گورداسپور بہت حیران ہوا اور اپنے ریڈر راجہ غلام حیدر خاں صاحب سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا وارنٹ

آیا ہے۔ اُنہوں نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے ماتحت عملہ سے دریافت کیا تو سب نے ہی اسکی رسید کی سے انکار کیا۔ بڑی حیرت ہوئی کہ وہ وارنٹ گیا کہاں۔ اسی حیص بیص میں ۷۔ اگست ۱۸۹۷ء کو ڈپٹی کمشنر امرت سر نے ذیل کی چٹھی لکھ کر مقدمہ کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے پاس بھیج دیا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"میں نے وارنٹ کا اجرا روک دیا ہے کیونکہ یہ مقدمہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ دیکھو انڈین لا رپورٹ نمبر ۱ الکلکتہ ۱۳ و ۱۲ الکلکتہ ۱۳ و ۱۳ اور ۶ الہ آباد ۲۶۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے پاس کاروائی کیلئے بھیجا جاوے۔ دستخط اے ای مارٹینو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر ۷۔ اگست ۱۸۹۷ء"

حضرت اقدس کو جناب الٰہی کی طرف سے اطلاع

اب ادھر قادیان کا حال سُنو خود اپنی قلم سے حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"۲۹۔ جولائی ۱۸۹۷ء کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ساعقہ مغرب کی طرف سے میرے مکان کی طرف چلی آتی ہے اور نہ اُس کے ساتھ کوئی آواز ہے اور نہ اُس نے کچھ نقصان کیا ہے بلکہ وہ ستارۂ روشن کی طرح آہستہ حرکت سے میرے مکان کی متوجہ ہوئی ہے اور میں اُس کو دُور سے دیکھ رہا ہوں اور جبکہ وہ قریب پہنچی تو میرے دل میں تو یہی ہے کہ یہ صاعقہ ہے مگر میری آنکھوں نے صرف ایک چھوٹا سا ستارہ دیکھا جس کو میرا دل صاعقہ سمجھتا ہے پھر بعد اس کے میرا دل اس کشف سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے الہام ہوا کہ ماھذا الا تحدیث الحکام۔ یعنی یہ جو دیکھا اس کا بجز اس کے کچھ اثر نہیں کہ حکام کی طرف سے ڈرانے کی کارروائی ہوگی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر بعد اس کے الہام ہوا قد ابتلی المومنون۔ ترجمہ مومنوں پر ایک ابتلا آیا یعنی بوجہ اس مقدمہ کے تمہاری جماعت ایک امتحان میں پڑیگی۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا کہ لیعلمن اللہ المجاھدین منکم ولیعلمن الکاذبین۔ یہ میری جماعت کی طرف خطاب ہے کہ خدا نے ایسا کیا تا تمہیں خدا جتلا دے کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ اس کے مامور کی راہ میں صدق دل سے کوشش کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنے دعویٔ بیعت میں جھوٹا ہے ..... پھر یہ الہام ہوا کہ ؎ صادق آں باشد کہ ایام بلا ٭ میگذارد با محبت با وفا۔ یعنی خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہوتا ہے جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گزارتا ہے۔ پھر اس کے بعد میرے دل میں ایک موزون کلمہ ڈالا گیا لیکن نہ اس طرح پر کہ جو الہام جلی کی صورت ہوتی ہے بلکہ الہام خفی کے طور پر دل اس مضمون سے بھر گیا۔ اور وہ یہ تھا ؎

گر قضا را عاشقے گردد اسیر ٭ بوسد آں زنجیر را کز آشنا

یعنی اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اُس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہوا۔
پھر اس کے بعد یہ الہام ہوا۔ "انّ الذی فرض علیک القراٰن لرادّک الی معاد۔
انّی مع الافواج اتیک بغتۃ۔ یاتیک نصرتی۔ انّی انا الرحمٰن ذوالمجد والعلیٰ"
ترجمہ یعنی وہ قادر خدا جس نے تیرے پر قرآن فرض کیا پھر تجھے واپس لائے گا یعنی انجام بخیر و عافیت ہوگا۔ میں اپنی فوجوں کے سمیت (جو ملائکہ ہیں) ایک ناگہانی طور پر تیرے پاس آؤں گا۔ میں رحمت کرنے والا ہوں۔ میں ہی ہوں جو بزرگی اور بلندی سے مخصوص ہے یعنی میرا ہی بول بالا رہے گا۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا "مخالفوں میں پھوٹ اور ایک شخص مخالف کی ذلّت اور اہانت اور ملامت خلق" (اور پھر اخیر حکم براءٔ) یعنی بے قصور ٹھیرانا۔ پھر بعد اس کے الہام ہوا۔ وفیہ شیٔ یعنی بریت تو ہوگی مگر اس میں کچھ چیز ہوگی۔ (یہ اُس نوٹس کی طرف اشارہ تھا جو بری کرنے کے بعد لکھا گیا تھا کہ طرز مباحثہ زم چاہئے) پھر ساتھ اس کے یہ بھی الہام ہوا کہ بلجت ایاتی۔ کہ میرے نشان روشن ہوں گے۔ اور ان کے ثبوت زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو جائیں گے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُس مقدمہ میں جو ستمبر ۱۸۹۹ء میں عدالت مسٹر جے آر ڈریمنڈ صاحب بہادر میں فیصلہ ہوا عبدالحمید ملزم نے دوبارہ اقرار کیا کہ میرا پہلا بیان جھوٹا تھا) اور پھر الہام ہوا لواء فتح یعنی فتح کا جھنڈا۔ پھر بعد اس کے الہام ہوا انما امرنا اذا اردنا شیئاً ان نقول لہٗ کن فیکون۔ یعنی ہمارے امور کے لئے ہمارا قانون یہی ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔
اب واضح ہو کہ اس پیشگوئی سے قبل از وقت پانسو کے قریب انسانوں کو خبر دیگئی تھی۔ چنانچہ اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب اور اخویم مولوی عبدالکریم صاحب اور اخویم مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ اور اخویم خواجہ کمال الدین صاحب اور اخویم مرزا خدا بخش صاحب اور اخویم مولوی حکیم فضل دین صاحب وغیرہ اس قدر گواہ ہیں کہ اگر اُن کے صرف نام لکھے جاویں تب بھی اس کے لئے بہت سے ورق درکار ہیں اور ان تمام صاحبوں کو پیش از وقت بتلایا گیا تھا کہ ایسا ابتلا آنیوالا ہے اور عنقریب ایسا مقدمہ دائر ہوگا مگر آخر خدا تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ اور کوئی ذلّت پیش نہیں آئے گی۔" (تریاق القلوب صفحہ ۹۱)

پہلا خدائی نشان وارنٹ کا گم ہو جانا

اس پیشگوئی میں پہلا خدائی نشان تو جناب الٰہی کی طرف سے یہی ظاہر ہوا کہ امرتسر کے ڈپٹی کمشنر کی طرف سے جو وارنٹ یکم اگست ۱۸۹۷ء کو جاری ہوا تھا وہ کہیں

گم ہوگیا۔ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو ملا ہی نہیں۔ ڈپٹی کمشنر امرتسر کو تو پورے ایک ہفتہ کے بعد ۷ اگست ۱۸۹۷ء کو ہوش آیا کہ میں نے وارنٹ جاری کرنے میں غلطی کی ہے میں غیر ضلع میں وارنٹ جاری نہیں کر سکتا تھا لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ اگر اس عرصہ میں وہ وارنٹ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو پہنچ جاتا اور اس کی تعمیل ہو جاتی تو اگرچہ خدا کی راہ میں ناکردہ گناہ ہتھکڑی پہن لیتا اہل اللہ کے نزدیک مقام عزت و اصطفا ہے لیکن مخالفوں کی نظر میں ذلت اور اُن کی دلی خوشی کا موجب ضرور ہوتا۔ بعد میں ڈپٹی کمشنر امرتسر اظہار افسوس کرتا رہتا مگر دشمنوں کی نظروں میں اس میں جو سبکی متصور تھی وہ ہو چکی ہوتی۔ بقول شاعر ؎ کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ٭ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مگر اللہ تعالیٰ کے فضل کا کچھ ایسا تصرف ہوا کہ وہ وارنٹ ہی کہیں غائب ہو گیا۔ یہاں تک کہ امرتسر کے ڈپٹی کمشنر کی تار ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو پہنچ گئی کہ اُس وارنٹ کا اجرا روک لو۔ مگر اُس نے کیا روکنا تھا۔ خدا نے پہلے ہی روک لیا تھا۔

دوسرا خدائی نشان مقدمہ کا انتقال ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے پاس

مقدمہ منتقل ہو کر جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کپتان ڈگلس کی عدالت میں آگیا تو دوسرا نشان یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا دل ایسا نرم کر دیا کہ بجائے وارنٹ جاری کرنے کے اس نے فقط سمن جاری کرنے پر اکتفا کیا۔ میں یہاں سمن کی نقل پیش کرتا ہوں:-

"بعدالت کپتان ڈگلس صاحب مجسٹریٹ ضلع"

"بنام مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضیٰ ذات مغل ساکن قادیان مغلاں پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور"

"چونکہ حاضر ہونا تمہارا بغرض جوابدہی الزام دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری ضروری ہے لہٰذا تم کو اس تحریر کے ذریعہ سے حکم ہوتا ہے کہ بتاریخ ۱۰ ماہ اگست ۱۸۹۷ء اصالتاً یا بذریعہ مختار ذی اختیار یا جیسا ہو موقعہ پر بمقام بٹالہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حاضر ہو۔ اور اس باب میں تاکید جانو"

(دستخط مجسٹریٹ ضلع گورداسپور)

حالات مقدمہ

چونکہ اس مقدمہ کے حالات بمعہ کل بیانات مستغیثان و گواہان وغیرہ مصدقہ عدالت حضرت اقدس نے اپنی کتاب البریہ میں جو ۲۰ جنوری ۱۸۹۸ء کو شائع فرمائی تفصیل سے درج فرما دیئے ہیں اس لئے میں اُن کو دوبارہ یہاں نقل کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں جس کا دل روئداد مقدمہ کی تفصیل کو معلوم کرنا چاہے اصل کتاب دیکھ لے۔ البتہ اس قدر بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور عبدالحمید نے اپنے وہی بیانات کپتان ڈگلس کی عدالت میں بھی دیئے جو

امرتسر کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں دیئے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب کے دفعہ ان بیانات میں پہلے سے بہت زیادہ تفصیل تھی اور عبدالحمید کے بیان میں کچھ اختلاف بھی تھا۔

بیان مستغیث پہلے دن ۱۰۔ اگست ۱۸۹۷ء کو فقط ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا بیان ہوا جو بہت طول طویل تھا۔ استغاثہ کا لب لباب وہی تھا جو میں اُس کے امرتسر والے بیان کی نقل میں دکھا چکا ہوں۔ البتہ اسلام پر اور حضرت مرزا صاحب پر حملے اور کچھ اور جھوٹے بیانات بھی شامل کر دیئے گئے تھے اور اس امر پر بڑا زور دیا گیا تھا کہ مرزا غلام احمد بجائے خود انگریزی گورنمنٹ کیلئے نہایت خطرناک آدمی ہے اور یہ بھی خواہش ظاہر کی تھی کہ آئندہ کیلئے کوئی پیشگوئی جو میری نسبت نقصان یا موت وغیرہ کی کیجائے اسے بھی باعث نقض امن تصور کیا جائے۔ ۱۲۔ اگست کو بھی ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا ہی بیان اور اس پر جرح ہوتی رہی۔ ۱۳۔ اگست کو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا تتمہ بیان ہوا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مرزا صاحب کا مختصر بیان ہوا جس میں آپ نے فرمایا کہ ہم نے خاص طور پر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی موت کی کوئی پیشینگوئی نہیں کی۔

بیان عبدالحمید اس کے بعد ۱۳۔ اگست کو ہی عبدالحمید کا بیان ہوا جو اُسی مضمون پر مشتمل تھا جو اُس نے امرتسر میں بیان کیا تھا یعنی کہ مجھے مرزا صاحب نے پادری ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے کیلئے بھیجا تھا کہ موقعہ پا کر اسے ایک بڑے پتھر کے ذریعہ قتل کر کے پھر واپس قادیان بھاگ آنا۔ مگر اب کے دفعہ اس میں تفصیلات اور تشریحات پہلے سے بہت زیادہ تھیں۔ بیان دینے کے بعد عیسائیوں نے عبدالحمید سے عدالت میں یہ بھی کہلوایا کہ چونکہ میں نے صاف صاف حالات بیان کر دیئے ہیں اس لئے مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ ڈاکٹر کلارک نے کہا کہ وہ اپنی حفاظت میں اس کو رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ گواہ کو عدالت کی طرف سے ڈاکٹر کلارک کے پاس رہنے کی اجازت دی گئی پس پردہ عیسائیوں کا مطلب فقط اسقدر تھا کہ عبدالحمید عیسائیوں کے زیر اثر رہے۔ کہیں باہر نکل کر پڑھایا ہوا سبق بھول نہ جائے یا اصل بھید نہ ظاہر کر دے۔

اگلی تاریخ پر عبدالحمید کو عدالت نے پھر بلوایا اور مزید سوالات کئے۔ اب کے دفعہ تفصیل دوسرے بیان سے بھی زیادہ تھی جس میں ایک اور شخص قطب الدین کا اُس نے ذکر کیا جو حضرت مرزا صاحب کا مرید تھا اور امرتسر میں دکان کرتا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ مجھے مرزا صاحب نے کہا تھا کہ ڈاکٹر کلارک کو قتل کر کے تم قطب الدین کے پاس بھاگ آنا وہ تمہیں قادیان پہنچا دے گا۔ اور نیز یہ کہ قطب الدین نے اُسے کہا تھا کہ تم ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی دیکھ آؤ۔ پتھر میں بتا دوں گا اُٹھا لے جانا

اور اسے مار دینا۔

بیان گواہان استغاثہ اس کے بعد گواہان استغاثہ میں سے عبدالرحیم عیسائی کا بیان ہوا جس میں اُس نے جہاں اور بیان دیئے وہاں یہ بھی کہہ گیا کہ میں قادیان اس شخص عبدالحمید کی تحقیقات کے لئے گیا تو خود مرزا صاحب نے بتلایا تھا کہ وہ ہندو سے مسلمان نہیں ہوا بلکہ پیدائشی مسلمان ہے۔ جہلم کا رہنے والا ہے۔ مولوی برہان الدین کا بھتیجا ہے۔ راولپنڈی میں وہ عیسائی ہوا تھا پھر مسلمان ہوگیا۔ اب قریباً آٹھ یوم سے چلا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے وہی کہانی سُنائی جو پہلے سے ان لوگوں نے بنا رکھی تھی اور جسے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے اپنے استغاثہ میں لکھوائی تھی۔ اس کے بعد پرمیداس عیسائی کا بیان ہوا۔ اُس نے بھی وہی کہانی دُہرائی۔ اسکے بعد حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کی گواہی ہوئی۔ آپنے وہ تمام حالات بیان کر دیئے جو میں اس واقعہ کے ابتدا میں ذکر کر آیا ہوں کہ کس طرح عبدالحمید قادیان آیا۔ اور رہا۔ اور آپ سے سوزاک کا علاج کراتا رہا۔ بیعت کرنی چاہتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب نے انکار کر دیا۔ دوسری بار جب آیا تو حضرت اقدس نے اُسے نکلوا دیا وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب ساکن گجرات کا بیان ہوا۔ اُنہوں نے بھی عبدالحمید کے حالات جو کچھ معلوم تھے بلاکم و کاست بیان کر دیئے۔ اور بتایا کہ قادیان میں ایسا کوئی غسلخانہ نہیں جہاں حضرت مرزا صاحب عبدالحمید کو قتل کی تلقین کرنے کیلئے لیگئے ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مولوی محمد حسین صاحب کی گواہی اور ذلت اس کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی گواہی ہوئی۔ بدقسمتی سے یہ مولوی صاحب بھی حضرت اقدس کے خلاف عیسائیوں کی طرف سے گواہ بن کر آئے تھے۔ سمجھنے والے ہوتے تو ان کے لئے اس قدر ہی ذلت کافی تھی کہ یہ عیسائیوں کی تائید میں ناحق کے گواہ بن کر آئے تھے۔ مگر ان کے حسد نے ان کو اپنے ہی ہاتھوں ایک اور ذلت پہنچائی اور وہ یہ کہ جب وہ کمرۂ عدالت میں آئے تو اُنہیں یہ خیال تھا کہ میں مرزا کو ہتھکڑی لگی ہوئی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا دیکھوں گا۔ لیکن وہاں دیکھا تو یہ دیکھا کہ کپتان ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حضرت مرزا صاحب کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تصرّف تھا کہ جب بھی آپ حاضر عدالت ہوئے اُس نے نہایت عزت سے آپ کو کرسی دی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے جو آپ کو اس طرح عزّت سے کرسی پر بیٹھے دیکھا تو جل بل کر کباب ہوگئے۔ اُنہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بجائے سیدھی طرح گواہی دینے کے از خود یہ سوال اٹھایا کہ مجھے بھی کرسی ملنی چاہئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اُن کو کہا کہ تم کو کرسی نہیں مل سکتی۔ مرزا غلام احمد صاحب تو رئیس ہیں اور ان کا باپ کرسی نشین تھا اس لئے انہیں ہم نے کرسی دی۔ تمہیں کیسی کرسی دیں۔ اس پر بھی مولانا نہ مانے اور آگے سے کچھ اور بولنے لگے جس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایسی ڈانٹ دی کہ تھر تھر کے کانپ اُٹھے یس پھر دماغ سیدھا ہوگیا اور گواہی دینے لگ گئے۔ گواہی کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا فتنہ انگیز آدمی ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کو لڑواتا رہتا ہے۔ اگر ڈاکٹر کلارک مرجائیں تو اس کی اپنے مریدوں میں بڑی عزت ہوگی۔ یہ مسلمان نہیں دہریہ ہے۔ غرضکہ ان کی گواہی ایسی لغو اور بے سروپا تھی کہ عدالت نے ان کے بیان کو درمیان میں ہی روک کر آخر میں اپنی قلم سے لکھدیا کہ گواہ کو مرزا صاحب سے صریح طور پر عداوت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کی گواہی اور زیادہ لینے کی ضرورت نہیں۔ [1]

[1] یہاں راجہ غلام حیدر صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار مرحوم ساکن راولپنڈی کا بیان قابل ذکر ہے جو اُنہوں نے اپنے مرض الموت میں خود لکھوا کر مجھے بھجوایا (وہ احمدی نہ تھے اس لئے ان کا بیان قابل توجہ ہے) وہ فرماتے ہیں "میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے زمانہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ریڈر (سلخواں) تھا۔ میں پانچ یا چھ روز کی رخصت پر اپنے گھر راولپنڈی گیا ہوا تھا۔ رخصت سے واپسی پر جب میں امرت سر پہنچا اور سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں اُمیدوار بیٹھا ہوا تھا۔ جو دو یورپین صاحبان جن میں سے ایک تو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک خود تھا اور دوسرا کلارک جو وکیل تھا اسی ڈبہ میں تشریف لائے۔ اتنے میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی آگئے اور وہ اُسی سیٹ پر جہاں میں بیٹھا تھا۔ بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک میرے زمانہ ایام ملازمت ضلع سیالکوٹ کے واقف تھے اور مولوی محمد حسین صاحب سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ اس واسطے ایک دوسرے سے باتیں چیتیں شروع ہوگئیں تب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہم سفر ہیں بلکہ اُن کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خریدا ہے پھر ڈاکٹر صاحب موصوف نے بہ وجہ دیرینہ ملاقات کے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ ضلع سیالکوٹ میں سررشتہ دار تھے اب کہاں ہیں۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کا ریڈر ہوں۔ تب اُنہوں نے فرمایا کہ اوہو۔ تب تو شیطان کا سر کچلنے کے لئے آپ بہت کارآمد ہوں گے" چونکہ میں قینوں عاجان سے واقف تھا اس لئے فوراً سمجھ گیا کہ ڈاکٹر صاحب کا اشارہ کس طرف ہے۔ میں نے سرسری طور پر جواب دیا کہ "واقعی ہر ایک نیک انسان کا کام ہے کہ وہ شیطان کا سر کچلے۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کا یہ کہنے سے مطلب کیا ہے" تب ڈاکٹر صاحب موصوف نے مرزا صاحب کا نام لیکر کہا کہ "وہ بڑا بھاری شیطان ہے جس کا سر کچلنے کے لئے ہم اور یہ مولوی صاحب درپے ہیں۔ آپ اقرار کریں کہ آپ ہمیں مدد دیں گے" چونکہ میں اس گفتگو کو طول دینا پسند نہیں کرتا تھا میں نے صرف اتنا کہہ دیا کہ "مجھے معلوم ہے کہ آپ کا اور مرزا صاحب قادیانی کا مقابلہ ہے اور مقدمہ عدالت میں زیر ہے۔ اس لئے میں اس بات سے معافی چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں۔ جو شیطان ہے اس کا سر خود بخود کچلا جائے گا" یا نہیں پڑتا کہ اس کے بعد اور کوئی گفتگو ہوئی یا نہیں۔ میں بٹالہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوگیا کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب وہیں مقیم تھے۔ دوسرے دن جب صبح سیر کیلئے نکلے مرزا صاحب کے بہت سے متعلقین سے انارکلی (جو بٹالہ میں عیسائیوں کے گرجے اور مشن کے مکان کا نام ہے۔ مؤلف) کی سڑک پر مجھ سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر کلارک صاحب جس کوٹھی میں ٹھیرے ہوئے تھے وہ سامنے تھی۔ ہم نے دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب (باقی بر ص ۵۴۲)

مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کے بعد پرھدیال ہندو کی گواہی ہوئی جو قادیان کا حلوائی تھا۔ مگر وہ حق بات کہہ گیا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیان کے رئیس ہیں اور ان کو ہندو لوگ بھی اچھا سمجھتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵۴۱) دروازے کے سامنے ڈاکٹر کلارک کے پاس ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی فضل دین صاحب وکیل مرزا صاحب نے تعجب کے بحر میں کہا کہ "دیکھو آج مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت ہے اور آج بھی یہ شخص ڈاکٹر کلارک کا پیچھا نہیں چھوڑتا"۔ اس کے علاوہ احاطہ بنگلہ میں عبدالحمید جس کی بابت بیان کیا گیا تھا کہ مارٹن کلارک کے قتل کرنے کیلئے مرزا صاحب نے اسے تعینات کیا تھا۔ ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رام بھجدت وکیل آریہ اور پولیس کے چند آدمی اس کے اردگرد بیٹھے تھے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ عبدالحمید کے ہاتھوں پر کچھ نشان کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وکیل حضرت مرزا صاحب نے ان ہر دو واقعات کو نوٹ کر لیا۔ اور جب مقدمہ پیش ہوا تو اوّل عبدالحمید سے وکیل حضرت مرزا صاحب نے سوال کیا کہ کیا وہ احاطہ کوٹھی مارٹن کلارک میں بیٹھا ہوا تھا اور رام بھجدت وکیل اور پولیس والے اس کے پاس تھے اور کیا اس کو مرزا صاحب کے برخلاف جو بیان دینا تھا اس کیلئے کچھ باتیں تلقین کر رہے تھے اور کچھ نشان اس کے ہاتھوں پر کر رہے تھے۔ اُسوقت عبدالحمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اُس نے رام بھجدت وغیرہ کی موجودگی کو تسلیم کیا۔ اور جب اسکے ہاتھ دیکھے گئے تو بہت سے نشانات نیلے اور سُرخ پنسل کے پائے گئے۔ جو خدا جانے کن کن امور کیلئے اس کے ہاتھ پر بطور یادداشت بنائے گئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت سے قبل مولانا مولوی نورالدین صاحب کی شہادت ہوئی۔ ان کی سادہ ہیئت یعنی ڈھیلی ڈھالی سی بندھی ہوئی پگڑی اور کرتے کا گریبان کھلا ہوا اور شہادت ادا کرنے کا طریق نہایت صاف اور سیدھا سادہ ایسا مؤثر تھا کہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ شخص کہے کہ میں مسیح موعود ہوں تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس پر پورا پورا غور کرنے کے لئے تیار ہوگا"۔ مولوی نورالدین صاحب نے عدالت سے دریافت کیا کہ مجھے باہر جانے کی اجازت ہے یا اسی جگہ کمرہ کے اندر رہوں"۔ ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ "مولوی صاحب آپ کو اجازت ہے جہاں آپکا جی چاہے جائیں"۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کی شہادت ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ اور ان کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کے لئے کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے۔ اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی خالی پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا کہ "حضور۔ کرسی"۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ "کیا مولوی صاحب کو حکّام کے سامنے کرسی ملتی ہے"۔ میں نے کرسی نشینوں کی فہرست صاحب کے سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں لیکن جب کبھی حکام سے ملے ہیں کا اتفاق ہوتا ہے تو بوجہ عالم دین یا ایک جماعت کے لیڈر ہونے کے وہ انہیں کرسی دیا کرتے ہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ "آپ کو ئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں۔ آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں اور شہادت دیں"۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ "میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور میں جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں اہل حدیث کا سرغنہ ہوں"۔ تب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا کہ "نچ کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے"۔ خیر شہادت شروع ہوئی تو مولوی صاحب نے حسقدر الزامات کسی شخص کی نسبت لگائے جا سکتے ہیں مرزا صاحب پر لگائے۔ لیکن جب مولوی فضل الدین صاحب وکیل حضرت مرزا صاحب (باقی بر صفحہ ۵۴۳)

اس کے بعد جو شہادتیں پیش ہونی تھیں وہ ختم ہو چکیں تو بحث اس امر پر ہوئی کہ پادری عبداللہ آتھم صاحب اور حضرت مرزا صاحب کے درمیان بمقام امرتسر جو مباحثہ ہوا تھا اُس میں چند عبارتیں ایسی ہیں جو مرزا صاحب کے برخلاف ہیں اس کی بابت کوئی شخص بطور کمیشن مقرر کیا جائے جو ان

(بقیہ صفحہ ۵۴۲) نے جرح میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے معافی مانگ کر اس قسم کا سوال کیا جس سے ان کی شرافت یا کیریکٹر پر دھبہ لگتا تھا تو سب حاضرین نے متعجبانہ طور پر دیکھا کہ جناب مرزا صاحب اپنی کرسی سے اُٹھے اور مولوی فضل الدین صاحب کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا کہ "میری طرف سے اس قسم کا سوال کرنے کی نہ تو ہدایت ہے اور نہ اجازت ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پر بہ اجازت عدالت اگر پوچھنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے" قدرتی طور پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کو دلچسپی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا اس سوال کی بابت تم کو کچھ حال معلوم ہے میں نے جواب نفی میں دیا۔ مگر کہا کہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو جب آپ لنچ کیلئے اُٹھیں گے تو میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو صاحب ڈپٹی کمشنر لنچ کے لئے اُٹھ گئے تو میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب کی معرفت حضرت مرزا صاحب سے دریافت کروایا کہ ماجرا کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہایت افسوس کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب کو بتایا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے والد کا ایک خط ہمارے قبضہ میں ہے جس میں کچھ نکاح کے حالات اور مولوی محمد حسین صاحب کی بدسلوکیوں کے قصے ہیں جو نہایت قابل اعتراض ہیں۔ مگر ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اس قصہ کا ذکر مسل پر لایا جاوے یا ڈپٹی کمشنر صاحب اس سے متاثر ہو کر کوئی رائے قائم کریں" میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب سے سن کر لنچ والے کمرہ میں جا کر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے روبرو جو ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ لنچ میں شامل تھے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کو یہ ماجرا سنا دیا۔ اس پر جو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک بہت ہنسے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ یہ امر تو ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اس ماجرے کو قلمبند نہ کریں۔ مگر یہ بات ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہمارے دل پر اثر نہ ہو۔ لنچ کے بعد جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب دوبارہ جرح کیلئے عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل الدین صاحب وکیل نے ان سے سوال کیا کہ آپ آج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے؟ تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر بے ساختہ میں چونک پڑا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے اس چونکنے کی وجہ پوچھی تو میں نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی طرف اشارہ کیا۔ صاحب بہادر نے ڈاکٹر کلارک سے دریافت کیا تو اُنہوں نے صاف اقرار کیا کہ "ہاں میرے پاس بیٹھے ہوئے اس مقدمہ کی گفتگو کر رہے تھے" پھر مولوی فضل الدین صاحب وکیل نے پوچھا کہ کیا آپ ان دنوں امرتسر سے بٹالہ تک ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے ہم سفر تھے؟ اور آپ کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خریدا تھا؟" تو مولوی محمد حسین صاحب صاف منکر ہو گئے۔ بعض وقت انسان اپنے خیالات کا اظہار بلند آواز سے کر گزرتا ہے۔ یہی حال اس وقت میرا بھی ہوا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ "یہ تو بالکل جھوٹ ہے" تب ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب سے ڈپٹی کمشنر صاحب نے پھر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ "مولوی صاحب میرے ہمسفر تھے اور ان کا ٹکٹ بھی میں نے ہی خریدا تھا" اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر حیران ہو گئے۔ آخر انہوں نے یہ نوٹ مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کے آخر پر لکھا کہ "گو اہ کو مرزا صاحب سے عداوت ہے جس کی وجہ سے اس نے مرزا صاحب کے خلاف بیان دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اسلئے مزید شہادت لینے کی ضرورت نہیں" مولوی محمد حسین صاحب شہادت کے بعد کمرۂ عدالت سے باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک آرام کرسی رکھی ہوئی تھی جس پر ۴۴۴ ہم

عبارتوں کا ترجمہ انگریزی میں کرے اور اصل مفہوم کو پوری طرح ظاہر کرے۔ بعد بحث کے لالہ تلوک چند صاحب تحصیلدار پٹھانکوٹ کو اس کام کیلئے مقرر کیا گیا۔

تیسرا خدائی نشان
مجسٹریٹ کے قلب پر تصرف الٰہی

دوسرے دن عدالت نے گورداسپور جانا تھا۔ چنانچہ ۱۰۔ اگست بمقام گورداسپور مقدمہ کا فیصلہ سنانے کیلئے تاریخ ڈالی گئی۔ راجہ غلام حیدر صاحب مرحوم کا جو اس زمانہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے ریڈر تھے بیان ہے کہ بٹالہ کے اسٹیشن پر جب ہم پہنچے تو گاڑی کچھ لیٹ تھی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر پلیٹ فارم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بیتابانہ طور پر ٹہل رہے تھے۔ میں نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر جرأت کر کے پوچھا کہ "اسوقت آپ بہت متفکر معلوم ہوتے ہیں"، تو صاحب بہادر نے فرمایا کہ "ہم اس مقدمہ میں بہت سرگردان ہیں۔ ہم جس طرف نگاہ کرتے ہیں ہم کو مرزا صاحب نظر آتے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ "انصاف جو تمہاری قوم کا خاصہ ہے اُسکو ہاتھ سے نہ چھوڑنا"۔ علاوہ ازیں ہمیں اس استغاثہ میں عداوت اور خصومت کے آثار بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیا طریق اختیار کیا جائے جس سے اصل حقیقت منکشف ہو جائے"۔ میں نے مشورتاً عرض کیا کہ اگر آپ اس عبدالحمید کو عیسائیوں کے قبضہ سے الگ کر کے اصلیت معلوم کرنا چاہیں گے تو عجب نہیں کہ آپ اپنے گوہر مقصود کو پالیں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کے دل کو یہ بات لگی وہ فوراً ریلوے آفس کے اندر گئے اور ایک فارم کے اوپر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو کچھ ہدایات لکھیں جو میں نے نہیں پڑھیں غالباً یہی لکھا کہ "عبدالحمید کو فوراً اپنے قبضہ میں کرلو۔ اور اس سے اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کرو"۔ اور مجھے حکم دیا کہ ہم تلوک چند کو بھی عبارات متنازعہ فیہ کا ترجمہ کرنے کیلئے پسند نہیں کرتے۔ تم خود ان عبارات کا ترجمہ کر کے ہمیں دو۔ میں نے قریب پونے دن میں چودھری سردار خاں صاحب ای۔ اے۔ سی کی امداد سے ترجمہ کر کے پیش کر دیا جس کو پڑھکر صاحب ڈپٹی کمشنر نے فرمایا کہ "تم نے تو میرے دماغ میں ایک نئی روشنی بھر دی"۔ گورداسپور پہنچکر ایک دن صبح کے وقت مجھے اردلی بلانے آیا کہ صاحب بہادر نے یاد فرمایا ہے۔ جب میں گیا تو معلوم ہوا کہ لیمار چنڈ صاحب کپتان پولیس مع عبدالحمید بٹالہ سے رات آگئے ہیں اور عبدالحمید کا مفصل بیان لکھ کر لائے ہیں جو صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے تصدیق کرنا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۴۳) پڑی تھی اس پر بیٹھ گئے۔ کنسٹیبل نے وہاں سے اُنہیں اُٹھا دیا کہ "کپتان صاحب پولیس کا حکم نہیں ہے"۔ پھر مولوی صاحب موصوف ایک بچھے ہوئے کپڑے پر جا بیٹھے۔ جن کا کپڑا تھا اُنہوں نے یہ کہکر کپڑا کھینچ لیا کہ "مسلمان ہو کر سرغنہ کملا کر اور پھر اس طرح صریح جھوٹ بولنا۔ بس ہمارے کپڑے کو ناپاک نہ کیجئے"۔ تب مولوی نورالدین صاحب نے اُٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ "آپ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جائیں۔ ہر ایک چیز کی حد ہونی چاہئے"۔

عبدالحمید کا سچا بیان چنانچہ ۲۰۔ اگست کو عبدالحمید کا یہ نیا بیان عدالت میں لیا گیا جس کو نقل کرنے سے قبل میں لیما رچنڈ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بیان کو جو اُنہوں نے عدالت میں دیا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں:۔

"۱۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو صاحب مجسٹریٹ ضلع نے ہم سے فرمایا تھا کہ عبدالحمید کے بیان سے پوری تسلی اُن کی نہیں ہوئی۔ اور زیادہ حال دریافت کرنا ضروری ہے۔ ہم نے ڈاکٹر کلارک صاحب سے اُن کے جانے سے قبل دریافت کیا کہ ہم عبدالحمید کو کس طرح بلائیں تو اُنہوں نے کہا کہ منشی نہال چند کو لکھ کر بلالیں۔ ۱۴۔ تاریخ کو محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر ماسیاں سے واپس بٹالہ آیا تو ہم نے اس کو نہال چند کے پاس معہ ایک چٹھی کے بھیجا۔ جب وہ عبدالحمید کو لایا تو ہمارے پاس اس وقت کام بہت تھا ہم نے محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو باہر درخت کے نیچے اپنے زیر نگرانی رکھو۔ انسپکٹر صاحب جلال الدین کو بھی حکم دیا تھا کہ حفاظت رکھو۔ ہم کو علم ہے کہ یہ دونو افسر قادیان والے مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں۔ جب ہم کام سے فارغ ہوئے تو ہم نے عبدالحمید کو بلوایا درخت کے نیچے جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے ہماری نظر پڑتی تھی۔ قریب دو گھنٹے کے بعد ہم نے عبدالحمید کو بلوایا۔ دونو افسر اُس کو لائے۔ قبل اسکے کہ عبدالحمید ہمارے پاس لایا گیا انسپکٹر صاحب نے ہم سے کہا تھا کہ اگر اس وقت فرصت نہیں ہے تو عبدالحمید کو واپس انارکلی بھیجدیا جائے کیونکہ وہ جانا چاہتا ہے اور مقدمہ کی بابت کچھ اصلیت ظاہر نہیں کرتا۔ تب ہم نے کہا کہ اس کو ہمارے روبرو حاضر کرو۔ جب وہ آیا تو وہی کہانی اُس نے بیان کی جو پہلے بیان کی تھی یعنی مرزا صاحب نے اُس کو ڈاکٹر کلارک کے قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ہم نے دو صفحے لکھ کر اس کو کہا کہ ناحق کیوں وقت ضائع کرتے ہو ہم صرف اصلیت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے اس بات کے کہتے ہی عبدالحمید ہمارے پاؤں پر گر پڑا اور زار زار رونے لگا۔ بڑا پشیمان معلوم ہوتا تھا اور کہا کہ اب میں سچ سچ بیان کرتا ہوں جو اصل واقعہ ہے۔ اور تب اُس نے وہ بیان ہمارے روبرو دیا جو ہم نے حرف بحرف اس کی زبان سے لکھا اور عدالت میں پیش ہے۔ ہم نے تب ڈپٹی کمشنر کو تار دی اور گواہ کو گورداسپور لائے۔ جب سے اس نے اپنا یہ بیان دیا ہے وہ ہمارے بنگلہ کے احاطہ میں رہتا ہے۔ اور اپنی مرضی سے جہاں جی چاہتا ہے آتا جاتا ہے۔ آج صبح عبدالحمید نے ہم سے کہا تھا کہ ایک شخص عبدالغنی نے اُس کو کہا ہے کہ پہلے بیان کے مطابق پھر بیان لکھوانا ورنہ قید ہو جاؤ گے

ہمارے خدمتگاروں نے اُس شخص کو دیکھا تھا۔ جب عبدالحمید ہم کو کہنے آیا تو ہم کو معلوم ہوا کہ عبدالغنی احاطہ سے چلا گیا ہے۔ ڈاکٹر گرے صاحب سے ہم نے دریافت کیا تھا اور اُنہوں نے ہم کو چٹھی لکھی تھی جو پیش کی جاتی ہے۔"

اس بیان کے بعد میں عبدالحمید کا وہ معرکۃ الآرا بیان نقل کرتا ہوں جس نے خدا کے فضل سے تمام مقدمہ کی کایا پلٹ دی اور جس سے ان پادریوں کے دجل کی پوری حقیقت واضح ہوگئی۔ اور جس سے انہی پادریوں کے قول کے بموجب "شیطان کا سر کچلا گیا" اور حق کا بول بالا ہوگیا۔ وھو ہٰذا۔

ترجمہ از انگریزی بیان عبدالحمید دوبارہ اُس بیان کی بنا پر جو اُس نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے آگے دیا تھا۔ عبدالحمید کو بطور ایک سرکاری گواہ کے پھر شہادت کے لئے بلایا گیا اور اُس کا بیان دوبارہ لیا گیا

بیان عبدالحمید گواہ بہ اقرار صالح ۲۰۔ اگست ۱۸۹۷ء بسوال عدالت

"میں نے کپتان صاحب پولیس کے روبرو بٹالہ میں ایک بیان دیا تھا۔ ایک تھانیدار مجھ کو صاحب (کپتان صاحب) کے پاس لایا تھا۔ نام نہیں جانتا۔ اس وقت میں انارکلی (بٹالہ) میں تھا۔ ہم تین آدمی گاڑی میں تھے۔ ایک میں۔ ایک تھانیدار۔ اور ایک سائیس۔ اُس وقت میں وارث دین عیسائی بھگت پر بیداس اور دو پولیس کے سپاہیوں کی حفاظت میں تھا۔ تھانیدار سیدھا صاحب کے پاس مجھ کو لے گیا تھا (اس واقعہ یوں ہے کہ) میں سب سے پہلے امرتسر ہال دروازہ میں نورالدین عیسائی کے پاس گیا تھا۔ قادیان سے آکر میں دو روز چھاپہ خانہ غلام مصطفےٰ میں رہا تھا۔ چھاپہ خانہ کی ملازمت کے واسطے وہاں ٹھیرا تھا۔ مگر وہاں کام نہ ملا۔ پھر میں امرتسر نورالدین کے پاس گیا۔ نورالدین نے پادری گرے صاحب کے نام مجھے چٹھی دی تھی۔ نورالدین کے پاس بطور تلاش عیسائیت گیا تھا۔ میں قطب الدین کے پاس ہرگز نہیں گیا تھا۔ میرا پہلا بیان کہ اس کے پاس گیا تھا سچ نہیں ہے۔ اس سے میں واقف تک بھی نہیں ہوں۔ پادری گرے صاحب سے میں نے عرض کی تھی کہ مجھے عیسائی کرو۔ اُنہوں نے مجھے نورالدین کے پاس واپس بھیجدیا اور کہا کہ اپنا خرچ کھاؤ تو عیسائیت سکھلائیں گے۔ میں ڈاکٹر (ہنری مارٹن کلارک) صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ ہندو سے مسلمان ہوا ہوں۔ یہی بات میں نے نورالدین سے کہی تھی اور میں نے کہا کہ قادیان سے آیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اچھا ہم دریافت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جب بپتسمہ ہو جائے تب دریافت کرنا۔ تب ڈاکٹر صاحب نے

مجھے ہسپتال بھیجدیا وہاں عبدالرحیم عیسائی تھا۔ اُس نے مجھ سے دریافت کیا میں نے اُس سے بھی کہا کہ قادیان سے آیا ہوں۔ دوسرے تیسرے روز وہ مجھے ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر لے گیا۔ مجھے ڈاکٹر صاحب نے بلایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عبدالرحیم کہتا ہے کہ تو خون کرنے آیا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ بچہ ہے یہ ایسا کام کس طرح کر سکتا ہے۔ پھر مجھے بیاس بھیجدیا۔ عبدالرحیم نے مجھے دو تین دفعہ یہ بات کہی کہ مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ تم کس کام کے واسطے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں صرف عیسائی ہونے آیا ہوں اور کسی کام کے واسطے نہیں آیا۔ پھر میں بیاس چلا گیا۔ وہاں عبدالرحیم دو روز کے بعد آیا۔ چار بجے دن کے وقت آیا تھا۔ مجھ سے ملا۔ ہسپتال میں جہاں میں پڑھ رہا تھا مجھے کہا کہ بتلاؤ تم کس طرح آئے ہو کیونکہ ہم کو پتہ لگ گیا ہے۔ سچ بتلاؤ ورنہ کپتان صاحب پولیس کے حوالہ کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ عیسائی ہونے آیا ہوں اور کوئی بات نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ تم خون کرنے آئے ہو۔ مگر یہ نہیں کہا کہ کس کو مارنے کے واسطے۔ پھر وہ چلا گیا۔ دوسرے تیسرے روز ڈاکٹر صاحب معہ یوسف خاں اور ایک اور بوڑھے سے آدمی کے آئے۔ اور میرا فوٹو ڈاکٹر صاحب نے اُتارا اور امرتسر چلے آئے۔ اُس وقت اور نوکروں کی بھی تصویریں لیں۔ اُس وقت تک کوئی ذکر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے نہیں کیا۔ اس کے دو روز بعد تار آئی کہ ڈاکٹر صاحب مجھے امرتسر بلاتے ہیں۔ بھگت پرمیداس نے ایک سانپ مارا تھا۔ اُس نے مجھے کہا کہ یہ سانپ مرا ہوا ساتھ لے جاؤ صاحب کو دکھانا۔ اسٹیشن پر سے محمد یوسف مجھے کوٹھی پر لے گیا۔ اور وہاں میرا فوٹو لیا گیا۔ خراب نکلا۔ پھر مجھے ڈاکٹر صاحب نے محمد یوسف کے ہمراہ بازار میں بھیجا۔ اور وہاں میری تصویر اُتاری گئی۔ پھر میں کھانا کھانے بازار گیا۔ اور بعد کھانا کھانے کے محمد یوسف مجھے کوٹھی پر لیگیا اسی بازار میں دکان تھی جہاں یوسف تھا۔ رام کھانے کا یوسف نے دیا تھا۔ جب کوٹھی گیا وہاں سے بیاس پر مجھے بھیجا گیا۔ بیاس جانے سے پہلے مجھے ہسپتال میں بھیجا گیا اور وہاں سے پرچہ جات اسٹیشن پر لانے کے واسطے اکیلا بھیجا گیا۔ عبدالرحیم وہاں تھا۔ اُس نے کہا کہ تو سچ سچ بتلا دے جس بات کے واسطے آیا ہے۔ مجھ کو معلوم ہو گیا ہے۔ ورنہ قید ہو جاویگا۔ اسکے بعد میری فوٹو لی گئی اور کوٹھی پر گیا اور پھر یوسف نے مجھے ٹکٹ دے دیا اور میں بیاس چلا گیا۔ دو روز کے بعد ڈاکٹر (کلارک) صاحب۔ عبدالرحیم۔ وارث دین۔ بھگت پرمیداس اور ایک اور جوان عیسائی وہاں آئے۔ اور وارث دین عبدالرحیم نے سب کے رُوبرو مجھ سے کہا

کہ اب بتلاؤ جس کام کے واسطے تو آیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں عیسائی ہونے کو آیا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ تجھکو مرزا قادیانی نے بھیجا ہے۔ مَیں نے کہا کہ نہیں اُس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ عبدالرحیم میرے پاس بیٹھا ہؤا تھا اُس نے مجھے کہا کہ تو یہ بات کہہ کہ مرزا غلام احمد نے مجھے بھیجا ہے کہ ڈاکٹر کلارک کو پتھر سے مار دے۔ مجھے تصویر دکھلائی اور کہا کہ جہاں جاؤ گے پکڑے جاؤ گے ورنہ یہ بات کہہ دو۔ مَیں نے اس کے کہنے کے بموجب ویسا ہی کہدیا۔ تب ڈاکٹر صاحب نے اور دوسروں نے کہا کہ ہم کو ایسا تحریر کردو۔ مَیں نے تحریر کردیا۔ اور لکھا "نقصان کر" تو مجھے عبدالرحیم نے کہا کہ لفظ "مار ڈال" کا بھی لکھ دو۔ کہ ان میں یہ بات کہی تھی۔ میرے ساتھ بیٹھا ہؤا تھا۔ وقت تحریر اقبال وہ میرے پہلو بہ پہلو بیٹھا ہؤا تھا۔ اقبال (وہ تحریر) دو دفعہ لکھا تھا بار اوّل صرف لفظ "نقصان" لکھا تھا۔ دوسری دفعہ جب لکھنے لگا تو بموجب اُس کے کہنے کے "مار ڈال" کا بھی لفظ لکھ دیا۔ پھر جب دستخط کرنے لگا تو پوسٹ ماسٹر وغیرہ کو انہوں نے بلالیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ مارے ڈر کے مَیں نے کہا کہ ہاں رضامندی سے لکھ رہا ہوں۔ جب مَیں نے لکھ دیا تو ڈاکٹر صاحب اور سب نے کہا کہ ٹھیک۔ بس تو ہمارے دل کی مراد پوری ہوگئی ہے۔ پھر ۶ بجے کی ٹرین میں مجھے امرت سر لیکر ڈاکٹر صاحب وغیرہ آئے اور کوٹھی پر لے گئے۔ وارث دین۔ عبدالرحیم۔ بھگت پریم داس ساتھ تھے۔ جس روز اقبال لکھا تھا اس روز عبدالرحیم کے علاوہ بھگت پریم داس اور وارث دین بھی مجھے یہی کہتے رہے تھے کہ تو اس طرح بیان لکھا کر مرزا کو پھنسانے۔ تجھ کو کچھ نہیں ہوگا کیونکہ تم کو ڈاکٹر صاحب نے معافی دیدی ہے۔ رات کو مجھے سلطان ونڈ لے گئے۔ خیرالدین ڈاکٹر کے مکان پر مجھے رکھا اور مجھے برابر سکھلاتے رہے کہ تم یہ بات عدالت میں کہہ دینا کہ مجھے مرزا نے بھیجا تھا کہ ڈاکٹر کو پتھر سے مار دو۔ مَیں نے ڈر کے مارے کہا کہ ایسا ہی کہوں گا۔ رات کو مَیں بڑا بے چین رہا اور بے خواب رہا کہ مجھ سے جھوٹ کہلواتے ہیں۔ صبح مجھے گاڑی میں بٹھا کر کوٹھی پر لائے اور کہتے رہے کہ تم کو کچھ بھی نہیں کہا جائے گا تم یہی بیان دینا۔ ڈپٹی کمشنر (امرتسر) کے روبرو میرے اظہار ہوئے۔ مَیں نے رلیا رام نام از خود بتلایا تھا۔ نورالدین کے پاس اس لئے گیا تھا کہ کسی شخص ہندو یا مسلمان نے بتایا تھا کہ وہ عیسائی کرتا ہے۔ پہلی بار جب مَیں ڈاکٹر صاحب (یعنی ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک) کے پاس گیا تھا تو میں نے نہیں کہا تھا کہ مرزا صاحب نے مجھے بھیجا ہے! اپنا پتہ کھجوری دروازہ کا مَیں نے خود بخود بتلایا تھا۔ یہ باتیں اس واسطے مَیں نے کی تھیں کہ پہلے میں

اسکاچ مشن گجرات میں تھا اور بہ وجہ بدچلنی مجھے نکالا گیا تھا۔ اس غرض سے میں نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کیا تھا کہ پہلا حال معلوم نہ ہووے۔ مولوی نورالدین کو چٹھی میں نے بیاس سے ضرور لکھی تھی کہ میں عیسائی دین کو اچھا سمجھتا ہوں۔ وارث دین۔ بھگت پرمیداس و عبدالرحیم نے مجھے کہا تھا کہ تو اس چٹھی کی بابت یہ کہنا کہ مرزا صاحب اور مولوی نورالدین تو ایک ہی ہیں۔ اس لئے ان کو چٹھی لکھی تھی کہ میرے حالات کی ان کو خبر ہو جاوے۔ عبدالرحیم۔ پریم داس اور وارث دین نے انارکلی (ریٹالہ) میں مجھے سکھلایا تھا کہ یہ کہنا کہ مرزا صاحب کو گالیاں دیکر چلا آیا تھا۔ مرزا صاحب کے دو آدمیوں سے بوجہ ان کے نصیحت دینے کے میرا تکرار ضرور ہوا تھا۔ مگر مرزا صاحب کو میں نے کوئی گالی بُرا نہیں کہا۔ مجھے کوئی علم دو آدمیوں کا جن کا بیاس میں دیکھا جانا بیان کیا جاتا ہے نہیں ہے۔ سلطان ونڈ میں عبدالرحیم وغیرہ نے مجھے کہا تھا کہ تم یہ بات کہنا کہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر میری نیت قتل کرنے کی بدل گئی ہے۔ جب میرا اظہار ہو چکا تھا تو مجھے کوٹھی امرتسر میں لیجا کر بند کر دیا تھا اور عبدالرحیم و وارث دین و پرمیداس کہتے تھے کہ تم کو مرزا صاحب کا کوئی آدمی مار دیگا۔ دو تین میرے ساتھ مکان میں بند کئے گئے تھے۔ وہ بھی سکھلاتے رہتے تھے۔ قطب الدین کی بابت مجھے وارث دین عبدالرحیم و پرمیداس نے کہا تھا کہ اس کا نام لو۔ وکیل صاحب (لالہ رام بھجدت) نے انارکلی (ریٹالہ) میں مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور آدمی بھی تھا یا نہیں۔ جب تک کسی اور آدمی کا ذکر نہ ہوگا تم پر ندہ نہ تھے کہ مار کر اُڑ جاتے عدالت باور نہیں کریگی۔ اس پر وارث دین وغیرہ نے قطب الدین کی شمولیت کی بابت مجھے سکھلایا تھا۔ میں نے وکیل صاحب کو پتہ قطب الدین کا نہیں بتلایا تھا۔ میرے ہاتھ پر پریم داس نے کرموں کی ڈیوڑھی اور قطب الدین کا پتہ لکھ دیا تھا کہ جب اظہار دو گے یاد رکھنا۔ پنسل سے لکھا تھا پنسل وارث دین کی تھی۔ یہی پنسل ہے جو اس وقت وکیل صاحب کے ہاتھ میں ہے اور اسی سے لکھا تھا (نوٹ۔ تسلیم کیا گیا کہ پنسل وارث دین کی ہے)۔ اور بھی بہت سی پنسلیں اسکول میں تھیں وارث دین وغیرہ قطب الدین کا حلیہ بیان کرتے تھے۔ مگر میں اسکو مطلق نہیں جانتا تھا۔ رات کو انہوں نے مجھ سے حلیہ وغیرہ قطب الدین کا ذکر کیا تھا۔ وکیل سے میں نے حلیہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بھگت پرمیداس۔ وارث دین اور عبدالرحیم کے سکھلانے پر میں نے بیان کیا تھا کہ مرزا صاحب کو مٹھیاں بھرا کرتا تھا۔ میں مرزا صاحب کے مکان پر کبھی نہیں گیا تھا۔ صرف ایکدفعہ

اُن کو مسجد میں دیکھا تھا۔ صرف اِن لوگوں کے کہنے سے یہ سب بیان کیا تھا۔ ان ہی کے کہنے سے بیان کیا تھا کہ امرتسر مسجد خیر الدین میں مَیں سویا رہا تھا۔ یہ بات بھی ٹیالہ میں مجھے سکھلائی گئی تھی۔ اور یہ لوگ مجھ سے یہ جھوٹا بیان دلواتے رہے اور مَیں مارے ڈر کے جھوٹا بیان دیتا رہا۔ جب تھانیدار بدلنے گیا تھا اُس وقت مَیں اندر تھا۔ باہر وارث دین نے مجھے کہا کہ خبردار پہلا بیان مت بدلنا تم کو ڈاکٹر صاحب نے وعدہ معافی دیا ہوا ہے۔ دو سپاہی پولیس کے سکھ تھے اُنہوں نے بھی مجھے کہا تھا کہ خبردار اظہار مت بدلنا۔ ایک مدرس نمال چند نے بھی ایسا ہی کہا تھا آج صبح عبدالغنی عیسائی میرے پاس آیا اور کہتا تھا کہ وارث دین اور یوسف کہتے ہیں کہ اگر پہلے اظہار پر قائم رہو گے تو تم کو ڈاکٹر صاحب سے معافی دلوا دیں گے اور تم بچے رہو گے۔ کپتان صاحب کو میں نے اس امر کی اطلاع دیدی تھی۔ صاحب بہادر غسل کر رہے تھے۔ خانساماں خاکروب سب احاطہ والوں کو خبر ہے کہ انہوں نے اسکو دیکھا تھا۔ مَیں نے کوئی کمرہ مرزا صاحب کا نہیں دیکھا ہوا اور نہ غسل خانہ کا کوئی علم ہے۔ صرف ان لوگوں کے کہنے سے مَیں نے ایک کمرہ کا جو مسجد کے اُوپر کے حصّہ سے ملا ہوا ہے نام لے دیا تھا۔ ڈر کے مارے مَیں سب بیان کرتا رہا تھا۔ نورالدین عیسائی نے مجھے کہا تھا کہ تمہارا گزارہ میرے پاس نہیں ہو سکیگا تم ڈاکٹر کلارک صاحب کے پاس جاؤ۔ اس لئے مَیں ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تھا۔ ورنہ پہلے کوئی واقفیت ڈاکٹر صاحب سے نہ تھی۔ اقبال جو مَیں نے لکھ کر دیا تھا اُس کا مطلب مجھے عبدالرحیم نے بتلایا تھا جو مَیں نے لکھ دیا تھا۔ الفاظ بھی مجھے اُسی نے بتلائے تھے۔ پہلی تحریر جو مَیں نے کی تھی وہ مجھ سے لیکر اُنہوں نے چاک کر دی تھی۔ جو بیان مَیں نے اب لکھایا ہے یہ بالکل درست اور سچ ہے۔ پہلا بیان خوف اور ترغیب کے ماتحت مَیں نے لکھایا تھا مَیں نے جو بیان اب لکھایا ہے خود بخود اپنی مرضی سے لکھوایا ہے کسی کی ترغیب یا تحریص سے نہیں لکھوایا۔"

اس کے بعد وکلا کی جرح ہے جس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جیسے جیسے جرح ہوتی گئی معاملہ صاف ہوتا گیا۔ اور پادریوں اور عیسائیوں کا جھوٹ کھلتا گیا۔ اور عدالت کو یقین ہو گیا کہ یہ مقدمہ سرتاپا جعلی اور بناوٹی ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد عیسائی گواہوں کو دوبارہ بلایا گیا۔ اور اُن پر جرح کی گئی تو جھوٹ اور بھی واضح ہو گیا اور حقیقت کھُل گئی۔

چوتھا خدائی نشان
ڈپٹی کمشنر کا فیصلہ اور حضرت اقدس کی برّیت

۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کپتان ڈگلس نے اپنا فیصلہ اس مقدمہ میں سنایا جس میں حضرت اقدس مرزا صاحب

کو صاف طور پر ہر ایک الزام سے بری قرار دیا گیا جس سے اُن تمام دشمنوں کی کمریں ٹوٹ گئیں جو فیصلہ سُنائے جانیوالے دن بڑی شان اور تجمل سے کچہری میں رونق افروز تھے۔ اور یہ خیال کر کر کے خوش ہوتے تھے کہ ابھی ہم مرزا غلام احمد کو ہتھکڑی لگے ہوئے جیل خانہ جاتے ہوئے دیکھیں گے۔ اور بعض تو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ یورپین پادری کا قدم درمیان میں ہے۔ مقدمہ سشن سپرد ہو کر مرزا کو پھانسی یا کالے پانی کی سزا ہوگی۔ لیکن جب اُنہوں نے سُنا کہ خدا کے فضل سے حضرت مرزا صاحب بری ہو گئے تو صدمہ سے اُن کے چہرے سیاہ پڑ گئے اور آناً فاناً میں کچہری سے غائب ہو گئے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے جو فیصلہ لکھا ہے وہ بہت طویل ہے اور وہ سب کا سب من وعن حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی کتاب البریّہ میں نقل کیا ہے جس کی طبیعت چاہے وہاں پڑھ لے۔

وجوہات برئیت وہ وجوہات جن کی بنا پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے حضرت اقدس کو بری قرار دیا کئی ہیں۔ جنہیں اُس نے نہایت تفصیل سے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے مگر میں یہاں اُن میں سے چند وجوہات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ صاحب بہادر لکھتے ہیں:۔

(۱)۔ اوّل تو عبدالحمید کی وضع قطع ایسی ہے کہ وہ کسی جانبازی اور ذمہ داری کے کام کے لائق نہیں وہ ایک لمبا پڑھا ہوا کمزور دل کا نوجوان ہے۔ اور ارتکاب قتل جیسے جانبازی کے کام کے لئے وہ بالکل نااہل ہے۔

(۲)۔ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے پاس قادیان میں صرف دو ہفتہ رہا۔ اور اتنے تھوڑے عرصہ میں کسی شخص سے اتنی واقفیت نہیں پیدا ہو جاتی کہ ارتکاب قتل جیسے نازک کام کے لئے اُس پر بھروسہ کیا جا سکے۔

(۳)۔ قتل کرنے کا جو طریق عبدالحمید نے بتلایا وہ ایسا بھونڈا اور احمقانہ طریق ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے بٹالہ کے ہندو ہونے کے بیان کی بڑی آسانی سے ڈاکٹر کلارک تکذیب کر سکتے تھے۔

(۴)۔ خود مرزا صاحب نے اپنے بیان میں تسلیم کیا کہ عبدالحمید ہمارے پاس پندرہ روز رہکر گیا ہے اگر مرزا صاحب اس سازش میں شریک ہوتے تو وہ اس قسم کے اقرار سے اپنے آپ کو ہرگز خطرہ میں نہ ڈالتے۔

(۵)۔ یہ ثابت ہے کہ وہ نوجوان پہلے ڈاکٹر گرے کے پاس امرت سر میں گیا۔ اگر وہ اس کو کھانے پینے اور مکان کا وعدہ کرتے تو وہ انہی کے پاس رہتا۔ اگر وہ فی الاصل ڈاکٹر کلارک کے پاس بھیجا گیا تھا

تو ڈاکٹر گرے امریکن مشن کے پادری کے پاس وہ کیوں چلا گیا۔ اور یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ ڈاکٹر گرے کے انکار کرنے پر محض اتفاق سے ڈاکٹر کلارک کی طرف اُسے رستہ بتایا گیا۔

(۶)۔ عبدالحمید اگر قادیان سے قتل کرنے آیا تھا تو اُسے قادیان کا نام مخفی رکھنا چاہئے تھا۔ اُس کا اپنے آپ کو بٹالہ کا ہندو بتانا بیکھرام کے قاتل سے قطعاً کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ اُس کا یہ فعل محض اس لئے تھا کہ تا اُس کے گجرات کے عیسائی مشن سے بچ نکلنے کی وجہ سے نکلے جانے پر پردہ پڑا رہے۔

(۷)۔ اگر عبدالحمید کا وہ بیان سچا ہوتا جو اُس نے بمقام بیاس دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس امر کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ وہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے آیا تھا وہ تفصیلات کے بیان کرنے سے رُکا رہتا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ بہت سی تفصیلات اس وقت ظاہر ہوئیں جبکہ وہ نوجوان وارث دین اور پرمیداس اور عبدالرحیم عیسائیوں کی حفاظت میں بٹالہ میں تھا۔ لہٰذا ہماری یہ رائے ہے کہ عبدالرحیم اور وارث دین اور پرمیداس ہی اس ساری کہانی کے جوابدہ ہیں۔ اور غالباً وہی اس کو تمام وقت ورغلاتے رہے۔ خود اس کا وہ بیان جو ہمارے سامنے ہوا اُس بیان سے مختلف تھا جو امرت سر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے ہوا۔ نیز ہم اس کی وضع قطع سے جبکہ وہ شہادت دے رہا تھا مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جسقدر عرصہ بھی وہ بٹالہ میں مشن کے ان ملازموں کے پاس رہا اُس کا بیان مفصل اور طویل ہوتا گیا جس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ یا تو کوئی شخص یا اشخاص اس کو سکھلاتے پڑھاتے ہیں یا یہ کہ اس کو اس سے زیادہ علم ہے جتنا کہ وہ اب تک ظاہر کر چکا ہے۔ اس لئے ہم نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو کہا کہ آپ اس کو مشن کمپونڈ سے نکال کر اپنی تحویل میں لیں۔ اور پھر اس کا بیان لیں۔ اُنہوں نے اسے مشن کے قبضہ سے نکال لیا۔ اور جب اس کا بیان لینے لگے تو پہلے تو وہی پہلا بیان اُس نے دیا۔ دو صفحے لکھنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جب کہا کہ تم ناحق وقت ضائع نہ کرو ہمیں اصل حقیقت درکار ہے تو وہ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کے پاؤں پر گر پڑا اور زار زار رونے لگا۔ اور کہا کہ میں اس مقدمہ میں عبدالرحیم اور وارث دین اور پرمیم داس ملازمان مشن کی سازش سے جنکی تحویل میں میں رہا ہوں برابر جھوٹ بولتا رہا۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ کئی روز سے سخت پہرہ میں رکھا گیا ہے۔ اور وہ سخت مصیبت میں گرفتار رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا۔ لہٰذا صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اُس کا پورا پورا بیان لیا۔ اُس نے اُسے نہ دھمکایا نہ کوئی وعدۂ معافی دیا۔ اور یہ سچ ہے

(نوٹ صفحہ ۵۵۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

کہ نوجوان کی صورت حال اور وضع قطع سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ فی الواقع مصیبت اور تکلیف میں رہا ہے۔ چنانچہ ۲۰۔ اگست کو اُس نے جو بیان دیا اُس میں اُس نے صاف کہا کہ نہ مرزا صاحب نے مجھ کو بھیجا اور نہ میرا اُن سے کوئی تعلق ہے۔ جو کچھ میں نے مرزا صاحب کے خلاف بیان دیا تھا وہ عبدالرحیم اور وارث دین اور پریم داس عیسائیوں کی سازش اور اُن کے سکھانے پڑھانے سے دیا تھا۔ اور تفصیل کے بڑھتے جانے کی وجہ یہ تھی کہ جو وقت ایک دن کے بیان میں پیدا ہوتی تھی دوسرے دن اُسے دور کرنے کیلئے یہ مجھے اور باتیں سکھا دیتے تھے۔

(۸)۔ عبدالحمید نے یہ بھی بیان کیا کہ مرزا صاحب کے جس مرید کی نسبت میں نے بیان دیا تھا کہ اس نے بعد از قتل مجھے پناہ دینی تھی۔ اُس کی شکل سے بھی میں واقف نہیں نہ اُس کا نام سُنا تھا۔ اُنہوں نے خود ہی اُس کا نام اور پتہ مجھے یاد کرایا۔ اور اس ڈر سے کہ میں بھول نہ جاؤں اس کا نام اور پتہ میری ہتھیلی پر پنسل سے لکھ دیا تھا۔

(۹)۔ عبدالحمید نے یہ بھی کہا کہ ابتدا میں جب مجھ سے مرزا صاحب کے خلاف بیان لکھوایا گیا تھا تو اس وقت ان عیسائیوں نے خوش ہو کر کہا تھا کہ اب ہماری دل کی مراد بر آئی (یعنی اب ہم مرزا صاحب کو پھنسائیں گے)۔ (انتہیٰ)

غرض کہ یہ وہ وجوہات تھیں جنہیں سامنے رکھ کر مسٹر ڈگلس نے حضرت مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

مسٹر ڈگلس کی پلاطوس سے بڑھکر اخلاقی جرأت

مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور نے اس مقدمہ میں پلاطوس سے زیادہ اخلاقی جرأت دکھلائی۔ پلاطوس نے مسیح موسوی کے بارے میں ان کی بریت کے متعلق فقط اتنا کیا تھا کہ عدالت میں ہاتھ دھوئے تھے اور کہا تھا کہ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔ مگر وہ اتنا نہ کر سکا کہ یہودیوں کے رھبانوں اور احباروں سے ان کو چھڑا لے۔ مگر ڈگلس صاحب نے بڑے دھڑلے سے مسیح محمدی کی بریت کا اعلان کیا جس سے عیسائیوں کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اور یہ سب خدا کے فضل سے تھا جس نے اس کے دل کو صراط مستقیم کی طرف پھیرا۔ اور انصاف اور عدل کے لئے اتنی جرأت اس کے قلب میں پیدا کر دی کہ اُس نے اپنے ہم مذہبوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک ایسے شخص کو جو مسیحیت کا مدعی تھا اور جس کے وجود سے اس کے اپنے مسیحی مذہب پر خطرناک

(حاشیہ ۱ متعلقہ ص ۵۵۲) سرکار کی طرف سے عبدالحمید پر اسی مقدمہ میں حلف دروغی کے مرتکب ہونیکی وجہ سے استغاثہ چلایا گیا جس میں وہ سزا پا گیا۔ اُس نے اس وقت بھی یہی کہا کہ میرا پہلا بیان جھوٹا تھا جو مجھے عیسائیوں نے سکھایا تھا اور دھمکا کر کہلوایا تھا اور مرزا صاحب نے مجھے ہرگز ہرگز کسی کو بھی قتل کرنے کیلئے نہیں کہا تھا۔ (مؤلف)

زد پڑتی تھی بری قرار دیا۔ گو وہ اپنے فیصلہ میں اپنے انگریز پادری ہنری مارٹن کلارک کو صاف بچا گیا۔ اور لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ پریمداس اور عبدالرحیم اور وارث دین نے ڈاکٹر کلارک کو دھوکا دیا۔ لیکن ایک واقف کار انسان کا دل اس بات کو ماننے سے سخت مضائقہ کرتا ہے کہ اتنا عرصہ مقدمہ چلتا رہا اور یہ سب مل کر آپس میں مشورے اور سازشیں کرتے رہے۔ خود ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک عبدالحمید کے فوٹو لیتے رہے تاکہ وہ رعب میں آجائے۔ ان حالات میں وہ ان سب باتوں سے کیسے بے خبر مانے جا سکتے ہیں۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے تو وہ ایسے بھولے نظر نہیں آتے۔ اُن کے دل میں حضرت مرزا صاحب کو پھنسانے کے لئے اس قدر آگ مشتعل تھی کہ وہ بزعم خود شیطان کا سر کچلنے کے لئے راجہ غلام حیدر خاں صاحب مسلخوان کو مدد کرنے کے واسطے دعوت دیتے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو ایک دشمن گواہ ہے اپنی جیب سے ٹکٹ خرید کر سفر کراتے ہیں۔ اُن کے سامنے اُن کے احاطہ میں عبدالحمید کو نئی سے نئی باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ اس کے ہاتھ پر پنسل سے نشان بنائے جاتے ہیں اور وہ نئے سے نئے بیان دیتا ہے اور یہ سنتے ہیں۔ عدالت میں اپنے گواہوں کی صریح جھوٹی گواہیاں سنتے ہیں اور شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتے ہیں۔ بایں ہمہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک بالکل بے قصور قرار دیئے جاتے ہیں۔ گویا تین دیسی عیسائیوں نے ان کو بیوقوف بنایا ہوا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت خفت اور ناکامی و نامرادی کی حالت میں اپنا سا منہ لیکر امرتسر واپس چلے آئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حضرت اقدس مرزا صاحب کو کہا کہ آپ ان عیسائیوں کے برخلاف مقدمہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "عیسائیوں سے ہمارا مقدمہ تو آسمان پر چل رہا ہے ہمیں آسمانی عدالت کافی ہے۔ دنیا کی عدالتوں میں ہم کوئی مقدمہ نہیں چلانا چاہتے"۔

حضرت اقدس کی راستبازی کا نمونہ

مذکورہ بالا عیسائیوں اور اُن کے مقتداؤں کی دروغ بافیاں اور بہتان طرازیاں تو ملاحظہ فرما چکے۔ اب اسی مقدمہ میں حضرت اقدس کی راستبازی اور حق پرستی بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت اقدس کے اکثر مقدمات میں لاہور کے مشہور و معروف وکیل مولوی فضل الدین صاحب آپ کی طرف سے پیروکار ہوا کرتے تھے چنانچہ اس ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ میں بھی وہی پیروکار تھے اس لئے خود ان وکیل صاحب کی زبان سے اگر یہ واقعہ آپ سنیں گے تو زیادہ لطف دیگا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شیخ یعقوب علی تراب صاحب ایڈیٹر الحکم لاہور میں لالہ دینا ناتھ صاحب ایڈیٹر اخبار ہندوستان و دیش سے ملے۔ دوران ملاقات میں لالہ دینا ناتھ صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب سے کہا کہ:-

"میں جناب مرزا صاحب کو ایک مہاپرش اور روحانی آدمی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ

کا انسان مانتا ہوں..... اور میرا یہ عقیدہ ان کے متعلق ایک واقعہ سے ہوا۔ حکیم غلام نبی زبدۃ الحکما کے مکان پر اکثر دوستوں کا اجتماع شام کو ہوا کرتا تھا میں بھی وہاں چلا جاتا تھا۔ ایک روز وہاں کچھ احباب جمع تھے۔ اتفاق سے مرزا صاحب کا ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے ان کی مخالفت شروع کی لیکن ایسے رنگ میں کہ وہ شرافت و اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سُنکر بہت جوش آ گیا۔ اور اُنہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں۔ اُن کے دعاوی پر میرا یقین نہیں اس کی وجہ خواہ کچھ ہو۔ لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں۔ اور ہزاروں کو میں نے اس سلسلہ میں دوسرے وکیلوں کے ذریعہ بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے۔ اُنہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی تو بلا تامل بدل دیا۔ لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب کو ہی دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا۔ میں اُن کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا (یہ مقدمہ یہی پادری ہنری مارٹن کلارک والا مقدمہ تھا۔ ناقل) اس مقدمہ میں میں نے اُن کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اُنہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے۔ میں نے کہا کہ ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے وہ بیان کرے" اس پر آپ نے فرمایا "قانون نے تو اُسے یہ اجازت دیدی ہے کہ جو چاہے بیان کرے مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی کہ وہ جھوٹ بھی بولے۔ اور نہ قانون ہی کا یہ منشا ہے۔ پس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں جس میں واقعات کا خلاف ہو۔ میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا"۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں" اُنہوں نے فرمایا۔ "جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دیکر ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے اپنے خدا کو ناراض کر لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ خواہ کچھ بھی ہو" مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ اُن کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا۔ میں نے یہ سُن کر کہا کہ پھر آپکو میری

وکالت سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہوگا یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے۔ آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایتِ اسباب ادب کا طریق ہے۔ اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کیا ہے۔"

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں مرزا صاحب نے کہا کہ "نہیں۔ جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پروا ہو کر وہی داخل کر دو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے۔ اور میں پورے یقین سے آپ کو کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ مؤثر ہوگا۔ اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا۔ اور اگر فرض کر لیا جاوے کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہو جائے تو مجھے اس کی پروا نہیں کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی"..... غرضکہ مولوی فضل دین صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے اس طرح پر مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ مرزا صاحب نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا کہ وہ کہتے تھے اسی بیان پر وہ بری ہو گئے مولوی فضل الدین صاحب نے اُن کی راستبازی اور راستبازی کے لئے ہر قسم کی مصیبت کو قبول کر لینے کی جرأت اور بہادری کا ذکر کر کے حاضرینِ مجلس پر ایک کیف اور حالت پیدا کر دی۔ اس پر بعض نے پوچھا کہ آپ پھر مرید کیوں نہیں ہو جاتے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ اور تمہیں یہ حق نہیں کہ سوال کرو۔ میں انہیں ایک کامل راستباز یقین کرتا ہوں۔ اور میرے دل میں ان کی بہت بڑی عظمت ہے۔..." (الحکم ۱۴۔ نومبر ۱۹۳۴ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! یہ ہوتی ہے راستبازی اور حق پرستی۔ عیسائی اور اُن کے پادری آپ پر اقدامِ قتل کا مقدمہ بناتے ہیں اور آپ کو جیل خانہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ کی جان۔ آپ کا آرام۔ آپ کی شہرت۔ آپ کی عزت سب معرضِ خطر میں ہے۔ لیکن یہ منظور نہیں کہ جھوٹ کا ایک شائبہ بھی بولا جائے۔ کوئی قانونی پیچ پیچ گوارا نہیں۔ حق کی خاطر۔ خدا کی رضا کے لئے ہر ایک دُکھ اُٹھانے کو تیار ہیں مگر جھوٹ کو کسی صورت میں اختیار نہیں کر سکتے۔ کیا ایسا راستباز اور حق پرست انسان

جھوٹا دعویٰ کر کے خدا پر افترا کر سکتا ہے؟

پانچواں خدائی نشان
فیہ شفاء کا الہام پورا ہوا

حضرت اقدس کو الہام کے ذریعہ جہاں آپ کی بریت کی بشارت قبل از وقت دی گئی تھی وہاں فیہ شفاء فرما کر یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ بریت تو ہو گی مگر اس میں کچھ چیز ہو گی۔ چنانچہ وہ چیز یہ تھی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ کے آخری حصہ میں حضرت مرزا صاحب کو یہ تنبیہ کی کہ آپ ایسے رسالے شائع نہ کریں جن سے دوسرے لوگوں کو اشتعال پیدا ہو۔ اس کی طرف سے یہ تنبیہ درحقیقت اصل حالات سے ناواقفی کی وجہ سے تھی۔ جو کچھ عیسائی پادریوں نے مسلمانوں کے محبوب مقتدا آنحضرت صلعم اور قرآن کریم کے متعلق اشتعال انگیز تحریریں شائع کی تھیں اور کرتے رہتے ہیں وہ اس کے سامنے نہ تھیں۔ ورنہ وہ دیکھتا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی تحریریں جو جواباً شائع ہوئیں وہ ان عیسائی پادریوں کی دشنام طرازیوں اور ناپاک اور گستاخ تحریروں کے سامنے سمندر کے بالمقابل ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں۔

اشتہار واجب الاظہار کی اشاعت

حضرت اقدس تو خود بھی اس طرز تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے کبھی بالمقابل جواب میں سخت برتی بھی تو بہت کم اور واقعات سے کبھی باہر نہیں گئے۔ وہ تو خدا سے چاہتے تھے کہ پادری اور آریہ وغیرہ اپنی اس طرز تحریر کو بدلیں۔ چنانچہ اسی مقصد کیلئے آپ نے ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء کو ایک اعلان بعنوان "اشتہار واجب الاظہار" شائع فرمایا جس میں آپ نے جہاں مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کا اس کے منصفانہ فیصلہ پر شکریہ ادا کیا ہے۔ وہاں پادری ہنری مارٹن کلارک کے اس الزام سے جو اس نے عدالت میں بیان دیتے وقت آپ پر لگایا تھا کہ یہ شخص گورنمنٹ کیلئے بہت خطرناک ہے اپنی بریت بھی کی ہے اور اپنے خاندان کی وفاداری اور اپنی اور اپنی جماعت کی صلح آفرینی اور امن پسندی کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اگر ہم کو پادریوں کے خلاف کچھ جواباً بھی لکھنے سے روکا جاتا ہے تو ہم گورنمنٹ سے یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ جو لوگ آئندہ مخالفانہ حملے توہین اور بدزبانی کے ساتھ ہم پر یا ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یا قرآن شریف پر یا اسلام پر کریں تو اُن کی بدزبانی کا تدارک بھی واجب طور پر کیا جائے۔"

علاوہ ازیں عیسائیوں اور آریوں کو بھی ان الفاظ میں متنبہ کیا کہ:۔

"ہم نے جوابی طور کے سخت الفاظ کو بھی چھوڑنا چاہا کیونکہ ہمارا مدت سے یہ ارادہ تھا کہ تمام قومیں مباحثات میں الفاظ کی سختی کو استعمال نہ کریں۔ اسی ارادہ کی وجہ سے ہم نے اُس

درخواست پر دستخط مسلمانوں کے کرائے ہیں جس کو عنقریب بحضور نواب گورنر جنرل بہادر بھیجنے کا ارادہ ہے۔ سو مخالفین مذہب کو بذریعہ نوٹس کے عام اطلاع دی جاتی ہے کہ اس فیصلہ کے بعد وہ مباحثات میں اپنی روشیں بدلالیں۔ اور آئندہ سخت اور جوش پیدا کرنیوالے الفاظ اور ہتک آمیز الفاظ اپنے اخباروں اور رسالوں میں ہرگز استعمال نہ کریں۔ اور اگر اب بھی اس نوٹس کے شائع ہونے کے بعد انہوں نے اپنے سابق طریق کو نہ چھوڑا۔ تو انہیں یاد رہے کہ ہمیں یا ہم میں سے کسی کو حق حاصل ہوگا کہ بذریعہ عدالت چارہ جوئی کریں ..... اور عدالت کا فرض ہوگا کہ امن کو قائم رکھنے کیلئے اس کی گوشمالی کرے۔"

اس کے علاوہ اپنے مریدوں کو بھی آپ نے تاکید فرمائی کہ مباحثہ مذہبی میں کبھی کوئی سخت لفظ استعمال نہ کریں۔

وائسرائے ہند کی خدمت میں مذہبی مناقشات کی اصلاح کے لئے ایک میموریل

حضرت اقدس مرزا صاحب عرصہ سے دیکھ رہے تھے کہ مذہبی مباحثات میں درشت کلامی لوگوں میں ترقی کر رہی ہے اور بالخصوص آریوں اور عیسائیوں نے تو آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی اور بدزبانی کی انتہا کر رکھی تھی۔ اس لئے آپ نے جیسا کہ اپنے اس "اشتہار واجب الاظہار" میں ذکر کیا ہے ماہ ستمبر ۱۸۹۷ء میں ہی ایک میموریل تیار کر کے اور اس پر کثیر تعداد میں مسلمانوں سے دستخط کروا کے لارڈ ایلجن وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجدیا اور اسے چھاپ کر شائع بھی کر دیا جس میں آپ نے یہ بتلایا کہ ہندوستان کے ملک میں فتنہ و فساد کا باعث بہت حد تک مذہبی جھگڑے ہیں۔ اُن کے نتیجہ میں جو شورش لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوتی ہے اُس سے نہ صرف یہ کہ فرقہ وارانہ فساد ملک میں پھیل کر بدامنی کا موجب ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض شریر لوگ گورنمنٹ کے خلاف بھی انہی امور کے پردہ میں سڈیشن پھیلاتے ہیں۔ پس قانون سڈیشن میں جو اسی سال پاس ہوا ہے **مذہبی سخت کلامی** کو بھی داخل کرنا چاہئے۔ اس کیلئے آپ نے تین تجاویز پیش کیں:۔

(۱)۔ اوّل یہ کہ ایک قانون پاس کر دینا چاہئے کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے مذہب کی خوبیاں تو بے شک بیان کریں لیکن دوسرے مذہب پر حملہ کرنے کی اُن کو اجازت نہ ہوگی۔ اس قانون سے نہ تو مذہبی آزادی میں فرق آوے گا اور نہ کسی خاص مذہب کی طرفداری ہوگی۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ کسی مذہب کے پیرو اس بات پر ناخوش ہوں کہ ان کو دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی۔

(۲)۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو کم سے کم یہ کیا جائے کہ کسی مذہب پر ایسے حملے کرنے سے لوگوں کو روک دیا جائے جو خود اُن کے مذہب پر پڑتے ہوں یعنی اپنے مخالف کے خلاف وہ ایسی باتیں پیش

نہ کریں جو خود اُن کے مذہب میں بھی موجود ہیں۔

(۳)۔ اگر یہ بھی ناپسند ہو تو گورنمنٹ ہر ایک مذہب کے نمائندوں سے دریافت کر کے ان کی مسلّمہ مذہبی کتب کی ایک فہرست تیار کرے۔ اور یہ قانون پاس کر دیا جائے کہ کسی مذہب پر اس کی ان مسلّمہ کتابوں سے باہر کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب اعتراضات کی بنیاد صرف خیالات یا جھوٹی روایات پر ہو جنہیں اس مذہب کے پیرو تسلیم ہی نہیں کرتے تو پھر اُن کے رُو سے اعتراض کرنے کا نتیجہ باہمی بغض و عداوت ترقی کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ اس میموریل پر اس وقت توجہ نہ دی گئی۔ اور جب طرح طرح کے دل آزار حملوں نے فرقہ وار کشیدگی اور فسادات کو حد سے بڑھا دیا تو گورنمنٹ نے ۱۹۰۸ء میں مجبوراً فرقہ دارانہ منافرت پھیلانے والوں کے خلاف قانون پاس کیا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور لوگوں کے دل ایک دوسرے سے پھٹ چکے تھے۔

کتاب البریہ کی اشاعت

اسی اثنا میں حضرت مرزا صاحب نے ایک کتاب **البریہ** تصنیف فرمائی۔ جو ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی جس میں پادری ہنری مارٹن کلارک والے مذکورہ بالا مقدمہ کے حالات آپ نے مفصل تحریر فرمائے ہیں۔ اور اس کتاب میں پادریوں کی اُن گالیوں کے طومار میں سے جو وہ وقتاً فوقتاً آنحضرت صلعم کی شان میں لکھتے رہے ہیں کچھ تھوڑا سا نمونہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ یہ گالیاں اس قدر کثرت سے ہیں اور اس قدر ناپاک اور گندی ہیں کہ ان کو پڑھ کر ایک مسلمان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ اور انہیں سامنے رکھ کر ایک منصف مزاج شخص یہی فیصلہ دیگا کہ حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ پادریوں کے خلاف لکھا وہ فقط جواباً لکھا اور مقابلتاً کچھ بھی نہیں لکھا۔ چنانچہ یہی بات اس کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے کھول کر بیان کی ہے کہ جب ان پادریوں کا لٹریچر آنحضرت صلعم اور قرآن کریم اور اسلام کے خلاف اس قدر ناپاک حملوں اور بہتانوں اور گالیوں سے لبریز ہے تو اگر ہم جواباً کچھ واقعات کے رنگ میں بیان کریں اور تحریر میں کسی قدر تلخی پیدا ہو جائے جس کا ارتکاب ایک دُکھے ہوئے دل سے قدرتی امر ہے تو اُلٹا ہمیں کوسنا کیا معنی رکھتا ہے۔ ان پادریوں کو بھی کیوں روکا نہیں جاتا۔ اسی بات کی طرف پھر آپ نے گورنمنٹ کو توجہ دلائی کہ پادریوں نے جس قدر گستاخیاں اور فحش گالیاں آنحضرت صلعم کی شان میں دی ہیں وہ حد سے گزر گئی ہیں اور مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ ہم اگر کبھی کچھ جواباً لکھتے ہیں تو انجیل پر مبنی امور کو ہی سامنے رکھ کر لکھتے ہیں مگر تاہم ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم سخت کلامی کرتے ہیں۔ ان عیسائی پادریوں کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا

نظر آتا ہے اور اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس لئے ہم گورنمنٹ کو توجہ دلاتے ہیں کہ جس قدر سختی اور دل آزاری ان پادریوں کی قلم اور زبان سے اور پھر ان کی تقلید اور پیروی سے آریہ صاحبوں کی طرف سے ہم کو پہنچ رہی ہے ہمارے پاس الفاظ نہیں جو ہم بیان کر سکیں۔ پس گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس گندہ دہنی کا انسداد کرے ۔

مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کا قیام

تحریک برائے قیام مدرسہ | امام وقت زمانہ کا بڑا منفرد شناس ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب اگرچہ ایک گاؤں میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر دل کی آنکھ روشن تھی۔ اور دنیا میں مادیت اور دہریت کا زور دیکھتے ہوئے نہ صرف موجودہ بلکہ آئندہ آنیوالی نسلوں کے ایمان اور عمل کی فکر آپ کو دامنگیر تھی۔ اس لئے آپ نے ایک انگریزی ہائی اسکول قادیان میں قائم کرنا چاہا جس میں علاوہ یونیورسٹی کی مقررکردہ درسی کتابوں کے ایسی کتابیں لازمی قرار دی جائیں جن کے پڑھنے سے مسلمانوں کے بچوں کو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کئے ہیں وہ کیسے خیانت اور جھوٹ اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۵ ستمبر ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ یہ اعلان کیا کہ ہم قادیان میں بالفعل انگریزی مڈل اسکول کھولنے لگے ہیں جسے عنقریب ہائی اسکول تک ترقی دی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس کے قیام کے لئے بھی اعلان فرمایا اور اس کے لئے چندہ کی تحریک بھی فرمائی۔ اس اسکول کو ایک کامیاب اسکول بنانے کے لئے آپ کو اسقدر جوش تھا کہ ۱۸۹۷ء کے جلسہ پر بھی آپ نے اپنی تقریر میں اس کی طرف جماعت کو توجہ دلائی اور اپنی جماعت کو تاکید کی کہ اپنے بچے اس اسکول میں تعلیم کے لئے بھیجیں تاکہ اگلی نسل مادہ پرستی کے اثر سے محفوظ اور اپنے دین سے باخبر اور اسلام کی سچی خدمتگذار پیدا ہو سکے۔ اور تاکید فرمائی کہ ہمیں جہاں اپنے ایمانوں اور عملوں کی فکر ہے وہاں اپنی نسلوں کے ایمان اور عمل کی بھی فکر ہونی چاہئے ۔

ملتان کا سفر

مقدمہ میں شہادت | اکتوبر ۱۸۹۷ء میں حضرت مرزا صاحب کو ایک شہادت پر ملتان جانا پڑا۔ آپ کے ایک سخت مخالف ایڈیٹر ناظم الہند پر مولوی رحیم بخش صاحب پرائیویٹ سکرٹری نواب بہاول پور نے لائل کا مقدمہ ملتان میں دائر کر رکھا تھا۔ ایڈیٹر ناظم الہند نے اپنے ڈیفنس کے سلسلہ میں شہادت کیلئے

آپ کو بھی طلب کیا۔ ایڈیٹر ناظم الندوہ شخص تھا جس نے حسین کامی ترکی سفیر کے معاملہ میں آپ کے خلاف نہایت گندہ ذہنی کی تھی۔ لیکن باایں ہمہ اُسے آپ کی راستبازی اور صداقت شعاری پر اس قدر یقین تھا کہ آپ کی شہادت کو اپنے حق میں جان کر آپ کو طلب کیا اور آپ بڑی خوشی سے جا کر حق کی شہادت دے آئے۔ آپ کے ساتھ چند احباب بھی تھے جن میں مولوی نورالدین صاحب مولوی عبدالکریم صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب قابل ذکر ہیں۔

لطف یہ کہ ان احباب سے اس شہادت کی نسبت جو بعض امور قبل از شہادت آپ بیان فرما چکے تھے اُسی طرح وقوع میں آئے جو احباب کے لئے موجب ازدیاد ایمان ہوئے وہ اس طرح کہ شروع اکتوبر ۱۸۹۷ء میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا جسے آپ نے اپنے سب دوستوں کو سنا بھی دیا تھا اور وہ خواب یہ تھا کہ جیسے کہ آپ کسی مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے ایک انگریز حاکم کے پاس حاضر کئے گئے ہیں۔ اور اس حاکم نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے لیکن جیسا کہ شہادت کے لئے دستور ہے آپ کو قسم نہیں دی۔ اس کے بعد آپ نے ۸۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو پھر خواب میں دیکھا کہ اسی مقدمہ کے متعلق ایک سپاہی آیا ہے چنانچہ دیسا ہی ظہور میں آیا کہ سپاہی مقدمہ مذکورہ بالا کے لئے سمن لے کر آ گیا۔ اور آپ ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں عدالت میں جب پیش ہوئے تو حاکم کو کچھ ایسا سہو ہو گیا کہ وہ قبل از شہادت آپ کو قسم دینا بھول گیا۔ جب شہادت ہو چکی تو اُس کو قسم یاد آئی۔ چنانچہ فرض قانون پورا کرنے کیلئے اس نے بعد میں آپ سے قسم لی۔

لاہور کا قیام ملتان سے واپسی پر آپ کچھ دنوں لاہور بھی ٹھیرے۔ یہاں ان دنوں مخالفت کا ایسا زور تھا کہ جن جن گلیوں سے آپ گزرتے لوگ آپ کو گالیاں دیتے اور پکار پکار کر بُرے الفاظ آپ کی شان میں زبان سے نکالتے لیکن آپ کی طمانیت قلبی کی پیشانی پر کبھی شکن بھی نہیں آیا۔ لاہور میں شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس کے مکان پر آپ نے قیام فرمایا تھا۔ وہاں کا ایک دلچسپ واقعہ چودھری محمد اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی کی زبان سے سنو۔ فرماتے ہیں:۔

"حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کا دو لنگڑہ جو اُن کی پرانی دکان بمبئی ہاؤس کے عقب میں تھا حضرت اقدس کے نزول اجلاس کے باعث رشک جنت بنا ہوا تھا۔ سردی کا موسم تھا ایک وسیع کمرہ کی باہر والی طاقچی میں حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ جگہ بہت غیر محفوظ تھی۔ باہر سے بڑی آسانی سے حملہ ہو سکتا تھا، مگر بغیر کسی محافظ کے حضرت اقدس نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ خدام کے علاوہ شہر کے بہت سے معزز

اشخاص وہاں موجود تھے۔ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ غیر از جماعت لوگ مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے اور حضرت صاحب جواب دیتے تھے۔ آخر عیسائیوں کی طرف سے ایک اعتراض پیش ہوا کہ "قرآن مجید میں جو قصے درج ہیں وہ بائیبل سے لئے گئے ہیں" معلوم نہیں یہ اعتراض کسی عیسائی نے پیش کیا یا کسی مسلمان نے کسی عیسائی کی طرف سے پیش کیا چونکہ مسئلہ اہم تھا اور حاضرین کی تعداد اتنی تھی کہ اگر حضرت صاحب بیٹھ کر جواب دیتے تو سب حاضرین نہ سن سکتے۔ اس واسطے حضرت کھڑے ہو گئے اور ایسی معرکہ کی تقریر فرمائی کہ اپنی جماعت کے لوگ تو ایک طرف رہے دوسرے لوگ بھی عش عش کرنے لگے۔ مجھے وہ سماں نہیں بھول سکتا۔ جب بہت سے دلائل دیکر حضرت صاحب نے فرمایا۔ "غرض جس طرح گھاس پھوس اور چارہ گائے کے پیٹ میں جاکر لہو اور پھر تھنوں میں جاکر دودھ بن جاتا ہے اسی طرح توراۃ اور انجیل کی کہانیاں اور واقعات قرآن میں آکر نور اور حکمت بن گئیں" یہ سن کر ہال جزاک اللہ اور بارک اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔ میں جب کبھی اس طرف جاتا ہوں اور اس طاقچی کو دیکھتا ہوں تو وہ نظارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور اس کے سامنے آنے سے جو دل پر گزرتی ہے اسکو خدا ہی جانتا ہے۔ اگر ہم سکھ بھائیوں کا تتبع کرتے تو یہاں ایک عالیشان عمارت لکچر صاحب کے نام سے ہوتی"

روزمرّہ کے چند حالات

خطوط اور ڈاک اب ڈاک کا کام بہت بڑھ گیا تھا چونکہ علاوہ کتب اور اشتہارات کے خطوط کے ذریعہ بھی دعوت و تبلیغ کا کام چل رہا تھا اس لئے بے شمار خطوط آتے اور جاتے رہتے تھے جن کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے مگر تخمینہ یہ تھا کہ سال ۱۸۹۷ء میں بارہ ہزار یا کم و بیش احباب اور مخالفین کو خطوط لکھے گئے۔ خطوط لکھنے والوں میں مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ مرزا خدا بخش صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے بہت حصہ لیا۔ آخر سال ۱۸۹۷ء سے یہ خدمت مولوی عبدالکریم صاحب کے خاص طور پر سپرد ہو گئی۔

مہمانوں کی آمد و رفت اس سال ۱۸۹۷ء میں پچھلے سالوں کی نسبت مہمانوں کی بھی بڑی کثرت رہی۔ جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کسی صورت میں بھی کم نہ ہوگی۔ ان آنے والے لوگوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ بڑے بھی۔ چھوٹے بھی۔ تعلیمیافتہ معزز سرکاری عہدہ دار۔ عالم۔ حافظ۔ بڑے بڑے

اہل الرائے غرضکہ سبھی قسم کے لوگ شامل تھے۔ جو اپنی آمد سے حضرت صاحب کے الہام یاتونک من کل فج عمیق کی تصدیق کر رہے تھے یعنی کہ "دُور دُور سے لوگ تیرے پاس چل کر آئیں گے"۔

مہمانخانہ اور مہمانداری مہمان خانہ ایک کچّی عمارت تھی جس میں مہمان ٹھیرا کرتے تھے۔ ابتدا میں جبتک مہمانوں کی آمد زیادہ نہ تھی حضرت مرزا صاحب اپنے گھر سے کھانا پکوا کر باہر لاتے اور سب مل کر کھانا کھاتے۔ وہ وقت بھی عجب لطف کا تھا جب حضرت مرزا صاحب کے ساتھ اُن کے مرید ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے اور آپ دمبدم اُٹھ کر اندر جاتے اور گرم گرم چپاتیاں مریدوں کے لئے لاتے کبھی اٹھکر اندر تشریف لیجاتے تو اچار یا مربّہ لے آتے اور دوستوں کے سامنے رکھتے۔ پھر کھانیکے دوران میں ہر ایک مہمان پر نظر رکھتے جس کے سامنے جس چیز کی کمی دیکھتے اُس کی فوراً تلافی کرتے کبھی اپنے سامنے سے بوٹیاں اُٹھا کر مریدوں کے سامنے رکھ دیتے۔ اپنے سامنے ملازم اگر سالن کا بڑا برتن رکھ دیتا تو وہ اُٹھا کر مہمان کے سامنے رکھ دیتے اور خود چھوٹا برتن لے لیتے۔ غرضکہ بڑی محبّت اور مدارات اور کسرنفسی کے ساتھ مریدوں کو کھانا کھلاتے۔ خود بہت کم کھاتے تھے اسلئے کھانا کھانیکے دوران میں زیادہ وقت آپ کا اسی خاطر و تواضع میں گزرتا۔ چپاتی میں سے بہت چھوٹا نوالہ لیتے اور ساتھ سالن بہت کم لگاتے۔ اور روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتے تاکہ دسترخوان جھاڑنے پر پرندے اُسے کھا سکیں۔

جب مہمانوں کی زیادتی ہوئی تو پھر ایک لنگر خانہ کا انتظام کیا گیا۔ تب بھی دوپہر کا کھانا بالعموم احباب کے ساتھ کھاتے۔ اندر سے بھی کھانا آجاتا۔ اور لنگر خانہ سے بھی کھانا آجاتا۔ سب ملکر کھا لیتے۔ لیکن جب مہمانوں کی کثرت بہت زیادہ بڑھ گئی اور آپ بوجہ ضعف اور بیماری کے بالعموم پرہیزی کھانا کھانے لگے تو پھر لنگر خانہ سے ہی مہمان کھانا کھانے لگے۔ آپنے اپنے ملازم خاص حامد علی کو مہمان خانہ پر متعین کر دیا جسے سخت تاکید تھی کہ مہمانوں کو کھانا کھلانے اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔

۱۸۹۷ء کا سالانہ جلسہ

۱۸۹۷ء کی کرسمس کی تعطیلات میں سالانہ جلسہ بڑی شان سے منعقد ہوا۔

اخبار الحکم کا اجرا چونکہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب جنہوں نے بیعت تو ۱۸۹۲ء میں کی تھی مگر اب تک امرتسر میں کسی معمولی اخبار کے ایڈیٹر تھے اب باقاعدہ طور پر قادیان آچکے تھے اسلئے اُنہوں نے

قادیان سے اس سال ایک اخبار جاری کیا جس کا نام "الحکم" رکھا۔ جماعت کو حضرت اقدس مرزا صاحب کے حالات اور تقریروں سے باخبر رکھنے کی سخت ضرورت تھی۔ اور جماعت کے افراد بھی اس ضرورت کو بیحد محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے اس اخبار کے ذریعہ یہ ضرورت بہت حد تک پوری ہو گئی شیخ صاحب موصوف حضرت اقدس کی تقریریں جو قلمبند کر کے چھاپتے تھے اُن سے جماعت کو بہت نفع پہنچتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء کے جلسہ سالانہ کی تقریریں بھی شیخ صاحب نے قلمبند کر کے علیحدہ چھاپیں جو "رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء" کے نام سے ایک مطبوعہ رسالہ کی شکل میں اب بھی موجود ہے۔ اور ان بیش قیمت تقریروں کی وجہ سے قابل دید ہے جو اس رسالہ میں درج ہیں +

جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء کے کوائف

یہ جلسہ ۲۵۔ دسمبر ۱۸۹۷ء سے شروع ہو کر یکم جنوری ۱۸۹۸ء تک رہا۔ جلسہ نہایت پُر رونق تھا اور دور دراز جگہوں سے جماعت کے لوگ جمع ہوئے تھے۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک مجمع کثیر کے سامنے وعظ و نصائح اور معارف و حقائق سے بھری ہوئی تقریریں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ کے پاکیزہ اخلاق اور تقویٰ بھری عملی زندگی نے ان تقریروں کو پُر اثر بنانے اور جماعت کا تزکیہ کرنے میں بہت مدد دی۔ اس جلسہ کی علت غائی اگر کچھ تھی تو اسلام اور اس کا اصلی نمونہ خدا پرستی اور خدا نمائی تھی۔ ۲۶۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو سب سے پہلی تقریر خود حضرت اقدس نے فرمائی جو وعظ و نصائح اور معارف و حقائق کا ایک دریا تھا۔ تقریر خاصی لمبی تھی۔ پھر ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی تقریر ہوئی جو عجب در عجب معارف و حقائق سے پُر تھی۔

۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدس نے دوسری تقریر فرمائی۔ وہ بھی بہت عظیم الشان اور عجیب و غریب معارف و حقائق سے پُر تھی۔

۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی تقریر ہوئی۔ اُن کا طرز بیان اس قدر پُر جوش اور دلپذیر اور تقریر اسقدر فصیح و بلیغ ہوا کرتی تھی کہ سُننے والا تصویر کی طرح محو حیرت ہو کر رہ جاتا تھا۔

۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدس نے تیسری تقریر فرمائی۔

۳۱۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے دوسری تقریر فرمائی۔

ان تینوں بزرگوں کی تقریروں کی نسبت کیا عرض کروں ایک معارف و حقائق کا دریا ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ان کا خلاصہ نکال کر یہاں نقل کرنا ناممکن ہے۔ اصل تقریریں مطبوعہ موجود ہیں۔

احباب کو چاہیئے کہ انہیں ضرور پڑھیں اور فائدہ اُٹھائیں۔ اُن میں ایک نور اور رُوحانیت ہے۔ ان تقریروں کے علاوہ دو نظمیں بھی حضرت اقدس کی مدح میں پڑھی گئیں۔ ایک عربی میں مولوی قائم الدین صاحب ایم اے سیالکوٹی نے۔ اور ایک فارسی میں مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے۔

مسیح کے آسمان سے نزول ثابت ہونے پر

بیس ہزار روپے تاوان کا اعلان

نزول مسیح کے متعلق ایک زبردست اعلان

مَیں لکھ آیا ہوں کہ ۲۴۔ جنوری ۱۸۹۸ء کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے کتاب البریّہ شائع فرمائی۔ اس کتاب کے صفحات ۱۸۹ سے ۱۹۳ تک کے حاشیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی حیات اور ان کے آسمان سے نزول پر بحث کرتے ہوئے پہلے تو نہایت تصریح و تفصیل سے آپ نے یہ دکھلایا ہے کہ اس غلط عقیدہ سے چار طرح قرآن شریف کی صریح مخالفت لازم آتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد آپ نے مسیح موعود کے متعلق لفظ نزول پر بحث فرمائی ہے اس میں جو نئی بات پیدا کی ہے وہ مَیں یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"غرض ان لوگوں نے یہ عقیدہ اختیار کر کے چار طور سے قرآن شریف کی مخالفت کی ہے۔ اور پھر اگر پوچھا جائے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے؟ تو نہ کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں۔ صرف نزول کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف سے آسمان کا لفظ ملا کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ کسی حدیث مرفوع متصل میں آسمان کا لفظ پایا نہیں جاتا۔ اور نزول کا لفظ محاورات عرب میں مسافر کے لئے آتا ہے۔ اور نزیل مسافر کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کا بھی یہی محاورہ ہے کہ ادب کے طور پر کسی وارد شہر کو پوچھا کرتے ہیں کہ آپ کہاں اُترے ہیں۔ اور اس بول چال میں کوئی بھی یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ شخص آسمان سے اُترا ہے۔ اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث تو کیا وضعی حدیث بھی ایسی نہیں پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپیہ ۲۰۰۰۰ تک تاوان دے سکتے ہیں۔ اور توبہ

کرنا اور تمام اپنی کتابوں کو جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا۔ جس طرح چاہیں تسلی کر لیں"
اس تاوان یا انعام کے اعلان کے بعد کوئی مولوی سامنے نہ آیا ویسے گالیاں دینے اور فتوے لگانے کیلئے تو ان میں سے اکثر ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ لیکن اس معقول اور علمی دعوت کے مقابلہ پر کوئی نہ آیا۔ اور کیسے آتے جب ہاتھ پلے ہی کچھ نہ ہو +

طاعون کے متعلق پیشگوئی

۱۸۹۶ء میں ہندوستان میں طاعون نے پہلا قدم رکھا۔ ہانگ کانگ سے جہاز کے چوہوں کے ذریعہ یہ بیماری پہلے بمبئی میں آئی۔ وہاں اس کا زور ہوا اگرچہ محکمہ حفظان صحت نے بڑی تگ و دو کی کہ یہ وبا ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پھیلنے نہ پائے مگر وہاں سے یہ ہندو جاتریوں کے ذریعہ ہردوار پہنچ گئی۔ وہاں بھی اسے روکنے کے لئے بڑی کوشش کی گئی۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بمبئی اور ہردوار بہت دُور ہے۔ پنجاب امن میں ہے۔ لیکن ہوا یوں کہ ہردوار سے کسی ہندو جاتری کے ذریعہ یہ مرض ضلع جالندھر کے ایک گاؤں کھٹکڑ کلاں میں پہنچ گیا۔ گورنمنٹ پنجاب نے فوراً اس کو روکنے کی کوشش کی اور گاؤں کو حلقہ میں لیکر ہر ایک چیز کو جو مرض سے آلودہ تھی جلا دیا گیا اور مکانوں کو دواؤں سے صاف کیا گیا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوا کہ اب اس مرض کا خطرہ نہیں رہا گرمیاں اور نصف سردی بھی امن سے گزر گئی +

طاعون کے پنجاب میں پھیلنے کی پیش گوئی

۶۔ فروری ۱۸۹۸ء کو حضرت مرزا صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں آپ نے یہ اعلان کیا:-

"اور ایک اور ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے۔ اور مَیں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اس کو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے مگر میرا فرض ہے کہ مَیں اس کو نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ظاہر کروں۔ اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶۔ فروری ۱۸۹۸ء روز یک شنبہ ہے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں۔ اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ مَیں نے بعض لگانے والوں سے پُوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اُس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض

بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارے میں الہام بھی ہوا۔ اور وہ یہ ہے:۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم انہ اوی لقریۃ۔

اس پیشگوئی کے اعلان کے بعد آپ نے اس اشتہار میں گورنمنٹ کی دفع طاعون کی تدابیر کی تائید کی اور فتویٰ دیا کہ گاؤں سے باہر نکل کر کھلے میدان اور کھلی ہوا میں سکونت اختیار کرنا شریعت اسلام میں منع نہیں اور ملانوں کے فتوے کو غلط بتلایا جو کہتے تھے کہ طاعون کے ایام میں بستی سے باہر نکلنا حرام ہے۔ البتہ آپ نے فرمایا کہ ایک گاؤں سے بھاگ کر دوسرے گاؤں میں جانا منع ہے۔ اور یہی گورنمنٹ کہتی تھی کہ بھاگ کر دوسرے گاؤں میں مت جاؤ بلکہ اپنے ہی گاؤں کی زمینوں میں باہر رہائش اختیار کرو۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ یہ خدا کی طرف سے عذاب ہے اور تقدیر معلق ہے۔ چاہئے کہ لوگ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں اور توبہ و استغفار اور دعاؤں میں لگ جائیں اور خدا سے تعلق جوڑیں۔ تا خدا ان پر رحم کرے اور اس عذاب کو ٹال دے۔

مکذبین کا استہزا جس وقت یہ اشتہار شائع ہوا تو منکر و مکذب علما اور اخباروں نے بڑا استہزا کیا۔ خصوصاً پیسہ اخبار نے جو لاہور کے اُس وقت کے مسلمان اخباروں میں ایک مقتدر اخبار گنا جاتا تھا حضرت مرزا صاحب کو بڑی گالیاں دیں کہ مرزا اسی طرح لوگوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ دیکھ لینا خود اسی کو طاعون ہوگی +

پنجاب میں طاعون کا پھیلنا آخر وہی ہوا جو حضرت اقدس نے اپنے اشتہار میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ اگلے ہی جاڑے میں جالندھر اور ہوشیار پور کے ضلع میں طاعون چھوٹی اور بڑے زور سے پھوٹی اور وہاں سے ہندو دکانداروں کے ذریعہ ضلع گورداسپور اور ضلع سیالکوٹ میں بھی یہ بیماری پھیل گئی۔ اور حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ حکومت کے بس سے بات باہر ہو گئی۔ وجہ یہ کہ گورنمنٹ لوگوں کو گھروں سے باہر نکلنے پر زور دیتی تھی۔ اور جھونپڑے وغیرہ مفت بنا کر دینے کا وعدہ کرتی تھی۔ مگر ایک تو سردی کا موسم۔ گھر سے باہر نکل کر جھونپڑوں میں رہنا سخت تکلیف دہ تھا۔ دوم گھر سے باہر نکلنے کے بعد سرکاری اہلکاروں کی بے پروائی و غفلت یا بعض لوگوں کی بددیانتی سے لوگوں کا جمع کردہ غلّہ اور گڑ اور مختلف چیزیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ سوم لوگوں میں تعلیم نہ تھی۔ جاہل مطلق کا شکار تھے۔ وہ گورنمنٹ کے ان افعال کو بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور یہ خیال پھیل گیا تھا کہ گورنمنٹ خود

اس بیماری کو پھیلاتی پھرتی ہے۔ چہارم ہندو دکانداروں کا طمع مال سخت مضر ثابت ہوا۔ جس جگہ صفائی کرنی ہوتی وہاں کا طاعون کے زہر سے آلودہ مال وہ راتوں رات دوسرے گاؤں یا شہر میں پہنچا دیتے۔ نتیجہ یہ کہ ایک جگہ صفائی ہوتی تو دوسری جگہ طاعون پھیل جاتی۔ پنجم ٹیکہ طاعون کی نسبت یہ مشہور ہو گیا کہ اس سے ضعف بصارت اور ضعف باہ ہو جاتا ہے۔ غرضکہ اس قسم کے اسباب جمع ہونیکا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اور گورنمنٹ میں اشتراک عمل نہ رہا۔ گورنمنٹ جس قدر اس مرض کے روک تھام کا بندوبست کرتی رعایا اس کے خلاف شورش کرتی اور ان تدابیر کو کالعدم کر دیتی۔ آخر بلوے ہوئے ہنگامے ہوئے۔ سیالکوٹ کے ضلع میں تو ایک نائب تحصیلدار قتل ہو گیا۔ ڈاکٹرز زخمی ہوئے۔ ایک انگریز اسسٹنٹ کمشنر پٹ گیا۔ چھاؤنی سیالکوٹ سے فوجی رسالہ ظفروال آیا تب کہیں سرکاری ملازموں کی جان بچی۔ آخر گورنمنٹ نے انتظامی امور سے کنارہ کشی اختیار کی اور حکم دیدیا کہ جو لوگ گورنمنٹ سے امداد چاہیں اُن کو مدد دو۔ ورنہ چپ بیٹھے رہو۔ نتیجہ یہ کہ پھر جو طاعون پنجاب میں پھیلی ہے تو یوں پھیلی جیسے خشک جنگل میں آگ لگتی ہے۔ کوئی شہر و قریہ باقی نہ رہا جس میں یہ بلا نہ پہنچی ہو۔ سینکڑوں خاندان مٹ گئے۔ دیہات بے چراغ ہو گئے اور سالہا سال خدا کا یہ قہر جاری رہا۔

قادیان میں جلسۂ انسداد طاعون

جب لوگوں کا اور گورنمنٹ کا باہمی اشتراک عمل نہ رہا اور طاعون کے انسداد کے لئے جو تدابیر گورنمنٹ کرتی اس میں لوگ روڑے اٹکاتے۔ اور ملانوں نے شور مچایا کہ شریعت کے رُو سے طاعون کے ایام میں گھروں سے نکلنا منع ہے۔ اور ایسی حالت میں جو مرے گا وہ حرام موت مرے گا۔ جس سے مسلمانوں میں شرح اموات ترقی کر گئی تو حضرت اقدس کو بڑا صدمہ ہوا۔ آپ نے ۲۲۔ اپریل ۱۸۹۸ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں گورنمنٹ سے یہ استدعا کی کہ لوگوں کی ان جہالتوں سے ناراض ہو کر گورنمنٹ ایسے نازک وقت میں اپنی رعایا کی امداد سے ہاتھ نہ کھینچے۔ اور طاعون کے انسداد کی تدابیر کو برابر جاری رکھے۔ اور ساتھ ہی قادیان میں ایک جلسہ کے انعقاد کے لئے اعلان کیا۔ شروع میں ہی اس جلسہ کے مقاصد کا یوں اعلان فرماتے ہیں:۔

"چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ ایک جلسہ دربارۂ ہدایات طاعون قادیان میں منعقد ہو اور اس جلسہ میں گورنمنٹ انگریزی کی ان ہدایتوں کے فوائد جو طاعون کے بارے میں ابتک شائع ہوئی ہیں۔ مع طبی اور شرعی ان فوائد کے جو ان ہدایتوں کے مؤید ہیں اپنی جماعت کو سمجھائے جائیں۔ اس لئے یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے کہ ہماری جماعت کے احباب حتی الوسع کوشش کریں کہ وہ اس جلسہ میں عید الضحیٰ کے دن شامل ہو سکیں۔"

چنانچہ وہ جلسہ عید الضحیٰ کے دن منعقد ہوا اور لوگوں کو بتایا گیا کہ گھر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں نکل آنا شریعت کے رُو سے ممنوع نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اور مکانوں کی صفائی کرنے اور دیگر تدابیر انسدادِ طاعون میں گورنمنٹ کے ساتھ اشتراکِ عمل نہایت ضروری ہے۔ اور جلسہ کی کارروائی ۴ مئی ۱۸۹۸ء کو ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کی گئی +

تریاق الٰہی یعنی دوائے طاعون

حضرت اقدس کے دل کو طاعون کے مریضوں سے جو ہمدردی تھی اس کی وجہ سے آپ نے طاعون کے علاج کے لئے علم طب کی طرف توجہ فرمائی۔ چونکہ آپ کے والد ماجد ایک حاذق طبیب تھے۔ اور حضرت اقدس نے طب اپنے والد صاحب سے پڑھی تھی۔ اس لئے بعد توجہ بسیار کے آپ نے ایک دوا تیار کی جس کا نام آپ نے تریاق الٰہی رکھا۔ یہ دوا در اصل دیابیطس اور ضعف دماغ اور نخاع اور اعصاب اور معدہ کی کمزوری کیلئے تھی اور انہی امراض کے بارے میں الہام الٰہی نے آپ کو توجہ دلائی تھی۔ نیز یہ دوا سل اور کھانسی اور نزلات وغیرہ میں بھی مفید تھی۔ اس کے مقوی دل و دماغ ہونے کی وجہ سے آپ نے اسے طاعون کے مریضوں پر بھی استعمال فرمانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ طاعون میں سب سے زیادہ جو چیز ہلاک ہوا کرتی ہے وہ ضعف قلب ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں استعمال کی گئی اکثر مفید ثابت ہوئی۔ چونکہ دوا بہت بیش قیمت تھی اس لئے آپ نے اس کیلئے چندہ کرنا چاہا تاکہ چندہ سے دوا بہت سی تیار کر کے طاعون کے مریضوں کو للہ مفت تقسیم کی جائے۔ چنانچہ آپ نے ۲۳ جولائی ۱۸۹۸ء کو اس کے متعلق ایک اشتہار چندہ کے لئے دیا۔ اس اشتہار میں طاعون کے متعلق اور بھی بہت سی ہدایات اور علاج درج تھے۔ حاصل کلام یہ کہ چندہ جمع ہوا اور ڈھائی ہزار روپے کے صرف سے وہ دوا تیار ہو کر لوگوں میں مفت تقسیم ہوتی رہی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ دوائیں غریبوں میں مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ مرہم عیسیٰ بھی تیار کرا کے تقسیم کیا گیا جو طاعون کی گلٹی اور زخم پر استعمال کیا جاتا تھا +

دو میموریل بخدمت لفٹیننٹ گورنر پنجاب

پہلا میموریل

حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کی نسبت گورنمنٹ کو طرح طرح سے بدگمان کیا جا رہا تھا۔ اور چونکہ آپ کا زیادہ زور تردید مسیحیت پر تھا۔ اسلئے گورنمنٹ کو جو عیسائی تھی طرح طرح سے بدگمان کرنے کا موقع دشمنوں کے لئے اچھا تھا۔ اور ان بدگمانی پیدا کرنے والوں میں علاوہ عیسائی پادریوں کے مکفر مولویوں کا بہت بڑا حصہ تھا۔ پادری ہنری مارٹن کلارک نے بر ملا عدالت

میں اپنے بیان میں حضرت صاحب کو گورنمنٹ کیلئے سخت خطرناک بتلایا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ روز بہ روز حالات زیادہ نازک ہوتے جارہے تھے اور گورنمنٹ کی بدگمانی بڑھ رہی تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے ضروری سمجھا کہ لفٹننٹ گورنر پنجاب کو اپنے اور اپنی جماعت کے صحیح صحیح حالات اور معتقدات سے ایک میموریل کے ذریعہ آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ۲۴۔ فروری ۱۸۹۸ء کو ایک مطبوعہ میموریل لفٹننٹ گورنر پنجاب کے پاس بھیجا جس میں اپنے اور اپنی جماعت کے حالات اور معتقدات پر پوری طرح روشنی ڈالی۔ اور ایک عادل اور پوری مذہبی آزادی دینے والی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کے خیال سے تنفر اور اپنی امن پسندی کو کھول کر بیان فرمایا چونکہ میں آگے چل کر گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ حضرت اقدس کے اظہار وفاداری پر یکجائی بحث کرنے کا انشاء اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہوں اس لئے یہاں اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں ۔

دوسرا میموریل ۴۔ ماہ مئی ۱۸۹۸ء کو لفٹننٹ گورنر پنجاب کے پاس آپ نے ایک اور میموریل بھیجا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک عیسائی ڈاکٹر احمد شاہ نے اسی سال ۱۸۹۸ء میں ایک کتاب احہات المومنین شائع کی جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کی اور نہایت گندہ دہنی سے کام لیا۔ اور وہ کتاب ایک ہزار کی تعداد میں مفت مسلمانوں میں تقسیم کی۔ اس پر انجمن حمایت اسلام لاہور نے گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں ایک میموریل بھیجا کہ یہ کتاب ضبط کر لی جائے حضرت مرزا صاحب نے اس میموریل کو پسند نہیں کیا۔ آپ نے بطور خود گورنمنٹ کو ایک میموریل الگ بھیجا جس میں یہ لکھا کہ صرف یہی کتاب عیسائی پادریوں نے نہیں لکھی ایسی کروڑوں کتابیں ان لوگوں نے لکھکر دنیا میں پھیلا دی ہیں۔ پس سب سے پہلے جس امر کی طرف گورنمنٹ کو توجہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس طریق مباحثہ اور مناقشہ میں اصلاح ہونی چاہئے! اور اس قسم کے دل آزار اور ناپاک کلمات سے جن کی بنا کوئی مستند کتاب نہ ہو حکماً روک دینا چاہئے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جب اس کتاب احہات المومنین کی ہزار جلدیں مفت تقسیم ہو چکی ہیں تو اس کتاب کا اب ضبط کرنا لاحاصل ہے اب تو اس کا جواب لکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"اور پھر عمداً ہزار کاپی اس کتاب کی محض دلوں کے دکھانے کیلئے عام اور خاص مسلمانوں کو پہنچائی گئیں۔ اس سے کس قدر دردناک زخم عام مسلمانوں کو پہنچے ہوں گے اور کیا کچھ اُن کے دلوں کی حالت ہوئی ہوگی۔ اگرچہ بدگوئی میں یہ کچھ پہلی ہی تحریر نہیں۔ بلکہ ایسی تحریروں کی پادری صاحبوں کی طرف سے کروڑہا تک نوبت پہنچ گئی ہے مگر یہ طریق دل دکھانے کا ایک نیا طریق ہے

کہ خواہ نخواہ غافل اور بے خبر لوگوں کے گھروں میں یہ کتابیں پہنچائی گئیں۔ اور اسی وجہ سے اس کتاب پر بہت شور بھی اُٹھا۔ باوجود اس بات کے کہ پادری عماد الدین اور پادری ٹھاکر داس کی کتابیں اور نور افشاں کی پچیس سال کی مسلسل تحریریں سختی میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں"

اس میموریل سے آپ نے گورنمنٹ کو یہ جتلایا کہ جب ہزارکاپیاں اس کتاب کی مسلمانوں میں مفت تقسیم ہو چکی ہیں تو اب اس کتاب کو ضبط کرنا ایک لاحاصل امر ہے۔ اس مرحلہ پر چند کتابوں کو جو باقی رہ گئی ہیں ضبط کرکے ہم اپنا حق اس کتاب کے جواب دینے کا زائل کروانا نہیں چاہتے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ ان پادریوں کی کس کس کتاب کو ضبط کرے گی۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ گورنمنٹ اس معاملہ میں اگر کوئی مؤثر اقدام کرنا چاہتی ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ اس طریق مباحثہ اور مناقشہ کی اصلاح کرے اور اس قسم کے دلآزار اور ناپاک کلمات کے استعمال کو حکماً روک دے۔ اور ایسے موقعہ پر ہم مسلمانوں کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ بجائے گورنمنٹ سے اس کتاب کی ضبطی کے لئے استدعا کرنے کے "ہم ایسے اعتراضات کا جو درحقیقت نہایت نادانی اور دھوکہ دہی کی غرض سے کئے گئے ہیں خوبی اور شائستگی کے ساتھ جواب دیں اور پبلک کو اپنی حقیت اور اخلاق کی روشنی دکھلاویں"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ چند کتابوں کے ضبط کر لینے یا ضبط کروانے سے نہ تو گورنمنٹ ہی اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتی ہے اور نہ مسلمان۔ گورنمنٹ کا تو فرض یہ ہے کہ وہ اس طریق مباحثہ و مناقشہ میں اصلاح کرے اور اس قسم کے دلآزار اور ناپاک کلمات کے استعمال سے حکماً روک دے اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ وہ ان تمام اعتراضات کا جو سرتاپا مفتریات ہیں نہایت معقول اور دندان شکن جواب دیتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور پاکیزہ تصویر کثرت سے پبلک میں شائع کریں تاکہ پادریوں اور آریوں کی غلط بیانی اور دھوکا دہی طشت از بام ہو جاوے اور آئندہ کیلئے ان لوگوں کو اس قسم کی غلط بیانی کی جرأت ہی نہ ہو۔ جب ایک کتاب کثرت سے پبلک میں شائع ہو چکی اور اس کا زہر پبلک کے قلوب میں سرایت کر چکا تو اب چند باقیماندہ کتابوں کو ضبط کروانے کا فائدہ کیا بلکہ اُلٹا نقصان ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے ضبط ہونے کے بعد اس کا جواب دینے کا ہمارا حق زائل ہو جائے گا۔ فائدہ تو اس امر میں مضمر ہے کہ ہم اس کتاب کا جواب دے کر اُس زہر کو لوگوں کے دلوں سے خارج کریں جو اس ناپاک اور افترا سے پُر کتاب نے پھیلا دیا۔ کتاب ضبط کروا کے اپنے ہاتھ کٹوا لینے اور چُپ بیٹھ رہنا تو پبلک کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہونے کا

موجب ہوگا۔ ابتدا میں کسی کتاب کا جو ابھی تک پبلک میں کثرت سے شائع نہ ہوئی ہو ضبط ہو جانا تو مفید ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی کتاب کثرت سے شائع ہو چکی ہو اسوقت اس کا ضبط کرنا بالکل ایک لاحاصل امر ہے بلکہ اُلٹا مضر ہے۔ اس وقت صحیح طریق یہی ہے کہ اس کا پورا پورا جواب دیا جائے اور اس زہر کے بداثر سے جو اس کتاب نے پھیلایا ہے پبلک کو بچایا جائے۔ ہاں گورنمنٹ سے یہ ضرور استدعا کرنی چاہئے کہ وہ اس ناپاک طرز تحریر کو حکماً روک دے۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے یہ میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا اور اعتراضات کا جواب دینے کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر حضرت اقدس مرزا صاحب کا یہی طریق عمل رہا کہ جب کبھی بھی کوئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یا قرآن کریم پر اعتراض کرتا تو آپ کو چین نہ پڑتا جب تک ان اعتراضات کا دندان شکن جواب نہ دے لیتے۔ اسی کتاب امہات المومنین کے بارے میں مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں لکھتے ہیں:۔

"(حضرت اقدس نے) فرمایا "میری جائداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے کے"۔ جن دنوں وہ موذی اور خبیث کتاب امہات المومنین جس میں بجز دل آزاری کے اور کوئی معقول بات نہیں چھپ کر آئی ہے اسقدر صدمہ اس کے دیکھنے سے آپ کو ہوا کہ زبانی فرمایا کہ "ہمارا آرام تلخ ہو گیا ہے"۔ یہ اسی صدمہ اور توجہ الی اللہ کا نتیجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس باطل عظیم اور شرک جسیم (مسیح کی الوہیت اور کفارہ) کے استیصال کے لئے وہ حربہ آپ کے ہاتھ میں دیا یعنی مرہم عیسیٰ اور مسیح کی قبر کا نشان کشمیر میں آپ کو ملا۔ نزدیک ہے دُور نہیں کہ مسیح کی قبر اس باطل کے پرستاروں کے گھر گھر میں ماتم ڈالے اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں اور اس رنج کو بھول جائیں جو اس ناپاک کتاب سے انہیں پہنچا"۔

حضرت اقدس مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مخالف جہاں بھی آنحضرت صلعم یا قرآن کریم پر اعتراض کرتا ہے وہاں ہی حقائق و معارف کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ جس کے دیکھنے سے ایک رباطن محروم ہوتا ہے اور اپنی کور چشمی و جہالت سے اس پر اعتراض کرتا ہے وہ اعتراض درحقیقت ایک کدال ہوتا ہے جس کے پڑنے پر مخفی خزانہ حقائق و معارف کا باہر نکل پڑتا ہے۔ پس مومن اعتراضات سے گھبراتا نہیں۔ یہ ایک علمی اور قلمی جہاد کا زمانہ ہے۔ جب کسی دشمن کا حملہ ہو تو فوراً سینہ سپر ہو کر اس وار کو لو اور اس کے جواب کے لئے سعی بلیغ کرو۔ ایسے مجاہد کی خدا مدد کرتا ہے اور اپنی جناب سے اسے صحیح علم اور فہم عطا فرماتا ہے۔ پس محمد رسول اللہ صلعم کی صحیح تصویر اور قرآن کریم کی

صحیح تفسیر دنیا میں پھیلاؤ تا کسی مخالف کو اعتراض کی جرأت ہی نہ پڑے کیونکہ یہ لاعلمی کی تاریکی ہوتی ہے جس میں دشمن حملہ کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ صحیح علم کی روشنی جب پھیل جائے تو پھر اُسے حملہ کی جرأت نہیں ہو سکتی ۔ [1]

اپنی جماعت کیلئے چند اشتہارات

انہی ایام میں اپنی جماعت کے لئے حضرت اقدس مرزا صاحب نے چند اشتہارات شائع فرمائے ان میں سے دو اشتہاروں کا ذکر کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں :-

اخلاق کی اصلاح سب پر مقدم ہے

ایک اشتہار جو ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء کو شائع فرمایا اس میں جماعت کو سیاسی معاملات اور گورنمنٹ کے خلاف کسی معاملہ میں حصہ لینے سے روکا۔ اور اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ اور لوگوں کی سختیوں کے مقابلہ میں نرمی اختیار کرنے اور اخلاق فاضلہ دکھلانے کی تاکید فرمائی کہ دنیا میں کسی قوم کی ترقی خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی بغیر اخلاق فاضلہ کے مفید نہیں ہوا کرتی ۔

آپس میں رشتے کرنے کی تحریک

دوسرا اشتہار جو آپ نے ۷ جون ۱۸۹۸ء کو شائع فرمایا اس میں جماعت کے افراد کو آپس میں رشتہ کرنے کے لئے تحریک فرمائی اس لئے نہیں کہ رشتہ غیر از جماعت لوگوں سے حرام تھا بلکہ اس لئے کہ آپس میں رشتہ کرنے سے محبت و یگانگت میں ترقی ہوگی۔ اور بعض دفعہ غیر از جماعت لوگ مخالفت کی وجہ سے لڑکی کو جو تکلیف دیا کرتے تھے اور جس کی مثالیں کئی سامنے آچکی تھیں اس سے نجات ملے گی۔ چنانچہ آپ نے اپنے احباب کے لڑکوں اور لڑکیوں کی فہرست طلب کی جو قابل شادی تھے اور تحریر فرمایا کہ ان کی یہ فہرست خود آپ کی تحویل میں مخفی طور پر رکھی جائے گی۔ اور اگر کسی صاحب کو اپنے حسب منشا رشتہ جو اپنی جماعت میں سے ہو اپنے عزیزوں اور احباب میں نہ ملے تو پھر ہمیں وہ اجازت دیں کہ ہم اپنی جماعت میں اُن کے لئے رشتہ کی کوشش کریں ۔

---

[1] افسوس ہے کہ گورنمنٹ نے اس وقت نہ تو انجمن حمایت اسلام لاہور کے میموریل پر کوئی توجہ کی اور نہ حضرت مرزا صاحب کے لیکن بہت عرصہ بعد حال میں دفعہ ۱۵۳ اب کے ماتحت کسی بانی مذہب کی توہین کو قانونی طور پر جرم قرار دیا۔ اور کسی حد تک وہی کام کیا جو حضرت مرزا صاحب چاہتے تھے ۔ (مؤلف)

کتاب ضرورۃ الامام کی اشاعت

ستمبر ۱۸۹۸ء میں آپ نے کتاب ضرورۃ الامام شائع فرمائی۔ اس کتاب کو اس مشہور حدیث سے شروع کیا کہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ۔ کہ جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔ اور ایک اور صحیح حدیث بھی مسند امام احمد حنبل اور ترمذی میں مذکور ہے کہ من مات بغیر امام مات میتۃ الجاھلیۃ کہ جو بغیر امام کے مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔ اور بات بھی سچ ہے اس طرح کہ جو علم امام زمانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آتا ہے اس سے وہ شخص جو اس کا منکر ہوتا ہے محروم رہ جاتا ہے اور نیز اس کی منازل سلوک بھی ناتمام رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ نبیٔ زمانہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے آفتاب روحانیت سے امام الزمان چاند کی طرح فیوض روحانی لیتا اور ایک عالم کو اس سے روشن کرتا ہے پس اس سے تعلق نہ پکڑنے والا اُن تمام انوار آسمانی اور فیوض روحانی سے محروم رہ جاتا ہے جن کے لئے امام زمانہ کی بعثت ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔ اور ایسی حالت میں موت ایک رنگ میں جاہلیت کی موت ہے کیونکہ وہ علم اور معرفت اُسے حاصل نہ ہوسکی جو اس زمانہ میں اسے حاصل ہونی چاہئے تھی[1]

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر امام الزمان کی شناخت کس طرح ہو۔ محض امام الزمان ہونے کا دعویٰ کردینا تو کوئی چیز نہیں۔ ایک طالب حق کے لئے ضروری ہے کہ اُسے وہ نشانات بتائے جائیں جن کے ذریعہ انسان امام الزمان کی شناخت کرسکے۔

امام الزمان کی شناخت کا طریق

حضرت مرزا صاحب نے اس کتاب ضرورۃ الامام میں چھ قوتیں بتائی ہیں جن کا امام زمانہ میں موجود ہونا ضروری ہے اور یہی اس کی صداقت کے نشانات ہیں۔ جب تک یہ موجود نہ ہوں وہ امام الزمان نہیں ہوسکتا۔ میں یہاں ان قوتوں کا مجملاً ذکر کردیتا ہوں۔ ان کی تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] امام وقت کی شان بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عہد کے خزائن فیضان و برکات کی کنجی اُسی کے قبضہ میں دیدی جاتی ہے۔ پس طالبین فیضان اس کے حلقۂ ارادت سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتے۔ اگر کسی نے بطریق استراق سمع کوئی کلمۂ حقیقت حاصل بھی کرلیا تو اوّل تو وہ مثمر برکات نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو چونکہ عہد کی سلطانی فاتح و عازم دعوت ہی کو پہنچتی ہے اس لئے وہ بھی بالواسطہ اُسی کے فیضان و بخشش میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ وقال احسن من قال:۔ ؎ گر گفتۂ رعشق گمے حرف آشنا بود آنہم کمالیتست کہ از من شنیدۂ" (تذکرہ صفحہ ۱۹)

(۱)۔ پہلی قوت۔ قوت اخلاق ہے۔ چونکہ امام زمانہ کو طرح طرح کے اوباشوں اور سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے اس میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ تا اس میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو اور لوگ اس کے فیض سے محروم نہ رہیں۔ یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو۔ بلکہ آیت انک لعلیٰ خلق عظیم کا پرتو اُس کے وجود کے آئینہ صافی میں نظر آتا ہو۔

(۲)۔ دوسری قوت۔ قوت پیشروی یا قوت امامت ہے۔ یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبت الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق ہو یعنی روح اسکی کسی نقصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔ اور اس بات سے اُس کو دُکھ پہنچے کہ وہ ترقی سے روکا جائے۔

یہ ایک فطرتی قوت ہے جو امام میں ہوتی ہے۔ یہ کوئی عارضی منصب نہیں ہوتا جو پیچھے سے لگ جاتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے اسی طرح یہ آگے بڑھنے اور الٰہی امور میں سب سے اوّل درجہ پر رہنے کی قوت ہوتی ہے جو امام میں ہونی ضروری ہے۔ اور انہی معنوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

(۳) تیسری قوت۔ بسطت فی العلم ہے جو امامت کے لئے ضروری اور اُس کا خاصہ لازمی ہے اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالات افاضہ اور اتمام حجت میں اس کے برابر ہو۔ اس کی رائے صائب دوسرے کے علم کی تصحیح کرتی ہے یہ شخص اپنے علوم روحانیہ سے صحبت یابوں کو علمی رنگ سے رنگین کرتا رہتا ہے اور یقین اور معرفت میں بڑھاتا جاتا ہے۔

(۴)۔ چوتھی قوت عزم ہے۔ عزم سے مراد یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ نومید ہونا اور نہ ارادہ میں سُست ہو جانا۔ بسا اوقات وہ ایسے مصائب میں پھنس جاتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن وہ کبھی ان آزمائشوں سے بیدل نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک ابتلا میں اس کا قدم آگے ہی بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ نصرت الٰہی کا وقت آجاتا ہے۔

(۵)۔ پانچویں قوت اقبال علی اللہ ہے۔ اقبال علی اللہ سے یہ مراد ہے کہ وہ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت اور نیز اس وقت کہ جب سخت دشمن سے مقابلہ آپڑے اور کسی نشان کا مطالبہ ہو یا کسی فتح کی ضرورت ہو۔ یا کسی کی ہمدردی واجبات سے ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے۔ اور پھر ایسا

جھکتا ہے کہ اس کے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لایفک سے بھری ہوئی دعاؤں سے ملاء اعلیٰ میں ایک شور پڑ جاتا ہے۔ اور اس کے اس اقبال علی اللہ یعنی توجہ الی اللہ سے تقدیریں بدل جاتی ہیں اور مشکلات کے پہاڑ اُڑ جاتے ہیں۔ اس کی توجہ الی اللہ تام اولیاء اللہ کی نسبت زیادہ تیز اور سریع الاثر ہوتی ہے۔

(۶)۔ چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے۔ امام الزمان اکثر بذریعۃ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے اور اس کے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کمیّت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھ کر وحی ولایت میں ممکن نہیں۔ اور اُن کے ذریعہ سے علوم اور قرآنی معارف کھلتے اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں اس کے بعد آپ نے سچے الہامات کی شناخت کے نشانات بتائے ہیں۔ اور آخر میں پھر بڑے زور سے اعلان کیا ہے کہ اس زمانہ میں **امام الزمان** میں ہوں۔ بے شک جس کا جی چاہے نشانات مذکورہ بالا کو سامنے رکھ کر میرے دعوے کو پرکھ لے +

اس زمانہ کے امام کو چار امتیازی نشانوں کا دیا جانا

پھر لکھتے ہیں کہ مجھے چار نشان دیئے گئے ہیں:۔

(۱) "میں قرآن شریف کے معجزہ کے نمل کے طور پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"

(۲) "میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے"

(۳) "میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"

(۴) "میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"

اس کتاب کی تصنیف کی وجہ

یہ کتاب آپ نے فقط ڈیڑھ دن میں لکھی تھی۔ اس کتاب کی تصنیف کی وجہ آپ نے خود اس کتاب کے آخر میں تحریر فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:۔

"ان دنوں میں مہینے ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء میں جو مطابق جمادی الاوّل ۱۳۱۶ھ ہے۔ ایک میرے دوست جن کو میں ایک بے شر انسان اور نیک بخت اور متقی اور پرہیزگار جانتا ہوں۔ اور ان کی نسبت ابتدا سے میرا بہت نیک گمان ہے۔ واللہ حسیبہٗ۔ مگر بعض خیالات میں غلطی میں پڑا ہوا سمجھتا ہوں۔ اور اس غلطی کے ضرر سے اُن کی نسبت اندیشہ بھی رکھتا ہوں۔

وہ تکالیف سفر اُٹھ کر اور ایک اور میرے عزیز دوست کو ہمراہ لیکر قادیان میں میرے پاس پہنچے اور بہت سے الہامات اپنے مجھ کو سنائے۔ اس سے مجھ کو بہت خوشی ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو الہامات کا شرف بخشا ہے۔ مگر انہوں نے سلسلۂ الہامات میں ایک یہ خواب بھی اپنی مجھے سنائی کہ "میں نے آپ کی نسبت کہا ہے کہ میں اُن کی کیوں بیعت کروں بلکہ اُنہیں میری بیعت کرنی چاہیئے" اس خواب سے معلوم ہوا کہ وہ مجھے مسیح موعود نہیں مانتے اور نیز یہ کہ وہ مسئلۂ امامتِ حقّہ سے بے خبر ہیں۔ لہٰذا میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ میں اُن کے لئے امامتِ حقّہ کے بیان میں یہ رسالہ لکھوں اور بیعت کی حقیقت تحریر کروں۔ سو میں امام حق کے بارے میں جس کو بیعت لینے کا حق ہے اس رسالہ میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں"

حقیقت بیعت پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"رہی حقیقت بیعت کی۔ سو وہ یہ ہے کہ بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے اور بیع اس باہمی رضامندی سے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے۔ سو بیعت سے یہ غرض ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو مع اس کے تمام لوازم کے ایک رہبر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچ کرتا ہے کہ اس کے عوض میں وہ معارف حقّہ اور برکات کا ملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔۔۔۔۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے عزیز ملہم اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ فقرات الہامی اکثر اُن پر وارد ہوتے ہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میری جماعت میں اس قسم کے ملہم اسقدر ہیں کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بنتی ہے ..... میں نہایت تعجب میں ہوں کہ آپ کی نسبت اُنکے الہامات میں غلطی کم ہوتی ہے ..... مگر کیا ایسے الہامات سے کوئی شخص امام الزمان کی بیعت سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ اور مجھے تو کسی کی بیعت سے عذر نہیں۔ مگر بیعت سے غرض افاضۂ علوم روحانیہ اور تقویت ایمان ہے۔ اب فرمایئے کہ آپ بیعت میں کون سے علوم سکھلائیں گے اور کون سے قرآنی حقائق بیان فرمائیں گے۔ آپ آیئے اور امامت کا جوہر دکھلایئے۔ ہم سب بیعت کرتے ہیں۔۔۔۔۔ میں نقارہ کی آواز سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ سب بطور نشان امامت

کے ہے ..... اس الہام کے رُو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اوّل المومنین رکھا اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے اور مجھے بار بار الہام کیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الٰہی اور کوئی محبت الٰہی تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں۔ جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا اور اب حجۃ اللہ کے نیچے ہے "

مقدمۂ انکم ٹیکس

جب دشمن حضرت اقدس مرزا صاحب پر قتل عمد کا مقدمہ کروا کے آپ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہوئے اور آپ کی جان اور عزت کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا تو اب دشمنوں نے یہ چاہا کہ مالی نقصان ہی آپ کو پہنچایا جائے۔ اُدھر خدا نے بھی چاہا کہ اس معاملہ میں بھی اپنی حفاظت کا نشان ظاہر کرے۔ یعنی جس طرح اپنے فضل اور رحمت سے آپ کی جان اور عزت کی حفاظت فرمائی تھی اسی طرح آپ کے مال کی بھی حفاظت فرما کر مخالفوں پر حجت تمام کرے۔ دشمنوں نے گورنمنٹ کو توجہ دلائی کہ مرزا غلام احمد کے پاس اس کے مریدوں کی طرف سے کثرت سے مال آتا ہے۔ پس کیوں نہ اس پر ٹیکس لگایا جائے۔ واضح ہو کہ اس سے قبل آپ پر کسی قسم کا ٹیکس نہ لگا تھا۔ آپ زمیندار تھے اور حسب معمول زمین کا مالیہ ادا کرتے تھے لیکن آپ کی جائداد کی آمدنی کبھی بھی اتنی نہیں قرار دی گئی جس پر اس زمانہ کی شرح کے مطابق ٹیکس لگ سکے۔ اور قانون کے رُو سے جو چندہ مذہبی کاموں کے لئے جمع ہوتا اور مذہبی کاموں پر خرچ ہوتا ہے وہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتا ہے

آپ پر انکم ٹیکس لگایا گیا

لیکن مخالفوں کی منصوبہ بازی آخر یہ رنگ لائی کہ ۱۸۹۸ء میں سرسری طور پر بغیر کسی عدالت کی باضابطہ تحقیق کے حضرت مرزا صاحب کی ذاتی سالانہ آمدنی ۲۰۰ ۷ روپے قرار دے کر آپ پر مبلغ ۸۷ روپے ۸ آنے انکم ٹیکس مشخص ہو کر اس کا مطالبہ ہوا۔ اور یہ ساری فتنہ انگیزی ایک ہندو آریہ تحصیلدار کے ذریعہ عمل میں آئی جو آپ سے سخت جلتا تھا۔ اور اس نے اس ٹیکس کے عائد کرنے میں بڑی سعی کی تھی۔ ٹیکس لگنے پر آپ نے عذرداری کی۔ مگر عذرداری کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ حساب کتاب کا روزنامچہ پیش کیا جائے۔ مگر یہاں تو کُل پر گزارہ تھا۔ روزنامچہ کس نے رکھنا تھا۔ لیکن تاہم آپ نے ضروری سمجھا کہ جہاں تک حافظہ اور زبانی حساب کتاب سے مدد لی جا سکے آمدنی کا تخمینہ لگا کر عدالت میں پیش کر دیا جائے۔

ٹیکس کے متعلق ایک پیشگوئی

اس مقصد کے لئے چھوٹی مسجد میں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر آمدنی اور خرچ کا آپ

بمعہ چند احباب حساب کر رہے تھے جن میں مولوی محمد علی صاحب بھی تھے۔ خواجہ جمال الدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی آمد و خرچ کے حساب کے ان کاغذات کو جو تیار کئے تھے دیکھ رہے تھے کہ یکایک آپ پر ایک کشفی حالت طاری ہوئی اور آپ کو دکھایا گیا کہ وہ ہندو تحصیلدار بٹالہ کا جس کے پاس یہ مقدمہ عذرداری دائر تھا بدل گیا ہے اور اس کے عوض عدالت کی کرسی پر ایک اور شخص بیٹھا ہے جو مسلمان ہے۔ اور اس کشف کے ساتھ بعض ایسے امور ظاہر ہوئے جو نیک انجام اور فتح کی بشارت دیتے تھے۔ تب آپ نے اسی وقت یہ کشف حاضرین کو سنا دیا۔ اور ان کو پورے طور پر تسلی دی کہ اس مقدمہ کا انجام بخیر ہوگا اور کسی ایسے مسلمان آدمی کے یہ کام سپرد ہوگا جو انصاف کو ملحوظ رکھکر پوری تفتیش کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ ہندو تحصیلدار یکایک بدل گیا اور اس کی جگہ میاں تاج الدین صاحب تحصیلدار بٹالہ ہوئے۔ تاج الدین صاحب تحصیلدار بٹالہ نے اس مقدمہ عذرداری میں حضرت مرزا صاحب کا بیان لیکر جو رپورٹ ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو لکھی اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے بیان میں یہ لکھوایا ہے کہ اس کو تعلقہ داری زمین اور باغ کی آمدنی ہے تعلقہ داری کی سالانہ آمدنی تخمیناً ۸۲ روپے دس آنے ہے۔ اور زمین کی سالانہ آمدنی تخمیناً تین سو روپے ہے۔ اور باغ کی سالانہ آمدنی دو سو روپے سے پانچ سو روپے تک ہے۔ اس کے علاوہ اس کو کسی اور قسم کی ذاتی آمدنی نہیں۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کو تخمیناً پانچ ہزار دو سو روپے اس سال میں مریدوں سے پہنچے ہیں۔ اس سے قبل اوسط سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپے رہی ہے۔ یہ آمدنی پانچ مدوں میں جن کا ذکر رسالہ فتح اسلام میں ہے خرچ ہوتی ہے:۔

(۱)۔ اوّل مہمانخانہ۔ جو لوگ مرزا صاحب سے ملنے آتے ہیں اُن کو کھانا وہاں سے ملتا ہے۔ مسافروں یتیموں۔ بیواؤں کی بھی اسی مد میں سے مدد کی جاتی ہے۔

(۲)۔ دوم مطبع۔ اس میں مذہبی کتابیں اور اشتہارات چھپتے ہیں۔ اور بعض دفعہ لوگوں میں مفت تقسیم ہوتے ہیں۔

(۳)۔ سوم مدرسہ۔

(۴)۔ چہارم جلسہ سالانہ اور دیگر جلسہ جات۔

(۵)۔ پنجم خط و کتابت۔ مذہبی تحقیقات کے متعلق جس قدر خط و کتابت ہوتی ہے وہ اسی چندہ میں سے ہوتی ہے۔

پس جو چندہ جمع ہوتا ہے وہ مدات مذکورہ بالا میں خرچ ہوتا ہے۔ خرچ اور آمدنی کا حساب باضابطہ کوئی

نہیں ہے۔ صرف یادداشت سے تخمینہ لکھوایا ہے۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکی ذاتی آمدنی باغ زمین اور تعلقہ داری کی اس کے خرچ کے لیے کافی ہے۔ اور اس کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ مریدوں کا روپیہ ذاتی خرچ میں لاوے۔ مرزا غلام احمد کی اپنی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلقہ داری زمین اور باغ کے اور نہیں ہے جو قابل ٹیکس ہو۔ گواہوں میں سے چھ گواہ تو مرزا صاحب کے مرید ہیں۔ اور سات گواہ مرید نہیں ہیں اور مختلف قسم کے دوکاندار ہیں جن کو مرزا صاحب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ سب گواہان مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتے ہیں خفیہ طور پر بھی تحقیقات کی گئی جس میں بعض لوگوں نے یہ کہا تو سہی کہ مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی زیادہ ہے لیکن ثبوت کوئی نہ دے سکے غرضکہ یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ مرزا صاحب کی ذاتی آمدنی اس سے زیادہ ہے جو انہوں نے اپنے بیان میں لکھوائی ہے۔

اس کے بعد تحصیلدار صاحب نے اپنی رائے لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی صرف تعلقہ داری اور زراعت اور باغ کی قرار دی جائے جیسا کہ شہادت سے عیاں ہے اور جس قدر آمدنی مرزا صاحب کو مریدوں سے ہوتی ہے اس کو خیرات کا روپیہ قرار دیا جائے جیسا کہ گواہوں نے بیان کیا ہے تو مرزا غلام احمد پر ٹیکس بحال نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب دوسری طرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک معزز اور بھاری خاندان سے ہے اور اس کے آباؤ اجداد رئیس رہے ہیں اور ان کی آمدنی معقول رہی ہے اور مرزا غلام احمد خود ملازم رہا ہے اور آسودہ حال رہا ہے تو ضرور گمان گزرتا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک مالدار شخص ہے اور قابل ٹیکس ہے۔

انکم ٹیکس کی معافی

۳۱۔ اگست ۱۸۹۸ء کو تاج الدین صاحب تحصیلدار بٹالہ نے اپنی یہ رپورٹ ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر بی ڈیکن صاحب کی خدمت میں بھیجدی انہوں نے اپنا فیصلہ اور حکم ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء کو جو صادر کیا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"یہ ٹیکس جدید تشخیص کیا گیا ہے اور مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ تمام اس کی آمدنی اس کے ذاتی کاروبار پر خرچ نہیں ہوتی بلکہ اس فرقہ کے اخراجات پر صرف ہوتی ہے جو اس نے قائم کیا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے پاس اور جائداد بھی ہے لیکن اس نے تحصیلدار کے سامنے بیان کیا کہ وہ آمدنی بھی کہ جو از قسم آمدنی اراضی و زراعت کی ہے اور زیر دفعہ ۵ (ب ٹیکس) سے مستثنیٰ ہے مذہبی اخراجات میں جاتی ہے۔ ہمیں اس شخص کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کیلئے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اور ہم اس کی آمدنی کو جو از چندہ ہا ہے جسے وہ ۵۲۰۰ روپیہ بیان کرتا ہے معاف کرتے

ہیں۔ کیونکہ زیر دفعہ (۵) (E) وہ محض مذہبی اغراض کے لئے صرف کی جاتی ہے"

ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جو کچھ فیصلہ دیا عین حقیقت پر مبنی تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۸۹۸ء میں حضرت مرزا صاحب کو چندہ اسی قدر آیا جسقدر آپ نے بیان میں فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی چندہ جتنا بھی آوے وہ آخر مذہبی خیرات اور صدقات کے رنگ میں ہی آتا ہے اور ضروریات مذہبی پر ہی صرف ہوتا ہے۔ اور ایسی آمدنی قانون کے رو سے ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتی ہے۔ اسے ذاتی آمدنی قرار دینا سراسر ظلم ہے۔ آپ تو ان امور سے اسقدر الگ تھے کہ ۱۹۰۵ء میں جس وقت چندوں کی تعداد ایک لاکھ روپے تک پہنچ گئی تھی وصیت لکھ کر اور ایک انجمن بنا کر تمام آمدنی اس کے سپرد کر دی۔ اور اخبار میں بار بار اعلان کیا کہ سوائے لنگر خانہ کے آپ کو اور کسی قسم کا چندہ نہ بھیجا جائے۔ سب چندے انجمن کو براہ راست بھیجے جائیں۔ اگر وہ ذاتی آمدنی تھی تو جب اسقدر کثیر ہو گئی تھی اُس وقت الگ کیوں کر دی۔ ایک دنیا دار آدمی تو اسے سینہ کے ساتھ لگا کر رکھتا۔ پھر لنگر خانہ کا چندہ اپنے پاس رکھنا درحقیقت ایک اُسترے کی مالا خریدنے کے مترادف تھا۔ کیونکہ مہمانداری کا خرچ اسقدر زیادہ تھا کہ بعض دفعہ آپ کو اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے سخت فکر دامنگیر ہو جاتی تھی۔ اکثر پاس ایک پیسہ نہ ہوتا تھا اور لنگر خانہ کا مہتمم روپوں کے تقاضہ کے لئے ہمہ وقت سر پر سوار رہتا تھا۔ کئی دفعہ گھبرا کر ارادہ کیا کہ لنگر خانہ ہی بند کر دیں لیکن الہام الٰہی نے اس سے باز رکھا۔ خدا ہی تھا جو اپنے خزانۂ غیب سے یہ خرچ چلاتا تھا۔ ورنہ آمدنی کے مقابلہ میں خرچ اس قدر زیادہ تھا کہ ایک عامی دنیا دار آدمی کی تو نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اُسے انجمن کے سپرد نہ کیا کیونکہ انجمن اسے چلا نہ سکتی تھی اور ڈر تھا کہ گھبرا کر اس مد کو بند ہی نہ کر دے۔ یہ تو آپ کا توکل علی اللہ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کچھ خارق عادت غیبی تائید تھی جو مہمانداری کا سلسلہ چل رہا تھا۔

حضرت مرزا صاحب کی صفائی معاملہ حضرت مرزا صاحب نے انکم ٹیکس کے متعلق ڈپٹی کمشنر کا یہ فیصلہ ضرورۃ الامام کتاب کے ساتھ شائع فرما دیا۔ اور یہ امر آپ کی معاملہ کی صفائی پر دال تھا۔ ورنہ اگر کوئی چالاکی اس معاملہ میں کی ہوتی تو چاہئے تھا کہ آپ اُسے مخفی رکھتے اور پبلک میں لانے سے احتراز کرتے۔ کیونکہ ایک بات پبلک میں آجانے سے تو ہر ایک دوست دشمن کو نکتہ چینی کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ کا ہر ایک معاملہ نہایت صفائی اور راستی پر مبنی تھا۔ اس لئے کسی امر کو بھی چھپا کر رکھنے کی عادت نہ تھی۔ بعض دفعہ مقدمات کے دوران میں کسی امر کی نسبت علیحدگی میں پرائیویٹ طور پر کسی مشیر قانونی نے گفتگو کرنی چاہی ہے۔ تخلیہ ہوا ہے۔ گفتگو آہستہ آہستہ شروع ہوئی ہے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ہم نے اپنے کانوں سے حضرت

اقدس مرزا صاحب کو اس قدر زور زور سے گفتگو کرتے سنا ہے کہ راہ چلتے بھی سن لیں کہ کیا بات تھی بات یہ ہے کہ جس کا دل پاک ہو معاملہ صاف ہو وہ پبلک میں کھلم کھلا ہر ایک مرکو لے آنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتا۔

نجم الھدیٰ کی تصنیف واشاعت

حضرت مرزا صاحب نے ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو کتاب نجم الھدیٰ شائع فرمائی۔ یہ کتاب آپ نے تین زبانوں میں شائع فرمائی اس طرح کہ تین کالم ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ پہلا کالم عربی کا۔ اسکے بالمقابل دوسرا کالم اُردو کا۔ اور اس کے بالمقابل تیسرا کالم فارسی کا۔

آنحضرت صلعم کے ہر دو نام محمدؐ و احمدؐ کی وجہ تسمیہ

اس میں سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ اور اسقدر مدلل اور معقول اور کامل طریق پر تعریف کی ہے کہ پڑھتے ہوئے شربت کے گھونٹ آتے ہیں۔ وہ ایک آبحیات کا جام ہے جس سے حضرت نبی کریم صلعم کی محبت دلوں میں زندہ ہوتی اور ترقی کرتی ہے۔ شروع جس طرح سے کیا ہے اُس میں سے اُردو کے حصّہ میں سے چند فقرے نقل کرتا ہوں وھوٰ ہذا:۔

"اور اُس کے رسول اُمی پر درود اور سلام ہو جس کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ یہ دونو نام اُس کے وہ ہیں کہ جب حضرت آدم کے سامنے تمام چیزوں کے نام پیش کئے گئے تھے تو سب سے اوّل یہی دونام پیش ہوئے تھے۔ کیونکہ اس دنیا کی پیدائش میں وہی دونام علت غائی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے علم میں وہی اشرف اور اقدم ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ ان دونو ناموں کے تمام انبیا علیہم السّلام سے اوّل درجہ پر ہیں۔ اور بباعث اس کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام نبوّت کے علم ختم ہو گئے اور آپ پر کامل اور جامع طور پر وحی نازل کی گئی اور آخری معارف اور وہ سب کچھ جو پہلوں اور پچھلوں کو دیا گیا تھا آپ کو عطا ہوا۔ ان تمام وجوہ سے آپ خاتم الانبیا ٹھیرے اور ہر ایک سفید اور سیاہ کی طرف آپ کو بھیجا۔ اور ہر ایک اندھے اور بہرے اور گونگے کی اصلاح کیلئے آپ کو پسند فرمایا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے عطر سے اس قدر آنجناب کو معطر کیا کہ اس سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں کیا گیا۔ خدا نے اپنے پاس سے آپ کو علم دیا اور اپنے پاس سے فہم عطا کیا اور اپنے پاس سے معرفت بخشی اور اپنے پاس سے پاک کیا اور اپنے پاس سے ادب سکھلایا اور برگزیدگی کے پانی سے اپنے پاس سے نہلایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس خدا کی تعریف کرنا

واجب ہوگیا جو اس کے ہر ایک کام کا آپ متکفل ہوا..... اور اُس نے خدا کی تعریف کو کمال تک پہنچایا یہاں تک کہ اس کے ذکروں میں گم اور فنا ہوگیا۔ اور اس کے اس قدر تعریف کرنے اور خدا تعالیٰ کو صاحب تعریف ٹھیرانے کا مرتبہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے متواتر اور پیا پے اس پر اپنے فضل نازل کئے اور وہ عنایت اس کے شامل حال کی جس نے ایک طرفۃ العین بھی اس کو اپنی کوشش اور سعی کا محتاج نہ کیا۔ یہاں تک کہ وجہ اللہ نے اُس کے دل کو چیر کر اپنا دخل اس میں کیا اور اپنی محبت میں اسکو یگانہ بنایا۔ پس اس محسن کی تعریف کیلئے اس کے دل نے جوش مارا اور خدا تعالیٰ کی تعریف اس کی دلی مراد ہوگئی اور یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز اس کے کسی کو رسولوں اور نبیوں اور ابدالوں اور ولیوں میں سے عطا نہیں ہوا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے اپنے بعض معارف اور علوم اور نعمتیں بتوسط عالموں اور باپوں اور احسان کرنے والوں کے پائی تھیں۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پایا جناب الٰہی سے پایا اور جو کچھ ان کو ملا اسی چشمہ فضل اور عطا سے ملا۔ پس دوسروں کے دل حمد کے لئے ایسے جوش میں نہ آسکے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل جوش میں آیا کیونکہ ان کے ہر ایک کام کا خدا ہی متولی تھا۔ پس اسی وجہ سے کوئی نبی یا رسول پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے احمدؐ کے نام سے موسوم نہیں ہوا..... اور پھر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں اس وجہ سے تھیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو اختیار کر لیا تھا اور ہوا و نفس سے الگ ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور اخلاص اور صدق اور توحید سے اس کی طرف دوڑے تھے سو خدا نے وہ تعریفیں بطور انعام کے ان کی طرف واپس کر دیں اور تمام یگانہ صدیقوں سے اسکی یہی عادت ہے کہ وہ حامد کو محمود بنا دیتا ہے۔ پس ہمارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان میں تعریف کیا گیا ہے.....“

غرضکہ اس کتاب میں آنحضرت صلعم کی تعریف جس کمال کے ساتھ حضرت مرزا صاحب نے کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کی تعریف کے بعد پھر آپ نے اپنے دعوے کو پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام پر کیسا نازک وقت ہے اور کس طرح دشمن اسلام پر حملے کر رہے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت مجدد اور امام وقت مبعوث فرمایا ہے۔

راز حقیقت کی اشاعت

حضرت عیسیٰ کی مختصر سوانح | حضرت مرزا صاحب نے کتاب راز حقیقت ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع فرمائی۔

اس کتاب میں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک رنگ میں سوانحعمری شائع فرمائی ہے اور بالخصوص اُن کی وفات اور ان کی قبر کا ذکر کیا ہے جو محلّہ خان یار سرینگر میں ہے۔ اور اُس قبر کا نقشہ بھی دیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اشتہار بھی کتاب کے آخر میں درج ہے جو علیحدہ بھی ۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع کیا گیا تھا اور جس کا ذکر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے تذکرہ میں آتا ہے ؂

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور اُنکی فتنہ پردازیاں

اور

حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق اُنکی ذلّت

اور آخر کار اُن کا تکفیر سے رجوع

کشف الغطا اور حقیقت المہدی کی اشاعت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی فتنہ انگیزیاں

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی صاحب حضرت مرزا صاحب کی عداوت اور مخالفت میں کچھ اس طرح حد سے گزر گئے تھے کہ شب و روز آپ کی دلآزاری کرنے اور آپ کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اور سوائے اس ایک کام کے انہیں کوئی اور شغلہ نہ تھا۔ یہی شخص تھا جس نے ابتدا میں آپ پر تمام علماء پنجاب و ہندوستان سے کفر کا فتویٰ لگوایا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب کو جو بالکل ایک شیخ فانی تھے مجبور کر کے فتوائے کفر پر اُن سے دستخط کروائے اور پھر وہاں سے ایک ایک مولوی اور ایک ایک سجّادہ نشین کے پاس یہ صاحب پہنچے اور ان سے اس فتوائے کفر پر دستخط کروا کے بڑے طمطراق سے اسے شائع کیا۔ اور سمجھا کہ بس مَیں نے میدان مار لیا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ الفاظ خود کہے کہ "مَیں نے ہی مرزا کو اونچا چڑھایا تھا۔ اور مَیں ہی اب اسے نیچے گراؤں گا"۔ لیکن یہ غلط تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو اونچا چڑھایا تھا۔ اگر اُنہوں نے چڑھایا ہوتا تو گرا بھی لیتے۔ حقیقت یہ تھی کہ خدا نے حضرت اقدس کو اونچا چڑھایا تھا اور جسے خدا اونچا چڑھائے اسے کوئی نہیں گرا سکتا۔ مولوی محمد حسین صاحب لدھیانہ میں حضرت اقدس سے مناظرہ کر کے اور سخت زک اُٹھا کر یہ دیکھ چکے تھے کہ

کامیابی اس راہ سے نہیں اس لئے جم کر مقابلہ پر آنے کی تو تاب نہ تھی۔ سارا زور کفر کے فتووں پر تھا۔ جب ان سے بھی کچھ نہ بنا اور لوگوں کا رجوع بیش از پیش آپ کی طرف ہونے لگا تو یہ طریق اختیار کیا کہ جہاں حضرت اقدس تشریف لیجاتے یہ وہاں جا کر فتنہ انگیزیاں کرتے اور لوگوں کو جھوٹ بول بول کر دھوکا دیتے۔ مجھے خوب یاد ہے جب حضرت اقدس ۱۸۹۲ء میں سیالکوٹ تشریف لائے تو ان مولوی صاحب نے صدر بازار سیالکوٹ کی بڑی مسجد میں لکچر دیا اور وہاں ان صاحب نے صاف لفظوں میں یہ کہا کہ مرزا قادیانی یہ کہتا ہے کہ انا انزلناہ قریبٌ من القادیان قرآن کی ایک آیت ہے حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا پھر ازالۂ اوہام میں سے مختلف عبارتوں کو آگے پیچھے سے قطع و برید کر کر کے سناتے رہے۔ کہیں سے پڑھ دیا کہ "قرآن میں تو گالیاں بھری ہیں"۔ کہیں سے پڑھ دیا کہ "چار سو نبیوں نے جھوٹ بولا" وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے لوگ جو حضرت مرزا صاحب پر حسن ظن رکھتے تھے یکدم اُن سے بدظن ہو گئے کہ ایسی باتیں لکھنے والا تو ایک مسلمان بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ مسیح اور مہدی! انہیں کیا خبر تھی کہ پنجاب کا چوٹی کا مولوی خانہ خدا مسجد میں کھڑے ہو کر جھوٹ بول رہا اور حوالجات سنانے میں پرلے درجہ کی بددیانتی سے کام لے رہا ہے۔ غرضکہ انہوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا تھا کہ تقریری اور تحریری طور پر حضرت مرزا صاحب سے لوگوں کو بدظن کرتے پھرتے۔ اور اپنے اخبار اشاعت السنۃ میں نہایت درشت کلامی اور سخت گندہ دہنی حضرت مرزا صاحب کے متعلق کیا کرتے۔ اور نہایت دیدہ دلیری سے آپ کے متعلق غلط اور جھوٹ پر پروپیگنڈا کرنے سے ذرا بھی نہ شرماتے۔ جب حضرت مرزا صاحب نے اُن کو اور تمام علماء مکفرین کو مباہلہ کیلئے دعوت دی تو مقابلہ پر آنے کی تو انہیں جرأت نہ ہوئی البتہ یہ حجت بازی نکالی کہ فوری عذاب نازل کر تب مباہلہ کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے جب یہ لکھا کہ مباہلہ کے اثر کیلئے ایک سال کی میعاد تو آنحضرت صلعم کی سُنت ہے تو اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر ٹال گئے۔ مولوی عبدالحق غزنوی نے امرتسر میں حضرت مرزا صاحب سے مباہلہ کیا تو وہاں مباہلہ میں تو شامل نہ ہوئے مگر بعد میں وہیں بیٹھ کر لڑائی کرنی شروع کر دی۔ آخر پولیس نے انہیں وہاں سے نکالا۔ پادری عبداللہ آتھم جب اپنے رجوع الی الحق کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا تو انہوں نے خوشی سے بغلیں بجائیں۔ اور اپنے اخبار میں حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ پھر جب لیکھرام اپنی میعاد کے اندر ہلاک ہوا تو انہوں نے حضرت مرزا صاحب پر اس کے قتل میں سازش کا الزام لگایا۔ اور اتنے بڑے مولوی کہلا کر اسقدر افترا پردازی اور کذب بیانی سے ذرا نہ جھجکے۔ اور نہ خدا سے ڈرے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے حضرت اقدس پر قتل کا مقدمہ چلایا تو یہ صاحب اُس پادری کے ساتھ ساتھ لگے پھرے

اور اُس کی طرف سے بڑے زور سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف گواہی دینے عدالت میں آن موجود ہوئے۔ وہاں حضرت مرزا صاحب کو باوجود ملزم ہونے کے کرسی پر بیٹھے دیکھا تو حل کر کہ ب ہو گئے۔ عدالت سے کہا کہ مجھے بھی کرسی ملنی چاہیئے میں اہل حدیث مولویوں کا امام ہوں۔ اس پر عدالت نے کہا کہ تم کرسی نشین نہیں ہو اسلئے کرسی نہیں مل سکتی۔ لیکن انہوں نے پھر بھی اصرار کیا تو عدالت نے ڈانٹا اور کہا کہ سیدھے کھڑے ہو کر گواہی دو۔ پھر گواہی میں حضرت مرزا صاحب کے خلاف ایسا صریح جھوٹ بولنا اور تبرّے بازی کرنی شروع کر دی کہ خود عدالت نے اِن کی گواہی بند کر دی اور کہہ دیا کہ ان کی گفتگو سے صاف عداوت اور تعصب کی بو آتی ہے۔ پس ایسی جھوٹی شہادت کو جاری رکھنا مناسب نہیں۔ غرضکہ وہاں سے بھی بہت ذلیل ہو کر نکلے۔ جنوری ۱۸۹۸ء میں جب حضرت مرزا صاحب نے کتاب البریّہ شائع فرمائی جس میں پادری ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کی کل کارروائی پوری تفصیل کے ساتھ درج کی ہے تو اس میں لازمی طور پر مولوی محمد حسین صاحب کے کرسی مانگنے اور عدالت کے انکار اور ڈانٹنے کا ذکر بھی آگیا۔ اس کتاب کو پڑھ کر مولوی بٹالوی صاحب بہت سیخ پا ہوئے اور نہایت دیدہ دلیری سے ایک خط میں جو یکم مارچ ۱۸۹۸ء کو اُنہوں نے لکھا تھا یہ ظاہر کیا کہ یہ تمام باتیں جو میرے کرسی مانگنے اور ڈانٹ پڑنے وغیرہ کی مرزا صاحب نے لکھی ہیں جھوٹ ہیں۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے ۷۔ مارچ ۱۸۹۸ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ ان تمام واقعات کو دُہرایا اور اس میں علاوہ عدالت کے اہلکاروں کے ۱۰۳ معززین کی گواہیاں پیش کیں جنہوں نے حضرت اقدس کے اس بیان کی تصدیق کی تھی۔ لیکن باایں ہمہ ان کی دشنام طرازیوں اور فتنہ پردازیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

مباہلہ پر انعام پیش کیا گیا آخر کار ان کی فتنہ پردازیوں سے تنگ آ کر حضرت مرزا صاحب کے خدام نے تمام اہل اسلام کو مخاطب کر کے ایک اشتہار اکتوبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا کہ روز روز کی اس دنگا کلکل اور فتنہ و فساد سے کیا فائدہ۔ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پڑتا ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے تمام برادران اسلام کی خدمت میں درخواست ہے کہ مرزا صاحب کی مخالفت میں رئیس المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو حضرت مرزا صاحب سے مباہلہ کرنے کے لئے مجبور کریں۔ اور اس مباہلہ کی منظوری ہمیں اخیر نومبر ۱۸۹۸ء تک آجانی چاہیئے۔ مباہلہ بمقام بٹالہ ہوگا۔ اور مباہلہ کے اثر کی میعاد سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک سال ہوگی۔ اگر ایک سال کے اندر مباہلہ کا اثر قابل اطمینان طور پر ہماری تائید میں ظاہر نہ ہوا تو مبلغ دو ہزار پانچسو پچیس روپے آٹھ آنے کی رقم

بطور انعام کے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو ہماری طرف سے دی جائے گی ۔

ابوالحسن تبتی اور جعفر زٹلی کی گندہ دہنی

اس اشتہار کے جواب میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے مباہلہ تو کیا کرنا تھا البتہ یہ کیا کہ اپنے دو چیلوں کو آگے کر دیا یا جو وہی اُن کے نام سے دو اشتہار شائع کرا دیئے یہ اللہ کو علم ہے۔ یہ دو چیلے ایک تو مولوی ابوالحسن تبتی تھا اور دوسرا محمد بخش جعفر زٹلی لاہوری۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی طرف سے اُن کے یہ دونوں گرگے باری باری سے بوے۔ مولوی ابوالحسن تبتی نے ایک اشتہار ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو شملہ سے شائع کیا۔ اور اس میں حضرت مرزا صاحب کو بے انتہا گالیاں دیں۔ اور لکھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب مباہلہ کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ مباہلہ کے اثر کے لئے میعاد کی کوئی شرط نہ ہو۔ اور اگر مباہلہ کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب پر فوراً ہی کوئی کوئی بُرا اثر نہ ہوا تو انعام تو نہیں چاہئے البتہ (نعوذ باللہ۔ مؤلف) مرزا کادیانی کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے ۸۲۵ جوتے اس کے سر پر لگائے جائیں گے"۔ اس کے بعد اس قدر گندہ دہنی اور اور ہرزہ سرائی کی ہے کہ الامان الحفیظ۔ اُن الفاظ کے نقل کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ اس کے چند روز بعد۔ ۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو دوسرے چیلے محمد بخش جعفر زٹلی لاہوری نے ایک اسی قسم کا گندہ گالیوں سے بھرا اشتہار شائع کیا جس میں ابوالحسن تبتی کی تائید کرتے ہوئے اپنی طرف سے یہ بڑھایا کہ (نعوذ باللہ مؤلف) ۸۲۵ جوتے کادیانی دجال کا سر برداشت نہیں کر سکیگا۔ اس لئے اس کے ساتھ اس کے مرید آپس میں بانٹ کر جوتوں کی تعداد پوری کر والیں۔ گویا یہ رعایت ہوئی ۔

حضرت مرزا صاحب کا اشتہار بعنوان "ہم فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں"۔

ان دو نو اشتہاروں سے جو گندگی اور دشنام طرازی میں اپنی نظیر آپ ہی تھے حضرت مرزا صاحب کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے ان سب کے جواب میں ایک اشتہار ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع فرمایا جس کا عنوان تھا کہ "ہم فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں"۔ اس اشتہار کو شروع اس طرح کیا ہے:۔

جن لوگوں نے شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کے چند سال کے پرچے اشاعت السنۃ کے دیکھے ہوں گے وہ اگر چاہیں تو محض للہ گواہی دے سکتے ہیں کہ شیخ صاحب موصوف نے اس راقم کی تحقیر اور توہین اور دشنام دہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ ایک وہ زمانہ تھا جو اُن کا پرچہ اشاعت السنۃ کف لسان اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے طریق کا موید تھا۔ اور کفر کے کئی نوے وجوہ کو ایک ایمان کی وجہ پائے جانے سے کالعدم قرار دیتا تھا۔ اور آج وہی پرچہ ہے جو ایسے شخص کو کافر و دجال قرار دے رہا ہے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا

قائل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیا سمجھتا اور تمام ارکان اسلام پر ایمان لاتا ہے اور اہل قبلہ میں سے ہے۔ اور ان کلمات کو سُن کر شیخ صاحب اور ان کے ہم زبان یہ جواب دیتے ہیں کہ تم لوگ دراصل کافر اور منکر اسلام اور دہریہ ہو۔ صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اپنا اسلام ظاہر کرتے ہو۔ گویا شیخ صاحب اور ان کے دوستوں نے ہمارے سینوں کو چاک کر کے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے اندر کفر بھرا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندہ کی تائید میں اپنے نشان بھی دکھلائے مگر وہ نشان بھی حقارت اور بے عزتی کی نظر سے دیکھے گئے۔"

اس کے بعد آپ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ کس طرح جماعت کے چند احباب نے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو مباہلہ کے لئے دعوت دی اور مباہلہ کے اثر کے لئے ایک سال مدت قرار دی کہ یہ طریق مسنون ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مباہلہ کے فوری اثر کے قائل ہیں تو ان کو اختیار ہے وہ اپنی بد دعا کا اثر ہم پر فوراً ظاہر کر کے دکھلا دیں۔ لیکن ہم تو فوری اثر کے قائل نہیں۔ بلکہ مباہلہ کے اثر کے لئے ایک سال کی مدت معین کرتے ہیں اس لئے وہ ہم کو فوری اثر کے عقیدہ پر مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن بجائے اس کے کہ نیک نیتی سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب میدان مباہلہ میں آتے انہوں نے یہ طریق اختیار کیا کہ محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی کے نام سے اشتہار چھاپ کر خوب جی بھر کر گالیاں دیں۔ آگے تحریر فرماتے ہیں:-

"اس وقت وہ اشتہار میرے سامنے رکھا ہے۔ اور میں نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے۔ اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اُس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولیٰ اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر۔ اور اُن لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر۔ اور اس روز کے جھگڑے کا فیصلہ فرما۔"

آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ دعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں یہ الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا۔

اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا" (یعنی حسرت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا)

اس کے بعد اپنے چند عربی الہامات درج فرمائے ہیں جن میں سے "جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ اس الہام میں ایک زبردست پیشگوئی تھی وہ یہ کہ فریق ظالم کو اسی قسم کی ذلت پہنچیگی جس قسم کی ذلت فریق ظالم نے فریق مظلوم کو پہنچانی چاہی تھی۔ گویا ذلت جزا بالمثل کے طور پر فریق ظالم کو ملے گی۔

۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کا اشتہار

اس کے بعد آپ نے ۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو ایک اور اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون"۔ جو علیحدہ بھی شائع ہوا اور آپ کی تصنیف "راز حقیقت" کے ساتھ بھی شائع ہوا جس میں آپ نے مخالفین کے اعتراض دربارہ پیشگوئی عبداللہ آتھم کا جواب دیتے ہوئے اپنی جماعت کو تاکید فرمائی کہ تقویٰ وطہارت سے اپنے میں اور غیروں میں ایک امتیاز بین پیدا کریں تا خدا بھی ان میں اور ان کے غیروں میں فرقان قائم کرے اور غیروں کے مقابلہ میں ان کی نصرت اور تائید کرے۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور ان کے چیلوں چانٹوں سے بحث مباحثہ اور جھگڑوں سے اجتناب کریں۔ یہاں تک کہ ۱۳ ماہ کے اندر یعنی ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۰ء تک اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ حق و باطل میں ظاہر فرما دے۔

خدائی فیصلہ کس طرح وقوع میں آیا

خدا کی شان۔ تیرہ ماہ گزرنے سے بہت پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب پر وہ ذلت کی مار ماری گئی کہ دل کانپ اٹھتا ہے اور ایک سمجھدار آدمی کیلئے سخت عبرت کا مقام ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کو کافر کہنے والے پر کفر لوٹ کر پڑتا ہے۔ وہ ان بٹالوی صاحب کے حق میں لفظاً و معناً دو نو طرح پورا ہوا۔ واقعات کو اب میں سلسلہ وار بیان کرتا ہوں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی گورنمنٹ میں مخبری

۱۲۔ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار سے قبل جس میں حضرت مرزا صاحب نے خدا سے فیصلہ جھوٹے اور سچے کے متعلق طلب کیا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کا ایک ایڈیشن انگریزی میں نکالا اور پوشیدہ طور پر گورنمنٹ انگریزی کے پیش کیا۔ اس رسالہ میں انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی نسبت تو یہ بہتان طرازی کی کہ یہ شخص جو مہدی ہونے کا مدعی ہے مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور ابھی جو یہ اظہار وفاداری وغیرہ کرتا ہے تو محض وقت ٹالنے کے لئے یہ سب حیلہ ہے۔ دراصل یہ اپنی طاقت جمع کر رہا ہے جس وقت اسے کافی طاقت حاصل ہوگئی تو یہ شخص فوراً گورنمنٹ سے بغاوت کرے گا کیونکہ مہدی کے متعلق تو یہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ وہ تلوار سے کفار کو قتل کریگا اور

اسلام بزورِ شمشیر پھیلائے گا۔ پس گورنمنٹ برطانیہ کو چاہئے کہ فوراً اس شخص کو گرفتار کرے۔ [۱]

اور اپنی نسبت یہ لکھا کہ چونکہ میں کسی مہدی کے آنے کا قائل نہیں۔ اور مہدی کی تمام حدیثوں کو مجروح جانتا ہوں۔ اس لئے میں اس مدعیٔ مہدویت کو جھوٹا سمجھتا اور اس کی مخالفت کرتا رہتا ہوں بلکہ عام مسلمانوں کے دلوں سے مہدی معہود کی آمد کے غلط عقیدہ کو مٹانے کیلئے شب و روز کوشاں رہتا اور دن رات گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کا وعظ کرتا پھرتا ہوں۔ اپنی یہ خیر خواہی جتلا کر انہوں نے پھر اسی رسالہ میں گورنمنٹ سے لائل پور کے علاقہ میں چند مربعے زمین کے بطور انعام کے مانگے جو اصل غرض اس ساری تمہید کی تھی۔ ان مربعوں کی خاطر یہ مولوی صاحب عرصہ سے انگریز افسروں کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کر رہے تھے اور جب ان کے پاس جاتے تو اپنی تو وفاداری کا راگ گاتے اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف انگریزوں کے کان بھرتے کہ یہ شخص مہدی کا مدعی یونہی نہیں ہے صرف موقعہ کا منتظر ہے۔ جہاں اسکی جماعت بڑھی اور بس اس نے بغاوت کی۔ بلکہ اب بھی امیر عبدالرحمان خان والیٔ افغانستان سے درپردہ خط و کتابت رکھتا ہے جو اس کے افغان مریدوں کے ذریعہ سے جاری ہے۔ عام طور پر انگریز کان کے کچے ہوتے ہیں۔ اور مہدی کے نام سے تو ان کی جان جاتی ہے۔ مہدی سوڈانی کی بغاوت انہیں بھولی نہ تھی۔ اور ہندوستان کے اندر حضرت مرزا صاحب کا مہدویت کا دعویٰ پہلے ہی ان لوگوں کی نگاہوں میں سخت مشتبہ تھا۔ اب جو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے یہ جھوٹی مخبریاں کیں تو انگریز دل و جان سے ان کی خدمات کے معترف ہو گئے۔ ان کو تو لائل پور کے علاقہ میں مربعے دیدیئے اور حضرت مرزا صاحب کے بارے میں تحقیقات کے لئے خفیہ ہدایات جاری کر دیں۔ حضرت مرزا صاحب کو اسکی کچھ خبر نہ تھی۔ کیونکہ یہ رسالہ مولوی محمد حسین صاحب نے پوشیدہ طور پر گورنمنٹ کو دیا تھا۔

پولیس کا چھاپہ مارنا اکتوبر ۱۸۹۸ء کا مہینہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ شام کی نمازیں ابھی مسجد مبارک کے کوٹھے پر ہوا کرتی تھیں۔ جو ایک دن شام کو کپتان پولیس بمعہ رانا جلال الدین خاں انسپکٹر پولیس ایک دستہ پولیس کے سپاہیوں کا لیکر قادیان آدھمکا اور حضرت مرزا صاحب کے گھر کو گھیر لیا اور خود بمعہ رانا جلال الدین خاں

[۱] مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اس سے قبل بھی برابر حضرت اقدس کے خلاف گورنمنٹ میں زبانی مخبریاں کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ یہ صاحب شملہ گئے اور وہاں اپنے ایک معتقد غلام محمد نامی کے پاس ٹھیرے۔ اور اپنے اس معتقد دوست سے یہ ایک راز کی بات بیان کی کہ مرزا کو ہم اپنے فتووں سے تو نہیں گرا سکے مگر آج ہم اسے پکڑوا دیں گے۔ اور وہ یوں کہ گورنر سے ہماری دوستی ہے اور ہم اسے یقین دلائیں گے کہ مرزا حکومت کا درپردہ باغی ہے۔ پس حکومت اُسے پکڑ لے گی عجیب بات یہ کہ مرزا صاحب تو نہ پکڑے گئے البتہ ان کا وہ دوست غلام محمد ان کی اس حرکت سے اتنا متنفر اور حضرت اقدس کے دلائل کے غلبہ سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لی۔

مسجد کے کوٹھے پر چڑھ آیا۔ [1] مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مسجد کے کوٹھے پر تشریف رکھتے تھے وہ پولیس کے اس مظاہرہ کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو خبر کی گئی۔ آپ کوٹھے پر تشریف لائے تو کپتان پولیس نے کہا کہ ہم آپ کی خانہ تلاشی کرنے آئے ہیں۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ آپ امیر عبدالرحمان خان والئ افغانستان سے خفیہ ساز باز رکھتے اور خط و کتابت کرتے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہم تو گورنمنٹ انگریزی کے عدل و انصاف اور امن اور مذہبی آزادی کے سچے دل سے معترف ہیں۔ اور ہم اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کو اسلام پر ایک بہتان عظیم سمجھتے ہیں لیکن آپ کو اگر شک ہے تو بیشک آپ ہمارے گھر کی تلاشی لے لیں۔ آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک است۔ البتہ ہم اس وقت نماز پڑھنے لگے ہیں اگر آپ اتنا توقف کریں کہ ہم نماز پڑھ لیں تو بہت مہربانی ہوگی"۔ کپتان پولیس وہیں مسجد کے کوٹھے پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ نماز پڑھ لیں ۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی قرآن خوانی اور اس کا اثر

مولوی عبدالکریم صاحب نماز کی امامت کرایا کرتے تھے۔ اور جب سے قادیان ہجرت کر کے آئے تھے خدا جانے اُن کی آواز میں کیا اثر آگیا تھا کہ نماز میں اُن کی قرآن خوانی واقعی ایک جادو کا اثر رکھتی تھی۔ سیالکوٹ شہر میں وہ اہل حدیث کی مسجد کے امام تھے۔ خاکسار مؤلف بھی اس زمانہ میں اہل حدیث تھا اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اہل حدیث کی مسجد میں جایا کرتا تھا۔ مولوی صاحب موصوف خطبہ اچھا پڑھا کرتے تھے اور نماز میں قرآن ایک جذبہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ مگر آواز میں نہ خوش الحانی تھی نہ کوئی اثر تھا۔ لیکن قادیان آکر خدا جانے کیا معجزہ صادر ہوا کہ قرآن خوانی کے وقت آواز میں وہ خوش الحانی اور اثر آگیا تھا کہ سننے والے کا دل پانی پانی ہو جاتا تھا۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہ پڑتے تھے۔ قرآن نہایت جذبہ کے ساتھ مصری لہجہ میں پڑھتے تھے۔ خاکسار مؤلف نے مصری لہجہ میں پڑھتے ہوئے بڑے بڑے خوش الحان قاریوں کو سنا ہے لیکن اُن میں وہ بات ہی نہیں دیکھی گئی جو مولوی عبدالکریم صاحب کی قرأت میں تھی۔ وہ تو اپنی قرآن خوانی سے سننے والے کو مبہوت کر دیتے تھے۔ اور تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگتا تھا کہ آج سے تیرہ سو برس ۱۳۰۰ پہلے کا زمانہ جب قرآن نازل ہو رہا تھا مڑ کر دوبارہ آگیا ہے۔ قلوب ہل جاتے تھے۔ اذان بھی وہ خوب جذبہ اور خوش الحانی سے دیتے تھے۔ لیکن مؤذن چونکہ مقرر تھا اس لئے اذان دینے کا انہیں بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ اس روز کپتان پولیس کی

[1] پولیس کے چھاپہ مارنے کی یہ روایت دادا جلال الدین خاں صاحب سے منقول ہے ۔ (مؤلف)

آمد نے اُن کے دل پر خاص اثر کیا۔ اس اثر کے ماتحت اُنہوں نے اُس دن خود اذان دی اور ایسے جذبہ اور خوش الحانی سے دی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ اس کے بعد نماز مغرب پڑھائی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا۔ اور اس جذبہ اور خوش الحانی سے پڑھا کہ وہ کپتان پولیس مبہوت ہو کر رہ گیا۔ رکوع کے آخر میں جو دعا ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا الخ اس پر ساری جماعت کے رونے اور تڑپنے کو جو دیکھا تو وہ انگریز پانی ہو گیا۔ نماز کے ختم ہونے پر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور حضرت مرزا صاحب سے کہنے لگا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ایک راستباز اور خدا پرست انسان ہیں اور جو کچھ آپ نے کہا ہے یہ بالکل سچ ہے۔ آپ لوگ جھوٹ بول نہیں سکتے۔ یہ دشمنوں کا آپ کے متعلق غلط پروپاگنڈا تھا پس خانہ تلاشی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور گورنمنٹ کو لکھدیا کہ میں نے تحقیقات کر لی ہے۔ مرزا صاحب کے خلاف یہ سب غلط پروپاگنڈا ہے۔ لطف یہ کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے اس انگریزی رسالہ اور اس کی مخبری کا علم حضرت مرزا صاحب کو اب تک نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو آپ نے اپنا خدائی فیصلہ والا اشتہار بھی جاری کر دیا۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کے مہینہ میں بٹالوی صاحب کا وہ انگریزی رسالہ اچانک ہی کہیں سے آپ کو ہاتھ لگ گیا۔ اس کو پڑھکر آپ نے ضروری جانا کہ گورنمنٹ انگلشیہ کو اپنے اور اپنی جماعت کے عقائد اور خیالات کے متعلق صحیح علم سے مطلع کیا جاوے۔

کشف الغطا کی اشاعت اس لئے آپ نے ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کو گورنمنٹ برطانیہ کو مخاطب کر کے ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا نام **کشف الغطا** تھا۔ اس میں اپنے خاندان کی وفاداری اور غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ کو امداد دینے کا ذکر فرمایا۔ اور اپنی جماعت کے خیالات و وفاداری کا بھی ذکر کیا۔ اور اپنے عقائد کی خوب کھولکر تشریح کی۔ اور مسیح کی وفات پر روشنی ڈال کر اپنے دعویٰ مسیحیت کی حقیقت کو روشن کیا۔ اور مہدی کے متعلق بتایا کہ ہم کسی خونی مہدی کے آنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہم مہدی ہونیکے مدعی بیشک ہیں۔ لیکن ہمارا حربہ اگر کوئی ہے تو قلم ہے۔ ہم تو اس بات کو کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا تھا یا آئندہ کبھی بزور شمشیر پھیلے گا اسلام کی پاکیزہ اور معقول تعلیم پر سراسر افترا اور بہتان سمجھتے ہیں۔ اسلام ایک صداقت ہے جس کے پھیلنے کے لئے کسی تلوار کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس رسالہ کا ذکر کر کے اس کی اس چالاکی کو بلشت از بام کیا جو اُس نے مربع حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کے پاس کی تھی اور دنیا کی طمع کیلئے جھوٹ اور منافقت سے کام لیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور محمد حسین کا اس رسالہ میں یہ لکھنا کہ میں اُس مہدی کو نہیں مانتا جس کی اس کے تمام ہم جنس مولوی انتظار کر رہے ہیں اور جس کی تائید کے لئے حسب خیال ان کے مسیح آسمان سے نازل ہوگا

یہ سراسر منافقانہ تحریر ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ اور صدہا مولوی پنجاب اور ہندوستان کے گواہی دے سکتے ہیں کہ وہ ایسے خونی مہدی کو مانتا ہے۔ مگر منافقانہ طور پر گورنمنٹ کے پاس اس عقیدہ کے برخلاف بیان کرتا ہے۔ اگر اس کے ہم جنس مولویوں سے جیسے مولوی احمد اللہ امرتسری۔ مولوی رشید احمد گنگوہی۔ مولوی عبدالجبار امرتسری۔ مولوی محمد بشیر بھوپالی۔ مولوی عبدالحق دہلوی مولوی ابراہیم آرہ۔ مولوی عبدالعزیز لدھیانوی۔ اور خاصکر مولوی نذیر حسین دہلوی استاد محمد حسین سے حلفاً پوچھا جائے کہ تم لوگ مہدی موعود کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ وہ لڑائیوں کے لئے آنیوالا ہے یا نہیں۔ اور نیز یہ کہ محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنۃ تم میں سے ہے اور تمہارے عقیدہ پر ہے یا وہ الگ ہے؟ اور کیا وہ اس وقت کی خلافت کو قریش کے سوا کسی اور کے لئے تجویز کرتا ہے؟ تو ان گواہوں سے یہ تمام منافقانہ کارروائی محمد حسین کی گورنمنٹ پر ایسی ظاہر ہو جائے گی جیسا کہ ایک سفید کی ہوئی اور خوبصورت بنائی ہوئی قبر میں سے کھودنے کے وقت اندر کی ہڈیاں اور آلائشیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ میں اپنی زیرک اور روشن دماغ گورنمنٹ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ شخص مہدی کی نسبت وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اس کے ہم جنس دوست یعنی دوسرے مولوی پنجاب اور ہندوستان کے عقیدہ رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ سمجھ سکتی ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ محمد حسین اتنے بڑے اجماعی عقیدہ میں دوسرے مولویوں سے اختلاف رکھ کر پھر ان کا دوست اور سرگروہ رہ سکے۔ اور اس پر ایک اور دلیل بھی ہے کہ یہ شخص اپنی اشاعت السنۃ جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۰ میں صاف لکھ چکا ہے کہ "خلافت صرف قریش کے لئے مسلّم ہے۔ دوسری قوم کا کوئی شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا"۔ اب سوچنا چاہئے کہ کیونکر تجویز کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح دوبارہ آئیں گے تو وہ بادشاہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو قریش میں سے نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل میں سے ہے۔ اور پھر بغیر وجود خلیفہ کے لڑائیاں کیونکر ہوں گی۔ اس لئے ان تمام مولویوں کو ماننا پڑا ہے کہ مسیح کے دوبارہ آنے کے وقت ایک قریشی خلیفہ ہونا ضروری ہے جو وقت کا بادشاہ بھی ہو۔ اسی وجہ سے مہدی معہود کے انکار کرنے سے تمام عقائد ان لوگوں کے درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مسیح کا آسمان سے اترنا بھی لغو ٹھہر جاتا ہے۔ کیونکہ زمین پر کوئی خلیفہ برحق نہیں جس کے ہمرکاب ہو کر مسیح علیہ السلام کافروں سے لڑائیں۔ اسی وجہ سے محمد حسین بہ دل یقین رکھتا ہے کہ ضرور مسیح کے اترنے کے وقت قریش میں سے مہدی موعود آئے گا جو خلیفۂ وقت ہوگا اور مسیح موعود اس کی بیعت کرنیوالوں کے ساتھ مل کر حق خدمت ادا کرے گا"۔

پھر آخر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اس صورت میں اس شخص کا کس قدر قابل شرم جھوٹ ہے کہ سرکار انگریزی کو کچھ سناتا ہے اور اپنے گھر میں اعتقاد کچھ رکھتا ہے ..... کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں کہ حضور گورنمنٹ میں اسقدر جھوٹ بولے۔ اگر یہ شخص قریشی خلیفہ کے آنے سے منکر ہوتا جس کو عام لفظوں میں مہدی کہتے ہیں اور میری طرح ایسے مسیح کو مانتا کہ جو نہ لڑے گا اور نہ خونریزیاں کریگا تو بلاشبہ میری طرح اس کے لئے بھی کفر کا فتویٰ لکھا جاتا۔ میں گورنمنٹ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مسئلہ میں اس شخص کے کھانیکے دانت اور اور دکھانے کے اور ہیں۔ اپنے ہم جنس مولویوں پر اُن کے خیال کے موافق عقیدہ ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر جب گورنمنٹ کے دکھلانے کے لئے تحریر کرتا ہے تو وہاں گورنمنٹ کو خوش کرنے کیلئے یہ عقیدہ بیان کر دیتا ہے کہ "میں نہیں مانتا کہ کوئی مہدی آئے گا اور لڑائیاں کرے گا" لیکن اگر یہ مہدی کو نہیں مانتا تو دوسرے مولویوں کا جو مانتے ہیں کیونکر سرگروہ اور ایڈووکیٹ کہلاتا ہے۔ ان باتوں کا انصاف گورنمنٹ عالیہ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے نزدیک گورنمنٹ ہم دونوں کی اصلیت تک اس صورت میں بآسانی پہنچے گی کہ ہم دونوں کے اپنے روبرو اور دوسرے مولویوں کے روبرو اس مقدمہ میں اظہار لے۔ اس وقت جو منافقانہ طرز کا آدمی ہوگا اس کی تمام حقیقت کھل جائے گی۔ لہذا یہ ادب التماس ہے کہ یہ فیصلہ ضرور کیا جائے جبکہ یہ فاش جھوٹ اس نے اختیار کیا ہے تو کیونکر اطمینان ہو کہ جو دوسری باتیں گورنمنٹ تک پہنچاتا ہے اُن میں سچ بولتا ہے"؟

رسالہ کشف الغطا کے متعلق حضرت اقدس کے ریمارکس

اسی رسالہ کشف الغطا کے متعلق ۲۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو سیر کے وقت حضرت اقدس مرزا صاحب نے فرمایا کہ :-

"یہ تکالیف اور ایذائیں جو مخالف کبھی بدزبانیوں کے رنگ میں اور جھوٹ اور افترا سے بھرے ہوئے اشتہاروں کے ذریعے اور کبھی گورنمنٹ اور حکومت کو خلاف واقع اور محض جھوٹی باتوں کے بیان کرنے سے بدظن کر کے ہم کو پہنچاتے ہیں۔ اگر ہماری اپنی ذات تک محدود اور مخصوص ہوتیں تو خدا تعالیٰ امر جانتا ہے کہ ہم کو ذرا بھی خیال نہ ہوتا۔ کیونکہ ہم تو قربانی کے بکرے کی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت تیار ہیں۔ مگر اس کا اثر ہماری قوم تک پہنچتا ہے۔ اور بعض لوگ ابھی ایسے کمزور بھی ہیں جو ابتلا برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کل حالات کو چھاپ کر گورنمنٹ کے پاس بھیجدیں کیونکہ اگر ہم خاموش رہیں تو چونکہ مخالف

برابر ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں اس لئے اس کا اثر گورنمنٹ پر بہت برا پڑتا ہے"

اشتہار ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۸ء

اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب نے ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کو ہی ایک اور اشتہار شائع فرمایا جس کو آپ نے علیحدہ بھی اور کشف الغطار رسالہ کے ساتھ بھی شائع کیا۔ اور جس میں اس بات کا اعلان کیا کہ آپ نے اپنے ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء والے اشتہار میں فریق کاذب کے متعلق جو پیشگوئی شائع کی تھی وہ پوری ہوگئی۔ کیونکہ اس اشتہار میں صاف الفاظ میں یہ الہام درج تھا کہ جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ۔ جس میں صریح طور پر بطور پیشگوئی یہ بتلایا گیا تھا کہ ان دونو فریق میں سے جو فریق ظلم اور زیادتی کرنیوالا ہے اُس کو اُسی قسم کی ذلت پہنچے گی جس قسم کی ذلت فریق مظلوم کو فریق ظالم نے پہنچانی چاہی تھی مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب پر جو ظلم کیا تھا وہ یہ تھا کہ اُن کو مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ مہدی و مسیح کی آمد کا منکر قرار دیکر ملحد اور کافر اور دجال ٹھیرایا تھا اور اسی بناپر مولویوں سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگوایا تھا۔ لیکن اب اس شخص کے انگریزی رسالہ مجریہ ۴ اکتوبر ۱۸۹۸ء سے جو اس نے انگریزوں سے زمین حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا سب مسلمانوں اور مولویوں پر یہ راز افشا ہوگیا کہ یہ شخص خود بھی ان کے اجماعی عقیدہ مہدی موعود کی آمد کا منکر ہے جس کا تمام مسلمانوں کو انتظار ہے اور جو اُن کے خیال کے مطابق بنی فاطمہ اور قریشی خلیفہ ہوگا اور جس کی تائید کے لئے آسمان سے حضرت عیسیٰ اتریں گے اور پھر دونوں کو کفار کو بزور شمشیر مسلمان کریں گے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس کے انکار کی وجہ سے مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو دجال اور کافر اور ملحد ٹھیرایا تھا۔ مگر اب اس انگریزی رسالہ سے پردہ کھل گیا کہ اب تک وہ مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہے تھے درحالیکہ وہ اس عقیدہ میں فی الحقیقت مرزا صاحب قادیانی سے ہی درپردہ اتفاق رکھتے تھے۔ اس لئے اب وہ اپنے اور اپنے ہم عقیدہ مولویوں کے فتوے کے رُو سے خود بھی کافر اور ملحد اور دجال ٹھیر گئے۔ لہٰذا پیشگوئی جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ نہایت صفائی سے پُوری ہوگئی +

حضرت مرزا صاحب کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ

پھر اسی مذکورہ بالا اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ کو اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اب یہاں تک دشمنی میں حد سے گزر گیا ہے کہ اس نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸ نمبر ۳ صفحہ ۹۵ میں میرے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اپنے لوگوں کو میرے خلاف اُکساتا اور بھڑکاتا پھرتا ہے۔ [1]

[1] مولوی محمد حسین صاحب نے نہ صرف حضرت مرزا صاحب کے واجب القتل ہونیکا فتویٰ دیا تھا بلکہ وہ بعض دفعہ (باقی برصفحہ ۵۹۶)

پیشگوئی جزاء سیئۃ بمثلہا کا بڑی صفائی سے پورا ہونا

۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے تو اس پیشگوئی جزاء سیئۃ بمثلہا وترھقھم ذلۃ کی میعاد ۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۸ء سے شروع کرکے ۱۳ ماہ رکھی تھی۔ لیکن خدا کی شان کہ ۱۳ دن بھی نہیں گزرے جو یہ پیشگوئی بڑی صفائی سے

(بقیہ صفحہ ۵۹۵) ان سازشوں میں بھی شریک ہوئے جو بعض لوگ آپ کے قتل کی کرتے رہتے تھے۔ مولوی عمرالدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں شملہ میں حصول ملازمت کیلئے سرگرداں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مرزا صاحب نے ایک اشتہار مبلغ پانچ صد روپے انعام کا شائع کیا تھا اور تمام علما کو مخاطب کرکے لکھا تھا کہ اگر کسی ایسے مفتری علی اللہ مدعی ماموریت کی نشان دہی کی جائے جو برابر ۲۳ برس تک افترا کے طور پر وحی الٰہی کو پیش کرتا رہا ہو اور وہ ہلاکت سے بچ رہا ہو تو ایسے مفتری کا ثبوت پہنچانے والے کو مبلغ پانچ صد روپیہ انعام دیا جائے گا۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ اشتہار بذریعہ بسٹری مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری کو بھی بھیجا تھا۔ ایک دن مولوی محمد حسین صاحب اور حافظ محمد یوسف صاحب اور مولوی عبدالرحمن صاحب امرتسری سیاح اور میں صبح کے وقت جامع مسجد شملہ میں بیٹھے تھے کہ یہ اشتہار ڈاکیہ لایا۔ اس وقت آپس میں گفتگو و بحث کے بعد اشتہار کے دو جواب سوچے گئے (۱) ایک تو یہ کہ مرزا صاحب کو اس موضوع پر بحث کرنے کیلئے ندوۃ العلما کے جلسہ میں جو اُن دنوں امرتسر میں ہونیوالا تھا بلایا جائے۔ اور یہ محض ایک چال تھی جو ناکامیاب چلی گئی تھی۔ کیونکہ خود مولوی محمد حسین صاحب اس بات کے قائل تھے کہ اس مطالبہ کا جواب دینا اور مقابلہ میں کامیاب ہونا ایک محال امر ہے۔ مباحثہ کے چیلنج دینے کا فائدہ اُنہوں نے یہ بتلایا کہ مرزا صاحب تو چونکہ انجام آتھم میں اللہ تعالیٰ سے اپنا یہ عہد شائع کر چکے ہیں کہ وہ آئندہ علماء سے مباحثہ نہیں کریں گے اس لئے وہ مباحثہ کرنے کیلئے ندوہ کے جلسہ میں ہرگز نہیں آئیں گے لہٰذا ہماری چڑھ بن جائے گی اور پبلک میں شہرت ہو جائے گی کہ ہم نے تو ندوۃ العلما کے جلسہ میں مرزا صاحب کو اس موضوع پر مباحثہ کیلئے بلایا تھا مگر وہ نہیں آئے اور اس طرح ہم اپنی فتح کا نقارہ بجانے کے قابل ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہی جواب حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری کی طرف سے بذریعہ ایک اشتہار کے دیا گیا (۲) دوسرا جواب جو اس موقعہ پر سوچا گیا وہ مولوی عمرالدین صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پیش کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ کیوں نہ ایسے شخص کو جو اسلام کیلئے اس قدر فتنہ کا موجب ہے ہلاک کر دیا جائے۔ جب علما اس کے وجود کو اسقدر اسلام کی تباہی کا موجب سمجھتے ہیں تو چاہیئے کہ جسقدر جلد ممکن ہو اسے نیست و نابود کر دیا جائے۔ پہلے تو مولوی محمد حسین صاحب کچھ لیت و لعل کی اور کہا کہ تم ابھی بچے ہو۔ تریں یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے اس معاملہ میں ابھی تک کچھ نہیں کیا؟ اجی ہم نے کئی آدمی مرزا کو قتل کرنے کیلئے بھیجے لیکن مرزا کے یا تو جاسوس بڑے تیز ہیں اور یا اسے کوئی علم جفر آتا ہے کہ اُسے پتہ لگ جاتا ہے بلکہ اکثر تو یوں ہوا ہے کہ جو اُسے قتل کرنے جاتا ہے وہ اس کا دل سے مرید ہو جاتا ہے۔ خدا جانے کیا سحر اُسے یاد ہے۔ کہیں تم بھی نہ اسی رَو میں بہ جاؤ۔ میں نے کہا حضرت میں ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہوں۔ جاسوس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میری زبان سے اس معاملہ میں کچھ نہیں نکلے گا جبتک کہ یہ کام نہ ہو جائے۔ رہا سحر وغیرہ۔ اس سے آپ مطمئن رہیں۔ مجھ پر مرزا کا جادو نہیں چل سکتا۔ غرضکہ جب اُنہوں نے میری ایسی جرأت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور میری اس تجویز کو پسند کرکے مجھے ہر طرح اس کام میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ میں بھی چونکہ اس کام کو دینی خدمت سمجھتا تھا اسلئے آمادہ ہو گیا۔ ان دنوں مولوی محمد حسین صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور مجھے علم دین پڑھاتے بھی تھے اور میرے ساتھ وعدہ تھا کہ مجھے دینی تعلیم پوری پوری دلائی جائے گی۔ مگر ایسا ہوا کہ اس تجرید کے پختہ ہو جانے (باقی برصفحہ ۵۹۷)

پوری ہوگئی۔ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ۲۷۔ دسمبر کے اشتہار میں اعلان کیا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے اس انگریزی رسالہ سے جو اُس نے خفیہ طور پر گورنمنٹ انگریزی کو زمین حاصل کرنے کے لئے بھیجا صاف طور پر پتہ لگ گیا کہ یہ ایسے مہدی کا منکر ہے جو قریش میں سے ہوگا، اور جس کی تائید کیلئے آسمان سے حضرت عیسیٰ اُتریں گے اور پھر دونوں کر کفار سے جنگیں کرینگے اور بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کریں گے۔ پس جو وجوہ کفر و الحاد کے اس نے میرے لئے تجویز کر کے مجھ پر خود بھی اور دوسرے علماء سے بھی کفر کا فتویٰ لگوایا تھا۔ وہی وجوہ کفر و الحاد کے اب خود اس میں بھی موجود پائے گئے ہیں اس لئے اب وہ آپ بھی اُسی فتوے کے ذیل میں آگیا۔ جو مجھ پر لگا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کا یہ اعلان اگرچہ نہایت درست تھا مگر مولوی محمد حسین صاحب کی یہ ذلت ابھی منطقی نتیجہ کے طور پر تھی۔ سچ مچ واقعات کے رنگ میں ابھی پورا ہونا باقی تھا جو جلدی ہی پورا ہوگیا اور وہ اس طرح کہ ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب جھجھر ضلع رہتک کے ایک پٹھان تھے جو حضرت مرزا صاحب کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ وہ مشرقی افریقہ سے اپنی افریقہ کی ملازمت کی میعاد ختم کر کے واپس ہندوستان تشریف لائے تو حضرت اقدس کی خدمت میں بھی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ اب کے سال کرسمس ۱۸۹۸ء میں جلسہ سالانہ بعض وجوہات سے نہیں ہو سکا تھا۔ اس لئے فراغت تھی۔ اُنہوں نے جو یہ انگریزی رسالہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا دیکھا تو کچھ خدمت دین کرنی چاہی۔ حضرت اقدس مرزا صاحب سے ایک استفتا لکھوایا۔ جو حسب ذیل ہے:۔

استفتا "کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مہدی موعود کے

(بقیہ صفحہ ۵۹۶) کے بعد مجھے حافظ محمد یوسف مرتسری کے کچھ ایسے گندے حالات نظر آئے کہ اس سے متنفر ہو کر میں جالندھر اُتر گیا۔ اور میں نے مولوی محمد حسین صاحب سے کہا کہ جو کام آپ نے میرے سپرد کیا ہے وہ میں بطور خود پورا کروں گا۔ مگر جالندھر پہنچ کر مجھے ایسے حالات پیش آئے کہ میں پھر اسکول میں داخل ہوگیا۔ اس دوران میں مجھے ایک احمدی درویش کی معرفت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا اُن کی صحبت میں چند روز رہکر میرے خیالات بدل گئے اور میں قادیان چلا گیا مگر اب قتل کرنے کیلئے نہیں بلکہ مرید ہونے کیلئے وہاں گیا اور حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کر کے قادیان سے واپس آرہا تھا جو بٹالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب مل گئے۔ اُنہیں میرے احمدی ہونے سے سخت رنج ہوا۔ میں نے اُنہیں کہا کہ مفتری علی اللہ کی رگ جان تو خود خدا کاٹ دیتا ہے جیسا کہ آیت قطع وتین سے ظاہر ہے تو پھر یہ کیا راز ہے کہ دعویٰ الہام پر ۲۳ برس گزر گئے نہ خدا مرزا صاحب کی رگ جان کاٹتا ہے اور نہ کوئی اور شخص اس امر میں کامیاب ہوتا ہے۔ تم نے خود اس امر میں بڑی کوششیں کیں مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ مجھے خاص طور پر مرزا صاحب کی رگ جان کاٹنے کیلئے بھیجا مگر میں خود ان کا غلام بن گیا۔ کبھی غور کرو ایک انصاف پسند شخص کیلئے مرزا صاحب کے ملہم من اللہ ہونے اور اُن کی صداقت پر کیا یہ ایک دلیل روشن نہیں ہے مگر مولوی صاحب کسی طرح پیچھا چھڑا کر چل دیئے۔"

آنے سے جو آخری زمانہ میں آئے گا اور بطور ظاہر و باطن خلیفہ برحق ہوگا اور بنی فاطمہ میں سے ہوگا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے قطعاً انکار کرتا ہے اور اس جمہوری عقیدہ کو کہ جس پر تمام اہل سنت دلی یقین رکھتے ہیں سراسر لغو اور بیہودہ سمجھتا ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا ایک قسم کی ضلالت اور الحاد خیال کرتا ہے۔ کیا ہم اس کو اہل سنت میں سے اور راہ راست پر سمجھ سکتے ہیں یا وہ کذاب اور اجماع کا چھوڑنیوالا اور ملحد اور دجال ہے۔ بینوا و توجروا۔ المرقومہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۱۵۔ شعبان المبارک ۱۳۱۶ھ"

"السائل المعتصم باللہ الاحد مرزا غلام احمد عافاہ اللہ وایّد"

یہ استفتا لیکر ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب قریباً تمام ان علما کی خدمت میں پہنچے جن سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگوائے تھے۔ اور احتیاط یہ کی کہ سائل یعنی حضرت مرزا صاحب کا نام اس استفتا کے نیچے سے نکال دیا۔ حق کی مخالفت اور باطل کی تائید سے عقلیں موٹی ہو جایا کرتی ہیں۔ ان تمام علما نے جن کے پاس ڈاکٹر صاحب موصوف یہ استفتا لیکر گئے یہ نہ سمجھا کہ یہ وہی عقائد ہیں جو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے انگریزی رسالہ میں زمین حاصل کرنے کے لئے انگریزوں کے سامنے اپنے ظاہر کئے ہیں۔ یا تو انکو اس انگریزی رسالہ کا پتہ نہ تھا اور یا پتہ تھا تو چونکہ استفتا کے نیچے سائل کا نام نہ تھا اس لئے ان کا خیال اسی طرف گیا کہ یہ مرزا غلام احمد کا ہی عقیدہ ہو سکتا ہے جس کے متعلق سائل فتویٰ لینا چاہتا ہے چنانچہ ان سب نے اس استفتا کے جواب میں ایسا عقیدہ رکھنے والے کو بڑے زور سے کافر اور ملحد اور دجال قرار دیا۔

(۱)۔ مولوی عبدالحق غزنوی نے تو جواب میں یہ آیت لکھی کہ من یشاقق الرسول من بعد ان تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولّہ ما تولّیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ گویا ایسے شخص کو جہنمی بتایا اور آگے چل کر ضال اور مضل بھی لکھا۔

(۲)۔ مولوی عبدالجبار غزنوی نے لکھا کہ "درباب مہدی معہود و نزول عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و خروج دجال اکبر احادیث متواترہ وارد اند۔ و برین است اجماع اہل سنت والجماعت۔ منکر احادیث متواترہ کافر و مخالف اہل سنت والجماعت مبتدع و ضال و مضل است۔ فقط۔

(۳)۔ امرتسر کے مولوی غلام رسول المعروف بہ رسل بابا نے لکھا کہ ایسا شخص مبتدع اور جماعت اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔

(۴)۔ مولوی احمد اللہ امرتسری نے مولوی عبدالحق غزنوی سے اتفاق کیا اور اس پر یہ بڑھایا کہ ایسے آدمی سے ملنا جلنا نشست برخاست سب ترک کر دینا چاہیئے۔ چونکہ مولوی احمد اللہ انجمن تائید الاسلام امرتسر کے پیشوا تھے اس لئے اُنہوں نے اپنے فتوے پر انجمن کی مہر لگا کر اپنے فتوے کو گویا اس انجمن کا فتوی قرار دیا جس میں تین سو کے قریب علما اور رؤسا شامل تھے۔

(۵)۔ غلام محمد البگوی یعنی مشہور بگہ والے مولوی صاحب نے جو لاہور میں بہت شہرت رکھتے تھے اور شاہی مسجد کے امام تھے۔ علماء مذکورہ بالا سے اتفاق کیا اور لکھا کہ بیشک شخص مذکور ضال و مضل اور اہل سنت سے خارج ہے۔

(۶)۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹیل کالج لاہور نے ایک طویل فتوے لکھا جس میں اس امر کی تشریح کی کہ امام مہدی کے تشریف لانے کا انکار صریح ضلالت اور مسلک اہل سنت والجماعت سے انحراف ہے۔

(۷)۔ سب سے بڑھکر غضب یہ ہوا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے اُستاد شیخ الکل سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی نے یہ فتوی لکھا کہ یہ شخص مذکور سوال مفتری۔ کذاب و ضال و مضل و خارج از اہل سنت ہے۔ پھر شیخ الکل کے اس فتوے کے نیچے دہلی کے دوسرے مستند علما نے بھی دستخط کر دیئے۔ مثلاً مولوی محمد یعقوب صاحب۔ مولوی حمزۃ النقوی صاحب۔ مولوی سید محمد عبدالسلام صاحب۔ مولوی سید محمد ابوالحسن صاحب۔

(۸)۔ پھر لدھیانہ کے مشہور مکفر مولوی عبدالعزیز صاحب نے بھی فتوی لکھا کہ ایسا شخص ضال۔ مضل اور دجال ہے۔

(۹)۔ دہلی کی مسجد فتحپوری کے ہیڈ مولوی فتح محمد صاحب نے بھی اسی قسم کا فتوی لکھا۔

(۱۰)۔ مولوی محمد وصیت علی صاحب اور مولوی محمد شاہ صاحب اور مولوی محمد یونس صاحب اور مولوی عبدالغفور صاحب۔ مولوی محمد عبدالغنی صاحب۔ مولوی محمد ہدایت اللہ صاحب۔ مولوی عبداللہ خاں صاحب بچھرایونی۔ مولوی محمد عبدالرزاق صاحب خورجہ ضلع بلند شہر وغیرہ مشہور علماء نے بالاتفاق یہی فتوی دیا کہ ایسا شخص ضال مضل۔ کافر اور دجال ہے۔ اور دائرہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

جب یہ فتاوے حاصل کر کے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب واپس قادیان آئے تو حضرت مرزا صاحب نے ۳۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار کے ساتھ ان فتاوی کو شائع کیا اور لکھا کہ کس طرح وہ پیش گوئی

جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ کی جزا ۱۲۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع کی گئی تھی واقعات کے رنگ میں پوری ہوگئی۔ کیا استفتا میں درج کردہ عقیدہ وہی ہیں جو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے انگریزی رسالہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کرکے انگریزوں سے زمین حاصل کرنی چاہی ہے اور جس کو اس قدر جید علماء نے کفر والحاد قرار دیا ہے۔ اب بھی علما کا یہ کفر والحاد کا فتویٰ اس پر کچھ چسپاں ہوا یا نہیں؟ یا کوئی کسر باقی ہے۔ اور جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ کے ماتحت اس ظالم کو اس کے ظلم کی سزا کیا اسی رنگ میں نہیں ملی جس میں اس نے مجھ کو ذلیل کرنا چاہا تھا یعنی جس عقیدہ کو پیش کرکے اس نے مجھ پر علماء سے کفر کا فتویٰ لگوایا تھا کیا اسی عقیدہ پر جو اس کے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا اس کے انگریزی رسالہ میں موجود ہے اُسی طرح علما کی طرف سے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا؟ کیا آج ظالم کو جوابا مثل ملی یا نہیں؟ کیا آج وہ پشیمانی اور حسرت سے اپنے اُن ہاتھوں کو نہیں کاٹ رہا جن سے اُس رسالہ میں اُس نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا تھا؟ ساتھ ہی اسی اشتہار میں آپ نے گورنمنٹ انگلشیہ کو توجہ دلائی کہ اس نے کس طرح جھوٹ بولکر گورنمنٹ سے زمین حاصل کی ہے۔ علاوہ اس اشتہار کے آپ نے ۷۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو ایک اور اشتہار علما کے نام شائع کیا جس میں انہی مذکورہ بالا باتوں کا اعادہ کرکے تمام علما کو مخاطب کیا کہ اب مہربانی کرکے آپ لوگ مولوی محمد حسین بٹالوی سے فیصلہ کریں کہ کیا مہدی کے متعلق اس کا وہی عقیدہ ہے جو اُس نے گورنمنٹ کو پوشیدہ طور پر لکھ کر دیا ہے یا گورنمنٹ کے سامنے زمین لینے کی خاطر جھوٹ بولا ہے۔ اگر جھوٹ نہیں بولا تو ان مولویوں میں اگر کچھ دیانت داری اور ایمان اور تقویٰ کی بُو باقی ہے تو اپنے فتووں کے مطابق اس شخص سے مواکلت اور موانست اور سلام و پیام اور نشست و برخاست ترک کریں۔ یہ تو بڑی بے انصافی اور بددیانتی اور بے ایمانی ہے کہ جب میں نے ایسے مہدی کے آنے سے انکار کیا جو تلوار سے دین پھیلائے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو مجھے کافر اور دجال ٹھیرا کر مجھ سے تعلقات منقطع کرلئے گئے۔ لیکن جب اُسی عقیدہ کا اظہار محمد حسین بٹالوی سے ہوا تو تعلقات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ اور فتوے وغیرہ سب کچھ دیکر پھر پرنالہ وہیں کا وہیں رہا۔

۷۔ جنوری ۱۸۹۹ء کا اشتہار

مولویوں کو جب پتہ لگا کہ یہ استفتا تو مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت تھا تو اُن کے گھر میں ماتم بپا ہوگیا۔ اُنہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ ہم نے تو یہ سمجھا تھا کہ یہ استفتا مرزا غلام احمد قادیانی کی نسبت ہے۔ اس لئے ہم نے کافر ملحد اور دجال لکھ دیا تھا ہمیں کیا پتہ تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت تھا ورنہ ہم ہرگز یہ جواب نہ لکھتے جواب لکھ کر دیا ہے اور بڑی بے حیائی سے یہ بھی کہا کہ ہم کو دھوکا دیا گیا کہ ہمیں بغیر نام بتائے ہوئے کہ یہ فتویٰ کس کیلئے ہے

ہم سے یہ فتویٰ لکھوالیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایک ہی عقیدہ اگر زید رکھے تو وہ کافر اور اگر بکر رکھے تو وہ مسلمان۔ گویا ان مولویوں کے مذہب میں فتویٰ عقیدہ پر نہیں ہوتا بلکہ آدمی پر ہوتا ہے۔ جس کے یہ مخالف ہوں گے وہ جو عقیدہ بھی رکھے اُس پر وہ کافر کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اور وہی عقیدہ ان کا کوئی دوست رکھے گا تو وہ بدستور مسلمان رہیگا۔ یہ ہے نمونہ چودھویں صدی کے مکفّر علما کا۔ چنانچہ مولویوں کے اس اعلان کے بعد حضرت مرزا صاحب نے ۷۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو ایک اور اشتہار شائع فرمایا جس میں مولویوں کی اسی بددیانتی اور بے انصافی کو طشت از بام کیا۔ اور مسلمانوں کو خبردار کیا کہ دیکھ لو یہ ہے ان مولویوں کے فتووں کا حال جن کو تم اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہو۔ ایک ہی عقیدہ پر یہ لوگ دو مختلف قسم کے فتوے دینے پر آمادہ ہیں۔ پس ان کی تقلید سے بچو۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل خانصاحب کی طرف سے استفتاء

جب ان مکفر علما نے بہت شور وغل مچایا کہ استفتا میں ہمیں شخص مذکور کا نام نہیں بتایا گیا تھا۔ ہم یہ سمجھتے رہے کہ اس عقیدہ کا آدمی تو فقط مرزا غلام احمد ہوگا اس لئے ہم نے کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ ہمیں پتہ ہوتا کہ شخص مذکور محمد حسین بٹالوی ہے تو ایسا فتویٰ ہرگز نہ لکھتے۔ یعنی جب ان مولویوں کو اپنی اس بے انصافی اور بددیانتی کا اعلان کرتے ہوئے کہ وہ ایک ہی عقیدہ پر مختلف آدمیوں کا لحاظ کرتے ہوئے دو مختلف اور متضاد فتوے دے سکتے ہیں شرم نہ آئی تو ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب نے جو اس استفتا کو لیکر مختلف علما کے پاس گئے تھے ایک اشتہار دیا جس میں لکھا کہ "یہ شور اور جزع فزع سراسر بددیانتی ہے۔ فتویٰ صورت مسئلہ اور کیفیت سوال پر دیا جاتا ہے۔ اس میں یہ ضرور نہیں کہ سائل کا نام لکھا جاوے یا اس شخص کا نام جس کی نسبت فتویٰ ہے"۔ پھر لکھا کہ کیا ان علما میں کوئی بھی اہل حق و دیانت نہیں جو جرأت کے ساتھ کہہ سکے کہ ہاں میں نے جو فتویٰ لکھا تھا بغیر لحاظ کرنے کسی دوست یا دشمن کے صورت مسئلہ اور کیفیت سوال پر لکھا تھا۔

ایک اور استفتا

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے "خیرخواہ مومنین" کے نام سے ایک اور استفتا لکھ کر علما کی خدمت میں بھیجا۔ وھو ہٰذا:۔

"استفتا"

"السلام علیکم۔ ۱۵۔ ماہ شعبان المبارک ۱۳۱۶ھ ہجری کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بوساطت اپنے مرید ڈاکٹر اسماعیل صاحب ملازم فوج ملک افریقہ کے ایک استفتاء عام موافق سنت علماء خلف وسلف جس میں کسی شخص کا نام نہیں تھا آپ صاحبان کی خدمت میں بڑے ادب سے پیش کیا۔ اب اعادۂ الفاظ استفتا کی کچھ ضرورت نہیں۔ سوال

صرف یہ تھا کہ اگر کوئی شخص انکار مہدی موعود کرے۔ اور عقیدہ اپنا تحریری ایک مقام پر بطور دستاویز دیکر اطمینان دلاوے کہ جو جو احادیث اسلام میں بحق مہدی علیہ السلام لکھی گئی ہیں وہ سراسر جھوٹ اور لغو ہیں تو اس پر علما کیا فتویٰ فرماتے ہیں۔ سو علماء نامدار پنجاب و ہندوستان نے اپنے اپنے فہم سے ایسے عقیدہ والے کو جس کا ذکر استفتا میں موجود ہے کافر۔ ضال۔ خارج از اسلام وغیرہ اپنی اپنی مواہیر اور دستخط سے قرار دیا تھا چنانچہ وہ استفتاء چھپ کر عام طور پر شائع ہو چکا۔ یہاں تک کہ گورنمنٹ عالیہ تک بھی بھیجا گیا۔ اب ایک مولوی عبدالحق (غزنوی) نام نے جس کی مہر یا دستخط اُس کفرنامہ پر ثبت ہیں اپنے ہاتھوں کی تحریر پر سخت افسوس کھا کر بڑے حسرت اور غضب سے ایک اشتہار نکال کر مشتہر کیا ہے کہ فتویٰ دینے میں میں نے دھوکا کھایا ہے یعنی وہ فتوے زید کے بارے میں ہم نے دیا ہے نہ عمرو کے حق میں۔ اور نیز بے اختیار ہو کر اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے فتویٰ پیش کرنیوالے اور کرانیوالے پر بے جا الزام دغا اور فریب اور بد دیانتی بے ایمانی وغیرہ وغیرہ کا لگایا ہے وہ اس واسطے کہ بالواسطہ فتویٰ کیوں لیا گیا اور جس پر فتویٰ دینا تھا اس کا نام کیوں نہیں لیا گیا۔ لہذا آپ صاحبان کی خدمت شریف میں انصاف اور عدل کے خواہاں ہو کر التماس ہے کہ کیا آپ نے بھی اس مولوی موصوف کی طرح دھوکہ سے مہریں یا دستخط کفرنامہ پر لگائے ہیں یا عام طور پر خواہ زید ہو خواہ عمرو جو شخص ایسا عقیدہ برخلاف اہل سنت والجماعت کے رکھتا ہے اس پر کفر کی مہریں لگائی ہیں جیسا کہ مفہوم آیات قرآن مجید ہے۔ اور ایسا عالم فتویٰ دینے کے لائق شرعاً ہے؟

استفتا کی نسبت منصفانہ گواہیاں

اس استفتا کا جواب سوائے دو مولویوں کے اور کسی مولوی نے نہ دیا۔ کسی کو یہ اخلاقی جرأت نہ ہوئی کہ حق بات مُنہ سے نکال سکے۔ البتہ دو مولوی یعنی مفتی عبداللہ ٹونکی صاحب اور غلام محمد صاحب بگہ والے امام مسجد شاہی لاہور نے نہایت جرأت کے ساتھ حق پرستی کو کام میں لاتے ہوئے جواب دیا۔ ہر دو مولوی صاحبان کا جواب درج ذیل کرتا ہوں:۔

جواب نمبر ۱ "وہ استفتا جس کا اس سوال میں ذکر کیا گیا ہے اور جواب چھپ کر مشہور ہو چکا ہے میرے سامنے بھی پیش ہوا تھا۔ اس کا جواب میں نے مندرجہ ذیل لفظوں میں دیا تھا:۔

"امام مہدی علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب قیامت میں ظہور فرمانا اور دنیا کو عدل وانصاف سے پُر کرنا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اور جمہور اُمت نے اسے تسلیم

کیا ہے۔ اس امام موصوف کے تشریف لانے کا آنکار صریح ضلالت اور مسلک اہل سنت والجماعت سے انحراف کرنا ہے۔ میں نے اس جواب دینے میں کسی قسم کا دھوکا اور فریب نہیں کھایا ہے اور میرے نزدیک اس وقت بھی استفتائے مذکور کا یہی جواب ہے۔ اور اس شخص کو جس کا استفتاء مذکور میں ذکر ہے اسوقت بھی مسلک اہل سنت والجماعت سے منحرف جانتا ہوں خواہ وہ زید ہو یا بکر۔ فقط مفتی محمد عبداللہ عفا عنہ۔ ڈوٹنگی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور و سکرٹری انجمن مستشار العلماء"

جواب نمبر ۲۔ "جو استفتا مطبوعہ مؤرخہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۱۵۔ شعبان ۱۳۱۶ھ موقف ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں مثبت بہ ہوا میرا اور دستخط علماء امرتسر تھا۔ میرے روبرو پیش ہوا۔ اس کے اوپر میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔ علماء عظام کا جواب صحیح ہے۔ بیشک شخص مذکور السوال ضال اور مضل ہے اور اہل سنت سے خارج ہے۔ پس یہ جواب بشرط صدق سوال صحیح ہے۔ مصداق علیہ اس کا خواہ زید ہو یا عمرو کسی خاص آدمی پر فتویٰ نہیں ہے۔ عام طور پر عقیدہ اہل سنت کا لکھا گیا ہے۔ اور اس میں کسی شخص کا کسی قسم کا دھوکا نہیں ہے۔

فقیر غلام محمد البگوی عفا عنہ امام مسجد شاہی لاہور۔ ۲۰۔ جنوری ۱۸۹۹ء"

حضرت مرزا صاحب نے ان جوابات کے وصول ہونے پر ۲۱۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار کے ساتھ ان منصفانہ گواہیوں کو شائع فرما دیا۔ اور اس طرح مولوی محمد حسین بٹالوی کی ذلت واقعات کے رنگ میں اظہر من الشمس ہوگئی۔ مگر ابھی ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کی پیشگوئی میں جو دو پہلو ذلت کے اور مقدر تھے وہ بیان کرنے باقی ہیں:۔

علمی پردہ دری کی ذلت دنیا میں ذلت چار قسم کی ہوتی ہے:۔

(۱)۔ ایک تو جسمانی ذلت جس کے تختۂ مشق اکثر جرائم پیشہ لوگ ہوتے ہیں اور جو یہاں خارج از بحث ہے۔

(۲)۔ دوسرے علمی پردہ دری کی ذلت جس سے کسی کی عالمانہ حیثیت خاک میں مل جاتی ہے۔ خدا کی شان یہ بھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر وارد ہوئی اور وہ اس طرح کہ حضرت مرزا صاحب کے اشتہار ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کے صفحہ ۲ کی اخیر سطر میں جو یہ الہامی عبارت تھی کہ التعجب لامری۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ یہ عبارت غلط ہے اس لئے یہ خدا کا الہام نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں غلطی یہ ہے کہ فقرہ التعجب لامری میں جو لامری ہے یہ من امری ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ عجب کا صلہ من آتا ہے نہ کہ لام۔ اس اعتراض کا جواب حضرت مرزا صاحب نے اپنے

۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں جو دیا اس سے مولوی بٹالوی صاحب کی عالمانہ حیثیت خاک میں مل گئی اور لوگوں کو پتہ لگ گیا کہ مولوی صاحب علم عربی سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ اور اہل دل جان گئے کہ اس شخص کا سارا علم ایک مرد خدا کی دشمنی سے سلب ہو گیا۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ غزنوی صاحب مرحوم نے کشف میں دیکھا تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ایک لمبا چوغہ پہنے ہوئے ہے جو پارہ پارہ ہو گیا جس کی تعبیر انہوں نے خود کی تھی کہ اس شخص کی علمی پردہ دری ہوگی۔ چنانچہ ۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء والے اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے ثابت کر کے دکھا دیا کہ عجب کا صلہ لام بھی بکثرت آتا ہے اور تمام اہل ادب اور اہل بلاغت کے کلام میں یہ صلہ پایا جاتا ہے چنانچہ دیوان حماسہ میں سے جو بلاغت و فصاحت میں ایک مسلّم اور مقبول دیوان ہے۔ آپ نے پانچ شعر نقل فرمائے جن میں عجب کا صلہ لام آتا ہے جن میں سے میں یہاں صرف ایک شعر نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وھو ہذا:۔

عجبت لمسراھا واٰنّی تخلّصت ✦ الی وباب السجن دونی مغلق

یعنی وہ معشوقہ جو عالم تصوّر میں میرے پاس چلی آئی۔ مجھے تعجب ہوا کہ وہ ایسے زندان میں جس کے دروازے بند تھے میرے پاس جو قید میں ہوں کس طرح چلی آئی۔ یہاں عجب کا صلہ لام لمسراھا میں موجود ہے اسی طرح چار اور شعر ہیں جنہوں نے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی علمی پردہ دری کی ذلّت کو واضح کر دیا۔

(۳)۔ تیسرے اخلاقی ذلّت ہوتی ہے کہ کسی انسان کا جھوٹا اور منافق ہونا شرفا اور معززین کے طبقہ کے نزدیک ثابت ہو جائے۔ وہ ذلّت بھی جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو بڑی نمایاں طور پر نصیب ہوئی۔ اُن کا انگریزی رسالہ جس میں اُنہوں نے مہدی کی حدیثوں اور مہدی کی آمد کا انکار کیا تھا اور جس کے صلہ میں گورنمنٹ سے چار مربعے زمین کے لئے تھے آخر پکڑا گیا اور مولوی صاحب موصوف کا جھوٹ اور طمع دنیوی کی خاطر اس منافقت کا راز طشت از بام ہو گیا۔

(۴)۔ چوتھے ناکامی اور نامرادی کی ذلّت۔ وہ بھی مولوی محمد حسین صاحب کو عجیب طرح نصیب ہوئی۔ بس یوں سمجھو کہ "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا" ان پر ایسا صادق آیا کہ باید و شاید۔ مولوی محمد حسین صاحب نے مقدمہ حضرت مرزا صاحب پر بنوایا تو اس لئے تھا کہ ان کو ذلیل کیا جائے۔ لیکن خدا کی شان ہو گئے خود ذلیل۔ اور اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھروالیا۔ اس واقعہ کی داستان بھی سُن لو:۔

مقدمہ حفظ امن ضمانت میں عرض کر چکا ہوں کہ مہدی کی پیشگوئی کے بارے میں ایک رسالہ لکھ کر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے گورنمنٹ انگریزی کو دھوکا دینا چاہا تھا اور اس میں حضرت مرزا صاحب کے متعلق نہایت ذلیل افترا پردازی سے کام لیا تھا مگر آپ نے دیکھ لیا کہ اس میں انہوں نے کیسی منہ کی کھائی۔ اور حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق کس قدر ذلیل ہوئے۔ اور اپنی ایسی پردہ دری کرائی کہ ایک پنجاب کے چوٹی کے مولوی کے لئے اس قدر ذلیل جھوٹ اور در پردہ دھوکا دہی کی کوشش کا راز فاش ہو جانا ڈوب مرنے کا مقام ہے لیکن مولوی صاحب موصوف کی پردہ دری اور ذلت یہیں تک نہیں محدود رہی بلکہ ان کی شامت اعمال نے انہیں ایک اور ذلت کا بھی شکار بنایا۔ حضرت مرزا صاحب نے ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں فریق باطل کے لئے فقط ذلت کی پیشگوئی کی تھی ہلاکت کی پیشگوئی نہ کی تھی جیسا کہ اشتہار مذکور میں ترھقھم ذلۃ کے الفاظ کھلے طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ پیشگوئی دشمن کی ذلت کے بارے میں ہے لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے یہ چالاکی کی کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ سے جو حضرت اقدس مرزا صاحب سے سخت عداوت رکھتا تھا مل کر گورنمنٹ میں یہ رپورٹ کروائی کہ مرزا غلام احمد صاحب نے مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی ہدایت کے خلاف جو اُس نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ کے فیصلہ کے وقت مرزا صاحب کو دی تھی کہ وہ کسی کی موت یا ہلاکت کی پیشگوئی شائع نہ کیا کریں مولوی محمد حسین کی ہلاکت کی پیشگوئی شائع کر کے اس کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ان حالات میں گورنمنٹ کو چاہئے کہ مرزا صاحب موصوف سے دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت حفظ امن کی ضمانت لے۔ یہ رپورٹ یکم دسمبر ۱۸۹۸ء کو اُس نے کی۔ جو ۳۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے پاس بھیجی گئی۔ اور ساتھ ہی مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے پاس ایک درخواست حصول لائسنس برائے اسلحہ گزرانی کہ اندریں حالات مجھے اپنے پاس ہتھیار رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ میری جان خطرہ میں ہے۔ یہ کس قدر جھوٹ تھا وہ خوب جانتے تھے کہ مرزا صاحب اس قسم کے آدمی نہیں۔ علاوہ ازیں وہ ۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو ایک اشتہار اپنے مریدوں کو مخاطب کر کے نکال چکے تھے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص مولوی محمد حسین بٹالوی یا اُن کے گروہ کے آدمیوں سے کسی قسم کی گفتگو یا بحث مباحثہ نہ کرے اور نہ کسی قسم کا کوئی سروکار رکھے مگر جب انسان حق کی مخالفت کرنے لگتا ہے تو اعلیٰ درجہ کے اصول سے وہ نیچے گر جاتا ہے۔ یہی حال بٹالوی صاحب کا ہوا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ پولیس کی اس رپورٹ پر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور مسٹر ڈیکسن نے زیر دفعہ ۱۰۷ حضرت مرزا صاحب پر فوجداری مقدمہ بنا دیا۔ لیکن واقعات ایسے تھے کہ ساتھ ہی بالمقابل

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر بھی اسی دفعہ کے ماتحت مقدمہ بن گیا۔

سفر پٹھانکوٹ ۵۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو مقدمہ کی گورداسپور میں پیشی تھی۔ مگر ڈپٹی کمشنر صاحب کے تبدیل ہوجانے کی وجہ سے مقدمہ ۱۱۔ جنوری ۱۸۹۹ء پر جا پڑا۔ اور نئے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈوئی کی عدالت میں پیش ہوا۔ اس مقدمہ کے دوران میں حضرت مرزا صاحب کو پٹھانکوٹ اور دھاریوال بھی جانا پڑا۔ پٹھانکوٹ کے سفر کا ایک ایمان افروز واقعہ یہ ہے کہ اس سفر میں مولانا نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی وغیرہ بھی آپ کے ساتھ تھے اور باہر سے بھی بہت سے احباب جمع ہوگئے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس مقام پر مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کا خیمہ لگا ہوا تھا اُس کے نزدیک ہی ایک مکان میں حضرت مرزا صاحب جا کر قیام پذیر ہوئے۔ راجہ غلام حیدر خاں صاحب جو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ کے دوران میں مسٹر ڈگلس کے مسلخوان تھے اِن دنوں وہ پٹھانکوٹ میں تحصیلدار تھے۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے قیام کے اہتمام میں خاص حصّہ لیا۔ حضرت مرزا صاحب کی جائے سکونت اور ڈپٹی کمشنر کے خیمہ کے درمیان میں ایک میدان تھا۔ جہاں حضرت مرزا صاحب اور آپ کے احباب نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ مغرب کا وقت تھا مغرب کی نماز کے لئے حضرت اقدس میدان میں تشریف لائے اور مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حسب معمول امام بنے اُنہوں نے نماز میں جو قرآن پڑھنا شروع کیا تو ان کی بلند مگر خوش الحان اور اثر سے ڈوبی ہوئی آواز مسٹر ڈوئی کے بھی کان میں پڑی وہ اپنے خیمہ کے آگے آکھڑے ہوئے اور ایک انہماک کے عالم میں کھڑے قرآن سُنتے رہے۔ جب نماز ختم ہوئی تو راجہ غلام حیدر خاں صاحب تحصیلدار پٹھانکوٹ کو بلا کر پوچھا کہ آپ کی ان لوگوں سے واقفیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ کہا کہ میں نے ان لوگوں کو نماز میں قرآن پڑھتے سُنا ہے میں اسقدر متاثر ہوا ہوں کہ حد سے باہر ہے۔ اس قسم کا ترنم اور اثر میں نے کسی کلام میں نہیں سُنا اور نہ کبھی محسوس کیا۔ کیا پھر بھی یہ نماز پڑھیں گے اور مجھے نزدیک سے سُننے کا موقعہ دیں گے؟ راجہ غلام حیدر خاں صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھیں گے تو صاحب بہادر بیشک ہمارے پاس بیٹھکر قرآن سُنیں۔ چنانچہ اب کے دفعہ نماز کے وقت ایک کرسی قریب بچھا دی گئی اور صاحب بہادر آکر اُس پر بیٹھ گئے۔ نماز شروع ہوئی اور مولوی عبدالکریم صاحب نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور صاحب بہادر مسحور ہوکر جھومتے رہے۔ نماز کے بعد راجہ غلام حیدر خاں سے اس قرآن خوانی کی بڑی تعریف کی۔

سفر دھاریوال اسی مقدمہ کے دوران میں حضرت مرزا صاحب کو دھاریوال بھی تشریف لیجانا پڑا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۹۹ء تاریخ تھی۔ آپ ایک دن قبل وہاں تشریف لے گئے۔ اور بمقام کھنڈہ جو دھاریوال سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے قیام فرمایا۔ وہاں کی زمیندارنی رانی الیشر کور صاحبہ نے آپ کی دعوت کا سامان کیا۔ بہت سے احباب کپورتھلہ، جالندھر، جہلم اور لاہور سے بھی پہنچ گئے۔ اور ۲۷ تاریخ جنوری کو جس روز مقدمہ تھا نماز جمعہ میدان میں بڑی شان سے پڑھی گئی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بھی اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ اور بہت گلا پھاڑا کہ "جو مسلمان ہے وہ آکر ادھر نماز جمعہ پڑھے" مگر معدودے چند آدمیوں کے سوا کوئی اُدھر نہ گیا۔ اور ادھر حضرت اقدس کی کشش اسقدر زبردست تھی کہ لوگ پروانہ وار کھنچے چلے آتے تھے اور دو ہزار آدمی سے زیادہ تھے جو نماز جمعہ میں شامل ہوئے۔ مولوی نورالدین صاحب نے خطبۂ جمعہ پڑھا جو نہایت مؤثر تھا۔ خطبہ کے وقت دھاریوال کے کارخانہ کے مزدور ہندو، مسلمان، بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں حلقہ باندھے ہوئے ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔ اردگرد حلقہ تھا اور بیچ میں نماز ہو رہی تھی۔ کارخانہ کے انگریز اور لیڈیاں بھی سب آپ کو دیکھنے کے لئے آگئے اور ان کی درخواست پر آپ سامنے آکھڑے ہوئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ پر عجب نور اور طمانیت کی جھلک تھی جسے وہ انگریز ایک محویت کے عالم میں دیکھتے رہے۔ ویسے بھی اسقدر کثرت سے اردگرد کے لوگ آپ کی زیارت کو جمع ہو گئے کہ بیٹھنا مشکل ہو گیا آخر آپ اُٹھکر ٹہلنے لگے

مقدمہ کی پیشی آج کی تاریخ میں قابل ذکر کارروائی یہ ہوئی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے نئے وکیل مسٹر ہربرٹ نے یہ عذر اُٹھایا کہ جدید ضابطہ کی رُو سے ایک ہی وقت میں مولوی محمد حسین اور مرزا صاحب پر مقدمہ سماعت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس قانونی وجہ سے صاحب ڈپٹی کمشنر نے آئندہ تاریخ سماعت ۱۴۔ فروری ۱۸۹۹ء مقرر کی اور سب سے پہلے حضرت مرزا صاحب کا مقدمہ سُننے کا حکم دیا۔

حضرت مرزا صاحب کا ڈیفنس انگریزی زبان میں آپ نے اس مقدمہ کے دوران میں جو ڈیفنس ایک تحریری بیان کی شکل میں انگریزی میں ترجمہ کروا کے پیش کیا وہ بہت معقول اور مبسوط تھا۔ اس میں آپ نے صاف طور سے اس الزام سے بریت ظاہر کی جو آپ پر لگایا گیا تھا۔ شروع کی چند سطریں میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں:۔

"میں سب سے اوّل اس بات کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے اشتہار ۲۰ نومبر ۱۸۹۸ء میں کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کی جس سے محمد حسین یا اس کے کسی اور شریک کی جان یا مال یا عزت کو خطرہ میں ڈالا ہو۔ یا خطرہ میں ڈالنے کا ارادہ کیا ہو۔ میرا اشتہار مبایلہ مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۸ء

جو فریق مخالف کی گئی چھپی ہوئی درخواستِ مباہلہ اور کئی قلمی خطوط مباہلہ کے بعد لکھا گیا اور ایسا ہی دوسرا اشتہار جو ۳۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا۔ یہ دونو اشتہار صاف طور پر تبلا رہے ہیں کہ اس پیشگوئی میں یعنی جو عربی الہام مندرجہ اشتہار ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء میں ذلّت کا لفظ ہے اس سے فریق کاذب کی **ذلّت** مراد ہے۔ اور ذلّت بھی اسی قسم کی ذلّت جو فریق کاذب نے دوسرے فریق کو بذریعہ اپنے کسی فعل کے پہنچائی ہو۔ یہ اُس الہامی فقرہ کی تشریح ہے جو ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء میں درج ہے یعنی یہ فقرہ **جزاء سیئۃٍ بمثلھا وترھقھم ذلّۃ**۔ جس کے لفظی معنی یہی ہیں کہ بدی کی سزا ذلّت ہے مگر اسی ذلّت کی مانند اور مشابہ جو فریق ظالم نے فریق مظلوم کو پہنچائی ہو۔ اب اگر اس الہامی فقرہ کو جو ملہم کے ارادہ اور نیت کا ایک آئینہ ہے ایک ذرا تدبّر اور فکر سے سوچا جائے تو بدیہی طور پر معلوم ہوگا کہ اس فقرہ کے اس سے بڑھکر اور کوئی معنی نہیں کہ ظالم کو اسی قسم کی ذلّت پہنچنے والی ہے جو فی الواقع مظلوم کو اس کے ہاتھ سے پہنچ چکی ہے۔"

پھر آگے چل کر آپ نے لکھا کہ دیکھو آخر اس الہام کے مطابق **مثلی ذلّت** اُسے پہنچ گئی اور خدا کی بات پوری ہوئی یعنی جس طرح اس نے جمہور کے خیال کے **مطابق** انکار مہدی وغیرہ کے عقیدہ کی وجہ سے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگوایا تھا ویسے ہی اُسی انکار مہدی کے عقیدہ پر اور اُنہی مولویوں کے ہاتھوں سے خود اب اس پر کفر کا فتویٰ لگا۔ پھر آگے چل کر اپنی عفائی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"عدالت میں میری نسبت یہ الزام پیش کیا گیا ہے کہ گویا میری قدیم سے یہ عادت ہے کہ خود بخود کسی کی موت یا ذلّت کی پیشگوئی کیا کرتا ہوں۔ اور پھر اپنی جماعت کے ذریعہ سے پوشیدہ طور پر اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ کسی طرح وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔ گویا میں ایک قسم کا ڈاکو یا خونی یا رہزن ہوں۔ اور گویا میری جماعت بھی اسی قسم کے اوباش اور خطرناک لوگ ہیں جن کا پیشہ اس قسم کے جرائم ہیں۔ لیکن میں عدالت پر ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افترا سے خمیر کیا گیا ہے اور نہایت بُری طرح **میری اور میری معزز جماعت کی ازالہ حیثیت عرفی** کی گئی ہے۔"

اس کے بعد اپنی اور اپنی جماعت کی صفائی کرتے ہوئے ڈپٹی عبداللہ آتھم اور لیکھرام کی پیشگوئی اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی اور گورنمنٹ کو بتایا کہ یہ پیشگوئیاں میری طرف سے نہ تھیں بلکہ خدا کی طرف سے تھیں۔ پھر گورنمنٹ کو اپنی عداوت کے پرکھنے کے لئے

متوجہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"کاش مجھ سے گورنمنٹ کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی آسمانی نشان یا کوئی ایسی پیشگوئی جو امن اور سلامتی کے اندر محدود ہو دکھلاؤ۔ تو جو میرے پر افترا کیا گیا ہے کہ گویا میں ڈاکوؤں کا کام کر رہا ہوں یہ سب حقیقت کھل جاتی۔ آسمان پر ایک خدا ہے جس کی قدرتوں سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ سو ایک مدعی الہام کی سچائی معلوم کرنے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں کہ اس سے پیشگوئی طلب کیجائے"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک برس سے کچھ زیادہ عرصہ گزرتا ہے کہ میں نے اس عہد کو چھاپ کر شائع کر دیا ہے کہ میں کسی کی موت و عمر وغیرہ کی نسبت ہرگز کوئی پیشگوئی شائع نہ کروں گا۔ پس اگر یہ پیشگوئی جو اشتہار مباہلہ ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء میں ہے کسی کی موت یا اس قسم کی ذلت کے متعلق ہوتی تو میں ہرگز اس کو شائع نہ کرتا۔ میرے اس الہام میں مثلی ذلت کی شرط ایک ایسی شرط ہے کہ اس شرط کے دیکھنے کے بعد حکام کو پھر زیادہ غور کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ میری نیک نیتی کو خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے اور جو شخص غور سے اس پیشگوئی کو پڑھے گا اور اس کی تشریحات کو دیکھے گا جو میں نے قبل از مقدمہ شائع کر دی ہیں تو اس کا کانشنس اور اس کی حق شناس روح میرے بے خطا ہونے پر ضرور گواہی دے گی۔ میں عدالت کو اس بات کا ثبوت دیتا ہوں کہ میں نے یہ اشتہار مباہلہ ایک مدت دراز تک غور کر کے دل کو پاش پاش کرتے ہوئے لکھا تھا"

اس کے بعد آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے چیلے چانٹوں کے وہ تمام ناپاک اور سخت اشتعال انگیز اشتہارات اور گندے اور غلیظ کلمات کے حوالے تحریر فرمائے ہیں اور نیز ان کے اس فتوے کا کہ مرزا قادیانی کافر اور واجب القتل ہے حوالہ دیا ہے۔ اخبار الحکم میں کوئی مضمون محمد حسین بٹالوی صاحب کے متعلق شائع ہوا تھا جو اس مقدمہ میں شامل مسل تھا اس کے متعلق آپ نے اسی ڈیفنس میں تحریر فرمایا:-

"میرے ایک مرید نے جو محمد حسین کی نسبت ایک مضمون اخبار الحکم میں لکھا ہے جو مسل مقدمہ میں شامل کیا گیا ہے گو وہ مذہبی مباحثات کی طرز کو خیال کر کے ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ سمجھا گیا ہے تاہم یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مجھے اس اخبار سے کچھ بھی تعلق نہیں"

قصہ کوتاہ یہ کہ ڈیفنس عدالت میں داخل کر دیا گیا اور فیصلہ سنائے جانے کیلئے تاریخ ۲۰۔ فروری ۱۸۹۹ء پڑی۔

مقدمہ کے فیصلہ سے قبل اس کے انجام کے متعلق پیش گوئی

اب ایک عجیب بات سنئے وہ یہ کہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی اور جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی کی

ذلّت کی پیشگوئی کرتے ہوئے اپنا یہ الہام تحریر فرمایا تھا۔ کہ یعض الظالم علےٰ یدیہ۔ یعنی ظالم اپنے ہاتھ کاٹیگا۔ خدا کی شان۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے قبل ۱۲ فروری ۱۸۹۹ء کو آپ کو یہی فقرہ دوبارہ بمعہ ایک زائد لفظ کے الہام ہوا۔ کہ یعض الظالم علےٰ یدیہ ویوثق جس کے معنے ہیں کہ ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور اپنی شرارتوں سے روکا جائے گا۔ حضرت اقدس نے اپنی کتاب حقیقۃ المہدی میں جس کا ذکر آگے آتا ہے) جو ۲۔ فروری ۱۸۹۹ء کو شائع ہو رہی تھی یہ الہام بمعہ اپنے ان معنوں کے شائع فرما دیا اور ۴۔ فروری ۱۸۹۹ء کو فیصلہ سنائے جانے سے قبل یہ رسالہ حقیقۃ المہدی تمام کچہری میں تقسیم کر دیا گیا۔ چنانچہ بمقام گورداسپور جس وقت مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا تو اس وقت آپکا وکیل مسٹر برؤن اور تمام منصف مزاج لوگ جن کے ہاتھ میں یہ رسالہ پہنچ چکا تھا بول اُٹھے کہ بیشک خدا کا فرمودہ پورا ہو گیا۔ یہ فرمودہ کس طرح پورا ہوا اس کا ذکر آگے آتا ہے +

مسٹر ڈوئی کا فیصلہ مقدمہ خارج ہو گیا

مسٹر ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جب تمام مسل پر نظر ڈالی تو ان گالیوں بھرے اخباروں کو جو محمد حسین بٹالوی اور جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی نے شائع کئے تھے پڑھکر حیران ہو گیا۔ اور بالمقابل پولیس جس نے حضرت مرزا صاحب پر مقدمہ بنایا تھا اپنی تمام کوششوں کے باوجود حضرت مرزا صاحب کی کوئی ایسی گندی تحریر پیش نہ کر سکی تو مسٹر ڈوئی نے مقدمہ خارج کر دیا۔ مگر اُس نے حضرت مرزا صاحب سے یہ کہا کہ آپ کو بجائے ان اشتہارات کا جواب دینے کے عدالت میں چارہ جوئی کرنا زیادہ مناسب تھی +

مولوی محمد حسین صاحب کے ہاتھ باندھے گئے

جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب پر مقدمہ بعد میں علیحدہ چلایا جانا تھا۔ ابھی تو حضرت مرزا صاحب پر جو مقدمہ دائر تھا وہ زیر سماعت تھا۔ لیکن خدا کی قدرت بھی عجیب ہے۔ ذلّت کی پیشگوئی نے جو پورا ہونا تھا تقدیر دھکے دے کر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو عدالت میں لے آئی۔ یعنی آپ تماشا دیکھنے عدالت میں تشریف لے آئے۔ مجسٹریٹ نے جو انہیں عدالت میں موجود پایا تو قصہ مختصر کرنے کیلئے انہیں بھی بلا لیا۔ تا دوسرے مقدمہ کا بھی لگے ہاتھ فیصلہ ہو جائے۔ اور وہ اس طرح کہ مجسٹریٹ نے ایک نوٹس لکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور حضرت مرزا صاحب دونوں سے اس پر دستخط کروالئے کہ

"آئندہ کوئی فریق اپنے کسی مخالف کی نسبت موت وغیرہ دلآزار مضمون کی پیشگوئی نہ کرے کوئی کسی کو کافر و دجال اور مفتری اور کذاب نہ کہے۔ کوئی کسی کو مباہلہ کے لئے نہ بلاوے اور فاریان کو چھوٹے کاف سے نہ لکھا جائے اور نہ بٹالہ کو طا کے ساتھ۔ اور ایک دوسرے کے

مقابل پر نرم الفاظ استعمال کریں۔ بدگوئی اور گالیوں سے مجتنب رہیں۔ اور ہر ایک فریق حتی الامکان اپنے دوستوں اور مریدوں کو بھی اس ہدایت کا پابند کرے۔ اور یہ طریق نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ عیسائیوں سے بھی یہی چاہئے"

اشتہار اپنے مریدوں کی اطلاع کے لئے

اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد حسب اقرار حضرت مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کی اطلاع کے لئے ۲۶۔ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں تمام جماعت کو اس معاہدہ کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی۔ اور محمد حسین بٹالوی صاحب سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ بھی اپنے اہل حدیث اور دوسرے معزز لوگوں کو جو اُن کے دوست ہیں بذریعہ اعلان متنبہ کر دیں کہ اب وہ کافر۔ دجال اور کذاب کہنے سے باز رہیں اور دلآزار گالیاں نہ دیں۔ ورنہ نہ صرف گورنمنٹ پورا پورا قانون سے کام لے گی بلکہ ہمیں بھی حق ہوگا کہ اس عہد شکنی پر ایسے دلآزار لفظوں اور گالیوں کیلئے عدالت میں قانونی چارہ جوئی کریں +

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ذلت ہر پہلو سے مکمل ہوگئی

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے یہ مقدمہ حفظ امن اور ضمانت کا حضرت مرزا صاحب کے خلاف کروایا تو اس غرض سے تھا کہ ان کی تذلیل ہو۔ لیکن خدا کی شان۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑ گئیں حضرت مرزا صاحب کی تذلیل کراتے کراتے خود اپنی تذلیل ہوگئی۔ کیونکہ اس مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ان تمام کفر کے فتووں سے انہیں ہاتھ دھونا پڑا جو ان بیچاروں نے بڑی محنت سے حضرت مرزا صاحب پر لگوائے تھے۔ اب وہ عدالت کے اس نوٹس کے رُو سے جس پر وہ خود اپنے ہاتھوں سے دستخط کر چکے تھے حضرت مرزا صاحب کو کافر نہ کہہ سکتے تھے۔ اور پہلے کی طرح کافر اور دجّال کے فتوے پیش کر کے اب وہ لوگوں کو راستی سے گمراہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ گویا اتنی محنت سے جو تکفیر کی عمارت کھڑی کی تھی وہ اپنے ہاتھوں سے گرا کر چلے آئے۔ اس سے بڑھ کر اُن کو ناکامی اور ذلت کیا ہو سکتی تھی۔ ان کی اس رسوائی اور ذلت کا حال حضرت مرزا صاحب تریاق القلوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور نے اپنے حکم ۲۷۔ فروری ۱۸۹۹ء میں مولوی محمد حسین سے اس اقرار پر دستخط کرائے کہ وہ آئندہ مجھے دجّال اور کافر اور کاذب نہیں کہے گا.....

اب دیکھو کہ اس اقرار کے بعد وہ استفتا اس کا کہاں گیا جس کو اس نے بنارس تک قسم فرسائی کر کے تیار کیا تھا۔ اگر وہ اس فتوے کے دینے میں راستی پر ہوتا تو اس کو حاکم کے روبرو جواب دینا چاہئے تھا کہ میرے نزدیک بیشک یہ کافر ہے۔ اسلئے میں اس کو کافر کہتا ہوں

..... بالخصوص جس حالت میں کہ خدائے تعالیٰ کے فضل اور کرم سے میں اب تک اور اخیر زندگی تک انہی عقائد پر قائم ہوں جن کو محمد حسین نے کلمات کفر قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ کس قسم کی دیانت ہے کہ اس نے حاکم کے خوف سے اپنے تمام فتووں کو برباد کر لیا..... اس سے زیادہ اور کیا ذلت ہوگی کہ اس شخص نے اپنی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے گرایا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میں نے بھی دستخط کئے ہیں مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا۔ اور نہ ایسے دستخط میری ذلت کا موجب ٹھیرتے ہیں کیونکہ ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر دجال نہیں ہو سکتا۔ [1] ہاں ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔ ہاں میں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق و صواب سے دور سمجھتا ہوں جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ میں بلاشبہ ایسے ہر ایک آدمی کو ضلالت کی آلودگی سے مبتلا سمجھتا ہوں جو حق اور راستی سے منحرف ہے۔ لیکن میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا جب تک وہ میری تکفیر اور تکذیب کر کے اپنے تئیں خود نہ کافر بنا لیوے۔ سو اس معاملہ میں ہمیشہ سے سبقت میرے مخالفوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے مجھ کو کافر کہا۔ میرے لئے فتویٰ تیار کیا۔ میں نے سبقت کر کے ان کے لئے کوئی فتویٰ طیار نہیں کیا۔ اور اس بات کا وہ خود اقرار کر سکتے ہیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان ہوں تو مجھ کو کافر بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ان پر یہی ہے کہ وہ خود کافر ہیں۔ سو میں ان کو کافر نہیں کہتا بلکہ وہ مجھ کو کافر کہہ کر خود فتوے نبوی کے نیچے آتے ہیں۔ سو اگر مسٹر ڈوئی صاحب کے روبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں ان کو کافر نہیں کہوں گا تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔"

اس عبارت سے صاف نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر نہیں کہتے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو اس وقت کافر کہا جب پہلے اس نے آپ کو کافر کہہ لیا۔ اور آپ پر کفر کے فتوے لگوا لئے۔ اور وہ بھی اس حدیث کے ماتحت کہا جس میں یہ تنبیہ ہے کہ جو کوئی

---

[1] یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعۃ کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمۂ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا الخ (ازالہ شبہ تریاق القلوب)

کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے تو کفر لوٹ کر خود اس پر پڑتا ہے۔ گویا یہ ایک قسم کی سزا ہے جو ایک مسلمان کے مکفر کے لئے دربار نبوی صلعم سے مقرر ہے۔ پس اس تعزیری کفر کی بنا پر محمد حسین کو کافر کہنے کا آپ حق رکھتے تھے کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو کافر کہا تھا۔ لیکن جب مولوی محمد حسین نے حاکم کے سامنے اس بات کا عہد کر لیا کہ اب میں آئندہ مرزا صاحب کو کافر نہیں کہوں گا تو حضرت مرزا صاحب کا بھی کوئی حق نہیں رہا کہ وہ محمد حسین بٹالوی کو کافر کہیں۔ کیونکہ محض آپ کے دعوے کا انکار کسی کلمہ گو کو کافر نہیں بناتا۔ پس محمد حسین بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کو کافر کہنے سے اگر انکار کیا تو اپنے عقیدہ کے خلاف حاکم کے ڈر سے ایسا کیا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے محمد حسین بٹالوی کو کافر کہنے سے انکار کیا تو اپنے عقیدہ کے مطابق کیا کیونکہ جب کوئی کلمہ گو آپ کو کافر نہیں کہتا تو آپ کو بھی اُسے کافر کہنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کا بیشک فرض تھا کہ وہ حاکم سے کہتا کہ جب میں اسے کافر سمجھتا ہوں تو کافر کیوں نہ کہوں۔ میرا مذہب مجھ کو اسے کافر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس نے حاکم سے ڈر کر نہایت مجبوری کے ساتھ یہ لکھ دیا کہ میں آئندہ مرزا صاحب کو کافر نہیں کہوں گا۔ یہ اس کی سخت ذلت تھی وہ کس قدر حسرت سے اپنا ہاتھ کاٹتا ہوگا کہ کاش کہ میں یہ مقدمہ نہ کرواتا جس سے میرے اپنے ہاتھ بندھ گئے اور میرے اس قدر محنت سے طیار کردہ فتووں پر پانی پھر گیا اس کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب جو کچھ لکھا کرتے تھے وہ جواباً لکھا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی مولوی محمد حسین کی مخالفت یا تکفیر میں سبقت نہیں کی۔ پس جب محمد حسین کافر کہنے سے باز آگیا تو آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ کسی کلمہ گو کو کافر کہتے۔ یہ تو آپ کا مذہب ہی نہ تھا۔ آپ خود کلمہ گوؤں کی تکفیر کے سخت مخالف تھے۔ پس حاکم نے جو کچھ اُن سے لکھوایا وہ حضرت مرزا صاحب کی عین مراد تھی۔ آپ خود بار بار علما کو مخاطب کر کے لکھ چکے تھے کہ خدا کیلئے کچھ عرصہ کیلئے ہی میری تکفیر سے باز رہو اور انتظار کرو کہ خدا میرے معاملہ میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔ میرا کام دیکھو اگر مجھ سے کچھ خدمت دین بن آئی تو مان لینا ورنہ جھوٹے مفتری کا تو خود خدا دشمن ہوتا ہے۔ میں آپ نامرادی کے ساتھ ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن علما اپنی تکفیر بازی سے باز نہ آئے۔ پس اب جو میں المکفرین محمد حسین بٹالوی کے ہاتھ تکفیر بازی سے روک دیئے گئے تو آپ کی مراد بر آئی۔ پھر آپ کو کیا ضرورت تھی کہ محمد حسین کو کافر کہتے۔ اور نہ آپ کا اب حق اسے کافر کہنے کا باقی رہ گیا تھا پس جس شخص کی عین منشا کے مطابق فیصلہ ہو اس کی فتح اور عزت ہوتی ہے یا ذلت؟

کتاب حقیقۃ المہدی کی اشاعت | جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کو اس طرف

توجہ دلائی تھی کہ محمد حسین بٹالوی ایک جھوٹا شخص ہے۔ اس نے میری نسبت جو گورنمنٹ کو مخبری کی کہ یہ مہدی کا مدعی ہونا نہیں ہے یہ تو مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور موقعہ کا منتظر ہے جس وقت جماعت بن گئی اور طاقت آگئی تو یہ شخص فوراً گورنمنٹ سے بغاوت کر دیگا۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ اور یہ جو اس نے اپنے بارے میں گورنمنٹ کو یقین دلایا ہے کہ میں ایسے مہدی کی آمد سے منکر ہوں جو کفار سے لڑائیاں لڑے گا اور انہیں قتل کرے گا یہ بھی سب جھوٹ ہے۔ یہ منافقت سے ایسا کہتا ہے۔ اگر اس کے اس بیان میں کچھ صداقت ہے تو علی الاعلان اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرے اور پنجاب و ہندوستان کے مولویوں اور پبلک کے سامنے پیش کرے۔ بلکہ عرب و عجم کہیں بھی اس عقیدہ کو پیش کرنے میں ذرا بھی شرم نہ کرے کیونکہ جس عقیدہ کو ایک مومن سچے دل سے مانتا ہے اس کے اظہار سے اُسے ذرا بھی عار نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجھے اپنے اس عقیدہ کے اظہار کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ ایسا کوئی مہدی آنیوالا نہیں جو تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلائے گا اور کفار کو محض اُن کے کفر کی وجہ سے قتل کرے گا کیونکہ یہ تو اسلام کی پاکیزہ تعلیم پر ایک تہمت اور افترا ہے۔ اسلام بجائے خود ایک ایسا معقول اور مطابق فطرت مذہب ہے کہ اس کی صداقت کے ظاہر ہونے اور اشاعت و غلبہ کے لئے کسی تلوار اور جبر کی ضرورت نہیں۔ زمانہ نبوی یا عہد صحابہ میں جو تلوار اُٹھانی پڑی تو محض اسلام کی حفاظت کے لئے اُٹھانی پڑی۔ وہ فقط دفاعی جنگیں تھیں۔ پس ایسا خونی مہدی کوئی آنیوالا نہیں جو اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہر ایک مجدد اور مامور جو مبعوث ہوتا ہے وہ چونکہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے اس لحاظ سے وہ مہدی کہلاتا ہے۔ کیونکہ مہدی کے معنے ہی ہدایت یافتہ کے ہیں۔ اس کے وقت میں دنیا میں چونکہ گمراہی اور ضلالت کا دور دورہ ہوتا ہے اور وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور اسی کی راہ ہدایت کی راہ ہوتی ہے اس لئے مہدی کا خطاب اس پر برمحل چسپاں ہوتا ہے اور مسیح موعود کے زمانہ میں تو کسی اور مہدی کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ خود مہدی یعنی ہدایت یافتہ ہوگا جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث لا مھدی الا عیسٰی اس پر دلیل واضح ہے کہ کوئی مہدی نہیں ہوگا سوائے عیسٰی کے۔ اپنے اس بیان کی تصدیق کے لئے آپ نے عربی میں ایک رسالہ حقیقت المہدی تصنیف فرما کر جس کے نیچے بین السطور فارسی میں ترجمہ بھی ہے ۲۱۔ فروری ۱۸۹۹ء کو شائع فرما دیا۔ اور اس میں اپنے عقیدہ دربارۂ مہدی اور فرقہ اہل حدیث کے عقیدہ دربارۂ مہدی کا مقابلہ کر کے دکھایا۔ اور مطالبہ کیا کہ اگر محمد حسین بٹالوی فرقہ اہل حدیث کا سب سے بڑا نمائندہ مولوی ہے تو پھر وہ اس عقیدہ کا بالضرور حامل ہے جو میں نے فرقہ اہل حدیث کا اس رسالہ میں لکھا ہے اور ان حالات میں وہ عقیدہ دربارۂ مہدی جو اپنا اس نے

گورنمنٹ کو لکھ کر دیا ہے بالکل جھوٹ ہے اور یہ منافقت اس نے محض زمین کو حاصل کرنے کی طمع میں اختیار کی ہے۔ اور اگر وہ سچ مچ وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اُس نے گورنمنٹ کے سامنے ظاہر کیا ہے تو صفائی سے اس کا اقرار اور اعلان کرے جس طرح میں نے کیا ہے۔ اس رسالہ کے نکلنے پر محمد حسین بٹالوی صاحب پر موت طاری ہوگئی۔ جواب ہی دیا سُنی کو اَن سُنی کر گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت اقدس کی اہانت کی انتہا

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے ہاتھ عدالت نے تکفیر بازی سے روک دیئے جس سے بڑھ کر ان کے لئے ذلت اور ناکامی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی شخص اہل تھا اسکے بیٹھ جانے سے اس کے چیلے چانٹے ابوالحسن تبتی اور جعفر زٹلی خود بخود بیٹھ گئے۔ ابوالحسن تبتی تو کہیں غائب غلہ ہوگیا۔ جعفر زٹلی کچھ عرصہ چلا لیکن جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ وہ زٹلیات کا ہی حامل رہا۔ اور شریف طبقہ نے بھی محض ہزلیات اور زٹلیات کا وارث پاکر اسے ہمیشہ ذلت کی نگاہ سے ہی دیکھا۔ نہ کبھی کوئی اسکی دینداری کا قائل ہوا اور نہ کسی نے اُسے قابل توجہ سمجھا۔ وہ کچھ عرصہ زٹلیات اور ہزلیات سے اپنا اعمال نامہ سیاہ کر کے دنیا سے ناپید ہوگیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی باوجود اس کے کہ وہ اہل حدیث علماء کے چوٹی کے مولوی بلکہ ان کے ایڈووکیٹ سمجھے جاتے تھے۔ اور جب کبھی وہ لاہور آتے تھے تو ایک جم غفیر ان کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر حاضر ہوتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظروں سے ایسے گرے کہ کوئی انہیں پوچھتا تک نہ تھا اسٹیشن پر کسی نے ان کے استقبال کو تو کیا آنا تھا خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ وہ کب لاہور آئے اور کب گئے بیچارے اِدھر اُدھر جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے۔ ایک مرتبہ خاکسار مؤلف نے انہیں اسٹیشن بٹالہ پر تنہا ٹہلتے اور لوگوں کے درمیان میں ایک معمولی ملا کی طرح استنجا کرتے دیکھا۔ حالانکہ اہل حدیث مولوی اس طرح علی الاعلان استنجا کرنے والے حنفیوں کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ خود انکے ہم خیال اہل حدیث مولویوں نے اُنہیں منہ لگانا چھوڑ دیا۔ اور رات دن اُن سے ان کی جوتیاں پیزار رہنے لگی۔ ایک زمانہ تھا یہ ان میں نہایت معزز تھے اور اُن کے چوٹی کے مولوی سمجھے جاتے تھے۔ یا اب وہی لوگ ان کے منہ آتے تھے اور بات بات میں ان کو بعزت کر دیتے تھے۔ ان کا رسالہ اشاعت السنۃ بند ہوگیا۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ انہی کے ہم جنس مولوی ان کے مضامین تک اپنے اخباروں میں چھاپنے سے انکار کر دیتے تھے۔ اور وہ نہایت بے بسی کے ساتھ اپنا مضمون لئے مارے مارے پھرتے تھے اور کوئی کتابت کر کے نہ دیتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ان کی یہ حالت زار سُن کر حضرت اقدس نے پیغام بھیجا کہ آپ قادیان چلے آئیں ہم جو مضمون آپ چاہیں کتابت کروا دیتے ہیں بلکہ چھپوا بھی دیتے ہیں۔ مگر شرم اور ندامت کی وجہ سے نہ آسکے۔ ان کی اولاد نالائق نکل گئی۔ نہ دین میں کچھ خانہ دنیا میں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات

کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں ایک مرتبہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اُن کے ایک بیٹے کو قادیان لے آئے اور مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں داخل کروادیا۔ وہاں کچھ عرصہ وہ بلافیس پڑھتا رہا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا فتویٔ تکفیر سے رجوع

خدا کی شان ہے۔ خدا کی باتیں بھی کس طرح پوری ہو کر رہتی ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت میں حد درجہ سرگرم تھے۔ اور ان کی تحریر و تقریر میں سوائے حضرت مرزا صاحب کو کافر اور دجال کہنے اور گالیاں دینے کے کچھ نہ ہوتا تھا۔ اور وہ حضرت مرزا صاحب کی جان کے لاگو ہو رہے تھے اس وقت حضرت مرزا صاحب نے ایک اعلان شائع فرمایا جو ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو مشتہر کیا گیا جس میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی نسبت آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وانی رأیت ان ھذا الرجل یومن بایمانی قبل موتہ ورأیت کانہ ترک قول التکفیر وتاب وھذہ رؤیای وارجوان یجعلھا ربی حقا"۔

ترجمہ۔ میں نے دیکھا کہ یہ محمد حسین اپنی موت سے پہلے میرے مومن ہونے پر ایمان لائے گا اور میں نے دیکھا کہ گویا اس نے میری تکفیر کو ترک کر دیا ہے اور اس سے رجوع کر لیا ہے۔ اور یہ میری رویا ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دکھلائے گا"۔

اس اعلان کو پڑھ کر دنیا حیران رہ گئی بلکہ آپ کے مرید بھی ششدر رہ گئے کہ ایسا سخت اور خطرناک مخالف اور حضرت مرزا صاحب کی تکفیر کا بانی مبانی۔ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو مومن سمجھنے لگے اور آپ کی تکفیر کو ترک کر دے اور اپنے فتوئے تکفیر سے رجوع کر لے۔ خود مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی آپ کے اس اعلان پر بہت ہنسے کہ یہ کیسی لغو بات ہے۔ اس کے بعد وہ آپ کی مخالفت میں اور بھی سرگرم ہو گئے۔ اور گورنمنٹ میں مخبریاں کرنے اور آپ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں کوئی دقیقہ نہیں فروگزاشت کیا۔ یہاں تک کہ درپردہ آپ کے قتل کی سازش میں بھی شرکت سے انہیں عار نہ ہوا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب بار بار یہی فرماتے تھے کہ آخر یہ ایک دن اپنی تکفیر سے باز آئے گا۔ اس پر آپ کے بعض مریدوں نے آپ سے دریافت کیا کہ پھر ہم اس کو اپنا مخالف نہ سمجھیں بلکہ دوست سمجھیں؟ آپ نے فرمایا کہ کسی سے معاملہ اس کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ آئندہ کیا ہوگا اس کا معاملہ خدا پر چھوڑو"۔ [1] حضرت مرزا صاحب کی زندگی کے آخر میں اتنا ہوا کہ یہ کچھ ڈھیلے

---

[1] ایک وفد مولوی محمد حسین بٹالوی کی پیشگوئی کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا "اس میں کیا شک ہے زور سے دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ رجوع کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا ہے۔ اصل میں محمد حسین زیرک آدمی تھا (باقی بر صفحہ ۶۱۸)

پڑھ گئے اور وہ مخالفت کا زور نہ رہا۔ لوگوں نے سمجھا شاید تھک گئے لیکن درحقیقت اُن کا دل اندر سے کھایا گیا تھا۔ اُنہوں نے دیکھ لیا کہ باوجود میری اسقدر مخالفانہ کوششوں کے روز بروز مرزا صاحب کو خدا کی طرف سے کامیابی اور ترقی ملتی چلی جارہی ہے اور مجھ کو ہر قدم پر ناکامی اور نامرادی سے سابقہ پڑتا ہے۔ مرزا صاحب کی عزت دن دوگنی رات چوگنی دنیا میں بڑھ رہی ہے۔ اور میری پہلی عزت بھی ساری خاک میں مل گئی۔ اور چاروں طرف ذلت ہی ذلت میرے لئے مقدر نظر آتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں یعنی ۱۹۱۳ء میں ضلع گوجرانوالہ کے لالہ ڈیوکی نندن صاحب منصف درجہ اول کی عدالت میں مقدمہ مسمات کریم بی بی بنت محمد الدین لوہار بنام رحمت اللہ ولد عبداللہ قوم لوہار ساکن نظام آباد مدعا علیہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بطور گواہ ایک حلفی بیان دیا جس میں اُنہوں نے احمدی فرقہ کو مسلمان قرار دیا اور صاف اقرار کیا کہ وہ کافر نہیں ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب کے بیان میں سے میں یہاں کچھ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اپنے فرقہ اہلحدیث کے معتقدات کی بابت شہادت دیتے ہوئے مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں:۔

"سب سے اوّل فرقہ حنفی۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں فرقہ مالکی جو امام مالک کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد فرقہ شافعی۔ اس کے بعد فرقہ حنبلی جو امام احمد بن محمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوا۔ پہلے تمام اہل اسلام کا ایک ہی مذہب تھا اور امن کا زمانہ تھا۔ اور کوئی کشمکش ان کی باہمی نہ تھی۔ اور قریب زمانہ رسول اللہؐ کے صحابہ اور اصحاب رسول اللہؐ کے بعد ان کے تابعین کے سبب امن تھا۔ آپس میں ایسا اختلاف نہ تھا جس کے سبب ایک

(بقیہ صفحہ ۶۱۶) مگر میں دیکھتا تھا کہ ابتدا سے اس میں ایک قسم کی خود پسندی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس طرح پر اس کا تنفیذ کرے۔ یہ اس کیلئے استغفار ہے۔ ..... فرمایا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر اس نے ایک کام تو کیا ہے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا ہے اور وہ واقعی اخلاص سے لکھا تھا کیونکہ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ بعض اوقات میرے جوتے اٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھ دیا کرتا تھا۔ اور ایک بار مجھے اپنے مکان میں اس غرض سے لے گیا کہ وہ مبارک ہو جاوے۔ اور ایک بار اصرار کر کے مجھے وضو کرایا۔ غرض بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ میں قادیان میں ہی آکر رہوں۔ مگر میں نے اس وقت یہی کہا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد اسے یہ ابتلا پیش آگیا۔ کیا تعجب ہے کہ اس اخلاص کے بدلہ میں خدا نے اس کا انجام اچھا رکھا ہو۔" اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ اب اسے کیا سمجھیں۔ فرمایا "اب تو حکم حالت موجودہ پر ہوگا وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے۔ دیکھو جب تک نطفہ ہوتا ہے اس کا نام نطفہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے۔ مگر جوں جوں اس کی حالتیں بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے۔ علقہ مضغہ وغیرہ ہوتا جاتا ہے آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے۔ یہی حال اُس کا ہے۔ سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخالف اور دشمن ہے اور یہی اس کو سمجھنا چاہیئے۔" (الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء)

دوسرے کو بُرا کہے یا مخالفت کرے۔ اس کے بعد جب باہمی نفسانیت پیدا ہوگئی۔ اور اعتقاد بدعت کے پیدا ہوگئے تو لوگوں نے اپنے اپنے اماموں کی طرف کہ جن کی ان کو زیادہ ترمحبت و اعتقاد تھا پیروی اختیار کی اور فرقہ بندی ہوگئی۔ یہ سب فرقے قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور یہ فرقے قرآن کی مانند حدیث کو بھی مانتے ہیں۔ ایک فرقہ احمدی بھی اب تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے جب سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کا کیا ہے۔ یہ فرقہ بھی قرآن کو اور حدیث کو یکساں مانتا ہے..... کسی فرقہ کو جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ہمارا فرقہ مطلقاً کافر نہیں کہتا۔"

اس شہادت سے عدالت نے جو کچھ سمجھا اور اپنے فیصلہ میں لکھا وہ حسب ذیل ہے:۔

"اور ایسے ہی مولوی عبدالحکیم صاحب گواہ مدعیہ کے نزدیک احمدی فرقہ کے لوگ کافر ہیں جو مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں۔ حالانکہ مولوی محمد حسین گواہ کے نزدیک وہ کافر نہیں ہیں۔"

مقام غور ہے منصف کی عدالت میں ایک عورت فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرتی ہے کہ میرا شوہر احمدی ہوگیا ہے اور چونکہ علماء کے نزدیک وہ کافر ہے۔ اور کافر کے ساتھ نکاح قائم نہیں رہتا اس لئے فسخ نکاح کر دیا جائے۔ اس کی طرف سے علما گواہی میں پیش ہوتے ہیں۔ مولوی عبدالحکیم احمدیوں کو کافر بتاتے ہیں مگر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب احمدیوں کو کافر نہیں قرار دیتے۔ بلکہ صاف لفظوں میں اپنے حلفی بیان میں یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہیں۔ اب فرمائیے اس سے بڑھ کر تکفیر سے رجوع اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جو تمام عمر حضرت مرزا صاحب کو کافر کہتا رہا۔ بلکہ ان سے اور انکی جماعت سے سلام اور کلام کرنیوالے کو بھی کافر قرار دیتا رہا۔ اب مرنے سے پہلے عدالت میں حلفی بیان دیتا ہے کہ احمدی کافر نہیں ہیں۔

پھر اتنا ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھکر سنو۔ مولوی عمرالدین صاحب کے تحریری بیان کا خلاصہ میں یہاں درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مولوی عمرالدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"مولانا نورالدین صاحب کے زمانہ میں ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب چندہ جمع کرنے شملہ آئے ہماری جماعت احمدیہ شملہ سے بھی چندہ مانگا جب ہم لوگوں نے چندہ دینے سے انکار کیا تو مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے تو مولوی نورالدین صاحب نے بھی اس دینی کام کیلئے چندہ دیا ہے اور یہ کام مسلمانوں کے رفاہ عام کا ہے۔ تب ہم نے قادیان سے دریافت کیا تو وہاں سے

حضرت مولانا نورالدین صاحب نے لکھ بھیجا کہ فرداً فرداً چندہ نہ دیا جائے بحیثیت جماعت چندہ دیدیا جائے۔ اس کے دو سال بعد غالباً ۱۹۱۱ء میں مولوی محمد حسین صاحب نے جماعت احمدیہ شملہ کو سنجولی میں جہاں وہ ٹھیرے ہوئے تھے بلایا اور ہم تمام احمدیوں سے بہت محبت سے ملے۔ سب سے مصافحہ کیا اور بعض کو چھاتی سے بھی لگایا۔ اور وہاں کی مسجد اہل حدیث میں جس میں مولوی صاحب خود بھی نماز پڑھا کرتے تھے ہم سب کو نماز باجماعت پڑھنے کی خوشی سے اجازت دی۔ مولوی صاحب موصوف جب مجھ سے معانقہ کرنے لگے تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب اب تو آپ بھی کافر ہو گئے کیونکہ آپ کا فتویٰ یہی تھا کہ احمدیوں سے سلام و کلام کرنیوالا بھی کافر ہے۔ اور آج آپ خود مصافحہ و معانقہ کر رہے ہیں تو مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ "چپ رہو ایسی باتیں مت کرو میں تم لوگوں کو کافر نہیں جانتا" چنانچہ اس کے بعد انہوں نے مضمون دیوبند کی عدالت میں تحریری بیان دیتے ہوئے احمدیوں کی نسبت یہی کہا کہ ہم احمدیوں کو کافر نہیں کہتے۔ یعنی مومن جانتے ہیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولوی محمد حسین صاحب پھر شملہ تشریف لائے تو نکڑ بازار میں مستری محمد اسمٰعیل صاحب جالندھری کی جو میرے ہمنوائی تھے دکان پر حسب معمول تشریف لائے بابو عبدالرحمٰن صاحب امرتسری و مستری محمد اسمٰعیل صاحب موجود تھے۔ بابو محمد یوسف صاحب جو دفتر آب و ہوا میں سپرنٹنڈنٹ تھے وہ بھی موجود تھے۔ بابو محمد حسین صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو کہا کہ مولانا اب آپ نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کو دیکھ لیا ہے اب تو آپ مان لیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ اگر حضرت مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں اُن کی بیعت کر لیتا مگر وہ تو اب فوت ہو چکے ہیں۔ بابو محمد یوسف صاحب نے کہا کہ مولانا حضرت مولوی نورالدین صاحب ان کے خلیفہ جو موجود ہیں آپ اب ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ نورالدین تو مجھ سے کچھ زیادہ نہیں جانتا وہ تو میرے برابر بھی نہیں۔ میں اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں ان کی بیعت کر لیتا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے مرنے سے پہلے نہ صرف حضرت اقدس مرزا صاحب کی تکفیر سے رجوع کر لیا تھا اور ان کے مومن ہونے پر ایمان لے آئے تھے بلکہ اب ان کے علم اور صداقت کے یہاں تک قائل ہو گئے تھے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے مریدوں میں داخل ہو جاتے۔

البلاغ یا فریاد درد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پادریوں کی گستاخی اور بدزبانی سے جو قلبی تکلیف حضرت مرزا صاحب کو پہنچتی تھی وہ بیان سے باہر ہے جن لوگوں نے آپ کی صحبت میں کچھ ایام بسر کئے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ میں حد درجہ کا حلم اور عفو تھا اور رحم و کرم کے اخلاق فاضلہ اس قدر نمایاں تھے کہ بعض دفعہ تعجب ہوتا تھا۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ بعض دفعہ لوگوں نے سامنے بیٹھ کر آپ کو گالیاں دیں مگر تب بھی آپ کے صبر و برداشت اور تحمل اور چشم پوشی میں ذرا بھی فرق نہ آیا لیکن اسلام کی ہتک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ایک ایسی چیز تھی جو آپ کو متاثر کئے بغیر نہ رہتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میری جائداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے اور اس پر صبر کرنے کے" جیسا کہ میں پہلے بھی مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے حوالہ سے لکھ آیا ہوں کہ جن دنوں میں پادری احمد شاہ کی یہ موذی اور خبیث کتاب اہانت المومنین جس میں بجز گندہ دہنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور مسلمانوں کی دلآزاری کے اور کوئی معقول بات نہ تھی چھپ کر آئی ہے۔ اس قدر صدمہ اس کے دیکھنے سے آپ کو ہوا کہ زبانی فرمایا کہ "ہمارا آرام تلخ ہو گیا"۔ یہ اسی صدمہ اور توجہ الی اللہ کا نتیجہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے مسیح کی الوہیت اور کفارہ جیسے باطل عظیم اور شرک جسیم کے استیصال کے لئے دو نئے حربے آپ کے ہاتھ میں دیئے۔ ایک تو مرہم عیسیٰ کا پرانی طب کی کتابوں میں سے نکل آنا یعنی وہ مرہم جو حضرت عیسیٰ کے صلیب پر سے زندہ اتر آنے کے بعد ان کے زخموں پر ان کے حواریوں نے لگایا تھا۔ اور دوسرے حضرت عیسیٰ کی قبر کا نشان سرینگر کشمیر میں مل جانا جن سے ان باطل کے پرستاروں پادریوں کے گھر گھر میں ماتم پڑ گیا۔ انہی حالات کے ماتحت ۱۸۹۸ء میں آپ نے رسالہ البلاغ یا فریاد درد تصنیف فرمایا جو اردو میں تو آپ نے خود لکھا اور ارادہ تھا کہ اس کا عربی اور فارسی میں بھی ترجمہ کیا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب سے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کروایا تا ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دیگر بلاد اسلامیہ میں اس کی نشر و اشاعت کی جائے۔

مسلمانوں کی خدمت میں اپیل اس میں آپ نے تمام دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ عیسائی پادریوں اور آریوں اور ہندوؤں نے قسم قسم کے ناپاک اعتراضات کے ذریعہ جو یا تو ان کی جہالت کا نتیجہ ہیں اور یا مفتریات ہیں اسلام پر ایسا متفقہ حملہ شروع کر دیا ہے کہ اندیشہ ہے کہ موجودہ نوجوان طبقہ مسلمانوں کا

یا ان کی آئندہ نسل اس زہر سے متاثر ہو کر اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائے۔ جیسا کہ پادری عماد الدین نے لکھا تھا کہ "اگر ہم مسلمانوں کو عیسائی نہ بنا سکے تو کم سے کم ہم مسلمانوں کو مسلمان بھی نہ رہنے دیں گے"۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ محض گورنمنٹ سے ایسی کتابوں کی ضبطی کی درخواستوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ متفق ہو کر اُن تمام اعتراضات کے جواب دینے کا سامان کریں تا موجودہ اور آئندہ اسلامی ذریت ان ناپاک اعتراضات کے سمِّ قاتل سے بچ جائے۔ آپ نے سب مسلمانوں سے دریافت کیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں کیا تجویز کرتے ہیں۔ اور اپنی تجویز یہ پیش کی تھی کہ:-

"مخالفوں کی کل کتابوں میں سے اعتراضات جمع کر کے ان کا جواب دیا جائے اور پھر وہ کتابیں پچاس ہزار کے قریب چھپوا کر ملک میں شائع کی جاویں۔ اور اس طرح پر موجودہ اسلامی ذریت سمِّ قاتل سے بچالی جائے۔ یہ تمام کام پچاس ہزار روپے کے خرچ سے بخوبی ہو سکتا ہے.....

لیکن چونکہ یہ مالی معاملہ ہے اس لئے اس میں اوّل سے خوب پڑتال اور تفتیش ہونی چاہیئے کہ اس کام کے لائق کون لوگ ہیں؟ اور کس کی تالیف دنیا کے دلوں کو اسلام کی طرف جھکا سکتی ہے؟ اور کون ایسا شخص ہے جس کا حسنِ بیان اور قوتِ استدلال اور طرزِ ثبوت عام فہم اور تسلی بخش ہے۔ اور کس کی تقریر ہے جو تمام اعتراضات کو درہم برہم کر کے ان کا نشان مٹا سکتی ہے۔

اسی خیال سے میں نے اس مضمون میں دس[1] شرطیں لکھی ہیں جو میرے خیال میں ایسے مولف کیلئے ضروری ہے۔ لیکن میرے خیال کی پیروی کچھ ضرور نہیں ہر ایک صاحب کو چاہیئے کہ اس کام کے لئے پوری پوری غور کر کے یہ رائے ظاہر کریں کہ کس کو یہ خدمت تالیف سپرد کرنی چاہیئے۔ اور اُن کے نزدیک کون ہے جو بخوبی اور خوش اسلوبی سے اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔ میں اس قدر

---

[1] یہ دس شرطیں رسالہ فریاد درد میں مفصل موجود ہیں۔ اجمالاً میرے الفاظ میں یہ ہیں کہ علاوہ علم دین میں ماہر ہونے کے یہ خصوصیات بھی اس شخص میں موجود ہوں کہ وہ (۱) عربی زبان کا ماہر ہو۔ اور اس کی لغت سے پوری طرح واقف ہو۔ (۲) اس کی دینی معرفت ایسی ہو کہ تحقیق اور تدقیق اور لطائف و نکات اور براہین یقینیہ پیدا کرنے کا اس میں خداداد مادہ ہو (۳) علوم طبعی اور طبابت اور ہیئت اور جغرافیہ میں دسترس رکھتا ہو۔ (۴) عیسائیوں کے مقابل پر وہ ضروری حصہ بائبل کا یاد رکھتا ہو۔ (۵) خدا سے حقیقی ربط اور صدق اور وفا اور محبت الٰہیہ اور اخلاص اور طہارت باطنی اور اخلاق فاضلہ اور انقطاع الی اللہ رکھتا ہو۔ کیونکہ علم دین علوم آسمانی میں سے ہے (۶) علم تاریخ سے واقف ہو۔ (۷) علم منطق اور علم مناظرہ سے واقف ہو۔ (۸) ان مباحث کیلئے اس کے پاس ہر قسم کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہوں۔ (۹) دینی خدمت کیلئے اس کی زندگی وقف ہو اور فراغتِ نفس حاصل ہو۔ (۱۰) تقریر یا تالیف کے لئے اس میں اعجازی طاقت ہو کیونکہ انسان حقیقی روشنی حاصل کرنے کیلئے اور کامل تسلی پانے کے لئے اعجازی یعنی آسمانی نشانوں کے دیکھنے کا محتاج ہے۔ (مؤلف)

خدمت اپنے ذمہ لے لیتا ہوں کہ ہر ایک صاحب اس بارے میں اپنی اپنی رائے تحریر کر کے میرے پاس بھیجدیں۔ میں اُن تمام تحریروں کو جمع کرتا جاؤں گا اور جب وہ سب تحریریں جمع ہو جائیں گی تو میں اُن کو ایک رسالہ کی صورت میں چھاپ دوں گا اور پھر وہ امر جو کثرت رائے سے قرار پاوے اسی کو اختیار کیا جاوے گا۔ اور ہر ایک پر لازم ہوگا کہ کثرت رائے کے پیرو ہو کر سچے دل سے اس کام میں حتی الوسع مالی مدد دیں۔"

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ حضرت مرزا صاحب کے دل میں اسلام کی عزت کے لئے کس قدر درد تھا۔ اور مسلمانوں کی ذریت کو کفر و الحاد کے حملوں سے بچانے کا آپ کو کس قدر خیال تھا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ اسلام پر جس قدر بھی اعتراضات ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں ان سب اعتراضات کو جمع کر کے ان کا جواب دیا جائے۔ اس کیلئے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ان اعتراضات کے جواب دینے کا اہل ہو۔ اُس کی خصوصیات بتائی ہیں کہ وہ کیسا ہونا چاہئے اور خصوصیات کس قدر معقول ہیں کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر جو خصوصیات ہیں تمام دنیا میں اس زمانہ میں سوائے آپ کے کسی انسان میں پائی نہ جاتی تھیں۔ لیکن تاہم اپنی رائے کو مقدم نہیں رکھتے صاف لکھ دیا کہ میری رائے کی پیروی ضروری نہیں۔ سب مسلمان بھائی اس میں اپنی اپنی تجویزیں لکھ بھیجیں اور بعد میں کثرت رائے سے فیصلہ ہو کہ کون اس کام کا بیڑا اٹھائے اور روپیہ کس کے پاس جمع ہو۔ کس قدر پاکیزہ طریق تھا کام کرنے کا تھا۔ اور دشمن کے مقابل پر اس جہاد میں حصہ لینے کیلئے کیسے اعلیٰ درجہ کے منصفانہ اصول پر مبنی تھا۔ اس فریاد درد کا انگریزی ایڈیشن تو فوراً شائع کر دیا گیا لیکن مسلمانوں کی غفلت اور سستی اور ہر امر میں آپ کی مخالفت دیکھتے ہوئے اُردو ایڈیشن آپ کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا بعد وفات شائع ہوا۔ انگریزی میں فوراً اس لئے شائع کر دیا تھا کہ شائد انگریزی خواں طبقہ اس طرف متوجہ ہو لیکن وہاں بھی باوجود جدید طرز تعلیم و تحقیق کے ادعا کے یہ درد دل سے بھری ہوئی فریاد آخر صدا بصحرا ہی ثابت ہوئی۔ تو ظاہر ہے کہ اُردو خواں طبقہ نے کیا کرنا تھا۔ اندریں حالات حضرت مرزا صاحب کا یہ مرثیہ کس قدر سچا ہے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ وھو ہذا:۔

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ اللہ کار نیست

ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ربود
حیف بر چشمیکہ اکنوں نیز ہم بشیار نیست

اے خداوندانِ نعمت ایں چنیں غفلت چراست
بیخود از خوابید یا خود بختِ دیں بیدار نیست

اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں
آنچہ مے بینم بلا ہا حاجتِ اظہار نیست

آتشِ افتاد است در رختش بخیز ای دلبرا ای یاراں — دیدنش از دُور کارِ مردمِ دیندار نیست
ہر زماں از بہرِ دیں در خوں دلِ من مے تپد — محرمِ ایں دردِ ما جز عالمِ اسرار نیست
آنچہ بر ما میرود از غم کہ داند جز خدا — زہر مینوشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست
ہر کسے غمخوارِ اہل و اقارب می کند — اے دریغ ایں بیکسے را ہیچ کس غمخوار نیست
خونِ دیں بینم رواں چوں کشتگانِ کربلا — اے عجب ایں مردماں را ہیچ آن زلدار نیست
چیرہ تم آید چو بینم بذلِ شاں در کارِ نفس — کایں ہمہ جود و سخاوت در رہِ دیندار نیست
ایکہ داری مقدرت ہم عزمِ تائیداتِ دیں — لطف کن ما را نظر بر اندک و بسیار نیست
بیں کہ چوں در خاک می غلطد ز جورِ ناکساں — آنکہ مثلِ او بزیرِ گنبدِ دوّار نیست
اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں — جز دعائے یا مدد و گریۂ اسحار نیست
اے خدا ہرگز مکن شاد آں دلِ تاریک را — آنکہ او را قصدِ دینِ احمدِ مختار نیست

اے برادر پنج روزے ایامِ عشرت ہا بُود
دایما عیش و بہارِ گلشن و گلزار نیست

عام مسلمان پبلک نے خدمتِ دین کی طرف اگر توجہ نہ کی تو کچھ اپنا ہی کھویا۔ مگر حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت اس کی خدمت کیلئے وقف تھی۔ وہ تمام لٹریچر اس پر گواہ ہے جو آپ نے اور آپ کی جماعت نے باوجود اپنی قلت تعداد اور غربت اور بیکسی کے اس تھوڑے سے عرصہ میں اسلام کی تائید اور اسلام کے دشمنوں کے اعتراضات کی تردید میں پیدا کیا اور کر رہی ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں اور آریوں کے مقابلہ میں پہل نہیں کی

کس قدر افسوس اور ظلم ہے کہ اسلام کی خدمت کیلئے اس قدر درد دل اور تڑپ رکھنے والے شخص یعنی حضرت مرزا صاحب پر اس زمانہ میں آبزرور اور پیسہ اخبار نے جو لاہور کے انگریزی اور اردو کے مسلمان اخبار تھے یہ الزام لگایا کہ مرزا صاحب نے عیسائیوں اور آریوں کو چھیڑا (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم اور اسلام کو گالیاں دلوائیں۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ تھا اور محض عناد اور دشمنی سے ایسا کہا گیا۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی کتاب فریاد درد میں یہ بھی ثابت کر کے دکھایا کہ آپ کے کچھ لکھنے سے پہلے پادریوں کی طرف سے کئی ہزار اعتراضات اسلام پر ہو چکے تھے۔ اور ان کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے ہندوؤں میں امدمن مراد آبادی اور کنھیا لعل لکھ دھاری اور دیانند سرسوتی نے اسلام پر جو گند اُچھالا تھا وہ ناگفتہ بہ تھا۔ اور پادری فنڈر اور پادری عماد الدین کی کتابیں تو اسلام پر اس قدر ناپاک اور دل آزار حملوں سے پُر تھیں کہ ایک انگریز نے لکھا تھا

کہ اگر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی طرح پھر غدر ہوا تو اس کی وجہ پادری عماد الدین کی کتابیں ہونگی۔ پادریوں اور ہندوؤں کے اس ناپاک اور دل آزار لٹریچر کے بعد جن میں ہزار ہا گندے سے گندے اعتراضات اسلام پر کئے گئے تھے حضرت مرزا صاحب نے قلم اُٹھائی تھی۔ تو پھر یہ کس قدر ظلم اور جھوٹ ہے جو یہ کہا جائے کہ مرزا صاحب نے چھیڑ خانی کی تو پادریوں اور آریوں نے اسلام پر حملے کئے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ لایجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس امر کا مجرم نہ بنائے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہی بات تقویٰ سے نزدیک تر ہے لیکن مسلمانوں نے جہاں قرآن کو بہت سی باتوں میں پس پشت پھینکا ہوا ہے۔ وہاں اس معاملہ میں بھی افسوس ہے کہ ان کا یہی طرز عمل ہے۔ حضرت مرزا صاحب سے خدا واسطے کی دشمنی کیا ہے کہ ان کی ہر ایک بات بُری لگتی ہے وہ کتنی ہی خدمت دین کریں ان کی نظر میں سب بے حقیقت ہے۔ وہ اگر اسلام کی تائید میں کچھ لکھیں گے تو یہ لوگ اسے چھیڑ خانی کہیں گے۔ وہ اگر اسلام کے مسائل کو کسی معقول شکل میں پیش کریں گے تو یہ اسے کفر و الحاد بتائیں گے۔ وہ اگر خدمت دین کیلئے چندہ جمع کریں گے تو یہ اسے تجارت اور دکانداری قرار دیں گے۔ آخر یہ دشمنیاں اور بدظنیاں کب تک چلیں گی۔ ایک دن مرنا اور خدا کے سامنے کھڑے ہونا ہے وہاں جوابدہی کے وقت یہ دل کے مخفی عناد کیا ظاہر نہ ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب کیا خوب فرماتے ہیں کہ:۔

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف ✦ قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

کتاب ایام الصلح کی اشاعت

فارسی اور اُردو میں

حضرت مرزا صاحب نے ایام الصلح ایک کتاب اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں تصنیف فرمائی فارسی ایڈیشن تو یکم اگست ۱۸۹۸ء کو ہی شائع ہو گیا۔ لیکن اُردو ایڈیشن میں چونکہ بعض ضروری سوالات کے جوابات ایزاد کرنا مدنظر تھے اس لئے وہ کچھ عرصہ کے بعد یکم جنوری ۱۸۹۹ء کو شائع ہوا۔ یہ کتاب بھی حضرت اقدس مرزا صاحب کے شاہکاروں میں سے ایک شاہکار ہے۔ اس کتاب کا نام ایام الصلح رکھنے کی دو وجوہ اس کتاب میں خود حضرت اقدس نے بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ایام ایسے ہیں جن میں اسلام پر حملے تلوار سے نہیں بلکہ قلم اور دلائل و براہین سے کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے ان ایام میں

اسلام کی حفاظت اور تائید تلوار سے نہیں بلکہ نہایت نرمی اور صلح کا طریق اختیار کرتے ہوئے قلم اور دلائل و براہین کے ساتھ مقدر تھی۔ دوم ان ایام میں انسان گناہ اور فسق و فجور میں اس قدر حد سے گزر گیا ہے کہ خدا کی طرف سے طرح طرح کے عذاب زلازل اور وباؤں اور جنگوں وغیرہ کی صورت میں نازل ہو رہے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرے اور توبہ و استغفار کے ساتھ اپنے مالک اور رب سے سچی صلح کرے۔

اجابت دعا کا فلسفہ

اس کتاب کو شروع اس بات سے کیا ہے کہ کسی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ ایک طرف تو یہ بتاتے ہیں کہ اس مرض طاعون کے لئے فلاں تدبیر اور دوا سے کام لینا چاہئے اور دوسری طرف یہ بھی سناتے ہیں کہ انسان کی شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتا ہے۔ لہٰذا استغفار اور دعا سے بھی کام لو۔ ان دونو باتوں میں تناقض ہے۔ آپ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تدبیر اور دعا کا باہمی تطابق اور اجابت دعا کا فلسفہ اس خوبی اور معقولیت سے بیان کیا ہے کہ بڑے سے بڑے منکر اور مادیت کے دلدادہ فلسفی اور نیچری کی گردن بھی اس کے آگے جھک جاتی ہے۔ یہ بحث دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ میں صرف ایک جگہ سے چند فقرے بطور مشتے نمونہ از خروارے صرف اس لئے درج کرتا ہوں تاکہ ایک محقق کی توجہ اس کتاب کے پڑھنے کی طرف مبذول ہو۔ فرماتے ہیں:

"غرض جب کہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ہی ایک حالت ہوتی ہے۔ اسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے۔ اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا

وہ مبدا فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدا کو دیکھتا ہے۔ اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دیکر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنیوالے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے۔ اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علیٰ وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے۔ اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبداء سے طلب کی جائے اور منور حقیقی کی ذات پر نظر نہ ہو تو وہ مجوبانہ دعا ہے۔"

غرضکہ دعا اور اس کی اجابت کے فلسفہ پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل ایک عجیب لذت سے بھر جاتا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ ایک عارف تدابیر کو بھی دعا کے ذریعہ سے ہی تلاش کرتا ہے۔ اس کے بعد اجابت دعا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے (۱) ایک یہ کہ اس بلا کو دور کر دیتا ہے جس کے نیچے ہم دب کر مرنے کو طیار ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کیلئے ہمیں فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے بلکہ اس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔"

ایک مومن پر اسلام نے دعا کیوں فرض کی ہے۔ اس کے چار اسباب تحریر فرمائے ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ (۴) چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔"

سورۂ فاتحہ کی تفسیر اس کے بعد قرآن کریم کی جامع دعا سورۂ فاتحہ اور اللہ تعالیٰ کی صفات ربوبیت رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت یوم الدین کی تفسیر فرماتے ہوئے جو بجائے خود ایک علم و معرفت کا دریا ہے۔ دعا کے سارے فلسفہ کی اس خوبصورتی سے تشریح کی ہے کہ منکر سے منکر شخص کا سر بھی اس کے آگے جھک جاتا ہے۔ پھر چونکہ دعا سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اسلئے ایمان کی بھی تعریف کی ہے۔ اور ایمان سے کس طرح یقین اور معرفت کے منازل ایک مومن طے کرتا ہے سب پر بحث کی ہے۔

اپنے دعوے کی صداقت پر بحث اسکے بعد الہام اور وحی پر بحث کرتے ہوئے اپنے دعوے پر بحث فرمائی ہے۔ اور اپنے دعوے کی صداقت کے چار طریق اتمام حجت اور کامل تسلی کے قرار دیئے ہیں:۔

"(۱) اول نصوص صریحہ کتاب اللہ یا احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ۔ جو آنیوالے شخص کی ٹھیک ٹھیک علامات بتلاتی ہوں اور بیان کرتی ہوں کہ وہ کس وقت ظاہر ہوگا اور اس کے ظاہر ہونے کے نشان کیا ہیں۔ اور نیز حضرت عیسیٰ کی وفات یا عدم وفات کے جھگڑے کا فیصلہ کرتی ہوں۔ (۲) دوم وہ دلائل عقلیہ اور مشاہدات حسیہ جو علوم قطعیہ پر مبنی ہوں جن سے گریز کی کوئی راہ نہیں۔ (۳) سوم وہ تائیدات سماویہ جو نشانوں اور کرامات کے رنگ میں مدعی صادق کے لئے اس کی دعا اور کرامت سے ظہور میں آئی ہوں تا اس کی سچائی پر نشانِ آسمانی کی زندہ گواہی کی ثبت ہو (۴) چہارم ان ابرار اور اخیار کی شہادتیں جنہوں نے خدا سے الہام پاکر ایسے وقت میں گواہی دی ہو کہ جبکہ مدعی کا نشان نہ تھا کیونکہ وہ گواہی بھی ایک غیب کی خبر ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا نشان ہے"

یہ چار طریق اتمام حجت اور کامل تسلی کے بیان فرما کر آپ نے اپنے دعوے کی صداقت کو انہی چار طریقوں کی کسوٹی پر کس کر دکھایا ہے۔ اور نہایت تفصیل سے بحث فرمائی ہے اور وفات مسیح اور نزول مسیح پر اس خوبصورتی سے بحث کی ہے کہ دن چڑھا دیا ہے۔

قرآن کی حفاظت پر بحث اپنے دعوے کی صداقت پر بحث کے دوران میں یہ بتلاتے ہوئے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا تقاضہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہیں جن کے ذریعہ قرآن کے حقائق و معارف ظاہر ہوتے رہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"اور قرآن شریف میں یہ وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ فتنوں اور خطرات کے وقت دین اسلام کی حفاظت کرے گا جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ سو خدا تعالیٰ نے بموجب اس وعدہ کے چار قسم کی حفاظت اپنے کلام کی کی۔ (۱) اوّل۔ حافظوں کے ذریعہ

سے اس کے الفاظ اور ترتیب کو محفوظ رکھا۔ اور ہر ایک صدی میں لاکھوں ایسے انسان پیدا کئے جو اس کے پاک کلام کو اپنے سینوں میں حفظ رکھتے ہیں ایسا حفظ کہ اگر ایک لفظ پوچھا جائے تو اس کا اگلا پچھلا سب بتا سکتے ہیں۔ اور اس طرح پر قرآن کو تحریف لفظی سے ہر ایک زمانہ میں بچایا۔ (۲) دوسرے ایسے ائمہ اور اکابر کے ذریعہ سے جن کو ہر ایک صدی میں فہم قرآن عطا ہوا ہے۔ جنہوں نے قرآن شریف کے اجمالی مقامات کی احادیث نبویہ کی مدد سے تفسیر کر کے خدا کے پاک کلام اور پاک تعلیم کو ہر ایک زمانہ میں تحریف معنوی سے محفوظ رکھا (۳) تیسرے متکلمین کے ذریعہ سے جنہوں نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر خدا کے پاک کلام کو کوتاہ اندیش فلسفیوں کے استخفاف سے بچایا ہے (۴) چوتھے روحانی انعام پانے والوں کے ذریعہ سے جنہوں نے خدا کے پاک کلام کو ہر ایک زمانہ میں معجزات اور معارف کے منکروں کے حملہ سے بچایا ہے۔"

اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے قرآن کریم کی ان آیات کو بھی جن سے مسیح موعود کی آمد نکلتی ہے زیر بحث لائے ہیں *

حضرت اقدس مرزا صاحب کا مذہب اس کے بعد اپنا مذہب کھول کر بیان فرمایا ہے۔ چونکہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اس لئے میں اس حصہ کو یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایام الصلح صفحہ ۸۶ و ۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"بالآخر یاد رہے کہ جس قدر ہمارے مخالف علماء لوگوں کو ہم سے نفرت دلا کر ہمیں کافر اور بے ایمان ٹھیراتے اور عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص معہ اس کی تمام جماعت کے عقائد اسلام اور اصول دین سے برگشتہ ہے۔ یہ ان حاسد مولویوں کے وہ افترا ہیں کہ جب تک کسی دل میں ایک ذرہ بھی تقویٰ ہو ایسے افترا نہیں کر سکتا۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنا رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اور جس خدا کے کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اسکو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حسبنا کتاب اللہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں

کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے اُن سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھے کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔

غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں اُن سب کا ماننا فرض ہے۔ اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے۔ اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔ یاد رہے کہ ہم میں اور ان لوگوں میں بجز اس ایک مسئلہ کے اور کوئی مخالفت نہیں۔ یعنی یہ کہ یہ لوگ نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں۔ اور ہم بموجب نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ مذکرہ بالا اور اجماع ائمہ اہل بصارت کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ اور نزول سے مراد وہی معنے لیتے ہیں جو اس سے پہلے حضرت ایلیا نبی کے دوبارہ آنے اور نازل ہونے کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معنے کئے تھے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اور ہم بموجب نص صریح قرآن شریف کے جو آیت ویمسک التی قضی علیہا الموت سے ظاہر ہوتی ہے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو لوگ اس دنیا سے گزر جاتے ہیں وہ دنیا میں دوبارہ آباد ہونے کے لئے نہیں بھیجے جاتے۔"

طاعون سے بچنے کی ہدایات اس کے بعد آپ نے طاعون سے بچنے کے ظاہری اور باطنی علاج پر بحث

فرمائی ہے۔ اسی بحث کے دوران میں اس درد کا بھی اظہار فرمایا ہے جو آپ کے دل کو طاعون کی وجہ سے تھا۔ فرماتے ہیں:-

"میں ہمیشہ اور پنجوقتہ نماز میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس بلا کو دنیا سے اُٹھا دے اور اپنے بندوں کی تقصیریں معاف کرے"

چند وساوس کا ازالہ آپ نے کتاب کے آخر میں چند اعتراضات کو نقل کر کے اُن کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ یہ اعتراضات لدھیانہ کے ایک شہزادہ والا گوہر نے جو آپ کا سخت مخالف تھا شہزادہ عبدالمجید کو جو آپ کے مخلص مریدوں میں سے تھے بذریعہ خط تحریر کئے تھے۔ یہ حصہ بھی کتاب کا پڑھنے کے لائق ہے۔ ان اعتراضات کے جوابات جس خوبی سے دیئے ہیں وہ تمام اہل تحقیق کے لئے ایک علم و حکمت کا خزینہ ہے +

ختم نبوت پر ایک فیصلہ کن تحریر ان میں سے ایک اعتراض کا جواب تحریر فرماتے ہوئے آپ ختم نبوت پر کس قدر فیصلہ کن تحریر پیش کرتے ہیں:-

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیا نہیں ٹھیر سکتے۔ اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع متصور ہو سکتا ہے۔ اور اگر فرض بھی کر لیں کہ حضرت عیسیٰ اُمتی ہو کر آئیں گے تو شان نبوت تو ان سے منقطع نہیں ہوگی گو اُمتیوں کی طرح وہ شریعت اسلام کی پابندی بھی کریں مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت وہ خدا تعالیٰ کے علم میں نبی نہیں ہوں گے اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں وہ نبی ہوں گے تو وہی اعتراض لازم آیا کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی دنیا میں آگیا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا استخفاف اور نص صریح قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔ قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے۔ اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی"

نبی کی شہادت کیلئے نبی کا آنا غلط ہے

ایک اور اعتراض کا جواب بھی قابل توجہ ہے اس لئے وہ اعتراض بموجواب نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں :-

"قولہ (یعنی اعتراض) ہر ایک نبی کی شہادت نبی ہی دیتا چلا آیا ہے۔

اقول (یعنی جواب) یہ ایک گھر کا بنایا ہوا قاعدہ ہے جس پر کوئی نص قرآنی یا حدیثی دلالت نہیں کرتی۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر سے نازل ہوں تو پھر اُن کے بعد اُن کی تصدیق کے لئے کوئی اور نبی آوے۔ کیونکہ کیا معلوم کہ وہ درحقیقت عیسیٰ ہے یا نہیں[1]۔ دنیا ایمان بالغیب کی جگہ ہے۔ کوئی مبعوث ہو کچھ نہ کچھ پردہ ضرور ہوتا ہے۔ پھر اس نبی کی تصدیق کے لئے کوئی اور نبی آنا چاہیئے۔ پس اس سے تسلسل پیدا ہوگا اور وہ باطل ہے۔ اور جو امر مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہے ماسوا اس کے نصوص حدیثیہ قرآنیہ کے رو سے اہل کرامت کی تصدیق اہل معجزہ کی تصدیق کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ کرامت بھی رسول متبوع کا معجزہ ہے۔ اور بموجب حدیث صحیح محدّث کا الہام بھی جو کے نام سے موسوم اور مثل وحی انبیاء علیہم السلام کے دخل شیطان سے پاک اور خدا کی وحی ہو اور جب وہ بھی خدا کی وحی ہے تو جو خدا کے منہ سے نکلا ہو اسکی شہادت اسی رنگ کی ہے جیسا کہ انبیا علیہم السلام کی شہادت۔ پھر یہ بھی سوچو کہ کیا دنیا میں کسی مسلمان کا اعتقاد ہو سکتا ہے کہ جب تک مسیح موعود نہیں آئیگا اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت معرض شک میں ہے اور مسیح کی گواہی کی محتاج ہے۔ اور اگر فرض کریں کہ مسیح نہ آوے اور گواہی نہ دے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت شکی اور مشتبہ رہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات والکفریات یہ کس قدر بیہودہ خیال ہے اور قریب ہے کہ کفر ہو جائے۔ مسیح موعود کا آنا اس لئے نہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابھی ثابت نہیں اس کی گواہی سے ثابت ہوگی بلکہ اس لئے ہے کہ تا وہ مجددوں کے رنگ میں ظاہر ہو اور فتنہ صلیبیہ کو دُور کر کے دنیا میں توحید اور توحیدی ایمان کا جلال ظاہر کرے"۔

نبی کے مثیل کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں

ایک اور اعتراض کا جواب بھی نہایت لطیف اور اہم ہے اس لئے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں :-

[1] "بالخصوص جبکہ یہ بھی آثار میں ہے کہ مہدی اور اس کی تمام جماعت اور مسیح موعود وغیرہ کو کافر ٹھیرایا جائے گا تو اس حالت میں حسب اقرار تمہارے کسی اور نبی کے آنے کی نہایت ضرورت ہے تا علماء مکفرین کو کافر اور کاذب ٹھیرا دے اور عیسیٰ کو سچا نبی قرار دے" منہ

قولہ۔ نبی کا مثیل نبی ہوتا ہے۔

اقول۔ تمام اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر نبی بروز کے طور پر قائم مقام نبی ہو جاتا ہے۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری اُمت کے علماء مثیل انبیاء ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علما کو مثیل انبیا قرار دیا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ علماء انبیا کے وارث ہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ہمیشہ میری اُمت میں سے چالیس آدمی ابراہیم کے قلب پر ہونگے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مثیل ابراہیم قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ اس جگہ تمام مفسر قائل ہیں کہ صراط الذین انعمت علیھم کی ہدایت سے غرض تشبہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت اتباع ہے اور صوفیوں کا مذہب ہے کہ جب تک انسان ایمان اور اعمال اور اخلاق میں انبیاء علیہم السلام سے ایسی مشابہت پیدا نہ کرے کہ خود وہی ہو جائے تب تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ اور نہ مرد صالح ہو سکتا ہے۔ پس نہایت ظلم اور خیانت ہے کہ قبل اس کے کہ دین کی کتابوں کو دیکھا جائے دنیاداروں کے مقدمہ بازی کی طرح ایک خود تراشیدہ بات پیش کی جائے۔ خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے تا دنیا میں اُن کے مثیل قائم کرے۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوت لغو ٹھیرتی ہے۔ نبی اس لئے نہیں آتے کہ اُن کی پرستش کی جائے بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کے نمونے پر چلیں اور اُن سے تشبہ حاصل کریں[1]۔ اور ان میں فنا

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب تذکرہ میں اس تشبہ بالانبیا کے مسئلہ کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ وھوہذا۔
"اس اصل الاصول کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ دعوت وقیام حق اور اصلاح وتربیت امم کا اصل سرچشمہ ومرکز مقام نبوت ہے۔ اور ہر عہد ودور میں اس کا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے وہ سب اسی مقام سے ملحق ومتصل۔ اور سب کی روشنی اسی شمس نظام وقوام عالم سے مکتسب ومستنیر اور تمام انوار فیضان وسعادت کے لئے یہی سبیل نبوت مخرج ومنبع کا حکم رکھتی ہے۔ علیٰ ذالک یثرب بھا عباد اللہ یفجرونھا تفجیرا۔ اور کوئی قائم حق وداعی اصلاح وکاشف حقائق فوز ونصرت نہیں پا سکتا جب تک اس کا قدم منہج نبوت پر واقع نہ ہوا ہو۔ اور اس کے تمام اعمال متاسی باسوۂ حسنۂ نبوت ومتبع بہ سنت وحکمت رسالت نہ ہوں۔ اور اس راہ تاسی وتشبہ بالانبیا میں جس داعی حق کا قدم جس حد تک پہنچتا ہے اسی حد ومقام کے مطابق کم وبیش ثمرات وبرکات ظاہر وباطن حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہاں اختلاف مدارج ومراتب بلحاظ حالات ومقتضیات وقت اور فضلنا بعضھم علیٰ بعض کا معاملہ واقع ہوا۔ اسی طرح متبعین ووارثان انبیا میں بھی فضلنا بعضھم علیٰ بعض اور اختلاف مراتب وثمرات ومفاضلۂ حالات وبرکات ظہور میں آیا۔ یہی حقیقت شیخ اکبر کی اصطلاح میں خصوص" اور بعض (باقی بر صفحہ ۶۳۳)

ہو کر گویا دہی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ پس خدا جس سے محبت کریگا کونسی نعمت ہے جو اُس سے اُٹھا رکھے گا۔ اور اتباع سے مراد بھی مرتبۂ فنا ہے جو مثیل کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے"

حج نہ کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب

حضرت مرزا صاحب کے حج نہ کرنے پر آج بھی بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ شاہزادہ والا گوہر نے بھی یہی اعتراض کیا کہ باوجود مقدرت حج نہیں کیا۔ اس کا جواب حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"**اقول** اس اعتراض سے آپ کی شریعت دانی معلوم ہوگئی۔ گویا آپ کے نزدیک مانع حج صرف ایک ہی امر ہے کہ زادراہ نہ ہو۔ آپ کو یہ وجہ اس کے کہ دنیا کی کش مکش میں عمر کو ضائع کیا اسقدر سہل اور آسان مسئلہ بھی جو قرآن اور احادیث اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے معلوم نہ ہوا کہ حج کا مانع صرف زادراہ نہیں اور بھی بہت سے امور ہیں جو عند اللہ حج نہ کرنے کیلئے عذر صحیح ہیں چنانچہ ان میں صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہوتا ہے۔ اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من استطاع الیہ سبیلا۔ عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بداندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کیلئے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جبکہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حج نہیں کیا۔ اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا

(بقیہ صفحہ ۶۳۲) اصحاب اشارات کی اصطلاح میں "نسبت" کے لقب سے ملقب ہے کہ کسی واصل باللہ کا قدم تابعی و اتباع حسب استعداد و اوعیات وقت کسی ایک نبی کی منہاج پر واقع ہوتا ہے اور کسی کا کسی دوسرے نبی کی منہاج پر۔ اور اسکو بوجہ غلبۂ مابہ الاختصاص اُس نبی سے ایک خاص طرح کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے ..... جب دعوت و اصلاح امت کا مرجع و اصل مقام نبوت ٹھیرا۔ اور تمام عوازم امور اسی سے ماخوذ اور اسی کے اسوہ سے متاسی۔ تو ضرور ہے کہ عالم تجدید و احیاء شریعت کے بھی تمام کاروبار اسی اسلوب و نہج پر واقع ہوں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اصول و اساسات سے لیکر جزئیات و فرعیات اعمال تک ٹھیک ٹھیک اسی مقام کے حالات و منازل سے متشبہ و متحقق بل کالظل والعکس ظہور میں آئیں" (تذکرہ صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴)

اور پھر بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا نعوذ باللہ من شرور انفسھم۔ ذرا سوچنا چاہئے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑ گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت اُن کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ جائیں اور پھر چند اشرار الناس پیچھے سے مکہ میں پہنچ جائیں اور شور قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہئے۔ سو بروقت ورود حکم الٰہی ان احتیاطوں کی پروا نہیں کی جائے گی۔ مگر قبل اس کے شریعت کی پابندی لازم ہے۔ اور مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکہ میں عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان کفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھیراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذا سے کچھ فرق کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ پس ہم گنہگار ہوں گے اگر دیدہ و دانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائینگے اور حج کو جائیں گے۔ اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے۔ حج کرنا مشروط بشرائط ہے۔ مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لئے قطعی حکم ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اُس حکم کی جس کی شرط موجود ہے باوجود تحقق شرط کے پیروی اختیار کریں۔ ماسوا اس کے میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو کیا اوّل اس کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو دجال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے۔ یا یہ کہ ظاہر ہوتے ہی پہلے حج کو چلا جائے۔ اگر بموجب نصوص قرآنیہ و حدیثیہ پہلا فرض مسیح موعود کا حج کرنا ہے نہ دجال کی سرکوبی۔ تو وہ آیات اور احادیث دکھلانی چاہئیں تا اُن پر عمل کیا جائے۔ اور اگر پہلا فرض مسیح موعود کا جس کیلئے وہ باعتقاد آپ کے مامور ہو کر آئے گا قتل دجال ہے جس کی تاویل ہمارے نزدیک اہلاک مل باطلہ بدلیل حج و آیات ہے۔ تو پھر وہی کام پہلے کرنا چاہئے۔ اگر کچھ دیانت اور تقوے ہے تو ضرور اس بات کا جواب دو کہ مسیح موعود دنیا میں آکر پہلے کس فرض کو ادا کرے گا۔ کیا پہلے حج کرنا اُس پر فرض ہوگا یا یہ کہ پہلے دجالی فتنوں کا قصہ تمام کرے گا؟ یہ مسئلہ کچھ باریک نہیں ہے۔ صحیح بخاری یا مسلم کے دیکھنے سے اس کا جواب مل سکتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی ثابت ہو کہ پہلا کام مسیح موعود کا حج ہے تو لو ہم بہرحال حج کو جائیں گے ہر چہ باداباد۔ لیکن پہلا کام مسیح موعود کا اگر استیصال فتن دجالیہ ہے تو جب تک اُس کام سے ہم فراغت نہ کرلیں حج کی طرف رُخ کرنا خلاف پیشگوئی نبوی ہے۔"

براہین احمدیہ کا بقیہ نہ چھاپنے پر اعتراض اور اُس کا جواب

شاہزادہ والا گوہر کا یہ بھی بڑا اعتراض تھا کہ براہین احمدیہ کا بقیہ کیوں نہیں چھاپتے۔ ورنہ جن سے قیمت لی ہے واپس کیوں نہیں کرتے۔ اس کا جواب حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"**اقول**:۔ اس توقف کو بطور اعتراض پیش کرنا محض لغو ہے۔ قرآن شریف بھی باوجود کلام الٰہی ہونے کے تئیس ۲۳ برس میں نازل ہوا۔ پھر اگر خدا تعالےٰ کی حکمت نے بعض مصالح کی غرض سے براہین کی تکمیل میں توقف ڈال دی تو اس میں کونسا حرج ہوا۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ بطور پیشگی خریداروں سے روپیہ لیا گیا تھا تو ایسا خیال کرنا بھی حمق اور ناواقفی کے باعث ہوگا۔ کیونکہ اکثر براہین احمدیہ کا حصّہ مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ اور بعض سے پانچ روپیہ اور بعض سے آٹھ آنے تک قیمت لی گئی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جن سے دس روپے لئے گئے ہوں۔ اور جن سے پچیس ۲۵ روپے لئے گئے وہ صرف چند آدمی ہیں۔ پھر باوجود اس قیمت کے جو اصل حصص براہین احمدیہ کے مقابل پر جو منطبع ہو کر خریداروں کو دیئے گئے ہیں کچھ بہت نہیں ہے بلکہ عین موزون ہے۔ اعتراض کرنا سراسر کمینگی اور سفاہت ہے۔ لیکن پھر بھی ہم نے بعض جاہلوں کے ناحق کے شور و غوغا کا خیال کر کے دو مرتبہ اشتہار دیدیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لیلے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے۔ انہوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا مگر پھر بھی ہم نے قیمت دیدی۔ اور کئی دفعہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہم ایسے کمینہ طبعوں کی ناز برداری کرنا نہیں چاہتے اور ہر ایک وقت قیمت واپس دینے پر طیار ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی۔ مگر پھر بھی اب مجدداً ہم یہ چند سطور بطور اشتہار لکھتے ہیں کہ اگر اب بھی کوئی ایسا خریدار چھپا ہوا موجود ہے کہ جو غائبانہ براہین کی توقف کی شکایت رکھتا ہے تو وہ فی الفور ہماری کتابیں بھیجدے۔ ہم اسکی قیمت جو کچھ اس کی تحریر سے ثابت ہوگی اس کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اور اگر کوئی باوجود ہمارے ان اشتہارات کے اب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آوے تو اُس کا حساب خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور شہزادہ صاحب یہ تو جواب دیں کہ انہوں نے کونسی کتاب ہم سے خریدی اور ہم نے اب تک وہ کتاب پوری نہ دی۔ اور نہ قیمت واپس کی۔ یہ کس قدر ناخدا ترسی ہے کہ بعض چرکینہ ملّانوں کی زبانی بے تحقیق ایک بات کو سُننا اور پھر اس کو بطور اعتراض پیش کر دینا۔"

غرضکہ اسی طرح مختلف اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اس پُرحکمت کتاب کو ختم کیا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی قادیان کو ہجرت

میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ مارچ ۱۸۹۷ء میں مولوی محمد علی صاحب نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت کی تھی۔ آپ انگریزی کے ایم اے تھے اور اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے اور اکثر حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں قادیان حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور بعض میموریل وغیرہ جو گورنمنٹ کو بھیجے جاتے ان کا انگریزی ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اس اثنا میں مولوی صاحب موصوف نے امتحان وکالت یعنی ایل ایل بی کا پاس کر لیا اور ارادہ ہوا کہ گورداسپور میں پریکٹس شروع کی جائے: تاکہ حضرت اقدس سے قرب بھی رہے اور اپنا کام بھی جاری رکھا جائے۔ چنانچہ جون ۱۸۹۹ء میں مولوی صاحب موصوف نے گورداسپور میں کوٹھی بھی کرایہ پر لیلی۔ فرنیچر وغیرہ سب خرید لیا۔ اور منشی بھی نوکر رکھ لیا۔ اور قادیان حضرت اقدس کی خدمت میں چند روزہ قیام کے لئے حاضر ہوئے۔ یہاں بعض میموریل وغیرہ کا انگریزی ترجمہ کرنا تھا کچھ اس میں مصروف رہے اور کچھ حضرت اقدس کی زبردست روحانی کشش۔ دونوں نے مل کر یہ اثر دکھایا کہ دو مہینے جولائی اور اگست کے قادیان میں ہی گزر گئے۔

مولوی محمد علی صاحب کے رشتہ کیلئے حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اشتہار

مولوی صاحب کے رشتہ کے لئے حضرت اقدس مرزا صاحب ایک مرتبہ پہلے بھی اشتہار دے چکے تھے بعض خطوط بھی وصول ہوئے مگر وہ محفوظ نہ رہے۔ اس لئے دوبارہ آپ نے مولوی صاحب موصوف کے رشتہ کے لئے اشتہار دیا۔ میں اس میں سے ایک حصہ یہاں اس لئے نقل کرتا ہوں کہ تا ان دریدہ دہن لوگوں کا منہ بند ہو جو اپنی کوربا طنی اور حسد اور تعصب کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف کے خلاف جھوٹا اور ناحق پروپاگنڈا کرتے رہتے ہیں اور تا یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت اقدس مولوی محمد علی صاحب کی نسبت کیا خیالات رکھتے تھے۔ حضرت اقدس ۱۹۔ اگست ۱۸۹۹ء کو یہ اشتہار شائع فرماتے ہیں:۔

"اپنی جماعت کے نام اور نیز ہر ایک رشد کے نام جو خواہشمند ہو"

"ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کیلئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔ اور یقین ہے کہ جب وہ بعد

فراغت اس کام کے اپنے کام وکالت پر جائیں گے تو کسی قریب ضلع میں ہی کام شروع کرینگے اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا۔ اخلاق اور دین اور شرافت کے رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے اُن کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں بھی نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع حیا۔ نیک اندرون پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔" الخ

اسی طرح الاشتہار الانصار مجریہ ۴۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ یعنی حی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے پلیڈر۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں۔ اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیائی کاروبار کا حرج کرکے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہونگے اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین"

ہجرت کی تکمیل الغرض مولوی محمد علی صاحب قادیان میں ٹھیرے تو عارضی طور سے تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے بعض میموریل جو گورنمنٹ میں بھیجے جانیوالے تھے اور بعض تالیفات کا آپ انگریزی میں ترجمہ کریں۔ جن میں سے ایک فریاد درد بھی تھی۔ چنانچہ خود حضرت اقدس اپنے اشتہار الاشتہار الانصار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ تمام کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ ہوکر ہماری طرف سے نکلتی ہیں۔ ان کا ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے ہیں"

لیکن اسی اثنا میں خواجہ کمال الدین صاحب کی تحریک پر ایک انگریزی رسالہ اسلام کی اشاعت کے لئے نکالنے کی تجویز پیش ہوگئی۔ اس کی ایڈیٹری کے لئے ایک قابل انگریزی دان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ آپ اگر قادیان رہ کر دین کی یہ خدمت کریں تو بہت خوب ہو۔ یہاں کیا عذر تھا۔ مولوی صاحب موصوف نے اسے اپنی سعادت سمجھا

گورداسپور میں کوٹھی کے مالک کو دو ماہ کا کرایہ دے کر کوٹھی چھوڑ دی۔ فرنیچر وغیرہ نیلام کر دیا۔ منشی ہٹا دیا۔ ان کا نام اکسٹرا اسسٹنٹی کے امتحان مقابلہ کے لئے منظور ہو چکا تھا اُس سے انکار کر دیا۔ اور قادیان میں دُھونی رما کر بیٹھ گئے۔ رسالہ نکالنے کی تیاری اور بعض دیگر کاموں کی الجھنوں میں رسالہ نکالنے میں کچھ تاخیر ہوتی گئی۔ آخر کار ۱۹۰۲ء میں یہ انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام سے نکلنا شروع ہوا جس شان سے یہ رسالہ نکلا اس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے اپنے موقعہ پر آئے گا۔

گورنمنٹ برطانیہ سے ایک فیصلہ کُن مذہبی جلسہ کے انعقاد کیلئے درخواست

گورنمنٹ برطانیہ کو تبلیغ اسلام

جیسا کہ مَیں اس سے قبل ذکر کر چکا ہوں حضرت مرزا صاحب نے ڈائمنڈ جوبلی کے موقعہ پر تحفہ قیصریہ کے نام سے ایک کتاب ملکۂ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کی خدمت میں تبلیغ اسلام کے طور پر بھیجی تھی۔ ۲۔ اگست ۱۸۹۹ء کو اس کی دوبارہ یاددہانی آپ نے ایک اور تصنیف ستارۂ قیصریہ کے ذریعہ کی۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ فقط ملکۂ وکٹوریہ کو ہی تبلیغ اسلام کافی اور مفید مطلب نہیں بلکہ ساری گورنمنٹ برطانیہ کو اسلام کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے ۲۷۔ ستمبر ۱۸۹۹ء کو آپ نے ایک میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا جس میں گورنمنٹ سے درخواست کی کہ ملک ہندوستان بلکہ تمام عالم میں آجکل ہر قسم کے مذاہب اپنے اپنے غلبہ کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اس لئے گورنمنٹ برطانیہ کو چاہیئے کہ دنیا میں امن اور محبت و اخوت قائم کرنے اور سچے مذہب کی تحقیق کے لئے ایک مذہبی جلسہ کا انعقاد کرے۔ جس طرح آجکل اٹلی میں بھی ایک ایسا ہی جلسہ درپیش ہے۔ اور پیرس میں بھی اس قسم کا جلسہ ہونے والا ہے پس جب یورپ کے دیگر سلاطین اور حکومتوں کا میلان اس طرف ہو گیا ہے تو ہماری گورنمنٹ کیوں اس معاملہ میں دوسروں سے پیچھے رہے۔ اس جلسہ کے انعقاد کی تجویز پیش کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہماری عالی ہمت گورنمنٹ ایک مذہبی جلسہ کا اعلان کر کے اس زیر تجویز جلسہ کی ایسی تاریخ مقرر کرے جو دو سال سے زیادہ نہ ہو۔ اور تمام قوموں کے سرگروہ علماء اور فقراء اور ملہموں کو اس غرض سے بلایا جائے کہ وہ جلسہ کی تاریخ پر حاضر ہو کر اپنے مذہب کی سچائی کے ڈنکے ثبوت دیں۔ (۱) اوّل ایسی تعلیم پیش کریں جو دوسری تعلیموں سے اعلیٰ ہو۔ جو انسانی

درخت کی تمام شاخوں کی آبپاشی کر سکتی ہو (۲) دوسرے یہ ثبوت دیں کہ ان کے مذہب میں رُوحانیت اور طاقت بالا ویسی ہی موجود ہے جیسا کہ ابتدا میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ اور وہ اعلان جو جلسہ سے پہلے شائع کیا جائے اس میں بہ تصریح یہ ہدایت ہو کہ قوموں کے سرگروہ ان ڈیڑھ سو ثبوتوں کے لئے طیار ہو کر جلسہ کے میدان میں قدم رکھیں۔ اور تعلیم کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد ایسی اعلیٰ پیشگوئیاں پیش کریں جو محض خدا کے علم سے مخصوص ہوں۔ اور نیز ایک سال کے اندر پوری بھی ہو جائیں۔ غرض ایسے نشان ہوں جن سے مذہب کی رُوحانیت ثابت ہو۔ اور پھر ایک سال تک انتظار کر کے غالب و مغلوب کے حالات شائع کر دیئے جائیں میرے خیال میں ہے کہ اگر ہماری دانا گورنمنٹ اس طریق پر کاربند ہو اور آزمائے کہ کس مذہب اور کس شخص میں رُوحانیت اور خدا کی طاقت پائی جاتی ہے تو یہ گورنمنٹ دنیا کی تمام قوموں پر احسان کرے گی۔ اور اس طرح سے ایک سچے مذہب کو اس کی تمام رُوحانی زندگی کے ساتھ دنیا پر پیش کر کے تمام دنیا کو راہ راست پر لے آئے گی۔ کیونکہ وہ تمام شور و غوغا جو کسی ایسے مذہب کے لئے کیا جاتا ہے جس کے ساتھ فوق العادت زندہ نشان نہیں اور محض روایات پر مدار ہے وہ سب ہیچ ہے۔ کیونکہ کوئی مذہب بغیر نشان کے انسان کو خدا سے نزدیک نہیں کر سکتا اور نہ گناہ سے نفرت دلا سکتا ہے الخ"

پھر لکھتے ہیں:۔

"اور سچا مذہب وہی ہے جس کے ساتھ زندہ نمونہ ہے۔ کیا کوئی دل اور کوئی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ ایک مذہب تو سچا ہے مگر اس کی سچائی کی چمکیں اور سچائی کے نشان آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور ان ہدایتوں کے بھیجنے والے کے منہ پر ہمیشہ کے لئے مُہر لگ گئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہر ایک انسان جو سچی بھوک اور پیاس خدا تعالیٰ کی طلب میں رکھتا ہے وہ ایسا خیال ہرگز نہیں کرے گا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ سچے مذہب کی یہی نشانی ہو کہ زندہ خدا کے زندہ نمونے اور اس کے نشانوں کے چمکتے ہوئے نور اس مذہب میں تازہ بتازہ موجود ہوں۔ اگر ہماری گورنمنٹ عالیہ ایسا جلسہ کرے تو یہ نہایت مبارک ارادہ ہے اور اس سے ثابت ہوگا کہ یہ گورنمنٹ سچائی کی حامی ہے۔ اور اگر ایسا جلسہ ہو تو ہر ایک شخص اپنے اختیار سے اور ہنسی خوشی سے اس جلسہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ قوموں کے پیشوا جنہوں نے مقدس کہلا کر کروڑہا روپیہ قوموں کا کھایا ہے ان کے تقدس کو آزمانے کیلئے اس سے بڑھکر

اور کوئی عمدہ طریق نہیں کہ جو ان کا یا ان کے مذہب کا خدا کے ساتھ رشتہ ہے اس رشتہ کا زندہ ثبوت مانگا جائے۔"

حضرت مرزا صاحب کے دل میں اسلام کی تبلیغ کا جو جوش تھا وہ آپ سے یہ تمام تجاویز کرواتا اور لکھواتا رہتا تھا۔ آپ نے فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر کو پیش نظر رکھ کر اتمام تبلیغ کے بعد تبلیغ کرنا ہے۔ تو اُن پر کوئی داروغہ نہیں۔ یعنی ماننا نہ ماننا اگلے کا اختیار ہے۔ تمہارا کام خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے) کے حکم کے مطابق جس جس طرح بھی سمجھ میں آیا ہر ایک مذہب و فرقہ کے آدمی اور گورنمنٹ تک کو ہر ممکن طریق سے اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ آگے کوئی اس پر کان دھرے یا نہ دھرے اس کے آپ ذمہ وار نہ تھے۔

مسیح ہندوستان میں

اللہ تعالیٰ جس شخص کو جس کام کیلئے خصوصیت سے مامور کرتا ہے اس کیلئے ایک خاص جوش اس کے اندر رکھ دیتا ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو جب اللہ تعالیٰ نے مجدد اور مسیح موعود کے منصب پر کھڑا کیا اور آپ کا کام کسر صلیب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو اس صلیبی مذہب یعنی مسیحیت کے استیصال کے لئے خاص جوش بھی عنایت فرمایا۔ حضرت مسیح ابن مریم کو جو خصوصیت عیسائیوں نے اور ان کی تقلید میں بہت سے مسلمانوں نے دے رکھی تھیں اُن کو آپ نے یکے بعد دیگرے توڑنا شروع کیا۔ بالخصوص مسیح کی صلیب پر موت اور ان کا زندہ آسمان پر چڑھنا مسیحیت کے دو بنیادی اصول تھے جن پر کفارہ اور الوہیت مسیح کی ساری عمارت کھڑی تھی۔ آپ نے ان دونو بنیادی پتھروں کو بالخصوص توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ آپ نے مسیح کا صلیب پر سے زندہ اُتر آنا اور بجائے آسمان پر چڑھنے کے اپنی طبعی موت سے مر کر زمین میں دفن ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت کیا کہ یہ صلیب ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ اسی اثنا میں سرینگر کشمیر میں مسیح ابن مریم کی قبر کا دریافت ہونا سونے پر سہاگہ ہوگیا۔ آپ نے فوراً ایک ریسرچ ورک یعنی تحقیقاتی قسم کی بنیاد ڈال دی اور ۱۸۹۹ء میں اس کے متعلق ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" کے نام سے تصنیف کرنی شروع کر دی۔ جس میں بائیبل اور مختلف تاریخوں اور یورپین محققین کی تحقیقاتوں کے حوالوں سے آپ نے یہ ثابت کر کے دکھایا کہ جب بخت نصر بادشاہ نے بنی اسرائیل قوم کو مغلوب کر کے ان پر طرح طرح کے ظلم کرنے شروع کئے اور قید کر کے بابل لے گیا تو بنی اسرائیل کی بارہ ۱۲ قوموں میں سے دس ۱۰ قومیں ہجرت کر کے مشرق کو چلی آئیں۔

اور افغانستان اور کشمیر میں آکر آباد ہوگئیں۔ چنانچہ افغانوں اور کشمیریوں کی شکل وصورت۔ عادات۔ خاندانی وقومی رسم ورواج۔ طرز معاشرت سب وہی ہیں جو بنی اسرائیل قوم کی ہیں۔ یہاں تک کہ افغانستان اور کشمیر کے بہت سے شہروں کے نام وہی ہیں جو فلسطین کے شہروں کے ہیں۔ اور حضرت مسیح کے اس فقرہ سے جو انجیل میں ہے کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے آیا ہوں مراد یہی دس قومیں بنی اسرائیل کی تھیں جو کھوئی گئی تھیں اور جن کی تلاش کے لئے حضرت مسیح آئے تھے اور جن کو جناب مسیح نے صلیبی واقعہ کے بعد ہجرت کرکے آخر افغانستان اور کشمیر میں پالیا اور انہی کی تلقین وہدایت میں آپ نے باقی عمر بسر کی۔ اور جیسا کہ حدیثوں میں ہے آپ نے ۱۲۵ سال کی لمبی عمر پائی اور آخر سرینگر میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے چنانچہ وہ قبر محلہ خان یار میں اب تک موجود ہے۔ اور یوز آسف نبی اور عیسیٰ صاحب کی قبر سے موسوم ہے۔ آپ نے اس کتاب میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس پر بحث فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یوز آسف نبی اور عیسیٰ صاحب کے نام والی قبر سوائے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے اور کسی کی قبر نہیں ہوسکتی[1] اس علمی اور محققانہ بحث کو جس کسی نے پڑھنا ہو وہ کتاب "مسیح ہندوستان میں" پڑھ لے۔ لیکن آپ نے اس کتاب کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا کہ اس راستہ کی بھی تحقیقات کی جائے جس راستہ سے حضرت مسیح ہندوستان میں تشریف لائے تھے بعض تاریخی روایات کی بنا پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیبی واقعہ کے بعد جب حضرت مسیح نے فلسطین سے ہجرت کی تو نصیبین میں سے جو عراق کا ایک شہر ہے ہوتے ہوئے آپ کشمیر تشریف لائے اور رستہ میں ملک افغانستان میں آپ نے کوہ لغمان پر قیام فرمایا تھا۔ جہاں ابھی تک نبی کا چبوترہ آپ کی یادگار میں موجود ہے۔ پس حضرت مرزا صاحب نے تجویز فرمایا کہ ایک وفد تین آدمی پر مشتمل بسرکردگی مرزا خدا بخش صاحب مصنف کتاب عسل مصفّٰی "نصیبین بھیجا جائے۔ اس کیلئے چونکہ روپے کی ضرورت تھی اس لئے آپ نے ۴۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار "الاشتہار الانصار" کے نام سے شائع فرمایا جس میں آپ نے مہمانخانہ اور تصنیفات وتالیفات کے اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے

[1] سری نگر کی اس قبر کے متعلق الحکم ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں "ایک اسرائیلی عالم توریت کی شہادت دربارہ قبر مسیح" کے عنوان سے ایک تحریر شائع ہوئی جو سلمان یوسف یسحاق تاجر نے ۱۲۔ جون ۱۸۹۹ء کو لکھکر دی تھی:۔

"میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے دیکھا ایک نقشہ پاس مرزا غلام احمد قادیانی کے اور تحقیق وہ صحیح ہے قبر بنی اسرائیل کی قبروں میں سے۔ اور وہ ہے بنی اسرائیل کے اکابر کی قبروں میں سے۔ میں نے دیکھا یہ نقشہ آج کے دن جب لکھی میں نے یہ شہادت ماہ انگریزی جون ۱۲ ۱۸۹۹ء۔ دستخط سلمان یوسف یسحاق"

اس شہادت پر دو گواہیاں بھی ثبت تھیں۔ ایک مفتی محمد صادق صاحب کی۔ دوسری سید عبداللہ صاحب بغدادی کی۔

ان تمام احباب کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جو خدمت دین میں آپ کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔ اور دیگر احباب کو بھی ان اخراجات میں مدد دینے کیلئے تحریک فرمائی ہے۔ اس کے بعد نصیبین کے اس سفر کے لئے چندہ کی تحریک فرماتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

"تیسری شاخ اخراجات کی جس کی ضرورت مجھے حال میں پیش آئی ہے جو نہایت ضروری بلکہ اشد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ میں تثلیث کی خرابیوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے یہ دردناک نظارہ کہ ایسے لوگ دنیا میں چالیس کروڑ سے بھی کچھ زیادہ پائے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ رکھا ہے۔ میرے دل پر اسقدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ میں گمان نہیں کر سکتا کہ مجھ پر میری تمام زندگی میں اس سے بڑھکر کوئی غم گزرا ہو۔ بلکہ اگر ہم و غم سے مرنا میرے لئے ممکن ہوتا تو یہ غم مجھے ہلاک کر دیتا کہ کیوں یہ لوگ خدائے واحد لاشریک کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کی پرستش کر رہے ہیں اور کیوں یہ لوگ اُس نبیؑ پر ایمان نہیں لاتے جو سچی ہدایت اور راہ راست لیکر دنیا میں آیا ہے۔ ہر ایک وقت مجھے یہ اندیشہ رہا ہے کہ اس غم کے صدمات سے میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ دقت تھی کہ رسمی مباحثات ان لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کرتے اور پرانے مشرکانہ خیالات اس قدر دل پر غالب آگئے ہیں کہ ہیئت اور فلسفہ اور طبعی پڑھکر ڈوبے بیٹھے ہیں۔ اور ان کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک اسّی برس کا بڈھا ہندو ہر چند دل میں تو خوب جانتا ہے کہ گنگا صرف ایک پانی ہے جو کسی کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتا اور نہ ضرر کر سکتا ہے تب بھی وہ اس بات کے کہنے سے باز نہیں آتا کہ گنگا مائی میں بڑی بڑی ست اور طاقتیں ہیں اور اس پر دلیل پوچھی جائے تو کوئی بھی دلیل بیان نہیں کر سکتا۔ تاہم منہ سے یہ کہتا ہے کہ اس کی شکتی کی دلیل میرے دل میں ہے جس کے الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے۔ مگر وہ کیا دلیل ہے۔ صرف پرانے خیالات جو دل میں جمے ہوئے ہیں۔ یہی حالات ان لوگوں کے ہیں۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک زمانہ گزر گیا کہ میرے پنجوقت کی یہی دعائیں ہیں کہ خدا ان لوگوں کو آنکھ بخشے اور وہ اس کی وحدانیت پر ایمان لاویں۔ اور اس کے رسولؐ کو شناخت کر لیں اور تثلیث کے عقیدہ سے توبہ کریں۔ چنانچہ ان دعاؤں کا یہ اثر ہوا ہے کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر گئے۔ بلکہ صلیب سے نجات پاکر اور پھر مریم عیسیٰ

سے صلیبی زخموں سے شفا حاصل کر کے نصیبین کی راہ سے افغانستان میں آئے۔ اور افغانستان سے کوہ لغمان میں گئے۔ اور وہاں اس مقام میں ایک مدت تک رہے جہاں شہزادہ نبی کا ایک چبوترہ کہلاتا ہے جو اب تک موجود ہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں آئے اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے آخر کشمیر میں گئے۔ اور ایک سو پچیس ۱۲۵ برس کی عمر پا کر کشمیر میں ہی فوت ہو گئے اور سرینگر خان یار کے محلہ کے قریب دفن کئے گئے۔ اور میں اس تحقیقات کے متعلق ایک کتاب تالیف کر رہا ہوں جس کا نام ہے "مسیح ہندوستان میں"۔ چنانچہ میں نے اس تحقیق کے لئے مخلصی مجی خلیفہ نور الدین صاحب کو جن کا ابھی ذکر کر آیا ہوں کشمیر میں بھیجا تھا تا وہ موقعہ پر حضرت مسیح کی قبر کی پوری تحقیقات کریں۔ چنانچہ وہ قریباً چار ماہ کشمیر میں رہکر اور ہر ایک پہلو سے تحقیقات کر کے اور موقعہ پر قبر کا ایک نقشہ بنا کر اور پانسو چھپن ۵۵۶ آدمیوں کی اس پر تصدیق کرا کر کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جس کو عام لوگ شہزادہ نبی کی قبر اور بعض یوز آسف نبی کی قبر اور بعض عیسیٰ صاحب کی قبر کہتے ہیں۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو واپس میرے پاس پہنچ گئے۔ سو کشمیر کا مسئلہ تو خاطر خواہ فیصلہ پا گیا اور پانسو چھپن ۵۵۶ شہادت سے ثابت ہو گیا کہ درحقیقت یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے کہ جو سرینگر محلہ خان یار کے قریب موجود ہے۔ لیکن اب ایک اور خیال باقی ہے کہ اگر پورا ہو جائے تو نور علیٰ نور ہو گا۔ اور وہ دو باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ میں نے سنا ہے کہ کوہ لغمان میں جو شہزادہ نبی کا چبوترہ ہے اس کے نام ریاست کابل میں کچھ جاگیر مقرر ہے۔ لہذا اس غرض کے لئے بعض احباب کا کوہ لغمان میں جانا اور بعض احباب کا کابل میں جانا اور جاگیر کے کاغذات کی ریاست کے دفتر سے نقل لینا فائدہ سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افغانستان کی طرف نصیبین کی راہ سے آئے تھے۔ اور کتاب روضۃ الصفا سے پایا جاتا ہے کہ اس فتنہ صلیب کے وقت نصیبین کے بادشاہ نے حضرت مسیح کو بلایا تھا۔ اور ایک انگریز اس پر گواہی دیتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح کو اُس کا خط آیا تھا۔ بلکہ وہ خط بھی اس انگریز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس صورت میں یہ یقینی امر ہے کہ نصیبین میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس سفر کی اب تک کچھ یادگار قائم ہو گی۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ وہاں بعض کتبے بھی پائے جائیں یا آپ کے بعض حواریوں کی وہاں قبریں ہوں جو شہرت پا چکی ہوں

لہذا میرے نزدیک یہ قرین مصلحت قرار پایا ہے کہ تین دانشمند اور اولوالعزم آدمی اپنی جماعت میں سے **نصیبین** بھیجے جائیں۔"

اس اشتہار کے نکلنے پر اکثر احباب نے بڑی دریا دلی سے چندے دیئے۔ چنانچہ آپ نے پھر ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ایک اور اشتہار "جلسۃ الوداع" کے عنوان سے شائع فرمایا جس میں مرزا خدا بخش صاحب اور ان کے دو نو ساتھیوں کے لئے جو نصیبین جا رہے تھے ایک الوداعی جلسہ کی تجویز فرمائی اور ۱۲۔ نومبر ۱۸۹۹ء اس کے لئے تاریخ مقرر کر کے دوستوں کو اطلاع دی کہ وہ تاریخ مقررہ پر جمع ہو کر ان دوستوں کو دعا کے ساتھ رخصت کریں۔

فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ ان دنوں فونوگراف کی نئی نئی ایجاد ہوئی تھی اور لوگ اسے بہت شوق سے سنتے تھے۔ نواب محمد علی خاں آف مالیر کوٹلہ ایک فونوگراف خرید کر قادیان لائے اور ساتھ ہی اس میں آواز بھرنے کا سامان بھی لائے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی قرآن بہت عجیب پڑھتے تھے اُن سے سورۃ الانبیاء کا آخری رکوع پڑھوا کر اس میں بھرا اور حضرت اقدس کو سنایا۔ آپ بہت محظوظ ہوئے۔ قادیان کے آریوں نے بھی سنا کہ فونوگراف آیا ہے۔ چونکہ اس وقت وہ ایک اعجوبہ چیز سمجھی جاتی تھی۔ ان آریوں نے لالہ شرمپت رائے کی معرفت حضرت اقدس سے درخواست کی کہ ہم بھی فونوگراف سننا چاہتے ہیں۔ حضرت اقدس نے انہیں اطلاع دیدی کہ بڑی خوشی سے آکر سُنیں۔ لیکن ساتھ ہی مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ "تم تو فونوگراف سنانا سنانا جبتک کہ اُس سے کوئی مفید کام نہ لیا جائے تضییع اوقات سمجھتے ہیں کیوں نہ فونوگراف کے ذریعہ ان آریوں کو تبلیغ کی جائے"۔ اس تجویز کے ساتھ آپ نے چند اشعار لکھے اور مولوی عبدالکریم صاحب کو دیئے کہ آپ انہیں خوش الحانی کے ساتھ پڑھ کر فونوگراف میں بھر دیں۔ چونکہ بھرنے کا بھی سامان ساتھ تھا اس لئے یہ اشعار اور حضرت اقدس کی دو اور نظمیں بھی فونوگراف میں بھر دی گئیں۔ آریے آئے۔ جن میں لالہ شرمپت رائے اور سکرٹری آریہ سماج قادیان اور دیگر ہندو شامل تھے۔ اور بڑے شوق سے بیٹھ کر فونوگراف سننے لگے۔ لیکن جو کچھ سُنا بس سناٹے میں آگئے۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ پہلے تو حضرت اقدس کی فارسی نظم فونوگراف نے سنائی جو اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ؎

بدہ از چشم خود آبے درختان محبت را ✤ مگر رونے بہندت میوہ ہائے پُر حلاوت را

اس کے بعد وہ فی البدیہہ نظم فونوگراف نے سنائی جسے حضرت اقدس نے اس تقریب کیلئے تیار کیا تھا

اس میں سے چند اشعار میں یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

وہ دیں ہی کیا ہے جسمیں خدا سے نشاں نہ ہو
تائیدِ حق نہ ہو مددِ آسماں نہ ہو

مذہب بھی ایک کھیل ہے جبتک یقیں نہیں
جو نور سے نہی ہے خدا سے وہ دیں نہیں

دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے

دینِ خدا وہی ہے جو ہے وہ خدا نما
کس کام کا وہ دیں جو نہ ہو دے گرہ کشا

وہ لوگ جو کہ معرفتِ حق میں خام ہیں
بُت ترک کر کے پھر بھی بتوں کے غلام ہیں

اس کے بعد فونوگراف نے حضرت مرزا صاحب کی مشہور نعت "عجب نوریست در جانِ محمدؐ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ" سنائی۔ پھر قرآن شریف مولوی عبدالکریم صاحب کا پڑھا ہوا سنایا گیا۔ غرضکہ فونوگراف کے ذریعہ آریوں کو خوب تبلیغ کی گئی۔ اُس وقت یہ طریق تبلیغ کچھ ایسا پسند آیا کہ حضرت اقدس نے تجویز فرمایا کہ نصیبین کو جو وفد جائے گا ہمارے عربی لٹریچر کے علاوہ وہ اپنے ساتھ ایک فونوگراف بھی لیتے جاویں جس میں ہم اپنے دعوے کے متعلق اپنی تقریر عربی میں بند کر دیں گے تا وہ اس ملک عراق میں سنائی جاسکے گویا وہاں کے لوگ اس طرح خود ہماری زبانی ہمارا پیغام سُن سکیں گے۔ اور مسیح کے جو ایک معنے سیاحت کرنے والے کے بھی ہیں۔ کیا عجب ہے کہ وہ اسی رنگ میں پورے ہو جائیں۔

وفد کا جانا ملتوی ہوگیا لیکن افسوس ہے کہ نصیبین اور کوہ لبنان تک جانے میں بعض ایسی مشکلات کا پتہ لگا جن کی وجہ سے اس وفد کا جانا ملتوی ہوگیا اور اسی وجہ سے آپ کی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" اگرچہ بہت حد تک لکھی جا چکی تھی اور اُس کا مسودہ تیار تھا۔ مگر اسی نئی تحقیقات کی خاطر اشاعت سے روک لی گئی یہاں تک کہ ۱۹۰۸ء میں حضرت مرزا صاحب کی وفات ہوگئی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ کتاب شائع ہوئی۔

۱۸۹۹ء کے بعض اشتہارات و خطوط

ایک الہامی پیشگوئی کا اشتہار حضرت مرزا صاحب نے ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار "ایک الہامی پیشگوئی کا اشتہار" کے عنوان سے شائع فرمایا جس میں اعلان کیا کہ ۱۴۔ ستمبر ۱۸۹۹ء کو آپ کو یہ الہام ہوا "ایک عزّت کا خطاب۔ ایک عزت کا خطاب۔ لک خطاب العزّۃ۔ ایک بڑا نشان اسکے ساتھ ہوگا" اس الہام کی تشریح میں آپ نے تحریر فرمایا کہ خدا کا کسی کو خطاب دینا بیمعنی نہیں ہوا کرتا۔ جیسا کہ دنیا کی حکومتیں کسی

کو خان بہادر کا خطاب دیدیتی ہیں خواہ وہ کیسا ہی بزدل کیوں نہ ہو۔ اس لئے کوئی ایسا نشان ظاہر ہونیوالا ہے جس میں خدا کی طرف سے کوئی عزّت کا نشان ظاہر ہوگا۔ اس کے بعد آپنے ایک رویا بھی لکھی جس سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا تھا۔ اس الہام اور رویا سے اجتہاداً جو مطلب آپ نے سمجھا وہ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"لہذا میں اپنے اجتہاد سے اس کے یہ معنے سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے جو کسی حد تک پُرانا ہوگیا ہے۔ اور حد سے زیادہ تکذیب اور تکفیر ہوچکی ہے کوئی ایسا برکت اور رحمت اور فضل اور صلحکاری کا نشان ظاہر کرے گا کہ وہ انسانی ہاتھوں سے برتر اور پاک تر ہوگا"

آسمانی فیصلہ کے لئے دعا اس کے بعد حضرت مرزا صاحب نے ۵۔ نومبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "اس عاجز غلام احمد قادیانی کی آسمانی گواہی طلب کرنے کیلئے ایک دعا اور حضرت عزّت سے اپنی نسبت فیصلہ کی درخواست" اس اشتہار میں نہایت درد دل اور عجز و الحاح سے جناب باری سے دعا فرمائی ہے اور اپنے لئے ایک آسمانی فیصلہ چاہا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

"مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے تیرا فیصلہ منظور ہے۔ پس اگر تو تین برس کے اندر جو جنوری ۱۹۰۰ء سے شروع ہوکر دسمبر ۱۹۰۲ء تک پورے ہوجائیں گے۔ میری تائید میں اور میری تصدیق میں کوئی آسمانی نشان نہ دکھلاوے اور اپنے اس بندہ کو اُن لوگوں کی طرح رد کردے جو تیری نظر میں شریر اور مفسد اور بے دین اور کذاب اور دجال اور خائن اور مفسد ہیں تو میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں اپنے تئیں صادق نہیں سمجھوں گا" الخ

جماعت کے لئے اطلاع اور اسی تاریخ کو ایک اشتہار جماعت کے نام بھی شائع کیا جس کا عنوان تھا "اپنی جماعت کے لئے اطلاع" اس اشتہار میں جماعت کو تلقین کی تھی کہ وہ تقویٰ و طہارت اور استغفار و دعا سے کام لیں۔ اور لوگوں کی سختی اور گالیوں کے مقابلہ میں صبر سے کام لیں۔ اور گالی کا جواب گالی سے نہ دیں بلکہ حلم اور صبر سے کام لیکر ایک پاک نمونہ دکھاویں تا خدا اپنی نصرت سے اُن میں اور ان کے غیروں میں ایک امتیاز قائم کرکے دکھادے +

حسین کامی کی خیانت کا ظاہر ہونا جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں ترکی قونصل حسین کامی کی بددیانتی طشت از بام ہوکر آخر کار اس کی سخت ذلّت کا باعث ہوئی۔ اور حضرت مرزا صاحب نے اس کی نسبت جو پیشگوئی اشتہار ۲۰ مئی ۱۸۹۷ء اور اشتہار ۲۵۔ جون ۱۸۹۷ء میں کی تھی آخر وہ نہایت صفائی سے

پوری ہوئی جسین کامی کی بددیانتی کی بابت خبر سب سے پہلے اخبار نیر آصفی مدراس مؤرخہ ۲۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے اس خبر کو بیکار ۱۸۔ نومبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے شائع کیا اور اپنی پیشگوئی کے پورا ہونے کا اعلان کیا۔ اسکی تفصیل چونکہ ترکی قوتصل کے ذکر میں بیان کر آیا ہوں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں +

ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا الخ

مسٹر ڈوئی کے فیصلہ سے اور معاہدہ پر دستخط کروانیسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی جو تذلیل ہوئی تھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ مگر بایں ہمہ بٹالوی صاحب کے بعض چیلوں چانٹوں نے یہ مشہور کیا کہ اس میں مولوی محمد حسین کی کوئی تذلیل نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے ۱۷۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ جس کا عنوان تھا "ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا اور نیز ان لوگوں کا جواب جنہوں نے نافہمی سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے انکار کیا ہے" مولوی محمد حسین بٹالوی کی مختلف قسم کی ذلتوں کے قصہ کو نہایت تشریح سے شائع فرمایا۔ اور اس پیشگوئی کے نہایت صفائی سے پورا ہونے کی خوب وضاحت کی جس سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی ذلت جو اب تک بعض پر عیاں اور اکثر سے نہاں تھی سب پر عیاں ہوگئی +

جنگ ٹرنسوال

۱۸۹۹ء کے آخر میں انگریزی کی ٹرانسوال کے آبادکاروں سے جنگ چھڑ گئی جو ۱۹۰۲ء تک جاری رہی۔ اس جنگ کے زخمیوں کی امداد کے لئے حکومت کے ایما پر ہندوستان سے چندہ جمع ہوا۔ اور ہر ایک سوسائٹی نے اس میں حصہ لیا۔ اس لئے ۲۔ فروری ۱۹۰۰ء کو عید الفطر کے موقعہ پر آپ نے اپنی جماعت کو اعلان کیا کہ وہ بھی زخمیوں کی امداد کیلئے چندہ دیں۔ چنانچہ ۱۔ فروری ۱۹۰۰ء کو بذریعہ اشتہار بھی اس کا اعلان کر دیا گیا +

مسئلہ نبوت پر ایک فیصلہ کن خط

کسی شخص نے آپ کے دعوے کے متعلق سوال کیا کہ علماء مکفرین جو آپ کی طرف دعوئی نبوت منسوب کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا ان کی افترا پردازی ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے اگست ۱۸۹۹ء کو اپنی قلم سے جو خط تحریر فرمایا وہ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء کے اخبار "الحکم" ۲۹ جلد ۳۳ میں شائع ہوا۔ میں اس خط کو بتمامہ یہاں نقل کر دیتا ہوں تا اصل حقیقت پر روشنی پڑ سکے۔ وھو ہذا:۔

"محبی عزیزی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے جیسا کہ یہ الہام ہوا ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق اور

جیسا کہ یہ الہام ہوا جری اللہ فی حلل الانبیاء اور جیسا کہ یہ الہام ہوا۔ دنیا میں ایک[1] نبی آیا مگر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزر جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر دنیا میں آئے ہیں۔ اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بناویں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہئے۔ اور اسلام سے محبت سچی رکھنی چاہئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہئے۔ ہم خادم دین اسلام ہیں۔ اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پاکر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا۔ سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے۔ اور

---

[1] ایک قرأت اس الہام میں یہ بھی ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ اور یہی قرأت براہین میں درج ہے۔ اور فتنہ سے بچنے کے لئے یہ دوسری قرأت درج نہیں کی گئی۔ (منہ)

براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس جگہ بھی یہی معنی نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ بالمقابل نہیں۔ اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افترا کرتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریمؐ کے ذریعہ فیض و برکات پاتے ہیں اور قرآن کے ذریعہ سے ہمیں فیض معارف ملتا ہے۔ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہوگا۔ اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابل مواخذہ ہے زیادہ خیریت والسلام۔ مؤرخہ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء"

عربی سیکھنے کیلئے حضرت مرزا صاحب کی ہدایت

مسلمان کے لئے عربی سیکھنا آپ ضروری سمجھتے تھے

حضرت اقدس مرزا صاحب کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ مسلمان بالعموم اور آپ کی جماعت کے لوگ بالخصوص عربی سیکھیں تاکہ اپنی مذہبی زبان سے مسلمان بیگانہ نہ ہو جائیں اور چونکہ قرآن کریم عربی میں ہے۔ اس لئے بغیر عربی زبان سیکھے ہوئے اس کے معارف و حقائق پر کما حقہ عبور نہیں ہو سکتا۔ اسلئے آپ اکثر اپنے احباب کو عربی سیکھنے کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح آجکل دنیا میں ملازمت تجارت وغیرہ کرنے کے لئے انگریزی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اپنے مذہب کو کما حقہ سمجھنے اور اس کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنے کے لئے ایک مسلمان کے واسطے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان سیکھے۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر ۱۸۹۹ء کے آخر میں متعدد احباب نے جن میں بعض بڑی عمر کے بھی تھے۔ عربی پڑھنی شروع کر دی اور بہت جلد خاصے عربی دان بن گئے۔ ایک مرتبہ خاکسار مؤلف قادیان گیا تو ایک سکھ نومسلم کو دیکھا جسے ابھی مسلمان ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس نے ایک پیدائشی مسلمان کو عربی کی غلطی پر ٹوکا۔ مجھے بہت لطف آیا کہ کجا ایک سکھ اور کجا عربی کا علم۔ مگر یہ سب اسلام اور امام کا فیض تھا۔ اُن دنوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قادیان کی فضا مذہبی علوم اور زبان عربی سے معمور ہو رہی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کا ہائی اسکول بننا

ہائی اسکول کا قیام

اب تک مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان فقط مڈل اسکول تھا۔ مگر یکم فروری ۱۹۰۰ء سے وہ ہائی اسکول بنا دیا گیا۔ اس وقت اسکول کی مذہبی حالت بہت اچھی تھی۔ نیز طلباء مدرسہ کیلئے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس قرآن میں شمولیت نہایت ضروری تھی جس سے مذہب اسلام کے متعلق علم ترقی کرتا تھا۔ مارچ ۱۹۰۰ء میں یہ تجویز بھی کی گئی کہ اس مدرسہ کی ایک جدید شاخ دینیات کی بھی کھولی جائے۔

جامع مسجد قادیان کی توسیع

انہی ایام میں جامع مسجد قادیان کی توسیع کی گئی اور اس کے لئے چندہ کی تحریک بھی کی گئی۔

مسجد مبارک کے رستہ میں مخالفین کی طرف سے دیوار کا کھڑا کیا جانا اور مقدمہ ہدم دیوار

آپ کے شرکاء کی فتنہ انگیزیاں

میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ امام الدین اور نظام الدین جو حضرت اقدس مرزا صاحب کے چچا زاد بھائی اور شریک تھے آپ سے سخت عداوت رکھتے تھے اور رات دن حسد اور بغض میں جلتے رہتے تھے جسقدر آپ کو دینداری میں شغف تھا اُنہیں بے دینی میں کمال تھا۔ اور امام الدین تو خطرناک دہریہ تھا۔ قادیان میں زمین کچھ تو شاملات کی تھی اور کچھ حضرت اقدس کی اپنی ملکیت تھی۔ شاملات میں جو زمین مشترک ملکیت کی تھی اُس سے فائدہ اُٹھانے کا حالانکہ سب مالکوں کو حق تھا مگر یہ لوگ حضرت اقدس کو فائدہ اُٹھانے نہ دیتے۔ اور جب کبھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ پیدا ہوتا تو یہ لوگ اس میں مزاحمت کرتے اور طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے۔ مثلاً ایک کنواں مشترک تھا جس سے پانی لینے کے سب حقدار تھے لیکن حضرت مرزا صاحب کے آدمی یا آپ کی جماعت کا کوئی فرد اس سے پانی بھرتا تو یہ لوگ طرح طرح کے آوازے کستے۔ گالیاں دیتے۔ بدمعاشوں کو مقرر کرتے کہ وہ کوئی فساد کی صورت پیدا کریں۔ قادیان کے گرد جو ڈھاب (خندق) تھی وہ سب کی مشترک ملکیت تھی۔ اس میں سے مٹی لینے کا سب کو حق تھا لیکن اگر حضرت اقدس کی اجازت سے آپ کی جماعت کا کوئی فرد اُس سے مٹی لیتا تو یہ لوگ بدمعاشوں کو اکسا کر مار پیٹ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے اور اُن کے پھاوڑے

اور کدالیں چھین کر لیجاتے۔ اور جب پولیس میں رپورٹ کی جاتی تو حضرت اقدس سے معافی مانگ کر بچ جاتے۔ حضرت اقدس نہایت رحیم کریم انسان تھے۔ کوئی معافی مانگتا تو حضرت باوجود خود مظلوم ہونے کے اس ظالم کے سامنے حیا اور مروّت کی وجہ سے آنکھیں نیچی کر لیتے۔ اور معاف کر دیتے حضرت کی جماعت بڑھ رہی تھی اور جو لوگ ہجرت کر کے قادیان آتے آپ انہیں مکان بنانے کیلئے اپنی ملکیت کی زمین تو مفت دیدیتے لیکن تعمیر مکان کے وقت جہاں ڈھاب میں سے مٹی کسی نے لی اور اس کی شامت آئی۔ فوراً امام الدین نظام الدین پہنچے اور فساد کر کے پھاوڑے کدالیں چھین کر لے گئے۔

مسجد کے رستہ میں دیوار کا کھڑا کیا جانا

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ڈھاب میں سے اسی طرح مٹی لے لی گئی اور یہ دونو ظالم موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو شور کر بہت بگڑے۔ ایذا دہی اور تنگ کرنا تو ان کا کام ہی تھا۔ سوچ سوچ کر ایک نئی ترکیب ایذا دہی کی یہ نکالی کہ ۷۔ جنوری ۱۹۰۰ء کو ایک دیوار مسجد مبارک کے رستہ کے سامنے کھڑی کر دی کہ یہ ہماری زمین ہے پس ہم کسی کو اس پر سے گزرنے نہیں دیں گے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ ایک تو وہیں حضرت اقدس کے مہمانوں کے یکّے آ کر کھڑے ہوتے تھے وہ رُک گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسجد مبارک کو جو دراصل حضرت اقدس کے مکان کے ایک حصّہ میں ہی تھی جو رستہ مہمانخانہ اور جماعت کے محلّہ کی طرف سے آتا تھا رُک گیا اور لوگوں کو مسجد آنے میں سخت تکلیف ہونے لگی یعنی اب اُنہیں بہت بڑا چکّر لگا کر بازار کی طرف سے ہو کر آنا پڑتا تھا۔ اور وہ لمبا رستہ پتھریلا اور بہت بُرا تھا۔ حضرت اقدس فتنہ و فساد سے بہت گھبراتے تھے۔ آپ نے پہلے تو آدمی درمیان میں ڈال کر صلح و مدارات سے معاملہ طے کرنا چاہا۔

یہاں چودھری حاکم علی صاحب کی زبان سے مَیں اس واقعہ کو قلمبند کرتا ہوں جو سیرۃ المہدی حصّہ اوّل میں ہے:۔

"جب مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین مسجد مبارک کا رستہ دیوار کھینچکر بند کرنے لگے تو حضرت صاحب نے چند آدمیوں کو جن میں مَیں بھی تھا فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور بڑی نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ راستہ بند نہ کریں اس سے میرے مہمانوں کو بہت تکلیف ہوگی۔ اور اگر چاہیں تو میری کوئی اور جگہ دیکھ کر بیشک قبضہ کر لیں۔ اور حضرت صاحب نے تاکید کی کہ کوئی سخت لفظ نہ استعمال کیا جاوے۔ چودھری صاحب کہتے ہیں ہم گئے تو آگے دو نومزے مجلس لگائے بیٹھے تھے اور حُقّے کا دَور چل رہا تھا۔ ہم نے جا کر حضرت صاحب کا پیغام دیا اور بڑی نرمی سے بات شروع کی۔ لیکن مرزا امام الدین نے سنتے ہی غصّہ سے کہا وہ (یعنی حضرت صاحب) خود

کیوں نہیں آیا اور مَیں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں۔ پھر طعن سے کہا کہ جب سے آسمانوں سے حجی آنی شروع ہوئی ہے اس وقت سے اسے خبر نہیں کیا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چودھری صاحب کہتے ہیں ہم لوگ اپنا سا منہ لیکر واپس آ گئے۔ پھر حضرت صاحب نے ہمارے ساتھ اور بعض مہمانوں کو ملا دیا۔ اور کہا کہ ڈپٹی کمشنر کے پاس جاؤ اور اس سے جا کر ساری حالت بیان کرو۔ اور کہو کہ ہم لوگ دُور دراز سے دین کی خاطر یہاں آتے ہیں اور یہ ایک ایسا فعل کیا جا رہا ہے جس سے ہم کو بہت تکلیف ہو گی کیونکہ مسجد کا رستہ بند ہو جائیگا۔ ان دنوں میں قادیان کے قریب ایک گاؤں میں کوئی سخت واردات ہو گئی تھی۔ اور ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس سب وہاں آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں گئے۔ اور ذرا دُور یکے ٹھیرا کر آگے بڑھے ڈپٹی کمشنر اس وقت باہر میدان میں کپتان کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے نہایت غصّہ کے لہجہ میں کہا کہ تم بہت سے آدمی جمع ہو کر مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ مَیں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں اور مَیں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے۔ اور مَیں تمہاری باتوں سے ناواقف نہیں اور مَیں اب جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں۔ اور تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح ایسی جماعت بنایا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ ہم ناچار وہاں سے بھی ناکام واپس آ گئے اور حضرت صاحب کو سارا ماجرا سنایا چودھری صاحب کہتے ہیں کہ ان دنوں میں مخالفت کا سخت زور تھا۔ اور انگریز حکام بھی جماعت پر بہت بدظن تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سازش کیلئے سیاسی جماعت بن رہی ہے، اور بٹالہ میں اُن دنوں پولیس کے افسر بھی سخت معاند و مخالف تھے اور طرح طرح سے تکلیف دیتے رہتے تھے۔ اور قادیان کے اندر بھی مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین وغیرہ اور ان کی انگیخت سے قادیان کے ہندو اور سکھ اور غیر احمدی سخت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے۔ اور قادیان میں احمدیوں کو سخت ذلّت اور تکلیف سے رہنا پڑتا تھا۔ اور ان دنوں میں قادیان میں احمدیوں کی تعداد بھی معمولی تھی۔ اور احمدی سوائے حضرت کے خاندان کے قریباً سب ایسے تھے جو باہر سے دین کی خاطر ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے یا مہمان ہوتے تھے۔ حضرت صاحب نے یہ حالات دیکھے اور جماعت کی تکلیف کا مشاہدہ کیا تو جماعت کے آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور کہا کہ اب یہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا

مشکل ہوگیا ہے اور ہم نے تو کام کرنا ہے۔ یہاں نہیں تو کہیں اور سہی۔ اور ہجرت بھی انبیاء کی سنت ہے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ اس پر پہلے حضرت خلیفہ اوّل (یعنی۔ مولانا نورالدین صاحب۔ ناقل) نے عرض کیا کہ حضور بھیرہ تشریف لے چلیں وہاں میرے مکانات حاضر ہیں۔ اور کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے سیالکوٹ کی دعوت دی۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ لاہور میرے پاس تشریف لے چلیں..... آخر میں نے بھی کہا کہ حضور میرے گاؤں میں تشریف لے چلیں اور وہ سالم گاؤں ہمارا ہے اور کسی کا دخل نہیں۔ اور اپنے مکان موجود ہیں..... حضرت صاحب نے پوچھا وہاں ضروریات مل جاتی ہیں۔ میں نے کہا رسد وغیرہ سب گھر کی اپنی کافی ہوتی ہے اور ویسے وہاں سے ایک قصبہ تھوڑے فاصلہ پر ہے جہاں سے ہر قسم کی ضروریات مل سکتی ہیں۔ حضرت صاحب نے کہا کہ اچھا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ جہاں اللہ لے جائیگا وہیں جائیں گے (اب میاں بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ ناقل) خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ ۱۸۸۷ء میں بھی حضرت صاحب نے قادیان چھوڑ کر کہیں باہر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب شحنۂ حق میں اس کا تذکرہ لکھا ہے۔" [۱]

قصّہ کوتاہ یہ کہ جب امام الدین راضی نہ ہوا اور ڈپٹی کمشنر نے بھی کوئی شنوائی نہ کی بلکہ آنکھیں دکھائیں تو ناچار ہو کر شیخ غلام بخش ڈسٹرکٹ جج گورداسپور کی عدالت میں دیوانی مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ قاعدہ ہے کہ دیوانی مقدمات بہت طول کھینچتے ہیں۔ کچھ تو معاملہ کو صلح و صفائی سے طے کرنے کی کوشش میں وقت لگا اور کچھ دیوانی کے مقدمات کی طوالت نے وقت لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا سال ۱۹۰۰ء کا گزر گیا اور آٹھ مہینے ۱۹۰۱ء کے بھی گزر گئے تب جا کر ۱۲۔ تاریخ اگست ۱۹۰۱ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور ۲۰۔ اگست ۱۹۰۱ء کو وہ دیوار انہی ظالموں کے ہاتھ سے عدالت کے حکم سے گروائی گئی۔ اس

[۱] بات یہ بھی کہ حضرت اقدس کو الہام ہو چکا تھا "داغ ہجرت" اس لئے آپ کو بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت قادیان چھوڑنا پڑ جائے۔ اس لئے جماعت کو جب کبھی بھی تکلیف میں دیکھتے تو خیال ہوتا کہ شاید یہی وہ موقعہ ہو جب قادیان سے ہجرت کرنی پڑے لیکن علم الٰہی میں تو یہ وقت روحانی طور پر آپ کی وفات کے چھ برس بعد پیش آنیوالا تھا جب آپ کا مشن تبلیغ و خدمت اسلام کا قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آگیا۔ جس طرح قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں دیکھی تھیں وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں آئیں اور اس طرح یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اسی طرح "داغ ہجرت" کا الہام مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ پورا ہوا جب وہ قادیان سے ہجرت کر کے لاہور چلے آئے۔ درحقیقت اس الہام کا مطلب یہی تھا کہ آپ کی یہ ہجرت روحانی طور پر ہوگی یعنی آپکا تبلیغ و اشاعت اسلام کا مشن قادیان سے ہجرت کر جائے گا جیسا کہ وقوع میں آیا۔ اور آپکا تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام قادیان سے لاہور میں منتقل ہو گیا۔ (ناقل)

مقدمہ کے دوران میں ایک مرتبہ حضرت اقدس کو گورداسپور بھی جانا پڑا۔ اس کا ذکر بھی سن لو۔

سفر گورداسپور ۱۵۔ جولائی ۱۹۰۱ء کی صبح کو آپ قادیان سے روانہ ہوئے اور ۳ بجے دن کو گورداسپور پہنچ گئے اور مولوی محمد علی صاحب کی تجویز کے مطابق منشی بنی بخش صاحب رئیس گورداسپور کے عالیشان مکان میں قیام فرمایا۔ مقدمہ کے متعلق گفتگو کے دوران میں کسی نے کہا کہ فریق مخالف کے ساتھ سب غیر مذاہب والے لوگ شامل ہیں۔ اور ان لوگوں نے بہت بیہودہ جرح کرنیکا ارادہ کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں اس بات کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مومن کا ہاتھ اوپر ہی پڑتا ہے ید اللہ فوق ایدیھم کافروں کی تدبیر ہمیشہ اُلٹی ہو کر ان پر ہی پڑا کرتی ہے۔ مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ ذاتی عداوت اور بغض ہے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ میں ملل باطلہ کے رد اور ہلاک کرنے کیلئے مامور کیا گیا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور میں اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کرتا کہ ملل باطلہ کے رد کرنے کے لئے جس قدر جوش مجھے دیا گیا ہے میرا قلب فتویٰ دیتا ہے کہ اس تردید و ابطال ملل باطلہ کے لئے اگر تمام روئے زمین کے مسلمان ترازو کے ایک پلہ میں رکھے جاویں اور میں اکیلا ایک طرف تو میرا پلہ ہی وزن دار ہوگا۔ آریہ عیسائی اور دوسرے باطل ملتوں کے لئے جب میرا جوش اس قدر ہے پھر اگر ان لوگوں کو میرے ساتھ بغض نہ ہو تو اور کس کے ساتھ ہو۔" الخ

شام کو حضرت اقدس سیر کو تشریف لے گئے۔ باہر سے بھی بہت سے احباب آ گئے تھے۔ رات کو خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر بھی پشاور سے آ گئے جو اس مقدمہ میں آپ کے وکیل تھے۔ رات کو حضرت اقدس کو کسی قدر بخار ہو گیا اور پیچش کی تکلیف رہی۔ آپ نے تمام احباب کو جو ساتھ تھے آرام کرنے اور سو جانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کے لئے متفرق مقامات پر احباب جا کر سو رہے۔ مگر منشی عبدالعزیز صاحب اور دو تین اور دوست اسی مکان میں رہے جہاں حضرت اقدس آرام کرتے تھے۔ ساری رات حضرت اقدس ناسازیٔ طبیعت اور شدت حرارت کی وجہ سے سو نہ سکے۔ چونکہ بار بار رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اس لئے آپ بار بار اُٹھتے تھے۔ حضرت اقدس فرماتے تھے کہ میں حیران ہوں منشی عبدالعزیز صاحب ساری رات یا تو سوئے ہی نہیں اور یا اس قدر ہوشیاری سے پڑے رہے کہ ادھر میں سر اُٹھاتا تھا اُدھر منشی صاحب فوراً اٹھ کر اور لوٹا لیکر حاضر ہو جاتے تھے۔ گویا ساری رات یہ بندۂ خدا جاگتا ہی رہا۔ اور ایسا ہی دوسری رات بھی۔ پھر فرمایا کہ درحقیقت آداب مرشد اور خدمتگاری ایسی شے ہے جو مرید و مرشد میں ایک گہرا رابطہ قائم کر کے

وصول الی اللہ اور حصول مرام کا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔

عدالت میں حضرت اقدس کی پیشی ۱۶۔ جولائی ۱۹۰۱ء کو عدالت میں آپ کی پیشی تھی۔ رات بھر تکلیف میں گزارنے کے باوجود نماز فجر کے بعد سے دس بجے دن تک برابر آپ نے احباب کے درمیان وعظ و نصائح کا سلسلہ جاری رکھا۔ دس بجے آپ کچہری تشریف لے گئے۔ اور کچہری کے سامنے جو پختہ تالاب ہے اس کے جنوب اور شرقی گوشہ پر دری بچھائی گئی اور حضرت اقدس تشریف فرما ہوئے حضور کا تشریف رکھنا ہی تھا کہ ساری کچہری اُمنڈ آئی اور اس دری کے گرد ایک دیوار بن گئی۔ زائرین کا ہجوم دمبدم بڑھتا جاتا تھا کہ چند منٹ کے بعد ہی مقدمہ عدالت میں پیش ہو گیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب پیروی مقدمہ کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ پہلے دو گواہ بوڑ سنگھ اور سنت سنگھ گزرے اس کے بعد حضرت اقدس کو شہادت کیلئے عدالت میں بلایا گیا۔ اس وقت لوگوں کا عدالت کے کمرہ میں اس قدر اژدحام ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ گورداسپور کے تین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لالے گنگا رام اور مرزا ظفر اللہ خاں اور منشی عبد الشکور صاحبان بھی اپنی عدالتیں چھوڑ کر ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں حضرت اقدس کی شہادت سننے کو آن بیٹھے۔ حضرت اقدس نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنا بیان دیا۔ اس کے بعد آپ خوش خوش باہر تشریف لائے۔ نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی اور واپس فرودگاہ کو تشریف لے آئے۔ شام کو حسب معمول سیر کو نکلے تو ڈاکٹر فیض قادر صاحب نے عرض کیا کہ حضور۔ مہدی حسن تحصیلدار اور اُن کے چند دوست چاہتے ہیں کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اگر حضور اجازت دیں تو ان کو شام کو لے آویں۔ فرمایا۔ ہاں بیشک بلا لو۔ واپس آکر مغرب اور عشا کی نماز جمع کر کے پڑھی۔ بعد میں مہدی حسن صاحب تحصیلدار۔ مرزا سمر رشتہ دار ڈسٹرکٹ جج اور فیض الرحمان صاحب ٹریژری کلارک وغیرہ آ گئے۔ اُنکے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور آپ نے اپنے دعوے کے متعلق بہت بسط اور تفصیل کے ساتھ اُنہیں تبلیغ فرمائی۔

مقدمہ دیوار کا فیصلہ اس کے بعد تاریخ ۱۰۔ اگست ۱۹۰۱ء کی پڑی تھی۔ اس روز مدعا علیہم کے گواہ پیش ہو کر وکلا کی بحث بھی ختم ہو گئی۔ اور ۱۲۔ اگست ۱۹۰۱ء کو فیصلہ سُنایا گیا۔ ڈسٹرکٹ جج صاحب نے دیوار گرانے اور سفید میدان میں کسی جدید تعمیر نہ کرنے کا دوامی حکم دیا اور ایک سو روپیہ بطور ہرجانہ مدعی کو علاوہ اخراجات مقدمہ کے دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ ۱۲۔ اگست کی شام کو یہ خبر پہنچی تو حضرت اقدس نے فرمایا گویا ایک سال آٹھ ماہ کا رمضان تھا جس کی آج عید ہوئی۔

دیوار گرائی گئی ۲۰۔ اگست ۱۹۰۱ء کو چار بجے عصر کے وقت وہ دیوار اُسی بھنگی نے اپنے ہاتھ سے

گرائی جس نے اُسے کھڑا کیا تھا۔ امام الدین اور نظام الدین نے دیوار تو گرادی لیکن نہایت بیحیائی کے ساتھ ہرجانہ اور خرچۂ مقدمہ معاف کرنے کے لئے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی۔ آپ نے حالانکہ پونے دو برس کے قریب اس دیوار کی وجہ سے سخت تکلیف اُٹھائی تھی نہایت دریا دلی اور سیر چشمی سے معاف کر دیا +

مقدمہ میں خدائی نشان کا ظہور | اس مقدمہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشان ظاہر ہوا اس کا ذکر حضرت اقدس نے خود اپنی قلم سے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ اس لئے میں اُس میں سے اقتباسات عرض کرتا ہوں۔

حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹۰۰ء میں ایسا اتفاق ہوا کہ میرے چچا زاد بھائیوں میں سے امام الدین نام ایک سخت مخالف تھا۔ اُس نے یہ ایک فتنہ برپا کیا کہ ہمارے گھر کے آگے ایک دیوار کھینچ دی۔ اور ایسے موقعہ پر دیوار کھینچی کہ مسجد میں آنے جانے کا رستہ رک گیا اور جو مہمان میری نشست کی جگہ پر میرے پاس آتے تھے یا مسجد میں آتے تھے وہ بھی آنے سے رُک گئے اور مجھے اور میری جماعت کو سخت تکلیف پہنچی گویا ہم محاصرہ میں آگئے۔ ناچار دیوانی میں منشی خدا بخش صاحب ڈسٹرکٹ جج کے محکمہ میں نالش کی گئی۔ جب نالش ہو چکی تو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مقدمہ ناقابل فتح ہے۔ اور اس میں یہ مشکلات ہیں کہ بس زمین پر دیوار کھینچی گئی ہے اُس کی نسبت کسی پہلے وقت کی مثل کے رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ مدعا علیہ یعنی امام الدین قدیم سے اس کا قابض ہے۔ اور یہ زمین دراصل کسی اور شریک کی تھی جس کا نام غلام جیلانی تھا اور اُس کے قبضہ میں سے نکل گئی تھی۔ تب اُس نے امام الدین کو اس زمین کا قابض خیال کر کے گورداسپور میں بصیغہ دیوانی نالش کی تھی۔ اور بوجہ ثبوت مخالفانہ قبضہ کے وہ نالش خارج ہو گئی تھی تب سے امام الدین کا اس پر قبضہ چلا آتا ہے۔ اب اسی زمین پر امام الدین نے دیوار کھینچ دی ہے کہ یہ میری زمین ہے۔ غرض نالش کے بعد ایک پرانی مثل کے ملاحظہ سے یہ ایسا عقدۂ لاینحل ہمارے لئے پیش آگیا تھا جس سے صریح معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا دعوے خارج کیا جائے گا کیونکہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے ایک پرانی مثل سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ زمین پر قبضہ امام الدین کا ہے اس سخت مشکل کو دیکھ کر ہمارے وکیل خواجہ کمال الدین نے ہمیں یہ بھی صلاح دی تھی کہ بہتر ہوگا کہ اس مقدمہ میں صلح کی جائے یعنی امام الدین کو بطور خود کچھ روپیہ دیکر راضی کر لیا جائے۔ لہذا میں نے مجبوراً اس تجویز کو پسند کر لیا تھا مگر وہ ایسا انسان نہیں تھا جو راضی ہوتا۔ اس کو مجھ سے بلکہ دین اسلام سے ایک ذاتی بغض تھا اور اس کو پتہ لگ گیا تھا

کہ مقدمہ چلانے کا ان پر قطعاً دروازہ بند ہے۔ لہذا وہ اپنی شوخی میں اور بھی بڑھ گیا۔ آخر ہم نے اس بات کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ مگر جہاں تک ہم نے اور ہمارے وکیل نے سوچا کوئی بھی صورت کامیابی کی نہیں تھی کیونکہ پرانی مثل سے امام الدین کا ہی قبضہ ثابت ہوتا تھا۔ اور امام الدین کی یہاں تک بدنیت تھی کہ ہمارے گھر کے آگے جو صحن تھا جس میں آکر ہماری جماعت کے بیٹھے ٹھیرتے تھے وہاں ہر وقت مزاحمت کرتا اور گالیاں نکالتا تھا۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اس نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ ہمارا مقدمہ خارج ہونے کے بعد ایک لمبی دیوار ہمارے گھر کے دروازوں کے آگے کھینچ دے تا ہم قیدیوں کی طرح محصور ہیں آجائیں اور گھر سے باہر نکل نہ سکیں اور نہ باہر جا سکیں۔ یہ دن بڑی تشویش کے تھے یہاں تک کہ ہم ضاقت علیھم الارض بما رحبت کا مصداق ہو گئے۔ اور میٹھے میٹھے ایک مصیبت پیش آگئی۔ اس لئے جناب الٰہی میں دعا کی گئی اور اس سے مدد مانگی گئی۔ تب بعد دعا مندرجہ ذیل الہام ہوا اور یہ الہام علیحدہ علیحدہ وقت کے نہیں بلکہ ایک ہی دفعہ ایک ہی وقت میں ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ اسوقت سید فضل شاہ صاحب لاہوری اور سید ناصر شاہ صاحب اور سید معین بارہ مولا کشمیر میرے پیر دبا رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ یہ سلسلہ الہام دیوار کے مقدمہ کی نسبت شروع ہوا۔ میں نے سید صاحب کو کہا کہ یہ دیوار کے مقدمہ کی نسبت الہام ہے۔ آپ جیسا جیسا یہ الہام ہوتا جائے لکھتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے قلم دوات اور کاغذ لے لیا۔ پس ایسا ہوا کہ ہر ایک دفعہ غنودگی کی حالت طاری ہو کر ایک ایک فقرہ وحی الٰہی کا جیسا کہ سنت اللہ ہے زبان پر نازل ہوتا تھا اور جب ایک فقرہ ختم ہو جاتا تھا تو لکھا جاتا تھا تو پھر غنودگی آتی تھی اور دوسرا فقرہ وحی الٰہی کا زبان پر جاری ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ کل وحی الٰہی نازل ہو کر سید فضل شاہ صاحب لاہوری کی قلم سے لکھی گئی۔ اور اس میں تفہیم یہ ہوئی کہ یہ اس دیوار کے متعلق ہے جو امام الدین نے کھینچی ہے جس کا مقدمہ عدالت میں دائر ہے۔ اور یہ تفہیم ہوئی کہ انجام کار اس مقدمہ میں فتح ہوگی۔ چنانچہ میں نے اپنی ایک کثیر جماعت کو یہ وحی الٰہی سنا دی اور اس کے معنے اور شان نزول سے اطلاع دیدی اور اخبار الحکم میں چھپوا دیا۔ اور سب کو کہدیا کہ اگرچہ مقدمہ اب خطرناک اور صورت نومیدی کی ہے مگر آخر خدا تعالیٰ کچھ ایسے اسباب پیدا کر دے گا جس میں ہماری فتح ہوگی۔ کیونکہ وحی الٰہی کا خلاصہ مضمون یہی تھا۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے وہ ساری وحی الٰہی نقل کی ہے جس کے ابتدائی فقرات یہ ہیں کہ:۔

"انی انا۔ تدور ویتزل القضاء ان فضل اللہ لایات ولیس لاحد ان یرد

ما الیّ۔ قل ای وربّی انّہ لحقٌ لا یتبدّل ولا یخفٰی۔ وینزل ما تعجب منہ وحی من ربّ السموات العلٰی۔ انّ ربّی لا یضل ولا ینسٰی۔ ظفر مبین وانما یؤخرھم الی اجل مسمّٰی۔" الخ

(ترجمہ) "چکی پھرے گی۔ اور قضا و قدر نازل ہوگی یعنی مقدمہ کی صورت بدل جائے گی جیسے کہ چکی جب گردش کرتی ہے تو وہ حصّہ چکی کا جو سامنے ہوتا ہے باعث گردش کے پردہ میں آجاتا ہے اور وہ حصّہ جو پردہ میں ہوتا ہے وہ سامنے آجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مقدمہ کی موجودہ حالت میں جو صورت مقدمہ حاکم کی نظر کے سامنے ہے جو ہمارے لئے مضر اور نقصان رساں ہے یہ صورت قائم نہیں رہے گی اور ایک دوسری صورت پیدا ہو جائے گی جو ہمارے لئے مفید ہے ..... اسی طرح جو مخفی اور در پردہ باتیں ہیں وہ منہ کے سامنے آجائیں گی اور ظاہر ہو جائیں گی اور جو ظاہر ہیں وہ ناقابل التفات اور مخفی ہو جائیں گی۔ اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ یہ خدا کا فضل ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے یہ ضرور آئے گا اور کسی کی مجال نہیں جو اس کو رد کر سکے.... اور پھر فرمایا کہ کہہ مجھے میرے خدا کی قسم ہے کہ یہی بات سچ ہے اس امر میں نہ کچھ فرق آئے گا اور نہ یہ امر پوشیدہ رہے گا۔ اور ایک بات پیدا ہو جائے گی جو تجھے تعجب میں ڈالے گی۔ یہ اس خدا کی وحی ہے جو بلند آسمانوں کا خدا ہے۔ میرا رب اس صراط مستقیم کو نہیں چھوڑتا جو اپنے برگزیدہ بندوں سے عادت رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کو بھولتا نہیں جو مدد کرنے کے لائق ہیں۔ سو تمہیں اس مقدمہ میں کھلی کھلی فتح ہوگی مگر اس فیصلہ میں اس وقت تک تاخیر ہے جو خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔" الخ

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ پیشگوئی ہے جو اُس وقت کی گئی تھی جبکہ مخالف دعوے سے کہتے تھے کہ بالیقین مقدمہ خارج ہو جائے گا اور میری نسبت کہتے تھے کہ ہم اُن کے گھر کے تمام دروازوں کے سامنے دیوار کھینچ کر وہ دکھا دیں گے کہ گویا وہ قید میں پڑ جائیں گے۔ اور جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں خدا نے اس پیشگوئی میں خبر دی کہ میں ایک ایسا امر ظاہر کروں گا جس سے جو مغلوب ہے وہ غالب اور جو غالب ہے وہ مغلوب ہو جائے گا"۔.....

پھر فیصلہ کا دن آیا۔ اُس دن ہمارے مخالف بہت خوش تھے کہ آج اخراج مقدمہ کا حکم سنایا جائے گا۔ اور کہتے تھے کہ آج سے ہمارے لئے ہر ایک قسم کی ایذا کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ وہی (باقی)

تھا جس میں پیشگوئی کے اس بیان کے معنے کھُلنے تھے کہ وہ ایک امر مخفی ہے جس سے مقدمہ پلٹا کھائے گا اور آخر میں وہ ظاہر کیا جائے گا۔ سو ایسا اتفاق ہُوا کہ اس دن ہمارے وکیل خواجہ کمال الدین کو خیال آیا کہ پرانی مثل کا انڈکس دیکھنا چاہیئے۔ یعنی ضمیمہ جس میں ضروری احکام کا خلاصہ ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھا گیا تو اُس میں وہ بات نکلی جس کے نکلنے کی توقع نہ تھی یعنی حاکم کا تصدیق شدہ یہ حکم نکلا کہ اس زمین پر قابض نہ صرف امام الدین ہے بلکہ مرزا غلام مرتضیٰ یعنی میرے والد صاحب بھی قابض ہیں۔ تب یہ دیکھنے سے میرے وکیل نے سمجھ لیا کہ ہمارا مقدمہ فتح ہوگیا۔ حاکم کے پاس یہ بیان کیا گیا۔ اُس نے فی الفور وہ انڈکس طلب کیا اور جونہی دیکھتے ہی اس پر حقیقت کھل گئی اس لئے اس نے بلا توقف امام الدین پر ڈگری زمین کی بمعہ خرچہ کر دی۔ اگر وہ کاغذ پیش نہ ہوتا تو حاکم مجوز بجز اس کے کیا کر سکتا تھا کہ مقدمہ کو خارج کرتا اور دشمن بدخواہ کے ہاتھ سے ہمیں تکلیفیں اٹھانی پڑتیں۔ یہ خدا کے کام ہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور یہ پیشگوئی درحقیقت ایک پیشگوئی نہیں بلکہ دو پیشگوئیاں ہیں کیونکہ ایک تو اس میں فتح کا وعدہ ہے اور دوسرے ایک امر مخفی کے ظاہر کرنے کا وعدہ ہے جو سب کی نظر سے پوشیدہ تھا..... ہمارے وکیل نے باوجود کئی پیشیوں کے اس قوی حجت کو پیش نہیں کیا۔ صرف مقدمہ کے آخری مرحلہ پر محض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ عقدہ کھلا۔ چنانچہ ہر ایک شخص جو شیخ خدا بخش کے فیصلہ کو دیکھیگا اُس پر فی الفور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ مدت تک ہمارا پلیڈر محض سماعی شہادتوں سے کام لیتا رہا جو ایک جوڈیشل فیصلہ کے مقابل پر ہیچ تھیں۔ کیونکہ امام الدین مدعا علیہ نے جس مثل کو اپنا مخصوص قبضہ ثابت کرنے کیلئے پیش کیا تھا اس میں تو صرف امام الدین کا نام تھا میرے والد صاحب کا نام نہ تھا۔ اس میں بھید یہ تھا کہ غلام جیلانی اصل مالک زمین نے امام الدین پر ہی نالش کی تھی اور اس کی عرضی پر مدعا علیہ صرف امام الدین ہی لکھا گیا تھا۔ اور پھر اطلاع پانے کے بعد میرے والد صاحب نے بذریعہ اپنے مختار کے مدعا علیہم میں اپنا نام بھی لکھوا دیا تھا جس سے مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں قابض ہیں۔ اور وہ کاغذات کسی اتفاق سے تلف ہو گئے تھے۔ اور صرف امام الدین کا نام مدعی کے عرضی دعوے پر باقی رہ گیا تھا جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ قابض زمین صرف امام الدین ہے۔ سو یہی مخفی راز تھا جو ہمیں معلوم نہ تھا۔ اور جب خدا تعالیٰ نے چاہا تو انڈکس کی مدد سے وہ مخفی حقیقت ظاہر ہو گئی اور جیسا کہ پیشگوئی میں ہے ایک دم میں چکی پھر گئی۔ ظاہر ہے کہ چکی کی روش سے جو حصہ چکی کا آنکھ سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ آنکھ کے سامنے آجاتا ہے اور جو سامنے

ہوتا ہے وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ پس یہی حال اس مقدمہ کا ہوا یعنی جو وجوہات قبل اس سے حاکم کی نظر کے سامنے تھے یعنی یہ کہ غلام جیلانی مدعی نے اپنی عرضی دعوے میں صرف امام الدین کو قابض ظاہر کیا ہے۔ انڈکس پیدا ہونے سے یک دفعہ یہ وجوہات ناپید ہو گئے اور چکی کی پوشیدہ طرف کی طرح نئے وجوہات نظر کے سامنے آ گئے۔ اور جس پوشیدہ امر کے لئے اس پیشگوئی میں خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ آخر کار میں ظاہر کر دوں گا وہ ظاہر ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ غلام جیلانی کی نالش کا مقدمہ ایک پرانے زمانہ کا تھا جس پر قریباً چالیس برس کے گزر گئے تھے اور وہ مقدمہ میرے والد صاحب کے وقت کا تھا مجھ کو اس سے کچھ اطلاع نہ تھی۔"

خطبۂ الہامیہ

سنہ ۱۹۰۰ء مطابق ۱۳۱۷ھ ہجری میں جو عید اضحیٰ ۱۱۔ اپریل کو ہوئی۔ وہ حضرت اقدس کی جماعت کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس عید پر آپ نے وہ مشہور و معروف خطبہ عربی زبان میں پڑھا جو خطبۂ الہامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت اقدس کی دلی آرزو اور تمنا رہتی تھی کہ احباب کو قادیان میں بار بار آنے کا موقعہ ملے اور اس طرح پر آپ کی صحبت میں رہکر تزکیہ نفس اور تصفیۂ باطنی سے وہ بہرہ اندوز ہو سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے احباب کو قادیان بار بار آنے کی آپ بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور سال میں تین بار تو آپ خاص طور سے جلسے کی شکل میں احباب کو جمع کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے یعنی عیدین پر اور کرسمس کی تعطیلوں میں سنہ ۱۹۰۰ء میں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص تحریک جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو ہوئی اس لئے آپ نے دوستوں کو عید اضحیٰ کے موقعہ پر خاص طور پر جمع ہونے کے لئے تحریک فرمائی۔ عید تو ۱۱۔ اپریل کو تھی۔ لیکن ۱۰۔ اپریل سے ہی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ امرت سر۔ بٹالہ۔ لاہور۔ وزیر آباد۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ پشاور۔ گجرات۔ جہلم راولپنڈی۔ کپورتھلہ۔ لدھیانہ۔ پٹیالہ۔ سنور۔ لکھنو۔ بمبئی وغیرہ بہت سے مقامات سے مہمان آئے جن کی تعداد تین سو سے ۳۰۰ زیادہ ہو گی۔ سب سے زیادہ احباب سیالکوٹ سے آئے۔

عرفہ کا دن عرفہ کے دن علی الصباح حضرت اقدس نے مولانا نورالدین مرحوم کو بذریعہ ایک مختصر چٹھی کے اطلاع دی کہ میں آج کا دن اور رات کا کچھ حصہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دعا میں گزارنا چاہتا ہوں۔ اس لئے وہ دوست جو یہاں موجود ہوں اپنا نام اور جائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیجدیں تاکہ دعا کے وقت یاد رہے۔ چنانچہ حضرت مولانا نے سب دوستوں کو بلا کر ایک مختصر سی تقریر کی اور

اس کے بعد حضرت اقدس کے ارشاد سے سب کو مطلع کیا اور ایک فہرست بنا کر حضرت کی خدمت میں بھیجدی۔ چنانچہ وہ دن اور رات کا بڑا حصہ حضرت اقدس نے دعاؤں میں گزارا۔ چونکہ اُس روز احباب کثرت سے آرہے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں آپ کی زیارت کروں جس کی وجہ سے رجوع تام میں خلل پڑتا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے مکرر اطلاع بھیجی کہ میرے پاس کوئی رقعہ وغیرہ نہ بھیجے اس طرح پر سخت ہرج ہوتا ہے حضرت مولانا نورالدین صاحب نے پھر دوستوں کو جمع کر کے اس حکم سے مطلع کیا۔ مغرب اور عشا کی نماز جمع ہوگئی۔ اور آپ نے فرمایا کہ "چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصہ دعاؤں میں گزاروں اس لئے میں جاتا ہوں تا کہ تخلّف وعدہ نہ ہو"۔

عید کا دن مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر عید پر ایک دن قبل شام کو یا عید کی صبح کو ضرور حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کیا کرتے تھے کہ عید کی نماز کے بعد حضور کچھ تقریر ضرور فرمائیں۔ اب کے دفعہ عید سے کئی روز قبل سے آپ کی طبیعت ناساز تھی اس لئے اُمید بہت کم تھی کہ آپ کچھ تقریر کر سکیں گے مگر آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ہماری تقریر ہی کیا ہے جب بہت سے دوستوں کا مجمع ہوتا ہے تو اُن میں سے ہر ایک کے مرض کی اصلاح زیرِ نظر ہوتی ہے اس لئے ان کے امراض کا علاج فرداً فرداً جمع ہو کر ایک تقریر بن جاتی ہے"۔

بہرحال حسب معمول عید کی صبح کو مولانا عبدالکریم صاحب اندر تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ "میں آج خصوصیت سے عرض کرنے آیا ہوں کہ حضور تقریر ضرور کریں خواہ چند فقرے ہی ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "خدا نے بھی یہی حکم دیا ہے"۔ "آج صبح کے وقت الہام ہوا ہے کہ "مجمع میں عربی میں تقریر کرو تمہیں قوت دی گئی"۔ میں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا شاید یہی مجمع ہو۔ اور نیز الہام ہوا ہے "کلامٌ فصحت من لدن رب کریم" یعنی اس کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی ہے"۔

نماز عید جامع مسجد قادیان کی توسیع کا کام ایک عرصہ سے شروع تھا۔ اور بہت بڑا حصہ اس توسیع کے کام کا ختم ہو چکا تھا۔ حضرت اقدس نے اس لئے جامع مسجد میں ہی ادائے نماز کا حکم دیا۔ آٹھ بجے صبح تک جامع مسجد کا صحن اور اندر قریباً بھر چکا تھا۔ حضرت اقدس کوئی ساڑھے آٹھ بجے تشریف لائے اور کوئی سوا نو بجتے تک نماز سے فراغت ہوگئی۔ نماز مولانا عبدالکریم صاحب نے پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت اقدس خطبہ کے لئے مسجد کے بیچ کے دروازے میں کھڑے ہوئے۔ اور پہلے خطبہ اُردو میں پڑھا جو بہت سے معارف و حقائق سے لبریز تھا۔ اور جس میں اسلام کو ایک کامل اور زندہ مذہب ثابت کر کے دکھایا تھا۔ حضرت اقدس یہ خطبہ ختم کرنے کو تھے جو مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور

کچھ جماعت کے باہمی اتفاق و محبت پر بھی فرمایا جائے۔ اس پر آپ کچھ دیر تک وعظ و نصائح فرماتے رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے القا و ایما کے مطابق آپ نے عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اور مولانا نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو حکم دیا کہ وہ قریب تر ہو کر اس خطبہ کو لکھیں +

خطبۂ الہامیہ جب حضرات مولوی صاحبان طیار ہو گئے تو آپ نے یا عباد اللہ کے لفظ سے عربی خطبہ شروع کیا۔ اب یہ ایک حقیقت ہے کہ جس جذب اور استغراق کے عالم میں آپ وہ عربی خطبہ پڑھ رہے تھے قلم میں طاقت نہیں ہے کہ اس کی تصویر کھینچ سکے۔ آپ کی شکل و صورت اور لب و لہجہ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص اس وقت اس دنیا میں موجود نہیں ہے اور نہ اس کی زبان اس کے اختیار میں ہے۔ نیم باز آنکھیں بتلا رہی تھیں کہ آپ پر ایک سکر کی سی حالت طاری ہے۔ اور فصیح و بلیغ عربی فقرات کی آمد اس قدر سرعت کے ساتھ تھی کہ مولوی عبدالکریم صاحب جیسے زود نویس اور قابل انشاپرداز اور عربی کے فاضل بعض دفعہ رہ جاتے تھے اور درمیان میں پوچھ بیٹھتے تھے تو آپ پھر دوبارہ انہی الفاظ کو دہراتے۔ ان الفاظ کی آمد کے متعلق آپ نے بعد میں فرمایا کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ایک سلسلہ الفاظ کا میرے سامنے سے گزر رہا ہے جسے میں پڑھتا جاتا ہوں۔ اور جب مولوی عبدالکریم صاحب بیچ میں پوچھ بیٹھتے تھے کہ فلاں فقرہ رہ گیا تو وہ الفاظ پھر سامنے آجاتے اور میں پڑھ دیتا۔ قصہ مختصر یہ کہ حضرت اقدس کھڑے تو ہوئے تھے چند عربی فقرات بولنے کے واسطے جو گویا ارشاد الٰہی کی تعمیل تھی۔ لیکن بہت دیر تک ایک طویل فصیح و بلیغ عربی خطبہ جو حقائق و معارف سے پُر اور تزکیہ نفس کیلئے ایک نسخۂ شفا بخش تھا ارشاد فرماتے رہے۔ فرمایا کہ اب لکھ لو۔ پھر یہ الفاظ جاتے ہیں۔ اس عربی خطبہ میں آپنے قربانی کی حقیقت پر نہایت لطیف بحث فرمائی جس نے عربی دان سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری کر دی +

مولوی عبدالکریم صاحب کا اس خطبہ کا اردو ترجمہ سنانا جب حضرت اقدس خطبہ پڑھ کر بیٹھ گئے تو اکثر احباب کی درخواست پر مولانا عبدالکریم صاحب نے کھڑے ہو کر اُس کا ترجمہ سُنایا۔ ترجمہ بھی حسب عادت اُنہوں نے بہت فصاحت و بلاغت کے ساتھ سُنایا +

سجدۂ شکر ابھی مولوی عبدالکریم صاحب خطبہ کا ترجمہ سنا رہے تھے جو حضرت اقدس مرزا صاحب فرط جوش کے ساتھ سجدۂ شکر میں جا پڑے۔ آپ کے ساتھ تمام حاضرین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اُٹھا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ "ابھی میں نے سرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ "مبارک" یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔ فرمایا کہ عرفہ کے دن اور عید کی رات کو جو میں نے دعائیں کی ہیں اُن کی قبولیت کے لئے اس خطبہ کو

بطور نشان کے رکھا گیا تھا کہ اگر میں یہ خطبہ عربی زبان میں ارتجالاً پڑھ گیا تو وہ دعائیں قبول سمجھی جائینگی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔

نماز ظہر و عصر خطبہ کا ترجمہ ختم کرتے کرتے نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ پس نماز ظہر و عصر جمع کر کے ادا کی گئی ۔

جناب الٰہی کی طرف سے یہ ایک عظیم الشان نشان تھا

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ درسی تعلیم کے لحاظ سے حضرت اقدس مرزا صاحب نے کچھ بہت زیادہ عربی کی تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور اُن کے ہمنوا مولوی صاحبان حضرت اقدس کو منشی کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کچھ عربی میں تحریر فرمائیں جس کے ذریعہ بلاد عربیہ میں بھی تبلیغ کی جا سکے تو آپ نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ تجویز تو اچھی ہے مگر میں عربی میں لکھ نہ سکونگا بہتر ہوگا کہ میں اُردو میں مضمون لکھ لاؤں اور میں اور آپ اور مولوی نورالدین صاحب مل کر اس کی عربی بنالیں گے۔ اس کے بعد آپ نے جناب الٰہی میں جو توجہ کی تو وہاں سے حکم ہوا کہ تم خود عربی میں تصنیف کرو۔ عربی زبان کا علم تمہیں ہم دیں گے یعنی عربی الفاظ اور لغت سے تمہیں ہم مدد دیں گے۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے التبلیغ عربی زبان میں لکھی جو آئینہ کمالات اسلام کے ساتھ شائع ہوئی۔ اور جس کی فصاحت و بلاغت پر نہ صرف مولوی عبدالکریم صاحب بلکہ اہل زبان تک وجد کر گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں آپکا ایسا بہرہ کھولا اور آپ کی ایسی روح القدس سے مدد کی کہ تمام علماء ہندوستان و فضلائے عرب کو چیلنج کرتے ہوئے آپ نے متعدد عربی تصنیفات کیں اور ان لوگوں کو بالمقابل عربی زبان میں ایک خاص میعاد کے اندر تصنیف کرنے کے لئے بڑی تحدّی کے ساتھ دعوت دی۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی کو آپ کے مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ تائید الٰہی جو آپ کے شامل حال ہوئی ابھی تک عربی تحریر میں تھی۔ عربی تقریر کا نہ ابھی تک آپ کو موقعہ ملا تھا اور نہ اس میں تائید الٰہی کا کوئی نشان ظاہر ہوا تھا۔ تقریر میں تائید الٰہی کا نشان اگر ظاہر ہو تو وہ زیادہ بحجت تمام کرنے والی چیز ہے کیونکہ تحریر میں سوچنے اور غور کرنے کا بھی موقعہ ہوتا ہے۔ مگر فی البدیہہ تقریر کرنے میں سوچنے اور غور کرنے کا تو موقعہ ہی نہیں ہوتا۔ اسی لئے بہت سے لوگ لکھ کر تقریر لے آتے ہیں۔ ورنہ نوٹ تو ضرور لکھ کر لے آتے ہیں تا تقریر کے وقت مدد دی جا سکے۔ یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو پبلک میں تقریر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور جسے مجلسوں میں تقریر کرنے کی عادت نہ ہو اُسے تو تقریر کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے اپنی مادری زبان میں بھی زبان نہیں چلتی۔ خیالات رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ اچھے خاصے آدمی کی زبان گنگ ہو جاتی

ہے۔ جانی بوجھی باتیں بھول جاتی ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب تو کوئی بڑے اسپیکر یعنی مقرر نہ تھے۔ تحریر میں جو فصاحت و بلاغت اور زورِ قلم نظر آتا ہے تقریر میں یہ بات نہ تھی۔ گو آپ کی تقریر علم و حکمت اور معارف و حقائق کا ایک سمندر اپنے اندر رکھا کرتی تھی اور سننے والے کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شربت کے گھونٹ کانوں کے رستہ اندر اُتر رہے ہیں مگر الفاظ نہایت سادہ ہوا کرتے تھے اور طرزِ تقریر میں کوئی بہت زور نہیں ہوا کرتا تھا۔ پس جب آپ اپنی مادری زبان میں بھی کوئی بڑے اسپیکر نہ تھے تو عربی زبان میں تقریر کرنا تو اور بھی مشکل تھا۔ ان حالات کے اندر عید اضحیٰ کے موقعہ پر حکم الٰہی ہوا کہ عربی میں مجمع میں تقریر کرو۔ آپ حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے کھڑے تو ہو گئے مگر حیران تھے کہ کیا بولوں گا اور کس طرح بولوں گا۔ لیکن الہام الٰہی کی وجہ سے دل کو یقین تھا کہ کوئی خارق عادت نصرت الٰہی ہونیوالی ہے۔ اسی لئے مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کو خطبہ لکھتے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ نصرت الٰہی نے عربی الفاظ اور لغت سے آپ کی وہ مدد کی جو تحریر سے بھی بڑھ کر تھی۔ مضمون کی آمد جو تھی سو تھی۔ الفاظ کی آمد کا وہ زور ہوا کہ مضمون کے جس پہلو پر آپ بولنا چاہتے تھے فصیح و بلیغ عربی الفاظ قطار در قطار ایک تحریر کی طرح آپ کے سامنے گزرنے شروع ہو جاتے۔ اور یہ سب کچھ ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ہوا۔ نظارہ یہ تھا کہ تقریر فی البدیہہ ہو رہی ہے۔ کوئی پہلے سے لکھی ہوئی تحریر موجود نہیں۔ لیکن الفاظ بے اختیار یوں مُنہ سے نکل رہے ہیں گویا ایک تحریر ہے جو پڑھ رہے ہیں یا ایک گراموفون کا ریکارڈ ہے جو بول رہا ہے۔ عربی زبان کے بارے میں نصرت کا وعدہ جو جناب الٰہی کی طرف سے تھا وہ اپنی آنکھوں سے سینکڑوں آدمیوں نے دیکھا اور یہ ایسا بدیہی نشان تھا جس نے دیکھنے والوں کا ایمان زندہ خدا پر مبدّل یقین کر دیا۔ اور نصرت الٰہی کے اس عجیب و غریب نظارہ نے دلوں کو یقین اور معرفت سے بھر دیا۔

یہ خطبہ وحی الٰہی نہ تھا یہاں میں ایک بات صاف کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ یہ عربی خطبہ کوئی وحی الٰہی نہ تھا جو آپ کے قلب پر نازل ہو رہی تھی بلکہ یہ ایک فصیح و بلیغ خطبہ تھا جس میں فصاحت و بلاغت خدا کی طرف سے خارق عادت طور پر بخشی گئی تھی۔ جیسا کہ آپ کے الہام کلامُ افصحت من لدن رب کریم سے ہویدا ہے جو اس خطبہ سے قبل آپ کو ہوا تھا یعنی یہ خطبہ جو پڑھا جائے گا اس میں فصاحت رب کریم کی طرف سے عطا ہوگی۔ خود حضرت اقدس مرزا صاحب نے کہیں نہیں لکھا کہ یہ عربی خطبہ کوئی الہام یا وحی الٰہی تھا۔ آپ نے اپنے الہامات متعدد جگہ نقل کئے ہیں ان میں کہیں بھی خطبۂ الہامیہ کو شامل نہیں کیا ہاں یہ سچ ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت من جانب اللہ ضرور تھی اور وہ نشان کے طور پر آپ کو دی گئی تھی۔ یعنی آپ کی اس فی البدیہہ عربی تقریر کے وقت اللہ تعالیٰ نے فصیح و بلیغ عربی لغت سے ایک معجزانہ

رنگ میں آپ کی مدد کی تھی جس طرح عربی تحریروں میں جناب الٰہی کی نصرت آپ کے شامل حال ہوا کرتی تھی اور عربی لغت اور الفاظ سے خارق عادت طور پر منجانب اللہ آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ اسی طرح اس خطبہ کے وقت بھی جناب الٰہی کی تائید آپ کے شامل حال ہوئی[1] اور سچ تو یہ ہے کہ تائید الٰہی کا نشان تحریرات

[1] اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کی عربی نویسی کے وقت جس طرح الفاظ اور لغت سے مدد فرماتا تھا اس کی کیفیت خود حضرت اقدس کی قلم سے سنو۔ نزول المسیح صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے کہ میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔ اور ہمیشہ میری تحریر گو عربی ہو یا اردو یا فارسی دو حصہ پر منقسم ہوتی ہے (۱) ایک تو یہ کہ بڑی سہولت سے سلسلہ الفاظ اور معانی کا میرے سامنے آتا جاتا ہے اور میں اس کو لکھتا جاتا ہوں۔ اور گو اس تحریر میں مجھے کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ مگر دراصل وہ سلسلہ میری دماغی طاقت سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی الفاظ اور معانی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی ایک خاص رنگ میں تائید نہ ہوتی تب بھی اس کے فضل کے ساتھ ممکن تھا کہ اس کی معمولی تائید کی برکت سے جو لازمۂ فطرت خواص انسانی ہے کسی قدر مشقت اٹھا کر اور بہت سا وقت لیکر اُن مضامین کو میں لکھ سکتا۔ واللہ اعلم۔

(۲) دوسرا حصہ میری تحریر کا محض خارق عادت کے طور پر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں مثلاً ایک عربی عبارت لکھتا ہوں اور سلسلہ عبارت میں بعض ایسے الفاظ کی حاجت پڑتی ہے کہ وہ مجھے معلوم نہیں ہیں تب انکی نسبت خدا تعالیٰ کی وحی رہنمائی کرتی ہے اور وہ لفظ وحی متلو کی طرح روح القدس میرے دل میں ڈالتا ہے اور زبان پر جاری کرتا ہے اور اس وقت میں اپنی حس سے غائب ہوتا ہوں۔ مثلاً عربی عبارت کے سلسلہ تحریر میں مجھے ایک لفظ کی ضرورت پڑی جو ٹھیک ٹھیک بسیاری عیال کا ترجمہ ہے۔ اور وہ مجھے معلوم نہیں اور سلسلہ عبارت اس کا محتاج ہے تو فی الفور دل میں وحی متلو کی طرح لفظ ضفف ڈالا گیا جس کے معنے ہیں بسیاری عیال۔ یا مثلاً سلسلہ تحریر میں مجھے ایسے لفظ کی ضرورت ہوئی جس کے معنی ہیں غم و غصہ سے چپ ہو جانا اور مجھے وہ لفظ معلوم نہیں تو فی الفور دل پر وحی ہوئی مگر وجوم۔ ایسا ہی عربی فقرات کا حال ہے۔ عربی تحریروں کے وقت میں بسا اوقات بنائے فقرات وحی متلو کی طرح دل پر وارد ہوتے ہیں اور یا یہ کہ کوئی فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے فقرات دکھا دیتا ہے۔

یہاں وحی متلو کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ سارا مضمون وحی الٰہی ہوتا ہے بلکہ حضرت اقدس کا مطلب فقط یہ ہے کہ سلسلہ تحریر میں جب کسی لغت یا لفظ یا فقرہ کی ضرورت پڑتی ہے تو بطور الہام وہ دل میں وارد ہوتا یا زبان پر جاری ہوتا یا تحریر کے رنگ میں سامنے آجاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مضمون جو آپ تحریر فرما رہے ہیں وہ وحی الٰہی ہے۔ البتہ وحی الٰہی وقتاً فوقتاً الفاظ اور لغت سے آپ کی مدد کر دیتی ہے۔ جیسے اگر ایک شاگرد کوئی مضمون لکھ رہا ہو اور اس میں کوئی لفظ یا لغت کی اُسے ضرورت پڑ جائے تو پاس سے استاد بتلا دے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مضمون جو شاگرد لکھ رہا ہے وہ استاد لکھوا رہا ہے۔ بلکہ استاد کی امداد اس میں فقط ادبی رنگ کی ہے اس سے زیادہ نہیں یہی حال خطبۂ الہامیہ کا ہے۔

کی نسبت اس خطبہ میں بہت بڑھ چڑھ کر ظاہر ہوا۔ کیونکہ تحریر کی بہ نسبت فی البدیہہ تقریر میں سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہوتا۔ جو کچھ کہا جاتا ہے فی البدیہہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے نصرت الٰہی کا نشان جیسا تقریر میں بدیہی طور پر نظر آسکتا ہے تحریر میں نظر نہیں آسکتا۔ اور اس خطبہ میں نصرت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جدھر آپ کے دماغ نے توجہ کی عربی الفاظ فوج در فوج آپ کے سامنے آن موجود ہوئے اور ان کی آمد ایسی خارق عادت طور پر تھی کہ گویا ایک تحریر تھی جو کشفی طور پر آپ کے سامنے آتی جاتی تھی۔ اور یہ ایک زبردست خارق عادت نشان تھا جو ایک بہت بڑے مجمع میں خدا کی طرف سے ظاہر ہوا۔ اور خدا کی ہستی اور آپ کی صداقت پر ایک روشن دلیل قائم کر گیا۔

خطبہ الہامیہ کی اشاعت یہ خطبہ بعد میں حضرت اقدس نے چاہا کہ ایک کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے اصل خطبہ میں تو فقط قربانی کا فلسفہ آپ نے بیان کیا تھا۔ لیکن جب آپ نے کتاب کی شکل میں اسے ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرمایا تو اس خطبہ کے ساتھ اور بھی بہت کچھ عربی عبارت کا اضافہ کر دیا جسمیں آپ نے اپنے دعوے پر روشنی ڈالی ہے۔ اور جسے باب ثانی اور باب ثالث کا عنوان دیا ہے۔ چنانچہ اشتہارات اور حاشیہ چھوڑ کر اصل کتاب کا حجم ۴۰ صفحے ہے جس میں اصل خطبہ تو صرف ابتدائی ۳۸ صفحے پر مشتمل ہے اور باقی صفحات بعد کی تصنیف ہیں۔ اس کتاب کا نام حضرت اقدس نے خطبۂ الہامیہ رکھا۔ کیونکہ یہ الہام الٰہی کے ماتحت بعد نماز عید و خطبہ تائید الٰہی سے پڑھا گیا تھا۔ الہامیہ سے مراد یہ نہیں کہ وہ خطبہ وحی الٰہی یا الہام تھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کی فی البدیہہ فصاحت و بلاغت خارق عادت طور پر منجانب اللہ بطور نشان ظاہر ہوئی تھی۔

بشپ لیفرائے صاحب لاہور کو چیلنج

اللہ تعالیٰ جس کام کیلئے کسی شخص کو مامور فرماتا ہے اس کے لئے ایک خاص جوش بھی اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو جو کسر صلیب کیلئے کھڑا کیا تو اس کام کے لئے ویسا ہی جوش بھی آپ کو عنایت فرمایا۔ یہی وجہ تھی جو مسیحیت پر حجت تمام کرنے میں آپ نے کوئی پہلو باقی نہیں چھوڑا۔ جہاں کسی پادری نے اسلام کے خلاف سر اُٹھایا اور آپ نے اُسے للکارا۔

بشپ صاحب کا "معصوم نبی" پر لکچر لاہور کے بشپ پادری لیفرائے صاحب نئے نئے یورپ سے آئے تھے انہیں اس خدا کے شیر کا پتہ نہ تھا۔ لاہور آتے ہی اُنہوں نے خاص طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کی ٹھانی۔ وہ

مسلمان مولویوں کی بعض کمزوریوں کا علم رکھتے تھے۔ ایک تو یہی کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اور خود اپنے پیغمبر کو وفات یافتہ مانتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ سوائے حضرت عیسیٰ اور اُن کی ماں کے اور کسی دوسرے کی ولادت کو مس شیطان سے پاک نہیں سمجھتے۔ گویا عصمت کبریٰ کا مقام ان لوگوں نے صرف حضرت عیسیٰ کو دے رکھا ہے۔ بشپ صاحب کو یہ خبر نہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب نے ان دونو باتوں کو غلط ثابت کر کے اسلام کے چہرہ کو ان بدنما داغوں سے جو مولویوں نے اس کے چہرہ پر لگا رکھے تھے پاک ثابت کر دیا ہے۔ اس بے خبری میں اُنہوں نے لاہور میں "معصوم نبی" اور "زندہ رسول" کے موضوع پر لکچر دینے کا اہتمام کیا اور بڑی دلیری سے مسلمانوں کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا۔ اور اسی سلسلہ میں فورمین چیپل انارکلی میں ۱۸ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک جلسہ کر کے "نبی معصوم" کے موضوع پر لکچر دے ڈالا جس میں انجیل کے بعض حوالوں اور مسلمانوں میں رائج شدہ بعض ضعیف روایات اور ادنیٰ درجہ کی تفاسیر کی بنا پر تمام نبیوں میں سے صرف ایک حضرت عیسیٰ کو معصوم نبی ثابت کیا۔ اور اپنی طرف سے تمام مقدس راستبازوں خدا تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کو گنہگار ثابت کرنے اور اس طرح ان کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اور اختتام لکچر پر مسلمانوں کو اعتراض کرنے کی دعوت دی۔ جلسہ میں بہت سے مسلمان مولوی بھی موجود تھے مگر کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ پڑی۔ افسوس ہے کہ اس جلسہ اور اس لکچر کی حضرت مرزا صاحب کو پہلے سے خبر نہ ہوئی۔ مفتی محمد صادق صاحب جو حضرت اقدس کے خدام میں سے تھے اتفاق سے اُس جلسہ میں آ گئے تھے۔ اُنہوں نے جو یہ لکچر سُنا اور مولویوں کی یہ بے بسی اور بیچینی دیکھی تو اُن سے رہا نہ گیا وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور للکار کر کہا کہ مسیح کی عصمت پر زید و بکر کے حوالے دینا سودمند بات نہیں ہو سکتی لو قادر مطلق اُن کے ارادتمند تھے اُنہوں نے اگر اپنی اناجیل میں مسیح کی تعریف لکھ دی تو وہ کسی محقق کے نزدیک خود جناب مسیح کے اس قول کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جس میں وہ کسی اپنے ارادتمند کے قول کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں سوائے باپ کے جو آسمان پر ہے۔ گویا صریح لفظوں میں اپنے نیک ہونے سے انکار کیا ہے۔ پھر اس پادری کے ان اعتراضات کو لیا جو استغفار اور ذنب کے الفاظ پر تھے اور ان الفاظ کے صحیح معنے بتلائے۔ اس کے بعد اعلان کیا کہ قرآن کریم کے رو سے صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی ایک نبی ہیں جن کی عصمت پر خدا تعالیٰ نے خاص طور پر زور دیا ہے ولا غیر۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ واللہ یعصمک من الناس کہ کل انسانوں میں فقط تو ہی ہے جسے خدا معصوم ٹھیراتا ہے۔ یہ جواب سُن کر بشپ صاحب بہت گھبرائے۔ کسی دیسی عیسائی پادری نے پاس سے بشپ صاحب کو بتلایا کہ یہ ترجمہ اس سے مختلف ہے جو عام طور پر مترجم

قرآنوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ انہوں نے اس پادری سے کہا کہ مترجم قرآن میں جہاں یہ آیت واللہ یعصمک من الناس قرآن میں لکھی ہوئی ہے، وہاں سے مجھے نکال کر دو۔ اُس نے نکال کر اور حوالہ پر انگلی رکھکر دی۔ جلدی میں جو قرآن بشپ صاحب نے ہاتھ میں لیا تو انگلی اُس حوالہ پر سے نکل گئی۔ قرآن کھولنے پر کوئی اور حوالہ جس پر بھی نشان رکھا ہوا تھا نکل آیا۔ بشپ صاحب نے سمجھا کہ یہی وہ حوالہ ہے جو مطلوب ہے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جب لوگوں کو پتہ لگا کہ اس حوالہ کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں تو جلسہ میں بڑی ہنسی ہوئی اور بشپ صاحب خفیف ہو کر رہ گئے۔ گھبرا کے اس دیسی پادری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ "مجھے اس بھائی نے دھوکا دیا" اس کے بعد بشپ صاحب چل دیئے اور مسلمانوں نے خوشی سے مفتی صاحب موصوف کو اُٹھا لیا۔

بشپ لاہور کو "نبی معصوم" پر مباحثہ کے لئے چیلنج

حضرت مرزا صاحب کو اس بات کی خبر پہنچی تو اُنہیں تسلی نہ ہوئی۔ آپ نے ایک اشتہار "بشپ صاحب لاہور سے ایک سچے فیصلہ کی درخواست" کے عنوان سے ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا جس میں بڑے زور سے بشپ صاحب موصوف کو چیلنج دیا کہ "معصوم نبی" پر وہ ضرور ضرور ہمیں مباحثہ کرنے کا موقعہ دیں۔ اس اشتہار میں سے بعض اقتباسات میں یہاں نقل کرتا ہوں تا قارئین کرام کو پتہ لگ سکے کہ کس شان کا یہ چیلنج تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"میں نے سُنا ہے کہ بشپ صاحب لاہور نے مسلمانوں کو اس بات کی دعوت کی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا ثابت کر کے دکھلاویں۔ میرے نزدیک بشپ صاحب موصوف کا یہ بہت عمدہ ارادہ ہے کہ وہ اس بات کا تصفیہ چاہتے ہیں کہ ان دو نو بزرگ نبیوں میں سے ایسا نبی کون ہے جس کی زندگی پاک اور مقدس ہو۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکتا کہ اس سے ان کی کیا غرض ہے کہ کسی نبی کا معصوم ہونا ثابت کیا جائے یعنی پبلک کو یہ دکھلایا جائے کہ اس نبی سے اپنی عمر میں کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ میرے نزدیک یہ ایسا طریق بحث ہے جس سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمام قوموں کا اس پر اتفاق نہیں ہے کہ فلاں قول اور فعل گناہ میں داخل ہے اور فلاں گفتار اور کردار گناہ میں داخل نہیں۔ مثلاً بعض فرقے شراب پینا سخت گناہ سمجھتے ہیں۔ اور بعض کے عقیدہ کے موافق جب تک روٹی توڑ کر شراب میں نہ ڈالی جائے اور ایک نو مرید مع بزرگان دین کے اس روٹی کو نہ کھائے اور اس شراب کو نہ پیوے تب تک دیندار ہونے کی پوری سند حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایسا ہی بعض کے نزدیک اجنبی عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھنا بھی

زنا ہے۔ مگر بعض کا یہ مذہب ہے کہ ایک خاوند والی عورت بیگانہ مرد سے بیشک اس صورت میں ہم بستر ہو جائے جبکہ کسی وجہ سے اولاد ہونے سے ناامیدی ہو اور یہ کام نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کا موجب ہے اور اختیار رہے کہ دس یا گیارہ بچوں کے پیدا ہونے تک ایسی عورت بیگانہ مرد سے بدکاری میں مشغول رہے ..... غرض یہ طریق مختلف فرقوں کے لئے ہرگز حق شناسی کا معیار نہیں ہو سکتا جو بشپ صاحب نے اختیار کیا ہے۔ ہاں یہ طریق نہایت عمدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور عملی اور اخلاقی اور تقدسی اور برکاتی اور تاثیراتی اور ایمانی اور عرفانی اور افاضۂ خیر اور طریق معاشرت وغیرہ وجوہ فضائل میں باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے یعنی یہ دکھلایا جائے کہ ان تمام امور میں کس کی فضیلت اور فوقیت ثابت ہے اور کس کی ثابت نہیں کیونکہ جب ہم کلام کلّی کے طور پر تمام طریق فضیلت کو مدنظر رکھ کر ایک نبی کے وجوہ فضائل بیان کریں گے تو ہم پر یہ طریق بھی کھلا ہو گا کہ اسی تقریب پر ہم اُس نبی کی پاک باطنی اور تقدس اور طہارت اور معصومیت کے وجوہ بھی جس قدر ہمارے پاس ہوں بیان کر دیں"۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ تمام قومیں معصومیت کی وجوہ ایک ہی طور سے بیان کرتی ہیں یعنی اس بیان میں اگر تمام مذہبوں والے متفق بھی ہوں کہ فلاں فلاں امر گناہ میں داخل ہے جس سے باز رہنے کی حالت میں انسان معصوم کہلا سکتا ہے تو گو ایسا فرض کرنا غیر ممکن ہے تاہم محض اس امر کی تحقیق ہونے سے کہ ایک شخص شراب نہیں پیتا۔ رہزنی نہیں کرتا۔ ڈاکہ نہیں مارتا۔ خون نہیں کرتا۔ جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔ ایسا شخص صرف اس قسم کی معصومیت کی وجہ سے انسان کامل ہونے کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا اور نہ کسی حقیقی اور اعلیٰ نیکی کا مالک ٹھیر سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی پر اپنا یہ احسان جتلائے کہ باوجودیکہ میں نے کئی دفعہ یہ موقعہ پایا کہ تیرے گھر کو آگ لگا دوں۔ اور تیرے شیر خوار بچہ کا گلا گھونٹ دوں مگر پھر بھی میں نے آگ نہیں لگائی اور نہ تیرے بچہ کا گلا گھونٹا۔ تو ظاہر ہے کہ عقلمندوں کے نزدیک یہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نیکی نہیں سمجھی جائے گی اور نہ ایسے حقوق اور فضائل کو پیش کرنے والا کوئی بھلا مانس انسان خیال کیا جائے گا۔ ورنہ ایک حجام۔ اگر یہ احسان جتلا کر ہمیں ممنون بنانا چاہے کہ بالوں کے کاٹنے یا درست کرنے کے وقت مجھے یہ موقعہ ملا تھا کہ میں تمہارے سر یا گردن یا ناک پر استرہ مار دیتا مگر میں نے یہ

نیکی کی کہ نہیں مارا تو کیا اس سے وہ ہمارا اعلیٰ درجہ کا محسن ٹھہر جائے گا ..... نہیں بلکہ وہ ایک طور کے جرم کا مرتکب ہے جو اپنی ایسی صفات ظاہر کرتا ہے اور ایک دانشمند حاکم کے نزدیک ضمانت لینے کے لائق ہے۔ غرض یہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احسان نہیں ہے کہ کسی نے بدی کرنے سے اپنے تئیں بچائے رکھا۔ کیونکہ قانونِ سزا بھی تو اسے روکتا ہے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"ماسوا اس کے **ترک شر** کے لئے جس کو دوسرے لفظوں میں معصومیت کہتے ہیں بہت سے وجوہ ہیں۔ ہر ایک کو یہ لیاقت کب حاصل ہے کہ رات کو اکیلا اُٹھے اور حربۂ نقب ہاتھ میں لیکر اور لنگوٹی باندھ کر کسی کوچہ میں گھس جائے اور عین موقعہ پر نقب لگاوے اور مال قابو میں کرے اور پھر جان بچا کر بھاگ جاوے۔ اس قسم کی مشقیں نبیوں کو کہاں ..... اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ مثلاً ایک شخص جو ایک پُر ثمر باغ کے پاس سے جا رہا تھا اس نے اس باغ کا اسلئے بے اجازت پھل نہیں توڑا کہ وہ ایک بڑا مقدس انسان تھا۔ کیا وجہ کہ ہم یہ نہ کہیں کہ اس لئے نہیں توڑا کہ دن کا وقت تھا پچاس محافظ باغ میں موجود تھے اگر توڑتا تو پکڑا جاتا مار کھاتا۔ بیعزت ہوتا۔ اس قسم کی نبیوں کی تعریف کرنا اور بار بار معصومیت معصومیت پیش کرنا۔ اور دکھلانا کہ اُنہوں نے ارتکاب جرائم نہیں کیا سخت مکروہ اور ترک ادب ہے۔ ہاں ہزاروں صفات فاضلہ کی ضمن میں اگر یہ بھی بیان ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ..... انسان کامل کی شناخت کے لئے **کسب خیر** کا پہلو دیکھنا چاہئے یعنی یہ کہ کیا کیا حقیقی نیکیاں اس سے ظہور میں آئیں اور کیا کیا حقیقی کمالات اس کے دل اور دماغ اور کانشنس میں موجود ہیں اور کیا کیا صفات فاضلہ اس کے اندر موجود ہیں۔ سو یہی وہ امر ہے جس کو پیش نظر رکھ کر حضرت مسیح کے ذاتی کمالات اور انواع خیرات اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور خیرات کو ہر ایک پہلو سے جانچنا چاہئے۔ مثلاً **سخاوت** ۔ **فتوت** ۔ **مواسات** **حقیقی حلم** جس کیلئے قدرتِ سخت گوئی شرط ہے **حقیقی عفو** جس کے لئے قدرتِ انتقام شرط ہے **حقیقی شجاعت** جس کے لئے خوفناک دشمنوں کا مقابلہ شرط ہے **حقیقی عدل** جس کیلئے قدرتِ ظلم شرط ہے **حقیقی رحم** جس کے لئے قدرتِ سزا شرط ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی زیرکی اور اعلیٰ درجہ کا حافظہ اور اعلیٰ درجہ کی فیض رسانی اور اعلیٰ درجہ کی **استقامت** اور اعلیٰ درجہ کا احسان جن کے لئے نمونے اور نظیریں شرط ہیں۔ پس اس قسم کے صفات فاضلہ میں مقابلہ اور موازنہ ہونا چاہئے

نہ صرف ترکِ شر میں جس کا نام بشپ صاحب معصومیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ نبیوں کی نسبت یہ خیال کرنا بھی ایک گناہ ہے کہ انہوں نے چوری ڈاکہ وغیرہ کا موقعہ پاکر اپنے تئیں بچایا یا یہ جرائم اُن پر ثابت نہ ہو سکے۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "مجھے نیک مت کہہ" یہ ایک ایسی وصیت تھی جس پر پادری صاحبوں کو عمل کرنا چاہئے تھا....."

"اگر بشپ صاحب تحقیق حق کے درحقیقت شائق ہیں تو وہ اس مضمون کا اشتہار دیدیں کہ ہم مسلمانوں سے اسی طریق سے بحث کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نبیوں میں سے کمالاتِ ایمانی و اخلاقی و برکاتی و تاثیراتی و قولی و فعلی و ایمانی و عرفانی و علمی و تقدسی اور طریق معاشرت کے رو سے کون نبی افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر وہ ایسا کریں اور کوئی تاریخ مقرر کرکے ہمیں اطلاع دیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص تاریخ مقررہ پر ضرور جلسۂ قرار دادہ پر حاضر ہو جائے گا۔"

یہ اشتہار تمام شہر لاہور و دیگر مقامات میں تقسیم کیا گیا۔ اور انگریزی میں ترجمہ کرکے بشپ صاحب کی خدمت میں خاص طور پر بھیجا گیا۔ اور مسیح کا واسطہ دے کر درخواست کیگئی کہ اس مباحثہ کو ضرور منظور کرلیں۔ مگر بشپ صاحب ایسے سٹ پٹائے کہ مباحثہ سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس سٹ پٹانے کی وجہ ایک تو اس اشتہار کی شرائط اور دلائل کی مضبوطی تھی۔ دوسرے ۲۵۔ مئی ۱۹۰۰ء کو ہی یعنی اسی روز جس دن یہ اشتہار شائع ہوا ایک جلسہ میں حضرت مرزا صاحب کا ایک مضمون وہ سُن چکا تھا جس نے اسکے چھکے چھڑا دیئے۔ اُس جلسہ کا بھی قصہ سُن لو۔

"زندہ رسول" پر مناظرہ

میں عرض کر چکا ہوں کہ بشپ صاحب "معصوم نبی" اور "زندہ رسول" پر مسلمانوں سے ٹکر کھانے کے لئے تلے ہوئے تھے اور ان کو جرأت ان غلط عقائد کی وجہ سے ہوئی تھی جو عام مسلمانوں میں مولویوں کی غلط روایات نے رائج کر رکھے تھے۔ اُنہوں نے اس ۱۸ مئی والے جلسہ کے بعد جس میں معصوم نبی پر لکچر دیا تھا ۲۵۔ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک اور جلسہ قرار دیا جس میں "زندہ رسول" پر لکچر دینے کا اعلان کیا اور بالمقابل اس لکچر کے جواب کے لئے لاہور کے مسلمانوں کو بڑے زور سے چیلنج دیا۔ لاہور کی اسلامی انجمنوں کو جب لاہور میں کوئی مولوی ایسا نہ ملا جو بشپ صاحب کے مقابلہ پر بولے تو اُنہوں نے امرتسر سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بلایا مگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی۔ چاہا کہ مسلمانوں کو اس جلسہ میں جانے سے ہی روک لیں لیکن اس معاملہ میں ان کی پیش نہ گئی اور اہل الرائے لوگوں نے کہا کہ اس جلسہ میں شامل نہ ہونا اور بشپ صاحب کے مقابلہ سے فرار کر جانا اسلام کی سخت

ذلت اور شکست ہے۔ تب سب نے بہ اتفاق رائے یہ تسلیم کیا کہ "زندہ رسول" کے موضوع پر بشپ صاحب کا مقابلہ کرنے کے لئے سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی یا اُن کی جماعت کے اور کوئی موزون آدمی نہیں مل سکتا کیونکہ ہمارے علما کے اس عقیدہ نے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر بجسد عنصری زندہ موجود ہیں ہمارے ہاتھ کاٹ رکھے ہیں۔ ہم محمد رسول اللہ صلعم کو وفات یافتہ اور حضرت عیسیٰ کو زندہ مان کر کس طرح "زندہ رسول" کے لکچر کا جواب دے سکتے ہیں۔ خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس موقع پر حضرت اقدس مرزا صاحب کے دو شعر کس قدر حسب حال ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می خواند ✦ مگر مدفونِ یثرب را ندانند ایں فضیلت را

ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند ✦ دلیری ہا پدید آمد پرستاران میت را

غرضکہ اس مشکل کو محسوس کر کے مسلمانانِ لاہور نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا۔ وقت بہت تنگ ہو چکا تھا۔ لیکن آپ نے دو گھنٹہ میں ایک مضمون زندہ رسول پر لکھ کر دیدیا۔ جس کا کمال اُس وقت نظر آیا جب بشپ صاحب نے ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کو زندہ رسول پر لکچر دیا کیونکہ اسکی کوئی دلیل ایسی نہ تھی جس کا حرف بحرف جواب پہلے سے حضرت اقدس کے مضمون میں موجود نہ تھا۔ ۲۵ مئی کو بشپ صاحب نے کیا بولنا تھا یہ خدا کو ہی علم تھا۔ پس ایسا صریح جواب تفصیل کے ساتھ قبل از وقت لکھا جانا ظاہر کرتا ہے کہ جناب الٰہی کی تائید اور القاء غیبی سے یہ مضمون لکھا گیا تھا۔ یہ مضمون مفتی محمد صادق صاحب نے بڑی کوشش سے چھپوایا۔ اور چھپ کر مطبع سے جلسہ میں عین اُس وقت پہنچا جب بشپ صاحب کی تقریر ختم ہوئی۔ یہ جلسہ لاہور رنگ محل ہائی اسکول میں ۲۶ مئی ۱۹۰۰ء کو شام کے وقت بڑے عظیم الشان پیمانہ پر منعقد ہوا تھا۔ جس میں تین ہزار سے زائد آدمی موجود تھے۔ بشپ صاحب کے لکچر کے ختم ہونے کے بعد مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس کا مضمون بھرے جلسہ میں پڑھا۔

"زندہ رسول" پر حضرت مرزا صاحب کا مضمون

چونکہ مضمون زندہ رسول پر تھا اس لئے سب سے پہلے حضرت مرزا صاحب نے مسیح کو مردہ ثابت کیا اور ان کی وفات پر انجیل اور قرآن کریم اور عقل سے ایسے زبردست دلائل پیش کئے۔ اور اُن کی موت کو ایسا نمایاں کر کے دکھایا کہ کیا عیسائی اور کیا مسلمان سب کے دل ایک دفعہ تو اندر سے بول اُٹھے کہ مسیح مر گیا۔ مضمون کا یہ انداز دیکھ کر بشپ صاحب اور عیسائیوں کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور چہروں پر ہوائیاں چھٹنے لگیں۔ کیونکہ انہیں اس مضمون میں اپنے خداوند یسوع کی خدائی مرتی نظر آئی۔ لیکن چونکہ بشپ صاحب مفتی صاحب

موصوف کو مسلمانوں کا نمائندہ مان کر وقت دے چکے تھے اس لئے روک بھی نہ سکتے تھے۔ گھبرا کر بولے کہ "ہم نے مباحثہ مسلمانوں سے کیا تھا نہ کہ مرزائیوں سے۔ اور مرزائیوں کو مولوی لوگ مسلمان نہیں سمجھتے"۔ اللہ اللہ اس وقت اس مضمون میں وہ اثر اور سحر تھا کہ تمام معقول اور سنجیدہ طبقہ مسلمانوں کا سوائے چند مولویوں اور اُن کے اندھے مقلدین کے بے اختیار پکار اُٹھا کہ "ہم مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس وقت یہ ہمارے نمائندہ ہیں۔ مضمون جاری رہنا چاہیئے"۔ بشپ صاحب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے اور مضمون جاری رہا۔ اس مضمون میں سے دو جگہ سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"اب جبکہ عقل اور انجیل اور قرآن شریف سے حضرت مسیح کا آسمان پر معہ جسم جانا ثابت نہیں بلکہ اس عقیدہ پر عقلی اور نقلی طور پر سخت اعتراضات کی بارش ہوتی ہے تو اس خیال کو پیش کرنا میرے نزدیک تو قابل شرم امر ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم لوگ اس طرح پر اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر نہیں لے جاتے اور نہ روحانی قربوں کے لئے اس کی کچھ ضرورت ہے۔ مگر روحانی زندگی کے لحاظ سے ہم تمام نبیوں میں سے اعلیٰ درجہ پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور قرآن شریف آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم میں اسی زندگی کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہی مطلب ہے کہ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی فیض پایا ایسا ہی آخری زمانہ میں ہوگا کہ مسیح موعود اور اس کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے گی جیسا کہ اب ظہور میں آرہا ہے۔ اور ایک بڑی دلیل اس بات پر کہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روحانی طور پر اعلیٰ زندگی رکھتے ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں رکھتا۔ آپ کے تاثیرات اور برکات کا زندہ سلسلہ ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سچے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کرکے خدا تعالےٰ کے مکالمات سے شرف پاتے ہیں اور فوق العادت خوارق اُن سے صادر ہوتے ہیں اور فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ اس کا نمونہ ایک میں ہی موجود ہوں کہ کوئی قوم اس بات میں ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ تو دلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ہے۔ مگر حضرت مسیح کی زندگی پر کونسی دلیل آپ کے پاس ہے۔ اتنا بھی تو نہیں کہ کوئی پادری صاحب یا مسیح!! یا مسیح کرکے پکاریں اور آسمان سے مسیح کی طرف سے کوئی ایسی آواز آوے کہ تمام لوگ سُن لیں۔ اور اگر اس قدر ثبوت بھی نہیں تو محض دعویٰ قابل التفات نہیں"۔

پھر آگے چل کر مضمون کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب بخوف اندیشۂ طول اسی پر میں ختم کرتا ہوں۔ اور میں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب آسمان کے نیچے اعلیٰ اور اکمل طور پر زندہ رسول صرف ایک ہے یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی ثبوت کے لئے خدا نے مجھے مسیح کر کے بھیجا ہے جس کو شک ہو وہ آرام اور آہستگی سے مجھ سے یہ اعلیٰ زندگی ثابت کرلے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو کچھ عذر بھی تھا۔ مگر اب کسی کیلئے عذر کی جگہ نہیں۔ کیونکہ خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے۔ اور زندہ رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ باتیں سچ ہیں۔ اور خدا وہی ایک خدا ہے۔ جو کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور زندہ رسول وہی ایک رسول ہے جس کے قدم پر نئے سرے سے دنیا زندہ ہو رہی ہے۔ نشان ظاہر ہو رہے ہیں برکات ظہور میں آرہے ہیں۔ غیب کے چشمے کھل رہے ہیں۔ پس مبارک وہ جو اپنے تئیں تاریکی سے نکال لے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"

جلسہ میں مسلمانوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ اور بشپ صاحب اور پادریوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے تھے۔ بشپ صاحب جواب میں کچھ نہ بول سکے۔ البتہ سامعین میں سے بعض نادان مولویوں اور ان کے اندھے مقلدین کی اس آواز کو سن کر کہ مرزائی کافر ہیں انہیں اتنی جرأت ہوگئی کہ کہنے لگے کہ "میں نے یہ باتیں آج نئی سنی ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں سنیں۔ میں ان کا کیا جواب دوں میں مسلمانوں میں اختلاف بڑھانا نہیں چاہتا" اسلام کی فتح اور عیسائیت کی یہ شکست ایسی نمایاں تھی کہ دوست دشمن سب نے محسوس کیا۔

حضرت مرزا صاحب کا چیلنج اس جلسہ کے بعد بشپ صاحب کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اس نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے اس اشتہار سے (جس کا کہ میں ذکر کر چکا ہوں) جو اسی روز شائع ہوا تھا اور جس میں "معصوم نبی" پر مباحثہ کے لئے اسے چیلنج دیا تھا اعراض کیا وہ جان گیا کہ کس زبردست حریف سے مقابلہ ہے۔ اس لئے بات کو ٹال گیا۔ مگر حضرت مرزا صاحب اسے کب چھوڑتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کی طرف سے ایک چیلنج لکھا۔ اور اس پر جماعت اور غیر از جماعت بہت سے معزز اور فہمیدہ مسلمانوں کے دستخط کروا کے ۸۔ جون ۱۹۰۰ء کو بشپ صاحب موصوف کو یہ چیلنج بذریعہ ایک وفد کے بھیجا۔ اس چیلنج میں یہ مرقوم تھا کہ "معصوم نبی" اور "زندہ رسول" پر مناظرہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو پتہ لگ جائے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم میں سے کونسا نبی ہے جو ان خطابات کا صحیح

معنوں میں مستحق ٹھیرتا ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے مقابلہ کیلئے آپ آدیں اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہوں گے۔ آپ کو اس لئے منتخب کیا جاتا ہے کہ:۔

"اُس دن سے جو آپ نے بمقام لاہور اس مضمون پر تقریر کی کہ نبی معصوم اور زندہ رسول کون ہے ہمارے دل بول اُٹھے کہ اس ملک میں آپ ہی ایک ہیں جو عیسائی مذہب میں جلیل القدر فاضل ہیں۔ تب سے ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اس کام کیلئے عیسائی صاحبوں میں سے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا۔ کیونکہ آپ کے معلومات بہت وسیع معلوم ہوتے ہیں اور آپ عربی اور فارسی اور اُردو میں دخل رکھتے ہیں"

جن مسائل میں تحریری مباحثہ ہونا چاہیئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

"(۱) ان دونو نبیوں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کس نبی کی نسبت اس کی کتاب کے رُو سے اور نیز دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ وہ **کامل طور پر معصوم ہے**"

"(۲) ان دونو بزرگوار نبیوں علیہما السلام میں سے کونسا وہ نبی ہے جس کو اس کی کتاب وغیرہ دلائل کے رُو سے **زندہ رسول** کہہ سکتے ہیں جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے"

"(۳) ان دونو بزرگوار نبیوں علیہما السلام میں سے کونسا وہ نبی ہے جس کو اس کی آسمانی کتاب وغیرہ دلائل کے رُو سے **شفیع** کہہ سکتے ہیں"

"(۴) ان دونو مذہبوں عیسائیت اور اسلام میں سے کونسا وہ مذہب ہے جسکو ہم **زندہ مذہب** کہہ سکتے ہیں"

"(۵) ان دونو تعلیموں انجیلی تعلیم اور قرآنی تعلیم میں سے کونسی وہ تعلیم ہے جس کو ہم اعلیٰ اور سچی تعلیم کہہ سکتے ہیں۔ اور تعلیم میں توحید اور تثلیث کی بحث بھی داخل ہے"

اس مناظرہ کی شرائط یہ تھیں کہ مناظرہ بمقام لاہور ہوگا۔ اور تحریری ہوگا۔

"ہر مسئلہ پر بحث میں ایک دن خرچ ہوگا۔ گویا پانچوں مسائل پر پانچ دن خرچ ہونگے۔ ہر ایک فریق پورے تین تین گھنٹے لیگا"

"ہر ایک فریق محض اپنے نبی یا کتاب کی نسبت ثبوت دیگا۔ دوسرے فریق کے نبی یا کتاب کی نسبت حملہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ ایسا حملہ فضول اور بسا اوقات دل شکنی کا موجب ہوتا ہے۔ بعد میں یہ مناظرہ شائع کیا جائے گا۔ اور اپنی طرف سے ملانے کا کسی کو حق نہ ہوگا"

اس چیلنج کے نیچے کثیر تعداد میں معزز اور تعلیم یافتہ جماعت اور غیر از جماعت مسلمانوں کے دستخط تھے

اس چیلنج کی نسبت انگریزی اخبار پایونیر نے یہ الفاظ لکھے تھے:۔

"اس چٹھی پر بہت سے دستخط ہیں جن میں سے پہلے چند اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کافی ہونگے کہ کس قدر عام اور وسیع دلچسپی اور انتظار کے ساتھ مسلمان اس مقابلہ کو دیکھنا چاہتے ہیں"

اُس وفد میں بھی جو یہ چیلنج لیکر بشپ صاحب کے پاس گیا تھا جماعت اور غیر از جماعت مسلمانوں کے اکابر اور معززین شامل تھے۔ بشپ صاحب نے سمجھا کہ مناظر کوئی مولوی ہوگا اور ایک مولوی کا مار لینا بشپ صاحب کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس لئے بہت اخلاق سے پیش آئے اور اس چیلنج پر بہت اظہار خوشنودی کیا اور منظور کر لیا۔ لیکن جب وفد رخصت ہو کر کوٹھی سے باہر نکلا اور بشپ صاحب نے اصل چیلنج کو غور سے پڑھا تو انہیں پتہ لگا کہ بالمقابل مناظر مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ بس انکے ہاتھوں کے طوطے ہی تو اُڑ گئے۔ فوراً آدمی بھیجکر وفد کو واپس بلالیا اور کہنے لگے کہ میں مناظرہ نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے فرصت نہیں۔ میں شملہ جا رہا ہوں۔ وفد کے اراکین نے بہتیرا سمجھایا کہ آپ مذہبی مقتدا ہیں اس سے بڑھ کر دینی کام کونسا ہو سکتا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ دو مذاہب کے جھگڑے کا فیصلہ کریں لیکن وہ نہ مانے۔ شملہ جانے کا عذر جب بار بار پیش کیا تو وفد نے کہا کہ بہت اچھا حضرت مرزا صاحب بھی شملہ چلنے کو تیار ہیں یہ مباحثہ وہیں ہو جائے گا۔ تو اگرچہ مانتے تو نہ تھے مگر یہ کہہ کر اُس وقت جان چھڑائی کہ سوچکر شملہ سے جواب دوں گا۔ بات یہ تھی کہ بشپ صاحب کو "زندہ رسول" والے مناظرہ کا تجربہ ایسا ہوا تھا کہ وہ فراموش ہو جاتا۔ وہ حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ پر آنا اپنی اور عیسائیت کی موت سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی نجات اس مباحثہ سے فرار میں ہی دیکھی۔ اور شملہ سے ۱۲۔ جون ۱۹۰۰ء کو اس چیلنج کا جواب یہ دیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس تجویز کو قبول نہیں کر سکتا اور اس کے وجوہات یہ دیئے کہ (۱) اوّل تو مرزا غلام احمد صاحب سے میں مناظرہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُنہوں نے وہ خطاب مسیح کا اختیار کیا ہے جو ہمارے خداوند یسوع کا ہے اور اس طرح انہوں نے میرے خداوند اور مالک کی جس کی میں پرستش کرتا ہوں سخت ہتک کی ہے۔ (۲) دوسرے مرزا صاحب نے عیسائیوں کی تعلیمات پر بڑے سخت حملے کئے ہیں (۳) تیسرے مرزا صاحب کو میں مسلمانوں کا وکیل نہیں مان سکتا۔ کیونکہ بہت سے مسلمان اُن کو کافر کہتے ہیں۔ (۴) چوتھے یہ کہ میں اس ضلع کا بشپ ہوں مجھے عیسائی کلیساؤں کی حاجتیں پوری کرنے کا بہت شغل ہے اس لئے مجھے فرصت نہیں۔

بشپ صاحب کی اس چٹھی کا جواب ۱۰۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو پھر قادیان سے مولوی محمد علی صاحب

نے دیا جس میں اُس کی ایک ایک بات کا مفصل اور معقول جواب تھا۔ اور لکھا کہ جب بہت سے معزز اور فہمیدہ مسلمانوں کے دستخط ہیں تو یہ عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ بعض مولوی مرزا صاحب کو کافر سمجھتے ہیں۔ آپ تسلی کر لیں کہ تمام فہمیدہ اور معزز طبقہ مسلمانوں کا اس مناظرہ کیلئے بیتاب ہے یا نہیں؟ اور آپ جب خود ان مسائل پر بحث کے لئے مسلمانوں کو چیلنج دے چکے ہیں تو کیا یہ اچھی بات نہیں کہ ان مسائل کا تصفیہ خوش اسلوبی کے ساتھ ہو جائے خواہ حریف مقابل آپکا کوئی بھی ہو۔ اصل غرض تو مسائل سے ہے۔ اور مرزا غلام احمد صاحب کو اسلئے تجویز کیا گیا ہے کہ آپ جیسے عالم و فاضل کے مقابلہ پر حریف بھی اُسی پایہ کا ہونا چاہیئے۔ ایک معمولی مولوی کو آپ کے مقابلہ پر لانا تو خود آپ کی ہتک ہے۔ اور اگر مرزا صاحب کو آپ مسیحیت کا دشمن بھی سمجھتے ہیں تو انجیل میں تو حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ "اپنے دشمن سے پیار کرو"۔ پس آپ اپنے دشمن سے اگر پیار نہیں کر سکتے تو بڑا افسوس ہے۔ اور جب مباحثہ میں فریق ثانی کے مذہب پر حملہ کرنے کی اجازت ہی نہیں تو ڈر کس بات کا ہے۔ غرضکہ بہتیرا مولوی محمد علی صاحب نے سمجھایا اور یسوع مسیح کا واسطہ دے کر لکھا کہ مناظرہ ضرور منظور کر لو تا حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے لیکن بشپ صاحب ایسے ہٹے سے اُکھڑے کہ مناظرہ کرنا قبول ہی نہ کیا۔ اور صاف لکھ دیا کہ میں اپنی پہلی چٹھی پر ہی قائم ہوں۔ اور مجھے یہ مناظرہ منظور نہیں۔

اس چیلنج پر انگریزی اخبارات کی آراء

چونکہ یہ چیلنج اور بشپ صاحب کا خط اور جواب الجواب سب شائع کر دیا گیا تھا اس لئے اس چیلنج اور ڈاکٹر لیفرائے بشپ آف لاہور کے انکار پر معزز انگریزی اخبارات نے اُس وقت جو رائیں دیں وہ بہت ہی دلچسپ ہیں۔ ان میں سے میں یہاں تین انگریزی کے اخباروں کی رائے جن کے ایڈیٹر عیسائی انگریز تھے اُردو میں ترجمہ کر کے نقل کرتا ہوں۔ ایک اس چیلنج کے بارے میں اور دو بشپ صاحب کو چیلنج اور اسکے انکار کے بارے میں:

(۱) پایونیر نے جب اس چیلنج کو شائع کیا تو یہ معنی فقرہ اس کے اوپر لکھا تھا:۔

"اگر ڈاکٹر لیفرائے مقابلہ کرنا منظور کر لے تو بیشک یہ مباحثہ نہایت ہی دلچسپ ہوگا"

(۲) انڈین ڈیلی ٹیلیگراف نے اپنی ۱۹۔ جون ۱۹۰۰ء کی اشاعت میں لکھا تھا:۔

"ہم کسی دوسرے صفحہ پر ایک نہایت ہی دلچسپ مذہبی چیلنج جو مسلمانوں کے اس فرقہ کی طرف سے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیرو ہیں لاہور کے بشپ کے نام دیا گیا ہے نقل کرتے ہیں اس کی بڑی دلچسپی کی وجہ یہ بھی ہے کہ نہایت سنجیدگی اور نیک نیتی کے ساتھ پیش کیا

گیا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی قادیان کے رئیس ہیں اور اس چیلنج میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہی کرتے ہیں بلکہ اس دعوے کو مضبوط اور قاطع دلیلوں کے ساتھ انہوں نے ثابت کر دکھایا ہے اور اپنے آپ کو وہ موعود ثابت کیا ہے جس کے آنے کی پیشگوئیاں قرآن مجید اور بائیبل میں بیان کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور شخص کے پیرو دنیا کے مختلف حصّوں میں تیس ہزار کے قریب ہیں اور ان کے دوست اور مرید دل سے چاہتے ہیں کہ وہ لاہور کے بشپ کے ساتھ جس کے لیکچر دینے مسلمانوں کو قائل کر دیا ہے کہ وہ اپنے مذہبی علوم میں لاثانی ہے۔ مذہب اسلام اور عیسائیت کی سچائی پر ایک فاضلانہ اور معقول بحث کریں۔ بشپ کا وسیع علم اور تجربہ اور ان کی عربی فارسی اور اردو سے واقفیت اور ان کے مہذبانہ اور عمدہ اخلاق بھی بطور وجوہات بیان کئے گئے ہیں کہ کیوں خصوصاً انہی کو اسلام کے اس پہلوان کے ساتھ مباحثہ کیلئے بلایا گیا ہے۔ چیلنج سارے کا سارا نہایت مؤدبانہ الفاظ میں ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز کے مجوز بڑی سچی خواہش اس امر کی رکھتے ہیں کہ عیسائیت اور اسلام (نہ اسلام اور عیسائیت) کا بالمقابل فضائل اور خوبیوں پر ایک باقاعدہ اور عمدہ مباحثہ ہو جس میں دونو فریق کیلئے منصفانہ شرطیں پیش کی گئی ہیں۔ اور چیلنج دینے والے جن کی تعداد بہت بڑی ہے ہندوستان کے مختلف حصّوں سے ہیں اور بشپ صاحب کو یسوع مسیح کے نام کی قسم دیکر ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ضرور اس مباحثہ پر رضامند ہو جائیں گے۔ ہماری رائے ہے کہ بشپ صاحب اگر اس چیلنج کو منظور کر لیں تو بہت اچھا ہوگا۔ خود بخود ایک ایسی بڑائی اختیار کر لینا جو مباحثہ کے لئے بھی مجھک نہیں سکتی ان کی غلطی ہوگی۔ کیونکہ پھر چیلنج دینے والے یہ کہنے کے حق دار ہوں گے کہ چونکہ فریق ثانی نے اپنے مقدمہ کو ڈیفنڈ (مدافعت) نہیں کیا اس لئے اس کی عدم پیروی کے سبب سے فیصلہ ان کے حق میں ہونا چاہئے اور اس طرح پر وہ فسخ کے دعویدار ہوں گے۔ نیز یہ امر کہ مرزا غلام احمد قادیانی وہ موعود شخص نہیں ہے جس کی آمد کے متعلق قرآن شریف اور بائیبل میں پیشگوئیاں ہیں بشپ کے مقابلہ کرنے سے انکار کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ یہ سوال مجوزہ مباحثہ میں پیش نہیں ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ اگر بشپ صاحب چیلنج منظور کر لیں تو اپنے مخالف کو اس غلطی کا بھی قائل کر دیں۔ یہ امر کہ مسلمان اپنے مسیح کو بشپ کے بالمقابل میدان مباحثہ میں پیش کرتے ہیں یہ بشپ صاحب کی علمیت کی بڑی سے بڑی تعریف ہے جو وہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح پر وہ یہ جتانا

چاہتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں بشپ صاحب کو عیسائی مذہب میں اول درجہ کا فاضل مانتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بشپ صاحب کس طرح یہ عذر کر سکتے ہیں کہ ایسے عمدہ مباحثہ میں ان کے وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے گا۔ ان کو ایسے مخالفوں کی تردید کرنے اور ان کو قائل کرنے کا یہ موقع کسی طرح بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ خصوصاً جبکہ ان سے یہ ثابت کرنیکی خواہش کی گئی ہے کہ عیسائیت اور اسلام ہر دو مذاہب میں سے کونسا مذہب زندہ کہلا سکتا ہے۔ اور قرآن مجید اور بائبل دونوں کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم زیادہ افضل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ہم پسند کریں گے اگر چیلنج منظور کر لیا جائے۔ کیونکہ ہمارے خیال میں یہ نہایت ہی دلچسپ ثابت ہوگا"

(۳) انڈین اسپیکٹیٹر مشہور انگریزی اخبار نے بشپ کے انکار پر ذیل کے کلمات لکھے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے بشپ نے متانت کو چھوڑ کر جلد بازی کے ساتھ ایک ایسے چیلنج سے گریز اختیار کی ہے جس کا محرک وہ پہلے خود ہی ہوا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بشپ نے مسلمان حاضرین کے سامنے مسیح کی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس دعوت کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جس کے دعوئے مسیحیت کی نسبت ہم پیشتر ازیں اسی اخبار میں ذکر کر چکے ہیں قبول کر لیا۔ اب خواہ مرزا غلام احمد مفتری ہو اور خواہ وہ اپنے آپ کو واقعی مسیح موعود سمجھتا ہو دونوں حالتوں میں کوئی وجہ نہیں کہ بشپ اس کے ساتھ مباحثہ کرنے سے انکار کرے۔ بشپ کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے مسیح کہلا کر ایک خوفناک ہتک اور بے عزتی مسیح کی کی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ دو ہزار سال گزرے اسی وجہ پر یہودیوں نے یسوع کو صلیب دی تھی۔ اس کے مسیح کہلانے پر انہوں نے ہتک محسوس کی تھی۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بشپ مرزا غلام احمد کے دعوئ مسیحائی کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اس پر حقارت اور استہزا ظاہر کیا ہے اور اس کو وہ مرزا صاحب کے دعوے کے بطلان کا قطعی اور یقینی ثبوت خیال کرتا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ جب پلاطوس نے یہودیوں کے مجمع سے سوال کیا کہ وے عید فسح کے روز کسے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ مسیح کو یا براباس کو۔ تو ان سب نے بالاتفاق بدمعاش چور کے حق میں رائے دی۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع کا دعوئ مسیحیت بے بنیاد تھا؟ ہم مرزا غلام احمد کے پیرو نہیں اور نہ اس کے دعاوی کو مسیح کے دعووں پر ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارا اعتراض بشپ کی جھوٹی منطق

پر ہے۔ اگر تمام مسلمانوں نے مرزا صاحب کا دعویٰ مان لیا ہوتا تو کیا بشپ ان کی رسالت کے دعوے کے متعلق اپنی رائے بدل لیتا؟ اس وقت اس ملک کے لوگ اپنے مذہبی خیالات پر بالاستقلال قائم نہیں ہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے جو اُن کو سچائی پر قائم کرنا چاہتے ہیں ضروری ہے کہ وہ دلائل ایسے پیش نہ کریں جو نہایت مضبوط اور قاطع نہ ہوں"

مذکورہ بالا خطوط و کتابت اور اخباروں کی رائے سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر لیفرائے کو اس مباحثہ کے لئے جس کی تحریک پہلے خود اُنہوں نے ہی کی تھی اس کے مخالفوں اور ہم مذہبوں دونو قسم کے لوگوں نے بلایا کہ وہ اس مباحثہ کو منظور کریں لیکن کوئی چیز بھی اُنہیں رضامند نہ کر سکی۔ پبلک دل سے اس بات کو چاہتی تھی۔ اور چیلنج دہندوں نے جہاں تک ہو سکا کوشش کی کہ بشپ صاحب اس مباحثہ کو قبول کر لیں جس کے وہ خود ہی محرک ہوئے تھے لیکن اُنہوں نے ایک نہ سُنی۔ ڈاکٹر لیفرائے کے پیش کردہ وجوہاتِ انکار پر ذرا بھی غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ کس قدر لغو اور طفلانہ ہیں۔ لاہور کے مسلمانوں کے سامنے لیکچر دینے میں اگر ان کی سچی خواہش ایک صداقت کو ثابت کرنے کی تھی تو پھر انہوں نے اسی صداقت کو بدرجۂ اولیٰ ثابت کرنے کے ایسے پسندیدہ طریق سے گریز کیوں اختیار کی۔ ان کا یکطرفہ لاہور کا لیکچر جہاں کسی مفصل تردید کی توقع نہ ہو سکتی تھی اور پھر ان کا انکار جب ان کو انہیں سوالات کے فیصلہ کے واسطے ایک منصفانہ مباحثہ میں بلایا گیا۔ بشپ صاحب کے فرار اور شکست فاش پر دلیل واضح ہیں۔

بشپ صاحب کے اس فرار کے بعد اُن کے وجوہاتِ انکار کی لغویت کو مولوی محمد علی صاحب نے انگریزی میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ طشت از بام کر کے تمام پبلک میں شائع کیا جسے بعد میں یو پی آنریلیجنز میں بھی شائع کیا گیا لیکن بشپ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ پھر نہ بولے کچھ عرصہ کے بعد پتہ لگا کہ ہندوستان سے ہی بستر گول کر کے خلیج فارس کو چلے گئے۔

عیسائیوں کو حضرت مرزا صاحب اور ان کے مریدوں سے مباحثہ کرنیکی ممانعت

قرآن شریف نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ نصرت الٰہی ہونیکا ایک ثبوت یہ بھی دیا ہے کہ سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔ کہ ہم عنقریب کافروں کے دلوں پر تمہارا رعب طاری کر دیں گے۔ یہی معاملہ یہاں ہوا۔ نہ صرف بشپ صاحب پر بلکہ تمام پادریوں پر حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت کا ایسا رعب بیٹھا کہ انہوں نے اپنی نجات اسی میں سمجھی کہ در پردہ ہر ایک پادری اور مسیحی مشنری کو یہ تاکید کر دی گئی کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے ہرگز مباحثہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد ہر جگہ یہی تماشہ نظر آنے لگا کہ جہاں کسی پادری

یا عیسائی مناظر کو دوران مباحثہ میں پتہ لگا کہ فریق مقابل مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مرید ہے اور اُس نے مباحثہ بند کیا اور کہدیا کہ "تم مرزائی ہو اس لئے ہم تم سے بحث نہیں کرتے"۔ راولپنڈی میں ایک انگریز پادری اینڈرسن ہوا کرتا تھا۔ بڑا مناظر۔ بڑا چلتا پرزہ۔ گرگ کہن۔ پنجابی بھی خوب بولتا تھا۔ دوران مناظرہ میں جہاں وہ زچ ہوتا اور بھانپ لیتا کہ ہو نہ ہو یہ مرزائی ہے۔ اس لئے کہ ایسا زبردست مناظرہ جس میں عیسائی پادری کو کوئی مفر کی راہ نہ باقی رہے یہ حضرت مرزا صاحب کے مریدوں کا ہی امتیاز خصوصی تھا۔ تو فوراً پوچھا کرتا کہ تم مرزائی تو نہیں؟ اگر فریق مقابل نے اثبات میں جواب دیا تو کتابیں سنبھال کر چلتا ہوتا۔ اور کہتا جاتا "تم کافر ہو۔ پہلے گورداسپور جا کر اپنے مسلمان ہونے کا فتویٰ لاؤ پھر مباحثہ کے لئے آؤ"۔ اُسے کئی دفعہ کہا گیا کہ تمہیں اس سے کیا۔ کہ ہم کافر ہیں یا مسلمان۔ تم سیدھی طرح سوال کا جواب دو۔ کہتا کہ ہم مرزائی کو جواب نہیں دیا کرتے۔ پوچھا کیوں۔ کہنے لگا تم جھوٹے ہو۔ اس پر جواب دیا کہ تمام وہ لوگ جو عیسائی نہیں ہیں جن سے تم مباحثہ کرتے پھرتے ہو کیا وہ سب سچے ہیں اسلئے اُن سے جھگڑتے ہو۔ اس پر مبہوت ہو کر رہ جاتا۔ لیکن مباحثہ ہرگز نہ کرتا۔ مسلمانوں کے مختلف میلوں میں پادری لوگ کیمپ لگایا کرتے اور وعظ کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کا اگر کوئی مرید وہاں جا پہنچتا اور دورانِ مناظرہ میں انہیں پتہ لگ جاتا کہ یہ مرزائی ہے تو کیمپ ہی اُکھیڑ کر چلتے بنتے۔ ایک دفعہ ہمارے ایک دوست نے ایک پادری سے دوستانہ طریق پر پوچھا کہ آخر یہ قصہ کیا ہے کہ ہماری شکل دیکھکر تم بدکتے ہو تو وہ بولا کہ "ہمیں مرزائیوں سے مباحثہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ مشن کی ملازمت سے برخاست ہو جائے گا۔ خدا کے لئے ہمیں جانے دو اور ہماری روزی لگی رہنے دو"۔ کئی برسوں کے بعد پادری فضل الٰہی صاحب جب مسلمان ہوئے اور حضرت مرزا صاحب کے مریدوں میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنے ایک لیکچر میں یہ سنایا کہ ہمیں درپردہ حکم آیا ہوا تھا کہ مرزائیوں سے قطعاً مناظرہ نہ کیا جائے۔ انارکلی میں پادریوں نے ایک ہال لیا ہوا تھا جس میں روزانہ شام کو مسیحیت کا وعظ ہوا کرتا تھا۔ لوگ سُننے جایا کرتے تھے۔ جب حضرت مرزا صاحب اور اُن کے مریدوں کا رعب پڑا تو مشن کالج لاہور کے پرنسپل پادری یوانگ صاحب نے حکم دیا کہ اس ہال کے دروازے بند کر کے وعظ کیا کرو۔ پادری فضل الٰہی صاحب نے اُن سے کہا کہ پھر وعظ کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ تو پادری یوانگ صاحب بولے کہ "اگر دروازہ کھلا رہا تو تم میں سے کون ذمہ لیتا ہے کہ کوئی مرزائی نہ اندر گھس آئے گا"۔ اللہ اللہ یہ ہوتا ہے حق کا رعب! اور یہ ہے صحیح معنوں میں کسرِ صلیب!

آنحضرت صلعم کے زندہ رسول ہونے اور آپکے زندہ معجزات پر تقریر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ رسول ہونے کے تذکرہ کے ضمن میں یہ بے محل نہ ہوگا۔ اگر میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی اُس تقریر کا تھوڑا سا حصہ یہاں نقل کردوں جو آپ نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ رسول ہونے اور آپ کے زندہ معجزات پر ارشاد فرمائی تھی اور جو الحکم ۱۰۔ اور ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ کس زور کی تقریر ہے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"نادان اور بد اندیش مخالفوں نے اس علم پر کبھی غور نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر اعتراض کیا ہے۔ مگر افسوس ہے ان آنکھ بند کرکے اعتراض کرنے والوں کو یہ علوم نہ ہوا کہ جس قدر معجزات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے ہیں دنیا میں کل نبیوں کے معجزات کو بھی اگر ان کے مقابلہ میں رکھیں تو میں ایمان سے کہتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بڑھ کر ثابت ہوں گے۔ قطع نظر اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے اور قیامت تک اور اس کے بعد تک کی پیشگوئیاں اس میں موجود ہیں۔ سب سے بڑھ کر ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ان پیشگوئیوں کا زندہ ثبوت دینے والا موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور نشان کھڑا کیا اور پیشگوئیوں کا ایک عظیم الشان نشان مجھے دیا۔ تا میں ان لوگوں کو جو حقائق سے بے بہرہ اور معرفت الٰہی سے بے نصیب ہیں روز روشن کی طرح دکھادوں کہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کیسے مستقل اور دائمی ہیں۔ کیا بنی اسرائیل کے بقیہ یہود یا حضرت مسیح علیہ السلام کو خداوند خدا و ندپکارنیوالے عیسائیوں میں کوئی ہے جو ان نشانات میں میرا مقابلہ کرے۔ میں پکار کر کہتا ہوں کہ کوئی بھی نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ پھر یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداری معجزہ نمائی کی قوت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ یہ مسلم مسئلہ ہے کہ وہ معجزات نبی متبوع کے ہی معجزات کہلاتے ہیں جو اس کے کسی متبع کے ہاتھ پر سرزد ہوں۔ پس جو نشانات خوارق عادات مجھے دیئے گئے ہیں۔ جو پیشگوئیوں کا عظیم الشان نشان مجھے عطا ہوا ہے یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ معجزات ہیں۔ اور کسی دوسرے نبی کے متبع کو یہ آج فخر نہیں ہے کہ وہ اس طرح پر دعوت کرکے ظاہر کردے کہ وہ بھی اپنے اندر اپنے نبی متبوع کی قوت قدسی کی وجہ سے خوارق دکھا سکتا

ہے۔ یہ فخر صرف اسلام کو ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ رسول ابدالآباد کیلئے صرف محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں جن کے نفوس طیبہ اور قوت قدسیہ کے طفیل سے ہر زمانہ میں ایک مرد خدا خدا نمائی کا ثبوت دیتا رہتا ہے"

معیار الاخیار

بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور شہر لاہور میں ایک شخص بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ ہوا کرتے تھے جو مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کے مرید تھے اور جو کہا کرتے تھے کہ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اور بہت عرصہ سے ہوتا ہے۔ مدت تک ان کو حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق میں الہام اور رویا ہوتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے الہامات کا ایک رجسٹر بنایا ہوا تھا۔ اس میں ایک جگہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ دل میں خیال کیا کہ مرزا صاحب کو تو خدا تعالےٰ نے بڑے بڑے درجات عطا کئے مگر میرے واسطے کچھ نہیں۔ تو الہام ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ غرض یہ بابو صاحب اور ان کے ساتھی منشی عبدالحق صاحب پنشنر ہمیشہ حضرت مرزا صاحب کی تائید اور تصدیق میں مصروف رہے۔ لیکن ایک دفعہ جب یہ دونو صاحبان قادیان حضرت اقدس مرزا صاحب کے پاس آئے اور آپ کی خدمت میں اپنے الہامات کی کتاب کھولی جس میں ہر قسم کا رطب و یابس بھرا ہوا تھا۔ تو حضرت اقدس نے بابو صاحب کو باوجود اپنی بے بضاعتی کے اپنے الہامات پر جو زیادہ اتراتے ہوئے دیکھا تو از روئے شفقت انہیں سمجھایا کہ حقیقت الہام کیا ہے اور کس طرح سے اس میں بعض دفعہ اپنی خواہشات اور شیطان کے دھوکوں کی ملونی ہوتی ہے۔ اور عوام کے الہامات اور مامورین من اللہ کے الہامات میں فرق بتلایا (جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب ضرورت الامام میں بھی تحریر فرمایا ہے بلکہ جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں ضرورت الامام کی تصنیف کے موجب یہی بابو صاحب ہوئے تھے) یہ بات بابو صاحب کو بہت بری لگی اور ان پر قبض وارد ہوئی۔ اور بدقسمتی سے اسی قبض کی حالت میں وہ قادیان سے چلے گئے۔ اور آخر وہی بات ہوئی جو حضرت مرزا صاحب نے فرمائی تھی کہ مامور من اللہ اور مردان کامل کے سوا عوام کے الہامات میں حدیث نفس اور القائے شیطانی کا خطرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یا تو بابو صاحب کو حضرت مرزا صاحب کی تائید میں الہام ہوا کرتے تھے یا اب بہ سبب ان کی اپنی تمنی کے دخل کے ان کی مخالفت میں الہامات ہونے شروع ہو گئے

اور بابو صاحب کو اس وقت قطعًا یہ خیال نہ آیا کہ میرے اپنے پیر و مرشد حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی اپنا کشف حضرت مرزا صاحب کی تائید میں پبلک پر ظاہر کر چکے تھے کہ قادیان میں ایک نور اُترا جس سے میری اولاد محروم رہ گئی۔ اور اس کشف کی خود بابو الٰہی بخش صاحب اور منشی عبدالحق صاحب ہمیشہ تصدیق کرتے رہے۔ اور پھر خود بابو صاحب موصوف کے اپنے الہامات ہمیشہ حضرت مرزا صاحب کی تصدیق کرتے رہے تو اب کیا ہو گیا کہ مخالفت میں الہام ہونے لگ گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ کبر نفس کی وجہ سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی بات جو بُری لگی تو شیطان نے حضرت اقدس کے خلاف القا کرنا شروع کر دیا۔ وجہ یہ کہ عوام کا قلب ابھی شیطان کے اثر سے بکلی پاک نہیں ہوتا اس لئے ان کے الہامات بھی محفوظ نہیں ہوتے۔ کیونکہ انسان کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر شیطان بھی القا کرتا رہتا ہے۔ اور لطف یہ کہ بابو صاحب پھر انہی لوگوں یعنی عبدالجبار غزنوی اور دیگر ہمقسم مولویوں کے ساتھ جا ملے جو ابتدا میں ان کے الہامات سُن سُن کر تمسخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اب تو بابوؤں کو بھی الہام ہونے لگے۔ اور ایک دفعہ اُن لوگوں نے آپ کو سخت الفاظ میں مخالفانہ خط لکھا تو بابو صاحب کو الہام ہوا کہ "چہ داند بوزنہ لذاتِ ادرک"۔ پس جن لوگوں کو بابو صاحب کے الہام نے بوزنہ یعنی بندر قردۃ خاسئین کا مصداق بتایا تھا۔ انہی کے ساتھ جا ملنا بابو صاحب کی کسقدر حماقت اور نادانی تھی۔

ان بابو الٰہی بخش صاحب کی پارٹی کے آدمی حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری اور فتح علی شاہ صاحب اور منشی عبدالحق صاحب تھے۔ یہ چاروں صاحب ابتدا میں حضرت مرزا صاحب کے بہت مداح رہے اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ مگر ہمیشہ بیعت میں تساہل کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دل سخت ہوتے گئے۔ اور بابو الٰہی بخش صاحب کا یہ ابتلا سب کو لے ڈوبا۔

حافظ محمد یوسف امرتسری کی شہادت حقہ

حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری داروغہ نہر اور منشی محمد یعقوب صاحب دو حقیقی بھائی تھے اور دونو مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کے خاص معتقدین مصاحبین میں سے تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری نے ایک مرتبہ قریبًا دو سو گواہوں کی موجودگی میں اپنا حلفی بیان دیا تھا کہ "ایک دن مولوی عبداللہ صاحب غزنوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ میں نے کشفی طور پر دیکھا ہے کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا ہے اور میری

اولاد اس سے محروم رہ گئی ہے"۔ یعنی اُس کو قبول نہیں کیا اور وہ انکار اور مخالفت پر مرے گی۔

منشی محمد یعقوب صاحب کی شہادت حقہ

اسی طرح امرت سر میں جب حضرت مرزا صاحب کا مولوی عبدالحق صاحب غزنوی سے مباہلہ ہوا تھا تو اس کے بعد محمد شاہ کی مسجد کے قریب میدان میں کھڑے ہو کر منشی محمد یعقوب صاحب نے قریباً دو سو آدمیوں کے روبرو بیان کیا تھا کہ مولوی عبداللہ غزنوی صاحب نے مجھے کہا تھا کہ "ایک نور پیدا ہوگا جس سے دنیا کے چاروں طرف روشنی ہو جائے گی اور وہ نور مرزا غلام احمد ہے جو قادیان میں رہتا ہے"۔ پھر منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کے استفسار پر انہی منشی محمد یعقوب صاحب نے ایک خط لکھا جو ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے تو اس صورت میں بیان کیا تھا کہ میرے گھر میں یہ خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹا اور درمیان آسمان اور زمین کے آکر اس کے چار ٹکڑے ہو کر ہر چار ٹکڑے ہر ایک گوشۂ دنیا میں گرے اور گرتے ہوئے ہر چار گوشہ میں بہت زور شور سے شعلہ زن ہوئے۔ یہ خواب بندہ نے علی الصباح مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سے بیان کر کے تعبیر دریافت کی۔ فرمایا قریب ہے کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیدا ہو جس کے سبب سے دنیا کے ہر چار گوشہ سے دین کی ترقی ہو۔ اور ساتھ ہی ایسا بھی فرمایا کہ شاید مرزا قادیان سے ظہور ہو۔ یعنی اس نور کا ظہور مرزا قادیانی کے وجود سے ہو"۔

بابو الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ کے نام حضرت مرزا صاحب کا ایک خط

بابو الٰہی بخش صاحب نے جب اپنے مرشد مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کے مندرجہ بالا کشف اور تعبیر کی کچھ پروا نہ کرتے ہوئے اپنے الہامات حضرت مرزا صاحب کے خلاف لوگوں کو سنانے شروع کئے تو حضرت مرزا صاحب نے ۱۶۔ جون ۱۸۹۹ء کو بابو الٰہی بخش صاحب کو ایک خط لکھا کہ آپ کو بھی الہام ہوتے ہیں اور مجھے بھی الہام ہوتے ہیں اور دونو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مسلمان حیران ہیں کہ کس کو مانیں اور کس کو نہ مانیں۔ پس آپ کو خدا کی قسم ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر رحم کر کے ۳۰۔ جون ۱۸۹۹ء تک اپنے الہامات جو میرے خلاف ہیں چھاپ کر مجھے بھیجدیں تا پھر میں بھی اپنے الہامات جن پر میرے دعاوی کی بنا ہے چھاپ دوں اور پھر ہم دونو خدا سے آسمانی فیصلہ کی درخواست کریں تا مسلمانوں کو اس تذبذب سے نجات ہو۔ لیکن بابو الٰہی بخش صاحب نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ کسی طرح ٹس سے مس ہی نہ ہوئے۔ البتہ اپنے دوستوں میں پرائیویٹ طور پر اپنے مخالفانہ الہام سناتے رہے اور حضرت اقدس مرزا صاحب کو نعوذ باللہ کذاب قرار دیتے رہے۔

اشتہار معیار الاخیار آخر حضرت اقدس نے تنگ آکر ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار معیار الاخیار شائع فرمایا جس میں حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری اور ان کے بھائی منشی محمد یعقوب صاحب کی گواہیوں کو درج فرمایا اور بابو الٰہی بخش صاحب کو توجہ دلائی کہ تمہارے مرشد کے جن کو تم اسقدر بزرگ مانتے ہو کشوف تو مجھے صادق بتاتے ہیں۔ پس تم میں اگر کوئی خدا کا خوف ہے تو ایسے بزرگ کے کشوف کے مقابلہ میں اپنے الہامات کو جن کی حیثیت حدیث نفس سے بڑھ کر نہیں زیادہ اہمیت نہ دو۔ بلکہ اپنے مرشد کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ لیکن اگر اپنے مزعومہ الہامات کی صداقت پر ہی آپ کو اصرار ہو تو پھر میرے ۱۶۔ جون ۱۸۹۹ء کے خط کے مطابق اپنے ان الہامات کو شائع کر دو جن میں مجھے کذاب بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھ دو کہ میں اپنے مرشد کے کشف والہام کو اس بارے میں کوئی وقعت نہیں دیتا اور اپنے الہامات کو مقدم رکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں اور آپ اپنے اپنے الہامات شائع کر کے خدا سے فیصلہ طلب کریں کہ وہ صادق اور کاذب میں امتیاز پیدا کر کے دکھائے +

الٰہی بخش کی کتاب عصائے موسیٰ بابو الٰہی بخش صاحب کو حضرت مرزا صاحب کی تجویز کے مطابق اپنے الہامات کو شائع کر کے خدا سے آسمانی فیصلہ طلب کرنے کی جرأت تو نہ ہوئی۔ مگر یہ کیا کہ دوسرے مولویوں کی طرح حضرت مرزا صاحب کی تردید اور تکذیب میں ایک کتاب لکھ ماری جس کا نام عصائے موسیٰ رکھا۔ اس کتاب میں دنیا بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کر دیا۔ اس میں کچھ تو پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی فتح کے نقارے بجائے (پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا واقعہ آگے آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ) کچھ حضرت مرزا صاحب پر ناحق اور نارو احملے کئے۔ کچھ حضرت مرزا صاحب کی تکذیب میں نہایت لغو مولویانہ بحثیں کیں۔ کچھ اپنے الہام بھی نقل کئے[1]

[1] الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء میں ایک ڈائری درج ہے۔ اس بات کا ذکر تھا کہ لاہوری علماء نے الٰہی بخش ملہم سے یہ سوال کیا کہ آیا تمہارا الہام تلبیس ابلیس سے معصوم ہے یا نہیں جس کے جواب میں الٰہی بخش نے کہا کہ میرا الہام دخل شیطان سے پاک نہیں۔ اس پر حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک نہایت پُرمعارف تقریر فرمائی۔ اس میں سے ایک حصہ میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرمایا:۔ "سو جسقدر انسان گناہوں کو چھوڑتا اور خدا کی طرف آتا ہے اُسی قدر اُس کے خواب اور کشف دخل شیطانی سے پاک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ان تمام دروازوں کو بند کر دیتا ہے جو شیطان کے اندر آنے کے ہیں تب اس میں صرف خدا کے اور کچھ نہیں رہتا جب تم سنو کہ کسی کو الہام ہوتا ہے تو پہلے اس کے الہامات کی طرف مت جاؤ۔ الہام کچھ شے نہیں۔ جبتک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کرے اور بے جا تعصبوں اور کینوں اور حسدوں سے اور ہر ایک خدا کو ناراض کرنے والی بات سے اپنے آپ کو صاف نہ کرے۔ دیکھو اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک حوض ہے اور اُس میں بہت سی نالیاں پانی کی گرتی ہیں۔ پھر ان نالیوں میں سے ایک کا پانی گندہ ہے تو کیا وہ سارے پانی کو گندہ نہ کر دیگا۔ یہی راز ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا گیا کہ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ**"

جن میں یہ امر ظاہر کیا گیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کذاب ہیں اور بابو صاحب موصوف کی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہوں گے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ بابو صاحب اس کتاب کے ذریعہ خود تو موسیٰ بنے اور اپنی اس کتاب کو موسیٰ کا عصا قرار دیا۔ اس کتاب کے جواب میں مولوی محمد احسن امروہی صاحب نے ایک کتاب آیات الرحمان لکھ کر ان کے اس عصا کو توڑ دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ عصائے موسیٰ نہ تھا ورنہ نہ ٹوٹتا۔ لیکن ابھی آسمانی فیصلہ باقی تھا وہ بھی سُن لیجئے:۔

خدا کی فعلی شہادت کہ سچا ملہم اور اصلی موسیٰ کون ہے

خدا کو تکذیب کے ساتھ شوخی پسند نہیں ہوا کرتی۔ بابو آلہی بخش صاحب حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کے لئے اُٹھے تو بہت سختی کے ساتھ اُٹھے۔ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُنہوں نے حضرت اقدس کی تحقیر اور توہین کا اُٹھا نہیں رکھا۔ اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں طرح طرح کے ناروا حملوں اور سخت کلامیوں کے علاوہ اُنہوں نے اپنے الہامات بھی شائع کئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت مرزا صاحب بابو صاحب کی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہوں گے اور ویسے زبانی بھی اپنے دوستوں اور آشناؤں کو وہ اسی قسم کی پیشگوئیاں سناتے رہتے تھے۔ اور ایک خط بھی حضرت مرزا صاحب کو نہایت دھمکی کا لکھا جس میں تحریر کیا کہ خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ تم کاذب ہو اور مجھ موسیٰ کے ہاتھ سے تمہارا استیصال ہوگا۔ گویا اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ایسے سامان جمع کرلئے کہ خدائی فیصلہ جلد صادر ہو۔ آلہی بخش صاحب کے اپنی کتاب میں حضرت مرزا صاحب کی تکذیب و تردید میں اپنے مزعومہ الہامات شائع کرنے کے صاف معنے یہ تھے کہ وہ اپنا الہامات والا حربہ چلا چکے۔ اب اگر حضرت مرزا صاحب سچے تھے اور ان کی تردید میں یہ الہامات بابو صاحب کے جھوٹے تھے تو ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ اسی رنگ میں یعنی الہامات کے ذریعہ ہی حضرت مرزا صاحب کی تصدیق اور بابو آلہی بخش صاحب کے الہامات کی تردید کرتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مرزا صاحب نے بابو آلہی بخش صاحب کی نسبت ایک الہام تواریعین ۴ میں شائع فرمایا۔ یریدون ان یردوا طمثک واللہ یرید ان یریک انعامہ۔ الانعامات المتواترۃ۔ الخ یعنی بابو آلہی بخش تو چاہتا ہے کہ بزعم خویش تیری پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ اسکے بعد بابو آلہی بخش کے بارے میں ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو الہام ہوا جو فوراً اخبارات بدر و الحکم کے ذریعہ شائع کر دیا گیا۔ اور جو یہ ہے کہ:۔

"ایک موسیٰ ہے میں اُس کو ظاہر کروں گا اور لوگوں کے سامنے اس کو عزت دوں گا۔ پر جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اُس کو گھسیٹوں گا اور اس کو دوزخ دکھلاؤں گا۔ میرے نشان روشن

ہو جائیں گے۔ میرا دشمن ہلاک ہو گیا (یعنی ہلاک ہو جائے گا) جس اُس دانیکھا خدا نال جا پیا ہے"

یہ نہایت صاف الہام ہے۔ اس میں خدا نے صاف طور پر فرما دیا کہ خدا کے علم میں تو موسیٰ ایک ہی ہے جسے خدا عنقریب ظاہر کر دے گا کہ وہ کون ہے۔ اور دوسرا جو جھوٹا ہے اور ناحق موسیٰ بن کر گناہ کا مرتکب ہوا ہے وہ دوزخ میں گھسیٹا جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ بہت جلد ۷۔ تاریخ اپریل ۱۹۰۷ء کو آلہی بخش مصنّف عصائے موسیٰ لاہور میں طاعون سے ہلاک ہو گیا اور اپنی ہلاکت سے اس بات پر گواہی دے گیا کہ اصلی موسیٰ یعنی سچّا ملہم جس سے خدا کلام کرتا تھا کون تھا یعنی وہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ تھے۔ اور آلہی بخش کے اپنے پیش کردہ الہامات محض القائے شیطانی تھے جو اس کی تمنّی کا نتیجہ تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

لجّۃ النّور

اسی سال ۱۹۰۰ء میں حضرت مرزا صاحب نے عرب اور مصر روم و شام اور عراق کے علما اور مشائخ کو تبلیغ کرنے کے لئے ایک کتاب نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی جس کا نام لجۃ النّور رکھا۔ آپ نے اس میں اپنے دعویٰ مسیح و مہدی کو ثابت کر کے اُن پر حجت تمام کرنی چاہی تھی۔ مگر آپ کی توجہ دوسری کتابوں کی طرف منہمک ہو جانے کی وجہ سے افسوس ہے کہ یہ کتاب آپ کی زندگی میں چھپ نہ سکی۔ آپ کی وفات کے بعد فروری ۱۹۱۰ء میں یہ شائع ہوئی۔

منارۃ المسیح

حضرت اقدس مرزا صاحب کو جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ آیا ہوں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو پورا ہوتے دیکھنے کا بڑا شوق اور بڑا خیال تھا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کو جس میں مسیح موعود کی جائے نزول دمشق کا مشرقی منارہ بتایا گیا تھا۔ آپ اپنی کتابوں میں ثابت کر آئے تھے کہ یہ اعلیٰ پایہ کی حدیث نہیں۔ روایت اور درایت دونو کے لحاظ سے اس پر اس قدر اعتراضات پڑتے ہیں کہ اس کی مثال ایک چیونٹیوں بھرے کباب کی سی ہے۔ روایتاً تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ امام بخاری نے اسے رد کر دیا اور درایتاً یہ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ جب قرآن کریم کی تیس آیات سے صریح طور پر یہ ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو چکے ہیں اور مرے ہوئے اس دنیا میں واپس نہیں آتے تو اُن کا کسی منارہ پر نزول کیا معنی رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور

حدیث ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس میں مسیح موعود کو امامکم منکم فرما کر یہ بتایا ہے کہ وہ تمہارا امام ہوگا اور اے اُمتی لوگو وہ تم میں سے ہوگا۔ اس اعلیٰ پایہ کی حدیث سے دمشقی نزول والی حدیث مخالف پڑتی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں دمشقی نزول والی حدیث کو کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟ لیکن ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب کا یہ بھی مذہب تھا کہ اگر کسی حدیث کی تاویل ہو سکے تو اُسے رد نہ کیا جائے۔ اس لئے اس حدیث کی ایک تاویل بھی آپ نے کی جو بالکل درست معلوم ہوتی ہے اور وہی واحد تاویل ہے جو اس کی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور اپنے صحابہ کے روبرو بیان فرمایا۔ اور یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ رویا اور کشوف اکثر تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ پس مسیح موعود کا دمشق کے مشرق کی طرف نزول بتاتا ہے کہ اُس کی بعثت کسی ایسے مقام پر ہوگی جو دمشق سے مشرق کی طرف ہوگا۔ چنانچہ قادیان دمشق سے ٹھیک مشرق کی طرف واقعہ ہے اور منارہ کے معنی جائے نور کے ہیں جس میں یہ اشارہ ہے کہ مسیح موعود کا مقام بعثت اس کے زمانہ میں اسلام کے نور اور روشنی کے پھیلنے کی جگہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں قادیان تھا اور دو زرد چادروں سے جس میں مسیح موعود کو آنحضرت صلعم نے ملبوس دیکھا مراد علم تعبیر کی کتب کے رُو سے دو بیماریاں تھیں جو اس کے لاحق حال ہونگی جیسا کہ حضرت مرزا صاحب کو دورانِ سر اور کثرتِ بول کی بیماریوں کی اکثر تکلیف رہا کرتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس معقول تاویل کے باوجود حضرت مرزا صاحب کو یہ خیال بھی آیا کرتا تھا (جیسا کہ بعض حدیث میں ہے کہ رویا کو ظاہری طور پر بھی پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے) کہ جہاں تک ممکن ہے اس کشفی نظارہ کو کسی حد تک ظاہری طور پر بھی پورا کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں آپ کو خود بھی یہ الہام ہو چکا تھا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" جس کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ آپ کے علم کلام اور لٹریچر کے ذریعہ مسلمانوں کا قدم ایک ایسے بلند مینار پر نہایت مضبوط جا پڑا جہاں اُسے کسی قسم کا خطرہ کفر اور باطل کے حملوں سے نہ رہا۔ لیکن آپ کو یہ خیال ہوا کہ اگر حدیث مذکورہ بالا اور اس الہام کو اپنے ظاہری رنگ میں بھی پورا کرنے کی کوشش کی جائے تو بطور تفاؤل نیک کے ہرج کوئی نہیں۔ پس آپ نے اس منارہ کو جس کا وجود استعارہ اور مجاز کے رنگ میں مسیح موعود کے وجود سے وابستہ تھا ظاہری رنگ میں بھی بطور یادگار کے تعمیر کرنا چاہا۔

اشتہار برائے منارۃ المسیح چنانچہ آپ نے اس منارۃ المسیح کی تعمیر کیلئے جماعت میں چندہ کی تحریک کی۔ اور ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار اس بارے میں شائع فرمایا جس میں آپ نے اس منارہ کی تعمیر کی وجوہات

کا بھی ذکر فرمایا جو وہی ہیں جنہیں میں ابھی اوپر بیان کر آیا ہوں۔ اور اس منارہ سے تین مفید اغراض بھی وابستہ فرمائے۔ ایک یہ کہ جامع مسجد کے صحن میں یہ تعمیر کیا جائیگا۔ جہاں یہ **ماذنہ** کا کام دیگا۔ یعنی مؤذن اس پر چڑھکر اذان دیا کریگا۔ دوم اس منارہ پر ایک بڑی گھڑی لگائی جائیگی جو نمازیوں اور مؤذن کو بلکہ تمام اردگرد کے لوگوں کو وقت معلوم کرنے میں مدد دے گی۔ سوم اس پر ایک لالٹین بھی نصب کیجائیگی جو رات کو اپنی روشنی سے لوگوں کو نفع پہنچاویگی۔ اس اشتہار کے بعد یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو آپ کو اسی امر کی نسبت ایک اور اشتہار دینا پڑا جس میں آپنے چندہ کیلئے جماعت کے خاص لوگوں کو متوجہ فرمایا تھا۔ اور بعض مخالفوں کے اس اعتراض کا بھی کہ یہ ایک لغو کام اور اسراف ہے۔ آپنے جواب دیا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"یاد رہے کہ اس منارہ کے بنانے سے اصل غرض یہ ہے تا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ اس غرض کیلئے پہلے دو دفعہ منارہ دمشق کی شرقی طرف بنایا گیا تھا جو جل گیا۔ یہ اسی قسم کی غرض ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو کسریٰ کے مال غنیمت میں سے سونے کے کڑے پہنائے تھے تا ایک پیشگوئی پوری ہو جائے۔ اور نمازیوں کی تائید اور وقت شناسی کیلئے منارہ پر گھنٹہ رکھنا ثواب کی بات ہے نہ گناہ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ مولوی نہیں چاہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہو..... ابن ماجہ کے صفحہ ۳۰۱ پر جو حافظ ابن کثیر کا حاشیہ منارۃ المسیح کے بارے میں ہے اُسے غور سے پڑھیں"

ہزار روپے انعام اسی اشتہار میں آپنے اس شخص کو ہزار روپے انعام دینے کا اعلان بھی کیا جو حضرت عیسیٰؑ کا **جسد عنصری** کے ساتھ آسمان پر چڑھنا اور آسمان سے اُترنا کسی حدیث میں سے نکال کر دکھادے آپ نے **جسد عنصری** کے ساتھ والی شرط کو ضروری اسلئے قرار دیا کہ آسمان سے نزول اور اسکی طرف صعود کا لفظ ہمیشہ روحانی رنگ میں بولا جاتا ہے۔ پس جبتک جسد عنصری کے ساتھ تخصیص نہ ہو یہ الفاظ ہمیشہ روحانی رنگ میں لئے جائیں گے حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ کسی حدیث میں حضرت عیسیٰ کا آسمان کی طرف صعود یا آسمان سے نزول **جسد عنصری** کے ساتھ مذکور نہیں۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث نکال کر دکھادے تو ایک ہزار روپیہ ہم سے انعام لیلے اس چیلنج کے جواب میں کسی مولوی کی جرأت نہ ہوئی کہ حدیثوں کے بحر ذخار میں سے ایسی کوئی ایک حدیث بھی نکالکر دکھادیتا اور ہزار روپے انعام لینے کے لئے آموجود ہوتا۔

منارۃ المسیح کا رنگ بنیاد رکھا جانا منارۃ المسیح کیلئے کچھ چندہ جمع ہوا۔ مگر اسکی تعمیر میں تاخیر ہی ہوتی گئی یہانتک کہ ۱۹۰۳ء میں اس کا سنگ بنیاد آپنے رکھا۔ بنیادوں سے دیواریں ذرا سی ہی اوپر چڑھی تھیں کہ دشمنوں اور شریکوں نے مخالفت شروع کی کہ یہ منارہ بے پردگی کا باعث ہوگا۔ اسلئے اس کی تعمیر بند ہونی چاہیئے۔

ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے تحصیلدار بٹالہ کو موقعہ پر بھیجا وہ حضرت اقدس سے مسجد مبارک کے ساتھ والے حجرہ میں ملا۔ اسوقت قادیان کے بعض لوگ جو شکایت کرنیوالے تھے اسکے ہمراہ تھے حضرت صاحب نے تحصیلدار سے باتوں کی ضمن میں فرمایا کہ یہ بڈھامل بیٹھا ہے آپ اس سے پوچھ لیں کہ پچپن سے یکرآجتک کیا کبھی ایسا ہؤا ہے کہ اسنے فائدہ پہنچانے کا مجھے موقعہ ملا ہو اور میں نے فائدہ پہنچانے میں کوئی کمی کی ہو۔ اور پھر اسی سے پوچھیں کہ کیا کبھی ایسا ہؤا ہے کہ مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقعہ ملا ہو اور اس نے مجھے تکلیف دینے میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔ بڈھامل کا چہرہ شرم کی وجہ سے سُرخ ہوگیا اور ایک لفظ نہ منہ سے بول سکا۔ بلکہ سر نیچے ڈال کر بیٹھا رہا۔ یہ لالہ بڈھامل قادیان کے آریوں کا ممتاز رکن تھا۔ اور اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا تحصیلدار صاحب نے یہ سب کچھ سُن سنا کر پھر بھی بہ وجہ تعصب رپورٹ خلاف ہی کی اور لکھ دیا کہ یہ منارہ لوگوں کی سیرگاہ بن جائے گا۔ اور بے پردگی ہوگی۔ اس کے جواب میں پھر لکھا گیا کہ یہ مسجد کا مینار ہوگا اور صرف مأذنہ کا کام دیگا یعنی مؤذن اس پر چڑھ کر اذان دیا کرے گا اور سیرگاہ نہیں بنے گا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو جب اطمینان ہوگیا تو اُس نے تعمیر کی اجازت دیدی۔ لیکن حضرت اقدس نے اجازت آجانے کے باوجود اس کی تعمیر رکوادی اور پھر اس کی طرف سے آپ کی توجہ بالکل ہٹ گئی۔ یہاں تک کہ آپ اس جہان سے گزر گئے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تعمیر رُک جانے کی وجہ مالی تنگی تو نہیں ہوسکتی تھی۔ بعد میں جماعت اسقدر بڑھ گئی تھی اور چندہ اس کثرت سے آنے لگا تھا کہ حضرت اقدس اگر چاہتے تو ایسے کئی منارے بنوا سکتے تھے۔

منارۂ رُوحانی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی اشارۂ غیبی یا القائے ربّانی نے آپ کی توجہ کو اس طرف سے ہٹا کر اُس منارۂ رُوحانی کی طرف پھیر دیا جو دراصل آپ کے علم کلام اور بے بہا لٹریچر کے ذریعہ تیار ہو رہا تھا۔ یہی وہ علم و حکمت اور فیض رُوحانیت کا منارہ تھا جس پر محمدیوں کا پاؤں پڑنے سے دین کی حفاظت اور اشاعت کی بنیادیں تمام خطروں اور باطل کے حملوں سے محفوظ اور مستحکم ہوگئیں یہی وہ منارۂ علم و حکمت تھا جس کے اُوپر آنحضرت صلعم نے مسیح موعود کا نزول دیکھا۔ اور جس کے متعلق خود مسیح موعود کو یہ الہام ہؤا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد"۔ آخر غور کیجئے کہ وہ کونسا منارہ ہوسکتا ہے جس پر آپ کے ذریعہ مسلمانوں کا قدم محکم ہوجانے کا اس الہام میں ذکر ہے۔ کیا وہ کوئی اینٹ پتھر کا منارہ ہوسکتا ہے۔ ایسا خیال تو اسقدر لغو اور مضحکہ انگیز ہے کہ کوئی عقلمند اسے ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ مذہب کا استحکام ہمیشہ دلائل و براہین سے ہؤا کرتا ہے نہ کہ اینٹ پتھروں سے۔ پس اگر کوئی ایسا منارہ ہوسکتا ہے جس پر قدم پڑنے سے کسی قوم

کا مذہب ہر قسم کے خطرہ اور خوف سے امن میں آسکتا ہے تو استعارہ کے رنگ میں وہ علم کلام ہی ہوسکتا ہے جو بجائے خود دلائل وبراہین سے محکم اور مضبوط ہو۔ پس وہ منارہ جس کا اس الہام میں ذکر ہے وہ اسی علم کلام مبنی بر قرآن وحدیث کا منارۂ رُوحانی وعلمی ہے جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے اسلام کی حفاظت اور اس کے غلبہ بر ادیان عالم کے متعلق پیدا کیا۔[1] اور یہ علم آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جس نے حق کا بول بالا کر دیا اور باطل کا سر کچل دیا اور جس کے ذریعہ آپ نے اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر کے دکھایا اور اتنا ہی نہیں اپنے فیض روحانیت وصحبت سے اپنے خدام میں وہ رُوح پھونکی جس سے اُن میں اسلام کی سچائی پر ایک محکم ایمان اور اس کی خدمت کیلئے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا جوش پیدا ہوگیا۔ اور ان کے دل ودماغ کو خدا کے فضل سے وہ روشنی بخشی کہ وہ خود اسلام کے غلبہ اور اشاعت کے لئے بہترین لٹریچر پیدا کرنے کے قابل ہوگئے۔ کسی اینٹ پتھر کے منارہ پر قدم رکھنے سے تو یہ کیفیت نہیں پیدا ہوسکتی۔ پس یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے ماتحت یہ تعلیم کتاب وحکمت ہی کا روحانی وعلمی منارہ ہے جس کا ذکر اس الہام میں ہے کہ بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔ اور یہی اس کشف کی تعبیر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو ایک منارہ پر دیکھا تھا جس میں یہ عاف اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ مسلمانوں کا قدم ایک ایسے بلند مینار پر جا پڑے گا جہاں سے اسلام تمام ادیان باطلہ کے حملوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور ایک منارہ کی طرح اس کی شانِ بلند ایک عالم کو نظر آنے لگے گی۔ اور اس منارۂ علمی ورُوحانی کی روشنی سے دنیا منور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ظاہری اور باطنی منارہ کا ورثہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے قادیان میں اس ظاہری اینٹ پتھر کے منارہ کی تعمیر اور تکمیل کر دی لیکن حضرت اقدس کے

---

[1] سیرۃ کمیٹی پٹی کے روح رواں جناب مولانا قریشی صاحب اپنے اخبار "ایمان" کے ۱۵ نومبر ۱۹۳۹ء کے مقالہ افتتاحیہ میں کس خوبصورتی سے اس منارۂ تبلیغ اسلام کا ذکر فرماتے ہیں:۔

"پہلے یہ سمجھیں کہ تبلیغ اسلام کوئی فسانہ نہیں۔ کوئی خواب وخیال نہیں بلکہ قرآن اور اسلام کا ایک محکم ترین منارہ ہے۔ ایک زندہ حقیقت اور ایک ناقابل انکار واقعہ ہے۔ حدیث کہتی ہے دنیا بھر کی نیکیاں جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے دریائے ذخار کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ مگر خود جہاد وتبلیغ اسلام کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں شبنم کی ایک بوند۔ آپ اسی تصریح سے اندازہ کیجئے کہ نظام شریعت میں تبلیغ اسلام کا درجہ کیا ہے؟"

کیا یہ سچ نہیں کہ اس زمانہ میں تبلیغ اسلام کے اس محکم ترین منارہ کی طرف جس شخص نے سب سے پہلے مسلمانوں کو دعوت دی وہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ ہیں۔ اور نہ صرف دعوت دی بلکہ مسلمانوں کا قدم تبلیغ اسلام کے بلند تر منارہ پر محکم کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔ اگر کوئی چشم بصیرت اور قلب سلیم رکھتا ہے تو اس سے فائدہ اُٹھائے۔ (مؤلف)

وہ خدام جنہوں نے اپنا مرکز لاہور بنایا اُنہوں نے اسی حقیقی منارۃ المسیح کو جس کا آپ کے الہام میں ذکر تھا اور جس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو وابستہ کیا تھا بلند کرنا شروع کیا یعنی آپ کی اتباع میں اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لئے لٹریچر مہیا کرنا اور اسلام پر جہاں سے بھی حملہ ہو وہیں جا کر سینہ سپر ہونا اور اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے چار کھونٹ میں پہنچانا اپنی زندگی کے اغراض و مقاصد میں سے بنا لیا۔ اینٹ پتھر کا منارہ تو ایک حد تک بلند ہو کر رہ گیا۔ مگر یہ منارۂ رُوحانی جو صحیح معنوں میں منارۃ المسیح ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے روز افزوں ترقی پاتا ہوا بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ انشاء اللہ القدیر یہ اتنا بلند ہو جائے کہ اس کی روشنی تمام دنیا کے لوگوں کے قلوب کو منوّر کر دے۔ وباللہ التوفیق۔

ان دو مناروں کی تفریق میں جناب الٰہی کی طرف سے یہ اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کے بعد آپ کا جسم اور جسمانی تعلقات تو قادیان میں رہ جائیں گے اور رُوح اور رُوحانی فیوض لاہور میں منتقل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ آپ کے الہام "داغ ہجرت" سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

گورنمنٹ انگریزی اور جہاد

حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۲۲ مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو ایک رسالہ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کے نام سے شائع فرمایا۔ جس میں اپنا رویہ گورنمنٹ انگریزی کے متعلق صاف صاف بیان فرمایا اور اسلامی جہاد کے متعلق بھی روشنی ڈالی اور اس کے متعلق جو غلط فہمی عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اُسے دُور کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ آپ نے اس سے قبل بھی اپنی مختلف تصانیف میں ان امور پر روشنی ڈالی تھی مگر آپ نے ضروری سمجھا کہ اس امر کے متعلق ایک علیحدہ رسالہ لکھ کر گورنمنٹ انگریزی کا اطمینان خاطر کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق اکثر لوگ آج بھی یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ آپ نے قرآنی حکم جہاد کو منسوخ کیا اور گورنمنٹ انگریزی کی خوشامد کی کہ اُن سے جہاد کرنا حرام قرار دیا۔ اور اُن سے اظہار وفاداری کرتے رہے۔ اس لئے مَیں ضروری سمجھتا ہوں کہ یکجائی طور پر مَیں ان سب باتوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کروں۔

حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ انگریزی سے اظہار وفاداری کیوں کیا؟

واضح ہو کہ جب سے حضرت مرزا صاحب نے دعویٔ مہدویت کیا تھا آپ گورنمنٹ انگریزی کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے تھے۔ کیونکہ انگریزوں کے دماغ میں مہدی کے متعلق جو ذہنیت تھی وہ یہی تھی کہ وہ تلوار لیکر آئے گا اور بزور شمشیر کافروں

کو مسلمان بنائے گا یا اُنہیں قتل کرے گا۔ اور کافر سلطنتوں سے جنگ کرنا تو گویا اس کا پہلا کام ہوگا مہدی سوڈانی کا زمانہ بھی آپ سے پہلے قریب ہی گزر چکا تھا اور جو جنگ و قتال کا ہنگامہ اس کی وجہ سے بپا ہوا تھا وہ انگریزوں کو ابھی بھولا نہ تھا۔ پس مہدی جیسی خطرناک شخصیت کا جو مدعی ہوگا ظاہر ہے کہ گورنمنٹ انگریزی اُسے کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت مرزا صاحب کے اس دعوے کے ساتھ ہی گورنمنٹ چوکنی ہوگئی اور معاً خفیہ پولیس کے آدمی قادیان میں متعین کر دیئے گئے اور آپ کی کل نقل و حرکت پر درپردہ نظر رکھی گئی۔ ہر ایک قادیان آنے جانے والے کا نام لکھ کر گورنمنٹ کو پہنچایا جاتا تھا۔ اور دشمنوں کا یہ حال تھا کہ شب و روز گورنمنٹ میں مخبریاں کرتے رہتے تھے۔ بالخصوص مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا تو پیشہ ہی یہی تھا کہ وہ دن رات حضرت مرزا صاحب کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرتے رہتے تھے کہ یہ شخص مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ صرف موقعہ کا منتظر ہے جہاں جماعت کافی تعداد میں جمع ہوگئی اس شخص نے فوراً اعلان جہاد کر دینا ہے اور گورنمنٹ انگریزی سے بغاوت کر دینی ہے۔ کفر مولویوں اور پادریوں کو جو زک آپ کے ہاتھ سے پہنچی تھی اس کا انتقام اس صورت میں لینا ان کیلئے بڑا آسان تھا کہ گورنمنٹ کو حضرت مرزا صاحب سے بدظن کر کے اُنہیں قید کروا دیا جائے اور اس طرح ان کے سارے مشن کا قلع قمع ہو جائے۔ چنانچہ پادری ہنری مارٹن کلارک نے اُس مقدمۂ اقدام قتل میں جو حضرت مرزا صاحب پر بنایا گیا تھا عدالت میں حلفی بیان دیا تھا کہ مرزا قادیانی کا وجود گورنمنٹ کیلئے سخت خطرناک ہے۔ آخر گورنمنٹ انگریزی عیسائی تھی۔ جب اُن کا گورا پادری جو اُن کے ساتھ کھاتا پیتا اُٹھتا بیٹھتا تھا اُن کے رات دن اس طرح کان بھرے اور عدالت میں اس قسم کے حلفی بیان دے۔ تو کیا وجہ کہ گورنمنٹ انگریزی اس سے متاثر نہ ہو۔ مسٹر ڈگلس اور مسٹر ڈوئی اگر متاثر نہ ہوئے تو جو ڈپٹی کمشنر انگریز اُن کے بجائے آیا وہ اس قدر متاثر ہوا کہ مقدمہ دیوار میں اُس نے صاف لفظوں میں کہدیا کہ میں مرزا قادیانی اور اس کے سارے سلسلہ کا قلع قمع کر کے چھوڑوں گا۔ اور پھر وقت وہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا جس میں اگرچہ ہندو مسلمانوں دونوں نے حصہ لیا تھا۔ لیکن ہندو تو نہایت چالاکی سے صاف ملوہ بچ گئے تھے اور بغاوت کا سارا الزام مسلمانوں کے سر آپڑا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دہلی کی برائے نام سلطنت مسلمان تھی جو غدر میں باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی۔ گو وہ بیچارہ برائے نام بادشاہ ایک تنکا توڑنے کا بھی اختیار نہ رکھتا تھا۔ اور جو کچھ کر رہی تھی ہندو مسلمانوں کی مشترکہ فوج کر رہی تھی۔ لیکن نشانہ مفت میں

وہ غریب بن گیا۔ ہندوؤں نے تو کہدیا کہ مسلمانوں نے اپنی بادشاہی کو دوبارہ قائم کرنے کیلئے یہ سارا فتنہ اُٹھایا تھا اور انگریزوں نے بھی اسی بات کو مانتے ہوئے مسلمانوں کو ہی رگیدا۔ چنانچہ ہزاروں مسلمان پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ اُن کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ ملازمتوں میں اُنہیں پیچھے پھینک دیا گیا۔ جس کا خمیازہ آجتک یہ قوم بھگت رہی ہے۔

سرسیّد احمد خاں کا طریق کار اسی لئے سرسیّد احمد خاں مرحوم سالہا سال مسلمانوں کے بارے میں اس بدظنی کو انگریزوں کے دل سے دُور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور جب کانگرس کی تحریک شروع ہوئی تو سرسیّد مرحوم نے مسلمانوں کو اس تحریک میں شامل ہونے سے روک دیا کہ اس سے بُو ئے بغاوت آتی ہے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے برابر انگریزوں کے پاس نہایت زور سے اظہار وفاداری کرتے رہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس وقت سرسید مرحوم کی یہ پالیسی مسلمانوں کے لئے بہترین سمجھی گئی کیونکہ اُس وقت کا انگریز آج کا انگریز نہ تھا۔ اُس وقت انگریزوں کی حکومت نے پوری قوت سے ہندوستانیوں کو دبایا ہُوا تھا۔ کانگرس ایک باغی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ اور انگریز اُسے بُری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اسلئے سرسیّد مرحوم نے ضروری سمجھا کہ مسلمان اس میں شامل نہ ہوں۔ بلکہ اسکے برعکس انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ اظہار وفاداری کر کے انگریزوں کے دل سے مسلمانوں کے متعلق بدظنیاں دُور کرنیکی کوشش کیجائے۔

سرسیّد مرحوم اور حضرت مرزا صاحبؑ کا طریق اس معاملہ میں ایک تھا جو سرسیّد کا زمانہ تھا قریباً وہی زمانہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔ اس لئے آپ نے بھی وہی طریق اختیار کیا جو سرسیّد احمد خاں مرحوم کا تھا۔ اور جو اُس زمانہ کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے بہترین طریق کار تھا۔ لیکن علاوہ ازیں حضرت مرزا صاحب کے ساتھ دو مشکلات کا اور بھی اضافہ تھا۔ ایک تو یہ کہ آپ نے خدا کے حکم سے دعویٰ مہدی ہونے کا کیا تھا جس کے معنے انگریز کی نظر میں سوائے بغاوت کے اور کچھ نہ تھے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ انہی مغلوں کی یادگار تھے بلکہ اسی شجرۂ نسب کی ایک شاخ تھے جن کی سلطنت کا خاتمہ ابھی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں سے ہُوا تھا۔ ان حالات میں مہدی کا دعویٰ انگریزوں کو تو یہی نظر آتا تھا کہ یہ شخص اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لینا چاہتا ہے۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنے رویّہ کی تصریح کر کے انگریزوں کی تشفی کر دیتے۔ یہ جو آپ نے بار بار انگریزوں کے سامنے ۱۸۵۷ء کے غدر میں اپنی خاندانی خدمات پیش کی ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اُس وقت انگریزوں کی پچاس سواروں سے مدد کی تھی یہ اسی لئے تھا کہ تا اچھی طرح انگریزوں کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ اگر تمہیں یہ بدگمانی ہو کہ مہدی بننے سے ہمیں کھوئی ہوئی مغلیہ سلطنت کو واپس

لینا مدنظر ہے تو اُس نازک وقت میں جب انگریزوں کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے انگریزوں کو ہمیں مدد دینے کی ضرورت کیا تھی۔ پس آپ کا یہ انسانی اور اخلاقی فرض تھا کہ آپ اپنا رویہ انگریزوں پر کھول کر ظاہر کر دیتے۔ اگرچہ خدا آپ کی مدد پر تھا اور آپ کو اس کا پورا یقین تھا اور اسی لئے ایسے نازک وقت میں کہ جب انگریز مسلمانوں سے اس قدر بدظن ہو رہے تھے۔ آپ نے ان کی سلطنت کے اندر رہکر دعوئے مہدویت کا ببانگ دہل اعلان کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور آپ قطعاً نہیں ڈرے لیکن ساتھ ہی اس بات کو آپ نے رعایت اسباب کے رنگ میں ضروری سمجھا کہ آپ اپنے دعوئے مہدویت کی تصریح بھی کر دیتے۔ اور انگریزوں کو بتا دیتے کہ ہمیں بغاوت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم بحیثیت ایک رعیت کے تمہارے وفادار ہیں۔ اور موجودہ حالات میں تم سے جہاد بالسیف کرنے کو ہم جائز نہیں سمجھتے بلکہ تمہاری گورنمنٹ کو ہم بلحاظ اس امن اور مذہبی آزادی کے جو ہمیں حاصل ہے خدا کی رحمت سمجھتے ہیں۔

اظہار وفاداری میں خوشامد مقصود نہ تھی

یہاں اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے امن و انصاف اور مذہبی آزادی کی تعریف تو خوشامد سے کی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ اس معاملہ میں آپ کا طریق وہی تھا جو سرسید احمد خاں مرحوم کا تھا۔ اور وہی اُس نازک زمانہ میں جب مسلمان قوم کو گورنمنٹ برطانی کی نظروں سے دیکھتی اور پیس رہی تھی اور جس سے ہندو فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے بہترین طریق کار تھا۔ لیکن آپ کی وفاداری کسی ظاہرداری پر مبنی نہ تھی۔ آپ نے سکھوں کا زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ اور پنجاب میں مسلمان قوم پر۔ مسلمانوں کے مذہب پر۔ مسلمانوں کے کلچر پر جو تباہی سکھوں کے ہاتھ سے ٹوٹی تھی وہ سب آپ کی نظروں سے گزر چکی تھی۔ سکھا شاہی میں مسلمانوں کو مسجدوں میں اذان دینے کی ممانعت تھی۔ کئی مقبرے اور مسجدیں گوردواروں اور دھرم سالوں میں جبراً تبدیل کر لی گئی تھیں۔ آج بھی قادیان میں ایک دھرم سالہ سکھوں کے پاس ہے جو پہلے مسجد تھی جس میں ابھی تک مسجد کا محراب و منبر موجود ہے۔ لاہور کی شہید گنج کی مسجد ایک زندہ شہادت موجود ہے۔ قادیان کے ارد گرد کے سکھ مواضعات میں اور پنجاب میں جس جس گاؤں میں بھی سکھوں کا زور ہے آج بھی مسلمان اذان نہیں دے سکتے۔ ایک مرتبہ ایک سکھوں کے گاؤں میں کسی مسلمان نے اذان دیدی تھی (پنجابی میں اذان کو بانگ کہتے ہیں) تو سکھوں نے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا۔ الزام یہ تھا کہ ہمارے آگے بانگے گئے۔ ہمارے پانی بانگے گئے۔ ہماری عورتیں بانگی گئیں۔ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد تو

بعض سکھ سرداروں نے مسلمانوں کے کلچر کو اس طرح مٹانا چاہا کہ وہ اپنی ریاست اور جاگیر میں کسی عربی فارسی پڑھے مسلمان کا رہنا تک پسند نہ کرتے تھے۔ ایسا آدمی یا تو نکال دیا جاتا یا قتل کر دیا جاتا۔ کسی نے اگر کہا بھی کہ مہاراج میں بالکل فارسی عربی نہیں جانتا تو کہا جاتا کہ "فارسی عربی نہیں جانتا تو یہ کُل بِل (یہ) بالکل" کو بگاڑا ہے۔ مؤلف کہاں سے آگئی"۔ دینی کتابیں دیکھنے کو نہ ملتی تھیں۔ ایک بزرگ سالہا سال دعائیں کرتے رہے کہ یا خدا مجھے صحیح بخاری ایک دفعہ آنکھ سے دکھا دے۔ اور پھر بعد اس کے اس قدر یاس ان پر غالب آتی کہ زار زار روتے۔ خود حضرت مرزا صاحب کے خاندان کی جاگیریں سب سکھوں نے ضبط کر لیں۔ قادیان پر حملہ کر کے آپ کے خاندان کو پکڑ کر جلا وطن کر دیا چنانچہ آپ کے بزرگ عرصہ تک بیگووال ریاست کپورتھلہ میں پناہ گزین رہے۔ تو پھر آپ نے جب یہ تمام تباہیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اسلام کی تذلیل اور مسلمانوں کی اس دُرگت کا نظارہ کیا تھا تو اُن کی نظر میں بالمقابل انگریزوں کی سلطنت خدا کی ایک رحمت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتی۔

اسی رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابھی بہتیرے ایسے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے کسی قدر سکھوں کا زمانہ دیکھا ہوگا۔ اب وہی بتائیں کہ سکھوں کے عہد میں مسلمانوں اور اسلام کا کیا حال تھا۔ ایک ضروری شعار اسلام کا جو بانگ نماز ہے وہی ایک جرم کی صورت میں سمجھا گیا تھا۔ کیا مجال تھی کہ کوئی اُونچی آواز سے بانگ کہتا۔ اور پھر سکھوں کے نیزوں اور برچھیوں سے بچ رہتا۔ تو اب کیا خدا نے یہ بُرا کام کیا جو سکھوں کی بیجا دست اندازیوں سے مسلمانوں کو چھڑایا اور گورنمنٹ انگریزی کی امن بخش حکومت میں داخل کیا۔ اور اس گورنمنٹ کے آتے ہی گویا نئے سرے سے پنجاب کے مسلمان مشرف باسلام ہوئے چونکہ احسان کا عوض احسان ہے اس لئے نہیں چاہئے کہ ہم اس خدا کی نعمت کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد سکھوں کے زمانہ کے عوض ہم کو ملی ہے یونہی رد کر دیں"

پھر آپ ایک تقریر میں جو الحکم ۱۷۔ جون ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی فرماتے ہیں:۔

"محسن کے احسانات کی شکر گزاری کے اصول سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات اور تحریروں کو خوشامد کہتے ہیں۔ مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں۔ یہ قوت ہی ہم میں نہیں ہے۔ ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے۔ اور محسن کشی اور غداری کا ناپاک مادہ اس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں اور اس کو خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ اس نے

ایک عادل گورنمنٹ کو سکھوں کے پُرجفا زمانہ سے نجات دلانے کیلئے ہم پر حکومت کرنے کو کئی ہزار کوس سے بھیجدیا۔ اگر اس سلطنت کا وجود نہ ہوتا تو مَیں سچ کہتا ہوں کہ ہم مخالفین اسلام کے اعتراضوں کی بابت ذرا بھی نہ سوچ سکتے چہ جائیکہ ہم اُن کا جواب دے سکتے۔ اب ہم ان اعتراضوں کا جواب بڑی آزادی سے دے سکتے ہیں۔ پھر اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ بڑے ناقدر شناس اور ناشکر گزار ہوں گے۔..... مختصر یہ کہ یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہو۔ جس قسم کے ہتھیار لیکر میدان میں وہ آئے ہیں اُسی طرز کے ہتھیار ہم کو لیکر نکلنا چاہئے۔ اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔ اس میں یہی سر ہے کہ یہ زمانہ مذہب کی خاطر جنگ جدال کا زمانہ نہیں ہے بلکہ قلم کا زمانہ ہے۔ پھر جب یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ حقائق اور معارف کے دروازوں کے کھلنے کیلئے ضرورت ہے تقویٰ کی اس لئے تقویٰ اختیار کرو..... فتح اسی کو ملتی ہے جس سے خدا خوش ہو۔ اس لئے ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں اور تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے۔ پھر خدا کی مدد کو لیکر ہمارا فرض ہے اور ہر ایک ہم میں سے جو کچھ کر سکتا ہے اس کو لازم ہے کہ وہ ان حملوں کے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ہاں جواب دیتے وقت نیت یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔"

آپ کا قول و فعل منافقانہ رنگ میں نہیں ہوا کرتا تھا

آپ کو منافقت سے سخت نفرت تھی۔ آپ کا یہ طریق نہ تھا کہ ظاہر میں کچھ کہتے رہے اور باطن میں کوئی اور عقیدہ رکھا۔ آپ کی گورنمنٹ سے اظہار وفاداری کی روش کوئی منافقانہ نہ تھی۔ آپ گورنمنٹ انگریزی سے جہاد بالسیف کرنا واقعی جائز نہیں سمجھتے تھے جس کی وجہ مَیں آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ بتاؤں گا۔ آپ ہندوستان کے ان علما یا لیڈروں کے طریق کو بہت بُرا سمجھتے تھے جو درپردہ انگریزوں سے جہاد بالسیف کو جائز سمجھتے تھے مگر انگریزوں کے منہ پر ان کی خوشامد میں قصیدہ خوانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ لوگ جب حکام وقت کو ملتے ہیں تو اس قدر سلام کے لئے جھکتے ہیں گویا سجدہ کرنے کے لئے طیار ہیں اور جب اپنے ہم جنسوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بار بار امرا دان کا اسی

بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دار الحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں اور تھوڑے ہیں جو اس خیال کے انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس عقیدۂ جہاد پر جو سراسر غلط اور قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے برخلاف ہو اس کا نام دجال رکھتے ہیں اور واجب القتل قرار دیتے ہیں"

کیا یہ صحیح نقشہ ان علماء اور لیڈروں کا نہیں جو گورنمنٹ کے منہ پر تو خوشامد کرتے ہیں مگر در پردہ قوم کو جہاد بالسیف کی تلقین کرتے ہیں اور اس ملک ہندوستان کو دار الحرب بتلاتے ہیں۔ دیانتداری اور ایمانداری کا تو یہ تقاضہ ہے کہ اگر دار الحرب سمجھتے ہو تو اٹھو اور تلواریں لیکر انگریزوں پر چڑھ جاؤ یا پھر اس ملک سے ہجرت کر جاؤ۔ لیکن یہ بھی تو نہیں کرتے۔ جب پچھلے دنوں ہجرت کی تحریک ہوئی تھی اور بہت سے مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر گئے تھے۔ اس وقت ان مولویوں اور جہاد کے علمبردار لیڈروں میں سے کسی نے بھی ہجرت نہ کی۔ سب مزے سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ اور مسلمان پبلک اس خلاف منشائے اسلام ہجرت سے جس قدر برباد ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس تحریک نے بتا دیا کہ ان مولویوں اور لیڈروں کے یہ دار الحرب اور جہاد کے فتوے اور شعر بازیاں صرف گھروں میں بیٹھ کر باتیں بنانے کیلئے ہیں۔ اس پر عملدرآمد کرنے سے ان کا اپنا دل بے طرح ڈرتا ہے۔ یہ میدان کے مرد نہیں بلکہ زبان کے مرد ہیں۔ ورنہ یہ کیا وجہ ہے کہ جسے اسلام کے رُو سے وہ ایک فرض سمجھتے ہیں اُسے بجا لانے کے لئے اُن کی رگ حمیت جوش میں نہیں آتی اور پھر یہ کس قدر مقام شرم ہے کہ اندر سے ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہیں اور ظاہر میں انگریزوں کی قصیدہ خوانیاں کرتے ہیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا یہ طریق نہ تھا۔ وہ منافقت کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے اگر اپنے زمانہ کے حالات کے ماتحت انگریزوں کی سلطنت سے جہاد بالسیف کرنا ناجائز سمجھا تو سچے دل سے ایسا سمجھا۔ اور اگر انگریزوں کی سلطنت میں مذہبی آزادی اور امن کی تعریف کی تو خوشامد سے نہیں کی۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا انگریزوں سے اظہار وفاداری

حضرت مرزا صاحب کی وفات کے کئی سال بعد عالمگیر جنگ یورپ کے دوران میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک نظم کے ذریعہ انگریزوں سے اظہار وفاداری کیا اور ان کی تعریف کی۔ اور اُنکی وہ نظم پہلے اخبار حق لاہور میں اور پھر کانپور کے رسالہ زمانہ میں شائع ہوئی بلکہ خود علامہ موصوف نے لاہور کے یونیورسٹی ہال میں اسے نہایت خوش الحانی

سے پڑھا تھا۔ جس کا ایک بند مجھے یاد رہ گیا ہے جو میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

اے تاجدار خطۂ جنّت نشان ہند — روشن تجلّیوں سے تیری خاوران ہند
تیغ جگر شگاف تیری پاسبان ہند — .....[1]

ہنگامۂ وغا میں میرا سر قبول ہو
اہلِ وفا کی نذرِ محقّر قبول ہو

اُوپر کے بند میں انگریزوں کے بادشاہ جارج پنجم کی تعریف میں جو کچھ علّامہ مرحوم نے فرمایا وہ ظاہر ہے کہ وفاداری کے جوش میں ایسا فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو اہلِ وفا میں سے بتلاتے ہوئے ہنگامۂ وغا یعنی جنگ میں اپنا سر بھی پیش کر دیا۔ حالانکہ یہ جنگ کوئی اسلامی جہاد نہ تھا۔ بلکہ یہ جنگ اگر جرمنی سے تھی تو ایک اسلامی سلطنت ٹرکی سے بھی تھی جس میں عراق اور فلسطین کے مقدس اسلامی ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے زیرِ نگین آ گئے۔ اور جس میں مکہ معظمہ پر بھی گولیاں چل گئیں۔ مگر کیا کوئی شخص اسے انگریزوں کی خوشامد پر محمول کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! کیا کوئی شخص ایسی بدگمانی کر سکتا ہے کہ علّامہ اقبال نے انگریزوں کی تلوار کو جو پاسبانِ ہند کا لقب دیا اور اُن کی خدمت میں اپنا سر بطور نذر پیش کیا یہ سب یونہی جھوٹ مُوٹ بطور خوشامد کے تھا؟ حاشا وکلّا ہرگز نہیں۔ ایک عقلمند انسان تو یہی کہیگا کہ اُس وقت کے حالات کے ماتحت علّامہ موصوف نے جو کچھ کہا صحیح کہا اور گورنمنٹ سے اظہارِ وفاداری کیا تو سچّے دل سے کیا ہوگا۔

حضرت مزاصاحب کا مسلک خوشامد نہ تھا

علیٰ ہٰذا القیاس حضرت مزاصاحب نے اگر انگریزوں کی حکومت میں مذہبی آزادی اور امن کی تعریف کی تو خوشامد سے نہیں کی۔ اگر انگریزوں کی حکومت سے مذہب کے لئے تلوار سے جنگ کرنے کو جائز نہیں سمجھا تو سچّے دل سے شریعت اسلامی کے ماتحت یہ فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ کسی خوشامد پر مبنی نہ تھا۔ کسی کی خوشامد دو وجہ سے انسان کرتا ہے۔ یا تو اس سے نفع کی توقع رکھتا ہو۔ اور یا اس سے ڈرتا ہو۔ حضرت مزاصاحب میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔

حضرت مزاصاحب گورنمنٹ انگریزی سے کسی نفع کے متوقع نہ تھے

حضرت مزاصاحب انگریزوں سے کسی قسم کے نفع کے متوقع نہ تھے۔ آپنے کبھی کسی انگریز حاکم کے دروازہ پر جھانکا تک نہیں۔ آپ کو حکام سے ملنے ملانے کی قطعاً کوئی پروا نہ تھی۔ آپ نے انگریزی حکومت سے جنگ کرنے کے خلاف فتویٰ دے کر نہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی طرح زمین کے مربعے لئے۔ نہ کوئی سَر یا خان بہادری کا خطاب

[1] افسوس ہے چوتھا مصرعہ مجھے یاد نہیں رہا۔ (مؤلف)

حاصل کیا جو بات تھی محض للہ تھی۔ اپنی کتاب نور الحق حصہ اول میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان فعلتُ الا للہ ولا مرخاتم النبیین ان نثنی علی المنعمین ونشکر المحسنین" ہم گورنمنٹ کی تعریف بیم ورجا سے نہیں کرتے بلکہ حضرت نبی کریم صلعم کے حکم کے ماتحت کرتے ہیں کہ جو لوگ احسان کریں ہمیں ان کی تعریف کرنی چاہیئے اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب انگریزوں سے ڈرتے نہ تھے

حضرت مرزا صاحب انگریزوں سے ڈرتے نہ تھے۔ وہ اگر انگریزوں سے ڈرتے تو نہ دعوئے مہدویت کرتے اور نہ دعوئے مسیحیت اور نہ انگریزوں اور تمام یورپین اقوام کو دجّال ٹھیراتے۔

(۱) وہ خوب جانتے تھے کہ انگریز مہدی کے نام سے بھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انگریز مہدی کو ایک تلوار اور خون سے کھیلنے والی اور حصول سلطنت کے لئے سخت جنگ کرنیوالی شخصیت سمجھتے تھے اور جبکہ مغلوں کی سلطنت کو وہ ابھی حال ہی میں اپنے ہاتھوں سے مٹا کر بیٹھے تھے تو ایک مغل کا اُٹھ کر مہدی کا دعویٰ کر دینا ایک عام دنیا دار آدمی کو بھی فوراً سمجھا دیتا ہے کہ مذہب کے پردہ میں یہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینا چاہتا ہے۔ پس انگریزوں سے ڈرنے والا ایک ایسا دعویٰ کر کے انگریزوں کی ساری بدگمانی کو اپنے متعلق کیسے برانگیختہ کر سکتا تھا؟

(۲) انگریزی گورنمنٹ ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔ وہ عیسیٰ کو اپنا خدا مان کر اُسے پُوجتے اور اسے آسمان پر زندہ چڑھاتے تھے۔ اس کے کفارہ پر اپنی نجات کا انحصار رکھتے تھے اور اُس کی آمد ثانی کا اعتقاد رکھتے تھے تو انگریزوں سے ڈرنیوالا آدمی کیا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ کفارہ سراسر غلط ہے۔ اور تمہارا خدا عیسیٰ مسیح مر گیا ہے۔ اور بجائے زندہ آسمان پر چڑھنے کے وہ مر کر زمین میں دفن ہے۔ جاؤ دیکھ لو سرینگر میں اس کی قبر موجود ہے۔ اور مسیح جو آنیوالا تھا وہ مَیں ہوں۔ مجھ میں اور مسیح میں کمال مشابہت اور مماثلت ہے۔ بلکہ مجھے اُس مسیح اسرائیلی پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے۔ اور مَیں اسی لئے خدا کی طرف سے آیا ہوں تا مَیں تمہارے مذہب کا قلع قمع کر دوں اور تمہاری صلیبوں کو توڑ دوں۔ اور تمہارے خدا کو خدائی کے تخت سے اُتار دوں۔ خیال کرو۔ اس طرح ایک زبردست اور حاکم سلطنت کے مذہب کی دھجیاں بکھیرنا اور اس کے خدا کی خدائی کو نیست و نابود کرنا کیا کسی بزدلی کا نشان ہے یا پرلے درجہ کی جرأت اور بہادری کا؟ کیا مرزا صاحب کو ڈر نہیں لگا کہ مَیں عیسائیوں کی

ایک زبردست طاقت اور سلطنت کے ماتحت ہو کر اس طرح ان کے خدا کو خدائی کے تخت سے گرا رہا ہوں۔ وہ میرے ساتھ جو بھی سختی کریں کم ہے۔ لیکن نہیں۔ جس بات کو آپ حق سمجھتے تھے اس کے برملا کہنے میں آپ کو ذرا بھی باک نہیں ہوا۔ اور پھر اس مصنوعی خدا کی خدائی کو توڑنے کیلئے آپ کا قلم اس زور سے چلا کہ عیسائی پادری تو رہے ایک طرف۔ خود ہمارے مسلمان مولوی چیخ اُٹھے کہ حضرت عیسیٰ کی سخت توہین کی گئی ہے۔ جس پر حضرت مرزا صاحب کو یہ معذرت کرنی پڑی کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے خدا کا برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ ہمارا رُوئے سخن فقط اس یسوع کی طرف ہے جس کا ذکر انجیل میں ہے جو خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کا مدعی تھا اور جو یہ کہتا تھا کہ میرے بعد سب جھوٹے اور چور اور لٹیرے ہی آئیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ معذرت فقط مسلمانوں کے لئے تو قابل قبول ہو سکتی ہے لیکن پادریوں کی شکایت تو دُور نہ ہوئی۔ اُن کے یسوع پر تو حملہ برابر قائم رہا۔ گو یہ سختی اُس گستاخی اور درشت کلامی کے مقابل میں بہت کم تھی جو پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں روا رکھی تھی۔ لیکن حالات جو بھی ہوں یسوع کی خدائی کو حضرت مرزا صاحب نے جس بُری طرح توڑا تھا وہ عیسائیوں کے سینہ پر برابر اسی طرح بار تھی۔ آپ نے اس بات سے کوئی عذر خواہی نہیں کی۔ بلکہ اس پر حصر کر کے بات کو اور مضبوط کر دیا۔ آپ کو ڈر نہیں لگا کہ عیسائی گورنمنٹ اس پر کس قدر برافروختہ ہو گی۔ اور مجھ کو جس قسم کا بھی نقصان ممکن ہے پہنچانے میں دریغ نہیں کرے گی۔ لیکن حق یہی ہے کہ جو خدا کی طرف سے آتے ہیں وہ دنیا کی طاقتوں سے ڈرا نہیں کرتے۔ وہ جس کام کیلئے مامور ہوتے ہیں اُن سے کوئی دنیا کی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔

(۳) پھر اتنا ہی نہیں کیا کہ ایک زبردست عیسائی سلطنت کے خدا کی خدائی کی جڑ پر تبر چلایا بلکہ اُس عیسائی قوم کو بلحاظ مذہب کے دجّال قرار دیا۔ دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ وہ دجّال جس کے فتنہ سے آنحضرت صلعم نے بلکہ کل نبیوں نے اپنی قوموں کو ڈرایا تھا وہ بلحاظ مذہب کے یہی انگریز اور یورپ کی عیسائی اقوام ہیں عیسائیوں میں بھی دجّال کی بڑی بُری تصویر کھنچی ہوئی موجود ہے بلکہ اُسے شیطان کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی وہ بدترین ہستی تصوّر کی جاتی ہے۔ چنانچہ آج کوئی شخص کسی مسلمان کو دجّال کہکر تو دیکھے۔ اگر اس میں ذرا بھی طاقت ہو گی تو وہ کہنے والے کا منہ توڑ کر رکھ دے گا۔ دجّال کی ہستی تو شیطان سے بھی بدتر سمجھی جاتی ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے نہایت جرأت اور

بلند آہنگی کے ساتھ تمام دنیا میں اعلان کیا کہ وہ دجال جس کے فتنہ سے تمام نبیوں نے اپنی قوموں کو ڈرایا تھا وہ بلحاظ مذہب کے یہی انگریز اور یورپین عیسائی اقوام ہیں۔ اور اس کا گدھا یہی ریل اور انگریزوں کی مختلف سواریاں ہیں جن کے ذریعہ یہ تمام دنیا پر پھر گئے ہیں۔ اس اعلان کو سُن کر تمام دنیا حیران رہ گئی۔ انگریزی رعایا دم بخود ہو کر رہ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھیں کہ اب مرزا کا کیا حشر ہوتا ہے۔ بلکہ مولویوں اور بعض ایڈیٹروں نے استہزا کیا کہ دجال کی یہ تعبیر کس قدر حیرت انگیز ہے۔ اور اس کے خلاف انگریزوں کو اکسانے میں کسر نہیں اُٹھا رکھی لیکن حضرت مرزا صاحب اپنے اس اعلان سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے اور برابر اُس کی تشریح و توضیح میں لگے رہے یہاں تک کہ آخر کار دنیا بھر کے مسلمانوں سے اس کی صداقت منوا کر چھوڑی۔

اب فرمائیے انگریزوں کی بلحاظ مذہب کے اس سے بڑھ کر اور کیا توہین اور تذلیل ہو سکتی ہے۔ پھر کیا یہ انگریزوں سے ڈرنیوالے کا کام ہو سکتا ہے؟ اس قدر جرأت اس قدر دلیری کسی شخص میں نہیں ہو سکتی سوائے اس کے جو خدا کی طرف سے مامور ہو۔ کیا ان دار الحرب اور جہاد کے مدعیوں مولویوں اور لیڈروں میں یہ جرأت تھی کہ انگریزوں کے مذہب، انگریزوں کے خدا، انگریزوں کی قوم پر اس قدر خطرناک حملے کرتے اور بدترین فتوے چسپاں کرتے۔ یہ اسی کا کام ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف سے کھڑا ہو۔ حضرت مرزا صاحب کیا خوب فرماتے ہیں:۔ ؎

"بکارِ دیں نہ ترسم از جہانے کہ دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ"

پھر فرماتے ہیں ؎

"دلیر کے وہ ہیں یہ دل ڈرتا نہیں کسی سے ہشیار ساری دنیا ایک باؤ لا ہی ہے"

آپکا جہاد انگریزوں کے مذہب سے تھا انگریزوں کی حکومت سے نہ تھا

ہاں آپ کا ساتھ ساتھ اعلان یہ بھی تھا کہ میری لڑائی میرا جہاد انگریزوں کے مذہب سے ہے۔ انگریزوں کی حکومت سے نہیں۔ میں انگریزوں کی حکومت میں چونکہ امن اور مذہبی آزادی بدرجہ کمال پاتا ہوں اس لئے ان حالات کے ہوتے ہوئے ان کی حکومت کے ساتھ لڑنا میں شریعت اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ البتہ ان کا مذہب چونکہ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہے اس لئے اس سے لڑنا اس سے جہاد کرنا انہی ہتھیاروں سے جن سے وہ حملہ آور ہے اور اس کو مٹانا و نیست و نابود کرنا اپنا اور سب مسلمانوں کا فرض سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اپنی کتاب اتمام الحجۃ صفحہ ۲ سے ۸ تک میں نہایت موٹے اور جلی حروف میں ایک اعلان شائع

کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"لیکن ہم گورنمنٹ کو بلند آواز سے اطلاع دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں جنگ اور جہاد سے دین اسلام کو پھیلانا ہمارا عقیدہ نہیں ہے اور نہ یہ عقیدہ ہے کہ جس گورنمنٹ کے زیر سایہ ہیں اور اُس کے ظل حمایت میں امن اور عافیت کا فائدہ اُٹھا ویں اور اس کی پناہ میں رہ کر اپنے دین کی بخوشی خاطر اشاعت کر سکیں۔ اُس سے باغیوں کی طرح لڑنا شروع کر دیں۔ کیا اس گورنمنٹ انگریزی میں ہم امن اور عافیت سے زندگی بسر نہیں کرتے۔ کیا ہم حسب مرضی دین کی اشاعت نہیں کر سکتے ؟ کیا ہم دینی احکام بجا لانے سے روکے گئے ہیں ؟ ہرگز نہیں بلکہ سچ اور بالکل سچ یہ بات ہے کہ ہم جس کوشش اور سعی اور امن اور آزادی سے اسلامی وعظ اور نصائح بازاروں میں کوچوں میں گلیوں میں اس ملک میں کر سکتے ہیں اور ہر ایک قوم کو حق پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تمام خدمات خاص مکہ معظمہ میں بھی بجا نہیں لا سکتے۔ چہ جائیکہ کسی اور جگہ۔ تو پھر اس نعمت کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے یا یہ کہ مفسدہ بغاوت شروع کر دیں پس اگرچہ ہم مذہب کے لحاظ سے اس گورنمنٹ کو بڑی غلطی پر سمجھتے اور ایک شرمناک عقیدہ میں گرفتار دیکھ رہے ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک یہ بات سخت گناہ اور بدکاری میں داخل ہے کہ ایسے محسن کے مقابل پر بغاوت کا خیال بھی دل میں لاویں۔ ہاں بیشک ہم مذہبی لحاظ سے اس قوم کو صریح خطا پر اور ایک انسانی بناوٹ میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ تو اس صورت میں ہم دعا اور توجہ سے اس کی اصلاح چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں کہ اس قوم کی آنکھیں کھولے اور اس کے دلوں کو منور کرے اور انہیں معلوم ہو کہ انسان کی پرستش کرنا سخت ظلم ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا ہیں ؟ صرف ایک عاجز انسان ! اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ایک دم میں کروڑہا ایسے بلکہ ہزارہا درجہ اُن سے بہتر پیدا کرے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور کر رہا ہے ....."

"اے مُردوں کے پرستارو۔ زندہ خدا موجود ہے۔ اگر اس کو ڈھونڈو گے پاؤ گے۔ اگر صدق کے پیروں کے ساتھ چلو گے تو ضرور پہنچو گے۔ یہ نامردوں اور مخنثوں کا کام ہے کہ انسان ہو کر اپنے جیسے انسان کی پرستش کرنا۔ اگر ایک کو باکمال سمجھتے ہو تو کوشش کرو کہ ویسے ہی ہو جاؤ نہ یہ کہ اس کی پرستش کرو۔ مگر وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُرزور

دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا بخدا وہ مسیح ابن مریم نہیں ہے۔ مسیح تو صرف ایک معمولی سا نبی تھا۔ ہاں وہ بھی کروڑہا مقربوں میں سے ایک تھا۔ مگر اس عام گروہ میں سے ایک تھا اور معمولی تھا۔ اس سے زیادہ نہ تھا۔ بس اس سے دیکھ لو کہ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ یحییٰ نبی کا مرید تھا اور شاگردوں کی طرح اصطباغ پایا۔ وہ صرف ایک خاص قوم کے لئے آیا۔ اور افسوس کہ اس کی ذات سے دنیا کو کوئی بھی روحانی فائدہ پہنچ نہ سکا۔ ایک ایسی نبوت کا نمونہ دنیا میں چھوڑ گیا جس کا حضر اس کے فائدہ سے زیادہ ثابت ہوا۔ اور اس کے آنے سے ابتلا اور فتنہ بڑھ گیا۔ اور دنیا کے ایک حصہ کثیرہ نے ہلاکت کا حصہ لے لیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ سچا نبی اور خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے تھا۔ مگر وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا۔ اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی۔ اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیا امام الاصفیا ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبی دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے جیسا کہ یونس اور ایوب اور مسیح بن مریم اور ملاکی اور یحییٰ اور زکریا وغیرہ وغیرہ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی۔ اگرچہ سب مقرب اور وجیہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔ یہ اُسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

ملاحظہ فرمایئے کس طرح اس قوم کو مُردوں کے پرستار اور انسان کی پرستش کرنے کی وجہ سے مخنث اور نامرد تک کہہ دیا ہے۔ کیا کسی نام کے مولوی یا لیڈر میں یہ جرأت تھی یا آج بھی ہے جو اس طرح انگریزوں کی فولادی حکومت کے ہوتے ہوئے اُن کے مذہب کو اس طرح لتاڑتا۔ اور اس مذہب کی تقلید کرنے کی وجہ سے انہیں اس طرح ہدفِ ملامت بناتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آپ انگریزوں کی حکومت سے جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اُس کی وجہ سُن لو۔

جہاد کا صحیح مفہوم بات یہ ہے کہ کچھ تو مولویوں کی حماقت اور کچھ پادریوں کے پروپاگنڈے کے اثر سے عام طور پر مسلمانوں میں جہاد کے مفہوم میں ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ جسے حضرت مرزا صاحب نے

دور کرنا ضروری سمجھا اور وہ غلط فہمی یہ تھی کہ گویا جہاد کے معنے ہیں تلوار سے اشاعت دین کرنا۔ یہ غلطی ایسی تھی جس نے اسلام کے خلاف پروپاگنڈا کرنے میں پادریوں اور اسلام کے دشمنوں کو بہت مدد دی اور اہل علم اور معقول طبقہ کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت بیٹھ گئی۔ کیونکہ عداقت اپنے منوانے کیلئے کسی تلوار اور جبر و اکراہ کی محتاج نہیں ہوتی وہ خود دلوں کو مسخر کرتی چلی جاتی ہے۔ قلوب دلائل اور براہین سے فتح ہوتے ہیں اور کسی صداقت کو قبول کرتے ہیں۔ تلوار کسی کو منوا نہیں سکتی کہ فلاں عقیدہ درست ہے۔ کوئی شخص تلوار سے ڈر کر اگر کسی عقیدہ کو مان بھی لے تو اُس کا دل اُسے مان نہیں سکتا۔ پس جبر اور اکراہ سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ لا اکراہ فی الدین (البقرہ) کہ دین میں کوئی جبر و اکراہ اور زبردستی نہیں۔ پھر فرمایا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین ہ (یونس) کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لے آویں۔ گویا اکراہ سے ایمان نہیں پیدا ہوا کرتا۔ پس جب خود قرآن اس کے خلاف ہے تو پھر تلوار سے اشاعت دین کیا معنے! ہاں یہ سچ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو دین کی خاطر تلوار پکڑنی پڑی مگر وہ اسلام کی حفاظت کے لئے تھی نہ کہ اشاعت کے لئے۔ برابر تیرہ برس تک کفار مکہ نے طرح طرح کے مظالم مسلمانوں پر توڑے تا کہ وہ اس سچے مذہب کو چھوڑ دیں جو آنحضرت صلعم لائے تھے۔ اور اس کی خاطر انہوں نے ہر طرح کی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں کیں جن کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔ نہایت بے رحمی سے خدا کے وفادار بندوں اور نوع انسان کے فخر لوگوں کو ان شریر درندوں نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بعض کی ٹانگیں پکڑ کر چیر دیں۔ اور یتیم بچوں اور عاجز اور مسکین عورتوں کو گلی کوچوں میں ذبح کر ڈالا۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہوں بار ہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کر دیا گیا۔ مگر باایں ہمہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا مقابلہ ہرگز نہ کرو کہ خدا بغاوت اور فساد کو پسند نہیں کرتا۔ برابر تیرہ برس تک یہ مظالم جاری رہے۔ ان ظالموں نے تین برس تک مقاطعہ کر کے مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کو بھوک سے تڑپا دیا اور مکہ کی زمین اُن خدا کے فرمانبردار بندوں پر جو ان تمام سختیوں کو محض خدا کے لئے صبر سے برداشت کر رہے تھے تنگ ہو گئی اور خود رسول کریم صلعم کے شہید کرنے کے لئے زبردست منصوبے کئے گئے۔ تب جا کر جناب الٰہی کی طرف سے فقط ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ لڑنے کا حکم پھر بھی نہ ہوا جب حضرت نبی کریم صلعم اور آپ کی چھوٹی سی جماعت ہجرت کر کے مدینہ چلی گئی۔ تو مکہ والوں نے

دیکھا کہ اسلام تو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا گھر کر گیا ہے کہ اُسے کسی صورت مٹایا نہیں جا سکتا اس لئے مناسب ہے کہ ان ماننے والوں کو اور اس مذہب کے بانی کو ہی مٹا دیا جائے تا اس طرح یہ مذہب دنیا سے مٹ جائے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے ایک فوج گراں لیکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تب خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب دین کی حفاظت کے لئے تم کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر ۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق (الحج) یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے رہے اور ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے فریاد سُن لی اور ان کو اب جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے لیکن اس جنگ پر بھی دو حد بندیاں عائد کر دیں۔ اوّل یہ کہ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ۔ (البقرہ) کہ اللہ کے رستہ میں جنگ کرو مگر انہی سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھنا خدا حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں صاف شرط لگا دی کہ یہ جنگ مدافعت ہے۔ لہٰذا انہی سے لڑ سکتے ہو جو تم سے لڑیں۔ جو تم سے نہیں لڑتے اُن سے لڑنا حد سے بڑھنا ہے اور حد سے بڑھ جانا خدا کو پسند نہیں۔ پھر جہاں جنگ ختم ہو جانی چاہئے اُس کی بھی تصریح کر دی۔ فرماتے ہیں۔ وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ (البقرہ) اور جنگ کرو یہاں تک کہ مومنوں کی ایذا رسانی کا خاتمہ ہو جائے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی مذہبی آزادی کامل طور پر حاصل ہو جائے اور لوگوں کا مذہب محض اللہ کے لئے ہو کسی غیر اللہ کے ڈر اور خوف سے نہ ہو۔ محض خدا کے لئے کسی کا مذہب ہونے کے یہی معنے ہیں کہ اُسے ضمیر اور مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی حاصل ہے۔ پس اس آیت میں یہ بات صاف کر دی کہ یہ جنگ مدافعت اور مذہبی آزادی کے لئے ہے جب یہ حاصل ہو جائے تو جنگ کو ختم کرو جس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مذہب کے لئے جنگ کرنا خاص حالات میں اور خاص شرائط کے ساتھ جائز ہے جب وہ حالات اور شرائط موجود نہ ہوں تو مذہب کیلئے جنگ کا جس کا دوسرا نام **جہاد بالسیف** ہے جائز نہیں بلکہ اسے اعتداء فرمایا یعنی حد سے بڑھ جانا جو خدا کو پسند نہیں ۔

حضرت مرزا صاحب نے جہاد کا حکم منسوخ نہیں کیا

حضرت مرزا صاحب نے جہاد کے حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ جو ایسا کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے اور آپ پر افترا کرتا ہے۔ ہمارے مولوی مُلّا تو قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیتوں کے قائل ہیں۔ حضرت مرزا صاحب تو کسی ناسخ منسوخ کے قائل نہ تھے۔ وہ سارے

قرآن کو واجب التعمیل سمجھتے تھے اور اس میں سے ایک شوشہ کی بھی کمی بیشی کو کفر اور الحاد سمجھتے تھے۔ چنانچہ میں اُن کی اپنی دو تحریریں یہاں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"ان الزامات کی نسبت اگرچہ میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمہ کفر قرآن میں نہیں ہے۔ نہ مجھے دعوئے نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس اُمّت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدّث آئیں گے جو اللہ جل شانہٗ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور بلحاظ بعض وجوہ شانِ نبوّت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے میں ایک ہوں۔" (نشان آسمانی)

پھر اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں تحریر فرماتے ہیں جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی:۔

"وللہ مکالمات ومخاطبات مع اولیائہ فی ھذہ الامۃ۔ وانھم یعطون صبغۃ الانبیاء ولیسوا نبیین فی الحقیقۃ فان القرآن اکمل وطر الشریعۃ ولا یعطون الا فھم القرآن ولا یزیدون علیہ ولا ینقصون منہ ومن زاد ونقص اولئک من الشیطین الفجرۃ" (مواہب الرحمٰن)

ترجمہ:۔ اور اس اُمت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء سے کلام اور خطاب کرتا ہے اور اُن کو انبیا کا رنگ دیا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ نبی نہیں ہوتے کیونکہ قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے۔ ان کو سوائے فہم قرآن شریف کے کچھ نہیں دیا جاتا وہ نہ زیادہ کرتے ہیں نہ کم کر سکتے ہیں قرآن شریف میں سے کچھ بھی۔ اور جو شخص قرآن شریف میں کچھ کم و بیش کرے وہ شیطان اور بدکاروں میں سے ہے"

اتنی صریح تحریروں کے بعد حضرت مرزا صاحب پر یہ بہتان باندھنا کہ آپ نے جہاد کے قرآنی حکم کو منسوخ کیا صریح ظلم اور شرارت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو شخص قرآن کریم کے ایک شوشہ کے بھی نسخ کا قائل نہ ہو اُسے قرآن کے ایک حکم کو منسوخ کرنے والا قرار دینا کس قدر ناانصافی اور بہتان طرازی ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے مسئلہ جہاد میں غلط فہمی کو رفع کیا

حضرت مرزا صاحب کا مجدد اور مصلح ہونے کا دعویٰ تھا۔ وہ صریح دیکھ رہے تھے کہ پادری شب و روز یہ پروپاگنڈا کر رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ اور ان کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے آریوں نے بھی یہی غلط فہمی پھیلا رکھی ہے۔ بدقسمتی سے نادان دوست مولویوں کے عقیدے بھی یہی تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سرحد پر سیدھے سادے پٹھان اٹھ کر ٹینس کھیلتے ہوئے کسی انگریز کو قتل کر دیتے اور کہتے کہ ہمیں جلد پھانسی دو تاہم بہشت میں پہنچیں۔ انہی ایام میں انارکلی لاہور میں دن دہاڑے ایک پٹھان نے ایک میم کو قتل کر دیا اور اسے کارِ ثواب سمجھا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ صاحب عقل اور ارباب بصیرت میں اسلام بدنام ہو رہا تھا اسی طرح مہدی معہود کے متعلق مسلمانوں کا عام طور پر یہی خیال تھا کہ وہ جب آئیگا تو بنوکِ شمشیر دینِ اسلام پھیلائے گا۔ اسلام کے خوبصورت چہرہ پر یہ بدنما داغ تھے جن کو مٹانا ایک مصلح کا کام تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے بتایا کہ اسلام میں کسی کافر کو بلا وجہ قتل کرنا قطعاً جائز نہیں چہ جائیکہ اس کا نام جہاد رکھا جائے۔ قرآن کریم میں یہ تو لکھا ہے کہ ولتکن منکم اُمّۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئک ھم المفلحون (آل عمران) کہ تم میں ہمیشہ ایک جماعت رہنی چاہئے جو لوگوں کو اسلام اور بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم کرے اور بدی کو روکے اور یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔ لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ تم میں ایک جماعت ہمیشہ رہنی چاہئے جو کافروں کو قتل کرے اور ان کو اپنے دین میں جبراً داخل کرے (دیکھو نور الحق حصہ اول صفحہ ۴۷) بیشک دشمن سے بچنے کے لئے حفاظت کا سامان مہیا رکھنے کا حکم ہے لیکن دشمن سے بچنے کے لئے فوج اور جنگ کا سامان تیار رکھنا اور بات ہے اور زبردستی کافروں کو اسلام میں داخل کرنا یا اُن کو محض اُن کے کفر کی وجہ سے قتل کرنا یہ امر دیگر ہے۔ کفار سے دین کے لئے جنگ کرنے کا حکم بیشک ہے مگر اس حالت میں کہ جب وہ دین سے روکیں اور اسلام کا نور بجھانے کیلئے منصوبے کریں اور دشمنوں کے مقام میں کھڑے ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ جنگ کرنا مقصد قرآن میں سے نہیں۔ ہاں بعض حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا جن میں جنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پس اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آیا آپ کے زمانہ میں ہندوستان کی انگریزی حکومت سے جنگ کرنا کیا جہاد کہلا سکتا ہے حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ جواب دیا میں اس کے اصل الفاظ یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

لاشک انّ وجوہ الجھاد معدومۃٌ فی ھٰذا الزمن وھٰذہ البلاد (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

یعنی جہاد کی شرائط اس ملک میں اور اس زمانہ میں پائی نہیں جاتیں۔ آپ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جہاد

کا حکم اب منسوخ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جہاد بالسیف کی شرائط اس ملک میں اور اس زمانہ میں پائی نہیں جاتیں۔ یہی بات جب گاندھی نے کہی اور عدم تشدد کو صحیح رستہ بتایا تو بڑے بڑے علما اس کے پیچھے ہو گئے۔ یہی بات مولانا محمد علی خاں مرحوم نے کہی تو سارے ہندوستان سے صدائے تحسین و مرحبا بلند ہوئی۔ لیکن سب سے پہلے جب یہی بات حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کہی تھی تو سب آگ بگولا ہو گئے تھے۔ اسی کا نام ہوتا ہے تعصب اور بغض۔ ورنہ آخر کیا وجہ کہ وہی بات حضرت مرزا صاحب کہیں تو بہت بُری۔ اور ایک ہندو کہے تو سب اس کو اٹھا کر سر پر رکھ لیں اور ایک دوسرا مسلمان کہے تو وہ قوم کا سچا لیڈر کہلائے +

حضرت مرزا صاحب نے گورنمنٹ انگریزی سے جہاد بالسیف کو اگر روکا تو بلا وجہ نہیں روکا۔ آپ نے جو وجوہات اپنی مختلف کتابوں میں دی ہیں اُنکو میں بطور خلاصہ ایک جگہ جمع کر کے عرض کئے دیتا ہوں +

(۱) سب سے پہلی وجہ جو آپ نے پیش کی وہ یہ ہے کہ انگریزی حکومت نے ہم کو امن اور مذہبی آزادی پُوری پُوری دے رکھی ہے۔ ہم احکام مذہبی پر نہایت آرام اور آزادی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ہیں۔ خود انگریزوں کے مذہب کی تردید کرتے ہیں اور ہمیں حکومت کی طرف سے اس امر میں کوئی ممانعت اور مزاحمت نہیں ہوتی۔ مقام غور ہے کہ ایک شخص اُٹھ کر دعوئے مسیحیت کرتا ہے۔ انگریزوں کو سناتا ہے کہ تمہارا خدا مسیح مر گیا۔ اس کے دوبارہ آنے کی اب مت توقع رکھو۔ آنے والا جو تھا وہ میں ہوں۔ مسیح بھی میرے جیسا ہی انسان تھا۔ میں اس کا مثیل ہوں بلکہ بعض باتوں میں اُس سے بڑھکر ہوں۔ مذہب کے لحاظ سے تم ہی دجال ہو جس کے قتل کرنے کیلئے مسیح آنیوالا تھا اور وہ میں ہوں۔ میں ہی قتلِ دجّال اور کسرِ صلیب کیلئے آیا ہوں۔ مگر اس کا مطلب تلوار سے قتل کرنے کا نہیں بلکہ دلائل اور براہین سے عیسائی مذہب کا قلع قمع کرنا ہے۔ کیا کوئی حکومت ایسے شخص کو جو اُن کے مذہب کو اس طرح نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہو برداشت کر سکتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسی شخص کے تین مریدوں کو بادشاہ افغانستان نے قتل کروا دیا۔ اور وہاں اختلاف صرف اس قدر تھا کہ افغانستان کے مولوی اسی مسیح ابن مریم کو جسے عیسائی خدا مانتے ہیں عیسائیوں کی طرح زندہ آسمان پر مانتے تھے اور اسی کی آمد کے دوبارہ قائل تھے۔ اور یہ لوگ جو شہید کئے گئے کہتے تھے کہ مسیح ابن مریم مر گیا اور آنیوالا مسیح موعود محمد رسول اللہ صلعم کا ایک غلام اور اس صدی کا

مجدد ہے جو آچکا اور پیشگوئی میں اُسے مسیح سے وجہ اس حماقت کے جو اُسے مسیح ابن مریم سے ہے مجازاور استعارہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ اِس میں مسیحیت کی موت اور اسلام کی فتح تھی۔ لیکن اتنے اختلاف کو وہاں کی اسلامی حکومت برداشت نہ کر سکی اور ان غریبوں کو قتل کرا دیا۔ اور اس کے بالمقابل اس عیسائی انگریزی حکومت کو دیکھو کہ انہی مقتولوں کے مرشد کو اپنے عیسائی مذہب پر تبر چلاتے اور اپنے خدا کی خدائی کو خاک میں ملاتے دیکھتی ہے اور قطعاً کوئی دست اندازی نہیں کرتی۔ ان کے اپنے پادری یورپین اور ہندوستانی گورے اور کالے سب اس مدعی مسیحیت کے دشمن جانی ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے بعض نے آپس میں سازش کر کے اس شخص پر فوجداری مقدمہ قتل عمد کا بنا دیا اور انگریز پادری جو مستغیث ہے انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے جس کی عدالت میں مقدمہ پیش ہے اس قدر بے تکلفی رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ اور پھر اس جھوٹے مقدمہ کو اس قدر چالاکی اور ہوشیاری سے بنایا جاتا ہے کہ مسل پر مقدمہ ثابت ہے لیکن وہ انگریز مجسٹریٹ بٹالہ کے اسٹیشن پر ٹہلتا ہے اور اپنے ریڈر غلام حیدر خاں کو کہتا ہے کہ میں جدھر نظر اُٹھا کر دیکھتا ہوں مجھے مرزا غلام احمد سامنے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ "دیکھنا انصاف کو نہ چھوڑنا" پس تم کپتان پولیس کو ہمارا یہ پیغام پہنچاؤ کہ عبدالحمید ملزم کو عیسائیوں کے اثر سے الگ کر کے اس کا بیان لو۔ چنانچہ بیان لیا جاتا ہے اور عبدالحمید رو رو کر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ان پادریوں کے کہنے سے یہ سارا جھوٹ اور افترا مرزا صاحب کے متعلق بیان کیا تھا۔ اس پر وہ انگریز مجسٹریٹ حضرت مرزا صاحب کو عزت کے ساتھ بری کر دیتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر مذہبی آزادی کی مثال ہو سکتی ہے؟ یہ وقت تھا جب وہ عیسائی انگریز مجسٹریٹ عیسائی مذہب کے دشمن مرزا غلام احمد کو بڑی آسانی سے سیدھا جیلخانہ بھیج سکتا تھا۔ اور کئی سال کیلئے جیلخانہ میں سڑا سکتا تھا۔ کیا اس مذہبی آزادی کے خلاف جنگ کی جاتی جو مسلمانوں کو اور حضرت مرزا صاحب کو انگریزی گورنمنٹ میں حاصل تھی۔ اس سے بڑھ کر خدا کی نعمت کی ناشکری اور کیا ہو سکتی تھی؟ اسی مذہبی آزادی کی خاطر تو اسلام نے مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا تھا جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے قاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ ویکون الدّین للہ (البقرہ) کہ ان لوگوں سے لڑو یہانتک کہ مومنوں کی ایذادہی موقوف ہو جائے اور دین محض اللہ کے لئے ہو جائے یعنی مذہبی آزادی کامل طور پر حاصل ہو جائے۔ تو پھر جب مذہبی آزادی کامل طور پر موجود ہو تو اس کیلئے جنگ کرنا کیا معنی؟

(۲) دوسری وجہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت سے نہ لڑنے کی یہ بتلائی کہ اگر بالفرض اس وقت انگریزی حکومت سے لڑنا جائز بھی ہوتا تو مسلمانوں کے پاس نہ کوئی جمعیت ہے نہ فوج۔ نہ روپیہ۔ نہ جدید اسلحہ۔ آخر ان چیزوں کے بغیر لڑنا تو محض خودکشی ہے جو اسلام میں جائز نہیں۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنے اس فتوے میں جس میں جنگ کے التوا کا اعلان کرتے ہیں کیسی خوبصورتی سے اس وجہ کو نظم میں پیش کرتے ہیں۔ میں فقط چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ ؎

فرما چکے ہیں سید کونین مصطفےٰ — عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
ظاہر ہیں خود نشاں کہ نماں وہ زماں نہیں — اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں
اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی — وہ سلطنت وہ رعب و شوکت نہیں رہی
وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی — وہ عزم مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی
وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی — خلق خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی
دل میں تمہارے یار کی اُلفت نہیں رہی — حالت تمہاری جاذب نصرت نہیں رہی
وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی — وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی
دنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی — اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی
شہوت ہے گند دل میں طہارت نہیں رہی — نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی
خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی — دیں بھی ہے ایک قشر حقیقت نہیں رہی
مولیٰ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی — دل مر گئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی
سب پر یہ ایک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی — اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی
بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

آج جو مولوی یا لیڈر اس ملک کو دارالحرب سمجھتے ہیں اور پھر جنگ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے ان کے پاس سوائے اس کے عذر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کہدیں کہ ہمارے پاس لڑنے کیلئے ساز و سامان نہیں۔ تو یہی بات تو حضرت مرزا صاحب نے کہی لیکن مرزا صاحب ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر جنگ کا ساز و سامان ہمارے پاس نہیں تو اس میں منشائے الٰہی یہی نظر آتی ہے کہ موجودہ حالات میں

بوجہ پوری مذہبی آزادی اور امن حاصل ہونے کے ہمیں دین کیلئے جنگ کرنے کی ضرورت نہ تھی اگر ضرورت ہوتی تو خدا جو دین اسلام کا محافظ ہے اس کی حفاظت کیلئے وہ سب سامان بھی مہیا کرتا جس کی اُسے ضرورت ہوتی۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ ایک دار الحرب کا فتویٰ دینے والا مولوی اور جہاد کا شوقین لیڈر جو اس گورنمنٹ سے موجودہ حالات میں بھی دین کیلئے لڑنا ضروری سمجھتا ہے مگر فقط ساز و سامان جنگ موجود نہ ہونیکی وجہ سے نہیں لڑتا اور زبان سے اظہار فرمانبرداری کرتا ہے منافقت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ شریعت کے رُو سے ایسی منافقت کی زندگی بسر کرنی سخت ممنوع ہے۔ اگر دین کیلئے جنگ کی ضرورت ہے تو یا لڑو یا ہجرت کر جاؤ۔ یہ دورنگی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔

(۳) تیسری وجہ حضرت مرزا صاحب نے یہ دی کہ حدیثوں میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مسیح موعود کی نسبت **یضع الحرب** کی ہے کہ وہ آکر جنگوں کو روک دیگا اس کے یہ معنے تو ہو نہیں سکتے کہ وہ جنگ کے حکم کو منسوخ کر دیگا کیونکہ ایسا ہو نہیں سکتا شریعت میں کمی بیشی کرنے والا فاجر اور شیطان ہے۔ پھر اس کے معنے سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اُس وقت حالات ہی ایسے ہوں گے کہ شریعت اسلام کے مطابق مسیح موعود کا وقتی فتویٰ یہ ہوگا کہ حالات موجودہ کے ماتحت مذہبی جنگوں کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ جنگ کی شرائط موجود نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے یہی کیا۔ آپ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ وجوہ الجہاد معدومۃٌ فی ھذا الزمن وھذہ البلاد (تحفہ گولڑویہ) کہ جہاد کی شرائط اس زمانہ میں اور اس ملک میں معدوم ہیں۔ اور ہمیشہ آپ نے التوائے جنگ کا فتویٰ دیتے ہوئے آنحضرت صلعم کی اس پیشگوئی **یضع الحرب** کا حوالہ ضرور دیا تا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ آپ کا یہ فتویٰ دراصل آنحضرت صلعم کی اس پیشگوئی یضع الحرب کے عین مطابق ہے گویا خود جناب رسالتمآب صلعم کا بھی فتویٰ مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق یہی چلا آتا ہے کہ اس زمانہ میں مذہب کے لئے جہاد بالسّیف کرنا درست نہ ہوگا یعنی اس کی شرائط موجود نہ ہوں گی۔

سیّد احمد بریلوی صاحب کا طرزِ عمل جہاد بالسّیف کا سب سے بڑا حامی فرقہ مسلمانوں میں اہل حدیث کا ہے جس کے بہت بڑے مقتدا ہندوستان میں سید احمد بریلوی صاحب مجدد تیرھویں صدی کے گزرے ہیں۔ ان کے حالات "تواریخ عجیب" کے نام سے ایک کتاب میں شائع ہوئے تھے۔

اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سکھوں کے ساتھ جہاد بالسیف کیا لیکن انگریزوں کے ساتھ نہیں کیا۔ حالانکہ وہ انگریزوں کی حکومت میں رہتے تھے۔ اس پر کسی نے دریافت کیا تو اُنہوں نے انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز بتلایا۔ بلکہ یہاں تک احتیاط برتی کہ جب سکھوں کے ساتھ جہاد کیا تو انگریزوں کی حکومت سے باہر نکل کر کیا۔ پہلے علاقہ غیر میں پٹھانوں کے ملک میں نکل گئے پھر وہاں پہنچکر ہزارہ کے علاقہ میں سکھوں کے ساتھ جنگ کی۔ سکھوں کے ساتھ جہاد اس لئے کیا کہ اسلام کے احکام پر عملدرآمد کرنے میں سکھ مزاحم اور مانع ہوتے تھے اور مسلمان پٹھان عورتوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر پنجاب لے آتے تھے۔ چنانچہ سید احمد صاحب بریلوی برابر سکھوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ پٹھانوں کے درپردہ سکھوں سے مل جانے کی وجہ سے آپ اور آپکے مرید باصفا شاہ اسمٰعیل صاحب ہر دو بزرگ شہید ہوگئے۔ اگرچہ وہ خود شہید ہوگئے اور ان کی ظاہری تلوار سکھوں کا قلع قمع نہ کرسکی لیکن اُن کی توجہ باطنی اور دعا کی تلوار نے سکھوں کی سلطنت پنجاب سے اڑادی۔ ایسے صاحب باطن بزرگ اور جہاد کے لئے اسقدر مستعد لیکن انگریزوں سے جہاد بالسیف کو انہوں نے بھی جائز نہ سمجھا کیونکہ شرائط موجود نہ تھے۔

حرمت جہاد بالسیف کا فتویٰ دیتی ہے

حضرت مرزا صاحب نے اس زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ لڑنے کو ناجائز قرار دیا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ حالات اگر بدل جائیں اور لڑائی کی ضرورت آپڑے تب بھی نہ لڑو۔ خود حضرت مرزا صاحب نورالحق حصہ اوّل صفحہ ۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں جس کا اُردو ترجمہ عرض کرتا ہوں:۔

"سوجاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یونہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف اُن لوگوں کے ساتھ لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ اُن سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں۔"

یہاں اصل عربی الفاظ "وجب علی المؤمنین ان یحاربوھم ان لم ینتھوا" خاص طور پر قابل توجہ

ہیں۔ فرماتے ہیں اگر ایسے لوگ اپنے ان مذکورہ بالا افعال سے باز نہ آئیں تو مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے جنگ کریں۔ پس جنگ کرنے کا حکم تو قائم ہے مگر خاص حالات کے ماتحت اور خاص شرائط کے ساتھ۔ جو اس زمانہ میں موجود نہیں ؛

صرف دین کے لئے لڑنے سے روکا۔ دنیوی لڑائیوں کیلئے کوئی فتویٰ نہیں دیا

پھر یہ جنگ کی ممانعت فقط مذہبی لڑائیوں کیلئے تھی اس وجہ سے کہ ان کے لئے شرائط موجود نہ تھیں۔ والا پولیٹیکل جنگوں کے متعلق آپ کا کوئی فتوے ممانعت کا نہ تھا۔ خاکسار مؤلف کی موجودگی میں ایک دفعہ سرحد علاقہ غیر کے ایک بہت بڑے خان نے حضرت مرزا صاحب سے استفسار کیا کہ ہمیں آئے دن انگریزوں کی فوجوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ ہم کیا کریں۔ اگر انگریزی فوجیں ہم پر حملہ آور ہوں تو کیا چپ چاپ اپنا سر کٹوا دیں یا ذلیل اور مغلوب ہو کر صلح کر لیں؟ تو حضرت مرزا صاحب نے اس کا جواب مشہور و معروف حدیث کے الفاظ میں دیا۔ فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم کہ اپنے دنیا کے کاموں کو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ جیسا موقعہ ہو ویسا کام کرو۔ گویا جو کچھ فتویٰ تھا وہ دین کے متعلق تھا کہ دین کو بزور شمشیر پھیلانا، کافر کو ناحق قتل کرتے پھرنا یا اسلام کے رُوسے جائز نہیں۔ دنیوی جنگوں کے متعلق ممانعت کا کوئی فتویٰ آپ نے نہیں دیا ؛

مہدی معہود پر سے بھی قتل و غارت کا الزام ہٹایا

حضرت مرزا صاحب نے جہاد کی صحیح تشریح کر کے آنیوالے مہدی پر سے بھی اس الزام کو ہٹایا کہ وہ بنوک شمشیر اسلام کو پھیلائے گا۔ آپ نے خود دعویٰ مہدویت کر کے جتلا دیا کہ آپ مہدی معہود ہو کر بھی موجودہ حالات میں تلوار چلانا درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اسلام نہ کبھی پہلے بزور شمشیر پھیلا اور نہ آئندہ کبھی اس طرح پھیلے گا۔ اسلام خود مذہب فطرت ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ط لا تبدیل لخلق اللہ ط ذٰلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ (الروم) کہ اللہ کی فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدائش بدل نہیں سکتی۔ یہی ہے مضبوط دین۔ لیکن کثرت سے لوگوں کو اس کا علم نہیں۔ یہاں صاف بتلا دیا کہ اسلام مذہب فطرت ہے۔ انسانی فطرت بدل نہیں سکتی۔ پس سچا اور پکا دین وہی ہو سکتا ہے جو مطابق فطرت ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ کثرت سے لوگوں کو علم نہیں کہ اسلام ایسا اعلیٰ درجہ کا مطابق فطرت دین ہے جس کے معنے ہی ہیں کہ تم اس دین کی تبلیغ دنیا کے چار کھونٹ میں کرو۔ جس جس طرح لوگوں کو اسلام کے متعلق صحیح علم ہوتا جائے گا وہ اس مذہب فطرت کو قبول کرتے چلے جائیں گے۔ ایسے دین فطرت کی صداقت کو منوانے کے لئے کسی تلوار چلانے اور جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک فطرت سلیمہ رکھنے والا انسان اس دین فطرت کی تعلیم کو سنکر کہے گا کہ یہ تو خود میرے دل کی آواز ہے اور عین میری فطرت

کی پیاس کے مطابق ہے جیسا کہ غالب مرحوم بھی کہتے ہیں ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا ✦ میں نے یہ جانا کہ یہ بھی بات میرے دل میں ہے

پس مہدی کا کام یہ تھا کہ براہین اور دلائل سے اسلام کا غلبہ کل ادیان باطلہ پر کرکے دکھاتا کیونکہ کسی مذہب کی ہلاکت درحقیقت دلائل و براہین سے ہی ہوا کرتی ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃٍ ویحییٰ من حیّ عن بینۃٍ (الانفال) تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے دلیل سے زندہ رہے۔ کیا خوبصورت حق کے غلبہ کا طریق پیش کیا ہے کہ جو ہلاک ہوتا ہے دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔ پس مہدی کا کام یہ تھا کہ وہ اسلام کو دلیل سے زندہ رکھے اور زندہ مذہب ثابت کرے اور غیر مذاہب کو دلیل سے ہلاک کرے۔ پس یہی وجہ تھی کہ آپ کو اس کام کیلئے سیف کی بجائے قلم دیا گیا۔ کیونکہ آجکل لٹریچر ہی وہ چیز ہے جس سے کسی تعلیم کے حق و صداقت اور کذب و بطلان کا فیصلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ نثر اور نظم دونوں میں بار بار آپ نے اس کا اظہار فرمایا ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے پہلے ایک نثر سُن لو۔ فرماتے ہیں:۔

"ابتدائے اسلام میں دفاعی لڑائیوں اور جسمانی جنگوں کی اس لئے بھی ضرورت پڑتی تھی کہ دعوتِ اسلام کرنیوالے کا جواب اُن دنوں دلائل و براہین سے نہیں بلکہ تلوار سے دیا جاتا تھا۔ اس لئے لاچار جواب الجواب میں تلوار سے کام لینا پڑا۔ لیکن اب تلوار سے جواب نہیں دیا جاتا بلکہ قلم اور دلائل سے اسلام پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ سیف (تلوار) کا کام قلم سے لیا جائے۔ اور تحریر سے مقابلہ کرکے مخالفوں کو پست کیا جائے۔ اس لئے اب کسی کو شایاں نہیں کہ قلم کا جواب تلوار سے دینے کی کوشش کرے۔ ع۔ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔ اس وقت جو ضرورت ہے وہ یقیناً سمجھ لو سیف کی نہیں۔ بلکہ قلم کی ہے۔ ہمارے مخالفین نے اسلام پر جو شبہات وارد کئے ہیں اور مختلف سائنسوں اور مکائد کے رو سے اللہ تعالیٰ کے سچے مذہب پر حملہ کرنا چاہا ہے اُس نے مجھے متوجہ کیا ہے کہ میں قلمی اسلحہ پہن کر اس سائنس اور علمی ترقی کے میدانِ کارزار میں اُتروں اور اسلام کی رُوحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ بھی دکھلاؤں۔ میں کب اس میدان کے قابل ہو سکتا تھا۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اس کی بیحد عنایت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے جیسے عاجز انسان کے ہاتھ سے اس کے دین کی عزت ظاہر ہو۔ میں نے ایک وقت ان اعتراضات اور

حملات کو شمار کیا تھا جو اسلام پر ہمارے مخالفین نے کئے ہیں تو ان کی تعداد میرے خیال اور اندازہ میں تین ہزار ہوئی تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تو تعداد اور بھی بڑھ گئی ہوگی۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اسلام کی بنا ایسی کمزور باتوں پر ہے کہ اس پر تین ہزار اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اعتراضات تو کوتاہ اندیشوں اور نادانوں کی نظر میں اعتراض ہیں۔ مگر میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے جہاں ان اعتراضات کو شمار کیا وہاں یہ بھی غور کیا ہے کہ ان اعتراضات کی تہ میں دراصل بہت ہی نادر صداقتیں موجود ہیں جو عدم بصیرت کی وجہ سے معترضین کو دکھائی نہیں دیں" (ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ)

اب نظم کے چند شعر سن لو:۔

مصطفےٰ پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

تیرے منہ کی ہے قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے

نقشِ ہستی تیری اُلفت میں مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرّہ تیری رہ میں اُڑایا ہم نے

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے

نور دکھلا کے ترا سب کو کیا ملزم و خوار
سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

دیکھکر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

حضرت مرزا صاحب نے اصل اسلامی جہاد کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا

حضرت مرزا صاحب نے جب یہ بتلایا کہ جہاد بالسیف کیلئے خاص حالات اور خاص شرائط ہونے ضروری ہیں۔ تو پھر آپ نے مسلمانوں کو یہ بھی بتلایا کہ وہ کونسا جہاد اکبر ہے جس کو جاھدوا باموالکم وانفسکم کے ماتحت مسلمانوں کو ہر وقت کرتے رہنے کا حکم ہے۔ اس کے لئے آپ نے قرآن کریم کا یہ حکم پیش کیا کہ جاھدھم بہ جھادًا کبیرًا (الفرقان) کہ اس قرآن کو لیکر انکے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ قرآن کو لیکر جہاد کبیر کس طرح کرو۔ اس کی تشریح بھی خود قرآن سے ہی آپ نے دکھائی:۔

(۱) انفرادی جہاد جو انسان کو اپنے نفس سے کرنا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا (العنکبوت) کہ جو لوگ ہماری طلب میں جہاد یعنی جدّوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنا رستہ دکھا دیتے ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کا ذکر ہوا جو انفرادی طور پر خدا کی رضا کو

پانے کیلئے نفس امارہ سے جہاد کرتے رہتے ہیں اور تزکیہ نفس کرکے آخر خدا کو پالیتے ہیں۔

(ب) اجتماعی جہاد۔ جو بطور ایک جماعت کے مسلمانوں کو کرنے کا حکم ہے اور وہ ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئک ھم المفلحون ۝ (آل عمران) اور چاہیئے کہ تم میں ہمیشہ ایک جماعت موجود رہے جو لوگوں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دیتی رہے اور نیکی کا حکم کرتی رہے اور بدی سے روکتی رہے یہی لوگ ہیں جو فلاح پانیوالے ہیں۔ قرآن کو ہاتھ میں لیکر یہ وہ جہاد دعوت الی الخیر یعنی اشاعت وحفاظت اسلام کا ہے جسے بحیثیت جماعت مسلمانوں کو برابر کرتے رہنے کا حکم ہے۔ اب جاؤ۔ جاکر اسلامی تاریخ کو کھنگال ڈالو۔ تم پاؤ گے کہ جبتک مسلمان اس جہاد کو کرتے رہے وہ برابر ترقی کرتے چلے گئے اور دنیا کی قومیں اُن کے آگے گرتی گئیں لیکن جب سے اس جہاد کو چھوڑ بیٹھے وہ خود گرنے لگ گئے۔ خدا کی نصرتوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور تنزل کی طرف اُن کا رُخ ہوگیا۔ مجدد اور اس کی جماعت کا وجود بھی اسی آیت کے نیچے آتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اسی حکم کی ایک تعمیل ہے۔

اِس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو پھر اس جہاد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ یہی وہ راہ ہے جس سے ابتدا میں نصرت الٰہی مسلمانوں کے شامل حال ہوئی تھی۔ اور اب یہی وہ راہ ہے جس سے پھر نصرت الٰہی مسلمانوں کے شامل حال ہوسکتی ہے۔ ایک شعر میں اس جہاد کے متعلق جسے یہاں دین پروری کے نام سے یاد کرتے ہیں کیا خوب فرماتے ہیں

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست باز چوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقیں

آپ خود بھی دن رات اس جہاد اکبر میں مصروف تھے۔ اسلام کی حفاظت میں آپ کا قلم شمشیر و سنان اور تیر و تفنگ کی طرح چل رہا تھا۔ اور اپنی جماعت کو بھی اسی جہاد اکبر کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ نے جب آپ کی بیعت کی تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ ہر ایک پیر و مرشد اپنے مرید کو کوئی وظیفہ بتلاتا ہے جس کو مرید اپنا دستور العمل بناتا ہے آپ کیا وظیفہ بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ جہاد۔ مولوی نورالدین صاحب حیران رہ گئے۔ عرض کیا کہ کیا انگریزوں سے لڑوں۔ فرمایا کہ انگریزوں کی حکومت سے نہ لڑو۔ انگریزوں کے مذہب سے لڑو۔ اور تلوار سے نہ لڑو قلم سے لڑو۔ یعنی عیسائیت کے رد میں ایک کتاب لکھو۔ مولوی نورالدین صاحب نے اس حکم کی تعمیل میں کتاب فصل الخطاب دو جلدوں میں لکھ کر شائع کی جس میں عیسائی پادریوں

کے اسلام پر ڈیڑھ سو اعتراضات کا جواب ہے اور ساتھ ہی عیسائیت کا زبردست رد بھی ہے۔ جب وہ کتاب شائع ہوگئی تو مولانا نورالدین صاحب پھر حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب کیا کروں۔ فرمایا "جہاد"۔ پوچھا۔ کس سے۔ فرمایا "آریوں سے۔ ایک کتاب آریہ سماج کے رد میں لکھو"۔ چنانچہ مولانا نورالدین نے لیکھرام کی کتاب تکذیب براہین احمدیہ کے جواب میں تصدیق براہین احمدیہ کتاب لکھی اور شائع کی جس میں بھی اسلام پر قریباً ڈیڑھ سو اعتراضات کا جواب آگیا ہے۔ غرضکہ حضرت مرزا صاحب کا مسلک جہاد تھا اور وہ تھا جہاد بالقرآن اور اسی کی تلقین آپ مریدوں کو کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ آپ نے جو جماعت بنائی وہ ایک مجاہدین کی جماعت تھی جو دن رات اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں مال اور جان سے جہاد میں مصروف تھی اور خدا کے فضل سے اب بھی ہے۔ وما شاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ جس کسی کو اسلامی جہاد کا شوق ہو ہاں وہ جہاد جس کیلئے ہر ایک مسلمان ہر حالت میں متکلف ہے وہ آئے اور اس مجاہدین کی جماعت میں شامل ہو کر جہاد کرے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جن مصائب اور مشکلات سے اسلام اور مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا اس کے بعد ایسی مصیبتیں اور مشکلات اسلام کے لئے کبھی نہ آئی تھیں جتنی اب ہیں۔ آج چاروں طرف سے اسلام پر حملہ ہے مگر تیر و تفنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ تحریر و تقریر کے ذریعہ سے طرح طرح کے اعتراضات کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ پس کیا مسلمانوں کا فرض نہیں کہ ایسی حالت میں اسلام کی حفاظت کیلئے اسی رنگ میں مقابلہ کریں جس رنگ میں کہ حملے ہو رہے ہیں اور سینہ سپر ہو کر سامنے آئیں اور جان اور مال سے اس جماعت کے ساتھ مل کر جہاد کریں جو شب و روز اسی جہاد میں مصروف ہے۔ ان اشعار میں کیسا دردناک نقشہ حضرت مجدد وقت نے اسلام کی بیکسی کا کھینچا ہے۔ میں شروع کے صرف چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں:-

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہل دین
بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمین

دینِ حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں
سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کین

آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب
مے تراشد عیبہا در ذات خیر المرسلین

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر
ہست در شانِ امامِ پاکباز ان مکہ چین

تیر بر معصوم مے بارد خبیثِ بدگمہ
آسماں رامے سزد گر سنگ بارد بر زمین

پیشِ چشمانِ شما اسلام در خاک اوفتاد
چیست عذرے پیشِ حق اے مجمع المتنعمین

ہر طرف کفر ست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

تا توانی جہد کن از بہر دیں با جان و مال
تا ز رب العرش یابی خلعتِ صد آفرین

اسلام پر جب ایسا نازک وقت ہو اور ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہوں اس وقت آرام سے گھر بیٹھنے پر جو قرآن کریم میں وعید ہے وہ سورۃ التوبہ کے گیارھویں رکوع میں پڑھو جو اس طرح شروع ہوتا ہے کہ فرح المخلّفون بمقعدھم خلف رسول اللہ وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ الخ جو لوگ خدا کے رسول کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور گوارا نہ کیا کہ اللہ کے رستہ میں مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ ان کیلئے کیسا خطرناک وعید ہے یہ خود قرآن میں پڑھ لو۔ میں لکھنا پسند نہیں کرتا تاکہ تکلیف نہ ہوگی

حضرت اقدس مرزا صاحب نے مسلمانوں کے سامنے کیا نصب العین رکھا؟

آج سیاست کا زمانہ ہے۔ ہر ایک قوم اور اس کے افراد کے دل و دماغ میں یہی دھن سمائی ہوئی ہے کہ کیا طریق اختیار کیا جائے جس سے سلطنت حاصل کی جائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی اسلام کے غلبہ کو اور سلطنت حاصل کر لینے کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھ لیا۔ پس لازمی بات تھی کہ انہیں اس بات سے سخت صدمہ بلکہ بیزاری ہوتی جب حضرت اقدس مرزا صاحب نے یہ اعلان کیا کہ اسلام کا غلبہ ہمیشہ سے دلائل و براہین اور اس کی روحانیت سے ہوتا چلا آیا ہے اور اسی طریق سے آئندہ بھی ہوگا۔ کسی مذہب کا تلوار کے ذریعہ غلبہ ہونا بالکل ایک بعینی بات ہے۔ اور یہ صدمہ اور بیزاری اور بھی زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ جس مسیح و مہدی نے آنا تھا اس کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں یہ غلط خیال بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے تلوار کے زور سے ہی کافروں کو مسلمان کرنا ہے اور مسلمانوں کی سلطنت قائم کرنی ہے۔ یہی حصول سلطنت کا خیال تھا جس کی وجہ سے عام طور پر مسلمانوں نے ایسے مسیح و مہدی کے ماننے میں بظاہر اپنا کچھ فائدہ نہ دیکھا جو تلوار کے ذریعہ انہیں سلطنت دلانے نہیں آیا تھا۔ لہذا اکثر مسلمانوں نے بیک زبان دریافت کیا کہ جب سلطنت حاصل کرنا منشا نہیں تو پھر وہ کیا نصب العین ہے جو مرزا صاحب مسلمانوں کے سامنے رکھتے ہیں اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تھوڑا سا اس امر کے متعلق یہاں عرض کر دوں:۔

مسیح کے بارے میں تاریخ نے اپنے تئیں دہرایا

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہی غلط خیال جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ مسیح و مہدی جب آئیں گے تو وہ مسلمانوں کو سلطنت دلائیں گے مسلمانوں کے لئے سچے مسیح و مہدی کی شناخت میں سب سے بڑی ٹھوکر کا باعث ہوا۔ ان کے دلوں میں یہ اعتراض پیدا ہوا کہ مرزا صاحب مسیح و مہدی تھے تو ہمیں سلطنت کیوں نہ دلائی۔ بعض دفعہ تاریخ ایسے عجیب و غریب

طریق پر اپنے تئیں دُہراتی ہے کہ انسان کو حیرت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ ٹھوکر بعینہٖ ویسی ہی لگی جیسی یہودیوں کو مسیح اسرائیلی کے وقت لگی تھی۔ یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ مسیح جب آئے گا تو داؤد کا تخت دلائیگا۔ لیکن جب مسیح ایک فقیرانہ اور صوفیانہ شان میں تشریف لائے تو سلطنت کی خواہاں قوم نے اُن کا انکار کر دیا بلکہ جب اُن کو صلیب پر چڑھانے کیلئے لیجانے لگے تو استہزا کے طور پر اُن کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر شور مچایا کہ "یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ" یہی حال یہاں ہؤا۔ مسلمانوں نے جب مسیح محمدی کو فقط دلائل و براہین اور رُوحانیت سے اسلام کے غلبہ کا وعظ کرتے دیکھا تو انکار کر دیا اور کہدیا کہ ہمیں تو سلطنت چاہئے۔ اگر مرزا صاحب ہی مسیح و مہدی ہیں تو ہمیں سلطنت کیوں نہیں دلواتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ

حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مصلح خواہ نبی ہو یا مجدّد۔ رسول ہو یا کوئی امام جو خدا کی طرف سے مامور ہو وہ اپنے زمانہ کے حالاتِ حاضرہ اور ماحول سے جدا ہو کر کام نہیں کر سکتا۔ حضرت موسیٰ کو دیکھ لو۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا بھی اُن کا ایک مقصد تھا لیکن اُنہوں نے فرعون کے مقابلہ میں جہاد کا اعلان نہیں کیا۔ انتا ہی کہا کہ مجھے اپنی قوم سمیت اس ملک سے ہجرت کر جانے دو۔ اگر وہ اعلان جنگ کرتے تو نہ پاس دولت اور جنگ کا سامان تھا۔ نہ قوم میں شجاعت اور بہادری تھی۔ آخر وہ وہی لوگ تھے جنہیں جب بیابان میں ایک شہر کو فتح کرنے کیلئے کہا گیا تو کہنے لگے کہ فاذھب انت وربّك فقاتلا انّا ھٰھنا قاعدون۔ کہ اے موسیٰ تو اور تیرا رب جا کے لڑ۔ ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔ ہم سے تو ان زبردست لوگوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ پس حضرت موسیٰ کے لئے ان حالات میں اور راہ ہی کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی قوم کو لیکر کسی اور ملک میں ہجرت کر جائیں۔ وہ حالات حاضرہ سے الگ ہو کر کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ یہی حال آج ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں میں وحدت۔ قوت۔ دولت۔ شجاعت ہوتی تو وہ ہندوستان کی سلطنت ہی کیوں کھو دیتے۔ تو کوئی شخص خواہ وہ مسیح و مہدی ہی کیوں نہ ہو۔ انہی آدمیوں کو لیکر دوبارہ سلطنت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ یہ لوگ دشمن کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہجرت کا بھی کوئی موقعہ نہیں اور نہ کوئی جگہ ہے جہاں کئی کروڑ مسلمان سما سکیں۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہؤا۔ ہجرت کا تجربہ مسلمانوں کو کیسا تلخ ہؤا کہ سُن کر رونا آتا ہے۔ تو پھر ایک مصلح کیلئے یہی راہ عمل رہ جاتی ہے کہ قوم میں سے وہ نقص اور عیوب دُور کئے جائیں جو سلطنت کے زوال کا موجب ہوئے اور وہ خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں جن سے قومیں سلطنت کی مالک ہو جاتی ہیں یعنی وہ اپنی گری ہوئی قوم کی تعمیر کرے

دنیا عالم اسباب ہے اسباب سے کام لئے بغیر چارہ نہیں۔ خدا کے مامور ایک بیج ڈالنے آتے ہیں جس کی اگر آبیاری کی جائے تو وہ بعد میں ایک بڑے درخت کی صورت میں ایک عالم پر سایہ افگن ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمونہ

اس معاملہ میں حضرت مرزا صاحب کے طرز عمل پر غور کرنے سے قبل ذرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طرز عمل پر بھی غور کر لو جن کی مماثلت کا حضرت مرزا صاحب کو دعویٰ تھا۔ وہ ٹھیک انہی حالات میں مسیح ہو کر آئے تھے جن حالات میں حضرت مرزا صاحب تھے۔ اُن کی قوم بھی رومن گورنمنٹ کے ماتحت ایک رعیّت کی حیثیت رکھتی تھی۔ اُنہوں نے آتے ہی رومن گورنمنٹ کے خلاف جہاد کا اعلان نہیں کیا۔ بلکہ جو راہِ عمل اختیار کی وہ یہی تھی کہ اپنی گری ہوئی قوم کی تعمیر شروع کر دی۔ مگر قوم کو اپنی گری ہوئی حالت اور گرے ہوئے اخلاق کا احساس نہ تھا ان کے سامنے ایک ہی نصب العین تھا کہ سلطنت حاصل کی جائے۔ حالانکہ کوئی قوم سلطنت حاصل نہیں کر سکتی جب تک اُس میں وہ لوازمات نہ پائے جائیں جو سلطنت کے حصول کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ مگر اُنہوں نے جلد بازی کر کے مسیح کا انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دائمی غلامی کی لعنت اُن پر پڑ گئی۔ میں کہتا ہوں کیا حضرت مرزا صاحب بھی انہی حالات میں مسیح ہو کر نہیں آئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے؟ آج اُن کی قوم بھی برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ایک رعیّت کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے بھی پہلے مسیح کی طرح آتے ہی سیفی جہاد کا اعلان نہیں کر دیا۔ ہاں تعمیر قومی شروع کر دی۔ لیکن مسلمانوں نے اسی طرح جلد بازی کر کے انکار کر دیا جس طرح یہود نے انکار کر دیا تھا۔

خدا کے رسولوں اور ماموروں کا نصب العین

قومی تعمیر کرنیوالوں کے سامنے ہمیشہ ایک خاص نصب العین ہوا کرتا ہے۔ دنیا کے پیچھے دوڑنیوالے سیاسی لیڈروں کے سامنے سب سے بڑا نصب العین حصول سلطنت ہوا کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نبیوں اور رسولوں اور مامورین الٰہی اور مصلحین ربّانی کے سامنے بھی یہی نصب العین ہوا کرتا ہے یا کوئی اور؟ مذہبی تاریخ پر غور کرنیوالے کیلئے اس بات کو پا لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ خدا کے رسولوں اور ماموروں کا نصب العین ہرگز ہرگز دنیا کی سلطنت نہیں ہوتا بلکہ ان کا یہ نصب العین قرار دینا ان کی ہتک ہے۔ اُن کی لغت میں خدا کے سوا کسی غیر کو نصب العین بنانا شرک اور ان کی تعلیم توحید کے منافی ہے۔ فقط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی دنیا میں خدا کے نام کو بلند کرنا اور اس کی توحید کو پھیلانا انکی زندگی کا مقصود ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ جس بادشاہت کو قائم کرنا اُن کا نصب العین ہوتا ہے۔ وہ خدا کی بادشاہت ہے نہ کہ انسان کی۔ اور یہی وہ سیاست ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی سیاست کہلانے کی مستحق ہے۔

خدا کی بادشاہت قلوب پر قائم ہوتی ہے

یاد رہے کہ خدا کی بادشاہت انسانی قلوب پر قائم ہوا کرتی ہے۔ زمین پر خدا کی بادشاہت پھیلانا تو ایک تحصیل حاصل امر ہے۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت تو آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لہٗ ملک السمٰوٰت والارض۔ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے۔ پس وہ آسمانی بادشاہت جس کے زمین پر آنے کیلئے حضرت مسیح اور اُن کے حواری دعا مانگتے رہے اور جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی بمثل شان کے ساتھ آسمان سے زمین پر آئی۔ وہ درحقیقت خدا کی بادشاہی تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے قلوب پر مستولی ہوئی کیونکہ خدا کی بادشاہی اور اس کے قوانین کی فرمانبرداری جیسی محمد رسول اللہ صلعم کی قوم نے کر کے دکھائی وہ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ پس یہی وہ خدا کی توحید اور اُس کی بادشاہی ہے جو انبیاء و رسل کا نصب العین ہوتی ہے اور جس کی فرمانبرداری کا نام الاسلام ہے اور جسے سامنے رکھ کر وہ اپنی قوم کی تعمیر کرتے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ

حضرت مرزا صاحب حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے غلام اور آپ کے خلیفہ تھے۔ وہ اپنے آقا سے جدا اپنا نصب العین نہیں بنا سکتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا نصب العین کیا تھا؟ میں عرض کر چکا ہوں کہ تمام انبیاء و رسل کا نصب العین سوائے لا الٰہ الا اللہ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں خدا کی توحید اور اس کی بادشاہی قائم کرنا چاہتے ہیں تو محمد رسول اللہ صلعم کا نصب العین بھی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ دشمنانِ اسلام پادریوں وغیرہ نے آپ پر یہ الزام لگایا ہے کہ نعوذ باللہ آپ دنیا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ہر ایک محقق اور تاریخ سے واقف جانتا ہے کہ یہ کسقدر دروغ اور بہتان ہے۔ خود اہل مکہ نے آپ کے سامنے دولت، عورت، سلطنت سبھی کچھ تو پیش کیا کہ یہ سب کچھ لیلو اور توحید کا وعظ چھوڑ دو لیکن آپ نے ان سب چیزوں کو نہایت حقارت سے رد کر دیا۔ اور خدا کی توحید اور خدا کی بادشاہت کو قائم کرنے کا نصب العین ایک لمحہ کیلئے بھی ترک نہ کیا۔ اور یہ اتنا بلند نصب العین تھا کہ دنیا کا کوئی نصب العین اس کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ دنیا داروں کے نصب العین میں نفس اور اس کی خواہشات کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی فرد کی خواہش نفس ہو یا کسی قوم کی۔ وہ لوگ باوجود دنیا کی سلطنت کو حاصل کر لینے کے نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد نہیں ہوتے۔ لیکن خدا کی توحید اور اسکی بادشاہی کو نصب العین بنانے میں نفس اور خواہشات کی غلامی سے انسان بکلی آزاد ہو جاتا ہے اور ان حالات میں جو قوم کی تعمیر ہوتی ہے اور اس میں جو قومی کیریکٹر پیدا ہوتا ہے وہ اس

قدر بلند اور پاکیزہ ہوتا ہے کہ اسکے کمالات اور خوبیوں کو دنیا کی کوئی قومی تعمیر پا نہیں سکتی۔ اور اس خدائی کلچر اور تہذیب کے سامنے تمام دنیوی اور مادی کلچر اور تہذیب کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدا کی بادشاہت کو قائم کرنیوالے اگرچہ دنیا کی سلطنت کے پیچھے نہیں دوڑتے۔ مگر دنیا کی سلطنت انکے پیچھے دوڑتی ہے اور ان کے قدموں پر اپنا سر رکھتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اور آپ کی قوم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے فقط خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنا اور اسکی توحید اور بادشاہی کو انسان کے قلوب میں قائم کرنا چاہا تھا۔ اس نصب العین کو مدنظر رکھ کر جو قوم آپ کی تیار ہوئی اس کا قومی کیریکٹر کسقدر حیرت انگیز ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک جاہل اور بت پرست وحشی اور درندہ قوم پرلے درجہ کی مہذب اور باخدا قوم بن گئی۔ اور دنیا کی سلطنتیں اس قوم کے قدموں پر گرتی چلی گئیں۔ اور یہ اسلئے تھا کہ وہ اس بات کا حق رکھتے تھے کہ خدا کی زمین پر خلیفہ بنیں۔ یہی معنے ان الارض یرثھا عبادی الصّٰلحون کے ہیں کہ جب اس طرح ایک قوم بن جاتی ہے اور اس کے قومی کیریکٹر کی اصلاح ہو جاتی ہے تو وہ زمین کے وارث ہونیکی مستحق ہو جاتی ہے۔ پس محمد رسول اللہ صلعم یا آپ کی قوم کا یہ نصب العین قرار دینا کہ ان کا مقصد فقط دنیا کی سلطنت کا حصول تھا ان کی صریح ہتک اور دشمنوں کا بہتان ہے۔ ایک خدا پرست موحد انسان کا نصب العین اسقدر ادنیٰ نہیں ہو سکتا۔ اُس کی نظر میں یہ ایک بُت ہے جس کا انسانی قلب کے بیت اللہ میں ہونا شرک اور بت پرستی ہے۔ اس کا نصب العین فقط اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُسی کی بادشاہی کو انسان کے قلب میں قائم کرنا ہوا کرتا ہے۔ ہاں جب انسان کے قلب میں خدا کی بادشاہی قائم ہو جاتی ہے تو پھر ظاہر میں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ دنیا کی بادشاہیاں اس کی غلام ہو جاتی ہیں اور وہی قوم ہوتی ہے جس کی بادشاہی کی نسبت یہ کہنا بجا ہوتا ہے کہ یہ خدا کی بادشاہی ہے جو زمین پر قائم ہوئی اور اسی کو صحیح معنوں میں اسلامی بادشاہی کہا جائیگا۔ کیونکہ اس کے حاملین کے قلوب میں خدا کی بادشاہی اور اس کے قوانین کی حرمت ایسی مستحکم ہوتی ہے کہ خدا کے قوانین کی فرمانبرداری کا جذبہ اُن کے ہر ایک نفسانی اور مصلحتی اور سیاسی جذبہ پر غالب ہوتا ہے۔ ایک مسلمان بادشاہ کی بادشاہی جبتک وہ دل سے خدا کی بادشاہت کا فرمانبردار نہ ہو اور اس کے قوانین کی حرمت اور عزت کے سامنے ہر ایک اپنی مصلحت اور سیاست اور نفسانی غرض کو وہ پس پشت نہ ڈال دے صحیح معنوں میں اسلامی بادشاہی نہیں کہی جا سکتی۔

خدا کی بادشاہی قائم کرنے کا ذریعہ

پس انسان کے قلب میں خدا کی بادشاہی کا قائم کرنا وہ حقیقی نصب العین ہے۔ جو تمام انبیاء و رسل اور ہماری سرکار حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے مدنظر تھا۔ اب

دیکھنا یہ ہے کہ قلوب میں خدا کی بادشاہی کے قائم کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔ جہاں تک مذہب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے اور قرآن کریم سے ہمیں سمجھ آتی ہے وہ ذریعہ ہے زندہ خدا پر ایمان یعنی انسان کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ خدا ہے اور وہ بندوں کے معاملات میں متصرف بالارادہ ہے اور اُسی کی بتائی ہوئی ہدایات اور قوانین پر چل کر انسان فلاح پا سکتا ہے۔ اس زندہ ایمان سے انسان میں قوتِ عمل پیدا ہوتی ہے اور جیسے جیسے خدا کے وعدوں پر ایمان ترقی کرتا ہے انسان میں ایثار اور قربانی کی روح ترقی کرتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے قومی کیریکٹر پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب خدا کی توحید اور اس کی بادشاہی کو قائم کرنا انسان کا نصب العین بن جائے گا۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اتنے بلند نصب العین کی وجہ سے باہم نفسانی جھگڑے اور مناقشات ختم ہو کر قوم میں حقیقی اتحاد اور نظام پیدا ہو جائے۔ جو انسان کی دینی ترقیات کے علاوہ تمام دنیوی ترقیات کے لئے بھی بطور جڑ کے ہے۔ پس جب کسی قوم میں قومی کیریکٹر اور اتحاد و نظام پیدا ہو جائے گا تو اس قومی تعمیر کے بعد دنیا کی سلطنت اس کے تلوے چاٹنے کو خود بخود آن موجود ہو گی +

حضرت مرزا صاحب نے خدا کی بادشاہت قائم کرنے کے لئے کیا طرزِ عمل اختیار کیا

اب میں دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے خدا کی بادشاہت کو قائم کرنے کے لئے اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کی یا نہیں؛ اور قومی تعمیر کے مذکورہ بالا ذریعہ کو کہاں تک کام میں لائے؛ حضرت مرزا صاحب جب متصب مجددیت و مسیحیت پر مامور ہوئے تو مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ خدا پر زندہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان میں کوئی قومی کیریکٹر نہ رہا تھا اور خدا کے وعدوں پر ایمان نہ رہنے سے اُن پر ایک مایوسی کی حالت طاری تھی جو کسی قوم پر اگر طاری ہو جائے تو اسے تنزل و ادبار کے گڑھے سے کبھی نکلنے اور اُبھرنے نہیں دیتی اور آخر کار اُسے ہلاک کر کے چھوڑتی ہے۔ میں ذرا یہاں تفصیل سے ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں:-

(۱) زندہ خدا پر ایمان سے قومی کیریکٹر پیدا کیا

پہلے میں قومی کیریکٹر کو لیتا ہوں۔ یاد رہے کہ قومی کیریکٹر کا لفظ جب میں مسلمانوں کے لئے استعمال کروں گا تو اس کا مطلب اسلامی کیریکٹر ہو گا۔ وجہ یہ کہ اسلام کسی قوم یا وطن میں محدود نہیں۔ وہ ہر ایک قومیت اور وطنیت کو توڑ کر صرف اپنی ایک قوم بناتا ہے جس کا نام مسلمان رکھتا ہے اور جس کا وطن ساری دُنیا ہے۔ پس "مسلمان کا قومی کیریکٹر" اور "اسلامی کیریکٹر" آپس میں مترادف الفاظ ہیں۔ اب اصل حقیقت سُنئے وہ یہ کہ حضرت مرزا صاحب جب منصب مجددیت پر مامور ہوئے تو حالت یہ تھی کہ مسلمانوں میں قومی کیریکٹر کوئی باقی نہ رہا تھا جس کے بغیر کوئی قوم دین تو

دور رہا دنیا میں بھی نہ سلطنت حاصل کر سکتی ہے اور نہ غیر قوموں کی نظروں میں کوئی عزت پا سکتی ہے آج مغرب کی زندہ قوموں میں جو برسر حکومت ہیں یا دنیا میں عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں یہ وصف موجود ہے کہ وہ قوم کے نام پر سب کچھ فدا کرنے کو تیار رہیں۔ وہ اپنی قوم کے خلاف کوئی کام کرنے پر آمادہ نہیں کئے جا سکتے۔ اسکے برعکس ایک عام ہندوستانی مسلمان کو لے لیجئے۔ اسکے دین و ایمان کی قیمت زیادہ سے زیادہ چند مربعے زمین کے ہوتے ہیں یا کوئی خطاب یا عہدہ یا جاگیر۔ چند پیسوں کے لئے اپنی قوم کے گلے کٹوانے والے مسلمان آپ جتنے چاہیں ہندوستان کے شہر شہر قصبہ قصبہ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کیا ایسی قوم کسی آزادی یا حکومت یا عزت کی خواہش کر سکتی ہے۔ ان لوگوں کیلئے آزادی یا حکومت یا عزت کا نام لینا بھی ان پاک چیزوں کی ہتک ہے اور گستاخی۔ آج عام طور پر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ہر ہر قدم پر ان کا نفس اسلام پر مقدم ہو رہا ہے۔ مسلم کشی۔ قوم فروشی ایک عام پیشہ بن گیا ہے۔ اور عزت دو دولت کا ذریعہ۔ کیا گذشتہ چند سالوں کے تجربات نے نہیں بتلا دیا کہ جس چیز کا فقدان سب سے بڑھکر مسلمانوں میں ہے وہ یہی قومی کیریکٹر ہے۔ کیا بڑے بڑے جلیل القدر لوگوں میں سے اکثر جو چند روز کی لیڈری کی شان دکھا گئے بالآخر بد دیانت اور خائن اور نفس پرست ثابت نہیں ہوئے؟ اور قومی زندگی کی جو لہر بھی اٹھتی نظر آئی کیا وہ آخر کار حباب کی طرح بیٹھ نہیں گئی؟ اور جہاں نفسانیت اور قومیت کا تصادم ہوا کیا وہیں نفسانیت غالب نہیں آ گئی؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں سے خدا پر سے ایمان اٹھ گیا تھا۔ مسلمان قوم کی بنیاد کسی خاص وطن یا قوم کے ساتھ وابستہ نہ تھی۔ بلکہ اس کی بنیاد مذہب پر تھی جو اسلام تھا اور جس کے معنے خدا کی بادشاہی کی فرمانبرداری کے ہیں۔ پس جب خدا پر ایمان کمزور ہو گیا تو مذہب کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی جس سے مسلمانوں کی قومیت کا شیرازہ قائم نہ رہا اور ان کی وحدت و اتحاد جاتا رہا۔ اور خدا کی بادشاہی ان کے دلوں سے نکل گئی اور وہ ہر طرف منتشر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات اور دنیوی اغراض کے بندے بن کر رہ گئے۔ اور ان کا قومی یا اسلامی کیریکٹر بالکل گر گیا۔ پس ضرورت تھی کہ ان کو پھر اصل بنیاد سے مضبوط کیا جائے اور ان کی تعمیر قومی اسی بنیاد پر کی جائے جس پر مسلمانوں کی اس عظیم الشان قوم کے بانی حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے تعمیر قومی کی تھی اور وہ بنیاد یہ تھی کہ زندہ ایمان کے ذریعہ دوبارہ خدا کی بادشاہی کو مسلمانوں کے دلوں میں قائم کیا جائے اور پھر انہیں اسی کلچر اور تہذیب کی طرف لوٹایا جائے جو خدا کی بادشاہی کی فرمانبرداری کا لازمی نتیجہ ہے اور جس کے ذریعہ وہ قومی کیریکٹر پیدا ہوتا ہے جو اسلام کا امتیاز خصوصی ہے اور جو ظاہری و

باطنی جسمانی اور روحانی ہر ایک قسم کی اصلاح اور ترقی پر مشتمل ہے۔ یہ خدا پر زندہ ایمان ہی ہوتا ہے جس کے ذریعہ خدا کی بادشاہی قلوب میں قائم ہوتی ہے اور اسی سے اعمال میں کامل فرمانبرداری کا ظہور ہوتا ہے۔ جب تک کسی کے قلب میں خدا کا عرش نہ اُتر آئے خدا کے احکام کی فرمانبرداری اُس نے کیا کرنی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے سب سے پہلے جس امر کا بڑے زور سے اعلان کیا وہ زندہ خدا پر ایمان اور یقین تھا۔ آپ نے بڑا زور اسی بات پر دیا کہ خدا ہے اور وہ زندہ خدا ہے یعنی جیسے پہلے زمانہ میں وہ اپنے بندوں سے ہمکلام ہو کر اپنی ہستی کا اور نشانات آسمانی سے اپنے متصرف بالارادہ ہونے کا ثبوت دیتا تھا آج بھی اسی طرح وہ بولتا ہے اور نشانات سماوی کے ذریعہ اپنے متصرف بالارادہ ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اور بتایا کہ میں اس معاملہ میں صاحب تجربہ اور صاحب حال ہوں۔ اور میں ہر ایک طالب حق کو خوش خبری دیتا ہوں کہ وہ میرے پاس آکر آزمائش کرلے اور زندہ خدا سے تعلق پیدا کر کے اپنے ایمان کو تازہ اور اپنی زندگی کو مثمر بثمرات کرلے۔ چنانچہ جس قوم نے آپ کی اس آواز پر لبیک کہا اور آپ کے دامن سے لگی اس کے قلوب میں وہ زندہ خدا بس گیا اور اس کی بادشاہی نے ان میں سے بہتوں کے قلوب پر ایسا قبضہ کیا کہ وہ اس کے فرمانبردار ہو کر اس کے بندوں میں داخل ہو گئے اور اُن سے وہ اعمال صالحہ اور قربانیاں سرزد ہوئیں جو آج مسلمانوں کے اندر عنقا کا حکم رکھتی ہیں اور جو سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔ اور یہی وہ زندہ ایمان ہے جو باوجود اس جماعت کے قلیل التعداد ہونے اور کثرت مخالفت کے اس کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے دیتا بلکہ ہر قدم جو خدا کی راہ میں اُٹھتا ہے وہ ماشاءاللہ ولا قوۃ الّا باللہ آگے ہی اُٹھتا ہے پیچھے نہیں پڑتا۔

اس میں کیا شک ہے کہ جب زندہ ایمان قلوب کے اندر پیدا ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی اعمال صالحہ کی تحریک اور قربانی کی رُوح بھی اس میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کو پختہ کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے ہر ایک اپنے مرید سے یہ عہد لیا کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" جس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں اپنی ذاتی اغراض اور نفس کا اسلامی مفاد سے تصادم ہو وہاں اسلامی مفاد پر اپنی ہر ایک چیز قربان کر دی جائے۔ یہی وہ قربانی کی رُوح ہے جس سے قومیں بنتی ہیں اور زندہ رہتی ہیں جس کے بغیر قومی تعمیر ریت کے تودے پر عمارت بنانے سے بڑھکر نہیں جو گرنے کیلئے ایک ہوا کے جھونکے کی منتظر رہتی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھ لو۔ جرمن قوم جنگ عظیم کے بعد ایسی گری تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ پھر وہ اُٹھنے کے قابل نہ ہوگی۔ لیکن ابھی چند سال ہی گزرے ہیں

کہ وہی قوم آج پھر دوسری ہم چشم قوموں کے برابر ہے بلکہ ان سے بھی بعض میدانوں میں گوئے سبقت لیگئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُن میں وہ جڑ موجود رہی جس سے کہ قومیں بنتی ہیں یعنی قومی کیریکٹر۔ چنانچہ آجکل جرمن قوم کا مقولہ یہ ہے کہ "قومی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دو" یہی ایک فقرہ ہے جسے حکومت جرمنی اپنے تمام مردوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کے دل و دماغ میں جاگزین کرانا چاہتی ہے حکومت کے ہر شعبہ میں زور دیا جاتا ہے کہ انفرادی حیثیت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ قومی اور اجتماعی مفاد کو ہر حالت میں مقدم کرنا چاہئے اور انفرادی زندگی کو اجتماعی زندگی پر قربان کر دینا چاہئے۔ غرضکہ جرمن قوم کی زندگی اور جرمن حکومت کی قوت کا راز اس ایک فقرہ میں مضمر ہے۔ تو پھر جیسا کہ میں بتا آیا ہوں کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد اُن کے دین پر ہے۔ اور انکی انفرادی زندگی یعنی ان کی نفسانیت انکی دنیا ہے۔ تو مسلمان قوم میں اس کے حسب حال جو قومی کیریکٹر پیدا کیا جا سکتا ہے وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دین کو دنیا پر مقدم رکھے اور خدا کی بادشاہی کو ایسا اپنے قلوب پر حاوی کرے کہ اس کی فرمانبرداری کے لئے اپنی تمام نفسانی خواہشات اور دنیوی اغراض کو وہ پس پشت پھینکنے کو ہمہ وقت تیار رہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے دین کیلئے دنیا کو قربان کرنے میں اُسے ذرا بھی تامل نہ ہو۔ چنانچہ یہی وہ عہد تھا جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے لیا اور یہی عہد وہ تمام مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔ اور اسی ایک فقرہ کو وہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کے دل و دماغ میں جاگزیں کر دینا چاہتے تھے تاکہ اُن کا وہ کھویا ہوا قومی یا اسلامی کیریکٹر اُن میں پھر دوبارہ پیدا ہو جس سے قومیں بنتی اور دین و دنیا میں عروج پکڑتی ہیں۔ کاش مسلمان اس سچے آسمانی لیڈر کی آواز پر لبیک کہتے اور آپ کے ہاتھ پر اس عہد کو پورا کرنیکا اقرار کرتے تو دنیا دیکھ لیتی کہ مسلمان قوم کے اندر کتنا عظیم الشان قومی کیریکٹر پیدا ہو جاتا اور دنوں میں وہ دنیا میں عزت اور حکومت کے وارث ہو جاتے۔ اسلامی کیریکٹر تو وہ چیز تھا کہ اگر مسلمان اس کی طرف توجہ کرتے اور اُسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات سچ ہے کہ پھر اس کا مقابلہ نہ برطانیہ کا بحری بیڑا کر سکتا ہے اور نہ ہوائی۔ اور نہ کانگرس اُسکا بال بیکا کر سکتی ہے نہ ہندو مہاسبھا۔ گاندھی جی نے تو کہا تھا کہ کھدر پہنو میں سوراج کا ٹھیکہ لیتا ہوں لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس سے زیادہ جامع اور مانع اور مسلمانوں کے حسب حال دستور العمل پیش کیا تھا کہ اسلامی کیریکٹر اپنے اندر پیدا کرو۔ اسلام کو اپنے نفس اور ذات پر مقدم کر کے خدا کی بادشاہت کو اپنے اوپر بکلی قبول کر لو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ سچے مسلمان بن جاؤ تو عزت اور سلطنت تمہارا

خیر مقدم کریگی۔ جیسا کہ آپ کو خدا کی طرف سے الہام بھی ہوا تھا کہ ؎

چو دورِ خسروی آغاز کردند ✤ مسلماں را مسلماں باز کردند

لیکن افسوس کہ کثرت سے مسلمانوں نے اس آواز پر کان نہ دھرا۔ انہوں نے کوٹھے پر چڑھنا چاہا مگر بغیر زینہ کے۔ انہوں نے سلطنت مانگی مگر اس کے حصول کے صحیح ذریعے کی طرف توجہ نہ کی۔ انہوں نے نہ سمجھا کہ جو سلطنت قومی کیریکٹر کے ذریعہ بنتی ہے وہ دنیا کیلئے رحمت اور موجب برکت اور پائدار ہوتی ہے۔ اور جو سلطنت محض ڈنڈے کے زور سے بنتی ہے وہ ناپائدار اور دنیا کے لئے ایک آفت اور مصیبت ہوتی ہے۔ محض سلطنت کوئی چیز نہیں جب تک کہ وہ اچھی سلطنت اور نافع نہ ہو۔

(۲) مسلمانوں کے سیاسی انحطاط اور تنزل کے زمانہ میں انکے ایمان کو زندہ کرکے انہیں اسلام کی ترقی اور روحانی غلبہ کی بشارت دی

حضرت مرزا صاحب کی بعثت سے قبل مسلمانوں کی سیاسی حالت انتہائی تنزل پر جا پہنچی تھی۔ ان کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے اُن کے ہاتھوں سے نکل چکی تھیں اور نکل رہی تھیں۔ اِدھر ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اُدھر مصر انگریزوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔ سوڈان پر مہدی سوڈانی کو شہید کرکے انگریز مسلط ہو چکے تھے۔ فرانس نے شمالی افریقہ کا اکثر حصہ یعنی الجیریا اور ٹیونس اور کچھ حصہ مراکش کا اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ مراکش پر اسپین نے اور طرابلس پر اٹلی نے قبضہ کر لیا تھا۔ زنجبار کی ساری اسلامی مملکت انگریزوں اور جرمنوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ترکستان کو روس بلکل نگل چکا تھا۔ اور ایران اس کے ہاتھوں میں ایک مغلوب شکار کی طرح دم توڑ رہا تھا۔ افغانستان کی حیثیت ایک ریاست کی بن کر رہ گئی تھی جو انگریزوں کے بلکل زیر اثر تھی۔ عرب میں کوئی جان باقی نہ تھی۔ مسلمانوں کی مایۂ ناز ترکی کی سلطنت جسے خادم الحرمین الشریفین ہونیکا فخر حاصل تھا ایک مرد بیمار کی طرح سسک رہی تھی۔ اور روس کے آئے دن کے حملوں اور یورپ کی سیاسی چالبازیوں کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرین سیاست کا یہ فتویٰ لگ چکا تھا کہ یہ مرد بیمار اب چند روز کا مہمان ہے۔ لے دے کے دکن میں میسور کی ایک اسلامی سلطنت باقی تھی۔ اور سلطان ٹیپو اس نازک حالت میں انگریزوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اسکے شہید ہو جانے اور میسور کے انگریزوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں چلے جانے نے مسلمانوں کے سیاسی تنزل پر مُہر لگا دی یہاں تک کہ ایک انگریز نے ان الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا کہ "سلطان ٹیپو کی موت نے مسلمانوں کی خلافت کا عملی طور پر دنیا سے خاتمہ کر دیا" اور ٹیپو سلطان علیہ الرحمۃ کے مزار کا کتبہ لکھنے والے نے درحقیقت عالم اسلامی کے خیالات کی ترجمانی کی جب اُس نے یہ لکھا کہ "آج روم و ہند کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا"

الغرض یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی سیاسی حالت انتہائی تنزل کو پہنچ گئی تھی اور تمام عالم اسلام

پر ایک یاس کی حالت طاری تھی مسلمانوں کا بدقسمتی سے یہ خیال ہوگیا تھا کہ مذہب کے قیام کیلئے مادی طاقت اوّلین چیز ہے۔ اگر آج مادی طاقت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے تو اب کوئی صورت نہیں کہ دوبارہ اسلام دنیا میں غالب آسکے۔ اُسوقت کے مسلمان علما اور لیڈروں کے خطبات کو پڑھئے کتابوں کو دیکھئے۔ نثر و نظم کو ملاحظہ فرمائیے ہر جگہ آپ کو مایوسی ہی مایوسی نظر آئیگی۔ دنیا نے یہی سمجھا کہ اسلام نے آخری کوشش ٹیپو سلطان کی شکل میں کی تھی لیکن جب وہ کوشش بھی بارور نہ ہوئی تو تو اب کوئی صورت ہمارے بقا کیلئے باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کی اسی یاس انگیز حالت سے متاثر ہوکر مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے وہ مرثیۂ قوم لکھا جو مسدّس حالی کے نام سے مشہور ہے جس میں مسلمانوں کے زوال کا ایسا دردناک نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھکر آنکھیں آنسوؤں سے تر اور قلوب غم والم اور حسرت ویاس سے بھر جاتے ہیں۔ اس میں سے فقط دو بند میں یہاں عرض کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

امیروں کی تم سُن چکے داستاں سب — چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب — بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب

یہ بوسیدہ گھراب گرا کہ گرا ہے
ستوں مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا ایک شمّہ ہے اس کا — کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا
زمانے نے اُونچے سے جس کو گرایا — وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا

نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

غرضکہ مسلمانوں کو ایسا نظر آیا کہ وہ اب یہود کی طرح ہمیشہ کیلئے ایک مغلوب اور مخذول قوم بن گئے اور وہ یہ دیکھ کر کہ نہ صرف دنیا ہی اُن کی مخالف ہے بلکہ آسمان سے بھی ان کی مدد کیلئے کوئی نازل نہیں ہوتا۔ مذہب سے بھی بدظن ہونے لگے اور یہ مایوسی جو عالم اسلام پر اس دور میں چھائی تھی اُسکی نظیر نہ بنو اُمیہ کی تباہی میں نظر آتی ہے نہ عباسیہ کی بربادی میں اور نہ ہی اسپین میں اسلامی شوکت کے زوال کے وقت۔ یہ مایوسی کی لہر ایک عالمگیر حیثیت رکھتی تھی اور جیسا کہ ہر ایک دانا جانتا ہے اس قسم کی مایوسی ایسی خطرناک چیز ہے کہ جب یہ کسی فرد یا قوم کے قلوب پر تسلّط جمالیتی ہے تو پھر دل بجھ جاتے ہیں اور انسان کے اندر سے قوتِ عمل زائل ہوجاتی ہے اور جد وجہد کی اُمنگ جاتی رہتی ہے اور ترقی وسعی کا مادہ سلب ہوجاتا ہے۔ اور ایسے شخص یا قوم کو کسی چیز کا انتظار نہیں باقی رہتا سوائے اپنی موت کے!

پس ایسے نازک موقعہ پر اس امر کی بڑی سخت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص اس زمانہ میں پیدا ہو جو مسلمانوں کے دلوں سے اس مایوسی کی لہر کو بالکل مٹا دے اور قوم کو پھر اسی امید اور یقین اور ایمان و عرفان کا درس دے جس کی بدولت وہ عرب کے صحرا سے نکل کر اسپین سے لیکر چین تک اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے پہنچ گئے تھے۔ اسوقت ایسے آسمانی مصلح یا مسیح کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کی بیماریوں کی صحیح تشخیص کر کے انکا بہترین علاج پیش کرے اور اپنے نفوس قدسیہ کی برکت سے مردہ دلوں میں پھر زندگی پیدا کرے۔ الغرض اس عالمگیر یاس اور اشد ضرورت کے وقت خدا نے اسلام کے متعلق اپنے وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کو (کہ ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) یاد کیا اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کو چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا۔ انہوں نے آتے ہی اس مایوس قوم کو بشارت دی کہ سنو! اسلام کا خدا زندہ خدا ہے وہ آج بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح آج سے تیرہ سو سال پہلے بلکہ ہمیشہ سے موجود ہے اور وہ وہی خدا ہے جس نے قرآن نازل فرمایا تھا اور اسلام کو اپنا ابدی دین قرار دیا تھا اسی خدا نے مجھے بھیجا ہے تا میں لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ کے خدائی وعدہ کے ماتحت اس دین کو کل ادیان عالم پر غالب کر کے دکھاؤں۔ اگرچہ اسلام کا ظاہری سیاسی غلبہ اسوقت مٹ چکا ہے مگر اسلام کے لئے روحانی غلبہ کا وقت آگیا ہے اور لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ کا خدائی وعدہ پورا ہونے کا یہی وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غلبہ دیگا خواہ وہ ادیان یہودیوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں اور سکھوں اور بدھوں وغیرہ کے مذاہب ہوں اور خواہ وہ مادہ پرستی اور بالشوازم فیسی ازم۔ نازی ازم وغیرہ کی شکل میں دنیا کی آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے ادارے ہوں ذرا یہ ایمان افروز تحریر حضرت اقدس مرزا صاحب کی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ زمانہ اب اسلام کی روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ کسی وقت وہ اپنی طاقت دکھا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائیگا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں کیسے ہی نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آئیں مگر انجام کار ان کیلئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کے رو سے میں کہتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملے سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کی جہالتیں ثابت کرے گا..... اس کشتی کا ناخدا خداوند تعالیٰ ہے..... وہ ہمیشہ اس کو طوفان اور باد مخالف سے بچاتا رہے گا جیسا کہ فرماتا ہے

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (آئینہ کمالات اسلام)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا نورالدین نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ "حضور تو اسلام کی اشاعت یورپ اور امریکہ میں کرنا چاہتے ہیں اور وہاں کے لوگ مذہب کے نام سے متنفر ہو رہے ہیں" فرمایا "اچھا ہے تختی صاف ہو رہی ہے نقش اچھا جمیگا۔ مریم کے بیٹے مسیح کی خدائی کا بُت وہاں سے مٹنے دو تا اسلام کیلئے جگہ خالی ہو" پھر فرمایا "مولوی صاحب! پہلی رات کا چاند صرف تیز نظر انسان دیکھتا ہے ہر ایک کو نظر نہیں آتا۔ جب چودھویں رات کا چاند بن کر چمکتا ہے تو ایک عالم دیکھتا ہے۔ اسی طرح میری آنکھوں نے اسلام کے روحانی غلبہ کا ہلال دیکھ لیا ہے۔ انشاء اللہ وقت آئے گا کہ یہ بدر بن کر چمکے گا تب سارا عالم دیکھیگا"

غرضکہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے قرآنی ارشاد وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کے ماتحت کہ تم غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو گے۔ زندہ خدا پر ایمان کو مسلمانوں کے قلوب میں دوبارہ قائم کیا تا خدائی وعدہ غلبہ کا ان کے ساتھ پورا ہو اور اس کی نصرت اور حفاظت کے وعدوں کے پُورا ہونے کی خوشخبری سنا کر اس مایوسی کی لہر کو مٹا دیا جو مسلمانوں کے قلوب پر مسلط ہو چکی تھی جس سے ان کے اندر کام کرنے کی قوت دوبارہ جاگ اُٹھی۔ پھر اتنا ہی نہیں کیا۔ آپنے ایمان کو عملی رنگ اور قربانی کی شکل میں بدلنے کیلئے "دین کو دنیا پر مقدم رکھنے" کا عہد لیا تا اُن میں وہ قومی کیریکٹر پیدا ہو جس سے قومیں بنتی اور زندہ ہوتی ہیں اور اتحاد عمل کیلئے تمام مسلمانوں کو دعوت دی کہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بلا لحاظ فرقہ و جماعت کلمہ طیبہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ۔ اور اپنے قدیم نصب العین کو جو ان ایام میں دنیا کی طرف گر چکا تھا بلند کر کے پھر اُس کے اصلی مقام پر لے آؤ یعنی دنیا میں خدا کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد اپنا نصب العین بناؤ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ یہ نصب العین آج تلوار سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس تلوار کی جنگ کے ماوراء ایک اور جنگ ہے جس کی طرف تمہاری نظر ابھی نہیں گئی مگر مجھے وہ صاف نظر آ رہی ہے۔ وہ ہے جنگ قرآن اور مغربی مادی فلسفہ کی۔ اسلامی اور مغربی مادی تہذیب کی۔ اسلامی اور غیر اسلامی ثقافت یعنی کلچر کی۔ مغرب اس بات پر تلا ہوا ہے کہ وہ اپنے تمام دیرینہ زخموں کے بدلے دل کھول کر لے۔ وہ جسطرح اسلامی سلطنتوں کو قریباً مٹا چکا ہے اسی طرح اب وہ اسلام کے مذہب اسلام کی تہذیب و کلچر کو بھی دنیا سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ پس اب وقت ہے کہ اس مادیت کا مقابلہ اسلام کی روحانیت سے کرو یعنی قرآن کی تلوار ہاتھ میں لیکر جہاد کبیر کرو جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے کہ جاھدھم بہ جھادًا کبیرًا کہ اس قرآن کو ہاتھ میں لیکر جہاد کبیر کرو۔ موجودہ زمانہ مسلمانوں کیلئے مکی زمانہ[1] ہے۔ جبکہ مسلمان اگرچہ ظاہر طور پر کفار کے ماتحت

(۱ حاشیہ صفحہ ۷۳۳ پر دیکھو)

تھے مگر اسلام کی رُوحانی تلوار اپنا کام کر رہی تھی۔ پس اس مکی زمانہ میں چاہیئے کہ مسلمان پھر اسی طرح صبر اور صلح و آشتی دعا اور سعی کے ساتھ اسلام کا پیغام کفار تک پہنچا کر دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرتے چلے جائیں جیسا کہ ابتدائی مسلمانوں نے کیا تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وقت آتا ہے کہ اس مکی زمانہ کے بعد اسلام کے لئے پھر مدنی زمانہ بھی آجائے اور رُوحانی غلبہ اسلام کے ظاہری غلبہ کو بھی ساتھ لے آئے۔ غرضکہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے مسلمانوں کے دلوں سے وہ مایوسی کی لہر مٹادی جو مسلمانوں کو روز بروز تنزل اور انحطاط کی انتہائی پستی کی طرف لئے جا رہی تھی۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں اور معرکۃ الآرا تصانیف نے اسلام کا ایسا خوبصورت چہرہ اہل عالم کو دکھایا کہ مسلمانوں کے قلوب میں پھر اس امید کو زندہ کر دیا جو مر چکی تھی کہ اسلام پھر دنیا میں غالب آئے گا۔ اور خود یورپ بول اٹھا کہ "یورپ کی موجودہ مادی تہذیب بھی تبھی سلامت رہ سکتی ہے جب وہ اسلام کی رُوحانی تہذیب سے مل کر اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کرلے"۔

(دیکھو کتاب Whither Islam)

قصہ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اُمت مسلمہ کے زوال کے بعد اسلام کے غلبہ کیلئے ایک نئے دَور کا افتتاح کیا اور اس کی ابتدا اس معالجِ رُوحانی کے ذریعہ ہوئی جس نے اس مایوسی کے دَور کو امید اور یقین سے بدل دیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اُن کے قلوب غلبۂ اسلام کے بارے میں اس قدر اُمید اور یقین و عرفان سے بھر گئے کہ وہ اس مقصد کے لئے شب و روز ہر طرح کے دُکھ اور تکلیفیں اُٹھانا اپنے لئے راحت سمجھتے اور ہر طرح کی قربانی مالی و جانی کرتے میں ایک رُوحانی لذت محسوس کرتے ہیں۔ اسلام کا پیغام دنیا میں پہنچانے میں کتنے بھی مشکلات کے پہاڑ ان کے سامنے آکھڑے ہوں مگر وہ یقین اور ایمان جو خدا نے مجدد وقت کے ذریعہ عطا فرمایا ہے اُنہیں تھکنے اور ہمت ہارنے نہیں دیتا۔ اور ہر قدم پر اس معاملہ میں خدا کی نصرتوں کا ظہور ماشاء اللہ ایسا خارق عادت طور پر ہوتا رہتا ہے جو اس ایمان اور یقین کو ہر دم بڑھاتا رہتا ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ سے تعلق نہیں پیدا کیا ان کے دلوں سے بھی مایوسی جاتی رہی یعنی صرف یہی نہیں ہوا کہ حضرت مرزا صاحب نے وہ عظیم الشان لٹریچر پیدا کیا جس نے اسلام کو تمام ادیان عالم اور فلاسفہ و ملاحدہ پر غالب کر دیا اور جو ذریعہ کتب و رسالہ جات اور اخبارات و اشتہارات تمام مشرق و مغرب میں شائع ہوتا رہا۔ بلکہ یہ بھی ہوا

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۷۳۲)

لہ تعجب ہے کہ ابھی حال ہی میں عیسائیوں کے مشہور رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مبصر زمانہ انگریز کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں مسلمانان عالم کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "اب ابتدائی مکی حالات اسلام میں عام ہو چکے ہیں"۔ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:-

The early Meccan attitude has now become general in Islam. (مؤلف)

کہ اس مردِ خدا کی دعاؤں اور توجہ کے اثر سے اسلام کے دوبارہ غلبہ کا خیال ایک بجلی کی رَو کی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کے قلوب میں سرایت کر گیا۔ اور اس مامورِ ربّانی اور امامِ یزدانی کے فیضِ رُوحانی کی ہَوا تمام عالم میں بُشریٰ اَبین یدی رحمتہ بن کر پھیل گئی جس نے مسلمانوں کے دلوں میں اُمید کی لہر دوڑا دی۔ اور یہ جو مسلمانوں میں آپ اب حرکت اور جدوجہد کے آثار دیکھتے ہیں یہ اسی اُمید کا نتیجہ ہے جو دوبارہ ان کے دلوں میں پیدا ہوئی ہے۔ کیا یہ تھوڑا سا کام تھا جو حضرت مرزا صاحب نے کر کے دکھایا۔ کیا گری ہوئی قوم کو ترقی کے راستہ پر ڈال دینا (جیسا کہ آپ کے الہام نے بھی آپ کی بعثت کا مقصد یہی بتلایا تھا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند ترمحکم اُفتاد") کوئی ایسا کام نہیں جس کے آگے عقلمندوں کے قلوب عقیدت سے جُھک جائیں۔ خدا تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں اس امر کو خلافتِ محمدیہ کا نشانِ خصوصی قرار دیا ہے جیسا کہ آیت استخلاف میں مسلمانوں کو خلافت کا وعدہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا کہ خلافت کے قائم ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا مسلمانوں کے دین کو جو انہیں پسند ہے متمکن کر دیگا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا۔ پس دین کو متمکن کرنا اور خوف کو امن سے بدلنا اگر خلافتِ محمدیہ کا نشانِ خصوصی ہے تو پھر یا تو ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر نہایت صفائی سے یہ نشانِ خلافت ظاہر ہوا تھا یا آج اس آخری زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں پر یہ نشانِ خلافت نہایت صفائی سے ظاہر ہوا۔ پس بایں ہمہ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب خلیفۂ محمدی نہیں ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے۔ حقیقت سے آنکھیں بند کر لینا اور بات ہے۔ ورنہ اس نشانِ خلافت کے نمایاں اور ظاہر ہونے میں تو کوئی کسر نہیں رہی۔

مسلمانوں کا نصب العین بلند کرنے سے قوم میں اتحاد پیدا کیا

کسی قوم کو حکومت اور عزّت حاصل کرنے کیلئے تعمیرِ قومی اور اس کے اندر سے قوم میں اتحاد پیدا کرنے کے ساتھ ہی جس چیز کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ اس کے افراد کا باہمی اتحاد اور نظام ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو یہ بتا کر کہ ایک مسلمان کا نصب العین فقط لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ خدا کی بادشاہی اور اس کے جلال کو قائم کرنا ہے۔ ان کے نصب العین کو اس قدر بلند کر دیا کہ اگر اس پر ان کا عمل ہو جائے تو آپس کے تمام فروعی جھگڑے اور مناقشات ختم ہو کر آج قوم میں وحدت و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں کانّھم بُنیانٌ مرصوص کی طرح دوش بدوش کھڑے ہو کر جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جن مسلمانوں نے حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا نصب العین

جب خدا کی بادشاہی کو قائم کرنے کیلئے دعوت و تبلیغ کے رنگ میں جہاد ہو گیا تو آپس کے تمام فروعی جھگڑے ان میں یک قلم موقوف ہو گئے۔ ان کے اندر نہ شیعہ و سُنّی کا جھگڑا باقی رہا۔ نہ مقلد و غیر مقلد کا تنازعہ سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ ایک حقیقی طبیبِ رُوحانی کا یہی تو کمال ہوتا ہے کہ وہ مرض کی تشخیص صحیح طور پر کر کے ایسا حتمی علاج تجویز کرتا ہے جو خدا کے فضل سے خالی نہیں جاتا۔

یہ تصب العین کا بدل دینا ایک ایسا کارگر علاج ہے کہ اگر ساری مسلمان قوم اس پر عامل ہو جائے تو تمام تفرقے مٹ کر ساری قوم ایک ہو سکتی ہے۔ ان کو سمجھ آ سکتی ہے کہ ہم کن لغو جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اصل مقصد تو ایک مسلمان کی زندگی کا یہ ہے کہ وہ خدا کے جلال اور اُس کی بادشاہی کو قائم کرے۔ یہ اختلافِ آرا تو جبتک دنیا قائم ہے باقی رہے گا۔ پس چاہیئے کہ اختلاف آرا کی عزت کی جائے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر اور بُرا نہ کہا جائے بلکہ آپس میں محبت اور پیار سے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی غلط فہمی کو مٹایا جائے۔ اور چاہیئے کہ سب آپس میں متحد و متفق ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں تا اسلام کا بول بالا ہو۔ اس طرح پر فرقہ بندی کی لعنت جو آپس میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے ہمہ وقت تیار رکھتی ہے نہایت آسانی سے مٹ سکتی تھی۔ کیونکہ اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کا نصب العین اصلی جگہ سے گر کر بہت نیچا ہو گیا ہے۔ وہ بجائے خدا کا جلال ظاہر کرنے اور اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے اپنے نفس کی اس قدر پوجا کرنے لگے ہیں کہ جو اُن سے ذرا بھی اختلاف رائے رکھے اُسے فوراً کافر بنا کر دم لیتے ہیں۔ جب خدا ایک۔ قرآن ایک۔ رسول ایک۔ قبلہ ایک تو وحدت و اتحاد کے لئے اتنی زبردست اور محکم بنیادیں ہوتے ہوئے اختلاف آرا پر ایک دوسرے کو کافر کہنا مسلمانوں کی کس قدر بدقسمتی ہے۔ اور مسلمانوں کے باہمی تفرقوں اور تشتت و افتراق کا یہی واحد سبب ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو کسی مومن کو کافر کہتا ہے تو کفر لوٹ کر اُسی پر پڑتا ہے۔ یہ سزا اسی لئے تجویز فرمائی تھی تا مسلمانوں میں تکفیر بازی کی لعنت نہ پیدا ہو جس سے قوم میں افتراق و انشقاق پیدا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں نے آنحضرت صلعم کے اس ارشاد پر عمل نہ کیا اور اس کا خمیازہ بھگتا۔ حضرت مرزا صاحب نے جب قوم میں پھر اتحاد و نظام پیدا کرنا چاہا تو نصب العین کے بدلنے کے ساتھ ہی اس حدیث پر عمل کو بھی زندہ کیا اور اُن مکفرین کے مقاطعہ کا حکم دے دیا جو کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر کہتے ہیں یعنی ان سے تعلقات اسلامی منقطع کر لئے جائیں جب تک کہ وہ اپنے تکفیر بازی کے مشغلہ سے باز نہ آ جائیں۔ حضرت مرزا صاحب نے تو امام ابوحنیفہ کی طرح یہ فرما کر فرقہ بندی

کی جڑ پر کلہاڑا رکھدیا کہ جس میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو اُسے بھی کافر نہ کہو۔ اسلام میں سے فرقہ بندی کے مرض کو دُور کرنے کا یہی ایک ہی علاج تھا جو حضرت مرزا صاحب نے نہایت عقلمندی کے ساتھ تجویز کیا تھا اگر مسلمان مستعدی سے اس پر عمل کرتے تو آج کو نہ تکفیر بازی ہوتی اور نہ افتراق و انشقاق۔

جماعت کے بنانے کی اصل وجہ

شاید کسی نے یہ سوسہ گزرے کہ پھر حضرت مرزا صاحب نے خود کیوں جماعت بنائی۔ میں کہتا ہوں کہ اس جماعت کے بنانے کا موجب ہی جہاد کبیر ہے جسکا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں اور جس کی طرف حضرت مرزا صاحب نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو دعوت دی تھی اور فرمایا تھا کہ آؤ اس ایک نصب العین کیلئے ہم سب ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں۔ (دیکھو آپ کی تصنیف فریاد درد) کیا اس جہاد کیلئے جماعت کی ضرورت نہ تھی۔ کونسا جہاد ہے جو بغیر جماعت اور امام کے ممکن ہے۔ جہاد تلوار کا ہو یا قلم کا۔ ظاہری غلبہ کیلئے ہو یا رُوحانی غلبہ کیلئے۔ جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر فوج کے کسی قسم کی بھی جنگ کرنی ممکن نہیں۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے اس جہاد کے لئے ایک جماعت بنائی تو اس میں کونسی فرقہ بندی ہوگئی۔ غیر از جماعت مسلمانوں کو آپ کی جماعت اگر الگ کوئی فرقہ نظر آتا ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے علما نے اُنہیں کافر قرار دے رکھا ہے۔ اگر کافر نہ سمجھو تو کوئی بھی الگ فرقہ نہیں۔ وہی مسلمان اہل سُنت والجماعت ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مرزا صاحب بار بار اعلان کرتے رہے۔ گویا یہ معترض کی اپنی ہی آنکھ کا قصور ہے جس پر تعصّب کی عینک چڑھی ہوئی ہے جو حضرت مرزا صاحب کی جماعت اُسے کوئی الگ فرقہ نظر آتی ہے۔ ہاں علم کلام کے ان تمام نئے اسلحہ سے اس جماعت کے مجاہدین مسلح ہیں جو آج اس رُوحانی اور قلمی اور کلچر کی جنگ کیلئے ضروری ہیں۔ اس پر ناراض ہونا ایسا ہی ہے جیسے جہاد بالسیف کی اگر ضرورت آپڑے اور مسلمانوں کی کوئی فوج توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور ٹینک وغیرہ کا استعمال کرے تو علما ان لوگوں کو اسلام سے خارج کر دیں کہ انکے پاس وہی پرانی تلواریں اور ڈھالیں اور تیر اور برچھے کیوں نہیں جنکا استعمال سلف صالحین کیا کرتے تھے۔ کسی مجاہدین کی جماعت پر جو شخص فرقہ بندی کا الزام لگاتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ وہ خود تو اس فوج میں شامل ہو کر جہاد جیسے اہم فریضہ کو بجا نہیں لاتا اُلٹا شامل ہونیوالوں کو ملامت کرتا ہے۔ مثل ہے کہ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ کونسا جہاد ہے خواہ وہ اسلام کے ظاہری غلبہ کیلئے یا رُوحانی غلبہ کیلئے جو بغیر کسی فوج کے کیا جا سکتا ہے اور کونسا تبلیغی کام ہے جو بغیر کسی جماعت کے جاری رہ سکتا ہے۔ خدا خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (آل عمران) مسلمانو! چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت موجود رہے جو خیر یعنی اسلام کی طرف لوگوں کو بلائے اور نیک کام کرنیکا حکم کرے اور بری باتوں سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانیوالے اور کامیاب ہونیوالے ہیں۔

حصّہ اوّل تمام شُد